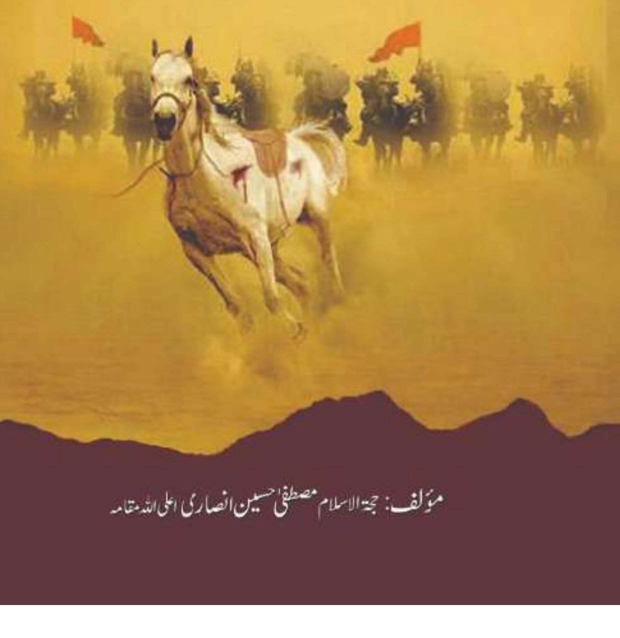
www.welayatpublications.com Email : welayatpublications@gmail.com

قتیل نینویٰ – 167

قتیل نینویٰ

سوانح حیات شہید کربلا حضرت امام حسین ابن علی علیہ السلام



مؤلف: حجۃ الاسلام مصطفیٰ حسین انصاری اعلی اللہ مقامہ

قتیل نینویٰ

سوانح حیات شہید کربلا حضرت امام حسین ابن علی علیہ السلام

مؤلف

حجۃ الاسلام مصطفیٰ حسین انصاری اعلی اللہ مقامہ



حجۃ الاسلام مصطفیٰ حسین انصاری اعلی اللہ مقامہ

Contact:09958225575
E-mail:welayatpublications@gmail
Web:welayatpublications.com

قتیلِ نینویٰ

سوانح حیات شہید کربلا حضرت امام حُسین ابن علی علیہ السلام

مُصطفیٰ حُسین انصاری

قتیلِ نینویٰ

سوانح حیات شہید کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام

مصنف	:	مولوی مصطفیٰ حسین انصاریؒ
طبع اول	:	۲۱/مارچ ۲۰۰۷ء
تعداد	:	
ناشر	:	
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	
سرورق	:	
طباعت	:	
قیمت	:	

فہرست مضامین

☆

عرض ناشر

اللہ! اللہ! بائے بسم اللہ پدر معنی ذبح عظیم آمد پسر
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت سطر عنوان نجات ما نوشت
اقبالؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا مصطفےٰ حسین انصاری مرحوم ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ وہ نہ صرف اپنی ذات کے اندر انجمن تھے بلکہ شمع انجمن کے مانند اپنے گردنواح کو بھی روشن رکھتے تھے۔ واعظ، مبلغ، خطیب، عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مخاطب شناس اور نباضِ وقت تھے مگر ان صلاحیتوں سے کبھی منفی نہیں بلکہ مثبت کام لیتے رہے۔ ان کی تقریر ہمیشہ منطقی جواز پر مبنی ہوتی تھی۔ مولانا کا دستور یہ تھا کہ مسئلہ کتنا ہی فکر طلب کیوں نہ ہو، وہ محنت کر کے اور مآخذ کی تلاش کر کے مستند روایات کی بنیادوں پر اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے۔ یہی سبب ہے کہ سامعین ان کی مجالس ہمیشہ انہماک سے سنتے کہ مسائل کی تمام کڑیاں ذہن میں محفوظ ہو جائیں۔

مولانا کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے صرف تقاریر وخطابات کے جوہر تک ہی اپنے آپ کو محدود نہ رکھا بلکہ اپنے قلم سے اپنی فکر کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مولانا نے کبھی جاہ وحشم اور دنیاداری کو ملحوظ نظر نہیں رکھا، نہ کبھی دوست نوازی کی خاطر حقائق کو مستور رکھا اور نہ کبھی ذاتی دشمنی کی بنا پر کوئی ایسی بات کہی جس کے لئے حرف گیری ہو۔ ان کا مقصد روشنی علم کو عام کرنا تھا، ذہن کو جلا بخشنا تھی اور فکر کو مہمیز دینے کا کام ان کے قریب سب سے اہم رہا ہے۔

تاریخ اسلام ان کا پسندیدہ موضوع تھا۔ اردو ان کی پسندیدہ زبان تھی گو کہ تقاریر کے لئے وہ کشمیری زبان کا بھی استعمال کرتے تھے لیکن اپنے رشحات قلم کو اردو میں محفوظ کر کے انہوں نے ہمیشہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانا چاہا۔

مولانا کی کتابیں گواہ ہیں کہ انہوں نے تفسیر قرآن میں دلچسپی لی، نہج البلاغہ کی شرح کی اور سیرتی ادب میں بھی انہوں نے اپنا حصہ ادا کیا۔ جب ادب کے آئینے میں دیکھیں تو وہ ایک ناول نگار اور کالم نویس کی صورت میں

سامنے آتے ہیں۔ جنہوں نے مولانا کو سنا ہے اور پڑھا ہے وہ ان کی شیرین سخنی، سلاست، فصاحت اور بلاغت کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ ان خصوصیات سے استفادہ بھی کرتے رہے ہیں۔

مولانا صداقت اور قلم دونوں کی طاقت سے بخوبی واقف تھے۔ صداقت کا اسوہ کربلا سے ملا تھا اور قلم نے اس کی امانت داری کی۔ بعض شرپسند قلم کا صحیح استعمال نہ کر کے صداقت پر جہالت کے پردے چڑھاتے رہے ہیں اور مولانا ساری زندگی اپنی قوت گفتار اور قدرت قلم سے تاریخ کے ان پردوں کو ہٹانے کی کوششوں میں مصروف رہے جس سے صداقت تک پہنچنا آسان بن گیا۔

زیر نظر کتاب **قتیل نینویٰ** گواہ ہے کہ مولانا نے تاریخ کے واقعات سے جہالت و تعصب کے سیاہ پردوں کو ہٹانے کے لئے جس لگن اور محنت شاقہ کا ثبوت دیا کہ جب انہوں نے ان تمام مآخذ کو کھنگالنے کا بیڑہ اٹھایا جن میں مستند علمائے اسلام کے کارنامے، غیر مسلم دانشوروں اور محققین کے معروضات کے ساتھ ساتھ معترضین کے اعتراضات بھی شامل ہے اور پھر دلائل و براہین سے اپنی طرف سے مستند واقعات کو ترتیب دیا تا کہ گمراہی کم سے کم ہو۔ ۱۹۷۵ء میں مکمل کی ہوئی مولانا کی یہ تصنیف پہلی بار (اکتیس سال بعد) زیور طبع سے آراستہ ہو رہی ہے۔ اسے ہماری قوم کی بے حسی کہئے یا حالات کی ستم ظریفی کہ مولانا کی زندگی میں ان کا یہ کارنامہ اہل نظر کے سامنے نہ آیا۔

الحمد اللہ مصطفیٰ انصاری فاونڈیشن نے گذشتہ ڈیڑھ سال کی قلیل مدت میں مولانا مرحوم کے قیمتی ادبی و علمی اثاثہ کو یکجا کرنے کا کام بڑی حد تک مکمل کر لیا ہے اور ستر کی دھائی میں طبع شدہ سیرت پیغمبر اسلام **آفتاب نبوت** کا نیا ایڈیشن بھی اس دوران شائع کیا اور ساتھ میں مولانا مرحوم کا کشمیری منظوم کلام بھی منظر عام پر لایا۔ اب سال نو یعنی اول محرم الحرام ۱۴۲۸ھ کو قوم کے سامنے **قتیل نینویٰ** پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے۔

اس کتاب کی اشاعت مولانا مرحوم کے ساتھیوں اور عقیدت مندوں کے اخلاقی تعاون اور دعاؤں کے بغیر ممکن نہ تھی۔ میں خاص طور پر برادرم مولانا مسرور عباس انصاری کی کاوشوں کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا جنہوں نے عدیم الفرصتی کے باوجود اپنی عالمانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس قلیل مدت میں **قتیل نینویٰ** کی اشاعت کو ممکن بنایا۔ اس کے علاوہ برادران شاہد انصاری اور حامد انصاری کی انتھک کوششیں بھی والد مرحوم کے اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے میں کلیدی حیثیت کی حامل رہیں۔ امید ہے مولانا کے عقیدتمندوں میں ہماری یہ سعی مقبول ہوگی۔

سجاد انصاری
مصطفیٰ انصاری فاونڈیشن
دار الانصار، نروره، سرینگر
۱۰ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ مطابق ۳۱ ڈسمبر ۲۰۰۶ء

حرف اول

رمز قرآن از حسینؑ آموختیم   ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم
تار ما از زخم اش لرزان ہنوز   تازہ از تکبیر او ایمان ہنوز
اے صبا ای پیکر دور افتادگان
اشک ما بر خاک پاک او رسان

اقبالؒ

کس قلمکار کی نبضوں میں طاقت ہے کہ وہ امام حسینؑ کے اگنت محامد ومحاسن کو ضبطِ تحریر میں لا سکے۔ یہ چند فضائل جو اس عاصی نے ان اوراق پریشان میں سجائے ہیں صرف اسلئے ہیں کہ امت بے خبر یہ جان لے کہ جس اولوالعزم مرد کامل کی یاد ہر سال منائی جاتی ہے وہ کن اوصاف عظیم کا حامل تھا۔ اس کتاب میں درج تاریخی حقائق میری اس عمارت کی بنیاد ہے جس پر میں کتابی صورت میں ایک قصر تعمیر کرنا چاہتا ہوں اور یہی قصر تھا کہ جس کو تحرو، تمرّ داور سرکشی کی آندھیوں نے مسمار کر دینا چاہا لیکن ہر آندھی ہر وقت اپنا سامنہ لیکر رہ گئی۔ اب ایک طرف اس عظیم المرتبت ہستی کو مدنظر رکھ لیجیے اور دوسری طرف اُس طوفان کو کہ جو عیش وطرب کے زمزموں، گراں ماں باندیوں کی ریل پیل، عشوہ، دلبری، غمزہ ترکانہ، ساغر کے چھلکتے ہوئے جاموں سے اُٹھا تھا اور اُٹھ کر اطراف عالم کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔ اگر اس بڑھتے ہوئے طوفان کے مقابلے میں یہ مرد کامل آہنی عزم لیکر نہ اُٹھ جاتے تو اسلام داستان پارینہ بن کے رہ گیا ہوتا۔ کہتے ہیں تاریخ اپنے آپ کو دھراتی ہے۔ ہمیں اِس سے پورا پورا اتفاق ہے۔ اسلئے کہ تاریخ نے ان حقائق کی نشاندہی کی ہے کہ جن سے باطل کے ترکش کا ہر تیر پر تولتے ہوئے نظر آیا۔ ابومخف، ابن جریر طبری، خطیب بغدادی، ابن اثیر جزری، ابن حجر عسقلانی، ابن قتیبہ دینوری، ابن طلحہ شافعی اور ابن حجر مکی کے بعد عباس محمود العقاد، ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری، بہلول بہجت، ڈاکٹر ہیکل، عبدالفتاح عبدالمقصود، علامہ امینی، فرید وجدی، علامہ مقریزی نے واقعہ کربلا کے ابتدائی سین کی کھینچی ہوئی تصویروں سے آخری سین تک انصاب قائم کیے۔ اہل علم اگر بدون تعصب کے اس راستے پر چلنا چاہتے تو اس ہولناک حادثہ کے ذمہ دار افراد کا سراغ ملنا یقیناً ان کے

لئے چنداں مشکل نہیں ہوگا۔ ورنہ کیا یہ سوال پیدا نہیں ہوسکتا ہے کہ کیا یزید کو اتنی ہمت تھی کہ وہ حسینؑ کے ساتھ اس طرح پیش آجاتا؟ یہ سوال آجکل اکثر ان افراد کے ذہن میں منڈلا رہا ہے جو صرف یزید کو یزید ہی تک کی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن وہ اس حقیقت کو قطعی بھول جاتے ہیں کہ یہ ٹکر، یہ محاربہ یا یہ تصادم حسینؑ اور یزید کے مابین بالکل نہیں تھا۔ کیا ہم اس سوال کا یہی جواب تلاش کریں گے کہ ایک طرف حسینؑ تھے اور ایک طرف یزید تھا۔ اگر یہی اس سوال کا جواب ہے تو ہم بانگ دہل اعلان کریں گے کہ افراد عامہ کو جان بوجھ کر تاریخ کے حقائق سے روگردانی کروائی جاتی ہے۔ ان کو جادہ حق سے منحرف کروایا جاتا ہے اور ان کو وہ کچھ سمجھنے سے قاصر رکھا جاتا ہے جس کے لئے تاریخ اور احادیث کی زبان بار بار نوچ لی گئی!

یہ جنگ حسینیتؑ اور یزیدیت کی جنگ تھی۔ اسلام اور کفر کی جنگ تھی۔ ہاشم اور اُمیہ کی جنگ تھی۔ حق اور باطل کی جنگ تھی۔ فطرت اور عناصر کی جنگ تھی۔ روحانیت اور ضلالت کی جنگ تھی۔ اس جنگ میں حسینؑ کے ساتھ حسینیت، اسلام، ہاشم، حق، فطرت اور روحانیت کا اسلحہ تھا اور اسکے مقابلے میں یزید کے ساتھ یزیدیت، کفر، اُمیہ، باطل، عناصر اور ضلالت کا اسلحہ تھا۔

مصطفیٰ حسین انصاری

ابتدائیہ

انّ دین عند الله الاسلام بیشک اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہے

اِس مختصر جملے نے اسلام کی عظمت و رفعت بزرگی اور اولوالعزمی کا بانگ دھل اعلان کر دیا۔ اِس ایک فقرے نے مابقیہ ادیان کے وزن کا احساس دلایا۔ کوئی بھی دین کتنا ہی پُر رفعت کیوں نہ ہو، اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سوال یہ ہے اگر اسلام ربّ کائنات کا پسندیدہ دین ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمان دنیا کے مصیبت زدوں میں سب سے زیادہ مظلوم اور درماندہ ہیں۔۔۔۔؟ ہر خطے میں ان کی زبوں حالی بڑھتی جا رہی ہے۔ ان کے مصائب وآلام میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ان کا ہر ہر قدم تنزل کی طرف اُٹھتا جا رہا ہے اور اس کے مقابلے میں کفر و ضلالت طغیاں وعصیان اور کذب و باطل کے ہر گھر میں عشرت کی شمعیں روشن ہیں۔ اور نشہ عیش کے ہیجان سے ظلم و جبر کی شاخیں لچک رہی ہیں۔

اِس کا جواب یہ ہے۔ آج اسلام کی دوستی کا دم بھرنے والے، اِس پر کٹ مرنے کا دعوے کرنے والے اور دستور اسلام کے قیام ونفاذ کا ڈھنڈورا پیٹنے والے روحِ اسلام کی اِس روش سے ہٹ چکے ہیں کہ جس میں اسلام کی بقاء کے لئے ابتلا وامتحان کی گذرگاہ پر چلنے کا شدت سے مطالبہ کیا گیا تھا۔ کیونکہ اسلام دین فطرت ہے اور فطرت ایک حقیقتِ ابدی ہے۔ فطرت کا ناقابل تغیّر مقام ہے۔ فطرت ہی حقائق کے چہروں سے نقاب کشائی کرنے کی ہمت رکھتی ہے۔ جس نے فطرت کو بروئے کار لا کر صداقت کے چہرے سے نقاب اُٹھائی، اس نے اپنے لئے ایک نئی راہ متعین کی۔ یہی اسلام کا اولین مطالبہ ہے۔ اب جس نے بھی اسلام کو اِس نظریہ کے ساتھ اپنایا تو دنیا کے مصائب کے بارے میں اس کا اندازِ فکر یک لخت بدل جائیگا۔ عمل کی راہیں استوار ہو جائیں گی۔ اِس کے بعد اس کی ہر حرکت اسکی روح کے لئے بالیدگی اور اسکا ہر ہر قدم پوری نسلِ انسانیت کے لئے مشعل راہ بن جائے گا۔ اور وہ یقیناً اس راز کو پالے گا کہ زخموں پر زخم کھانا۔ غش سے لڑکھڑانے کے بعد پھر سنبھلنا معراجِ انسانیت ہے اور عبودیت کا پُرشکوہ درجہ ہے۔

اِس تمہید کو سامنے رکھ کر اب اِس حقیقت کا تصور کیجئے کہ جب بھی انسان نے کوئی خودساختہ انقلاب لانا چاہا۔ کسی ایک سلطنت کا نقشہ بدلنا چاہا۔ گھوڑے ھنھنائے۔ طیّارے گرج اُٹھے، نیزوں کی انیاں چمکنے لگیں۔ گولوں

اور گولیوں کی آوازوں سے کان پھٹنے لگے۔تلواریں بے نیام ہوئیں ۔بموں سے زمین کا کلیجہ دہلنے لگا۔نہ صرف انسانی خون کی ہولی کھیلنا شروع ہوئی ۔بلکہ زمین کا کلیجہ بھی پھٹنے لگا اور اس کے بعد یا تو یہ لڑنے والی قوم صفحہ ہستی سے ناپید ہو کر رہی ۔یا اس نے خون کی دبیز لکیروں سے نئی سرحد بندی کی ۔یا یوں کہئے آزادی کا آفتاب پوری آب و تاب سے اپنے ہی پرستاروں کے خونی سمندر سے طلوع ہو کر مُسکراتا ہے۔یہ حال جب مادیت اور فانیت کا ہے کہ جس کے سامنے صرف توسیع پسندی کا نظریہ تو حق وصداقت کے قوِام اور انصاف وانسانیت کی بقا کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جاسکتا۔حق وصداقت ،انصاف وانسانیت اور عدل ومساوات جو ہستی کے برہم زُلفوں کو سلجھانا ،راہ عمل کے ہر پیچ وخم کو استوار کرنا اور آدمیت کے چہروں کو صاف کرنا چاہتا ہے،کس قسم کی جنگ اور کس قسم کے انقلاب کا خوگر ہوگا۔۔۔مقصد کی بلندی جب مطمحِ نظر ہو تو حوادث کا سامنا کرنا ابتلاء وآزمائش کے کٹھن مراحل سے گذرنا زندگی کا لازمہ بن جاتا ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ حق وصداقت کے پرستاروں کے خلاف طوفان خیز تباہیوں کا زیادہ امکان ہے۔المناک اور حوصلہ شکن مصائب کا زیادہ خطرہ ہے۔کیونکہ دنیا کا ہر نظام نہ صرف اپنے ماحول سے سمجھونہ کرتا ہے۔بلکہ ہمسایہ ممالک کے ساتھ بھی تعلقات کو استوار کرتا ہے۔سیاست کے ہر موڑ کے ساتھ سازگاری کرنے کا خواہاں رہتا ہے،لیکن حق وصداقت جو''اسلام'' کا بنیادی نظریہ ہے،زمانے کے ساتھ سازگاری نہیں کرسکتا۔مکر کا جواب مکر سے اور جھوٹ کا جواب جھوٹ سے نہیں دے سکتا۔انسانی حاکمیت کے مقابلے میں اللہ کی حاکمیت کو جُھکنے نہیں دیتا۔اس کا الگ نظامِ معیشت ہے۔اِس کی الگ پالیسی ہے۔اِسکا الگ آئین ہے۔جو دنیا کے ہر نظام معیشت ، پالیسی اور آئین سے بالاتر ہے۔اللہ نے فرمایا ہے۔''اسلام کی راہ میں جہدِ مسلسل جاری رکھو تا آنکہ اسلامی دستور کی بالادستی سب پر قائم ہو جائے۔یہی آئین مدنظر رکھ کر علامہ مشرق نے فرمایا۔ع

حدیثِ کم نظران ہے تو با زمانہ بساز　　　　زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

لہٰذا یہ سمجھنا چاہیئے کہ حق وصداقت کا پابند انسان ماحول کے سامنے بے بس اور مجبور نہیں ہے۔چونکہ اِسکا اپنا الگ مقام ہے۔لہٰذا اِسکا اپنا ماحول ہے۔اس ماحول کے قوِام اور بقا کے لئے اِس کے پرستار کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرسکتے ہیں۔ع

بنالیتا ہے اکثر خون دل سے اک چمن پیدا　　　　وہ پابندِ قفس جو فطرتاً آزاد ہوتا ہے

یہی وجہ ہے کہ اب جو بھی اِس کا جتنا حامی ہوگا،وہ اتنا ہی آزمائش وابتلاء کا شکار ہوگا۔اسے ہر فرسودہ نظام سے ٹکر لینا پڑتی ہے۔جبر واستبداد کا مقابلہ خندہ پیشانی سے کرنا پڑتا ہے۔ہر طاغوتی طاقت کے ساتھ پنجہ آزمائی کرنا پڑتی ہے۔جسکی فواج کی کثرت اور اسلحہ کی فراوانی کے باوجود یہ اپنی بے سروسامانی کے ساتھ اپنی بلند مقصد زندگی کو مصائب وآلام کے تند وتیز تھپیڑوں کے حوالے کرتا ہے۔اِس کی کس مپرسی ،اس کی صحرانوردی اور اس کے بعد اسکا

غربت میں ایڑیاں رگڑتے ہوئے مرجانا ایک ایسا انقلاب بن جاتا ہے کہ جس سے فراعنہ وقت کی نبضیں تک ڈوب جاتی ہیں اوران کے ایوان پیوندِ زمین ہوکر رہ جاتے ہیں۔

جب ہم اسلام اور اِس کے یقینی پرستاروں کے مندرجہ صدر اقدام کا تصور کرتے ہیں، تو فوراً ہماری توجہ تاریخ کے اِس لاثانی، زہرہ گداز اور خونین ورق کی طرف مبذول ہو جاتی ہے جس میں چند مٹھی بھر مجاہدین حرّیت اپنی تمام تر بے سروسامانی کے باوجود ظلم واستبداد کا مقابلہ ایک اچھوتے اور بھیانک طریقے سے کرتے ہوئے نظر آجاتے ہیں۔ یہ مٹھی بھر مجاہدین کہ جن میں رسولؐ اعظم کی روح رواں دواں تھی۔ اور جن کی رگوں میں جلال محمدیؐ کا خون دوڑ رہا تھا۔ شاید ہی کوئی دلِ والا ایسا ہو کہ جس نے اِس منفرد مقابلے کو اپنا مشعل راہ نہ بنایا ہو۔ کیونکہ حق و صداقت کی مٹی ہوئی سرحد کی نئی حد بندی کے لئے ان مٹھی بھر مجاہدین حرّیت کے اولوالعزم قائد نے ریگ زارِ کرب و بلا میں خاندانِ رسالت کا خون نچوڑا۔ اپنی ننھی ننھی کلیوں۔ شباب سے مہکتی ہوئی جوانیوں اور مخذرات عصمتؑ کے آنسوؤں سے وہ خونی حصار بنایا کہ جو ہراُس تند وتیز آندھی کو سر پیٹنے پر مجبور کر گیا کہ جس نے کہر کذب و باطل کا سہارا لیکر حق وصداقت کی پائمالی کا ارادہ کیا۔

یاد کیجئے۔۔۔ صبح کربلا کا وہ ہوش ربا منظر کہ جب کائنات کی سانسوں میں ایک ٹھہراؤ آچکا تھا۔ عرش وفرش فسرطِ حیرت سے اِس جانسوز واقعہ کو دیکھ کر دم بخود تھے۔ کہ جب بوسگاہ مصطفیؐ پر جبر واستبداد بڑی بے غیرتی اور بے شرمی سے خنجر رکھ رہا تھا۔

ہاں! ہاں!! یہی تو حق وصداقت کے عظیم رہبر اور بنائے **لاالٰہ الااللہ** تھے، کہ جن کا نام بانیؐ اسلام نے فخر وانبساط سے حسینؑ رکھا تھا۔ اور آج تک محمدؐ عربی کا سر فرطِ عقیدت واحترام سے بلند ہے۔

بدر کے خونین معرکہ سے لے کر حسینؑ کے تاریخ ساز میدان تک یہی تعلیم حضرت ختمیؐ مرتبت نے دی تھی۔ کہ جب حدوداللہ کو تہس نہس کیا جارہا ہو، تو قلّت تعداد اور اسلحہ کی کمی کو نظر انداز کر کے عزم وہمت کے ہتھیار لے کر ہر آندھی کا رُخ موڑ دو اور آج ۶۱ ہجری میں ایک قاہر اور جابر حکومت کے ساز وسامان سے لیس افواج واسلحہ سے آراستہ شاہی قصر میں بیٹھ کر الٰہیٰ حاکمیت کو للکار رہا تھا۔ مملکت کا ماحول اِس سے سمجھوتہ کر چکا ہے۔ معاشرے نے اپنی زندگی کی مہار اس کے ہاتھ میں سونپ دی ہے۔ ابنائے صحابہ سرخم کئے ہوئے اسلام کی دردناک کروٹ دیکھ کر محوتماشا ہو چکے ہیں۔ اور انبیاء کا اسلام بالخصوص محمدؐ عربی کا اسلام ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ حق وصداقت کو تابوت میں بھر کر تیزی کے ساتھ دفنانے کی تیاریاں کی جارہی ہیں۔ شمع رسالتؐ جو مدت تک اپنی ضیا پاشیاں کر چکی تھیں۔ ٹمٹماتی ہوئی آخری ہچکی لینے پر آئی تھی۔ ماحول، سماج اور مزاج کا یہ خطرناک گٹھ جوڑ اُس انسانِ کامل سے دیکھا نہ گیا کہ جس نے آغوش رسالتؐ میں تربیت پائی تھی۔ جو ایک ادائے دلبری سے پالا گیا تھا۔ جس کے ابروں کے اشاروں پر رسول

رحمت اپنی آنکھیں نچھاور کرتے تھے۔ آپؑ اُٹھے۔ حالانکہ آپؑ بخوبی جانتے تھے، کہ جب کبھی حق کی حمایت کا نام لیا گیا تو بجلیاں کوندی ہیں۔ ظلم وتشدد کی طغیانیاں بڑھی ہیں۔ حکومتی مزاج میں گھلُ ملنے والی آندھیاں ہی ہیں۔ لیکن کیا یہ حقائق آپ کی راہ میں سنگِ گراں بنے؟ کیا آپ اپنے ہم عصروں کی طرح لالچ کی آڑ میں آ ئے؟ نہیں بلکہ آپؑ نے فیصلہ کیا۔ مجھے زخم کھا کر مُسکرانا ہی پڑیگا۔ مجھے نوک سنان پر چڑھ کر تبسّم لبوں پر لانا ہی پڑیگا۔ شہر بشہر اپنی اور پردگیاں عصمت کی تشہیر ہستے ہوئے منظور کرنا ہی پڑے گی۔ کیونکہ یہ اِس کوچہ کا پرانا دستور ہے ع

عشرتِ قتل گہہ اہلِ تمنّا مت پوچھ　　　　عید نظارہ ہے تلوار کا عریاں ہونا

اور کربلا کے خونریز معرکہ میں وہی ہوا۔ آسمان شعلے برسانے لگا۔ زمین انگارے اُگلنے لگی۔ لو کے جھکڑوں نے طوفان مچادیا۔ گرسنگی نے ارادے کو شکست دینا چاہی۔ پیاس نے دلوں کو دبا دینا چاہا۔ تیروں، نیزوں اور تلواروں نے عزم وہمت کو متزلزل کرنا چاہا۔ مختلف صوبوں کی افواج نے نت نئے پینترے بدل کر حوصلہ شکنی کرنا چاہی۔ اَن گنِت اقسام کے حربے استعمال کئے گئے۔ انتہائی کوشش یہ تھی کہ کسی بھی طریقے سے اولوالعزم حسینؑ کے پائے ثبات میں لغزش آجائے، اپنے موقف سے ہٹ جائیں۔ اعلائے کلمتہ الحق سے باز آجائیں، لیکن جتنی ظلم کی رسی کھینچی گئیں۔ سنگدلی کا جتنا بھی مظاہرہ کیا گیا۔ اتنا ہی صبر واستقاست کا یہ مجاہد مُسکراتا رہا۔ زخم کھاتا رہا۔ ہنستا رہا۔ باغ رسالتؐ کے پھول جب جب مُرجھاتے گئے، نظم وضبط کا یہ عظیم حرّیت کا داعی پُرسکون ہوتا رہا، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

بڑے بڑے سنگلاخ پہاڑوں کے کلیجے اُس وقت دہل گئے کہ جب چھ ماہ کا شیرخوار مجاہد حرّیت کے اس داعی اعظم کے ہاتھوں پر مُسکراتے ہوئے دم توڑتا ہے۔ کوئی بہادر سے بہادر بھی ہوتا چیخ مار کر اپنی خودداری سے دستبردار ہوجاتا۔ لیکن سلام ہو جناب فاطمہ زہراؑ پر کہ جنہوں نے اِس لاثانی مجاہد اِکبر کو دودھ پلایا تھا۔ آپؑ نے نہ صرف ننھی لاش کو صبر وسکون کے ساتھ سنبھالا بلکہ ایک اطمینان سے اُس کو ہاتھوں پر بلند بھی کیا۔ جیسے کہہ رہے ہیں۔ کہ دیکھو حق وصداقت کی بقاء کے لئے میں نے کتنی اچھوتی قربانی پیش کی۔ یہ وہ قربانی ہے کہ بڑے بڑے سورماؤں کا پتہ پانی ہوجائے۔ لیکن اِس کے باوجود میرے عزم وہمت میں کوئی لغزش نہ ہوئی، اسلئے کہ ع

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے　　　　اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہوجائے

آخر وفا بھی تو اِسی صبر شکن مرحلے کا نام ہے۔ گھر بیٹھے بیٹھے خوگرِ انقلاب رہنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ آزادی ضمیر اور انصاف وعدل کیلئے خون کے سمندر میں سے تیر کر گذرنا پڑتا ہے۔ پہاڑوں کے کلیجے چیرنے پڑتے ہیں۔ وہ قوم جو خاندان رسالت کا خون اپنی تلواروں سے چاٹنے پر کمر بستہ ہو۔ سرِ عام عصمتِ اسلام کی دھجیاں بکھیرنے پر تُلی ہوئی ہو، وہ کسی کی دم توڑتی ہوئی نبضوں پر ہاتھ کہاں رکھ سکتی ہے۔ اِس کے سامنے بن کھلے غنچوں کی پائمالی کا کیا خیال ہو۔ لات وھبل کے یہ پُجاری اور انو جہلان اغراض کے یہ بندے عہد وپیان کر چکے تھے کہ جہاں

بھی موقعہ ملے اسلام کی کلائی مروڑ کر حق وصداقت کا گلا اِس قدر دبا دیا جائے کہ یہ چیخ بھی نہ سکے۔ لیکن واہ رے عظمتِ اسلام! تیرے دامن میں جہاں شاہؑ ولایت کی برق پاش تلوار کی بجلیاں تھیں۔ وہاں شبیرؑ کا انقلابی سجدہ بھی موجود رہا۔ اگر تلوار نے مدتوں تیری تقدیس اور پاکیزگی کو بچایا شبیرؑ کے سجدے نے تیری آبرو کی لاج رکھی۔

ادھر سجدے میں گردن کٹی۔ اُدھر خاندانِ رسالتؐ کی عصمتیں زنجیروں میں باندھی گئیں۔ خولیانِ ہوس حرُملان بے رحم اور ابن زیادانِ اغراض ہنستے رہے۔ قہقہے لگاتے رہے۔ خوشیاں مناتے رہے۔ خوش فہمی تھی کہ بدر سے اُٹھنے والی تحریک کربلا میں دب گئی۔ لیکن اِس خوش فہمی کا پیرہن اسوقت چاک ہوا کہ جب کربلا سے بنت علیؑ ایک سلگتی ہوئی چنگاری کی طرح اُٹھی اور اپنی تقاریر سے اِن آتش فشانوں کے منہ کھول دیئے کہ جن سے یزیدیت کے خرمن جل کر راکھ ہوگئے۔

۶۱ھ ہجری سے لے کر آج تک پورے ۱۳۳۸ سال ہوئے۔ باطل اپنی تمام تر قہرمانی قوتوں کا سہارا وقتاً فوقتاً لیتا رہا۔ ہر بدلتے زمانے کے ساتھ انداز بدلائے۔ پیہم کوشش کی کسی نہ کسی طرح سے صداقت گھٹنے ٹیک دے۔ لیکن کرب وبلا کے خونی سمندر سے حرّیت، انصاف، مساوات، حق وصداقت اور عدل کا جو سفینہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ حیاتِ ابدی کے ساحل کی طرف گامزن ہوا۔ اسکے اگلے بادبان پر کائنات کے لئے یہ پیغام دعوتِ فکر وعمل دے رہا ہے کہ: ''عزت کی موت ذلّت کی زندگی سے بہتر ہے''۔

یہ تھا اسلام کا بنیادی نظریہ اور یہ تھا اسکے حقیقی رہنماؤں کا وہ انقلاب کہ جس نے حق وصداقت کی ایسی قندیل روشن کی کہ جو آج بھی اپنی تمام تر ضیاپاشیوں کے ساتھ شاہراہ آزادی کی نشاندہی کرتی ہے۔ اگر کربلا اور کربلا والوں کا کردار اپنایا جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ جن ممالک میں ہماری زبوں حالی کی تاریخ لکھی جارہی ہے۔ وہاں نئے عنوانات کے تحت ہماری انقلابی آزادی مندرج کردی جائے اور ہم پھر ایک بار وہی عزت وہی وقار اور وہی عظمت پالیں گے جو اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ اِس عظیم مقصد کو ٹھوس بنیادوں پر حاصلِ کرنے کیلئے ہمیں ربّ کائنات سے مانگنا پڑے گا کہ ع:

مجروح پھر ہے عدل و مساوات کا شعار — اِس بیسویں صدی میں ہے پھر طرفہ انتشار
پھر نائب یزید ہیں دنیا کے شہریار — پھر کربلائے نو سے ہے نوع بشر دوچار
اے زندگی جلال شہ مشرقینؑ دے — اِس تازہ کربلا کو بھی عزم حسینؑ دے
(جوشؔ)

مصطفیٰ حسین انصاری

ماخوذ از مجلّہ صحافی سرینگر ۱۹۷۴ء

تاثرات

رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم:

حذیفہ یمانیؓ سے روایات ہے کہ ایک دن حضورؐ نے امام حسینؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا **یــا ایھــا الـنــاس ھٰـذا الـحسینؑ بـن عـلـی فـاعرفوہ فوالذی بیدہ انہ لفی الجنة و محبیہ فی الجنة و محبی محبیہ فی الـجـنة**۔ یعنی اے گروہ الناس! یہ حسین بن علیؑ ہیں۔ انکو پہچانو۔ قسم بخدا یہ حسینؑ جنت میں ہیں، اسکے دوست جنّت میں ہیں اور اسکے دوستوں کے دوست جنّت میں ہیں۔

جناب ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آنخضورؐ نے حسینؑ کو ایسا کپڑا پہنایا جو دنیا کے کپڑوں میں سے نہیں تھا۔ میں نے آنخضورؐ سے عرض کی یا رسولؐ اللہ یہ حلہ کیسا ہے۔؟ آپ نے فرمایا **ھٰـذہ هـدیة اهـداهـا ربـی لـلـحسـیـن و ان لحممعها من زخب جناح جبرئیل وھا انا الیه البسه و ایاها و اذینه فان الیوم یوم الـزیـنـة و انی احبّه** ۔ یہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حسینؑ کے لئے ہدیہ بھیجا ہے اور اسکو جبرئیل کے پروں سے بنایا گیا ہے۔ میں حسینؑ کو زینت کے لئے پہنا تا ہوں آج روز زینت ہے اور میں حسینؑ کو دوست رکھتا ہوں۔

سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ ایک دن حسینؑ آنخضورؐ کی گود میں بیٹھے تھے اور حضورؐ آپ کے بوسے لے رہے تھے اور فرمایا یا حسین! **انـت الـسیـد ابن السید ابو السعادة انت الامام ابن الامام ابو الائمة انت الـحـجة ابـن الـحـجة ابو الحجج تسعة من صلبک وتاسعهم قائمهم** ۔ یعنی اے حسینؑ تو سردار ابن سردار ہے اور سرداروں کا باپ ہے۔ تم امام ابن امام اور اماموں کے باپ ہو۔ تم حُجت ابن حُجت ہو اور تمہارے صلب سے آنے والے حجتوں کے باپ ہو۔ تمہارا نواں فرزند حجت قائم آل محمد ہوگا۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اکرمؐ نے۔ **رایـت فـی الـجـنـة قـصـراً من درة بیضـآء لا صـدع فیهـا ولا وصـلٍ فـقلت حبیبی جبرئیل لمن ھٰذا القصر قال للحسین ابنک ثم تقدمت امـامه فاذاً انا بتفاح فاخذت تفاحة ففلقتها فخرجت منها حوراً کان مقاریم النّور الشغار عینها فـقـلت لمن انت بکت ثم قال لابنک الحسین** ۔ یعنی میں نے بہشت میں ایک قصر دیکھا جو سفید مروارید کا بنا ہوا تھا۔ قدرت کی صناعی کا لاثانی شاہکار۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا: یہ قصر کیا ہے؟ جبرئیل نے جواب دیا

خاص آپ کے بیٹے حسینؑ کے لئے ۔ میں اس قصر کے اندر گیا۔ سیبوں کے ایک درخت سے جب گذرا تو ایک سیب کو کاٹ لیا۔ جب اسکے دو حصے کئے تو ایک بے مثل حور اس میں سے نکلی جو اپنی پلکوں کا حسین شامیانہ اپنی آنکھوں پر کی ہوئی تھی ۔ میں نے اس سے پوچھا تو کون ہے اور کس کیلئے ہے ۔ یہ سنکر اسکی آنکھوں سے آنسوں نکل پڑے اور جواب دیا کہ میں صرف آپکے فرزند حسینؑ کیلئے ہوں[۱]۔

اخرج البخاری عن ابن عمر قال قال رسول الله هماریحانتای من الدّنیا یعنی الحسن والحسین یعنی فرمایا آنحضورؐ نے حسنؑ اور حسینؑ دنیا میں میرے لئے خوشبو ہیں[۲]۔

فرمایا آنحضورؐ نے حسنؑ اور حسینؑ جنت کے دو ناموں میں سے ہیں زمانہ جاہلیت میں عرب یہ دو نام کبھی نہ رکھتے تھے[۳]۔

حضرت ابوبکرؓ

واقدی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے جناب ابوبکرؓ کو کہتے ہوئے سنا کہ اگر آنحضرتؐ کی خوشی کو طلب کرنا ہو تو ان کے اہلبیتؑ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ مطلب یہ کہ جب تک کہ اہلبیت یعنی علیؑ، فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ کو خوش نہ کرو گے تب تک آنحضور بھی خوش نہ ہونگے[۴]۔

حضرت عمرؓ

آپ نے حضرت حسینؑ کو دیکھ کر فرمایا کہ ہم لوگوں کا بال بال آپ کے صدقے میں عطا ہوا ہے[۵]۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ

ایک دن آپ خانہ کعبہ کے سائے میں بیٹھے تھے کہ حضرت امام حسینؑ تشریف لائے۔ ان کو دیکھ کر آپ نے کہا کہ یہ حسینؑ آج تمام دنیا والوں میں سے سب سے زیادہ آسمان والوں کے دوست و عزیز ہیں[۶]۔

یوسف شافعی

امام حسینؑ اپنے زمانے کے تمام متکلمین میں سے سب سے زیادہ فصیح تھے۔ فصاحت اور بلاغت آپ کی فرمانبردار کنیز تھی۔ سلسلہ کلام میں آپ کے اشعار دھاگے میں پروئے ہوئے موتی کی طرح حسن و خوبی میں منقش چادر کی طرح معلوم ہوتے ہیں[۷]۔

حسن احمد البیرونی

نبوت کے ایسے گھرانے میں جہاں انسانیت کے صفات روشن تھے، جہاں آسمان سے وحی الٰہی کا سلسلہ جاری رہا، باپ حضرت علی بن ابی طالبؑ جو نہ صرف تاریخ عرب بلکہ تاریخ انسانیت میں بھی سرنامۂ شجاعت و جوانمردی میں بے مثل تھے، اور ماں حضرت فاطمہؑ بنت محمد مصطفیٰؐ نور رسالت کی ایک روشن جزء تھیں شعبان ۴ ہجری

کی ایک رات کوایک بچہ پیدا ہوا۔ یہ بچہ معمولی بچوں کی طرح نہ تھا بلکہ انسانیت کوعزت بخشنے والا اور معافی الوہیت کو ظاہر کرنے والا تھا۔ یہی بچہ حسینؑ کے نام سے مشہور ہوا[۸]۔

علامہ عائلی

امام حسینؑ نانا کے بعد اسلام کے دوسرے بانی تھے۔ بیشک آپ توحید کی بنیادوں کے مضبوط کرنے والے اور اسکے مجدد ہیں[۹]۔

محدث دہلوی

حسینؑ کی شہادت بظاہر رسولؐ کی شہادت ہے[۱۰]۔

عباس محمود العقاد مصری

شرافت، تعداد، قدر ومنزلت اور ذکر وتذکرہ کے اعتبار سے ساری دنیا میں شہیدوں کا کوئی خاندان امام حسینؑ کے خاندان اور ان کے اصحاب کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ امام حسینؑ کی فضیلت جاننے کیلئے اتنا سمجھنا کافی ہے کہ اس دین کی تاریخ میں آپ خود شہید، شہید کے فرزند اور بہت سی صدیوں میں شہید ہونے والوں کے باپ ہیں[۱۱]۔

علامہ شبراوی

اہلبیت رسالتؐ میں امام حسینؑ فضائل کی ان بلندیوں پر ہیں کہ ثریا بھی آپکے کمالات تک نہیں پہونچ سکتی۔ جب فضائل اور بزرگیاں تقسیم کی گئیں تو سب سے زیادہ حصہ امام حسینؑ ہی کو ملا[۱۲]۔

امام ابوحنیفہؒ

چونکہ امام صاحب (یعنی امام ابوحنیفہ) کو اہل بیتؑ اور مولا علی کرم اللہ وجہہ سے کمال درجہ کی محبت تھی یہاں تک کہ اس محبت کی وجہ سے (اہل حدیث) آپ کے مخالف ہوگئے ہیں۔ جناب امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اہل حدیث ہم سے بغض اس وجہ سے رکھتے ہیں کہ ہم اہل بیت☆ رسولؐ سے محبت رکھتے ہیں اور علیؑ کرم اللہ وجہہ کی خلافت ثابت کرتے ہیں اور وہ ثابت نہیں کرتے۔ ملل ونحل میں شہرستانی نے اصل سبب امام صاحبؒ کے قید ہونے کا یہ لکھا ہے کہ آپ کو اہل بیتؑ کے ساتھ بہت محبت تھی اور نہایت گہرے تعلقات تھے۔ جب یہ خبر خلیفہ منصور کو پہنچی تو اس نے امام کو دائم الحبس کر دیا۔ چنانچہ قید ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔ اب کسی کا منہ ہے کہ امام صاحبؒ کے مقابلے میں اہل بیتؑ کی محبت کا دعویٰ کر سکے۔ امام صاحب نے تو اس محبت میں اپنی جان تک فدا کر دی[۱۳]۔

☆ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے لئے فقط جناب رسالتمآب نے فرمایا اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلاءِ اَھلبَیتِی اسمیں کسی اور کا اضافہ کرنا تاریخ اور حدیث کو جھٹلانا ہے۔

امام شافعیؒ

لو کان رفضاً حب اٰل محمد ـــ فلیشهد الثقلین انی رافضٌ

ان کان حبُّ العلی رفض ـــ فانّنی ارفض العباد

اگر آل رسولؐ کی محبت کا نام ہی رفض ہے تو جن وانس اس بات پر گواہ ہیں کہ بتحقیق میں رافضی ہوں۔اگر مولیٰ علی کرم اللہ وجہ کی محبت کا نام رفض ہے تو پس بتحقیق میں خدا کے بندوں میں پہلا رافضی ہوں۔

یا اهل بیت رسول الله حبّکُم ـــ فرض من الله فی القرآن انزله

کفا کم من عظیم القدر مرتبةً ـــ من لم یصل علیکم لا صلوٰة له

اے رسول کے گھر والو! تمہاری محبت فرض کی گئی ہے ہم پر خدا کی طرف سے قرآن میں اور تمہارے لئے بلند مرتبوں میں سے یہ مرتبہ کافی ہے کہ جو نماز میں تم پر درود نہ پڑھے اسکی نماز ہی نہیں ہوسکتی۔

بابا فرید شکر گنج

کتاب ''راحت القلوب'' ملفوظات حضرت بابا فرید الملت و دین شکر گنج چشتی پاک پٹنی قدس سرّہ میں لکھا ہوا ہے کہ ایک روز آپ نے اپنے مریدوں سے ارشاد فرمایا:

''بغداد میں ایک بزرگ تھے۔ان کے سامنے حضرت امام والّا مقام کی شہادت کا ذکر ہوا تو اس بزرگ نے رسول خداؐ کے خاندان کے عشق ومحبت کے سبب اپنا سر اس قدر زمین پر مارا کہ خون جاری ہوا اور دیر تک وہ زمین پر پڑا رہا۔جب اُسے دیکھا گیا تو مرا ہوا پایا۔اسی رات کسی بزرگ نے اس عاشق حسینؑ بزرگ شہید کو خواب میں دیکھا، کہ وہ امیر المومنین، امام حسینؑ کے پاس کھڑا ہوا ہے۔اُس سے پوچھا گیا کہ اللہ عزوجل نے تجھ سے کیا سلوک کیا تو اس بزرگ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور حکم فرمایا کہ حسینؑ کے پاس کھڑا ہو جائے۔

متذکرہ کتاب میں موجود مختلف علماء وعرفاء کے اقوال کا ذکر ہم نے کردیا۔اب تھوڑا سا مؤلف کا حال سنیئے۔

اے عزیزو! خاندان رسولؐ وجگر گوشہ بتولؑ کی محبت اور عشق کا جذبہ جو ہمارے آقا ومولیٰ سرور دو عالمؐ کے مریدان جان نثار حضرات صحابہ کرامؓ کے مبارک دلوں میں پوشیدہ تھا ہم گناہ گاروں کو اپنی جان عزیز قربان کرکے بھی ہرگز حاصل نہ ہوگا۔خاندانِ رسول سے خلفائے ثلاثہ یعنی صدیق اکبر کی پاسداری، فاروق اعظم کی وفا شعاری، عثمان غنی کی ناز برداری کے علاوہ جملہ صحابہ کرام کی غمگساری کے صدہا واقعات مذہبی کتب وسیر میں زیر مطالعہ ہونے کے بعد ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ناموس خاندان رسولؐ کی خاطر ایک ادنیٰ صحابی کا بہایا ہوا خون اگر موجودہ دور کے سب مسلمانوں کے خون کے مدمقابل رکھا جائے تو بہر صورت حضور اکرمؐ کے صحابہ کا خون والا پلہ وزن دار ثابت ہوگا۔لہٰذا صحابہ رسول کی ہمدردی، اہل بیت کی خاطر صرف آنسو بہانا ہمارے خونی آنسوں بہانے سے بدرجہا اعلیٰ او

☆مشہور حدیث ہے: قال رسول اللّٰه یا علی اَنت منّی بمنزل هارون من مّوسیٰ الّا انه لا نبی بعدی (بخاری شریف)

رخداوند کریم کے نزیک بلند مرتبہ رکھتا ہے۔صحابہ کرام کی تقلید بہترین عمل ہے‘‘

مولانا عینی شاہ نظامی

ان کے فضائل کیا جو سراپا فضل تھے۔ان کے فضائل قرآن وحدیث ہیں۔ان کی ہر ادا سر چشمۂ فضیلت ،ان کا ہر شیوہ اک شعبۂ فضیلت، ہر فعل انکا ایک فضیلت، ہر عمل انکا ایک فضیلت۔انکے خلق معیارِ فضیلت، انکے شمائل اعتبارِ فضیلت۔ہم ان کی فضیلت کیا بیان کریں جو جانتے نہیں کہ فضیلت کیا ہے۔وہ ہمارے مولا، ہم انکے نام لیوا، وہ ہمارے پیشوا ہم ان کے اتباع، ہم اُن کے کلمہ گو، ہم ان کے سایہ جو ہم ان کے متبع ہونگے۔ہم ان کے غلام، ہم ان کے کفش بردار بھلا ہم ان کے فضائل کیا بیان کر سکیں گے۔وہ مجسم حسنات، نیکیوں کے سر چشمۂ، محاسن کے معدن، فضائل کے خزانہ، شمائل نبوی کے آئینہ دار۔یہ فضائل تقسیم کرنے والے، یہ حسنات بانٹنے والے اور یہ درجات بخشنے والے۔یہ امام ہم غلام، یہ حسینؑ اور ہم خاکِ نعلین۔

یہ تھے سُنی مذہب کے ایک جلیل القدر فاضل، محقق اور خطیب کے بیانات۔ان کے بیانات میں دیکھو کس حدتک حب اہل بیتؑ چھلکتی ہوئی ملتی ہے۔اور کیوں نہ ہوتی جبکہ:

جو درِ حسینؑ پہ ہو مکیں تو وہ پہنچے بیشک علیؑ تلک
جو علیؑ ملے تو نبیؐ ملے جو نبیؐ ملے تو خدا ملے

ایڈورڈ گبن

With an equal measure of piety, Hussain the younger brother of Hassan, inherited a remnant of his fathers sprit.

حضرت حسنؑ کے چھوٹے بھائی امام حسینؑ اپنے باپ (حضرت علیؑ) کے تمام فضائل وکمالات روحانیہ کے صحیح وارث اور جانشین تھے۔

واشنگٹن ارونگ

١٠ محرم الحرام ٦١ ہجری مطابق ١٠ اکتوبر ٦٨١ عیسوی اس لاجواب لڑائی کی تاریخ ہے۔کئی ہزار افواج کے ساتھ لڑنے میں بہتر آدمیوں کا زندہ رہنا محال تھا۔زندگی تلف ہو جانے کا یقین تھا۔نہایت آسانی سے ممکن تھا کہ امام حسینؑ یزید سے اس تمنا کے موافق بیعت کر کے اپنی جان بچا لیتے مگر اس ذمہ داری کے خیال نے جو مذہبی ریفامر کی طبیعت میں ہوتا ہے اس بات کا اثر نہ ہونے دیا اور نہایت سخت مصیبت اور تکلیف پر ایک بے مثل صبر واستقلال کے ساتھ قائم رکھا۔اولاد کا سامنے قتل عام ہونا۔چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کا مارا جانا۔زخموں کی تکلیف۔عرب کی دھوپ پھر اس دھوپ میں زخمی کی پیاس، یہ ایسی تکلیفیں نہ تھیں جو کسی شخص کو اپنے ارادہ پر قائم ودائم رہنے دیتیں۔

تھامس کارلائل

آؤ ہم دیکھیں کہ واقعہ کربلا سے ہم کو کیا سبق ملتا ہے۔ سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ شہدائے کربلا کو خدا کا کامل یقین تھا۔ وہ اپنی آنکھوں سے اس دنیا سے اچھی دنیا دیکھ رہے تھے۔ اسکے علاوہ وہ قومی غیرت اور حمیت کا ایسا بہترین سبق دیتا ہے جو اور کسی واقعہ سے نہیں ملتا اور ایک نتیجہ یہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ جب دنیا میں معصیت اور غضب وغیرہ بہت ہو جاتا ہے تو خدا کا قانون قربانی مانگتا ہے۔ اسکے بعد تمام راہیں صاف ہو جاتی ہیں [۱۴]۔

جیمس کا کرن

دنیا میں رستم بہادری میں مشہور ہے لیکن کئی شخص ایسے گذرے ہیں جنکے سامنے رستم نام لینے کے قابل نہیں ہے۔ چنانچہ درجہ اول میں امام حسینؑ کا مرتبہ بہادری میں ہے کیونکہ کربلا کی ریت پر تشنگی و گرسنگی کی حالت میں جس شخص نے صبر واستقلال کا مظاہرہ کیا اسکے سامنے رستم کا نام وہی شخص لے سکتا ہے جو تاریخ سے ناواقف ہوگا۔ کس کے قلم میں قدرت ہے کہ جو حسینؑ کا حال لکھے۔ کس شخص میں یہ طاقت و بلاغت ہے کہ جو ان بہتر بزرگواروں کی ثابت قدمی، تہور، شجاعت اور تیس ہزار شامیوں کے جواب میں اور ایک ایک کر کے ہلاک ہو جانے کے باب میں جیسی چاہئے تعریف کر سکے۔ ان ہی پر بہادری کا خاتمہ ہو چکا۔

بون پولنگ

حسینؑ دیندار، خداپرست، فروتن، خلیق اور بے مثل بہادر تھے۔ حسینؑ سلطنت کے لئے نہیں لڑے بلکہ خداپرستی کے جوش میں لڑے۔

فریڈرک جے گولڈ

حسینؑ انسانیت کا ملہ کا بہترین نمونہ تھے۔ جبکہ وہ ریگستانوں میں، دریاؤں میں نفرت اور بے رحمی کی تاریک گھاٹیوں میں امن اور ہمدردی کی دعوت دے رہے تھے۔ ان کی عملی زندگی میرے نزدیک ایسی ضرب المثل ہے جو عالمگیر معنیٰ رکھتی ہے۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد:

The story of the martyrdm at Karbala is one of those stories of human history which shall never be forgotten and shall never cease to influence effect and inspire lives of millions of men and women all the world over.

کربلا کی شہادت کی کہانی تاریخ کی ان کہانیوں میں سے ایک ہے جو کبھی بھی فراموش نہیں کی جائیگی اور جو دنیا کے لاکھوں زن و مرد پر اپنا گہرا اثر ڈالے بغیر نہیں رہیگی۔

جواہر لال نہرو

One of the significant facts of history is the great and obiding influence of the treagdy of Karbala on the human world.

تاریخ کے حقائق میں سے ایک حقیقت بھرا واقعہ سانحہ کربلا کا ہے جو انسانی دنیا پر بڑے اور باقی رہنے والے اثر سے بھرپور ہے۔

جی۔ بی۔ ایڈورڈ (انگلستان)

تاریخ اسلام میں ایک باکمال ہیرو کا نام نظر آتا ہے جسکو حسینؑ کہا جاتا ہے۔ یہ محمدؐ کا نواسہ علیؑ اور فاطمہؑ کا بیٹا حسین لاتعداد صفات اور اوصاف کا مالک ہے جسکے عظیم اور اعلیٰ کردار نے اسلام کو زندہ کیا اور دین خدا میں نئی جان ڈال دی نئی روح پھونک دی حق تو یہ ہے کہ اگر اسلام کا یہ بہادر میدان کربلا میں اپنی شجاعت کے جوہر نہ دکھاتا اور ایک پلید ولعین حکمران کی اطاعت قبول کر لیتا تو آج محمدؐ کے دین کا نقشہ کچھ اور نظر آتا۔ وہ بھی اس طرح کہ نہ قرآن ہوتا، نہ اسلام، نہ ایمان، نہ ایقان، نہ رحم، نہ انصاف، نہ وفا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ انسانیت کا نشان تک دکھائی نہ دیتا۔ ہر جگہ وحشت و بربریت اور درندگی و بہمیت نظر آتی۔

آر۔ جے۔ ولسن: (ہسٹری پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی انگلینڈ)

میں اسلام کی عظیم ترین شخصیت حسین ابن علیؑ کا اسی طرح احترام کرتا ہوں جس طرح مسیح ابن مریمؑ کا۔ حسینؑ ایک بے بہا متاع دین تھے۔ انہوں نے کربلا کے تپتے ہوئے ریگزار میں جس شجاعت و بہادری کا اظہار فرمایا اسکی نظیر مشاہیر شجاعان عالم کے کردار میں تو درکنار انبیاء و مرسلینؑ کی پاکیزہ زندگیوں میں بھی نہیں ملتی۔ بے شک حسینؑ محمد رسول اللہؐ کے نواسے اور اشجع الاشاجع علی بن ابی طالبؑ کے لخت جگر تھے۔ مگر میدان نینوا میں ان کی خداداد قوت نے بہادران عالم سے جو لوہا منوایا اسکی مثال نہ دنیا نے اس سے بیشتر کبھی دیکھی اور نہ سُنی اور نہ آئندہ کبھی دیکھے اور سنے گی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حسینؑ میں ایک ایسا جوہر تھا جو خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کو عطا نہیں کر سکتا اور آپکا کردار صاف اور واضح کرتا ہے کہ انکی تخلیق اسی نور خداوندی سے ہوئی تھی جس نور سے محمدؐ اور علیؑ کو خلق فرمایا گیا تھا اور اس لئے محمد رسول اللہؐ نے آپکی شان میں فرمایا کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔

مہاراجہ ہر کرش پرشاد

This (Karbala) is the incident of history which can be a guide and a lesson to humanity in its search for perfection.

واقعہ کربلا تاریخ کا ایک المیہ ہے جو تمام انسانیت کے لئے اسکی طلب کمال میں ایک رہنما اور ایک سبق ہوسکتا ہے۔

No martyr or a series of martyer can stand in comparision to the greatness and the nobility of action of Hussain.

دنیا کا کوئی بھی شہید یا سلسلۂ شہداُ امام حسینؑ کی عظمت وشرافتِ عمل کے مقابلے میں کھڑا نہیں ہوسکتا۔

پروفیسر ایچ۔ڈبلیو مارکو(برلن)

Hussain adhered to the principles of truth. Firm and undhakm to the end, prefering even death to dishonour. such souls never die and Imam Hussain still ocupies a high place among the leaders of mankind, a source of inspireation to all muslims and an example to all those of other faiths, for he was fearless in character fearless in devotions and ture to the ideals he faithfully expoused.

حضرت حسینؑ اصول صداقت پر کاربند رہے اور دم آخرین تک ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ ہوئی اور وہ ثابت قدم رہے۔انہوں نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دی۔ایسی روحیں کبھی فنا نہیں ہوسکتیں۔امام حسینؑ آج بھی تمام دنیا کے رہنماؤں کی صف میں بلند مقام پر فائز ہیں۔امام حسینؑ مسلمانان عالم کے لئے ایک روحانی پیغامبر ہیں اور مابقیہ مذاہب والوں کیلئے نمونۂ ہدایت ہیں کیونکہ وہ کردار کے اعتبار سے بے خوف، اطاعت الٰہی اور واجب الوجود کی توجہ کے سلسلے میں تمام عالم سے بے پروا اور اپنے نصب العین کے حصول کیلئے صداقت اور خلوص کے پابند تھے۔

دیوان بہادر ہر بلاس

Heroism enalts life. The noble deeds of heroic men and women live forever. Imam Hussain was one of the formost heroes prduced by Islam.

ہیروازم سے زندگی کا معیار اعلیٰ ہوجاتا ہے۔ہیرو مرد اور عورتوں کے کارنامے تا ابد باقی رہتے ہیں لیکن امام حسینؑ ان تمام مشاہیر کے گل سرسبد ہیں جو اسلام نے پیش کئے۔

سرمیوس

اگر کسی تمثیل کی کامیابی کا معیار اس تاثیر کو قرار دیا جائے جو اسکی وجہ سے ان لوگوں کے قلوب پر جنکے لئے وہ لکھی گئی ہے یا ناظرین کے دلوں پر ہوتی ہے تو ماننا پڑے گا کہ دنیا کی کوئی بھی ٹریجڈی اس المیہ سے کامیاب نہیں ہوئی جو مسلمانوں میں حسنؑ اور حسینؑ کے نام سے مشہور ہے۔

ڈاکٹر ایچ۔ڈبلیو۔بی مورنیو

اس دردناک واقعہ نے جو دسویں محرم ۶۱ ہجری کو رونما ہوا نے بنی اُمیہ کی طاقت کو زیروزبر کردیا اور امام حسینؑ کے نظریہ کی شان کو قائم کردیا کہ جس نے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خونخواری اور حرص وطمع کی دیواروں کو ڈھادیا اور اسلام کو

تمام دنیا میں قابل قبول بنادیا۔

پان۔بے چی ہان (ٹوکیوجاپان)

دنیا کے مشہور پہلوانوں، طاقتوروں اور بہادروں کی شجاعت و جوانمردی کے قصے اہل عالم کی نوک زبان پر ہیں لیکن ساتویں صدی عیسوی میں اہل عرب کا ایک ایسا بہادر ہیرو گذرا ہے جسکے شجاعانہ کارناموں نے جری سے جری اور دلاور سے دلاور انسانوں کو بھی حیرت کی انگلیاں چبانے پر مجبور کردیا۔ اُس جرأتمند اور دلاور کا نام حسینؑ ابن علیؑ ہے جو رسول عرب جناب محمد مصطفیٰؐ کا نواسا ہے۔ اس نے اپنے معدودے چند ساتھیوں کے ہمراہ ٹڈی دل دشمنوں کے ساتھ معرکہ آرائی کی اور جب اسکے تمام ساتھی قتل ہوگئے تو وہ یکہ وتنہا اپنے دشمنِ جان کے لشکر عظیم سے نہایت پامردی کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا اور میدان کارزار میں اس نے کشتوں کے پشتے لگادئے۔ اسکی جان بازی اور سرفروشی کا ایک حیرتناک اور عجیب ترین پہلو یہ بھی ہے کہ اس شجاع اور جری مرد نے نہ صرف اپنے رفقاء واحباء بلکہ اپنے لخت جگر تک خدا کی راہ میں قربان کردئے۔ اسلام کے دشمن اس کے دلبندوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹتے مگر تعجب کی بات ہے کہ حسینؑ کے منہ سے اُف تک نہ نکلی، اس نے آہ سرد تک نہ بھری اور تسلیم ورضا، صبر وسکون، تحمل واستقلال کا ایک فقید المثال نمونہ دکھایا جسکی نظیر نہیں ملتی۔ حقیقت یہ ہے کہ عرب کے اس ہیرو نے گھر بار لٹادیا، اپنے بچے اور عزیز و اقارب ذبح کرالئے اور اپنا سر بھی کٹوایا لیکن نہ تو شیطان کی اطاعت قبول کی اور نہ اپنے دین پر آنچ آنے دی۔

کوشان فوہو (چینی عالم)

وہ بہت ہی بزرگ ہستی ہے۔ وہ عظیم ترین انسان ہے۔ اسکا کردار محیر العقول ہے۔ اسکی سیرت لاثانی ہے۔ وہ نینوا کا شہید، وہ کربلا کا مظلوم ہے۔ اسکی داستان مظلومیت سنی نہیں جاسکتی .... یہ حسینؑ ابن علیؑ تھا۔ رسولؐ خدا کا محبوب نواسہ اور فاطمہ بتولؑ دختر رسولؐ کا جگر گوشہ ساری دنیا کا امام بنکر آیا اور اسکی امامت پر بنی نوع انسان جس قدر فخر کرے کم ہے، جس قدر شکر کرے تھوڑا ہے۔ تمام عالم کون ومکان کا یہ برگزیدہ امام اپنے اندر بے پناہ خدائی قوت رکھتا ہے اور اس قوت کی بدولت اس نے اکناف عالم کے تمام نفوس کو اپنا شیدا بنالیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج امام حسینؑ ابن علیؑ کا نام سارے جہاں کے لوگ ادب واحترام سے لیتے اور اسکا اسم گرامی سنکر سر تعظیم سے جھکا لیتے ہیں۔

چارلس ڈِکنس

If Hussain fought to quena his worldly desires (as alleged by certain christian critics) I do not understand why his sisters, wives and childern accompanied him. It stands to reason therefore that he sacrified purely for Islam.

ترجمہ :اگرامام حسینؑ دنیاوی خواہشات کے لئےلڑتے (جیسا کہ کچھ نقادوں کا کہنا ہے) میں یہ نہیں سمجھ پاتا کہ پھر بہنیں، بیویاں اور بچے انکے ہمراہ کیوں تھے۔لہٰذا مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے صرف اورصرف اسلام کے لئے قربانی دی۔

پروفیسر براون

حسینؑ کا قتل، مدینہ کی تاراجی اورمکہ کا محاصرہ ان تین تاریخی چیرہ دستیوں میں پہلی چیرہ دستی ایسی تھی کہ جس نے تمام دنیا کولرزہ براندام کردیا۔

فریڈرک جی گولڈ

اگر میں نو جوان ایشیاء،افریقہ،اسٹریلیا،مشرق وسطی،امریکہ اور یورپ کوعراق کے میدان میں جمع کرسکوں اوراگرحسینؑ اورعباسؑ کے روضوں کے روبرو کھڑا ہوسکوں اوراگر میری زبان اورلب ولہجہ سب لوگ سمجھ سکیں تو میں حسینؑ کی زندگی اورموت کےاندرونی اورروحانی پیغام کےمتعلق گفتگوکروں گا۔حسینؑ انسانیت کاملہ کے بہترین نمونہ تھے جبکہ وہ ریگستانوں میں،دریاؤں میں نفرت اور بے رحمی کی تاریک گھاٹیوں میں امن وہمدردی کی دعوت دے رہے تھے۔ان کی عملی زندگی میرےنزدیک ایسی ضرب المثل ہے جوعالمگیرمعنی رکھتی ہے۔

مسٹر۔جے۔اے جیلوس

کربلا کا شہیداعظم جوسردارانبیاءؐ کی روح وجان تھا اسکے کارنمایاں کو دنیا کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

مونس ایچ لتمس

حسینؑ اُن حالات میں قتل کئے گئے کہ ان سے سخت ترین دل بھی ان خوفناک واقعات رنج وغم سے پگھل جاتا ہے۔

ڈاکٹر ریونڈرکینن ایڈوڑسیل ڈی ڈی

یہ امام ایسے عالم تھےاور کچھ ایسی جاذب شخصیت رکھتے تھے کہ شیعوں کی ولا ومحبت سے قطع نظر کرتے ہوئے جوانکواپنے اماموں سے ہےکل کےکل امام اس قابل ہیں کہ ان کی یاد ہمیشہ تازہ رکھی جائے۔

سیماب اکبرآبادی (شاعرایشیا)

آپؑ (مولیٰ حسین علیہ السلام) کا زہد واتقاء بدرجہ کمال پہنچا ہوا تھا گوآپ نے صرف سات سال تک جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کےسایہ مبارک نبوت وعظمت میں پرورش پائی لیکن اسرارالٰہی سے آپ کا سینہ لبریز ہوگیا۔جناب رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد جناب امام حسینؑ علیہ السلام نے علوم ظاہری و باطنی اسباق معرفت و استعلام طریقت وحقیقت اپنے والدمکرم حضرت علی کرم اللہ وجہ سے حاصل فرمایا: اور دیگراصحاب رسولؐ خدا کی صحبت

سے استفادہ فرمایا۔ آپؑ رات دن (عبادت) خدا و رسول میں مصروف رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے عہد میں کوئی ہم عصر زہد و تقویٰ، پرہیز گاری میں آپ سے زیادہ ممتاز نہ تھا[۱۵]۔

نرائن سخا

تنہا نہ وفائے اہل دین است حسینؑ
بودہ است و پناہ کافرین است حسینؑ
بنگر کہ سخا بہ فیض او شد صدیق
حقا کہ شفیع مذنبین است حسینؑ

جناب بنارسی لعل صاحب ورما

اپنا کوئی مرتا ہے تو روتے ہو تڑپ کر
اور سبط پیغمبرؐ کا کبھی غم نہیں کرتے
ہمت ہو تو محشر میں پیغمبرؐ سے بھی کہنا
ہم زندہ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

حکیم مومن خان مومن

مردک نے شہنشاہ سے بیعت چاہی
گمراہ نے کس راہ سے بیعت چاہی
مصداق ہوا معنی تبت کا یزید
فرزند ید اللہ سے بیعت چاہی

حوالہ جات

۱ مناقب ابن شہر آشوب ج ۲ ص ۲۳۴؛ ناسخ التواریخ ج ا ص ۴۶
۲ ترمذی ج ۲ ص ۲۷۰
۳ صواعق محرقہ ص ۱۹۰
۴ بخاری
۵ کنز العمال ج ۷ ص ۱۰۵
۶ رسالۃ الصبان ص ۱۸۶
۷ مطالب السؤل ص ۲۲۷
۸ دار الہلال ص ۱۸
۹ سمو المعنی سمو الذات ص ۱۱۳
۱۰ سر الشہادتین ص ۶
۱۱ ابو الشہدا ص ۲۳۰
۱۲ الاتحاف ص ۱۹
۱۳ حقیقۃ الفقہ حصہ دوم ص ۷۸
۱۴ ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ
۱۵ سیرت حسینیؑ ص ۶

فصل ۱

ہنگامۂ خلقت

خلقت نوری

قال رسول اللہؐ اول ما خلق اللہ نوری۔سب سے پہلے خالق نے میرے نور کو خلق فرمایا ہے[1]۔

اسکے بعد آپؐ نے فرمایا **خلقت انا و علی من نور واحد قبل ان یخلق اللہ آدم باربعۃ عشر الف عام** اللہ تعالیٰ نے ایک ہی نور سے مجھے اور علیؑ کو آدم سے چودہ ہزار سال پہلے خلق فرمایا[2]۔

سلمان فارسیؓ نے کہا کہ میں نے آنحضورؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں اور علی نور واحد سے پیدا کئے گئے جو آدم کی خلق سے چودہ ہزار سال قبل جامۂ تخلیق سے آراستہ ہوئے تھے اور ہم اللہ کی تسبیح وتہلیل کرتے تھے۔ جب اللہ نے جناب آدمؑ کو خلق کیا تو ہم مردوں کے اصلاب اور عورتوں کے ارحام (مطہرات) میں منتقل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم صلب عبدالمطلب میں منتقل ہوئے ۔ وہاں ہم کو دوحصوں میں منقسم کیا گیا نصف صلب عبداللہ اور نصف صلب ابوطالب میں منتقل ہوا۔ایک حصہ سے میں خلق ہوا اور دوسرے حصے سے میرے بھائی علیؑ ۔ ہمارے اسماء کو خداوند کریم نے اپنے ناموں سے مختص کیا۔ چنانچہ میں محمدؐ ہوں اور اللہ تعالیٰ محمود ہے۔میرے بھائی علی ہیں اور اللہ تعالیٰ اعلیٰ ہے۔میری بیٹی فاطمہؑ ہیں اور اللہ تعالیٰ **فاطر السمٰوٰت والارض** ہے میرا بیٹا حسن ہے اور اللہ تعالیٰ محسن ہے میرا دوسرا بیٹا حسینؑ ہے اور اللہ تعالیٰ قدیم الاحسان ہے[3]۔

عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ فرمایا آنحضرتؐ نے کہ اللہ تعالیٰ نے نور قدس سے مجھے، علیؑ ،حسنؑ اور حسینؑ کو خلق فرمایا چنانچہ جب چاہا کہ کائنات کی تخلیق کی جائے تو میرے نور سے آسمان وزمین کو خلق کیا۔علیؑ کے نور سے عرش اور کرسی کو خلق کیا۔حسنؑ کے نور سے حورالعین اور ملآ ئکہ کو خلق کیا اور حسینؑ کے نور سے لوح وقلم کو خلق کیا۔ پس بخدا میرا نور زمین وآسمان سے افضل ہے۔علیؑ کا نور عرش وکرسی سے افضل ہے،حسنؑ کا نور حورالعین اور ملآ ئکہ سے افضل ہے حسینؑ کا نور لوح وقلم سے افضل ہے[4]۔

قال قال رسولؐ اللہ ان اللہ خلق اربعہ عشر نوراً من نور عظمتہ قبل خلق آدم باربعۃ عشر الف عام فھی ارواحنا فقیل لہ یا بن رسول اللہ ما ھم باسما عھم فمن ھٰولآء الاربعۃ عشر نور ؟ فقال محمد و علی و فاطمۃؑ والحسن والحسین و تسعۃ من ذریۃ الحسینؑ و تاسعھم قائمھم ثم قال نحن ، واللہ الاوصیاء الخلفاء من بعد رسول اللہ صلوات اللّٰہ علیھم اجمعین۔

حضرت ابی جعفرؑ فرماتے ہیں کہ فرمایا آنحضورؐ نے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم سے پہلے چودہ ہزار سال چودہ نور خلق کئے اور یہ نور بشکل ارواح کے تھے۔ پوچھا گیا ان کے نام کیا تھے۔ فرمایا محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ وحسینؑ اور حسینؑ کے نو فرزند کہ جسکا آخری قائم آل محمدؐ ہیں۔ پس فرمایا بخدا ہم ہی اوصیاء اور خلفائے رسول اعظمؐ ہیں[۵]۔

علامہ عبیداللہ امرتسری لکھتے ہیں: ''اللہ نے سورۃ البقرہ آیت ۳۷ میں ارشاد فرمایا: **فتلقیٰ آدم من ربه كلمات فتاب عليه** (اللہ نے جناب آدم کو چند کلمات القیٰ کئے ان ہی کے وسیلے سے انکی توبہ قبول ہوئی) وہ کلمات آدم نے اسطرح بیان کئے۔ **رب اسئلک بحق محمدؐ و علیؑ و فاطمهؑ و حسنؑ و حسینؑ لما غفرت لی فغفر اللّٰه له** ۔اے اللہ میں تجھ سے محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ وحسینؑ کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما پس اللہ نے ان کو بخش دیا[۶]۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نقطۃ النور، اول ظہور، حقیقت کائنات، مبداء الموجودات، ظاہر الاسم اعظم، سورۃ سائر العالم، نسخۃ الاحدیۃ فی الاہوت۔ جسدہ معانی الملک والملکوت جناب سرور کائنات ہیں۔ ان ہی کی کرنیں ہیں ان کی پاک نسل۔

عن ابی حمزة الثمالی قال . سمعت علی بن الحسين يقول ان الله خلق محمداً و عَلياً والطيبين من نور عظمته و اقامعهم اشبا حاً قبل المخلوقات ثم قال اتظن ان الله لم يخلق خلقاً سوا كم ؟ بلى واللّٰه لقد خلق الله الف الف آدم وا لف الف عالم وانت واللّٰه فی آخر تلک العوالم ۔

ابی حمزہ ثمالی سے روایت ہے کہ میں نے سنا امام زین العابدینؑ سے کہ فرمایا انہوں نے اللہ نے محمدؐ اور علیؑ اور انکی طیب آلؑ کو اپنی نور عظمت سے خلق کیا اور ان کو اشباح کی صورت میں لوگوں کی تخلیق سے پہلے رکھا۔ کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ نے اس خلقت کے سوا اور کوئی بھی خلقت خلق نہیں کی۔ قسم بخدا یقیناً اللہ نے ہزار ہزار عالم پیدا کئے اور تو ان تمام عالموں میں آخری عالم میں ہو[۷]۔

ان آدموں اور ان عالموں کے مابین کتنا عرصہ تھا۔ پہلا آدم کب خلق ہوا اسکا کوئی اندازہ نہیں۔ اب جب بھی پیدا ہوا اس سے قبل چہاردہ معصومینؑ کا وجود تھا۔ لہٰذا یہ تعین کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے کہ کب ان کی تخلیق ہوئی۔

ہندوں کا عقیدہ ہے کہ یہ دنیا افادی ہے، ہست ونیست کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اپنی مقررہ معیاد پر کچھ عرصہ کے لئے نیست ونابود ہو جائیگی پھر مقررہ پر ہستی میں دوبارہ آجائیگی۔ اس کے اس دور کو کلپ کہتے ہیں جسکی مدت چہار ارب بتیس کروڑ سال بیان کی جاتی ہے۔ ایک کلپ کے چودہ حصے کردئے گئے ہیں جنکو منو کہتے ہیں۔ ہر منو کے آغاز میں ایک سندھی واقع ہوتی ہے ہر منو میں اکہتر چتر یگی واقع ہوتی ہے اور چتر یگی چہار یگوں کے مجموعہ کو

کہتے ہیں۔ان چہاریگوں کے نام مع مدت کے اس طرح سے ہیں:

1۔ ست یگ 1728000 برس

2۔ تریتا یگ 1296000 برس

3۔ رواپر یگ 864000 برس

4۔ کل یگ 432000 برس

کل یگ کو 71 سے ضرب دیا تو کل مدت 306720,000 سال ہوئے۔

یہ ایک منو کی میعاد نکلی۔

منو چونکہ 14 ہوتے ہیں۔اس لئے اس مدت کو 10 پر ضرب کیا تو کل مدت 4294080,000 سال ہوئے۔

یہ مدت 14 منوں کی سامنے آئی۔

چونکہ 14 منوں کے درمیان 15 سندھیاں ہوتی ہیں۔لہٰذا ایک سندھی کی مدت 1738000 سال ہے اس مدت کو 15 سے ضرب کیا تو 25920,000 سال ہوئے۔

14 منوں کی مدت اور 15 سندھیوں کی مدت کو جمع کیا تو 4294080,000+ 25920000= 432000000 سال حاصل ہوئے۔

اسکا نام کلپ یعنی برہم دن ہے اور یہ اس دنیا کی عمر کا ایک دور ہے۔

پس عمر کا ایک دور پورا کرنے کے بعد یہ دنیا نشٹ ہوجاتی ہے اور نشٹ ہوجانے کے بعد 17064000 برس تک نیستی کی حالت میں پڑی رہتی ہے۔اسکے بعد صانع ارض وسماء اپنی قدرت کاملہ سے پھر سے پیدا کرتا ہے۔

بموجب سورج سدھالانت اس دنیا کے موجودہ دور کے 6 منو گذر گئے ہیں اب ساتواں جاری ہے۔

اب ہندوں کے عقیدے کے مطابق عمر دنیا فلحال 1972949080 سال ہے۔

ناظرین یہ اندازہ ہے جو ہندوں کے عقیدے میں بیان کیا گیا۔

سائنسداں کہتے ہیں کہ یہ زمین دوارب سال پہلے وجود میں آئی ہے اور ابھی یہ مرحلہ تحقیق میں ہی ہے۔

یہ مفروضے ہیں جو بیان کئے گئے۔عمر کائنات کا اندازہ سوائے رب علیم وخبیر کے سوا کسی اور کے پاس نہیں ہوسکتا۔اب جہاں سے بھی خشت اول کا آغاز ہوا ہے اس سے قبل بھی چہاردہ معصومینؑ پاک کا وجود تھا۔ہم زیارت کے فقرات میں بار بار یہ پڑھتے ہیں **اشھد انک کنت نوراً فی الاصلاب الشامخة و الارحام المطھرہ لم تنجسک الجاھلیة بانجاسھا** اے حسینؑ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کا نور اصلاب پاکیزہ اور ارحام مطہرہ میں منقلب ہوتا رہا۔آپ کو جاہلیت کی آلودگیوں نے کبھی بھی آلودہ نہیں کیا۔

معلوم ہوا کہ اول نور کائنات بعد از رب کریم ختم المرسلینؐ ہیں اور اسکی کرنوں سے ان ذوات مقدسہ نے جامۂ تخلیق زیب تن کیا۔ قرآن مجید نے اعلان کیا **والشمس و ضُحھا** ۔ قسم ہے مجھے آفتاب عالمتاب اور اسکی کرنوں کی۔ یہاں شمس سے مراد حضورؐ کی ذات اقدس ہے اور کرنوں سے یہی ذوات قدسیہ مراد ہیں۔

جس طرح آفتاب بارہ برجوں میں منزلیں طے کرتا ہوا آفتاب ہی رہتا ہے۔ برجوں میں آجانے سے اسکی اہمیت وافادیت ختم نہیں ہوتی ہے اسی طرح آنحضورؐ کا فیضِ آفتاب برج رسالت سے نکل کر برج امامت میں منتقل ہو کر فیض رساں ہے۔ اس پر یہ حدیث دال ہے **اولنا محمدؐ اوسطنا محمد آخرنا محمدؐ کُلنا محمد** ہم اول بھی محمدؐ ہیں اوسط بھی محمدؐ ہیں آخر بھی محمدؐ ہیں اور ہم کل کے کل محمدؐ ہیں۔

ایک مرتبہ سلمان فارسیؓ حضرت علیؑ کی خدمت میں ایک مسئلہ لیکر آئے۔ امام حسینؑ اپنے باپ کے پاس ہی تشریف فرما تھے اور آپکی عمر پانچ سال کی تھی۔ جب سلمانؓ نے جناب امیرؑ سے مسئلہ پوچھا تو آپؑ نے سلمانؓ سے فرمایا اس مسئلے کا جواب میرے حسینؑ سے پوچھو۔ سلمان فارسیؓ یہ سنکر پریشان ہوا۔ اندر ہی اندر کہنے لگا کہاں علیؑ جیسا عالم اور کہاں مجھ جیسا شاگرد۔ عمر گذری ہے تحقیق و تدقیق کی وادیوں میں پھر کہیں جا کر اسلام سے شرفیاب ہوا اور حسینؑ عمر ہی ان کی کیا ہے کہ مجھ جیسے کہنہ کے مسئلے کا جواب دے سکیں۔ سلمان ابھی اسی تذبذب میں تھے کہ حسینؑ نے اسکے نہانخانوں کا جائیزہ لیکر فرمایا: سلمانؓ! بیٹھ جاؤ اور مجھے بتاؤ کہ تم میرے بارے میں کیا تعارف رکھتے ہو۔ سلمانؓ نے کہا آپ علیؑ اور فاطمہؑ کے فرزند ہیں آپکا بھائی حسنؑ ہے اور آپکا نانا محمد رسولؐ اللہ ہیں۔ نانی ملیکۃ العرب جناب خدیجہ الکبریٰ ہیں اور عمر آپکی صرف پانچ سال ہے۔ یہ سنکر امام حسینؑ نے سلمان سے فرمایا: ''**خلق اللّٰہ تبارک و تعالٰی سبعین الف عالم و فی کل عالم سبعین الف آدم و کنت قبل آدم الاول سبعین الف عام و کنت عالم و شیخاً و کبیراً ثم عرضت علیھم ولایتی فآمن بعضھم و کفر بعضھم و من اٰمن فقد فاز و من کفر ثم حاربت علھیم حرب الاصغر اکبر من حرب الخیبر**''۔

''اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار عالم خلق کئے۔ ہر عالم میں ستر ہزار آدم خلق کئے۔ ایک عالم سے لیکر دوسرے عالم تک ستر ہزار برسوں کا فاصلہ ہے اور میں جو ہوں پہلے آدم سے ستر ہزار برس قبل پیدا ہوا ہوں۔ اس وقت میں عالم اور عمر رسیدہ بھی تھا۔ پھر میں نے ان تمام عالموں کے سامنے اپنی ولایت رکھی پس ان میں بعضوں نے انکار کیا جنہوں نے قبول کیا وہ کامیاب رہے جنہوں نے انکار کیا ان سے میں نے جنگ کی اور وہ جو میری چھوٹی سی جنگ تھی وہ خیبر کے جنگ سے بھی بڑی تھی''۔ یہ سنکر جناب امیرؑ نے امام حسینؑ سے فرمایا بیٹا بس کرو راز ولایت سے پردہ نہ ہٹاؤ۔

حوالہ جات

۱ ینابیع المودۃ ص۱۰۔ ۲ وہی ماخذ ص۰۷۔ ۳ تذکرہ خواص الامہ باب الثانی ص ۲۸۔ ۴ ناسخ التواریخ، ج۱، ص ۵۔ ۵ نہج التحقیق ص۲۶۔ ۶ ارجح المطالب باب۴، ص۱۷۱۔ ۷ مشارق الانوار

خلقتِ ظاہری

حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کی زوجہ ام الفضلؓ بیان کرتی ہے کہ ایک شب میں نے مصیبت ناک خواب دیکھا۔ جب صبح بیدار ہوئی تو جناب رلتمآبؐ کی خدمت میں مشرف ہونے اور یہ خواب بیان کرنے کے لئے گئیں اور ان سے رات کا ڈروانا خواب یوں بیان کرنے لگی کہ یارسولؐ اللہ! میں نے رات کو ایک خوفناک خواب دیکھا کہ آپ کے جسم اطہر سے ایک ٹکڑا کاٹ کر میری آغوش میں ڈال دیا گیا۔ یہ سنکر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم کیوں گھبرا رہی ہو تم نے تو بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔ سنو! میری لخت جگر بیٹی فاطمہؑ کے ہاں ایک لڑکا بدنیا آئے گا اور وہ تمہاری آغوش میں پرورش پائے گا۔ ام الفضل بیان کرتی ہے کہ چند ہی روز میں اسکی تعبیر آنخضورؐ کے فرمانے کے مطابق نکلی اور یہ لڑکا میری آغوش میں آ گیا۔ یہ امام حسینؑ تھے۔ میں اس بچے کو لیکر آنخضورؐ کی خدمت میں گئی۔ آنخضورؐ نے باہیں پھیلا یں اور حسینؑ کو آغوش میں سمیٹ لیا اور میری توجہ دوسری جانب مبذول ہوئی جب دوبارہ حضورؐ کی طرف دیکھا تو دیکھتی ہوں کہ چشمہائے رسولؐ سے آنسوں کی لڑیاں بہہ رہی ہیں۔ میں نے حیران ہوکر پوچھا یارسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ میں مطلب نہ سمجھی کہ خوشی کے بعد آنسوں کیوں؟ یہ سنکر آنخضورؐ نے فرمایا۔ اے ام الفضلؓ! جب بچہ میری آغوش میں تھا تو جبرئیل امین نے آکر مجھ سے کہا کہ عنقریب آپکی اُمت آپ کے بعد آپ کے اس عزیز فرزند کو ایک بے آب و گیاہ صحرا میں بڑی بے دردی سے تشنہ لب شہید کردیگی۔ یہ سنکر میں نے عرض کیا یارسولؐ اللہ کیا یہ جانسوز واقعہ ضرور ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا ہاں! کیونکہ جبرئیلؑ حسینؑ کی تربت کی خونین مٹی بھی مجھے دے گئے[1]۔

قرآن کریم میں ارشاد ہورہا ہے **و وصینا الانسان بوالدیہ احساناً حملته امه کرھا و وضعته کرھا و حمله و فصاله ثلثون شھراً حتیٰ اذا بلغ اشده و بلغ اربعین سنة قال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک الّتی انعمت علیّ و علیٰ والدیَّ و ان اعمل صالحاً ترضٰه و اصلح لی فی ذرّیتی انی تبت الیک و انی من المسلمین**[2]۔ اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے حق میں احسان کرنے کا حکم دیا ہے اسکی ماں نے اسکو حمل میں رکھا اور تکلیف ہی سے اسکو جنا اسکے حمل اور اسکے دودھ چھٹنے کی مدت تیس مہینے ہوئی۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہونچا اور چالیس برس کا ہوگیا تو اس نے عرض کی اے میرے پروردگار مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری اس نعمت کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر مبذول فرمائی

ہے میں ایسا کوئی نیک کام کروں جسے تو پسند فرمائے اور میرے لئے میری اولاد میں صالح پیدا کردے۔ بے شک میں نے تیرے حضور میں رجوع کی ہے۔ یقیناً میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جب امام حسینؑ جناب فاطمہ زہراؑ کے ہاں آنے والے تھے تو جبرئیل آنحضورؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ عنقریب فاطمہ کے ہاں ایک لڑکا آئے گا جس کو آپ کے بعد آپکی امت قتل کریگی۔ پس یہ سنکر جناب زہراؑ کو اس حمل سے بھی رنج پہونچا اور وقت ولادت سے بھی۔ پھر آنحضورؐ نے فرمایا کہ دنیا میں ایسی کوئی بھی ماں نہیں ہے جو بیٹے کو جن کر غمگین ہوئی ہو۔ مگر جناب زہراؑ کو غم اس وجہ سے ہوا کہ ان کو یہ علم ہو چکا تھا کہ ان کا یہ فرزند قتل کیا جائے گا۔ یہ آیت امام حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ چونکہ مخبر صادق کو وقوعِ واقعہ سے پہلے علم ہو چکا تھا لہٰذا بیٹی کو بتلا دیا تھا۔ تقاضائے فطرت ہے کہ جب ایسی المناک خبر کوئی بھی ماں سنے تو وہ نہیں چاہے گی کہ اسکے بطن سے ایسا کوئی بھی بچہ متولد ہو جائے کہ جسکے ساتھ یہ سب کچھ ہو جائے۔ بحیثیت عورت کے جناب فاطمہؑ بھی ایسی جانکاہ خبر سن کر رنجیدہ خاطر ہوئی ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ مابقیہ عورتیں چونکہ ایسی خبر سے مستثنیٰ ہیں لہٰذا آیت کے تیور بتلا رہے ہیں کہ مخاطب کوئی ایک مخصوص عورت ہے کہ جسکے اوصاف کچھ یوں ہیں۔

ا۔ والدین پر نعمتوں کی فراوانی پر شکریہ ادا کروں۔ ظاہر ہے کہ آنحضورؐ اگر ایک طرف جناب فاطمہؑ کے والد ہیں دوسری طرف ام المؤمنین جناب خدیجۃ الکبریٰ ماں ہیں جتنی نعمتیں آنحضورؐ کو عطا ہویں وہ کسی اور کو عطا نہ ہویں اور ان ہی کے طفیل سے جناب خدیجہ کو ام المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ بالخصوص جناب فاطمہ زہراؑ جیسی بیٹی عطا ہوئی۔ ایسے اعزازات سے دنیا کی مابقیہ عورتیں مستثنیٰ ہیں۔

۲۔ امام حسینؑ اور ان کے بڑے بھائی امام حسنؑ سید اشباب اہل الجنۃ ہیں۔ یہ بھی عظیم ترین نعمت ہے۔ اسکے ساتھ آیہ مباہلہ کی رو سے آنحضورؐ کے فرزند کہلائے۔

۳۔ حسینؑ نے وہ کام کیا کہ رہتی دنیا تک اسکی مثال لے آنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ امام حسینؑ کے غیر متزلزل عزم اور توفیق الٰہی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حسینؑ نے شہادت گہہ الفت میں قدم رکھ کر نہ صرف انبیاء ہی کی مساعی جمیلہ پر مہر تصدیق ثبت کر دی بلکہ اپنے نانا کی تئیس سالہ انتھک محنت کے ماتھے پر اپنے اور اپنے عزیز و اقارب کے خون سے سندور لگا دیا۔

۴۔ امام حسینؑ کی ذُرّیت میں نو امامؑ ہوئے۔ آج تک کسی بھی محدث، مورخ، سیرت نگار یا نقاد نے ان پر ایسا کوئی بھی جملہ نہیں لکھا کہ جس سے ان کے صالح ہونے پر شکوک پیدا ہوتے۔ حرص و ہوا کی کتنی آندھیاں اُٹھیں، جبر و استبداد کے کتنے طوفان آئے، ظلم و تشدد کے انگنت سیلاب آئے لیکن امام حسینؑ کے ان اولادوں کے جلائے ہوئے چراغ بُجھ نہ سکے۔

۵۔امام حسینؑ نے ہر ہر مرحلے پر اللہ کی فرمانبرداری کے ایسے سنگ میل قائم کیے جو بعد کی اُٹھنے والی ہر تحریک کے لئے سرمایہ زندگی بنے۔انہیں کودیکھ کر ہرتحریک بار آور ہوئی اورایسا کیوں نہ ہوتا۔اگرایک طرف آنحضورؐ کی تربیت گاہ تھی تو دوسری طرف حضرت علیؑ کی شجاعت کے داؤ و پیچ۔اگرایک طرف جناب زہراؑ کی مامتا تھی تو دوسری طرف بھائی امام حسنؑ کی برادرانہ شفقت۔

لہٰذاان کوائف وحالات کے پیشِ نظراس آیت کا اطلاق امام حسینؑ کی ذات اقدس پر ہوتا ہے۔

علامت میں اختلاف کیوں؟

اسکندریہ کے کتب خانے کوتغرل بیگ سلجوقی نے جب جلا کر راکھ کردیا تو وہ تمام نسخے ختم ہوئے جنمیں حقائق کا اندراج تھا۔لہٰذابعد کے مورخین کوصحیح سمت تلاش کرنے میں گوناگوں دشواریاں پیش آئیں۔

یہی وجہ ہے کہ مورخین کوحضرت امام حسینؑ کی ولادت کے دن اور ماہ کے تعین میں اختلاف پیدا ہوا۔چند اختلافات ہدیہ قارین کئے جاتے ہیں۔

ا۔علامہ ابن شہرآشوب نے مناقب میں روایت کی ہے کہ آپؑ مدینہ منورہ میں اس سال پیدا ہوئے کہ جب جنگ خندق واقع ہوئی اوراس دن یا تو روز پنجشنبہ تھا یا روز سہ شنبہ اور ماہ ولادت ماہ شعبان اور سنہ 4ہجری تھا۔

اس روایت کی تائید''اعلام الوریٰ'' کتاب سے بھی ہوتی ہے[۳]۔

۲۔ مولده فی عام اربع مضت فی شهر شعبان بخمس انقضت یوم الخمیس سیدی قد ولد چوتھی ہجری پانچویں شعبان اورروز جمعرات آپ کی ولادت ہے[۴]۔

۳۔ولدت فاطمه بنت رسول اللهؐ الحسین بن علیؑ فی لیال خلون من شعبان سنة اربع

جناب فاطمہ بنت رسولؐ اللہ کوحسین ابن علیؑ ماہ شعبان چوتھی ہجری میں پیدا ہوئے[۵]۔

۴۔آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں چہارم شعبان ہجری چہارم میں ہوئی[۶]۔

۵۔ ولد بالمدینة بخمس خلون من شعبان سنة اربع من الهجر ة وکانت والدته المطهر البتول فاطمةؑ علقت به ولدت اخاه الحسن بخمسین لیلة هٰکذا صح النقل فلم یکن بینه وبین اخیه سوی هٰذا المدة المذکوره ومدة الحمل ولما ولد اعلم النّبی به اخذه واذّن فی اذنه قیل اذن فی اذنه الیمنی واقا م فی الیسریٰ۔

آپ چہار ہجری پانچویں شعبان کومدینہ میں پیدا ہوئے مادرگرامی طہر بتول فاطمہ زہراؑ ہے۔آپ کے علوق نے امام حسنؑ کی ولادت کے بعد استقرار پالیا آپ اورآپکے برادر اکبر کے درمیان اس مدت اور مدت حمل کے بغیر کوئی فاصلہ نہ تھا۔جب آپ پیدا ہوئے تو نبی کوخبردی گئی آنحضرت نے آکرآپ کو ہاتھوں میں لیکر کان میں اذان

دی۔کہا جاتا ہے کہ داہنے کان میں اذان دی اور بائیں کان میں اقامت پڑھی[۷]۔

ان روایات میں ایک بات قدر مشترک ہے کہ جناب امام حسینؑ کی ولادت چہار ہجری اور ماہ شعبان میں ہوئی۔ تین شعبان اور پانچ شعبان کی تاریخ کا اختلاف کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔

۱۔ واقدی کہتے ہیں کہ جناب امام حسینؑ کا علوق مسرت حسنؑ کے پچاسویں کے بعد ہوا ہے۔ علامہ ابن حجر نے اس کو اصابہ فی تمیز الصحابہ میں لکھا ہے اور نزل الابرار میں علامہ بدخشی لکھتے ہیں کہ سب روایتوں میں یہ روایت راجح ہے[۸]۔

۲۔ حضرت شیخ شہیدؒ دروس میں فرماتے ہیں **ولد بالمدينة اخر ربيع الاول سنة ثلاث من الهجرة** آپ مدینہ میں ربیع الاول کے آخر اور تیسری ہجری میں پیدا ہوئے[۹]۔

۳۔ ولادت امام حسنؑ مجتبیٰؑ اور امام حسینؑ کے حمل پڑنے کی مدت ایک طہر ہے جو دس روز کا ہوتا ہے اور دونوں کی علامت کا وقفہ چھے ماہ کا تھا۔ اس لئے آخری ربیع الاول ۳ ہجری کی روایت موافق ہے[۱۰]۔

آخری تین روایتوں میں ماہ ولادت ربیع الاول بنا دیا گیا ہے لیکن ان روایات سے قبل ماہ شعبان کی روایات آئی ہیں۔ اب صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے اسکا فیصلہ امام حسینؑ ہی کے آخری فرزند امام عصرؑ کے زیارت کے ان فقروں سے لگایا جا سکتا ہے۔

آپؑ شعبان کی تیسری تاریخ کی اہمیت کا ذکر فرماتے ہوئے کہتے ہیں: **اَللّٰهُمَّ اِنّي اسئَلُكَ بحق المولود في هٰذا اليوم الموعود بشهادته قبله استهلا له وولادته بكته السماء و من فيها والارض الخ۔**

اے اللہ میں تجھ سے دعا مانگتا ہوں اس مولود کے حق سے جو اس تیسری شعبان کے روز متولد ہوا، جسکی شہادت کا وعدہ وقت ولادت سے پہلے کیا گیا تھا، جس پر آسمان اور جو کچھ آسمانوں میں ہے رویا اور زمین بھی روئی[۱۱]۔

اب روز ولادت کا تعین صحیح ہوا اور وہ روایات متروک ہوئیں جو ربیع الاول کے سلسلے میں آئی ہیں۔

بڑے بھائی اور چھوٹے بھائی امام حسینؑ کے مابین صرف چھے ماہ کی عمر کا فاصلہ ہے[۱۲]۔

جب امام حسینؑ آغوش رسالت میں آئے تو رسولؐ نے جبرئیلؑ سے واقعہ ہائلہ کی خبر سنکر گریہ کیا اور ام الفضلؓ سے فرمایا کہ جبرئیل سرخ مٹی (خون آلودہ مٹی) مجھے دے گئے[۱۳]۔

حضرتِ ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ ایک روز آنحضورؐ اس حالت میں میرے گھر تشریف لائے کہ ان کے بال پراگندہ تھے اور چہرہ اقدس گرد و غبار سے اٹا پڑا تھا۔ میں نے گھبرا کے پوچھا یا رسول اللہؐ یہ کیا حال بنا رکھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا مجھے ابھی ابھی جبرئیل عراق کے مقام کربلا لے گئے وہاں میں نے اپنے حسینؑ کی قتل گاہ دیکھی اور میں یہ مٹی

لایا ہوں۔اسکو محفوظ رکھنا جب یہ خون آلودہ ہو جائے تو سمجھنا کہ میرا حسینؑ شہید کر دیا گیا[۱۲]۔

ابھی واقعہ ہوا نہیں ہے۔ابھی تو ابتدائی ایام ہی ہیں لیکن آنحضرتؐ نہ صرف گریاں ہیں بلکہ بال بھی بکھرے ہوئے ہیں اور چہرہ پر گردوغبار بھی ہے۔اب جب واقع ہوا تو آنحضرتؐ کے غم والم اور جزع وفزع کا کیا عالم ہوتا، احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔کیا یہ فعل رسولؐ ان کے لئے چشم کشا نہیں ہے جو دس محرم الحرام کو فرحت وانبساط کا دن قرار دیتے ہیں اور فعل رسولؐ کی تاسی کرنے والوں کے خلاف تحریر وتقریر کا محاذ کھڑا کرتے ہیں۔اگلے اوراق میں اس پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائے گا۔

اثرات ولادت

فطرت انسانیہ ہے کہ ہر بچہ پیدا ہونے کے بعد ماحول کے اثرات میں ڈھل جاتا ہے۔ہاں کبھی کبھی عقل کی مہمیز اسکو اس ڈگر پر لے چلتی ہے جو ماحول سے ہٹ کے ہو لیکن یہ شاذ ونادر ہے۔

یہ اثرات اب چاہے خاندانی ہوں یا معاشرتی، تمدنی ہوں یا تہذیبی۔بہر حال اثرات یا تو اچھے نکلتے ہیں یا بُرے۔خوش قسمت ہیں ایسے بچے جو ماحول کے اثرات سے ہٹ کر اپنی منزل کا تعین عقل ودانش کی بنیادوں پر کرتے ہیں۔ **یخرج المیت من الحی ویخرج الحی من المیت** ۔مردہ سے زندہ نکلتا ہے اور زندہ سے مردہ۔یزید کا بیٹا معاویہ ماحول کے اثر سے ہٹ کے تھا اور جناب نوحؑ کا بیٹا ماحول میں رہ کر بھی **لیس من اھلک** بنا۔

امام حسینؑ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ مہبط وحی تھا۔اسکے بعد جن افراد کی چھاؤں میں آپکی تربیت پروان چڑھی ان میں ایک طرف فخر موجودات ختم الرسل مولائے کل محمد رسولؐ اللہ تھے دوسری طرف سرگروئے سالکان، شیر یزدان، سید الاولیاء والاوصیاء حضرت علیؑ مرتضیٰؑ تھے۔والدہ گرامی فخر مریمؑ بضعہ رسولؐ سیدۃ النساء العالمین ہیں اور بھائی سید الصالحین جگر پارہ خاتم النبیین ہیں۔

لازماً اس جیسے ماحول کے اثرات امام حسینؑ کی نس نس میں رچے بسے تھے۔طہارت امہ کے اس گھر کا ماحول حسینؑ کے رگ وریشے میں سما گیا تھا۔

متولد ہوتے ہی کائنات کا انگ انگ دھڑکنے لگا۔نوید سحر نے ہر ذرے میں نئے نغمے بیدار کر لئے مایوس وادیاں امید کی شمعوں سے منور ہو گئیں۔گُل چٹکے، کلیاں مٹکیں، آبشاروں نے نئے ترانے چھیڑے۔جو راندۂ بارگاہ تھا رحمت پروردگار کا متلاشی بنا، ناامیدوں کے اندھیروں میں امید کے دیے جلے، زمین تو زمین آسمانوں میں بھی غلغلہ ہوا۔فرشتوں کی نگاہیں شوق وصال میں درِ جناب سیدہؑ کے بوسے لینے لگے۔

صلصائیل

صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ملک بنام صلصائیل کونافرمانی کی وجہ سے پر کاٹ کر راندۂ بارگاہ کیا تھا۔ جب امام حسینؑ بدنیا تشریف لائے، تو فرشتے امام حسینؑ کی ولادت کی تہنیت لیکر جناب رسالتمآب کی خدمت میں نازل ہوئے۔ ان فرشتوں کا گذر اسی جزیرے سے ہوا جس میں صلصائیل آہ و نالوں میں مشغول اور مغفرت کا طلب گار تھا۔ جب اس نے فرشتوں کو دیکھا تو پوچھا کہاں جانا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آج کی شب ایک ایسا بچہ بدنیا تشریف لایا، کہ یہ اور ان کے جد، ان کے باپ، انکی ماں اور انکے بڑے بھائی کے بغیر کائنات میں کوئی بھی اشرف نہیں ہے۔ انکا نام حسینؑ ہے۔ لہٰذا ان کے جد کو اس بچے کی تہنیت دینے کے لئے ہم نے اللہ تعالیٰ سے اجازت مانگی ہے تاکہ اس نوید سے ان کے جد کی مسرتوں میں اضافہ کریں۔ یہ سنکر صلصائیل نے ان فرشتوں سے کہا اے فرشتگان خدا! میں تمہیں اس خدا کا واسطہ دیتا ہوں جو تمہارا بھی رب ہے اور میرا بھی۔ تمہیں واسطہ ہے اللہ کے حبیب محمد مصطفیٰؐ اور اس نئے مولود کا مجھے بھی ساتھ لے چلو تاکہ آنحضرت اور اس نئے مولود کے وسیلے سے میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے مغفرت مانگوں تاکہ مغفرت کے بعد مجھے دونوں پر واپس مل جائیں۔ یہ سنکر فرشتوں نے اسکو اپنے ساتھ لیا۔ ملائکہ نے آنحضورؐ کی خدمت میں بعد تہنیت صلصائیل کی روداد سنائی۔ یہ سنکر آنحضورؐ اپنی لخت جگر جناب فاطمہ زہراؑ کے دولت کدہ پر تشریف لائے اور اپنی بیٹی سے فرمایا **ناولنی ابنی الحسین** ۔ اے بیٹی ذرا حسینؑ مجھے دیدینا۔ جب آفتاب رسالتؐ کے دست مبارک پر مہتاب امامت حسینؑ جلوہ فگن ہوا تو آپؐ نے ہاتھوں کو بلند کر کے دعا مانگی **اللّٰھُمَّ انّی اسئَلُک بحق ابنی الحسین ان تغفر لصلصائیل خطیئتهٗ و تجبه کسر جنا حیه و ترده الیٰ مقامه مع الملائکة المقربین** یعنی یااللہ تجھے واسطہ ہے میرے بیٹے حسینؑ کا صلصائیل کو بخش دے۔ اسکے دونوں پر دوبارہ واپس لوٹادے اور اسکو اپنے اس مقام پر واپس بلا جہاں یہ ملائکہ مقربین کے ساتھ رہ سکے۔ دعا جب لب نازنین سے نکلی فوراً مستجاب ہوئی اور صلصائیل اپنے پہلے مقام پر واپس چلا گیا[۱۵]۔

فطرس

قال ابو عبداللهؑ ان فطرس ملک کا ن یطوف بالعرش فتا کافی شئی من امر الله فقص جناحه و رمیٰ به علیٰ جزیرة من جزائر بحر ۔ یعنی فطرس ایک ملک تھا، جوعرش کا طواف کررہا تھا۔ امر الٰہی میں شمہ برابر کوتاہی ہوئی اللہ تعالیٰ نے اسکے دونوں پر کاٹ ڈالے اور اسکو سمندر کے ایک جزیرے میں پھینک دیا۔

مصباح طوسی میں مرقوم ہے کہ جب فطرس سے کوتاہی سرزد ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اسکو اختیار دیا کہ یا تو اس دنیا کا عذاب قبول کرے یا آخرت کا۔ فطرس نے عذاب دنیا کو ترجیح دی۔ دنیا کا عذاب یہ ہوا کہ اسکی دونوں پلکوں کو

باندھ کراس جزیرے پر معلق کر دیا گیا۔ جو بھی وحوش وطیور ادھر سے گذرتا تھا تو فطرس کی بدبو سے بھاگ جاتا تھا۔ امالی صدوق میں آیا ہے کہ اس حالت میں بھی سات سو سال تک فطرس عبادت الٰہی میں مشغول رہا۔ جب امام حسینؑ بدنیا تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو ایک ہزار فرشتے دیکر آنحضورؐ کی مبارکبادی کے لئے بھیجا۔ جب ان کا گذر اس جزیرے سے ہوا تو فطرس نے انکو دیکھ کر پوچھا: کہاں جانا ہے؟ جبرئیل نے جواب دیا **ولد للحاشر النبی الامّی احمد من بنته ووصیه مولود یکون منه ائمة الُهدیٰ الی یوم القیامة** ایک بچہ حضرت احمد نبیؐ کو بیٹی اور وصی سے ہوا ہے کہ جس سے اُمت کیلئے امام تا قیامت نکلیں گے۔ اسی لئے مجھے اس کام پر مامور کیا گیا کہ میں آنحضورؐ کی خدمت میں جا کر ان کو مبارکباد دیدوں۔ یہ سنکر فطرس نے کہا مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو تا کہ اللہ تعالیٰ محمدؐ کی دعا سے مجھے اس عذاب سے نجات دے۔ جبرئیل نے فطرس کو ساتھ لیا۔ جب آنحضورؐ نے فطرس کا حال سنا تو جبرئیل سے فرمایا کہ فطرس سے کہدو کہ اپنا جسم حسینؑ کے گھوارے سے مس کرے۔ جونہی فطرس نے حکم رسولؐ کی تعمیل کی، اسکے نہ صرف پر ہی واپس آئے بلکہ توبہ بھی قبول ہوئی۔ اسکے بعد فطرس نے آنحضورؐ سے عرض کیا **یا رسول ! اما ان امتک ستقتله وله علیٰ مکافاة الا یزوره زائر ٌ اِلّا ابلغته عنه ولا یسلّم علیه مسلم الّا ابلغته سلامه ولا یصّلی علیه مصلّ اِلّاس ابلغته صلا ته** ۔ یا رسولؐ اللہ عنقریب آپکی امت اس (حسینؑ) کو قتل کریگی، میری توبہ قبول کروانے والے کی طرف سے (یعنی حسینؑ) یہ فریضہ عاید ہوتا ہے کہ جو بھی زائر ان کی زیارت کریگا میں حسینؑ کو اس زائر کے کردار پہونچایا کروں گا۔ جو بھی ان پر سلام بھیجے میں حسینؑ تک ان کا سلام پہونچاؤں گا جو بھی ان پر درود پڑھے گا میں حسینؑ تک پہونچاؤں گا۔ یہ کہہ کر فطرس بسوئے عرش پرواز کر گیا۔ **وهو یقول من مثلی وانا عتاقة الحسین بن علی و فاطمه وجده احمد الحاشر** ۔ اور کہتا تھا کہ میرے مثل کون ہے میں حسین بن علیؑ، فاطمہ زہراؑ اور حسینؑ کے جد احمد حاشر کا آزاد کردہ ہوں [۱۶]۔

قارئین گرامی! بخوف طوالت صرف دو فرشتوں کا ذکر کیا گیا ورنہ تاریخ کے اوراق انگنت واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ امام حسینؑ کی ولادت کی سرور انگیز خبر ملائکہ تک کیوں کر پہونچی کہ جس سے فرشتے جوق در جوق بغرض تہنیت مولدگاہ حسینیؑ پر چلے آئے۔ اس کے لئے صرف ایک واقعہ کو زیب کتاب کرتا ہوں۔

ایک دن اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو ساق عرش پر جھومتے ہوئے دیکھا تو پوچھا یا جبرئیل **مارایت الیوم قال رایت الحسین فی المهده وعلیٰ مهده شیٔ عقیق یمانی وهو یناوله بالید فاشتهیت انه کانت هد قتای هاتان نذهتا فکانتا علی مهد الحسینؑ قال الله یا جبریل انما اکرمتک بالکرامة لحبک محمد وولدیه الحسن والحسین** ۔ یعنی اے جبرئیل امین! آج تم نے کیا دیکھا؟ جبرئیل نے عرض کی اے پالنے والے میں نے حسینؑ کو گھوارے میں دیکھا اور گھوارے کے قریب ہی ایک چمکتا ہوا زمرد ہوا

میں معلق تھا اور حسینؑ گہوارے سے اپنے ننھے ننھے ہاتھ نکال کر اس کو اپنی طرف لانیکی کوشش کرتا تھا۔ مجھے تمنا ہوئی کہ کاش یہ بچہ اس زمرد کے بدلے میری دونوں آنکھیں مانگتا تو میں نکال کر پیش کرتا، یہ سن کر اللہ نے جبرئیل سے فرمایا اے جبرئیل میں نے تمہیں اگر کرامت بخشی ہے تو صرف محمدؐ اور اسکے دونوں فرزند حسینؑ اور حسینؑ کی وجہ سے بخشی ہے [۱۷]۔

ولادت پر ایک جائزہ

انبیاء والمرسلینؑ اور ائمہ اطہارؑ کی ولادت پر قلم اُٹھانا مجھ جیسے بے بضاعت کے لئے مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ آپ اگر بنظر غائر سیر و تاریخ کا جائزہ لے لیں تو آپ ہر نبیؑ اور ہر امامؑ کی ولادت پر حیرت انگیز واقعات دیکھیں گے اگر کہیں بن باپ و بن ماں کے نبی آدمؑ کو پائیں گے وہاں آپ بن باپ کے عیسیٰؑ کو دیکھیں گے یہ قدرت کے کرشمے ہیں جو فکر و عقل سے ماوراء ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے نبی ہو یا امام اصلاب طاہرہ اور ارحام مطہرات ہی سے ہو کر آتا ہے۔ یہ سبھی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں۔ عام بچے ایک تدریجی عمل کے نتیجے میں منصۂ شہود پر آجاتے ہیں لیکن یہ ذوات مقدسہ جب بطون اُمہات میں ہوتے ہیں تمام فطری انجاس سے دور رکھے جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ سرورِؐ دوسرا انسان کی خلقت اور بطن مادر میں اسکی نشو و نما اور اسکی غذا بیان فرما رہے تھے تو جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے عرض کی **یا رسول اللہ هذه حالنا فكيف حالك وحال الاوصياء بعدك فى الولادة**۔ یارسول اللہ جب ہمارا یہ حال ہے تو آپؐ اور آپؐ کے بعد اوصیاء کی ولادت پھر کیا حال ہے۔ **فسكت رسول الله مليا ثم قال يا جابر سئلت عن امر جسيم لايحتمله الّا ذو حظ عظيم** ۔آنحضورؐ بہت دیر تک خاموش رہے۔ پھر فرمایا اے جابر تم نے ایک امرِ عظیم کا سوال کیا تمہارے اس سوال کے جواب کے سننے میں وہی متحمل ہوسکتا ہے جو ایمان کے آخری درجے پر فائز ہو۔ سنو جابر! **انّ الانبياء والاوصياء مخلوقون من نور عظمة اللّٰه يورع اللّٰه انوارهم اصلاب طاهره وارحام طاهره** یعنی بہ تحقیق انبیاء اور ان کے اوصیاءؑ اللہ کے عظیم نور سے خلق کئے جاتے ہیں اور اللہ اپنے اس نور کو اصلاب طاہرات اور ارحام مطہرات میں ودیعت کرتا ہے۔ **يحفظها بملائكة ويربيها بحكمة ويغذوها بعلمه**۔ یعنی اپنے اس نور کو ملائکہ کے ذریعے سے حفاظت کرواتا ہے تربیت اپنی حکمت اور نشو و نما علم سے کرواتا ہے۔

ثابت ہوا کہ عام بچوں اور ان کے بچوں میں نمایاں فرق ہے۔ لہٰذا ان پر قیاس کرنا خود فریبی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اسلئے کہ آنحضورؐ نے تخصیص کی ہے کہ ان کو ارحام مطہرات اور اصلاب طاہرہ میں رکھ کر علم و حکمت سے تربیت کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم زیارت میں پڑھتے ہیں۔ **اشهد انك كنت نوراً فى الاصلاب**

الشامخة والارحام المطهرة لم تنجسک الجاهلية بانجاسها ولم تلبسک من مدلهمات ثيابها میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ آپکا نور پاکیزہ اصلاب اور طاہر ارحام میں منتقل ہوتا رہا۔ آپ کو جاہلیت اپنی نجاست وخباثت سے ملوث نہ کرسکی اور ناہی آپ کو جاہلیت اپنے لباس میں ڈھک سکی۔

ان ہی کا فرمان ہے۔ **نحن اسرار المودعة فی هيا کل الانسان فارفعو اعنا هز وزالبشرية ونزلونا عن الربو بية فقولو ا فينا ماشئتم** ۔ہم سارے کے سارے اسرار خدا ہیں جو انسانی شکل وصورت میں ودعیت کئے گئے ہیں۔ ہمیں بشریت کے حدود سے اوپر اُٹھاؤ اور ربوبیت کی منزلوں سے نیچے رکھو پھر جو چاہئے ہمارے بارے میں کہو[۱۸]۔

اب کسی کو ان کے مرتبہ پر لانے کی کوشش ایک احمقانہ سعی ہے۔ رب اور بشر کے مابین جو بھی تصور ذہن انسانیہ میں آجائے کیا وہ احاطۂ تحریر میں آسکتا ہے۔ جب ایسا ممکن نہیں ہے تو پھر یہ بھانت بھانت کی برائیاں ان کے بارے میں کیوں اور کس لئے۔ نہ ان کو منزلت سے اتارا جاسکتا ہے اور ناہی ان کو کسی کی منزلت چھُو سکتی ہے۔

جناب امام حسینؑ کی ولادت پر جناب سیدۃ النسآء العالمین اس قدر بیمار ہوئیں کہ ان کا دودھ خشک ہو گیا۔ چنانچہ آنحضورؐ نے جونہی یہ حال دیکھا تو فرمایا کسی عورت کو تلاش کیا جائے۔ جو میرے حسینؑ کو دودھ پلائے لیکن ایسی کوئی بھی عورت میسر نہ ہوئی جو یہ سعادت دارین حاصل کرتی۔ یہ دیکھ کر آنحضورؐ نے امام حسینؑ کے دہن مبارک مین اپنا انگوٹھا دے دیا۔ حسینؑ نے یہ چوسا۔ اللہ کی کریمی دیکھئے کہ حسینؑ اسکو چوستے چوستے سیراب ہو گئے۔ وہی لذت اور وہی فرحت محسوس کرنے لگے جو شیر مادر سے محسوس ہوتی ہے۔ **ويقال بل كان رسول الله يدخل لسانه فی فيه فيغرّه كما يغرّ الطائر فرخه فجعل الله له فی ذالک رزقاً اربعين يوماً وليلة فنبت لحمه من لحم رسول الله** بلکہ کہا گیا کہ رسول اللہ اپنی زبان مبارک حسینؑ کے دہن مبارک میں ڈال دیا کرتے تھے جسکو حسینؑ اس طرح چوستے تھے جسطرح پرندہ اپنے بچے کو دانہ کھلاتا ہے یہاں تک کہ چالیس شب و روز آنحضورؐ اسی طرح حسینؑ کو زبان چوسایا کرتے تھے۔ اس طرح حسینؑ کا گوشت رسول اللہؐ کے گوشت سے نشونما پاتا گیا[۱۹]۔

مولود حسینؑ کے عنوان کے تحت اصول کافی میں آیا ہے کہ امام حسینؑ نے نہ تو جناب سیدہؑ ہی کا دودھ پیا اور نا ہی کسی عورت کا۔ آنحضورؐ تشریف لاتے تھے اور حسینؑ کے دہن میں اپنی زبان ڈال دیتے تھے۔ حسینؑ اس قدر چوستے تھے کہ تین دن تک سیرابی رہتی تھی۔ اس سے امام حسینؑ کا گوشت و پوست بنا اور چھے ۶ ماہ کے حمل کا بچہ سوائے امام حسینؑ اور حضرت یحیٰؑ کے اور کوئی بھی جانبر نہ ہوا۔

دختر خزاعی جسکا نام برّہ تھا سے روایت ہے کہ جب امام حسنؑ کی ولادت کے دن قریب آ گئے حضورؐ نے جناب سیدہؑ سے فرمایا اے میری پارہ جگر! جبرئیلؑ نے ابھی ابھی خبر دی ہے کہ تجھ سے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ جب بچہ پیدا

ہوجائے تو اسکو اسوقت تک دودھ نہ پلانا جب تک نہ میں آجاؤں کیونکہ مجھے مدینہ سے باہر جانا ہے۔ برّہ کہتی ہے کہ جب تین دن کے بعد امام حسنؑ متولد ہوئے تو میں اسوقت جناب زہراؑ کے پاس تھی۔ ابھی امام حسنؑ کے منہ میں شیر مادر نہیں گیا تھا میں نے جناب فاطمہؑ سے عرض کی کہ بچے کو مجھے دیجئے تاکہ میں اسکو دودھ پلاؤں۔ جناب سیدہؑ نے نہ مانا۔ بچہ بھوکا تھا۔ بچے کا حال دیکھ کر'' **ثم ادر کھارقة الامھاتفارفعته** '' ماممتا تڑپ اٹھی اور آپ نے اپنے بیٹے کو دودھ پلایا۔ جب آنحضورؐ تشریف لائے اور سنا کہ جناب سیدہؑ نے اپنے بچہ کو دودھ پلایا ہے تو فرمایا **ابی اللّٰه عزّوجلّ الّاما اراد** اللہ مشیت ہی کے کام کرتا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اگر امام حسنؑ دودھ نہ پیتے تو صلب امام حسنؑ سے ہی سلسلۂ امامت نکلتا۔ پھر جب امام حسینؑ کی ولادت کا وقت آیا تو آنحضورؐ نے حسب سابق جناب سیدہؑ سے دودھ نہ پلانے کے بارے میں فرمایا اور فرمایا جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ تمہارا اور ایک بچہ ہوگا۔ جناب سیدہؑ نے عرض کی کہ اگر ایک ماہ بھی مجھے انتظار کرنا پڑے گا یہی ضرور کروں گی۔ جب امام حسینؑ بہ دنیا تشریف لائے تو آنحضورؐ اس مرتبہ بھی مدینہ سے باہر تھے۔ جب آپ تشریف لائے تو فرمایا'' **ما ذا صنعت؟قالت ما ارضعته فاخذه فجعل لسانه فی فيه فجعل الحسين يمصّ حتّى النّبی ايهاً حسين اِيها حسين ثم قال ابی اللّٰه الّا مايريدهی فيک وفی ولدک يعنی الامة** ''۔ آنحضورؐ نے جناب فاطمہؑ سے فرمایا حسینؑ کے ساتھ کیا کیا (یعنی دودھ دیا) آپؑ نے عرض کی میں نے دودھ نہیں دیا۔ آنحضورؐ نے حسینؑ کو لیا اور اپنی زبان مبارک حسینؑ کے منہ میں ڈال دی۔ حسینؑ نے اس قدر اس کو چوسا کہ سیراب ہوگئے۔ یہ دیکھکر آنحضورؐ نے حسینؑ سے دومرتبہ فرمایا حسینؑ تم کامیاب ہوگئے۔ یہ تمہارے لئے کافی ہے اور اسکے بعد آنحضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مشیت کے بغیر کچھ بھی نہیں کرتا۔ تم امام اور تیرے فرزندوں میں سے امامت ہے[20]۔

مرحوم علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار میں عبدالرّحمٰن ہاشمی سے روایت نقل کی ہے کہ ہاشمی نے صادق آل محمدؐ سے عرض کی۔ **جعلت فداک من اين جاء لولد الحسين الفضل علی ولد الحسن وهما يجريان فی شرع واحد** ۔ میں آپ پر قربان ہوجاؤں! امام حسینؑ کی اولاد امام حسنؑ کی اولاد سے کیوں افضل ہے جبکہ دونوں ایک ہی ماں باپ سے ہیں۔ یہ سنکر آپ نے فرمایا۔ مجھے نظر نہیں آتا کہ تم میرے جواب کو تسلیم کروگے، پھر بھی جواب دیتا ہوں۔ سنو! قبل از ولادت امام حسینؑ آنحضورؐ کی خدمت میں جبرئیل آئے تو عرض کی **يولدک غلام تقتله امتک من بعدک** ۔ آپکا ایک بچہ ہوگا کہ جسکو آپ کے بعد آپکی اُمت قتل کریگی۔ یہ سنکر آنحضورؐ نے فرمایا اے جبرئیل **لا حاجة لی فيه**۔ مجھے اس بچے کو کوئی حاجت نہیں ہے۔ جبرئیل نے دوبارہ عرض کی۔ آپؐ نے حضرت علیؑ سے یہ سب کچھ کہا۔ جناب امیرؑ بھی منکر ہوئے۔ جناب امیرؑ کے انکار پر آنحضورؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا۔ اے علیؑ! اس بچے سے وارثان محمدؐ نکلیں گے جو وارثان علوم اولین و آخرین ہونگے۔ خازن انبیاءؑ ہونگے۔ اسکے بعد یہی

گفتگو جناب سیدہؑ سے بھی کی گئی تو انہوں نے کہا **لیس لی حاجة یاابة** ۔ بابا مجھے اس بچے کی حاجت نہیں ہے۔ جب ذکرعلوم کیا گیا۔ وارثان محمدؐ بتایا گیا۔ خازن انبیاءؑ کا مژدہ سنایا تو جناب سیدہ راضی ہوئیں۔ رضامندی ہی سے امام حسینؑ چھ ماہ کے بعد بدنیا تشریف لائے۔ **ولم یعش مولود قط لستة اشهر غیر الحسین بن علی وعیسیٰ بن مریم** اورکوئی بھی امام حسینؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے بغیر چھ ماہ کے بعد پیدا نہ ہوا۔ **وکان رسول الله یاتیه فی کل یوم فیضع لسانه فی فم الحسین فیمصه حتی یر دی** اورآنخضورؐ ہر روز تشریف لاتے تھے۔ اوراپنی زبان حسینؑ کے منہ میں ڈال دیتے تھے۔ اورحسینؑ اسکو سیراب ہونے تک چوستے تھے۔ اس طرح حسینؑ کا گوشت و پوست آنخضورؐ کے گوشت پوست سے بنا اسی حق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ **وحمله وفصاله ثلاثون شهرا حتّٰی اذا بلغ اشده و بلغ اربعین سنة قال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک الّتی انعمت علی وعلیٰ والدی وان اعمل صالحاً ترضٰه واصلح لی فی ذریتی**[۲۱]۔

اسم مبارک

اهدیٰ جبرئیل الی رسول اللّٰه اسم الحسن بن علی فی خرقة حریر من ثیاب الجنة واشتق الحسین من اسم الحسن ۔ جبرئیل نے جنت سے اسم حسن کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر آنخضورؐ کی خدمت بطور ہدیہ لایا اسم حسینؑ اسی اسم حسنؑ سے مشتق ہے[۲۲]۔

علامہ ابن شہر آشوب کہتے ہیں کہ اسم حسنؑ اور اسم حسینؑ اسماء جنت میں سے ہیں[۲۳]۔

جناب شیخ صدوقؒ عیون اخبارالرضا میں اسماء بنت عمیس سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب امام حسینؑ پیدا ہوئے تو جبرئیل نے آنخضورؐ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ اے محمدؐ! خداوند عالم آپکو سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ جناب امیرؑ آپ کے لئے ہارون جیسے ہیں۔ لہٰذا اس مولود مسعود کا نام ہارون کے بیٹے کے نام پر رکھے۔ آنخضورؐ نے پوچھا ان کا نام کیا تھا۔ جبرئیل نے عرض کی انکا نام ''شبیر'' تھا آنخضورؐ نے فرمایا میری زبان تو عربی ہے۔ جبرئیل نے عرض کی تو پھر حسینؑ رکھیے[۲۴]۔

النّبی سمی الحسن حسناً لا ن باحسان اللّٰه قامت السمٰوٰت والارضون واشتق الحسین من الاحسان و علّی و الحسن اسمان من اسماء اللّٰه تعالیٰ والحسین تصغیر الحسن آنخضورؐ فرماتے ہیں کہ امام حسنؑ کو اس لئے حسنؑ نام رکھا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان سے زمین وآسمان کو خلق کیا ہے اور حسینؑ حسنؑ کا تصغیر ہے[۲۵]۔

روایت میں ہے کہ حضرت علیؑ نے پہلے امام حسنؑ کا نام حمزہ رکھا تھا اور حسینؑ کا جعفر۔ نام رکھنے کے ایک دن

بعد آنحضورؐ نے جناب امیرؑ سے فرمایا **قدامرت ان اغیر اسم ابنی هٰذین قال فما شآءَ الله ورسول قال هما الحسن والحسین** اے علیؑ اللہ نے مجھے اس امر پر مامور کیا ہے کہ میں ان فرزندوں کے نام تبدیل کروں۔ جناب امیرؑ نے عرض کی اللہ اور رسولؐ کی جو بھی مرضی ہو۔ آپ نے فرمایا انکے نام حسنؑ وحسینؑ ہیں[۲۶]۔

ان اسماء کے علاوہ ان بچوں کے اور بھی نام آئے ہیں۔ چونکہ یہ امام حسینؑ کی سوانح حیات ہے لہٰذا ان ہی کے اسم مبارک کے ساتھ تخصیص رکھی گئی ہے۔

وید براہمہ میں انکا نام ''اندرکش''۔ آریا ان کو ''اعظم تارا''۔ ژند میں انکا نام ''نیک بخت''۔ انجیل میں انکو ''سوسین'' کہتے ہیں اور توریت میں شبیر کے علاوہ ''جوب'' بھی لکھا گیا ہے۔

القاب

الشهيد السعيد . السبط الثانی. امام الثالث. المبارک. تابع مرضات الله المتحقق لصفات الله. الدليل علىٰ ذات الله. افضل ثقات الله. المشغول ليلاً ونهاراً بطاعةالله. الثاری نفسه الله. الناصر لا ولياء الله .النتقم من اعداد الله. الامام المظلوم . الا سير المحروم . الشهيد المرحوم . القتيل المجزوم . الامام الشهيد . الولی الرشيد .الوصی السّديد[۲۷].

کُنیت

الرشيد . الطيب . الوفی . السيد . الزّكی. المبارک . التابع . السبط . ابو عبدالله . ابوالعلی . ابن رسولؐ . الباذل . الباكی . الزاكر. الشهيد . الشجاع . الشريف . القتيل . الغريب۔

یہ بحر ذخار میں سے چند آبدار موتی تھے۔ آگے چل کر آپ خود اندازہ لگائیں گے کہ انسانیت جس پیکر صبر ورضا کی رہین منت ہے وہ کن کن اوصاف لامتناہی کا مالک تھا۔ اگر ایک طرف قرآن کی آیات ان کے انگ انگ کی تفسیر میں رطب اللسان ہیں تو دوسری طرف رحمت دارین کی ادائیں ان کے لئے ہمہ سور قصاں ہیں:

سیّد الشہداء حضرت امام حسینؑ کی ولادت چوتھی ہجری میں ہوئی اور چہارم ہجری وہ دور ہے جس میں رسولؐ اللہ نے چند اہم کام انجام دیئے۔ وہ کچھ اس طرح سے ہیں:

۱/ سریہ ابی سلمہ بن عبدالاسد مخزومی
۲/ سریہ عبداللہ ابن انیس الجہنی
۳/ سریہ عمرو بن امیسری — یہ تینوں سریے بحسن خوبی طے پائے گئے۔
۴/ اسی سال منذر بن عمرو انصاری کو تعلیم قرآن دینے کے لئے نجد بھیجا گیا۔

۵/ عاصم بن ثابت ابن ابی اقلح انصاری کو دعوت اسلام دینے کے لئے قبائل کی طرف بھیجا گیا۔
۶/ غزوہ بنی نضیر بھی اسی سال ہوا۔
۷/ شراب ونشہ آور چیزیں اسی سال حرام قرار دی گئیں۔
۸/ آنحضورؐ نے اسی سال جناب ام سلمہؓ سے شادی کی۔
۹/ غزوہ سویق میں بھی فتح اسی سال حاصل کی گئی۔

آنحضورؐ کی وفات

۱۰ ہجری کو آنحضورؐ نے ظاہری انتقال فرمایا تو اس وقت امام حسینؑ کی عمر شریف سات سال کی تھی۔

سات سال کا عام بچہ حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا بالخصوص امام حسینؑ میں خانوادہ کے زیب و زینت تھے یہ عالم میں ممتاز تھا۔ اس گھر کے افراد کا موازنہ اور گھروں سے کرنا خود فریبی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ انہوں نے نانا کے انتقال کے ساتھ ہی اُٹھنے والے اندوہناک حالات کا بھرپور جائیزہ لیا۔ نانا کی تدفین میں عام لوگوں کی عدم شمولیت نے وہ رجحانات سامنے رکھے جو مستقبل کے اندوہناک حالات کی بھرپور عکاسی کرتے تھے۔

نانا کی وفات کے صرف تین ماہ ہی گذرے تھے کہ ماں جناب فاطمہ زہرأ داغ مفارقت دے گئی[۲۸]۔

جب ماں کا جسم اطہر تابوت میں رکھا گیا تو جناب علی مرتضیٰؑ نے اپنے بچوں سے فرمایا: آو بچو ماں کی آخری زیارت کرلو۔ جونہی بچے آگے بڑھے اور اپنے آپ کو ماں پر گرا دیا تو یک لخت جناب سیدہؑ نے دونوں ہاتھوں کو کفن سے نکالا اور اپنے بچوں کو سینے سے لگا لیا[۲۹]۔

ماں کی تدفین پر جو ہنگامہ آرائی مسلمانوں نے کی وہ کچھ کم نہیں تھا۔ پیہم حالات کے اُلٹ پھیر نے امام حسینؑ کے دل پر گہرے گھاؤ لگا دیے۔ رات کی تاریکی میں ماں کو دفن کر دینا ہی کیا کم تھا۔ رسولؐ اللہ جسکے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ **فاطمة بضعة منی فمن اغضبها اغضبنی** ۔ فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے جس نے اسکو غضبناک کیا اس نے مجھے غضب ناک کیا۔ انکے کفن ودفن میں گھر والوں کے علاوہ کسی کی بھی شرکت نہ کرنا حالات کی ابتری کا اندازہ لگا دینا امام حسینؑ کے لئے کوئی مشکل کام نہ تھا۔[۳۰]

خلافت علوی

۱۸/ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو جناب امیرؑ کی بیعت کی گئی۔ یعنی ۴ ہجری سے ۳۵ سال ہجری تک ۳۲ سال کا طویل عرصہ تھا۔ حسینؑ کی عمر بڑھتی جا رہی تھی۔ ہر رونما ہونے والا واقعہ اب کھل کے سامنے تھا۔ اس دوران امام حسینؑ اپنے باپ کے ساتھ قرآن کریم کے رموز و اسرار سے مملو ہوتے جا رہے تھے۔ بقول عمر ابوالنصر اس

تمام عرصے میں امام حسینؑ اپنے باپ کے ساتھ تدوین احادیث اور تلاوت قرآن مجید کے ساتھ ساتھ رہے [۳۱]۔

جب جناب امیرؑ ظاہری تخت خلافت کو زیب و زینت دینے کے لئے آئے تو اس وقت امام حسینؑ کی عمر شریف ۳۲ سال کی تھی۔ ۳۶ ہجری ماہ جمادی الاول میں جناب عائشہ کی قیادت میں جنگ جمل چھڑ گئی۔ ۳۷ ہجری ماہ صفر میں معاویہ کی قیادت میں جنگ صفین کا خونچکان معرکہ ہوا۔ میدان صفین ابھی خون سے لالہ زار ہی تھا تو شوال المکرّم اسی سنہ ۳۷ ہجری جنگ نہروان ہوئی [۳۲]۔

ان تین جنگوں کے نشیب و فراز ایسے نہیں تھے جو امام حسینؑ کے نانا کے دور کے تھے۔ نانا کے دور میں جنگ جو بھی ہوئی وہ کفر و شرک کے ساتھ تھی لیکن یہ جنگیں اسلامی لبادہ پہننے والوں نے آنحضورؐ کے جائز وارث اور خلیفہ بلا فصل کے خلاف لڑیں۔ معاملہ نازک بھی تھا اور فکر و نظر کرنے کے قابل بھی تھا۔ کلمہ پڑھنے والوں نے حضرت علیؑ کے خلاف تلوار بے نیام کی تھی۔ طلحہ اور زبیر نے نکث بیعت کی تھی۔ رسول اللہؐ کے زمانے کے جانے پہچاننے والوں کا کردار سامنے تھا اور حسینؑ یہ سب خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ جس گھر کی دہلیز پر آنحضورؐ عام لوگوں کے سامنے مسلسل چھ ماہ تک **السلام علیکم یا اھلبیت النبوۃ و معدن الرسالۃ** کہا کرتے تھے، اس گھر کے ساتھ روا رکھے گئے ناگفتہ بہ حالات ایسے نہ تھے کہ جن کو قلب و ذہن سے محو کیا جا سکتا آخر وہ گھڑی آ ہی گئی جس نے آسمان و زمین میں زلزلہ طاری کر دیا۔ یہ چالیس ہجری انیسویں ماہ رمضان المبارک کی گھڑی تھی۔ جب عبدالرحمٰن ابن ملجم نے سجدے میں جناب امیرؑ کے فرق اقدس پر تلوار کا ضرب لگایا۔ مسجد کوفہ کی دیواریں ہل گئیں اور نمازیوں پر سکتہ طاری ہوا۔ اس وقت امام حسینؑ کی عمر چھتیس [۳۶] سال کی تھی۔

امام حسنؑ کی خلافت

اسکے بعد آپ کے بھائی ظاہری مسند خلافت پر آ گئے۔ امیر معاویہ کے لئے یہ خبر انتہائی شاق گذری کہ امام حسنؑ حضرت علیؑ کے جانشین بن گئے۔ حالات اس قدر ابتر کر دیے گئے کہ ہر مورخ اور ہر سیرت نگار کا قلم یہ سب کچھ لکھنے کے وقت تھرا اُٹھا۔ ۴۹ ہجری میں آپ کے بھائی کو جعدہ بنت اشعث کے ذریعے زہر دیا گیا۔ چالیس دن تک امام حسنؑ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہے۔ نو سال امام حسینؑ کے بھائی نے گوناگوں مصائب دیکھے۔ آخر امام حسنؑ کی شہادت ہجری ۲۸ صفر ۵۰ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ اس وقت آپکی عمر ۴۷ سال کی تھی۔ پھر جب نانا کے روضے میں امام حسنؑ کو دفن ہونے نہ دیا اور ان کے جنازے پر تیر باران کر دیا گیا۔ یہ کربناک اور لدوز واقعہ آپؑ کے لئے ایک اندوہناک المیہ سے کم نہ تھا۔ اس پر یہ ستم روا رکھا گیا کہ اس پورے عرصے میں آپ کے والد جو آپؑ کے نانا کے بھائی بھی تھے پر سب و شتم کیا جا رہا تھا۔

ایک جائزہ

فطری بات ہے کہ ان حالات نے آپ پر کوئی خوشگوار اثر تو نہیں ڈالا ہوگا۔ ایک کے بعد ایک واقعہ تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ رونما ہو رہا ہے۔ سُکھ نام کی کوئی منزل ایسی نہیں ہے جہاں آپ بالیدگی محسوس کرتے۔ یہ یقیناً اولوالعزمی اور پُر رفعت زندگی کا ہی کمال ہے کہ اتنے حوصلہ شکن حالات کا وقتاً فوقتاً آپ نے سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا۔ میدان عمل ہو یا میدان جنگ ہر دو منزلوں میں آپکے آہنی کردار کی چھاپ نے مستقبل کیلئے آپکو غیر متزلزل عزم وارادہ کے سانچے میں ڈال لیا۔ ناناؐ کی وفات سے لیکر بھائی کے جنازے پر برستے تیروں تک بھی آپ کے لب مُبارک سے اف تک نہ نکلنا۔ انسان کو یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ زندگی کی پوری کتاب آپکے سامنے کھلی پڑی تھی۔ ورق ورق آپ کو مستقبل میں آنے والے واقعات سامنے رکھ رہے تھے۔ غور تو کیجئے نہ ناز و نخرے ہیں نہ آرام وسکون میسر نہ بچھی ہوئی کلیاں ہیں، نہ نرم وگداز پھولوں کی سیج بلکہ قدم قدم خار بداماں ہیں۔ سبزہ زاروں نے صحراؤں کا کفن پہن رکھا تھا۔ زمانہ جتنا قریب آتا جا رہا تھا اتنے ہی اپنائیت کے چراغ بجھتے جا رہے ہیں۔ کلمہ لا الہ الا اللہ کا سوز دم توڑتا جا رہا تھا۔ جاہلیت کے تفاخر وتکاثر کے گھوڑوں پر زینیں چڑھائی جا رہی ہیں۔ بقول علامہ مشرقی کے وہ ناسور پھر سے رونما ہوا جسکو رحمۃ للعالمینؐ نے کمال حکمت سے کاٹا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی امام حسینؑ کی زندگی کا ہر رخ ناقابل تسخیر بنتا جا رہا تھا۔ اس گھٹن زدہ دور میں بھی حسینؑ اکمل وکامل پیکر بن کر انسانیت کے ماتھے پر رہتی دنیا تک ایک چمکتا ہوا آفتاب رہا۔ بادلوں کے دل کے دل آئے۔ لیکن اس آفتاب عالمتاب کو بدلیوں میں چھپا نہ سکے۔ یہی وہ وجوہات ہیں کہ امام حسینؑ دین وایمان کی ضمانت قیامت تک بنے۔

صحابہ کا احترام

ایک دن حضرت عمرؓ منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ اس وقت امام حسینؑ کم سن تھے۔ آپ مسجد کی طرف آ نکلے جب دیکھا کہ خلیفہ منبر پر ہیں تو فرمایا: میرے باپ کے منبر سے اُتر آؤ اور اپنے باپ کے منبر پر جا کر خطبہ دیدو۔ یہ سننا تھا کہ حضرت عمرؓ نے خطبہ ادھورا چھوڑا اور منبر سے اُتر کر امام حسینؑ کو اپنی آغوش میں لیا اور کہا اے حسینؑ آپ کو یہ بات کس نے سکھائی؟ یہ سنکر امام حسینؑ نے فرمایا بخدا کسی نے نہیں یہ تو میں نے خود سے کہا۔ حضرت عمرؓ نے دوبارہ حسینؑ سے کہا اسے حسینؑ کبھی کبھی میرے گھر آیا کیجئے۔ انکے کہنے پر ایک دن امام حسینؑ حضرت عمرؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں پہونچ کر دیکھا کہ آپ معاویہ کے ساتھ محو گفتگو ہیں۔ لہٰذا اطلاع دیئے بغیر واپس لوٹ گئے۔ جب دوسرے دن حضرت عمرؓ آپ سے ملے تو شکایتاً آپ سے کہا کہ آپ پھر دوبارہ میرے گھر تشریف کیوں نہ لائے۔ امام حسینؑ نے فرمایا میں آیا تو تھا لیکن تم وہاں معاویہ سے مصروف گفتگو تھے۔ لہٰذا میں نے مناسب نہ سمجھا اور واپس

لوٹ آیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا مجھے آپکی واپسی کا نہایت ہی دُکھ ہوا کیونکہ ہم لوگوں کا بال بال آپ حضرات کے صدقے میں پیدا ہوا ہے[۳۳]۔

حوالہ جات

۱۔ ینابیع المودۃ ص ۲۴۶ ۲۔ سورۃ احقاف آیت ۱۵ ۳۔ مناقب ج ۳ ص ۸۳
۴۔ موالی السبطین ص ۶۳ ۵۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۲ ص ۱۰۶
۶۔ روضہ الشہد اص ۱۹۱ ۷۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ ج ۲ ص ۱۷۰
۸۔ ارجح المطالب علامہ عبید اللہ امر تسری باب سیوم ص ۲۷۹
۹۔ کتاب دروس ص ۴۴ ۱۰۔ منتخب التواریخ ص ۲ ۱۱۔ زاد المعاد ملا محمد باقر مجلسیؒ ص ۵۷
۱۲۔ انوار حسینیہ ج ۳ ص ۴۳؛ شواہد النبوت ص ۱۳؛ ارجح المطالب باب ۳ ص ۲۷۹
۱۳۔ مشکوٰۃ شریف ج ۷ ص ۱۴۰ ۱۴۔ شواہد النبوت ص ۱۷۴؛ کشف الغمہ ج ۲ ص ۱۷۶
۱۵۔ ناسخ التواریخ ج ۱، ص ۱۲ ۱۶۔ بحار الانوار ج ۱۰ ص ۲۰
۱۷۔ زهرۃ الریاض ۱۸۔ نہج الاسرار
۱۹۔ ناسخ التواریخ ج ۱ ص ۲۴ ۲۰۔ ناسخ التواریخ ج ۱ ص ۲۵
۲۱۔ وقائع الایام جزء ۲ ص ۸۱ ۲۲۔ علل الشرائع ج ۲
۲۳۔ مناقب ج ۲ ص ۱۴۱ ۲۴۔ ستارہ درخشان ج ۵ ص ۳۴
۲۵۔ مناقب ج ۲ ص ۱۴۱ ۲۶۔ مسند ابی یعلی ج ۲ ص ۱۴۰
۲۷۔ ناسخ التواریخ ج ۱ ص ۳۵ ۲۸۔ کشف الغمہ ج ۲ ص ۶۶
۲۹۔ ریاحین الشریعہ ج ۲ ص ۸۲
۳۰۔ تفصیلی حالات جاننے کے درج ذیل کتب دیکھی جاسکتی ہیں: صحیح بخاری ج ۳ ص ۳۸؛ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۹؛ بنات النبیؐ عائشہ بن شاطی ص ۲۷۴؛ مودۃ القربیٰ، مودۃ ۱۴؛ شاہ بانو اسلام ص ۱۰۶
۳۱۔ آل محمدؐ کربلا میں
۳۲۔ ان تینوں جنگوں کے علل واسباب اگر بنظر انصاف دیکھنے ہوں اور کسی صحیح نتیجے پر پہونچنا ہے تو درجہ ذیل کتب ملاحظہ کریں: تاریخ طبری ج ۳ ص ۴۱۱۔۴۳۴؛ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۳۲؛ انساب الاشراف ج اص ۱۱۳؛ امامت وسیاست ج اص ۵۲؛ تاریخ اسلام ذہبی ج ۲ ص ۱۶۸؛ عقد الفرید ج ۴ ص ۱۱۴؛ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۶؛ تاریخ ابوالفدا ج اص ۱۷۶؛ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲
۳۳۔ کنز العمال ج ۷ ص ۱۰۵؛ ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۸۰؛ الاصابۃ فی التمیز الصحابہ ج ۲ ص ۲۵

حسب ونسب

محمد ابن یوسف گنجی شافعی ''کفایت الطالب'' میں ،ابن حجر مکی ''صواعق محرقہ'' میں طبرانی اور وہ جابر ابن عبداللہ انصاریؓ سے اور خطیب خوارزمی مناقب میں ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اکرمؐ نے کہ **ان اللّٰہ عزوجل جعل ذریۃ کل نبی فی صلبہ وجعل ذریتی فی صلب علی ابن ابی طالب**ؑ یعنی خداوند کریم نے ہر پیغمبر کی ذریت خود اس کے صلب میں ہی قرار دی اور میری ذریت صلب علی ابن ابی طالبؑ میں قرار دی ہے[۱]۔

وعن فاطمۃؑ قالت قال رسول اللہ کل بنی آدم ینتسبون الیٰ عصبۃ ابیھم الا ولدفاطمہ فانی انا ابو ھم و انا عصبتھم۔

حضرت فاطمہؑ فرماتی ہے کہ فرمایا میرے باپ نے کہ بنی آدمؑ اپنے باپ کے قبیلے کی طرف منسوب ہوتے ہیں سوا اولاد فاطمہؑ کے کہ میں انکا باپ ہوں اور میں ہی انکا عصبہ (قرابت دار پدری) ہوں[۲]۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ سنا میں نے جناب رسول خداؐ سے یقول **کل حسب و نسب فمنقطع یوم القیامہ ماحسبی و نسبی و کل بنی انثیٰ عصبتھم لابیھم ماخلا فاطمۃؑ فانی ابو ھم و انا عصبتھم** یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا: ہر حسب ونسب روز قیامت انقطاع پذیر ہے سوائے میرے حسب نسب کے اور ہر دختری اولاد کا حسب ونسب باپ کی طرف سے ہے بغیر اولاد فاطمہؑ کے کیونکہ ان کا باپ میں ہوں اور ان کا عصب بھی میں ہوں''

متذکرہ حدیث کو شیخ عبداللہ ابن عامر شیرازی شافعی نے کتاب الاغاف بحب الاشراف میں بیہقی سے اور دارقطنی نے عبداللہ ابن عمرؓ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ جلال الدین سیوطی نے کتاب احیاء اہلسنت بفضائل اہل بیتؑ میں اوسط طبرانی سے نقل کرتے ہوئے خلیفہ ثانی عمر ابن خطابؓ سے روایت کی ہے[۳]۔

دنیا جانتی ہے حسنؑ اور حسینؑ علی ابن ابی طالبؑ کے لخت جگر تھے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کو اپنے نور نظر بابا کہہ کر پکارتے لیکن جناب رسالتمابؐ کی حیات مقدسہ تک ان دو بچوں کی زبان پر بابا کا لفظ کبھی بھی نہیں آیا بلکہ حسنؑ جب علی ابن ابی طالبؑ کو پکارتے تھے تو یا اباالحسینؑ کہتے تھے اور حسینؑ جب پکارتے تھے تو یا اباالحسن[۴] کہتے تھے۔ صرف محمد عربیؐ ہی کو بابا کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

مندرجہ بالا آیات واحادیث اور تصریح سے ثابت ہوا کہ حسنینؑ آنحضرتؐ کی وہ ذریت ہے جو ازل تا ابد ذریت ہی رہے گی۔ میدان حشر میں جب حسب ونسب منقطع ہو جائیگا تو یہی ذوات مقدسہ ہیں کہ جو وہاں بھی اُس منزلت کے مالک رہیں گے جس منزلت کے مالک دنیا میں تھے۔ لہٰذا معترض بغور پڑھ کے جادہ حق پر آجائے تا کہ شفاعت کی اُمید رکھی جاسکی۔

حسینؑ بحکم خدا اہلبیتؑ رسولؐ میں شامل ہیں

جہاں تک میری یاداشت اور میرا مطالعہ میری رہبری کر رہا ہے تو مجھے یہی دیکھائی دیتا ہے کہ اہلبیتؑ اطہار کے فضائل کا کوئی ایسا گوشہ نہیں رہ گیا ہے جو تشنہ طلب ہوتا۔ مندرجہ عنوان الصدر پر بہت کچھ لکھا گیا اور لکھا جارہا ہے لیکن جتنا لکھا اتنا ہی فضائل کا دامن وسیع سے وسیع تر بنتا جارہا ہے۔ ہم نے جس معاشرے میں آنکھوں کھولیں پروان چڑھے تو تعصب، گمراہی اور جہالت کے بھیانک اندھیرے دیکھے۔ ہمارے فضلائے کرام، خطبائے قوم اور علمائے اعلام اگر چہ بار بار مشعل حق لیکر ان اندھیروں میں اُجالا کرنے کیلئے اُترے۔ لیکن پھر بھی جہالت، کم علمی، بے خبری کی شدت میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ گو کہ علمائے کرام کی انتھک کاوشوں سے گمراہی کے بادل کسی حد تک چھٹنے لگے ہیں لیکن جب تک حق حق کی منزل تک نہ آجائے حق نہیں ہوتا......!''

ا) **انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهرکم تطهیرا** [☆☆]

اے اہل بیت نبیؐ اللہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور رکھے اور پاک و پاکیزہ رکھے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔*

شان نزول:- **عن ام سلمه قالت نزلت هٰذه الایه فی بیتی انّما یرید اللّٰه لیذهب عنکم الرّجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا وفی البیت سبعة جبرئیل و مکائیل علیهما السّلام وعلی و فاطمة والحسن والحسین رضی اللّٰه عنهم وانا باب البیت قلت یارسول اللّٰه السُت من اهل البیت قال انک الی خیر انک من ازواج النّبی''**

یعنی حضرت ام سلمہؓ بیان فرماتی ہے کہ ''متذکرہ'' آیہ تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی۔ اس وقت اس گھر میں صرف سات بزرگ تھے۔ رسول عربیؐ، علی ابن ابی طالبؑ، فاطمہ زہراؑ، حسنؑ، حسینؑ، جبرائیل اور میکائیل علیہم السلام

* بعض حضرات اس کے معنیٰ کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ اللہ چاہتا ہے کہ تم کو رجس سے پاک کرے اور طاہر کردے جیسا کہ طاہر کرنے کا حق ہے لیکن یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ رجس تب پاک کیا جاتا ہے جب کسی چیز میں رجس نے اپنا اثر ظاہر کیا ہو۔ اور پھر پاک ہونے پر یہ طاہر کہلا سکتا ہے۔ اس سے تو یہ لازم آجاتا ہے کہ اہل بیت الطاہر میں معاذ اللہ پہلے رجس موجود تھا پھر چاہا اللہ نے کہ پاک کرے پھر پاک کیا۔ اور یہ ترجمہ عقلاً، فلسفاً، منطقاً روایتاً اور درایتاً قطعی غلط ہے۔ فطرت کلیتًا پاک وصاف ہے۔ اس میں ناپاکی کا ذرا سا بھی شائبہ نہیں ہوسکتا ہے اور اہل بیت علیہم السلام فطرت تامہ تھے لہٰذا ان میں رجس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ پس باستشہاد آیات کریمہ اور بثبوت احادیث متواترہ اس آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ چاہ رہا ہے (اسلئے کہ یرید فعل مضارع ہے اور فعل مضارع حال و مستقبل پر یکساں دلالت کرتا ہے) کہ تم لوگوں کو رجس سے دور رکھے اتنا دور رکھے کہ تم لوگ مطہر کہلاؤ گے۔

☆☆ تمیم حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ ہے اور عدی حضرت عمرؓ کی طرف اسلئے کہ حضرت ابوبکرؓ قبیلہ نبی تمیم سے تھے اور حضرت عمرؓ قبیلہ بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے

اور میں ان سے دور باہر دروازے پر کھڑی تھی۔ میں نے پوچھا یارسولؐ اللہ! کیا میں اہل بیت میں نہیں ہوں؟ تو جناب رسالتمابؐ نے جواب دیا: ہاں تم خیر پر ہواور تم میری ازواج میں ہو"[۵]۔

عن ام المومنین عائشہؓ قالت خرج رسول اللّٰہ وعلیہ مرھل من شعر اسود فجاء الحسن بن علی فادخلہ ثم جاء الحسینؑ فدخل معہ ثم جائت فاطمہ فادخلھا ثم جاء علی فادخلہٗ ثم قال انّما یرید اللّٰہ الخ۔(اخرجہ مسلم و الترمذی)

جناب ام المومنین عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جناب رسالتمآب گھر سے باہر اس حالت میں تشریف لے گئے کہ ان پر سیاہ بالوں کی ایک چادر (گلیم) تھی۔ پس حسنؑ تشریف لائے آپ نے ان کو اس میں لیا، پھر حسینؑ آئے اور وہ بھی انہیں کے ساتھ داخل ہوئے، پھر جناب فاطمہ زہراؑ تشریف لائیں وہ ان کے ساتھ شامل ہوگئیں، انکے بعد علیؑ آ گئے ان کو حضرت نے گلیم میں لے لیا۔ اسکے بعد فرمایا "اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں" اور فرمایا کہ اے اللہ ان سے رجس کو دور رکھ اور ان کو مطہر بنا[۶]۔

عن ابن حو شب قال دخلت مع ابی علی عائشہ فسا لتھا عن علی فقالتؓ تسأ لنی عن رجل کان من احب النّا س الرسول اللہ و کانت تحتہ ابنتہ واحب النّاس الیہ لقد رائیت رسول اللہ دعا علیاً ، فاطمۃوحسناً وحسیناً فالقی علیھم ثوباً فقال اللھم ھٰؤُلاءِ اھل بیتی فاذھب عنھم الرّجس وطھرھم تطھیراً قالت فدنوت منھم فقلت یا رسول اللہ وانامن اھل بیتک فقال تنحی فانک علیٰ خیر۔

ابن حوشب نے اپنے ایک چچا سے روایت کی ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ حضرت عائشہؓ کے پاس گیا اور حضرت علیؑ کے بارے میں ان سے پوچھا انہوں نے فرمایا: کیا تم مجھ سے اس شخص کے بارے میں پوچھتے ہو جو رسولؐ خدا کو تمام لوگوں سے زیادہ محبوب تھا۔ اور حضرت رسولؐ کی دختر نیک اختر ان کے عقد میں تھی اور یہ بیٹی جناب رسالتمابؐ کو ازحد پیاری تھیں۔ (پھر فرمایا عائشہؓ نے) میں نے دیکھا کہ رسول اللہؐ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ حسینؑ کو بلایا اور ان کو ایک چادر اوڑھا کر دعا کی کہ دے خداوندلم یزل! یہی میرے "اہل بیتؑ" کی عملی تفسیر ہیں یعنی یہی میرے اہل بیت ہیں۔ تو ان سے ہر برائی کو دور رکھ اور ان کو مطہر بنا دے۔ میں بھی (یعنی عائشہؓ فرماتی ہے) ان کے قریب گئی اور جناب رسالتمابؐ سے عرض پیرا ہوئی کہ یارسول اللہ کیا مجھے اہل بیت میں شامل نہیں کریں گے تو آپ نے جواب فرمایا: ہٹ جاؤ۔ تم ایک خوبی پر ہو[۷]۔

قالت ام سلمہؓ رفعت الکساء لادخل معھم فجد بہ من یدیہ وقال انّک علی خیر۔ ام سلمہؓ بیان فرماتی ہے کہ میں نے کمبل اُٹھایا تا کہ میں بھی اس میں داخل ہو جاؤں تو حضرت نے اس کمبل کو زور سے

کھینچااورفرمایاتم تو خیر پر ہو[۸]۔

یہی ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک روز میرے گھر پر رسول خدا تشریف فرما تھے تو خادم نے آکر خبردی کہ جناب فاطمہؑ اور علیؑ تشریف لائے ہیں اور سائباں میں کھڑے ہیں تو حضرت نے مجھ سے فرمایا اُٹھو میرے اہل بیت سے الگ ہوجاؤ۔ میں اس حکم کوسنکر اُٹھی۔تب حضرت علیؑ ، فاطمہؑ اور حسنینؑ داخل ہوئے[۹]۔

یہاں پر آیہ مجید کامختصر ساخاکہ پیش کیا گیا۔تفصیل اگر درکار ہوتو میرا طبع شدہ پمفلٹ ''گلستان تطہیر کی مہکتی کلیاں'' بجواب اخبار مسلم ملاحظہ فرمائیں۔

الغرض روایات مندرجہ میں صرف الفاظ کا ردوبدل ہے، مفہوم کانہیں۔لہٰذا ثابت ہوا کہ حسینؑ اہل بیت کی ایک اہم کڑی ہے اوران روایات کو پڑھ کرمندرجہ ذیل نتائج حاصل ہوجاتے ہیں۔

الاول:-گلیم کے اندرصرف علیؑ ، فاطمہؑ ، حسنؑ اور حسینؑ داخل ہوسکے۔بقیہ حضرات اِس سے مستثنیٰ ہیں۔

الثانی:-آیت نے اہل بیتؑ الطاہرین کے گرداگردعصمت مُطلقہ کی حصار کھینچی ،لہٰذا یہ گناہ صغیرہ وکبیرہ سے قطعی پاک ہیں۔

الثالث:-اللہ نے کائنات کے ہرذی روح سے آل عباؑ کوعبا میں داخل فرما کرحق کی نشاندہی فرمائی۔

الرابع:-جلیل القدرازواج بھی اس اس شرف کو نہ پاسکیں کہ جس شرف کوفاطمہؑ اوران کے بیٹے پہنچے۔

الخامس:-ضمیرمونث (عنکنَّ) پرایمان رکھنے والےکو **اِنَّکَ علیٰ خیر** بتلاکرواضح فرمایا کہ اہلبیتؑ صرف علیؑ ، فاطمہؑ ، حسنؑ اورحسینؑ ہی بن سکتے ہیں۔

لہٰذا مندرجہ بالا نتائج کو مدنظر رکھتے ہوئے امام ابوحنیفہ کے اس قول کوتسلیم کرنا پڑے گا کہ ''کہ اہلبیتؑ ہی آنحضورؐ کی صحیح تعلیمات سے عوام النّاس کوآگاہ کرسکتے ہیں[۱۰]''

امام حسینؑ کا خاندان

حضرت علیؑ: آپ امام حسینؑ کے والد تھے۔ان کے فضائل ومناقب کا احصاء نہ کیا جاسکا ہے اور ناہی کیا جاسکتا ہے اسلئے کہ آنحضورؐ کی مشہور حدیث ہے۔

لو کان ریاض اقلاما و البحور مداداً والانس کتابا والجنّ حساباً ما احصوا فضائل علی بن ابی طالبؑ۔

اگرتمام درخت قلم بن جائیں ،سمندر سیاہی بن جائیں اور انسان لکھنے بیٹھیں اور جن حساب میں جُٹ جائیں پھر بھی حضرت علیؑ کے فضائل کا احصاءنہیں کر پائیں گے۔

بقول امام شافعی

لو کان المرتضیٰ ابداً محله　　لکان الخلق سجداً طرّا له

کفیٰ فی فضل مولانا علی　　وقوع شک فیه انه الله

مات شافعی لیس یدری　　علی ربه ام ربّه الله

اگر علیؑ مرتضیٰؑ شمہ برابر بھی اپنے فضائل ظاہر کرتے تو خلائق اس کو سجدہ کرتے ۔علیؑ کی فضیلت کیلئے بس اتنا کافی ہے کہ اس پر خدا ہونے کا شک ہوتا ہے۔شافعی تو مرگیا لیکن سمجھ نہیں پایا کہ علیؑ اسکا خدا ہے یا اللہ اسکا خدا ہے۔

حضرت فاطمه زهراؑ: آپ امام حسینؑ کی والدہ تھیں ۔اس سے بڑھ کر ان کی اور کیا فضیلت بیان کی جاسکتی ہے کہ آپ رحمۃ للعالمین کی اکلوتی بیٹی تھی ۔ یہ اعزاز نہ اس سے پہلے کسی کو حاصل تھا اور نا ہی قیامت تک اس جیسا اعزاز کسی کے نصیب میں آسکتا ہے۔آنحضورؐ نے ان ہی کیلئے فرمایا:**فاطمة سیدة النساء العالمین من الاولین والاخرین وانها لتقوم فی محرابها فیسلم علیها سبعون الف ملک من المقربین وینادُونها بما نادت به الملائکة فیقولون یا فاطمه ان الله اصطفیکِ وطهرک واصطفاک علی النساء العالمین۔**

فاطمہؑ اولین وآخرین عورتوں کی سردار ہے۔ جب بھی آپ محراب میں (بغرض عبادت) کھڑی ہوتی تھی تو آپ پر ستر ہزار ملائکہ مقربین سلام کیا کرتے تھے اور ندا دیتے تھے کہ اے فاطمہ! اللہ نے آپ کو پاکیزہ بنالیا ہے اور تمام عورتوں میں سے چنا ہے۔

ایسا کیوں نہ ہوتا۔ باپ رسولؐ اللہ تمام کائنات میں برگزیدہ اور پاکیزہ ۔ان ہی کے ارشاد کے مطابق **فاطمة بضعة منی** فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے، دلیل اس امر کی ہے کہ آنحضورؐ کے خمیر وطینت ہی سے فاطمہ زہراؑ کی تخلیق بھی ہوئی ہے۔پس فرق صرف یہ ہے کہ نسوان کائنات کی سردار فاطمہ ہے اور آنحضورؐ ان کے والد ہیں۔ان ہی کی ردائے تطہیر میں آنحضورؐ کا آجانا اور اسکے بعد علیؑ ،حسنینؑ اور فاطمہؑ کو ساتھ لینا دنیا کو یہ بتلانے کے لئے کافی تھا کہ اللہ جب ہمارا تعارف کرانے پر آئے تو فاطمہؑ ہی کے وسیلے سے تعارف کیا جائیگا۔اس تاریخی واقعہ کے بعد آنحضورؐ کا مسلسل چھ ماہ ان کے دروازے پر آکر **السلام علیکم یا اهل البیت النبوة** کہہ دینا معاندین اہلبیتؑ کی آنکھیں کھولنے کیلئے کافی وشافی ہے۔کیا مدینہ میں ایسا اور بھی کوئی گھر محترم ومکرم تھا کہ جسکے دروازے پر آنحضورؐ ایسا ہی عمل بجالایا کرتے تھے؟ جو بھی کتاب اُٹھائے گا تو جواب نفی میں ملے گا۔

ہمیں یہ اعتراف کرنے میں ذرہ برابر بھی پریشانی نہیں ہے کہ جناب فاطمہؑ گھر کی دہلیز سے مردانہ وار باہر نہیں نکلی ۔انہوں نے اپنے بابا کے اس فرمان پر عمل کرنا ہی واجب جانا کہ عورت کا مقام صرف اسکا گھر ہے، جنگ و

قتال کا میدان نہیں۔ تطہیر کے تقاضوں سے ہٹ جانا جناب فاطمہؑ کے لئے دشوار ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔

یہ ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے کہ لکھا جاتا ہے کہ ''فاطمہؑ کی کسی دینی سرگرمی کا پتہ نہیں نہ سیاسی سرگرمی کا۔ البتہ شیعوں نے ان کے گرد خصوصی عزت واحترام کا ہالہ کھینچ لیا ہے اور انکے بارے میں بہت قصے بنا رکھے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ فاطمہؑ خدا کی روح تھیں۔ ان لوگوں نے فاطمہؑ کا نام بتول رکھا ہے اور عائشہؓ سے انہیں افضل قرار دیا ہے اور انکے فضائل وخصوصیات میں کافی طول دیا ہے اور کہتے ہیں کہ فاطمہؑ اور انکے فرزند میں اہلبیتؑ واصحاب کساء ہیں[11]۔''

دیکھئے جن کو اللہ عزت دے، دنیا کی کوئی بھی طاقت انکو ذلت سے دوچار نہیں کر سکتی اور جن کو اللہ ذلت دے، دنیا مل بیٹھ کے بھی ان کو عزت نہیں دے سکتی۔ نہ ہم جناب فاطمہؑ کو عزت دے سکتے ہیں اور نہ ہی معاذ اللہ ذلت۔ یہ وہ ہستی ہے کہ جو براہ راست اللہ سے وابستہ تھی۔ جناب سرور کائناتؐ جن کے فضائل ومناقب میں ہشت پہر رطب اللسان ہوں، ہم ان کے گرد کونسا فضیلت واحترام کا دائیرہ کھینچ سکیں۔ جناب زہراؑ آنحضورؐ کی لخت جگر تھیں اور جناب عائشہؓ زوجہ۔ باپ مرنے تک کیا مرنے کے بعد بھی بیٹی کا باپ کہلاتا ہے۔ اس رشتے میں خلاء واقع نہیں ہوسکتا۔ کساء میں جناب عائشہ نہیں تھی۔ صرف انوار خمسہ تھے۔ کچھ بھی کیجئے۔ کتنی ہی عقیدت کی راہیں تلاش کیجئے کساء کے نیچے جو ذوات قدسیہ تھیں ان تک کسی کو آپ لا نہیں سکتے۔ ان کے لئے آیہ تطہیر کا اختصاص ہے۔ مابقیہ اس آیت سے مستثنیٰ ہیں۔

بتول کا معنی ہے پاک۔ جن کو آنحضرتؐ کی سرتاپا پاکیزگی پر شک ہے، وہ جناب سیدہؑ کے بتول ہونے پر بھی اعتراض کر سکتے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ جناب زہراؑ کے عقیدت مندوں نے ان کا وہی لقب استعمال کیا کہ جس لقب سے آنحضرتؐ نے ان کو مختص کیا ہے۔ ازواج میں سے کسی کیلئے بھی آنحضورؐ نے یہ لقب استعمال نہیں کیا۔ تعجب ہے کہ قصہ اور حقیقت کے مابین فرق کرنے سے مصنف مذکور نابلد ہے۔ ہم نہ قصوں سے اوروں کی طرح ان کا دل بہلاتے ہیں اور نہ ہی قصوں پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم صرف حقائق کے خوگر ہیں۔ فدک اور اسکے بعد کے حالات قصے نہیں حقائق ہیں اور ایسے حقائق ہیں کہ غیر جب پڑھتا ہے تو ہر انصاف پسند آدمی کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

حضرت حسنؑ: امام حسینؑ کے بڑے بھائی تھے آپ بنص آیہ مباہلہ آنحضورؐ کے فرزند تھے۔ والدہ جناب فاطمہؑ زہرا تھی۔ آپ نہ صرف آغوش وحی میں ہی پروان چڑھے بلکہ شجاعت کی دشوار گذار راہوں کے نشیب و فراز سے بھی واقف ہوئے۔ اب اگر ایک طرف عصمت فاطمہؑ زہرا کی چادر تھی تو دوسری طرف نانا کے علوم کے زمزمے تھے۔ جب تک نانا اور ماں کا سایہ رہا امام حسنؑ فیضیاب ہوتے رہے۔ ان کے بعد حضرت علیؑ کی تربیت گاہ میں پروان چڑھے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں امام حسنؑ کے بارے میں ایک معرکۃ الآرا

حقیقت لکھی ہے: **ان الحسن لیس حالہ کحال غیرہ فانہ فی تلک الحا ل یلد حظہ اللوح المحفوظ**۔امام حسنؑ کا قیاس اور بچوں پر نہیں کیا جاسکتا اسلئے کہ وہ بچپن میں ہی لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے تھے۔

لوح محفوظ میں ابتداء تا انتہا کے حالات مندرج ہیں۔لہٰذا ماننا پڑے گا کہ امام حسنؑ کی نظروں میں وہ سب واقعے تھے جو ایک تو رونما ہو چکے تھے۔اور دوسرے جو آئندہ پیش آنے والے تھے۔تاریخ بتاتی ہے کہ کتنے اتار و چڑھاو امام حسنؑ کے بچپنے سے شہادت تک آئے اور امام حسنؑ نے خندہ روئی سے انکا مقابلہ کیا۔

جب جنگ جمل میں مصالحانہ کوششیں بارآور نہ ہوئیں۔مدمقابل بضد تھا کہ جنگ ہو۔صوبے کے گورنر اور مساجد کے خطیب دو کوششیں کرتے رہے۔۱۔لوگ علیؑ کے خلاف تلوار بے نیام کریں۔۲۔علیؑ کا دفاعی نظام درہم برہم کریں۔

حضرت علیؑ نے ابوموسیٰ اشعری کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے حضرت امام حسنؑ کے ساتھ عمار یاسرؓ کو کوفہ بھیجا۔جامع کوفہ میں ابوموسیٰ اشعری کی معاندانہ تقریر کے مقابلے میں امام حسنؑ نے تقریر کر کے ابوموسیٰ اشعری کو منہ توڑ جواب دیا اور نو ہزار چھ سو پچاس افراد کا لشکر تیار ہوا [۱۲]۔

جنگ صفین میں بھی حضرت علیؑ کی فوج کی کمان سنبھالی۔تحکیم کے معاملے پر آپؑ نے دستخط بھی کئے۔ جنگ نہروان میں بھی آپ نے خوارج کے ساتھ جنگ فرمائی۔

لیکن صدیاں بیت گئی۔مورخ آئے بھی اور گئے بھی۔بہت کچھ لکھا جا چکا۔جب کسی کو اہلبیتؑ رسالت کی پاکیزہ زندگی اور عظیم کردار کے سوا کچھ بھی نہ ملا تو اپنی جھوٹی انا کو برقرار رکھنے کے لئے ادوار بنوامیہ اور ادوار بنی عباسیہ کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی حدیثوں کی طرف رُخ کیا۔بس پھر کیا تھا۔مواد تو فراہم ہو ہی چکا تھا۔نام ونمود کیلئے ان ہی احادیث کا سہارا لیکر تالیف کا کام شروع کر دیا۔ان ہی مولفین میں ایک نام احمد شبلی کا بھی ہے کہ جس کا ضعفِ ایمان اسکی تالیف سے یوں عیاں ہے۔لکھتا ہے:

''مزید برآں حسنؑ کے صفات ایسے نہیں تھے جو انہیں سزاوار خلافت قرار دیں۔انہیں کوئی امتیاز حاصل نہ تھا۔سوا اسکے کہ وہ علی بن ابی طالبؑ کے فرزند تھے اور یہ بات اس منصب عظیم کو پانے کے لئے قطعی کافی نہیں تھی۔ حسنؑ نہ تو اپنے باپ جیسے عالم تھے،نہ باپ جیسے بہادر،نہ باپ کی طرح سابقیت حاصل تھی۔اسی کے ساتھ ساتھ بہت شادیاں کرنے والے اور طلاق دینے والے تھے جنکے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ۱۰۰ عورتوں سے شادیاں کیں۔اسکی وجہ سے ان کے باپ کو بہت کچھ صدمے جھیلنا پڑے اور کثرت ازدواج وطلاق کے سبب ان کے بہت سے دشمن ہو گئے یہاں تک کہ ان کو کہنا پڑا کہ حسنؑ کو اپنی بیٹیاں نہ دو۔حسن کب اس قابل ہو سکتے تھے کہ لوگوں کی قیادت کریں اور معاملات کے سربراہ ہوں [۱۳]۔''

ہمیں نہیں معلوم کہ مولف کن صفات کے حامل افراد کو خلافت کا سزاوار سمجھتے ہیں۔ اگر ابلہ، فریبی، دھوکہ دہی، مکاری، کشت وخون اور لالچ زر دینا ہی خلافت حاصل کرنے کے صفات ہیں تو یقیناً امام حسنؑ میں ایسے صفات نہیں تھے اور ہوتے بھی کیسے۔ آپؑ تو آنحضورؐ کے چشم چراغ تھے۔ آیات قرانی انکی رگ رگ میں رچی بسی تھیں جن میں ان جیسے گھناؤنے صفات کی گنجائش قطعاً نہیں تھی۔

امام حسنؑ کے علمی معیار اور شجاعانہ کارناموں کی گواہی بزم ورزم میں اگر مولف تلاش کرتا تو ایسی بے سر و پا بات کہی نہ جاتی۔ حضرت علیؑ جیسے باب العلوم اور حضرت علیؑ جیسے لافتیٰ کے فرزند کے بارے میں یہ کہنا کہ حسنؑ نہ باپ جیسے عالم اور نہ باپ جیسے شجاع تھے حقیقت کا سرے سے ہی انکار کر دینے کے مترادف ہے۔

اگر خلافت کے لئے سابقیت ہی شرط ہے تو جو اس منصب پر آئے کیا ان میں سابقیت کی صفت تھی؟ اس طرح تو اوروں کی خلافت پر بھی قدغن لگانا چاہئے تھا۔

کثرت ازواج پر ایسا اعتراض کرنے والوں کے پاس دو راوی ہیں: ۱۔ محمد بن سیرین ۔۲۔ عبداللہ ابن مناف۔ اول الذکر کے افسانے کو مدائنی نے نقل کیا ہے۔ اسکے متعلق آیا ہے: **ولیس بالقوی بالحدیث وھو صاحب الاخبار قل مالہ من الروایات المسندہ** ۔ یہ حدیث میں قوی نہیں ہے۔ تھوڑے سے اخبار جو اس سے منقول ہیں وہ مستند روایات نہیں [۱۴]۔

انہ کان اموی النزعہ فقد کان مولی لسمرۃ بن حبیب الاموی ۔ اس شخص کا تعلق اموی پارٹی سے ہے وہ سمرہ بن حبیب کا غلام تھا [۱۵]۔

موخر الذکر بنی عباس کا غلام تھا۔ منصور مہدی اور ہارون رشید کا خزانچی تھا۔ چونکہ امام حسنؑ کی اولاد بنی عباس کے خلاف برسر پیکار رہی اسلئے بنی عباس بھی کثرت ازواج اور کثرت طلاق کی روایات سے پروپگنڈا ضروری سمجھتے تھے۔

بنوامیہ اور بنوعباس ہمیشہ آلِ احمدؐ کے خلاف ہر طرح کا حربہ استعمال کیا کرتے تھے۔ چونکہ آل احمدؐ کا خاندان ہاشمی اور بنوامیہ عبدالشمس کے سلسلے کی کڑی تھی۔ مصر کے مشہور ومعروف مورخ عباس المحمود العقاد لکھتے ہیں:

''یہ دونوں خاندان مزاج اور اخلاق کے لحاظ سے مختلف تھے۔ اگرچہ قبیلہ قریش کی دوشاخیں تھیں۔ بنو ہاشم اغلب انسانیت کا نمونہ عمل وروحانی انسان تھے یہ خصوصیت خاص طور پر سیدہ فاطمہؑ کی اولاد میں موجود تھی۔ بنوامیہ عام طور پر اکثر اپنے نفع کیلئے ہی عمل کرنے والے انسان تھے۔ یہ خصوصیت پدری اور مادری طور پر عبدالشمس کی اولاد میں موجود تھی [۱۶]۔''

لہٰذا انہوں نے اس امر کی طرف خاص توجہ دی کہ جیسے بھی ہو سکے سیدہ فاطمہؑ کی اولاد ہی پر کیا منحصر جناب علیؑ مرتضیٰ کے خلاف بھی جھوٹی احادیث بنائی جائیں۔ علامہ شبلی نعمانی تحریر کرتے ہیں کہ ''بنوامیہ نے حکماً علماء سے

تصنیفیں لکھوائیں۔قاضی عبدالبر نے جامع بیان العلم میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے **کنا نکرہ کتاب العلم حتیٰ اکرھنا علیه ھؤلاءِ الامراء** یعنی ہم لوگ علم کا قلمبند کرنا پسند نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ امراء نے ہم کو مجبور کیا[۱۷]۔

احادیث مرتب کرنے کا سہرا امام زہری کے سر باندھا جاتا ہے۔یہ سلاطین کے دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ بالخصوص عبدالملک بن مروان کے دربار میں اسکی خاصی توقیر تھی۔اسکے بعد ہشام بن عبدالملک نے اسکو اپنے بچوں کی تعلیم دینے پر مامور کیا۔اس نے حاکم وقت کے حکم سے احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا جسکی نقلیں حکومت کی طرف سے تمام ممالک اسلامی میں شائع کی گئیں[۱۸]۔

علامہ ابن ابی الحدید معتزلی کہتے ہیں یہ امام زہری حضرت علیؑ کے مخالفین میں سے تھے[۱۹]۔

ظاہر ہے کہ جو کچھ بھی سلاطین نے چاہا وہ قلمبند ہوتا گیا۔خاندان رسالت سے دشمنی تو تھی ہی لہٰذا پروپگنڈہ کے ذریعے سے بھی انہوں نے تجاوزات کیئے۔اب اگر انہوں نے امام حسنؑ کے ساتھ ازدواج اور طلاق دینے کا افسانہ گڑھ بھی لیا تو اسمیں حیرت کی کیا بات ہے۔

رہ گیا سربراہ بننا۔یہ کوئی بازاری عہدہ نہیں ہے کہ ہر کس و ناکس کو سربراہی کے لئے چنا جائے۔یہ تو آنحضورؐ کی وصایت کا عہدہ ہے۔یہ عہدہ نص صریح سے ملتا ہے اور وصایت رسولؐ کا منصب سنبھالنے کیلیئے ضروری نہیں ہے کہ انسان تخت شاہی پر براجمان ہو۔وہ بوریہ نشین ہو کر بھی دلوں پر حکمرانی کرتا ہے۔سلطنتیں تخت و تاج لیکر مٹ گئیں لیکن وصایت رسولؐ کے حقیقی جانشین اب بھی اس آب و تاب کے ساتھ دلوں کے حکمران ہیں جس طرح اپنے زمانے میں تھے۔

حوالہ جات

۱ صواعق محرقہ، ابن حجر مکی ص ۱۴۷و ۱۴۹

۲ مودۃ القربیٰ، میر سید علی ہمدانی ص ۱۰۹

۳ شفۃ الصادقین من ممبر فضائل ابنی الہادی باب ۱۲۔۱۳، طہ اعلامیہ مصر ۱۳۰۳ھ

۴ سورہ احزاب آیت ۳۳

۵ تفسیر درمنثور، جلال الدین سیوطی ج ۵ ص ۱۹۸

۶ ارجح المطالب، عبیداللہ امرتسری ص ۳۲۴

۷ تفسیر ابن کثیر، ج ۸ ص ۷۶

۸۔ تفسیر در منثور، ج ۵ ص ۱۹۸

۹۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۸ ص ۲۷۵ طہ مصر

۱۰۔ سیرۃ نعمان علامہ شبلی۔ مزید اس آیہ کریمہ کے شان نزول اور نبیؐ کے اس فعل عینی کیلیے مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ فرمائی جائیں: مصباح السنہ، بغوی، ج ۲ ص ۲۰۱؛ صواعق محرقہ، ابن حجر مکی ص ۸۸؛ عقد الفرید، ج ۵ ص ۹۶؛ مفاتیح الغیث ص ۷۰۰؛ مسند احمد بن حنبل، ج ۱ ص ۱۲۳؛ مطالب السؤل، امام ابو طلحہ شافعی ص ۵۲؛ ینابیع المودۃ، شیخ سلیمان بلخی ص ۱۰۷؛ صحیح مسلم، باب فضائل حسینؑ ص ۳۸۲؛ فصول المھمہ، ابن صباغ مالکی ص ۹۔۱۱؛ تذکرہ خواص الامہ، سبط ابن جوزی ص ۳۴۱؛ مستدرک، حاکم نیشاپوری ج ۲ ص ۴۱۶۔

۱۱۔ الموسوعۃ العربیہ المسیر ۃ ص ۱۴۶۷

۱۲۔ اسیر الصحاب ج ۳ ص ۵؛ روضۃ الاحباب ج ۲ ص ۲۷۲

۱۳۔ التاریخ الاسلامی والحضارۃ الاسلامیہ ج ۲ ص ۳۵

۱۴۔ میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۳۶؛ لسان المیزان ص ۲۵۲

۱۵۔ معجم الادباء ج ۱۳ ص ۱۲۴۱

۱۶۔ ابوالشہدا ص ۲۹

۱۷۔ سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۳

۱۸۔ سیرۃ النعمان ص ۴۲

۱۹۔ شرح نہج البلاغہ ج ۱ ص ۳۷

صورت وسیرت

۱) محدث قمی منتھی الا آمال میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام حسینؑ صورت کے اعتبار سے آنحضورؐ کے ساتھ قرین مشابہت رکھتے تھے۔

۲) اخرج البخاری عن انس قال لم یکن احدٌ اشبہ بالنّبیؐ من الحسن بن علیؑ علیھما السلام وقال فی الحسین ایضاً کان اشبھھم برسولؐ اللہ۔

روایت کی بخاری نے انس ابن مالک سے کہ دنیا میں کوئی بھی فرد رسول اللہؐ کے ساتھ شمائل وشکل میں مشابہت نہیں رکھتا تھا سوائے حسن ابن علیؑ کے اور حسینؑ تو سب سے زیادہ مشابہہ تھے[۱]۔

۳) 'والحسین اشبہ بالنّبی' قال الحسن اشبہ برسولؐ اللہ مابین الصّدر والرّاس والحسینؑ اشبہ بالنّبی فیما کان اسفل من ذالک۔

حضرت حسنؑ رسول اللہؐ کے سر سے سینہ تک مشابہہ تھے اور حسینؑ سینہ سے پائے مبارک تک مشابہہ تھے گویا' ایک بدن دو تصویریں[۲]۔

۴) جب جناب صدیقہ طاہرہ فاطمہ زہراؑ سیدۃ نساء العالمینؑ حضرت امام حسینؑ کو سُلاتی تھیں تو بطور لوری یہ شعر فرمایا کرتی تھیں کہ:

انت شبیہٌ بابی لست شبیھاً بعلی

تو تو میرے باپ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے لیکن علیؑ کے ساتھ تمہیں کوئی شباہت نہیں ہے[۳]۔

۵) جناب امام حسینؑ آنحضرتؐ کے ساتھ سینہ سے لیکر قدم مبارک تک مشابہت رکھتے تھے[۴]۔

جب یہ منزلت ہو تو کیوں نہ یہ برملا کہہ دیا جائے کہ خالق فطرت نے آنحضرتؐ کا عکس اُتار کر ان دو ذوات مقدسہ میں تقسیم کیا تھا اور جب یہ اکٹھے ہو جائیں تو بعینہ محمد عربیؐ کی تصویر نظر آئے۔ تو پھر جو صورت جناب رسالتمابؐ کی ہوگی وہی جناب امام حسنؑ و امام حسینؑ کی ہوگی۔

حسینؑ جناب رسالتمابؐ کے عملی آئینہ دار تھے۔ آپؐ کے اوصاف آپؐ کی تربیت کی وجہ سے حسینؑ کے اوصاف بن گئے۔ آپؐ کا جو نقش صورت و سیرت کے متعلق کھینچا جائے وہی بعینہ حسینؑ کا نقشہ قرار پائے گا۔ آپؐ

حسینؑ کے نانا، حسینؑ کے باپ، حسینؑ کے پالن ہار، حسینؑ کے معلم، حسینؑ کے مدرس اعلیٰ، حسینؑ کے رہبر، حسینؑ کے ہادی، حسینؑ کے مصلح، حسینؑ کے لیڈر اور حسینؑ کے رسولؐ اور نبیؐ تھے۔ لہٰذا............ آپ کی سیرت، سیرت نگار حضرات کو ورطہ حیرت میں ڈالی ہوئی ہے۔ قلمیں شق ہوئیں۔ قلموں کی نبضیں تھک گئیں۔ سیاہی خشک ہوگی۔ اوراق حیران ہیں کہ بار بار کن ذوات مقدسہ کا لکھا جا رہا ہے لاتحصیٰ ولا تعد۔ قلمکار اُٹھے اور موت کی آغوش میں سوئے لیکن پھر بھی سیرت کو اُجاگر نہ کر سکے۔ اسلئے کہ آپ کی قدر و منزلت جس قدر ہے اس قدر سیرت بھی۔

آپ کبھی سیرت کا ادنیٰ سا کرشمہ اسطرح دکھایا کرتے تھے کہ جو کچھ آپ کے پاس ہوتا تھا راہ خدا میں دیدیتے تھے۔

سیرت کے چند نمونے

ایک دفعہ اسامہ بن زید بیمار ہوئے۔ آپؑ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اُسامہ اُس وقت ''واغماہ واغماہ'' کہہ رہے تھے۔ آپؑ نے اس سے دریافت کیا۔ اے بھائی تمہیں کیا غم ہے؟ اُسامہ نے عرض کی: ''یا حسینؑ! میں ساٹھ ہزار درہم کا قرضدار ہوں اور مدت سر پر آپہونچی ہے''۔ آپ نے اُسامہ کا مایوس کن فقرہ سن کر فرمایا'' میرے بھائی! غمگین نہ ہو جاؤ۔ تمہارا قرض میرے ذمے رہا''۔ اُسامہ نے دوبارہ عرض کی۔ ''یا حسینؑ ڈرتا ہوں کہ کہیں قرض ادا ہونے سے پہلے ہی نہ مر جاؤں۔!'' آپؑ نے فرمایا! نہیں بھائی انشاءاللہ تمہاری موت سے پہلے ہی تمہارا قرض ادا کیا جائیگا۔ چنانچہ آپؑ جب گھر پہونچے تو اُسامہ کا قرض بے باک کردیا۔

دوسرا واقعہ

ایک روز فرزدق شاعر آپؑ کی خدمت میں آیا اور آپؑ کی مدح اشعار میں کی۔ آپؑ نے اسکو چار سو روپیہ عطا کئے: لوگوں نے عرض کیا۔ یا حضرت! وہ شاعر تو مرد فاسق ہے۔ آپ نے اسکو کیوں روپیہ عطا کیا۔ آپ نے جواب دیا: بہترین مال تمہارا وہ ہے کہ جس سے تمہاری آبرو کی حفاظت ہو سکے۔

تیسرا واقعہ

اعرابی مدینہ آیا اور لوگوں سے پوچھا بہترین انسان کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا امام حسینؑ۔ یہ سنکر اعرابی مسجد میں آیا۔ دیکھا کہ امام حسینؑ مشغول امامت ہیں اور لوگ کثرت سے آپؑ کے عقب میں نماز جماعت میں محو ہیں۔ اعرابی نے امام حسینؑ کو نماز تمام کرتے ہی چند اشعار مدح کے کہے۔ آپؑ نے اشعار سنکر اپنے بابا کے غلام قنبر سے فرمایا: اے قنبر! مال حجاز سے کچھ بچا ہے۔ قنبر نے عرض کی: ہاں مولا! چار ہزار باقی ہیں۔ آپ نے فرمایا لے آؤ۔ قنبر جب چلا گیا تو آپ بھی اسکے عقب میں اپنے دولت خانہ تشریف لے گئے۔ متذکرہ رقم اپنی ردائے اطہر

میں باندھے۔اور اپنا ہاتھ دروازے سے باہر نکال کر اعرابی کو رقم عطا فرمائی اور چند اشعار عذر خواہی کے پڑھے۔ اعرابی یہ سنکر رونے لگا آپؑ نے اس سے فرمایا! اے بھائی! کیا میرا عطا کردہ روپیہ کم ہے؟''اس نے عرض کی۔نہیں مولا نہیں! روتا صرف اس بات پر ہوں کہ یہ سخی ہاتھ کس طرح خاک نشین ہونگے۔

چوتھا واقعہ

ایک اعرابی امام حسینؑ کی خدمت میں آیا اور عرض کی: یابن رسول اللہ! ایک شخص کے قرض کی ضمانت کی ہے۔اب اسکی ادائیگی سے عاجز آ گیا ہوں۔سوچتا ہوں کہ بہترین انسان سے سوال کروں گا اور اہلبیت رسولؐ کے سوا میرے سامنے بہترین کوئی نہیں۔امام حسینؑ نے فرمایا! اے اعرابی میں تجھے تین سوال کروں گا اگر ایک کا جواب دیا تو مال کا تیسرا حصہ تجھے دوں گا، اگر دو کا دیا تو دو حصے دیدوں اور اگر تینوں سوالوں کا جواب دیا تو کل مال تجھے دوں گا۔اعرابی نے یہ سنکر کرعرض کی: یابن رسول اللہؐ آپ فضل و شرف کے مالک ہیں اور آپ مجھ سے سوال کریں۔آپؑ نے فرمایا: اے اعرابی! میں نے اپنے جد جناب رسالتمآبؐ سے سنا ہے کہ نیکی بقدر معرفت طلب کرنا چاہئے۔اعرابی نے جواب دیا۔اچھا حضورؑ ارشاد فرمائیے۔اگر جواب معلوم ہونگے تو عرض کرتے جاؤنگا۔

آپؑ نے فرمایا: ''اعمال میں سے کونسا عمل زیادہ اچھا ہے؟''

اعرابی : ''مکمل ایمان اور وہ خدا پر!''

امام حسینؑ : ''مہلکوں سے نجات کس طرح حاصل ہوسکتی''؟

اعرابی : ''خداوند کریم پر توکل و اعتماد سے''

امام حسینؑ : ''آدمی کی زینت کس چیز سے ہے''؟

اعرابی : ایسا علم جسکے ساتھ تواضع ہو''

(نوٹ) تیسرے سوال کے جواب کے آخر اعرابی نے تواضع کی قید لگائی لہٰذا امام حسینؑ نے اعرابی سے دوبارہ پوچھا:

امام حسینؑ : اے اعرابی! اگر تواضع نہ ہو تو؟

اعرابی : ''مولا! تواضع کی زینت اگر علم کے ساتھ نہ ہو تو ایسا مال ہونا چاہئے کہ جسکے ساتھ مروت اور جوانمردی ہو''

امام حسینؑ : ''اگر اس طرح بھی نہ ہو''

اعرابی : ''تو وہ فقر و پریشانی ہو کہ جس میں صبر کر سکے''

امام حسینؑ : ''اور اگر یہ بھی نہ ہو؟''

اعرابی : یابن رسول اللہؐ! پھر آسمان کی وہ بجلی اس پر گرنی چاہئے کہ جو اسکے خرمن حیات

☆ حجاج بن یوسف ثقفی جانتا تھا کہ اس آیت میں تو اللہ تعالیٰ نے پوری طرح انکے بیٹے ہونے کو واضح کیا ہے۔اس میں لیت و لعل نہیں کیا جا سکتا لہٰذا یحییٰ کو اس کی قید رکھی کہ وہ اس کے بغیر کوئی اور آیت اپنے دعوے میں پیش کرے۔ انصاریؒ

کوختم کرڈالے

امام حسینؑ متبسم ہوئے۔ آپؑ نے اسکوایک کیسہ اشرفیوں کا دیا کہ جس میں ایک ہزار اشرفیاں تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی انگوٹھی اتاردی۔ اس میں لگا ہوا نگینہ دوسو دینار کا تھا۔ یہ بھی اعرابی کوعطا کر دیا اور فرمایا: بھائی! اشرفیوں سے قرض اُتارنا اور انگوٹھی کو بیچ کر اپنی زندگی کی ضروریات میں صرف کرنا۔ اعرابی نے تمام کا تمام اُٹھا کر بے ساختہ کہا: خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ رسالت اور امامت کو کہاں رکھا جائے[۵]۔

حوالہ جات

۱ سرالشہادتین، شاہ عبدالعزیز دہلوی ص۲۳
۲ وہی مآخذ
۳ ترمذی شریف ص۶۲۵؛ صواعق محرقہ ص۱۰۵
۴ الاستیعاب ج۱ ص۴۲
۵ جلاء العیون ج۲ ص۶۹، ۷۰

فصل ۲

حسینؑ اور قرآن

حسینؑ قرآن کے آئینے میں

الاول: -قرآن کریم ہی وہ واحد کتاب ہے کہ جس سے انکار کی گنجائش امت مسلمہ کے نزدیک قطعاً نہیں ہے۔ یہ الگ بات کہ تفاسیر ہی متضاد ہیں لیکن پھر بھی عالم اسلام کے جید محدثین اور مفسرین کے تواتر کو رد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ایک ہی صورت ہے کہ ہم دامن دعویٰ سمیٹ لیں لیکن اسکے لئے لازم ہے کہ قرآن کو صرف قرأت تک ہی محدود رکھا جائے اور بقیہ کتب کو دریابرد کیا جائے (اور جب تک اُن کتابوں کا وجود ہے ان رہنمایان دین کے مناقب کا اعلان بانگ دُھل ہوتا رہے گا اور یہ کتابیں آیات کی نشاندہی فرماتی رہیں گی)۔ لیکن ایسا نہیں کہا جاسکتا اسلئے کہ عبادات کے لوازمات، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تاریخ انبیاء جنت وجہنم کا تذکرہ، حیات بعد ممات کا ذکر اور رُسل وانبیاء کی گفت شنید کی معرفت سے یکسر محروم ہونا پڑتا ہے۔ لہٰذا تاریخوں، احادیث کی کتابوں اور سیرت کی کتابوں کی مدد سے حق پوشی نہیں حق کوشی کرنی ہے۔

الثانی: -قرآن کریم نے جن جن فضائل کا ذکر فرمایا ہے ان سے غض بصر کرنے والا کافر ہے کیونکہ **ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئک هم الکافرون** اس پر دال ہے۔ خالق ارض وسماء نہیں چاہتا تھا کہ بندوں کو تاریکی میں رکھا جائے لہٰذا مسلسل آیات میں مناقب کا ذکر اس بات کی دعوت ہے کہ ان کو تسلیم کرو نہیں تو کافر، فاسق اور منافق کہلاؤ گے۔ مندرجہ ذیل چند آیات جو مناقب وفضائل کے سلسلے میں قرآن کریم میں محفوظ ہیں ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں۔

فمن حاجّک فیه من بعد ما جائک من العلم فقل تعالوندع ابنائنا و ابنائکم ونسائنا و نسائکم و انفسنا وانفسکم ثُم نبتهل فنجعل لعنة اللّٰه علی الکاذبین[1]۔

یعنی پھر جو شخص اس بارے میں تجھ سے حجت کرے بعد اسکے کہ تیرے پاس حکم آ گیا تو بس ان سے کہدے کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو، ہم اپنی عورتوں کو بلائیں اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے نفسوں کو بلائیں تم اپنے نفسوں کو پھر دعا مانگ کے اللہ سے جھوٹوں پر لعنت چاہیں۔

مندرجہ الصدر آیت نصاریٰ نجران کے اُس دعوے کی تردید میں نازل کی گئی کہ جس میں وہ یہ کہتے تھے کہ عیسیٰؑ چونکہ بن باپ کے ہیں لہٰذا اللہ کے بیٹے ہوئے۔ آنحضرتؐ نے ان کو اس دعوے کی تردید میں **ان مثل عیسیٰ عنداللّٰه کمثل آدم** الخ آیت بطور دلیل پیش فرمائی تھی لیکن وہ یہ دلیل جان کر بھی اپنے دعویٰ سے باز نہیں آئے

اور رفع شک پر ان کو یہ آیت کافی نہیں ہوئی۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت درجہ الصدر کو نازل فرمایا۔ اس آیت کی عملی تفسیر دیکھ کر وہ مباہلہ کرنے سے باز آئے اور اسکی عملی تفسیر یہ تھی۔

''عن سعد بن ابی وقاص قال لمانزلت هذه الآية فقل تعالو ند ع ابنائنا و بنائکم ونسائنا و نسائکم و انفسنا و انفسکم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله علیٰ الکاذبین دعا رسول اللّهؐ علیّاً وفاطمة و حسناً و حسیناً فقال اللهم هؤلاءِ اهل بیتی '' (اخرجه المسلم و الترمذی)۔

سعد ابن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ پس کہد ے یارسول اللہ نصاریٰ نجران سے کہ آؤ ہم لائیں اپنے اور تم بلاؤ اپنے بیٹے، ہم بلائیں اپنی عورتیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ، ہم بلائیں اپنی جان اور تم بلاؤ اپنی جانیں پھر دعا کریں اور اللہ کی لعنت ڈالیں جھوٹوں پر۔ آنحضرتؐ نے علیؑ (کو نفس کی جگہ) فاطمہؑ (کو عورتوں کی جگہ) اور حسنینؑ (کو بیٹوں کی جگہ) کو بلایا اور فرمایا اے خدا یہ میرے اہل بیت ہیں[۲]۔

حدثنا عبدالله قال حدثنی ابی قال حدثنا قتیبه بن سعید حدثنا حالک بن اسماعیل عن بکیر بن سماء عن عامر بن سعد عن ابیهٖ قال سمعت رسول الله یقول وخلفه فی بعض مفازیه الی ان قال ولما نزلت هذه الآیه فقل تعالوا ند ع ابنائنا دعا رسول اللهؐ علیًّا و فاطمه و حسناً و حسیناً فقال اللهم هؤلاء اهلی ۔

اسمائے کی روایت حدیث میں دیکھو...... جب یہ آیت نازل ہوئی تو پیغمبرؐ لے چلے (نصاریٰ نجران کے مقابلے میں) علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو اور فرمایا کہ پالنے والے یہ میرے اہل بیت ہیں[۳]۔

اس حدیث کو تفاسیر اہلسنت اور حدیث کی دیگر کتابوں سے بھی مطالعہ کیا جاسکتا ہے[۴]۔

ان کتب میں یہ حدیث شریف باختلاف الفاظ ملے گا۔ معنیٰ ومفہوم ان کا ایک ہی ہے اور اس آیہ مبارکہ نے تو ثابت کردیا کہ قول اللہ کے مطابق فعل رسول رہا اور فعل رسولؐ نے بتلایا کہ حسنؑ حسینؑ آنحضرتؐ کے فرزند قرار پائے۔ اسلئے کہ ''ابنائنا'' کی عملی تفسیر حسنؑ حسینؑ سے رسالتمابؐ نے پوری کردی۔ لہٰذا اب اگر ان کو یابن رسول اللہؐ کہد یا جائے تو قباحت لازم قطعاً نہیں آئے گی کیونکہ بفحوائے آیت اور عمل رسولؐ تو یہی ہے۔

اب اس بحث کو ہم مندرجہ ذیل واقعہ پر ختم کئے دیتے ہیں۔

عن شعبی کنت عندالحجاج فاتیٰ بیحیٰ بن یعمر فقیه خراسان من بلخ مکبلا بالحدید فقال الحجاج انت زعمت ان الحسین والحسن ذریة رسول الله فقال بلیٰ فقال الحجاج لتاتینی بها واضحة بینة من کتاب الله اولا قطعنک عضواً عضواً فقال آتیتک بها واضحة بینة من کتاب الله یاحجاج قال متعجبت من جرأته یقوله یا حجاج فقال له ولاتاتینی بهذ ه

الآیہ ندع ابنائنا و ابنائکم فقال اتیتُک بھا ماصحۃ من کتاب امر وھو قول و نوحاً من قبل و من ذریتہ داؤد و سلیمان الیٰ قولہ و ذکریا و یحیٰ و عیسیٰؑ فمن کان اب عیسیٰ وقد الحق بذریۃ نوح قال فاطرق ملیا ثم رفع راسہ فقال کان لم اقرأ ھذہ آلایہ من کتاب اللہ خلو او ثاقہ و اعطوہ من المال کذا ۔

مفہوم:شبعی کہتے ہیں کہ یحییٰ ابن یعمر کو بلخ سے جب پابہ زنجیر حجاج ابن یوسف کے دربار میں لایا گیا تو میں وہاں موجود تھا۔اس وقت یحییٰ خراسان کے مشہور فقیہ تھے۔تو دربار میں داخل ہوتے ہی حجاج (جو اپنی سفا کی اور درندگی کی وجہ سے رسوائے عالم تھا) کے ساتھ اس طرح باتیں ہوئیں۔

حجاج!: کیوں یحییٰ! واقعاً تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ حسنؑ اور حسینؑ اولا د رسولؐ ہیں؟

یحییٰ: ہاں اور یہ میرا ایمان ہے''

حجاج: ''پہلو بدلتے ہوئے''تو پھر تمہیں اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں قرآن مجید سے نا قابل تنسیخ ثبوت پیش کرنا پڑے گا بصورت دیگر عبرتناک موت کے لئے تیار ہو جانا پڑے گا''۔

یحییٰ: ذرا پھیلتے ہوئے''اے حجاج! میں اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کلام مجید سے ایک واضح دلیل پیش کروں گا''

حجاج!: ہاں ہاں بسرعت پیش کرو لیکن یہ یاد رہے کہ آیہ مباہلہ☆ ثبوت دعویٰ میں نہ ہو''

''شبعی کا بیان ہے کہ حجاج کے ساتھ آنکھ ملانے کی جرأت پر سزائے موت تھی لیکن یحییٰ آج موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑا ہی نڈر اور بے باک ہو گیا تھا۔ مجھے تو انتہائی حیرت ہوئی''

یحییٰ: نہیں! نہیں!! میں اس آیت کو نہیں پڑھوں گا۔ بلکہ آج اُس آیت کو اپنے ثبوت میں پیش کروں گا کہ جس کو سنکر کوئی بھی حق پسند انکار نہیں کرے گا''

حجاج: ذرا میں بھی سنوں!

یحییٰ: اے حجاج! خداوند کریم کا یہ ارشاد نہیں سنا ہے کہ **نوحاً ھدینا من قبل و من ذریتہ داؤد وسلیمان وایوب و یوسف وموسیٰ وھارون و کذالک نجزی الحسنین و ذکریا و یحییٰ و عیسیٰ** ''یعنی ان سے پہلے ہم نے نوحؑ کو بھی راہ راست دکھایا۔ان ہی کی ذریت میں سے داؤد، سلیمانؑ،ایوب، یوسفؑ،موسیٰؑ اور ہارون ہیں ۔ان تمام کو ہمیشہ راہِ راست دکھائی اور خلوص دلی سے نیک کام کرنے والوں کے ہم ایسے ہی صلے عطا کرتے ہیں اور بعینہ اسی طرح یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کو''(انعام)

''یہ آیت تلاوت کر کے یحییٰ نے حجاج سے پوچھا''

یحیٰ: اے حجاج یہ بتاؤ کہ حضرت عیسیٰؑ کے باپ کہاں تھے۔ کس وجہ سے خدائے دو جہاں نے حضرت عیسیٰ کو بھی ذریت نوح میں گردانا (یعنی اگر نواسہ دادا کی اولاد میں شمار نہیں کیا جائیگا تو حضرت عیسیٰؑ کا ذریت نوحؑ ازروے آیت عبث اور فضول ہو جاتا ہے اور قرآن کی یہ آیت لغو بن جاتی ہے جو لغو نہیں ہے۔ اور اگر کہو گے کہ حضرت عیسیٰؑ کے دادا کا سلسلہ حضرت نوح تک پہونچتا ہے تو حضرت عیسیٰؑ کے والد تھے نہیں کہ جو سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ تو اللہ کے کلمہ سے پیدا ہو گئے اور ان کا جو رشتہ تھا وہ صرف ماں کا رشتہ تھا اور یہ رشتہ ننہالی رشتہ تھا اور اس رشتہ سے حضرت نوح حضرت عیسیٰؑ کے نانا ہوئے اور ان ہی کی اولاد میں خداوند کریم نے آپ کا بھی ذکر اسی طرح کیا جس طرح حضرتؑ نوح کے پوتوں کا ذکر''

شعبی کہتے ہیں کہ یحیٰ کے اس ناقابل تردید ثبوت پر حجاج بہت دیر تک سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا اور پھر سر اُٹھا کے کہد یا کہ معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اس آیت کو پڑھا ہی نہیں ہے۔ اسکے بعد حجاج نے حکم دیا کہ اسکی بیڑیاں اتار دو اور اسکو اس قدر مال دیدو[۵]۔

علامہ جلال الدّین سیوطی نے قدرے مختلف لکھا ہے۔ جلال الدین سیوطی کہتے ہیں! جب یحیٰ حجاج بن یوسف ثقفی کے پاس آئے تو اسطرح باتیں ہوئیں۔

حجاج! ''اے یحیٰ میں نے قرآن مجید کو بسم اللہ سے والناس تک پڑھا لیکن کہیں مجھے اس مضمون کی آیت نہیں ملی کہ جسے ثابت ہو جاتا کہ حسن حسینؑ آنحضرتؐ کے فرزند ہیں۔

یحیٰ: اے حجاج کیا تم نے سورہ انعام میں یہ آیت (متذکرہ آیت) نہیں پڑھی۔

حجاج! اے حجاج! کیا رب دو جہاں نے حضرت عیسیٰؑ کو اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں ذکر نہیں کیا ہے حالانکہ جناب عیسیٰؑ بن باپ کے منصۂ شہود پر آئے ہیں۔ ان کی تو صرف والدہ گرامی تھی۔ انہیں کے رشتہ سے وہ اپنے نانا ابراہیم کی اولاد میں داخل ہوئے۔

حجاج! ہاں اے یحیٰ! تم نے سچ کہا[۶]۔

حوالہ جات

[۱] سورہ آل عمران آیت ۶ [۲] ارجح المطالب، عبید اللہ امرتسری باب ۳ ص ۳۲۶؛ مشکوۃ باب مناقب اہل بیت ص ۴۰۶

[۳] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۸۵

[۴] ذخائر العقبیٰ محبّ الدّین الطبری ص ۲۵؛ معالم التنزیل، بغوی ج ۱ ص ۳۰۲؛ نور الابصار، شبلنجی ص ۱۰۱؛ تفسیر کبیر، فخر الدین رازی ج ۸ ص ۸۵؛ دلائل النبوۃ، ابونعیم ص ۲۹۷؛ مستدرک، حاکم نیشاپوری ج ۳ ص ۱۵۰؛ جامع الاحکام القرآن، قرطبی ج ص ۱۰۴؛ اسد الغابہ، ابن اثیر جزری ج ۴ ص ۲۵؛ الاصابہ، ابن حجر عسقلانی ج ۲ ص ۵۰۳

[۵] تفسیر کبیر، علامہ فخر الدین رازی ج ۱ ص ۴۰۹ [۶] تفسیر درمنثور، جلال الدین سیوطی ج ۳ ص ۲۱

اسلامی فطرت اور حسینؑ فطرت

اگر چہ یہ عنوان جملہ حقائق کے اعتبار سے مجمل ہے کیونکہ دونوں لازم وملزوم ہیں مگر پھر بھی ضروری ہے کہ ہم اس پر تھوڑی بہت روشنی ڈالیں۔

زیر خنجر سبط احمد کا گلو ہو چکا آغشتۂ خون ماہرو
نیزہ پر بھی سر نے چڑھ کے کہا اشہد انَّ حسینا عبدہٗ

(صاحبزادہ علمی القادری)

حسینؑ کا مختصر سا تعارف اس شعر میں کیا گیا ہے۔سوال یہ ہے کہ حسینؑ اور اسلام اگر ایک ہی عنوان ہے یعنی اسلام حسینؑ ہے اور حسینؑ اسلام ہے تو پھر نام الگ الگ کیوں ہیں؟ سوال گوکہ عام فہم ہے مگر اپنے دامن میں معنائے بسیط لئے ہوئے ہے۔اور وہ اس طرح کہ اسلام دین فطرت ہے۔جبتک انسان انسان ہے انسانی فطرت اسکے ساتھ ہے اور یہی فطرت اس کو اسلام کی ترغیب دیتی رہے گی۔ یہ ممکن ہے کہ انسان کچھ عرصہ کے لئے فطرت کی اس یگانہ روش سے کنارہ کش ہو جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ فطری تقاضوں کو کچھ دنوں کے لئے ٹالا جا سکے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ غیر فطری نظام زندگی کو کچھ دنوں کے لئے اپنایا جا سکے لیکن یہ ناممکن ہے کہ فطرت کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دبا دیا جائے۔

فطرت کو جس قدر دبایا جائے اتنی ہی قوت سے یہ اُبھرتی ہے۔فطرت کے اس قانون میں کوئی استثناء نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حاملین انشقاق وعدوان نے پاسبانان اسلام کو اپنی نفس پرستی،طلب جاہ اور طالع آزمائی کی خاطر دبانا چاہا۔تشدد، جبر اور ظلم سے ان کے پیغامات کو دبا دینا چاہا۔انہیں مصائب وآرام کی آماجگاہ میں دھکیلنا چاہا۔ لیکن جتنا دبایا، جس طاقت سے دبایا اتنا ہی وہ اُبھرے۔ یہی از آدمؑ تا خاتمؐ کی اسلامی تاریخ ہے۔قرآن کریم ان انبیاء واوصیاء کے مصائب وابتلاء کا تذکرہ حقیقت سمجھانے کیلئے کر رہا ہے کہ فطرت سے نبرد آزما ہونے کا انجام تباہی بربادی اور ہلاکت کے سوا کچھ بھی نہیں۔

لیکن جہاں اسلام دین فطرت ہے وہاں نفس پرستوں کا رجحان بھی انسانی ضمیر کا ایک خاصہ ہے کیونکہ انسان کمالات کا ہی مرقع نہیں بلکہ متضاد اوصاف کا حامل بھی ہے۔ یہ جہاں عدل پسند ہے وہاں ظلم کا خوگر بھی۔اسکے جمال

میں جلال بھی ہے اور اسکے نور میں ظلمت بھی۔لیکن فطرت اسے متوازن سیرت کی طلبگار ہے کیونکہ توازن سیرت کا عادلانہ نظام ہی اسلام ہے۔جس نے اس سے ٹکر لی وہ فنا ہوا اور جس نے اسے دبانا چاہا وہ خود دب کر نیست و نابود ہوگیا۔

یہی حقیقت حسینؑ کی ہے چونکہ آپ دین فطرت کے گہوارے میں پلے تھے، بڑھے تھے، پروان چڑھے تھے اس لئے آگے چل کر آپ مجسمہ دین فطرت بن گئے تھے۔اگر اسلام صرف قرآن کا نام ہے تو فطرت کے یہ تقاضے آپ پر صادق نہیں آسکتے ہیں اور اگر اسلام ان اصول کا نام ہے جو رب العزت نے اپنے محبوب نبیؐ پر نازل کر کے عملاً ،فعلاً اور قولاً لوگوں تک پہونچائے تو آپ مجسمہ فطرت تھے۔اس لئے کہ جب اسلامی تہذیب پر کوئی حرف آنے کو ہوتا تھا تو تحفظ فطرت (تہذیب) پر آیۂ کلام اللہ کھڑی ہو کر رد کر دیتی تھی۔تو یہ آیۂ فطرت کی عین عکس (تصویر) ہوئی۔اسی طرح حسینؑ نے جب دیکھا کہ تہذیب کے خلاف دعویٰ دائر ہو رہا ہے تو آپ نے آیت بن کر اسکو رد کر دیا اور جب اس فطرت کے ساتھ کسی نے بھی ٹکر لی تو وہ دب کر فنا ہوگیا۔

جس طرح اسلامی فطرت اللہ کی قانونی حاکمیت کی ہر دور میں متلاشی رہی ہے اسی طرح انبیاء کرامؑ بھی اللہ کی اس قانونی حاکمیت کے تحفظ ،انشراع اور اسکے فروغ کی خاطر شہید ہوتے گئے۔انبیاء کے بعد اولیاء کرام کا درجہ آجاتا ہے۔یہاں چونکہ صرف حسینؑ اور اسلام کا موازنہ کرنا ہے لہٰذا باقی امامینؑ کاملین کا تذکرہ بخوف طوالت ترک کیا جاتا ہے۔آیئے مندرجہ ذیل جدول کو دیکھ کر اندازہ کیا جاسکے کہ فطرت اسلامیہ اور فطرت حسینہؑ میں کیا کوئی فرق تھا۔

اسلامی فطرت		حسینیؑ فطرت
۱)اسلام کائنات میں اللہ کی حکومت کا خواہاں ہے		حسینؑ اللہ کی حکومت کے لئے شہید ہو جاتا ہے۔
۲) اسلام نفس پرستوں ، مفسدوں، طالع آزما حکمرانوں کیلئے عذاب شدید کی بشارت دیتا ہے۔		حسینؑ نے بنوامیہ کے نفس پرست،مفسد اور طالع آزما رنگیلے حکمران کی نشاندہی فرمائی
۳)اسلام اللہ کی قانونی حاکمیت کے خلاف اُٹھنے والے افراد کے خلاف احتجاج کرتا ہے۔		حسینؑ نے اُس قانونی حاکمیت Legal sovereignty کے تحفظ کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگائی
۴)اسلام اجتماعی آزادی کا خواہاں ہے۔		حسینؑ نے اس Freedom of association نظریات سے ٹکرانے والوں کے خلاف محاربہ فرمایا۔

۵) اسلام ابنائے آدمؑ سے لیکر کائنات کے ہر ذرے کو دعوت عبودیت دیتا ہے اور ہر چوکھٹ سے سر اُٹھا کر اسلامی دہلیز پر سر رکھنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔	حسینؑ نے تیروں کی چھاؤں اور نیزوں کی چمکتی ہوئی انیوں میں اقوام وملل کو یہ پیغام دیا کہ: ماسوا اللہ را مسلمان بندہ نیست پیش فرعونی سرش افگندہ نیست
٦) اسلام ہمیں طرز معاشرت، آداب حکمرانی اور پنپنے کے اصول سکھاتا ہے۔	حسینؑ نے اپنی مقدس زندگی میں احسن طریقہ سے اس پر عمل کر کے دنیائے تحقیق وتنقید کو دعوت دی۔ محقق تو عمل پیرا ہوئے لیکن نقاد اب تک تنقید سے عاجز ہیں۔
۷) اسلامی فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ تمام بندے یکسان ہیں۔ رنگ ونسل کی تمیز یا قبائل کی تفریق متبادل فطرت ہے۔ **یا ایھاالناس انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقکم**	حسینؑ نے غلام جونؓ (صحابی جو شہید ہوگیا) کا خون اپنے اقرباء کے خون کے ساتھ ملا کر اس پر عمل فرمایا۔

اسلئے کہ دونوں اس آغوش میں تربیت پا رہے تھے جو رسالت کی آغوش تھی۔ سب وہ قوانین جو رب العزت نے بندوں تک پہونچائے حسین سن رہے تھے۔ حسینؑ دیکھ رہے تھے کہ نبیؐ اکرم کی ۳۲ سالہ لگاتار محنت سے اسلام منزل ترقی کی طرف گامزن ہوا۔ لہٰذا جب نانا کے دینِ فطرت پر حرف آجائے تو اصل فطرت کا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ وہ سر دھڑ کی بازی لگا کر اسکو بچائے تاکہ فطرت فطرت ہی رہے۔ یہی حقیقت "قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد" قربان حق پر ہوکے کربلا قربان گاہ فطرت بن گیا۔ یہ وہ فطرت کی قربانی کا سٹیج تھا جہاں پر حق پر باطل کی یلغار نے حق کو بظاہر (اپنے علم ناقص میں) مٹا دیا لیکن حق یوں اُجاگر ہوا کہ یزیدیت اسلام کی فطرت کا ضمیمہ نہ بن سکی۔ باطل کو یہی توقع تھی کہ قبائے شریعت میں یزیدیت کا پیوند لگ جائے لیکن دین فطرت کے فطرتی پرستار نے اس کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیا اور یزیدیت وشریعت میں تا ابد خط امتیاز قائم فرمایا۔ بقول حضرت خواجہ معین الدین چستی اجمیریؒ:

شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دین است حسین دین پناہ است حسین
سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

لہٰذا ثابت ہوا کہ اسلام اور حسینؑ، حسینؑ اور اسلام مزاج رسالتؐ کے مطابق ہم آہنگ وہم رنگ تھے۔

فصل ۳

حسینؑ اور رسولؐ

عظمت حسینؑ درنظر رسولؐ

حسینٌ منی و انا من حسین ''حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں'' (حدیث رسولؐ)

الاوّل:-یہ امر مسلمہ ہے کہ جب تک آنحضورؐ ظاہر بین نگاہوں کے لئے منصۂ شہود پر جلوہ گر نہ ہو جاتے تو حسینؑ بھی نہ ہوتے کیونکہ حسینؑ کی مادر گرامی کا وجود مبارک جناب رسالتمابؐ کے وجود پر منحصر تھا اور حسینؑ کا وجود جناب فاطمہؑ زہرا کے وجود کا محتاج ۔ جناب رسالتمابؐ کا عدم وجود فاطمہؑ زہرا کی عدم تخلیق کا موجب بن جاتا کیونکہ نانا کے بعد نواسہ کا وجود ہوتا ہے اور ان کے درمیان صرف ایک بیٹی یا بیٹے کا واسطہ ہوتا ہے لہٰذا نانا نہ ہوتو نواسے کی ماں کا وجود حتمی نہیں ہوگا۔ اسطرح نواسہ بھی کوئی وجود نہیں رکھے گا۔ اس تصریح سے حدیث کا پہلا حصہ ''حسینٌ منی'' عقلی طور پر درست اور صحیح ہے۔

الثانی:-**وانا من حسین** اور میں حسینؑ سے ہوں

مندرجہ الصدر تصریح سے تو کسی بھی بافہم انسان کو انکار نہیں ہوسکتا ہے لیکن حدیث کے دوسرے جُز نے تو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اس میں تو نواسے کے وجود کو نانا کے وجود کا موجب نہیں بتایا بلکہ نانا کا وجود نواسے کے وجود کا محتاج بنادیا ہے؟

حدیث کے دو جُز ہیں ۔ دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں اور دونوں جُز ''لازم ملزوم'' ''ملزوم ولازم'' ہیں ۔ دونوں ایک دوسرے کے وجود کے موجب ہیں ۔یعنی دونوں کا ہونا انتہائی ضروری ہے ۔ یہ نہیں کہ ایک ہوتو دوسرا نہیں، دوسرا ہوتو پہلا نہیں ۔ اس طرح تو حدیث پر ایک خطرناک زد پڑتی ہے ۔ لہٰذا ہم اس حدیث کا تفصیل سے جائزہ لیں گے تاکہ محی الدین زہرہ کا وہ اعتراض رفع ہو جائے جو انہوں نے ۹ محرم کو مہاراج گنج میں تقریر کرتے ہوئے کیا تھا۔

الجواب بعون اللہ تعالیٰ !**الاول**:- مندرجہ ذیل سلسلہ نسب اندراج کیا جاتا ہے اگرچہ کتاب کے موضوع سے یہ خارج ہے لیکن معترض کے جواب کا اس سے زیادہ میرے پاس کوئی راستہ نہیں کیونکہ معترض صرف معترض ہے اعتراض کیوں کیا جاتا ہے؟ کس پر کیا جاتا ہے؟ کس حد تک کیا جاتا ہے؟ اس میں علمیت کتنی ہونی چاہئے؟ اعتراض کے لئے کون کون سے ذرائع استعمال کرنے پڑتے ہیں؟ ان تمام باتوں سے محی الدین صاحب زہرہ قطعی نابلد اور طفل مکتب ہیں۔

۱) ابراہیم خلیل اللہ	۲) اسماعیل	۳) حمد	۴) بنت	۵) سلامان
۶) ہمیع (ہمسیع)	۷) مسیع	۸) اود	۹) اُدّ	۱۰) عدنان
۱۱) معد	۱۲) نزار	۱۳) مضر	۱۴) الیاس	۱۵) مدرکہ
۱۶) خزیمہ	۱۷) کنانہ	۱۸) نضر	۱۹) مالک	۲۰) فہر
۲۱) غالب	۲۲) لوی	۲۳) کعب	۲۴) مرّہ	۲۵) کلاب
۲۶) قصی	۲۷) عبدمناف	۲۸) ہاشم	۲۹) عبدالمطلب	۳۰) عبداللہ

۳۱) محمد رسول اللہ ﷺ

بعض نسخوں میں یہ شجرۂ نسب اس طرح وارد ہوا ہے۔

محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف ابن قصی ابن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر ابن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن اود بن نافود ابن سود بن یعرب بن یشحب بن ثابت ابن اسماعیل ابن ابراہیم الخ۔

والثانی:-یابنیّ انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ (صافات/۱۰۲)

ابراہیمؑ کا خطاب اپنے بیٹے سے ہے کہ اے میرے بیٹے میں نے تمہیں خواب میں ذبح کرتے ہوئے دیکھا ہے تمہاری اس میں کیا رائے ہے۔**قال یابت افعل ماتؤمر ستجدُنی ان شاء الله من الصابرین۔**

بیٹا اب باپ سے عرض کررہا ہے، اے میرے باباؑ آپ بغیر پس وپیش کے اس کام کو(ذبح کو) انجام دیں انشاءاللہ مجھے صابرین میں پائیں گے۔

فلما اسلما جب دونوں نے راضی برضا وتسلیماً لامرہ پر کمر باندھی

وتله للجبین ابراہیمؑ نے اوندھے منہ اسمٰعیلؑ کو برائے ذبح زمین پر لٹایا

و نادینا ان یا ابراهیم ہم نے یہ دیکھ کر آواز دی کہ اے ابراہیمؑ

قدصدقت الرّویا واقعاً تم نے خواب کو سچا کردیا۔

انا کذالک نجز ی المحسنین اے ابراہیمؑ بیشک ہم نیکی کرنے والوں کو اجر دیتے ہیں۔

و فدینا ہ بذبح عظیم ہم نے اسکے بدلے ایک الگ عظیم قربانی رکھی ہے۔

آیات کریمہ اور شجرہ طیبہ کوموازنہ فرمایئے۔آیات بتلارہی ہیں کہ ابراہیمؑ مستعد ہوئے تھے اسمٰعیلؑ کے ذبح پر لیکن اللہ نے عین وقت ہاتھ روک لئے۔اگر نہیں روک دیئے جاتے تو اسماعیلؑ ذبح ہوئے ہوتے۔اس صورت

میں شجرہ طیبہ کی ایک اہم کڑی ٹوٹ جاتی۔ باپ نہ ہوتو بیٹا کیسے وجود میں آجائے اور یہ تا انتہا سلسلہ چلتا جائے گا۔ اس میں سے کسی ایک کو بھی خارج کردیں تو محمدؐ کا آنا اس سلسلہ میں نہیں رہے گا۔ اور یہ قرین ممکن ہے کہ اسماعیلؑ کے ذبح سے جناب رسالتمابؐ کا وجود میں آنا ناممکن تھا کیونکہ سلسلہ کا انقطاع نہ صرف وجود کو عدم میں مبدل کرتا ہے بلکہ آئے ہوئے وجود پر بھی شبہات وارد کئے دیتا ہے۔

درج شدہ آیات کی آخری کڑی نہ صرف اہم ہے بلکہ معترض کیلئے کھلا جواب بھی ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے **وفدیناہ بذبحٍ عظیم** ہم نے تو اس کے بدلے عظیم قربانی رکھ چھوڑی ہے اور یہ عظیم قربانی حسینؑ تھی۔ یعنی اسمٰعیلؑ کو سلسلہ نسب کے انقطاع سے (جو وقوع پذیر ہونے والا تھا) بچالیا گیا اور حسینؑ اسکے بدلے لا کھڑا کردئے گئے۔ تو ثابت ہوا کہ حسینؑ نے نسب نامہ کو اس گہری خلیج سے بچالیا۔ اب من الحسینؑ کا مطلب سمجھ گئے۔ ہر دو طرف احسان ہیں۔ محمدؐ نے حسینؑ کو وجود بخشا اور حسینؑ نے محمدؐ کو''

الجواب ثانی :-محمد عربیؐ نے اپنی انتھک کوششوں سے کفر وظلمت کے بُت توڑ کر عظمت اسلام کے پرچم نصب کئے۔ اپنی حیات مقدسہ کی ۳۲ سالہ عرق ریزی سے شمع اسلام روشن فرمائی لیکن اسلام پر کیا بیتی؟ آپ بہتر جانتے ہیں۔ اولی الامروں کا کردار کیا رہا؟ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ مان لیجئے کہ فلم فلمائی جارہی تھی۔ آخری سین یزید نے لے لیا۔ اب اسکی ریلیں بڑی تیزی کے ساتھ مصر، شام، بصرہ، کوفہ، ایران، قسطنطنیہ، روم، حمص اور دیگر ممالک میں بھیجنے کا پروگرام بن رہا تھا۔ لیکن آپ کو معلوم ہے نا کہ اگر ان ممالک میں ان ریلوں کی عکاسی اعلاناً ہوجاتی تو اسلام کی عظمت کو کیا ہوجاتا؟ وہ روشنی جو اطراف عالم کی تاریکیوں کی طرف بڑھتی جارہی تھی اب ماند پڑ رہی تھی۔ وہ چراغ جو صلح وآشتی، امن وامان اور حریت اور آزادی کے لئے روشن کیا گیا تھا ٹمٹما رہا تھا لیکن کیا یہ ممکن ہے نواسہ رسولؐ موجود ہو اور یہ سب کچھ ہوجائے؟ آپ کو تو علم ہی ہوگا کہ محمدؐ کی زندگی مجسم اسلام تھی یعنی اسلام اور محمدؐ ایک نام تھے۔ اسلام مٹ جاتا معاذ اللہ اسم محمدؐ مٹ جاتا پھر کیا یہ ہوسکتا تھا کہ حسینؑ تماشائی کی حیثیت سے یہ سب کچھ دیکھتے۔ نہیں اور قطعاً نہیں۔ حسینؑ نے سر دے دیا لیکن اسلام کو زندہ جاوید بنادیا اور ایسا زندہ کہ اب میں اور آپ بھی محمدؐ کو پہچان لیتے ہیں اور یہ تھا مطلب **و انا من الحسینؑ** کا۔

اب ذرا احادیث کو دیکھیں تا کہ اس حدیث کی اہمیت کا صحیح طور اندازہ ہوجائے۔

اعلم رحمک اللہ تعالیٰ ان کمالات التی تفرقت فی الانبیاء قد اجتمعت فی نبینا محمدؐ فقد اعطی الخلافۃ کما اعطی اٰدم و داؤدؑ اعطی الملک کما اعطی سلیمانؑ اعطی الحسن کما اعطی یوسفؑ واعطی الخلۃ کما اعطی ابراھیمؑ اعطی الکلام کما اعطی موسیٰؑ واعطی عبادۃ کما اعطی یونسؑ و اعطی الشکر کما اعطی نوحؑ "بعد ھٰذہٖ الفاضل قال

عبدالعزیز الیٰ اخر مطلبنا‘‘......لکن بقی له کمال لم یحصل له بنفسه وهی شهادة والسرّ فی عدم حصولها له بنفسه انّه لو استُشهد فی الحرب لادّیٰ ذالک الی کسر شوکة الاسلام واختلال الدّین فی نظر العوام ولو استشهد غیلة وّ سرًّا کما وقع لبعض خلفائه لم یشتهر امر شهادته بل ولا تمّت الشهادة لان تمام الشهادته ان یقتل الرّجل فی الغربة والکربة وان تعمر جداده ویلقی جثته مطروحة ویُقتل حوله جمع کثیر مّن اعزّةٍ اصحابه واقاربه وان ینهب ماله وان توسر نساؤه وایتامه کلُّ ذالک فی ذات اللّه فاقتضت حکمةُ الله تعالیٰ ان یّلحق هٰذا الکمال العظیم بسائر کمالاته بعد وفاتهٖ وانقضاء ایام خلافته الّتی تنافی المغلوبیة والمظلومیّة برجال من اهل بیته بل باقرب اقاربه و اعزاولاده ومن یکون فی حکم ابنائهٖ حتیٰ یلحق حالهم بحاله ویندرج کمالهم فی کماله فتوجهت عنایة الله تعالیٰ بعد انقصآء ایّام الخلافة الی هذه الاخلق فاستنابت الحسنین علیها السلام مناب جدّ هما علیه افضل الصلوٰة والتحیات وجعلتهُما مِراتین لملا حضتهٖ وخدّین لجماله و لما کانت الشهادة علیٰ قسمین شهادة سِرٌ وشهادة علانیةٍ قُسِمَتُ علیهما واختُصَّ السبطُ الاکبر بالقسم الاوّل ولما کان امرها مستوراً لم یظهر لها ذِکرٌ فی الوحی وابهم امرها عند الوقوع ایضاًحتّٰی وقعت علیٰ یدی زوجتهٖ والزّوجة من علائق المحبة دون العداوة وکل ذالک لانّه مبنیٌّ علی السّرِ والاخفاء لذالک لَم یخبرخبر به النّبیؐ ولا امیرا لمومنینؓ ولاغیر هما واختصُّ السّبط الاصغر بالقسم الثانی۔

ترجمہ: اے مسلمانو! اس بات کو جان لو (اللہ تم پر رحم کرے) اللہ نے جو کمالات انبیاء کو الگ الگ دیے ہیں وہ بیک وقت ہمارے رسول مختارؐ میں جمع تھے۔ جیسے حضرت آدمؑ و داؤدؑ علیہم السلام کو خلافت دی گئی تھی پیغمبر اکرمؐ کو بھی دی گئی۔ حضرت سلیمانؑ کو بادشاہت دی گئی تھی حضرت رسول کو بھی دی گئی۔ حضرت یوسفؑ کو خوبصورتی دی گئی تھی آپ کو بھی خوبصورتی سے نوازا گیا تھا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کہلائے اور آپ حبیب اللہ کہلائے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ تھے آنحضورؐ لسان الٰہی تھے۔ حضرت یونس کو عبادت کی ترغیب کی گئی تو آپؐ کو (اور وہ اسطرح کہ آپکی عبادت دیکھ کر قدرت بھی متاثر ہو کر کہنے لگی **قُم الیل الی قلیلا**، رات کو کم ہی اُٹھا کرو عبادت کیلئے) بھی۔ حضرت نوحؑ کو شکر سے نوازا اور آپؐ کو بھی..........لیکن ان سب کمالات کے بعد بھی حضرت میں ایک کمال کی کمی رہ گئی تھی اور یہ کمال آپ کو نہیں ملا اور وہ ہے ’’شہادت‘‘۔ یہ شہادت آپکے حصہ میں کیوں نہ لکھی گئی؟ اسکا ایک اہم راز تھا اور وہ یہ کہ اگر حضرت کسی جہاد میں فوج کے ساتھ شریک ہو کر شہید ہو جاتے تو آپ کی شہادت سے عظمت اسلامیہ پر کاری ضرب لگ جاتا اور اگر حضرت اپنی جگہ اس طرح شہید ہو جاتے کہ کوئی دشمن آپ کو دھوکہ سے اور چھپ کے قتل کر دیتا، جیسا کہ بعض خلفاء رسولؐ کے بارے میں ہوا، تو حضرتؐ کی شہادت کا واقعہ مشہور نہ ہو جاتا اور شہادت کا درجہ بھی پورا نہیں

ہوجاتا۔ اسلئے کہ کمال شہادت یہ ہے کہ کوئی شخص مسافرت کی حالت میں رنج وغم میں قتل کردیا جائے اور اسکی سواری کا گھوڑا پے کیا جائے اور اسکا بدن (تارتار کردیا جائے حسینؑ نے بھی فرمایا کہ ار بااًر باً ٹکڑے ٹکڑے) زمین پر چھوڑ دیا جائے۔ اسکا مال و اسباب لوٹ لیا جائے اور اسکے بچے اور عورتیں قیدی بنادیئے جائیں۔ اور اسکی یہ تمام کی تمام مصیبتیں خداوند کریم کی راہ میں پہونچی ہوں تو خدا کی حکمت اس بات کی مقتضی ہوگی کہ یہ عظیم منصب جناب رسالتمآب کے باقی مناصب عظیم میں جمع کردیا جائے اور یہ منصب وفات کے بعد آپ کو حاصل ہوجائے۔ اسکی بھی حکمت الٰہیہ مقتضی ہوئی کہ آپؐ کو یہ شرف آپؐ کے اہلبیتؑ کے ذریعہ سے حاصل ہوجائے تا کہ اُن لوگوں کا حال واقعاً حضرتؐ کے حال سے ملحق ہوجائے اور ان لوگوں کا کمال جناب رسولؐ خدا کے کمال میں مندرج ہوجائے۔ اسی وجہ سے آپکی خلافت (خلافت سے مراد مدت حیات) کا زمانہ گذر جانے کے بعد خدا کی عنایت اس طرف متوجہ ہوئی کہ یہ کمال بھی آپؐ کے کمالات میں بڑھادیا جائے۔ اس کام کی تکمیل کی خاطر ربّ دو جہاں نے آپؐ کے دو فرزندوں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو آپ کا قائم مقام بنایا اور ان دونوں بزرگوں کو حضرت کے کمالات اور فضائل کا آئینہ دار بنادیا۔ آپ دونوں کو حضرتؐ کے جمال مبارک کے دورخ قرار دیا تا کہ حضرتؐ کی کمال شہادت کی تصویر ان دونوں کی شہادت میں نظر آئے ـــــــــــــــ چونکہ شہادت کی دو قسمیں ہیں ایک خفیہ اور دوسری عیان۔ خفیہ شہادت امام حسنؑ کے حق میں لکھی گئی اور چونکہ اس شہادت کی کوئی تشہیر نہیں ہونے والی تھی اس لئے اس کے لئے کوئی وحی☆ نہیں اُتری اور آپ کی شہادت آپکی زوجہ سے ہی واقع ہوئی۔

دوسری کھلی ہوئی شہادت کیلئے ذات باری تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے چھوٹے نواسے کا انتخاب فرمایا۔ چونکہ اس شہادت کی اساس تشہیر واعلان پر رکھی گئی تھی اس وجہ سے پہلے ہی اسکی پیشنگوئی کردی گئی اور یہ پیشنگوئی جبرائیل اور فرشتوں کے ذریعے سے آپؐ پر بطور وحی نازل کی گئی تھی۔ پھر اس جگہ کا تعین کیا گیا (جہاں شہادت ہونے والی تھی)، پھر نام بھی اس جگہ کا بتلادیا گیا (یعنی کربلا)، زمانہ بھی اس واقعہ کا بتلادیا گیا (یعنی ۶۱ ہجری) پھر اس شہادت کا حال عام کردیا گیا اور اسکا ذکر اعلاناً کیا گیا اس طرح کہ جب امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ میدان صفین میں بغرض جنگ جارہے تھے کہ کربلا پہنچ کر اُنہوں نے اس (متذکرہ) پیشنگوئی سے عامۃ الناس کو باخبر فرمادیا۔ پھر جب یہ واقع رونما ہوا تو خالق ارض وسماء نے اس طرح اس واقع کو مشہور کردیا کہ مٹی خون بن گئی اور آسمانوں سے خون کی بارش ہونے لگی۔ الغرض اس طرح اس شہادت کو عروج حاصل ہوا کہ جن وانس، وحوش وطیور خبردار ہوگئے[۲]۔

گذشتہ حدیث **حسینُ منی و انا من حسین**ؑ کو اس طرح حدیث نے تفسیر کردی کہ اب مزید اس پر کچھ لکھنا کتاب کی ضخامت میں اضافہ کرنے کے مترادف ہے۔ بس اتنا سنئے کہ نبوت اور رسالت کو جو معراج شہادت

☆یہ صحیح نہیں ہے بلکہ از روئے تواریخ عامہ وخاصہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حسینؑ کی شہادت کی خبر جس طرح مخبر صادق نے دیدی اسی طرح جناب امام حسنؑ کی بھی دی تھی۔

سے ملی ہے وہ حسینؑ نے عطا کی۔

۲۔ حسینُ منی و انا من الحسینؑ کانه علم نور الوحی ماسیحدث بینه و بین القوم فخصه بالذکر و بین انهما کالشئی الواحد فی وجوب المحبة و حرمة التعرض و المحاربه و اکد ذالک بقوله احب الله من احب حسینا فان محبته الرسول و محبة الرسول محبة الله ۔

پیغمبر عربی نے فرمایا حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔یعنی کہ آپ کو بطور وحی معلوم ہو گیا تھا کہ ہمارے اور اُمت کے درمیان کیا ہونے والا ہے۔اس وجہ سے آپؐ نے امام حسینؑ کا خاص طور پر ذکر فرمایا اور واضح فرمایا: کہ آپ کی محبت کا واجب ہونا حسینؑ کی محبت پر منحصر ہے۔حسینؑ کی مخالفت آپؐ کی مخالفت اور حسینؑ سے جنگ آپؐ سے جنگ کے مترادف ہے۔گویا یہ محبت، یہ مخالفت اور جنگ آپ اور حسینؑ کے ساتھ قدرِ مشترکہ تھا اور آپؐ نے اس جملے کی تاکید بعد والے جملے سے فرمائی کہ اللہ دوست رکھے گا اسکو جو حسینؑ کو دوست رکھے گا کیونکہ حسینؑ کی محبت آپؐ کی محبت ہے اور آپؐ کی محبت اللہ کی محبت ہے[۳]۔

سردار جنّت

الحسنؑ و الحسینؑ سید اشباب اهل الجنة حسنؑ اور حسینؑ جوانانِ جنّت کے سردار ہیں۔(فرمان نبیؐ)

یہ جناب رسالتمابؐ کی دوسری حدیث ہے۔قرن ہا بدل گئے۔تحریف اور تنقید، محرف و نقاد اُٹھے، یورپی قلمکاروں سے لیکر مذہب اسلام کے ۷۳ فرقوں کے معرض تک اُٹھے۔لیکن یہ حدیث ایسی مدلّل، محکم اور بصیرت افروز ملی کہ نا ہی اس پر ضربِ تحریر کارگر ہوئی اور نا ہی نقادان اسکی تنقید کر سکے۔اسلئے کہ زبان وحی سے نشر ہونے والی حدیث، منطقی، نحوی، صرفی، فلسفی، عرفی اور شرعی طور صحیح اور درست ہوتی ہے۔اس میں نہ کسی تلوار کا دباؤ ہے اور نا دنانیر کی لالچ۔وہ حدیث جو بزورِ تلوار یا بطمع لالچ قلمبند کی گئی وہ منزل تنقید سے اُٹھنے والے طوفان کا بار بار شکار ہو کر رہ گئی۔اب اگر ان جیسی حدیثوں سے کبھی کبھار کسی کا سابقہ پڑتا ہے تو نہ صرف کتب اسلامیہ مشتبہ ہو جاتی ہیں بلکہ جناب رسالتمابؐ کی عظیم المرتبت شخصیت بھی مشکوک ہو جاتی ہے۔

متذکرہ حدیث اہل جنّت کے جوانوں کے لئے براہ راست مخاطب ہے۔جوان اب وہ ہو جو اِن اوصاف کا حامل ہو جو اسکو عین الیقین پر پہنچا کر جنّت کی بشارت دیدیں۔اب حسینؑ جس کا سردار ہو اسکا رتبہ کیا ہوگا۔کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو دنیا میں آ کر نیک انجام دیکر حسینؑ کے درباری بن جاتے ہیں اور کتنے بدقسمت ہیں وہ لوگ جو اس عز و شرف سے محرومیت کی سند دنیا ہی سے لے لیتے ہیں۔

مندرجہ الصدر حدیث متعدد کتابوں میں وارد ہوئی ہیں۔چند ایک ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں۔

۱) ایک دن جناب رسالتمابؐ کے حضور میں حذیفہؓ (صحابی رسولؐ) مشرف تھے تو ایک ملک جناب رسولؐ خدا کے پاس آیا۔ ملک کے جانے کے بعد آنحضور نے حذیفہ سے فرمایا:

یا حذیفہ ھٰذاملک لم ینزل الارض قط قبل ھٰذہ للیلۃ استاذن ربہ ان یسلم علی و یبشرن بان فاطمۃ سیدۃ نساء اھل الجنۃ و ان الحسنؑ والحسینؑ سید ا شباب اھل الجنۃ ۔

یعنی اے حذیفہ! یہ ایک فرشتہ تھا جو اِس سے پہلے زمین پر کبھی بھی نازل نہ ہوا تھا۔ اس نے خداوند کریم سے اجازت لی تھی تا کہ یہ یہاں آ کر مجھے سلام کرے اور مجھے اس بات کی خوشخبری سنائے کہ فاطمہ زہراؑ جنّت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسنؑ حسینؑ جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں[۴]۔

۲) **قال رسول اللّٰہؐ الحسنؑ والحسینؑ سید اشباب اھل الجنۃ** [۵]

۳) **من حدیث حذیفۃؓ رفعہ الحسن والحسینؑ سید اشباب اھل الجنۃ**

حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسالتمابؐ نے فرمایا کہ حسن اور حسین علیہم السلام جوانان جنّت کے سردار ہیں[۶]۔

۴) **عن ابی سعید قال قال رسولؐ اللہ الحسنؑ والحسینؑ سید اشباب اھل الجنۃ**

ابی سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ حسنؑ اور حسینؑ جوانان جنّت کے سردار ہیں [۷]۔

مندرجہ الصدر احادیث معتبر ترین کتابوں سے نقل کئے گئے ہیں۔ اسکے بعد بھی انکار کرنا چہ معنی دارد۔

ناظرین کرام کی ضیافت طبع اور بالیدگی ایمان کے خاطر ہم ''تذکرہ حسینیؑ'' سے چند ایک واقعات نقل کریں گے۔ یہ کتاب مولوی صاحبزادہ محمد علم الدین القادری علمی نائب ناظم جمعیت عالیہ سُنیہ و نائب خطیب جامع قادریہ سولجر بازار کراچی کی ترتیب وتالیف ہے۔

مولوی صاحبزادہ محمد علم الدین صاحب فرماتے ہیں کہ اب میں امام صاحب (امام غزالی) کی تصریحات مختصر طور پر نقل کرتا ہوں (اور وہ تصریح مندرجہ ذیل ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو (حضورؐ کو) ایسی اہلبیت کے ساتھ مخصوص کیا ہے جو بزرگ لوگ ہیں، رحمت کے درخت، ہدایت کے کلمے، تقویٰ کی کُنجیاں، صدق اور اخلاص کی باگ انہیں کے ہاتھ میں ہے اور انہیں سے علاج اور خلاصی ہے۔ انہیں کی شان میں حضورؐ علیہ السلام نے فرمایا **النجوم امان اھل السمٰوٰت (السّمٰوٰت) و اھل البیتی امان'' لا ھل الارض** یعنی ستارے اہل آسمان کے لئے امان ہیں اور میرے اہل بیت زمین کے واسطے امان ہیں [۸]۔

دوسری بلند پایہ تصنیف کیمیائے سعادت کے دوسرے رکن پانچویں اصل حق محبت ادا کرنے کے بیان میں ''فرزندوں کے حقوق'' میں رسول اللہؐ کی محبت میں اور ان کے جگر گوشوں یعنی حضرات حسنین علیہم السلام کے ساتھ

وابستہ تھی۔ اسکا واقعہ حسب ذیل سطور میں بیان فرماتے ہیں۔ جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضورؐ اپنے پیارے نواسوں کو بمنزل فرزندوں کے دیکھتے تھے اور جیسی محبت وشفقت والدین کو اپنے فرزندوں کے ساتھ ہونی چاہئے وہ حضورؐ علیہ السلام کو بدرجہ اولیٰ اپنے جگر گوشوں حضرات حسنینؑ سے تھی۔ اس لئے حضور نے ارشاد فرمایا: **انَّ الحسنؑ والحسینؑ هما ریحا نتیَّ من الدنیا** بیشک حسنؑ اور حسینؑ دنیا میں میرے دو گُل خوشبو ہیں (روح پرور و دل افزا) لہٰذا تو ہم غلامانِ بارگاہِ مصطفوی کے دلوں کی تازگی اور روحوں کی خوشنودی کے لئے ان مقدس ہستیوں سے رشتہ محبت قائم رکھنے کا کتنا حق ہوگا۔ اور آیۂ ''**الا المودة فی القربیٰ** '' میں حضرات حسنینؑ سے محبت رکھنے کا الٰہی و رسولؐ الٰہی حکم صادر ہو چکا ہے۔ امام غزالی کی مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

''ایک مرتبہ رسولؐ مقبول نماز پڑھ رہے تھے۔ جب سجدے میں گئے تو حضرت امام حسینؑ (کمسنی میں) نے آپ کی گردن مبارک پر پاؤں رکھ دیا۔ حضورؐ علیہ السلام نے نماز میں توقف فرمایا کہ صحابہ کبارؓ سمجھے کہ شاید آپ پر وحی کا نزول ہو رہا ہے اسلئے آپ نے اتنا لمبا سجدہ فرمایا ہے۔ جب سلام پھیرا تو صحابہ نے دریافت کیا یا رسولؐ اللہ! کیا سجدے میں وحی نازل ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا نہیں حسینؑ نے مجھے اپنا اونٹ بنایا ہوا تھا۔ میں نے چاہا کہ اس کو جدا نہ کروں[۹]۔''

محبت حسینؑ محبت رسولؐ

ظاہر ہے آل عبا علیہم السلام کی مودت موجب جنت ہوگی اور ان کی عداوت موجب جہنم۔ لہٰذا ان کی محبت واجب ہے تا کہ عذاب جہنم سے انسان کو رستگاری ہو سکے نہیں تو ''**فاتقوا نار الّتی وقعودها النّاس والحجاره اُعدت للکافرین** ''اس آگ کے لئے تیار رہو جو اللہ کے نازل کردہ احکام پر راضی **برضا وتسلیماً لامره** پر کاربند نہ رہنے والے افراد کیلئے دھک رہی ہے۔

آنحضورؐ کو اُمت کا خاص خیال تھا۔ نہیں چاہتے تھے کہ میری اُمت دوزخ کا ایندھن بنے۔ اسلئے کئی راستے رکھے تا کہ کسی نہ کسی راستے پر چل کر انسان اخروی عذاب وعتاب سے نجات پا سکے۔ لہٰذا آپ نے بفحوائے آیہ مبارکہ اہل بیت کی مودت کو واجب قرار دیا اور بغیر اس وجوب کے اور کوئی بھی راستہ نہیں ملتا ہے کہ جس پر چل کر انسان نجات کی سٹیفکیٹ حاصل کر لیتا۔ آئیں سیر تاریخ اور احادیث مندرج کر کے معلوم کریں کہ کن کی مودت واجب قرار دی گئی ہے۔

۱) وعن ابن عباسؓ قال لمّا نزلت هذه الایه قل لا اسئلکم علیه ا جراً الا المودة فی القُربیٰ قلنا یا رسول اللهؐ من قرابتک الذین فرض الله علینا مودتهم قال علیؑ، فاطمهؑ، ابناهما، ثلاث مرات۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب آیہ مودۃ نازل ہوئی تو ہم نے آنحضورؐ سے پوچھا: یارسولؐ اللہ یہ کن قریبی رشتہ داروں کی محبت واجب قرار دی جارہی ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا: علیؑ ، فاطمہؑ اور ان بیٹوں کی اور تین بار اسکو دھرایا[10]۔

قال لما نزلت هذه الايه قالوا يا رسول الله من قرابتک هٰولاءِ الذّين وجبَت علينا مودتهم ؟ قال (ص) على ، فاطمه و ابنا هما انتهى۔

کہتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو پوچھا گیا آنحضورؐ سے کہ وہ کون سے آپکے قرابتدار ہیں جن کی محبت و مودت واجب قرار دی گئی ہے تو آپ نے فرمایا علیؑ، فاطمہؑ ، اور انکے بیٹے[11]۔

کتب احادیث و کتب تاریخ نے تو رہبری کر لی۔ انہوں نے شمع ہدایت کی نشاندہی کر لی۔ اب تعصب کی گہری عینک اُتار کر راستہ دیکھنا ہمارا کام۔ اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں زیور عقل سے آراستہ فرمایا ہے۔ تحقیق نہ کی جائے، مرغے کی ایک ہی ٹانگ پر اڑا جائے تو چوپائے اور ہم میں کوئی بھی حدمتارکہ نہیں رہتا ہے۔ آخر میں امام شافعیؒ جن کو امام مالکؒ سے شرف تلمذ حاصل تھا کے وہ اشعار اندراج کریں گے جن میں انہوں نے اپنے عقائد کے اظہار کے ساتھ ساتھ دعوت فکر وتحقیق دیا ہے۔

يا اهل بيت رسول الله حبكم — فرض من الله فى القران انزله
كفاكم من عظيم القدر انكم — من لم يصل عليكم لا صلوٰة له

اے اہلبیتؑ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری محبت کو خدا نے فرض کیا ہے اور قرآن شریف میں اسے نازل کیا ہے۔ تمہاری منزلت کی بڑائی کیلئے بھی اتنا ہی کافی ہے کہ جو شخص تم لوگوں پر درود نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی[12]۔

کیفیت رسولؐ در وقت گریہ حسینؑ

ناسخ تواریخ میں حضرت سلمانؓ فارسی سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ

وقتے در نزد رسول خداؐ در غیر وقت انگور خوشۂ انگور دیدم **فقال لى يا سلمان ائتنى بولدى الحسنؑ والحسينؑ لياكلا معى من هٰذه العنب** جناب رسول خداؐ فرمود اے سلمان فرزندان من حسنؑ و حسینؑ را حاضر کن تا بامن ایں بخورند ۔ من بموجب ایں حکم بسرائے فاطمہ زہراؑ رفتم ایشان را نیافتم بخانہ وایشان را نہ دیدم لاجرم بحضرت رسولؐ آمدم وخبر باز دارم ۔ پیغمبرؐ ما مضطر شد و برخاست و گفت

و اولداہ و اقرۃ عینا من یرشدنی علیھما فلہ علی الجنۃ پس پیغمبرؐ ما دریغ خورد بر فرزندان خودفرمود کسے را کہ دلالت کند مرا برایشان برخاست کہ اوراجاء دربہشت ضمانت میدھم۔

مندرجہ بالا عبارت ارجح المطالب میں مولانا عبید اللہ امرتسری صاحب نے ذرا وضاحت کے ساتھ لکھی ہوئی ہے۔ملاحظہ ہو:

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ ایک وقت ہم سرور دو عالمؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔اتنے میں اُم ایمن نے آکر عرض کیا: یارسول اللہؐ دن بیت گیا ہے حسنینؑ کہیں گم ہوگئے ہیں۔حضرت نے مضطرب ہوکر فرمایا (اُٹھو) میرے بچوں کو تلاش کرو۔ ہرایک ڈھونڈنے کے لئے چلا سلمانؓ فارسی کہتے ہیں کہ میں حضرتؐ کے ساتھ ہولیا۔ہم ایک پہاڑ کے نیچے پہنچے حسنینؑ کو ایک دوسرے کے ساتھ بغلگیر ہوتے ہوئے سوتے پایا اور ایک سانپ ان پر سایہ کئے ہوئے دیکھا جس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔حضرت اسکی طرف دوڑے اور وہ حضرت کی طرف بچوں کو چھوڑ کر آیا اور آپ سے کچھ باتیں کرنے لگا۔ پھر وہ لوٹ کر ایک سوراخ میں گھس گیا۔حضرت نے بڑھ کر بچوں کو بیدار کیا اور ان کے چہرے کا غبار پونچھا اور فرمایا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔تم خدا کے بڑے پیارے ہو۔پھر حضرتؐ نے دونوں صاحبزادوں کو اپنے کندھوں پر سوار کیا۔ میں نے کہا اے صاحبزادو کیا سواری اچھی ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ سوار بھی تو اچھے ہیں اور ان کے باپ ان سے بہتر [۴۳]۔

انسان کی فطرت میں خیر وشر کی آمیزش ہے اور انسان دونوں کا مختار کل ہے۔ یہ بیک وقت دونوں پر محیط بھی ہوسکتا ہے یا ان میں کسی ایک کو اپنا سکتا ہے۔یا خیر کی طرف (یعنی محبت) راغب ہوگا یا شر کی طرف (عداوت) لیکن اب جس نے خیر (محبت) اپنایا یہ بجائے گھٹنے کے زیادہ ہوتا جاتا ہے۔اب جو محبت کل ہوا سکے محبت کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔اور اگر یہ محبت کل کسی جز کے ساتھ محبت رکھے تو ماننا پڑے گا کہ اس جز کو یہ جزیئت سے خارج کر کے کل میں لے آتا ہے۔یعنی یہ محبت کا **جـزء لایـنفک** بن جاتا۔تو پھر اگر کسی شخص کو اپنے ہی بدن میں کوئی تکلیف پہنچے تو اسکے اضطراب کو احاطۂ تحریر میں لانا ایک خود فریبی ہوگی۔یہی محبت محبت کل (آنحضرتؐ) کو محبت جز (حسینؑ) کے ساتھ تھی۔حسینؑ آپؐ کی محبت کا عنوان بن چکے تھے۔اس لئے کہ خطبات کی اہمیت،سفر و حضر کی کلفتیں، جنگ و جدل کی ہولناکیاں، ازدواج کے حقوق، پندونصائح کے زمزمے بھی اس محبت میں سدراہ نہیں ہوئے۔آپ نے ان تمام منزلوں میں پہنچ کر بھی محبت حسینؑ کو ترجیح دی۔خطبات کے دوران اگر حسینؑ مسجد میں آئے تھے آپ نے خطبہ کاٹ لیا۔پہلے حسینؑ کو اُٹھایا پھر خطبہ شروع فرمایا [۴۴]۔یہ تھی محبت کی انتہا۔

اب اس باب کو ہم آخری حدیث مندرج کر کے بوقت ضرورت تک بند کر دیتے ہیں۔

ایک روز جناب رسولؐ مقبول حضرت عائشہؓ کے گھر سے باہر تشریف لائے تو فاطمہ زہراؑ کے گھر سے حسینؑ

کے رونے کی آواز آئی۔ آپؐ بے چین و بے قرار ہوکر اپنی لخت جگر دختر نیک اختر کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اے فاطمہؑ! حسینؑ کو چپ کراوٴ، اسکو بہلاوٴ۔ اسکو خاموش کراوٴ۔ کیا تم نہیں جانتی ہو کہ حسینؑ کے رونے سے میں مضطرب ہوجاتا ہوں [۱۵]۔

حسینؑ کا دُشمن رسولؐ کا دُشمن

پیغمبرؐ عربی فرماتے ہیں کہ **من احب حسناً و حسیناً فقد احبنی و من ابغضھما فقد ابغضنی**

ترجمہ:- جو حسینؑ و حسنؑ کا دوست ہے وہ میرا دوست ہے اور جو انکا دشمن وہ میرا دشمن ہے۔

جو حسنینؑ کے ساتھ محبت رکھے گا اس نے میرے ساتھ محبت رکھی اور جو ان سے بغض رکھے گا اس نے میرے ساتھ بغض رکھا [۱۶]۔

عن انس ان النّبیؐ قال احب اھلبیتی الی الحسن و الحسینؑ (اخرجه الترمذی)

حضرت انس سے روایت ہے کہ فرمایا جناب رسالتمآبؐ نے کہ میرے سب اہل بیت سے زیادہ حسنؑ اور حسینؑ مجھے عزیز ہیں۔

عن ابی ھریرہ ان النّبیؐ قال من احب الحسن و الحسینؑ فقد احبنی و من ابغضھما فقد ابغضنی [۱۷]۔

ابو ہریرہ سے نقل ہے کہ جناب رسالتمآبؐ فرماتے تھے کہ جس نے بھی حسنؑ حسینؑ کے ساتھ محبت کی اس نے میرے ساتھ محبت کی اور جس نے ان کے ساتھ بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض رکھا [۱۸]۔

یہ حدیث سواد اعظم کی انگنت کتابوں میں مندرج ہے۔ ان میں باختلاف الفاظ یہی تاکید ہے کہ محبت رکھو، رکھی جائے گی۔ بغض رکھو گے، رکھا جائے گا۔ لہٰذا تقاضائے محبت کیا ہے؟ اِس سے عصر حاضرہ میں کوئی بھی فرد نابلد نہیں ہے اور آج تک کتنوں نے محبت کے فرائض انجام دئے کوئی پوشیدہ امر نہیں۔ لہٰذا اُمت مسلمہ کو چاہئے کہ وہ اس تاکیدی محبت کے تمام فرائض کو انجام دیں۔

حقیقت کیا ہے؟

ہم نے جو کچھ بھی تحریر کیا یہ ان فضائل کا عشر عشیر بھی نہیں ہے جو فرزند رسولؐ کے حق میں ترجمانؐ الٰہی نے وقتاً فوقتاً ارشاد کیا ہے۔ اُن محامد و محاسن کو کس قلمکار کی نبضوں میں طاقت ہے کہ وہ ضبطِ تحریر میں لا سکے۔ یہ چند فضائل جو اس عاصی نے اوراق پریشان میں سجائے ہیں صرف اس لئے تا کہ امت بے خبر یہ جان لے کہ جس اولوالعزم مرد کامل کی یاد ہر سال منائی جاتی ہے۔ وہ کن اوصاف عظیم کا حامل تھا۔ یہ اوراق میرے آئندہ واقعات کے پیش خیمہ

ہیں۔یہی میری اس عمارت کی بنیاد ہے جس پر میں کتابی صورت میں ایک قصر تعمیر کرنا چاہتا ہوں اور یہی قصر تھا کہ جس کو تحرو،تمرّداور سرکشی کی آندھیوں نے مسمار کردینا چاہا لیکن ہر آندھی ہر وقت اپنا سامنہ لیکر رہ گئی۔اب ایک طرف اس عظیم المرتبت ہستی کو مدنظر رکھ لیجئے اور دوسری طرف اُس طوفان کو کہ جو عیش وطرب کے زمزموں،گراں ماں باندیوں کی ریل پیل،عشوہ،دلبری،غمزہ تر کانہ،ساغر کے چھلکتے ہوئے جاموں سے اُٹھا تھا اور اُٹھ کر اطراف عالم کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔اگر اس بڑھتے ہوئے طوفان کے مقابلے میں یہ مرد کامل آہنی عزم لیکر نہ اُٹھ جاتے تو اسلام داستان پارینہ بن کے رہ گیا ہوتا۔کہتے ہیں تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ہمیں اس سے پورا پورا اتفاق ہے۔اسلئے کہ تاریخ نے ان حقائق کی نشاندہی کی ہے کہ جن سے باطل کے ترکش کا ہر تیر پرتو لتے ہوئے نظر آیا۔ابن جریدطبری،خطیب بغدادی،ابن اثیر جزری،ابن حجر عسقلانی،ابن قتیبہ دینوری،ابن طلحہ شافعی اور ابن حجر مکی کے بعد عباس محمود العقاد،ڈاکٹر طہٰ حسین مصری،بہلول بہجت،ڈاکٹر ہیکل،عبدالفتاح،عبدالمقصود،علامہ امینی، فرید وجدی،علامہ مقریزی نے واقعہ کربلا کے ابتدائی سین کی کھینچی ہوئی تصویروں سے آخری سین تک انصاب قائم کئے۔اہل علم اگر بدون تعصب کے اس راستے پر چلنا چاہتے تو اس ہولناک حادثہ کے ذمہ دار افراد کا سراغ ملنا یقیناً ان کے لئے چنداں مشکل نہیں ہوگا۔ورنہ کیا یہ سوال پیدا نہیں ہوسکتا ہے کہ کیا یزید کو اتنی ہمت تھی کہ وہ حسینؑ کے ساتھ اس طرح پیش آجاتا؟ یہ سوال آجکل اکثر ان افراد کے ذہن میں منڈلا رہا ہے جو صرف یزید کو یزید ہی تک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔لیکن وہ اس حقیقت کو قطعی بھول جاتے ہیں کہ یہ ٹکر یہ محاربہ یا یہ تصادم حسینؑ اور یزید کے مابین بالکل نہیں تھا۔کیا ہم اس سوال کا یہی جواب تلاش کریں گے کہ ایک طرف حسینؑ تھے اور ایک طرف یزید تھا۔اگر یہی اس سوال کا جواب ہے تو ہم بیانگ دُہل اعلان کریں گے کہ افراد عامہ کو جان بوجھ کر تاریخ کے حقائق سے روگردانی کروائی جاتی ہے۔ان کو جادہ حق سے منحرف کروایا جاتا ہے اور ان کو وہ کچھ سمجھنے سے قاصر رکھا جاتا ہے جس کے لئے تاریخ اور احادیث کی زبان بار بار نوچ لی گئی!''

یہ جنگ حسینیتؑ اور یزیدیت کی جنگ تھی۔اسلام اور کفر کی جنگ تھی۔ہاشم اور اُمیہ کی جنگ تھی۔حق اور باطل کی جنگ تھی۔فطرت اور عناصر کی جنگ تھی۔روحانیت اور ضلالت کی جنگ تھی۔اس جنگ میں حسینؑ کے ساتھ حسینیت،اسلام،ہاشم،حق،فطرت اور روحانیت کا اسلحہ تھا اور اسکے مقابلے میں یزید کے ساتھ یزیدیت،کفر،اُمیہ، باطل،عناصر اور ضلالت کا اسلحہ تھا۔جی چاہتا ہے کہ ناظرین کرام کی طبع ضیافت کیلئے العلامۃ العصر محقق بے بدل السید ابن حسن صاحب قبلہ رضوی جارجوری کی وہ عبارت یہاں نقل کی جائے جو انہوں نے ''فلسفہ آل محمدؑ'' میں نقل فرمائی ہے۔لکھتے ہیں:

''افق اسلام پر جور واستبداد کی گھنگھور گھٹائیں اُمڈی چلی آرہی تھیں۔حق اور صداقت کا خاتمہ ہورہا تھا۔

ایک ننگ انسانیت رسول عربیؐ کی عمر بھر کی کمائی کو خاک میں ملانے کے لئے تیار تھا۔فتنہ وفساد کی آگ بھڑک رہی تھی ۔ صدیق اکبر اور فاروق اعظم کا تخت ایک ایسے شخص کے قبضے میں تھا جو کتاب وسنّت کا دشمن، کفر ونفاق کا حامی اور سیر و شکار کا شائق تھا۔ وہ نماز پڑھتا تھا مگر شراب پی کر، نکاح کرتا تھا مگر ماں اور پھوپھیوں سے۔

سیاست عرب رفتہ رفتہ ان نتائج پر پہنچ چکی تھی جن کی اسکو مدت سے تمنا تھی۔ اجماع، استخلاف اور شوریٰ کی اجتماعی قوتیں ایک ایسی ہستی کو منظر عام پر لے آئی تھیں جس نے تاریخ عالم میں اسلام کو بدنام کر دیا۔

مسلمانوں کا یہ لاڈلا خلیفہ ان تمام خصائل کا مجموعہ تھا جو انسان کو حیوانیت کے درجے تک پہنچا دیتے ہیں۔ وہ بے رحم، جفا پیشہ، فتنہ جو سب کچھ تھا۔ مگر قدرت نے اس کو بلا کی ''اخلاقی جرأت'' دی تھی۔ وہ شراب کو نبیذ کہہ کر نہیں پیتا تھا۔ وہ اپنے مخالف کو قتل کرنے کا حکم دیتے وقت اس پر جھوٹے الزام لگانے کا عادی نہ تھا۔ وہ اپنے کفر کو اسلام کا جامہ نہیں پہنانا چاہتا تھا۔ اس نے بھرے دربار میں اپنے عقائد کا اظہار کر دیا:

لعبت بنو هاشم بالملک

فلا ملک جاء ولا وحی نزل

جب کفر عریاں ہو کر میدان میں آ گیا اور مسند خلافت سے اسلام کو چیلنج دینے لگا تو رسول اللہؐ کے نواسے، علی مرتضیٰؑ کے فرزند، فاطمہؑ کی گود کے پالے نے اپنے لئے دو ہی راستے کھلے ہوئے پائے: ذلت کی زندگی یا عزت کی موت۔ انہوں نے آخری راستہ اختیار کر لیا۔ وہ گھر سے نکلے، فوجیں لیکر نہیں بلکہ اہل وعیال کے ساتھ، لڑنے کے لئے نہیں بلکہ مرنے کے ارادے سے ان کی منزل مقصود وہ ''شہد اور دودھ'' کا ملک نہ تھا جس کا موسیٰؑ سے وعدہ کیا گیا تھا............ وہ ''چرخ چہارم'' تک رفعت پانے کے اُمیدوار نہیں بنائے گئے تھے۔ ان کے سامنے ''موت وتباہی'' ''مسافرت وتنہائی'' اور ''بربادی وتاراجی'' کے وہ روح فرسا مناظر تھے جن کا خیال ہی انسان کا خاتمہ کر دینے کے لئے کافی ہے۔ لیکن خوف، حزن وملال ایسے الفاظ تھے جنکا حسینؑ کی ڈکشنری میں نام ونشان تک بھی نہیں تھا۔ **الا ان اولیاء الله لا خوف علیهم و الاهم یحزنون** انہوں نے اسلام کی خاطر اپنی اور اپنے رفقاء کی ہستی کو خطرے میں ڈال دیا اور فرات کے کنارے حق وباطل، کفر واسلام، استبداد وحریت، سرمایہ اور مزدوری کی یادگار جنگ کا نقشہ پیش کر کے دنیا کو بتا گئے کہ ابدی فتح نہ اسلحہ کی محتاج ہے نہ کثرت افواج کی۔ وہ اصول کی صداقت، ارادے کی مضبوطی اور قوت ایثار سے حاصل ہوتی ہے۔ اسلام رسولؐ کا پیارا اسلام قربان گاہ سیاست پر نثار ہو کر رہ جاتا اگر فاطمہؑ کا فرزند اپنی جان پر کھیل کر اسکی حفاظت نہ کرتا۔

یزید نے اس تیار شدہ ڈرامے کو اسٹیج پر جگہ دیدی جو مدت سے پس پردہ وقت اور موقع کا منتظر تھا۔ وہ اس ''کتاب سیاست'' کے احکام کو عملی جامہ پہنا گیا جو اگلوں نے پچھلوں کیلئے تیار کی تھی۔ دشمنان اسلام کے ترکش کا یہ

آخری تیر جو ترازو ہوگیا اور عربی مداریوں کا یہ آخری تماشا تھا جو کامیاب ثابت ہوا لیکن نہ یہ تیر اپنے چلانے والا کا بنایا ہوا تھا اور نہ اس تماشے کے تمام اجزاء اس مداری کے تیار کردہ تھے۔ یزید تو اس مشین کا فقط ایک پُرزہ تھا[۱۹]۔

مندرجہ بالا عبارت تاریخی حقائق پر مبنی ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ اس ڈرامے کی اساس کیا تھی، یزید میں یہ سکت کہاں تھی کہ وہ براہ راست حسینؑ کے مقابلے میں آجاتے۔ امیر معاویہ نے اپنے لخت جگر اور نور نظر کیلئے میدان صاف کیا تھا۔ اب کیا تھا؟ ؎

جس سمت بھی چاہئے صفت سیل چلا چل
وادی یہ ہماری ہے وہ صحرا بھی ہمارا ہے

ایک جائزہ

اب تو وادی شام اور صحرائے کوفہ و بصرہ بھی زیر اقتدار آیا تھا۔ تاریخ حقائق کو کیسے جھٹلا سکتی ہے بلکہ وہ و نشاندہی کرتی رہے گی۔ یزید کے پدر بزرگوار نے تو ہاتھ پاؤں اچھے پھیلائے تھے۔ صوبہ جات پر ہمکار گورنروں کو لا چکا تھا۔ یہ گورنر تو صرف یہ جانتے تھے کہ جو کچھ بھی ہے یزید کے پدر بزرگوار ہی ہے۔ اسکی اطاعت رسولؐ اور اطاعت خدا ہے۔ معاویہ ان گورنروں کا دین و ایمان خرید چکا تھا۔ یہ جہاں بھی ان کو ہنکانا چاہتا تھا ہنکتے تھے۔ کیوں نہ ہنکتے جبکہ ان کے درمیان اور معاویہ کے درمیان رشتہ کی مستحکم زنجیر تھی۔ اس لئے آتے ہی علی ابن ابی طالب، حسن ابن علیؑ، حسینؑ ابن علیؑ اور ان کے محبان پر عرصہ حیات تنگ کردیا۔ ان گورنروں کا حال سننا ہو تو طبری، صواعق محرقہ، ابن اثیر، دائرۃ المعارف، علی ونبوہ، معاویہ اور اسکا عہد، ابن ہشام، روضۃ الصفا، تفاسیر اہل سواد اور احادیث کی کتابیں پڑھیے۔ حق و باطل کی تفصیل ملے گی۔ فلپ کے ہٹی جو متعصب ترین مؤلف، مورخ مانا جاتا ہے اس نے بھی ان گورنروں کا حال یوں لکھا ہے۔

Amr-ibn-al As, the vicegerent over fertile Egypt, Al Mughirah ibn-shubah, the governor of trubulent Al-Kufah and Ziyad ibn Abih, the ruler of malcontent Al-Basrah.[۲۰]

عمر ابن عاص مصر کے زرخیز خطے کا گورنر تھا۔ مغیرہ ابن شعبہ کوفہ کا گورنر تھا اور زیاد ابن ابیہ☆ بصرہ کا گورنر تھا

فلپ کے ہٹی نے تو عیاں کردیا کہ ان سرکش، جابر، جفاکار، سفاک، خونخوار، طالع آزما گورنروں کو صرف اِس بات کیلئے اس عہدہ پر فائز کیا گیا تھا تاکہ محبان علیؑ کو چن چن کر قتل کردیا جائے۔ اس طرح ایک تو دیرینہ

☆ غالباً اسکی یہ ولدیت اس وجہ سے تھی کہ یہ چونکہ مشتبہ تھا اس لئے اسکو "اپنے باپ" کا بیٹا کہا جاتا ہے۔ اس واقعہ کو فلپ کے ہٹی نے بھی تحریر کیا ملاحظہ ہو۔

Ziyad was at first styeled ibn-Abih because of the doubt which cloud the identity of his father. His mother was a slave and prostitute in al Taif whom Abu-Sufyan, Mawiyah's

آرزوئیں پوری ہوجائیں گی اور دوسرا حکومت کھل کر کرنے کا موقع مل جائیگا۔

امیر معاویہ جانتا تھا کہ حسن ابن علیؑ کی عقیدت تامہ کی وجہ سے بہت ساری خلقت اسکی ملوکیت کی سدِ راہ

گذشتہ سے پیوستہ

father, had known. Ziyad was pro-Acid. In a critical moment, Muawiyah acknowledged Ziyad as his legitimate brother. Ziyad proved a great asset to his caliph brother. His unselenting hand weighed heavily over at Basrah, a center of Shi-ism. After the death of al-Mughirah he was elevated to the governorship of Al-kufah, a position which made him the absolute ruler of the eastern part of the empire, including Arabia and persia. With a trained 4000 bodygurad who acted also as spies and police, he ruled tyrannically and down mesilessly any one who dared show favour to Ali's descendents or revil Muawiyah.

History of the Arabs, Philip K Hitty, P 197

یعنی زیاد وہ پہلا شخص تھا جو اپنے باپ کے نام سے پکارا جاتا تھا یعنی (اپنے باپ کا) اسلئے کہ اسکی ابوہیت پر شک وشبہ کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ اسکی ماں طائف میں کنیز اور فاحشہ تھی۔ جہاں معاویہ کا باپ ابوسفیان اسکو جانتا تھا۔ (اول اوائل میں) زیاد علیؑ کا طرف دار تھا'' (بعد علی) معاویہ کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں علیؑ کی محبت اسکو میرے خلاف نہ بھرکائے ''لہٰذا اس خطرناک مرحلے سے بچنے کے لئے معاویہ نے یہ ظاہر کیا کہ زیاد میرا قانونی (Legitimate) بھائی ہے۔ (یعنی ہم دونوں ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں) زیاد جب خلیفہ کا بھائی بنا تو اسکے تمکنت اور غرور کی کوئی حد نہ رہی۔ (یہ چونکہ بصرہ میں تھا ہی) اس بھائی چارہ سے اسکے بے رحم اور سنگدل ہاتھوں کی گرفت اور بھی بصریوں پر مضبوط ہوگئی۔ یہ بصرہ شیعوں ومحبان علیؑ کا مرکز تھا۔ (مغیرہ) جو کوفہ کا گورنر تھا کے مرنے کے بعد یہ دونوں صوبوں (کوفہ اور بصرہ) کا مطلق انسان گورنر بن گیا۔ (امیر شام نے کوفہ کی زمام اقتدار بھی اسی کو تفویض فرمائی) اور اب یہ عرب، فارس اور مشرقی حصوں کا حکمران بن گیا۔ اسکے پاس ۴۰۰۰ آدمی تربیت یافتہ، مضبوط اور مستحکم محافظ دستہ اور پولیس کے تھے اُن کا کام جاسوسی کرنا تھا۔ یہ بے رحمانہ طریقے سے حکمرانی کررہا تھا اور یہ اُس آدمی کو تشددانہ طریقے سے کچل دیا کرتا تھا جو علیؑ کے حق میں کوئی ایک لفظ اور معاویہ کے خلاف کوئی ایک لفظ بولا کرتا تھا۔

اصل واقعہ ہم یوں ذیل میں ذرا تفصیل سے نقل کریں گے:

زیاد قبیلہ ثقیف کے ایک غلام جس کا نام عبید تھا کا لڑکا تھا۔ یہ زیاد پہلے عبید کے نام سے پکارا جاتا تھا اور جب اسکو معاویہ نے Ligitimate بھائی بنایا تو ابوسفیان کا بیٹا کہلایا جانے لگا لیکن جب اُمیہ سلطنت کے تمام ملوک مع قصد اپنی بربریت سمیت ملیامیٹ ہوگئے تو زیاد بن ابیہ، زیاد بن اُمیہ اور زیاد ابن سمیہ کے نام سے مشہور ہوگیا۔

ابن عساکر نے روایت کی کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور حکومت میں اس زیاد کو یمن بھیجا وہاں کے حالات درست کرنے کیلئے۔ وہاں سے واپس آکر اُس نے ایک تقریر کی جو بہت پسند کی گئی۔ عمرو بن عاص نے کہا کہ اگر یہ نوجوان قریشی ہوتا تو سارے عرب کو اپنی لاٹھی سے ہانکتا (یعنی خلافت سے)۔ اس پر ابوسفیان نے کہا میں اِسے اچھی طرح سے جانتا ہوں جس نے اس زیاد کو اسکی ماں سمیہ کے پیٹ میں رکھا۔ علی ابن ابی طالبؑ نے پوچھا۔ ابوسفیان وہ کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا میرے بغیر اور کون ہوسکتا ہے۔ اس پر جناب امیرؑ نے فرمایا: خاموش رہو۔

ابن عساکر کہتا ہے کہ عمرو بن عاص نے یہ جملہ کہا تھا جس پر ابوسفیان نے کہا کہ اگر کسی کا خوف دامنگیر نہ ہوتا تو میں ابھی حقائق سے پردہ اُٹھائے دیتا۔ میں نے تو بنی ثقیف جانا چھوڑ ہی دیا۔ میں نے تو ان میں میوہ دل چھوڑا ہے۔

یہ واقعہ معاویہ کے پیشِ نظر تھا کہ جسے یہ آمادہ ہوکر زیاد کو اپنا بھائی بنادیتا ہے۔ (استیعاب جلد اول ص ۱۹۵، تاریخ ابن عساکر جلد ۵ ص ۴۱۰)

یہ واقعہ پیشِ نظر رکھ کر جناب رسالتمآبؐ کی حدیث سُنئے **الولد للفراش والعاهرا لحجر** یعنی لڑکا شوہر کا اور زانی کیلئے سنگسار ہے۔ دوسری حدیث یہ ہے۔ **من ادعی ابافی الاسلام غیر ابیه فالجنة علیه الحرام**۔ جس مسلمان نے بھی اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کو باپ بنایا اس پر جنت حرام ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ اگر معاویہ نے ابوسفیان کے بیٹا ہونے کی وجہ سے اسکو بھائی بنایا تو اُم حبیبہؓ جو ابوسفیان کی بیٹی تھی اسکی بہن ہوئی، اِسے کیوں پردہ فرمایا کرتی تھی۔ کیا بہن بھائی سے بھی پردہ کیا کرتے ہیں۔ پردہ کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اُم حبیبہؓ اسکو اپنا بھائی ماننے سے منکر تھی۔

(ملاحظہ ہو۔ الاستیعاب جلد اول ص ۱۹۶؛ ابن الاثیر ج ص ۲۲۱۔۲۲۰؛ البدایہ ونہایہ ج ۸ ص ۸۲، ابن خلدون ج ۳ ص ۷۔۸)

مندرجہ الصدر تصریح سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ دین رسولؐ کی سنّت کی کتنی جلدی تضحیک سیاسی قربان گاہ پر کی گئی اور یہ بدعت جو کھڑی کردی گئی، اس سے خانوادہ رسولؐ اور شیعان علیؑ کو کن کن مصائب سے دوچار کردیا گیا۔

ہوئی لہٰذا زھر کے خاموش جاموں سے راہ کے اس کانٹے کو ہٹایا۔اب جب دیکھا کہ قریب المرگی کا زمانہ ہے اعضاء و جوارح خستہ ہوگئے ہیں اپنے نورنظر پر نظر کی۔لیکن دوسری طرف حسینؑ کی مقبولیت، حسینؑ کی منزلت اور حسین کی عظیم المرتبت شخصیت کا تصور رونگٹھے کھڑا کیئے دیتی تھی۔اس لئے اس نورنظر (یزید) کے لئے میدان صاف کرنا چاہا۔ایسے گورنروں کو ان صوبوں پر لا کھڑا کیا جہاں حسینؑ کی مقبولیت اسکے زعم میں بہت زیادہ تھی۔ان گورنروں کو تاکیدی حکم نامے وقتاً فوقتاً پہنچ جاتے تھے کہ محبان علیؑ جو حسینؑ کا ساتھ یقیناً دینگے قتل کردئے جائیں۔تاکہ ان میں سبھی قوتیں مفلوج ہوکر رہ جائیں ان پر ہیبت طاری ہوجائے اور یہ حسینؑ کی کسی آواز کا ساتھ نہ دے سکیں۔ان حکمناموں کو توان گورنروں نے اسطرح عملی جامہ پہنایا کہ آج تک اُمیہ ازم کا دامن داغدار ہے۔کتنوں کا قتل ہوا؟ ایک لمبی اندوھناک داستان ہے کتنے زندہ جلادئے گئے؟ ایک سسکتی ہوئی کہانی ہے۔کتنے تھے وہ جو حق کی پاداش میں تختہ دار پر لٹکائے گئے؟ ایک طویل حقیقت ہے جسکا ذکر آئندہ کبھی سہی۔

حوالہ جات

۱؎ باغ سادات، ڈاکٹر سید تجمل حسین شاہ نقوی البخاری

۲؎ سر الشہادتین، شاہ عبدالعزیز دہلوی

۳؎ شرح مشکوٰۃ، ج۵ ص۶۰۵ طہ مصر ؛ جامع ترمذی ج۲ ص۴۶۶

۴؎ جامع ترمذی، ص۴۶۷ طہ لکھنو؛ استیعاب ج۱ ص۱۴۵ ؛ صواعق محرقہ ص۱۱۴

۵؎ کنز العمال، ج۷ ص۱۰۷؛ تاریخ الخلفاء ص۱۲۸

۶؎ الاصابہ فی تمیز صحابہ، ج۲ ص۱۳ طہ مصر

۷؎ مشکوٰۃ شریف ج۸ ص۱۳۵ طہ لاہور

۸؎ مجربات غزالی ص۲۷۴

۹؎ کیمیائے سعادت ص۲۱۲

۱۰؎ مودۃ القربیٰ، میر سید علی ہمدانی ص۱۰۷

۱۱؎ حوالہ جات کیلئے مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ کریں: تفسیی کشاف، زمخشری، ج۲ ص۳۳۹ و ج۳ ص۲۰۴؛ ذخائر العقبیٰ، محبّ الدین طبری، ص۵۲؛ مطالب السول، ابن طلحہ شافعی، ص۸؛ تفسیر کبیر، فخر الدین رازی ج۷ ص۵۶۶؛ تفسیر حیان، ابوحیان ج۷ ص۶۱۵؛ فصول المھمہ، ابن صباغ المالکی ص۲۱؛ صواعق محرقہ، ابن حجر مکی ص۱۰۱؛ المستدرک، حاکم نیشاپوری ج۳ ص۱۷۱؛ تلخیص مستدرک، حافظ ذھبی ج۳ ص۱۲۷۔

۱۲ ارجح المطالب، مولانا عبیداللہ امرتسری ص۳۱۸

۱۳ ارجح المطالب، عبیداللہ امرتسری ص۳۰۸

۱۴ ارجح المطالب ص۲۰۳

۱۵ ینابیع المودۃ، شیخ اسلام قسطنطنیہ علامہ قندوزی ص۸۴؛ سعادت الکونین فی فضائل الحسنین ص۳۵

۱۶ ترمذی شریف ص۲۱۸؛ ینابیع المودۃ ص۱۶۶؛ وسیلۃ النجات ص۲۶۴

۱۷ اس حدیث کو امام احمد، ابن ماجہ، حاکمِ نیشاپوری اور دیلمی نے بھی نقل کیا ہے

۱۸ ارجح المطالب ص۳۰۳

۱۹ فلسفہ آل محمدؐ، سید ابن حسن رضوی حصہ اول ص۲۴ سے ص۲۸

۲۰ The History of the Arabs,Philip K Hitty P.196

واقعہ ہائلہ کی پیشنگوئیاں

بچپن ہی کا زمانہ تھا جب اس عظیم المرتبت ہستی کی شان اقدس دوش رسالتؐ پر پروان چڑھی۔ تاریخ حقائق سے مملو ہے۔قرن ہابیت گئے۔ظلم وتشدد کی طغیانیاں بار بار اُبھریں اوراپنے ساتھ زمانے کے ہرنشیب وفراز کو ناپید کرتی گئیں۔ دولت بنواُمیہ اعلاناً چاہ رہی تھی کہ ان ذوات قدسیہ کا نام صفحات تاریخ پر اندراج نہ ہوسکے۔ بنو عباس کی بھی یہی خواہش تھی کہ نسبی اعتبار کی منزلت بجائے ان حضرات گرامی کے ہماری تاریخ پر ثبت ہوجائے۔ لیکن واہ رے اللہ کی کریمی! ان کا ہر خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ دنیا جان رہی تھی کہ رسالتمابؐ کی بے پناہ عقیدتوں نے ان کے گردوہ فصیل تعمیر کی کہ استخلاف واجماع کیا جبر اور تشدد کی حوصلہ شکن آندھیاں بھی اس فصیل کو گرانہ سکیں۔ یہی شاید رسول اعظمؐ کے سامنے نظریہ رہا ہو کہ حسینؑ کی قدر ومنزلت اتمام حجت کیلئے سفر وحضر مسجد ومنبر پر لوگوں کے سامنے بیان کی جائے تاکہ آنے والی نسلیں یہ نہ کہیں کہ اجماع، استخلاف یا نص (Nomination) کے سامنے اُٹھنے والی گردن قلم کردینے کے مستحق تھی۔ اسلئے آنحضورؐ نے وقتاً فوقتاً امت کے سامنے اشارۃً، کنایتاً اور صراحتاً وہ تمام واقعات بتلائے جن سے ایک تو اُس عقیدے پر کاری ضرب لگ گئی جو یہ کہتا ہے کہ پیغمبرؐ مستقبل سے بے نیاز تھے یعنی علم مستقبل ان کو معلوم نہیں تھا اور دوسرا اُس گروہ کی نشاندہی فرمائی کہ جسکو عصر حاضرہ میں مغفور ومرحوم کہا جاتا ہے۔تعجب ہے کہ دور حاضرہ کی ارتقائی فکر میں بھی کھلی ہوئی حقیقتوں سے کنارہ کشی کی جاتی ہے،لیکن یہ دعویٰ شاید افراد عامہ پر عائد نہ ہوسکے اسلئے کہ ہرایک عبدالحلیم شرر، مرزا حیرت دہلوی یا محمود احمد عباسی نہیں ہے جو آنکھیں بند کرکے تاریخی حقائق کو مسخ کریں اور دنیا کو یہ باور کرنے کی کوشش کرین کہ حسینؑ اور خانوادہ حسینؑ کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اولوالامر خلیفہ کی نافرمانی کی وجہ سے ہوا۔ مجھے یقین ہے کہ بیسویں صدی کا تہذیب یافتہ طبقہ ان جیسی غلط بیانیوں کو دولت بنوامیہ کے دور تک ہی محدود نہ رکھے گا بلکہ اصل حق کی تجسس کرکے سنگ میل تلاش کریگا۔

وہ افراد جو اس رحل عظیم کے غیر معمولی واقعہ کو صرف حادثہ سے تعبیر کرتے ہیں وہ ذرا آنکھیں کھولیں اور دیکھیں کی باطل کجا است وحق کجا است۔

جناب رسالتمابؐ نے جو کچھ آنے والے لاثانی منظر کی نقاب کشائی فرمائی ہے غور سے پڑھئے اور جہالت تعصب اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر اصل حق کی تلاش کیجئے۔ دیکھئے کہ فرمایا کیا ہے؟ ہوا کیا ہے؟......اور فرمایا کن کیلئے

ہے؟ وہ پیشن گوئیاں جو دہن رسالت سے نکل کر ہم تک انگنت کتابوں سے پہنچی وہ ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں۔صرف تفکر اور تدبر کی ضرورت ہے۔ملاحظہ ہو:

۱۔ عن انس بن حارث قال سمعت رسول اللہؐ یقول ان ابنی ھٰذا یقتُل بارض العراق یقال لھا کربلا فمن شھد ذالک منکم فلینصر نہ فخرج انس بن حارث الی کربلا ء فقتل بھا مع الحسین(اخرجہ ابن السکن و البغون و ابن مندہ و ابو نعیم و ابن عساکر)۔

انس ابن حارث کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسالتمابؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ میرا بیٹا (یعنی امام حسینؑ)عراق کی زمین میں مارا جائے گا جس کو کربلا کہتے ہیں۔پس جو شخص تم میں وہاں موجود ہو اسکو چاہئے کہ وہ اسکی مدد کرے۔پس انس بن حارث امام حسینؑ کی رکاب سعادت میں نکلے اور وہاں شہید ہو گئے[۱]۔

۲۔ عن عائشہؓ ان النّبیؐ قال اخبرنی جبرئیل ان ابنی الحسین یقتل بارض طف وجاء نی بھٰذہ التربت و اخبرنی ان فیھا مضجعہ ۔

حضرت ام المومنین عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھ کو خبر دی ہے کہ میرا بیٹا حسین طف کی زمین پر مارا جائے گا۔اور یہ مٹی مجھے لا کر دی ہے اور اس پر ان کی قبر ہو گی[۲]۔

۳۔ واخرج البیھقیؓ عن ابی سلمہ بن عبدالرحمن ان الحسین دخل علی النّبیؐ و عندہ جبرئیل فی مشربت عائشہؓ فقال لہ جبرئیل ستقتلہ اُمتک و ان شئت اخبر تک بالارض الّتی یقتل فیھا و اشار جبرئیل بیدہ الی الطف بالعراق فاخذ تربۃ حمرآء فار آہ ایاھا ۔

بیہقی نے ابی سلمہ سے روایت کی کہ نبیؐ کے پاس حسینؑ آئے۔اس وقت آنحضورؐ کی خدمت میں حضرت عائشہؓ کے بالا خانہ پر جبرئیل تھے۔(حسینؑ کو دیکھ کر) جبرئیلؑ نے آپؐ سے کہا:عنقریب آپ کی اُمت اس کو(حسینؑ کو) شہید کر دے گی۔آپ اگر چاہیں تو یہ بھی آپ کو خبر دوں کہ وہ کونسی زمین ہے جس پر یہ شہید کئے جائیں گے۔اسکے بعد جبرئیلؑ نے ایک چٹیل میدان کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا اسکا نام طف ہے۔جبرئیل نے وہاں کی سُرخ خاک اُٹھائی اور آپ کو دکھائی[۳]۔

۴۔ اخرج ابو داؤد والحاکم عن ام الفضل بنت الحارث ان النّبیؐ قال اتانی جبرئیلؑ فاخبرنی انّ اُمتی سیقتل ابنی ھٰذا یعنی الحسینؑ واٰتانی تربت حمرء۔

یعنی ابوداوٗد اور امام حاکم نے روایت کی ہے کہ ام الفضل بنت حارث نے بیان کیا کہ فرمایا رسالتمابؐ نے کہ میرے پاس جبرئیل امین آئے اور مجھے آگاہ کیا کہ عنقریب میری اُمت میرے بیٹے حسینؑ کو قتل کرے گی اور جبرئیلؑ نے ان کی قتلگاہ کی سرخ مٹی بھی مجھے لا کر دیدی[۴]۔

۵۔ عن عائشہؓ او ام سلمہؓ ان النّبی قال لقد دخل علی البیت ملک لم یدخل علیّ قبلھا فقال ان ابنک ھٰذا الحسین مقتول و ان شئت اریتک من تربۃ الارض التی یقتل بھا قال فاخرج تربت حمراء ۔

حضرت عائشہؓ یا ام سلمہؓ سے جناب رسالتمابؐ نے فرمایا کہ میرے پاس اس گھر میں اس وقت وہ فرشتہ آیا جو اس سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ آپ کا یہ فرزند حسینؑ قتل کیا جائے گا۔ اگر آپ چاہیں تو میں اس جگہ کی مٹی بھی آپ کو دکھاؤں گا۔ پھر اس ملک نے وہاں کی سرخ مٹی لا کر دکھائی [۵]۔

۶۔ ایک دن جناب سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمہ زہراؑ نے دونوں شہزادوں (حسنؑ حسینؑ) کیلئے دو کُرتے سی کر پہنائے اور سنوار سنگھار کر حضور نبی کریمؐ کی خدمت میں بھیجا۔ جناب رسالتمابؐ نے دونوں شہزادوں کو گلے سے لگایا اور پیار کیا۔ پھر آپؐ کی نگاہ اقدس ان کے پیراہن کے گریبان پر پڑیں جو نہایت ہی تنگ تھا۔ آپ نے یہ دیکھ کر تکمہ فوراً کھول دیا۔ تنگی گریبان کی وجہ سے امام حسینؑ کے گلے پر سرخ نشان پڑ گیا تھا۔ یہ حال دیکھ کر آپؐ کا دل دکھا اور آنسوں جاری ہوگئے۔ فوراً جبرئیل امین نازل ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک نشان حسینؑ کے گلے پر دیکھا اور اسقدر کبیدہ خاطر ہو کے آنسوں نکل آئے لیکن اس دن آپ کو کتنا دکھ، کتنا رنج اور کتنا قلق ہوگا جب اشقیاںِ امت حسینؑ کے گلے پر خنجر پھیر کے اسکو قتل کریں گے اور سر مبارک بدن سے جدا کریں گے۔ یہ سنکر آپ بے تاب ہو کر رونے لگے [۶]۔

۷۔ حسینؑ جناب رسالتمابؐ کے پیٹ پر سورہے تھے۔ امہ سلمہؓ بیان فرماتی ہے کہ میں اُس حجرہ میں داخل ہوئی جہاں رسالتمابؐ تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے ہاتھوں میں کوئی شی ہے کہ جسکو آپ پھرا رہے ہیں۔ آنکھوں سے آنسوں سیل رواں کی طرح بہہ رہے ہیں۔ آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ جبرئیل اس زمین کی مٹی لائے تھے جس پر میرا حسینؑ قتل کیا جائے گا اور مجھے یہ بھی خبر دی ہے کہ میری امت حسینؑ کو قتل کردیگی [۷]۔

مندرجہ الصدر روایات سواد اعظم کی معتبر ترین کتابوں میں موجود ہیں۔ قیل وقال یا لیت لعل کہہ دینا حق سے انحراف کرنا ہے۔ ہم نے بہ خوف طوالت چند ایک کا ذکر کیا ہے ورنہ اسلامی تاریخیں ان جیسی روایتوں سے مملو ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جناب رسالتمابؐ کیوں ایسی پیشنگوئیاں فرماتے رہتے تھے؟ گو کہ مورخین نے اس بات کا جواب دیا ہے لیکن پھر بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ افراد عامہ کے سامنے ان جوابات کا ملخص پیش کیا جائے۔

الاول:۔ اصحاب کے سامنے کہنے کی اگر چہ انگنت وجوہات ہیں پھر بھی چند کا ذکر نا گز یر نہیں ہوگا۔

۱۔ رسالتمابؐ کی ہمیشہ یہی خواہش رہی ہے کہ دین اسلام دنیا کے تاریک ترین گوشوں پھیلے اور اسکا یہ پھیلنا قرآنی طرز کے مطالبہ کا آئینہ دار ہو۔ قرآنی سے ہٹ کر نہ پھیلے۔ یعنی قرآن نے جو اصول پیش کئے ہیں انکو اپنا

کر دین اسلام کو فروغ حاصل ہو۔ آداب حکمران، طرز معاشرت اور اصول مملکت قرآن کے دستور حیات کے عین مطابق ہو۔

۲۔ اسلام اسلامی نمائندے ہی کی حقیقتاً رہبری کرسکتا ہے اور یہ اسلامی نمائندہ سرتاپا اسلامی ہو۔ اس میں ذرہ برابر کفر وشرک کی آمیزش نہ ہو ورنہ اسلامی دستور حیات کا اپنانا اسکے لئے ناممکن ہوگا۔

۳۔ انسانی اقدار کی صحیح پوزیشن کے نشیب وفراز کی واقفیت رکھتا ہو۔ جبن اور تہور کا اس میں ذرا سا بھی شائبہ نہ ہو ورنہ اسکی آواز کفر کے سنگلاخ دلوں میں شگاف نہیں ڈال سکتی ہے۔

مندرجہ الصدر مفاہیم از بس کہ اسلامی حکمرانوں کے لئے لابدی تھے لیکن سلطنت بنوامیہ اور بنوعباس میں ان کا فقدان تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی طالع آزمارسہ کشی پر اُتر آئے کہ نبوت اور رسالت کا متحمل صرف وہی فرد ہوسکتا ہے۔ جو ا ۲ ۳ کا پورا پورا حقدار ہے۔ لیکن تقدیر کی ستم ظریفی دیکھیے کہ حُب جاہ اور طلب اقتدار نے ان کی بصارت سے وہ قوت تمیز بھی چھین لی کہ وہ حسینؑ اور خود میں امتیاز کر لیتے۔ بعد میں اس گناہ کے مرتکب ہوئے جس کی تلافی کبھی بھی کی نہیں جاسکتی ہے۔ رسولؐ کا بار بار فرمانا صرف ایک ''تنبیہ'' تھی اور یہ تنبیہ صرف ان لوگوں کے لئے تھی جو بقول جناب امیر **یخضمون مآل الله خضمل الابل نبته الرّبیع** (مالِ خدا پر اس طرح ٹوٹ پڑے جس طرح پہاڑ کی گھاس پر اونٹ ٹوٹ پڑتے ہیں) پیغمبرؐ عربی اصحاب ورفقاء کا کس بل دیکھ رہے تھے لیکن ہر طرف کی خاموشی کیا بتلا رہی ہے؟ اور جب یہ واقعہ پیش آیا کتنے تھے کہ جنہوں نے سنا؟ محدیث تھے۔ مخاطبین نہ سہی تابعین تو تھے؟ مگر کون تھا کہ جو پروانے کی طرح گت کر کے فنا کی آغوش میں سو جاتا؟۔

الثانی:- یحرم علی الواعظ ذکر مقتل حسن وحسینؑ لانه یهیج علی بغض الصحابه۔

ہمارے واعظ پر حسن وحسینؑ کے مقتل کا ذکر کرنا حرام ہے اسلئے کہ اس سے بغض صحابہ ہیجان میں آجاتا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے ہیں کہ امام غزالی کا یہ فقرہ کہاں تک درست ہے۔ اگر **الصحابة کلهم عدول** کی حصار اس حدیث کی اردگرد کھینچی جائے تو معاملہ نہایت ہی نازک مرحلے میں داخل ہوگا۔ قطع نظر اسکے پھر کیا وجہ تھی کہ رسولؐ کی ان عظیم الشان ہستیوں کو جب مصائب سے دوچار ہونا پڑا مدینہ ومکہ کے صحابہ کبار الگ ہٹ گئے؟ کیا انہوں نے آنحضورؐ کی یہ حدیث نہیں سنی تھی **فمن شهد ذالک منکم فلینصر نه** جو بھی اس وقت موجود ہوگا وہ اسکی مدد کرے۔ اس تحکیمی حدیث کے باوجود بھی یہ تمام کے تمام ہاتھ پر ہاتھ کیوں دھرے بیٹھے؟ رسول اللہؐ کی تو یہی خواہش تھی کہ حدیث تو ان کو بتادیئے جائیں اور حسینؑ کی نصرت پر ان کو امادہ کر دیا جائے تاکہ بعد میں کوئی یہ نہ کہے کہ اگر ذرا سا اشارہ کیا گیا ہوتا تو یقیناً نصرت کی جاتی۔ لیکن باوجودیکہ صراحت تھی پھر بھی حسینؑ کی امداد کا کیا حسینیؑ نعرہ میں موافقت پیدا نہ کرسکے۔ اب ملت اسلامیہ کا اس بارے میں کیا جواب ہوگا اُن نفوس کو اسلام کے کس زمرے میں جگہ

دیدی جائے جن میں بغض اور انحراف کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا؟ اگر ان حضرات کو کچھ بھی احادیث رسولؐ کا پاس ہوتا تو بنوامیہ کی اقتدار طلبی سے لیکر بنوعباس کے حرص و ہوا تک کی بے چینیوں کا سد باب ہوا ہوتا لیکن ایسا نہیں ہوا اور اس نہ ہونے نے اُمت اسلامیہ کو آداب حکمرانی، طرز معاشرت اور اصول مملکت کے قوانین سے ایسے محروم کر دیا کہ یونانی قوانین بازنطینی اصول اور کسروی آداب حکمرانی، اسلامی ڈکشنری میں داخل ہو گئے۔

حوالہ جات

۱ ارجح المطالب، عبیداللہ الامرتسری، باب سیوم ص ۲۸۵

۲ وہی مآخذ

۳ سر الشہادتین، شاہ عبدالعزیز دہلوی ص ۸۲

۴ کنز العمال، ملا علی متقی ج ۶ ص ۲۲۳؛ صواعق محرقہ، ابن حجر مکی ص ۱۶۹

۵ مسند احمد حنبل ج ۶ ص ۴۹۶

۶ عناصر الشہادتین ص ۱۲۴

۷ مقتل خوارزمی ج ۱ ص ۱۵۸

فصل ٤

حسینؑ اور بنو امیہ

بنی ہاشم اور بنی امیہ

دومتصادم Cause (نظریہ)، دومسلک اور دونصب العین کیلئے ہمیشہ اجتماع نقضین منطق میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جس طرح گرم اور سرد، بہار وخزان، رات اور دن ہمیشہ متصادم چلے آرہے ہیں بعینہ اسی طرح ہاشم☆ اور امیہ چلے آئے۔ جس طرح نار ونور میں ہمیشہ ایک گہری خلیج حائل رہی اسی طرح ہاشم اور امیہ میں یہ ناقابل تسخیر خلیج حائل رہی۔ چنانچہ اس منافرت کی داستان مندرجہ ذیل واقعے سے شروع ہوتی ہے۔

قال ابن لاثیر الجزری فی الکامل ان عبدالشمس و ھا شما توامان و ان احدھما ولد قبل الاخر و اصبع لہ ملتصقۃ بجبھۃ صاحبہ فحیت فسال الدم فقیل یکون ینھما دم وولیٰ ھاشم بعد ابیہ عبد مناف ماکان الیہ من السقایہ و الرفادۃ فجسدہ امیہ بن عبدالشمس علیٰ ریاستہ الی ان قال فکانت ھذہ اول عدواۃ وقعت بین ھاشم و امیہ۔

ابن اثیر تاریخ کامل میں تحریر کرتے ہیں کہ عبدمناف کے دو بیٹے عبدالشمس اور ہاشم جوڑواں پیدا ہوگئے اور ایک کی انگلی دوسرے کے ساتھ چسپاں تھی جسکو جُدا کیا گیا تو خون جاری ہوا۔ لوگ اسکو بدشگونی سمجھ کر کہنے لگے کہ ان دونوں کی نسل میں خونریزیاں ہونگی۔ جب ہاشم اپنے باپ کے بعد انکی ریاست سقایہ اور رفادہ کے رئیس اور ولی ہوئے تو امیہ بن عبدالشمس کے دل میں ہاشم کی جانب سے حسد پیدا ہوا اور عداوت ان دونوں خاندانوں میں واقع ہوئی اور اس قضیہ کی ابتدا یہ تھی[1]۔

اس آنے والے فتنے کی اساس ہی جب فتنہ ہو تو فتنہ کیسا مہیب، خطرناک اور تباہ کن ہوگا۔ چنانچہ ابھی فتنہ لڑکپن میں ہی ہے۔ شباب نہیں آیا اور جب شباب آیا تو ابوسفیان بن کے رونما ہوا۔ تاریخ کا ہر طالب علم بخوبی جانتا ہے کہ ہاشم کے مقابلے میں بنوامیہ نے کیا کیا رول ادا کیا۔ ایک طرف ہاشم کے روپ میں محمد عربیؐ جلوہ گر ہوئے اور دوسری طرف عبدالشمس کے روپ میں ابوسفیان رونما ہوا۔ ہم آنحضرتؐ کی نبوت ورسالت کے مقابلے میں ابوسفیان کا مختصر سا خاکہ پیش کریں گے جو سراسر تاریخی حقائق پر مبنی ہوگا۔

☆ حسینؑ چونکہ ہاشمی خانوادہ کی برگزیدہ ہستی تھی اسلئے بجائے حسینؑ کے ہاشم لکھ لیا گیا ہے اور یزید کو بنوامیہ میں دکھایا گیا ہے۔

دوراندیش پیغمبرؐ کی دوراندیش باتیں

ان رسول الله رأى فى منامه بنى اُميه يطؤ ن منبره نزر القردة فشق زالک عليه فانزل الله انا انزلناه فى ليلة القدر الخ۔

جناب رسولؐ خدا نے خواب میں دیکھا کہ بنی اُمیہ یکے بعد دیگرے حضرت کے منبر پر اچک رہے ہیں جیسے بندر اُچکتے ہیں۔ حضرت کو اس سے تکلیف ہوئی۔ اس وقت خدا نے سورہ قدر نازل فرمایا۔[۱]

عبدالرحمٰن ابن عوف حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ **السنا كنا فيما نقرء** ۔کیا ہم (مندرجہ) یوں آیت نہیں پڑھا کرتے تھے۔**وجاهدو فى الله حق جهاده فى اٰخر الزمان كما جاهد تم فى اوله** ۔راہ خدا میں آخری زمانے میں پوری طرح جہاد کرو جیسا کہ تم ابتدا میں کرچکے ہو۔ ابن عوف نے کہا ہاں یونہی پڑھتے تھے لیکن یہ تو بتائے کہ آخری زمانے سے کیا مراد ہے اور یہ وقت کب آئے گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا **اذا كانت بنو اُميه الامراءُ و بنو المغيره الوزراء** جب بنی اُمیہ حاکم ہوں اور بنومغیرہ وزراء۔[۲]

قال ابو هريره سمعت رسول الله قال ليرتقين جبار من جبابرة بنى اُميه منبرى هٰذا

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میرے منبر پر بنی اُمیہ کا ایک جابر چڑھے گا۔[۳]

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حکم اموی قرآن اور میری سنت کی مخالفت کرے گا اور اسکے صلب سے ایسے فتنے نکلیں گے جن کا دھواں آسمان تک پہونچے گا اور آج کل بھی ان کے پیرو تم میں بکثرت موجود ہیں۔[۴]

دوسری حدیث میں ہے کہ عنقریب میرے اہل بیت میرے بعد میری اُمت سے قتل و غارت دیکھیں گے اور ہمارے سب سے زیادہ دشمن بنواُمیہ، بنومغیرہ اور بنومخزوم ہیں۔[۵]

جناب رسالتمابؐ نے فرمایا کہ جو سب سے پہلے میری سنت کو تبدیل کرے گا وہ شخص بنواُمیہ سے ہوگا جس کا نام یزید ہوگا۔[۶]

جناب رسالتمابؐ نے فرمایا کہ میری اُمت میں ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جس طرح بنی اسرائیل میں آیا تھا جیسا کہ جوتا ایک پاؤں کا دوسرے پاؤں کے برابر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ کسی نے اپنی ماں سے زنا کیا تو میری اُمت

میں بھی ایسا ہی ہوگا۔[۷]

لایـزال امـر هٰـذا لامة قائماً بالقسط حتی یکون اول* مـن یثلـمه رجل من امیه یقال له یزید۔

میری اُمت کا ہر امر حکم عدل کے ساتھ قائم رہے گا یہاں تک کہ پہلا شخص اِسے تباہ کردے گا وہ بنو اُمیہ سے ہوگا جسے یزید کہا جائیگا[۸]۔

آپ ان احادیث کا نگاہ حق سے جائزہ لیں۔ کیا حرف بحرف پورے اُترے ہیں۔ کہہ دیجئے ان کو کہ پیغمبر اکرمؐ مستقبل سے بے خبر تھے۔ آپ حق پسند ہیں اور تقاضائے حق پسندی یہی ہونا ہونا چاہئیے کہ وہ ان واقعات کو حقیقت میں دیکھ کر اس پر ایمان رکھے کہ رسالتمابؐ تاروز قیامت زمانے کے ہر جزر ومد، عامۃ الناس کے ہر اتار و چڑھاؤ اور دین کے ہر نشیب وفراز سے واقف تھے۔ باخبر تھے اور انکے علم میں تھا۔ اب چاہئے یہ خداوند کریم کی طرف سے آگاہی ہوئی ہو یا بنفس نفیس یہ ارشادات فرمائے ہوں۔ اول الذکر تو وحی ہوئی جس سے انکار قرآن کے انکار کے مترادف ہوگا و آخر الذکر رسالت عظمٰی کی عصمت مطلقہ کے فرامین ہونگے۔ لہٰذا اس سے انکار کرنا بعینہ رسولؐ اللہ کی ذات سے انکار ہوگا اور غالباً یہ کسی بھی مسلمان کے دائرے اختیار میں نہیں ہوگا اور نا ہی ہونا چاہئے۔

---

* **اول مـن یثلمه** : اگرچہ تخصیص زمانے پر دلالت کرتا ہے لیکن اِس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہئے کہ فقط یہ یزیدی دور سے ہی شروع ہوجائے گا بلکہ متواتر احادیث واخبار سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچی ہے کہ جناب رسالتمابؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی فتنے شروع ہوگئے۔ ہم چند ایک کا رفع اشتباہ کیلئے ناظرین کرام کی خاطر ذکر کریں گے۔

یاعلیؑ ضغائن فی صدور قوم لا یبدو نهاالا من بعدی : اے علی! لوگوں کے دلوں میں تیری طرف کینے بھرے ہوئے ہیں۔ میرے بعد یہ لوگ ظاہر کریں گے۔ (نورالابصار شبلنجی ص۷۱۔ ینابیع المودۃ ص۲۷۲۔ کنزالعمال جزء۶ ص۴۰۸ حدیث ۶۱۵۸)

وہ کینے کیا تھے جو بعدِ وفات رسولؐ ظاہر کردئے گئے؟ اگر طبع نازک پر گراں نہ گذرے تو چند کا ذکر کریں، فتنوں کی لاتحصیٰ فہرست لکھنی مطلوب نہیں ہے۔

۱) گلے میں رسی باندھ کر دربار میں لیا جانا۔
۲) باب فاطمہؑ پر آگ لیکر آنا
۳) قضیہ فدک اور مانعین میراث
۴) خلافت کو حوالہ شوریٰ کرنا
۵) دولت کا بے جا اصراف
۶) جنگ جمل
۷) جنگ صفین
۸) ملوکیت کی آخری حد جو نئی حد کی ابتدائی منزل بنی۔
۹) تاریخ کا سانحہ عظمٰی جو اس فتنے کا آخری اور حتی مہیب چہرہ تھا۔

اسے ۹ تک کیا گذرا۔ عامۃ الناس پر کیا بیتی اقوال وارشادات کا کیا ہوا۔ بدعتوں کا ظہور کس طرح ہوا ایک سسکتی ہوئی طویل کہانی ہے۔ جسکے واقعات بھی صحیح ہیں اور کردار بھی عین حق وصداقت ہیں۔

حوالہ جات

۱ تفسیر فخر الدین الرازی طبع استنبول ص ۱۵۹۴
۲ تفسیر در منثور، علامہ جلال الدین سیوطی ج ۶ ص ۳۷
۳ مسند احمد حنبل ج ۲ ص ۳۸۵
۴ کنز العمال، ملا علی متقی جزء ۶ حدیث ۶۹۶
۵ ایضاً حدیث ۷۰۵
۶ صواعق محرقہ ص ۱۳۹
۷ مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۲۲
۸ البدایہ ونہایہ، ابن کثیر دمشقی ج ۸ ص ۳۱

بنواُمیہ اوراہالیانِ تاریخ

۱)ابوسفیان نے بار بار رسول اسلامؐ کے ساتھ لڑائیاں لڑیں۔۷۰ مہاجرین وانصار کو قتل کر دیا جن میں جناب رسالتمابؐ کے عم بھی شامل ہیں (یعنی حمزہؓ)[2]۔

۲)آنحضورؐ کو کسی نہ کسی طریقے سے ابوسفیان اذیت پہونچاتا تھا۔خطوط بڑی بے شرمی سے آنحضورؐ کو لکھا کرتا تھا[3]۔

۳) جو پرچمِ بغاوت اسلام کے خلاف بلند کر دیا گیا اس کے ایما پر ہوا۔یہی ان کا رئیس اور قائد ہوا کرتا تھا۔بدر،احد،خندق میں یہی C.N.C کمانڈر انچیف تھا[4]۔

۴) فتح مکہ میں عباسؓ عموی پیغمبر اسلامؐ سے کہا کہ تیرے بھائی کو تو اب سلطنت عظیم بن گئی۔تو عباسؓ نے جواب دیا کہ یہ سلطنت دنیوی نہیں ہے بلکہ سراسر سلطنت خداو نبیؐ ہے[5]۔

۵)ابوسفیان نے خباثت پدروجد سے ورثہ میں پائی تھی اوراس خباثت پر اسکے اسلام ظاہری نے پردہ ڈال دیا تھا۔جنگ حنین میں جب اسلامی لشکر کے پاؤں اُکھڑ گئے تو ابوسفیان نے خوش ہوکر چلایا کہ انکا یہ فرار سمندر سے آگے قطعی نہیں ہے۔آج تو ان کا طلسم ٹوٹ گیا[6]۔

۶)ابوسفیان نے زندگی بھر اسلام کی دوستی نہیں کی بلکہ ہر وقت دشمنی پر ڈٹا رہا۔جب اسلام کی جنگ روم سے ہوئی تو جب رومی غالب آئے تھے تو خوش ہوکر کہتا تھا:اچھا ہوا اور جب اسی جنگ میں مسلمانوں کا پلڑا بھاری ہوجاتا تھا تو اندوھناک ہوجاتا تھا[7]۔

۷)جب حضرت عثمانؓ نے زمام خلافت ہاتھ میں لے لی تو ابوسفیان حضرت علیؑ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگا:

یا بنی اُمیه تلقفوها تلقُّف الکره فوالذی یحلف به ابوسفیان مامن عذاب ولا حساب ولا جنةٍ ولانار ولا بعث ولا قیامة۔

یعنی اے بنوامیہ!اب خلافت کی گیند ہمارے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔اب اسکو اچھی طرح اچھالو جدھر چاہو اسکو موڑ۔دو!قسم اسکی جس کی ابوسفیان قسم کھاتا ہے ابوسفیان ناہی جنت وجہنم کا قائل ہے ناہی بعثت بعدالموت اور ناہی قیامت وحساب کا قائل[8]۔

تاریخیں کہتی ہیں کہ اسکے بعد ابوسفیان حضرت حمزہؓ کی قبر پرآئے اور لات مار کے کہا حمزہ!کل جو حکومت

تمہارے ہاتھ میں تھی آج ہمارے ہاتھ میں ہے۔ تمیم اور بنی عدیؓ سے زیادہ ہم سزاوار تھے [۹]۔

یہ تھے ابوسفیان۔ آیئے تھوڑا سا تعارف اسکے فرزند ارجمند کا بھی سنئے تا کہ اذھان عامہ کے مختلف شبہات کا قلع قمع کیا جا سکے۔ میں دعا یہی کروں گا کہ اللہ ان کو حق پہچاننے میں توفیق عنایت فرمادے۔

معاویہ ابن ابی سفیان نے اپنے دور اقتدار میں اصحاب رسولؐ کے ساتھ جو کچھ کیا تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔ ان تمام کارناموں کا مختصر سا خاکہ ناظرین کرام کی سمع خراشی کیلئے پیش کیا جاتا ہے۔

۱) معاویہ ابن ابی سفیان بن حرب بن اُمیہ ابن عبدالشمس بن عبد مناف بن قصی ابن کلاب اور اسکی ماں ہندہ (جگر خوار) بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبدالشمس بن عبد مناف ہے [۱۰]۔

۲) جب امام حسنؑ نے خلافت سے کنارہ کشی فرمائی تو معاویہ کا دور شروع ہوا اور اِس سال کو عام الجماعت کہتے ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اس سال کو تفرقہ، ظلم اور جور نام رکھدیا جاتا کیونکہ اس سال خلافت کسرانیت وقصیریت میں تبدیل ہوگئی [۱۱]۔

۳) ابوذر غفاریؓ نے معاویہ کے دربار کی شان وشوکت اور جاہ وتجمل دیکھ کر جب مدینہ کی طرف آواز بلند کی تو معاویہ نے ان کو مدینہ بے کجاوہ اونٹ پر بھیج دیا [۱۲]۔

۴) ابوذر غفاریؓ کو بنو اُمیہ نے ٹڈی کا لقب دیا [۱۳]۔

۵) یہی وہ لوگ تھے جن کو پیغمبرؐ عربی نے ضلالت وگمراہیت سے نکالا تھا۔ ان کا بعد کا غلبہ ظلم وجور سے ہوا۔ انہوں نے اصحاب پیغمبرؐ کے ساتھ نہایت ہی بُرا سلوک کیا [۱۴]۔

۶) معاویہ لباس ریشم پہنتا تھا۔ سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھاتا تھا۔ اصحاب رسولؐ ابودرداؓء نے اس پر اعتراض کر کے کہا کہ میں نے رسولؐ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو بھی کوئی شخص ان امورات کو بجالائے تو خداوند کریم اس کے پیٹ کو جہنم کی آگ سے پُر کردے گا۔ معاویہ نے جواب دیا لیکن میں تو اس میں کوئی قباحت نہیں دیکھتا ہوں [۱۵]۔

۷) معاویہ نے شام کے دوافراد کو دو کیسہ طلا دیکر کہا کہ وہ عمار یاسرؓ کا سر کاٹ لیں۔ انہوں نے یہی کیا اور ان کا سر معاویہ کو پیش کیا گیا۔ معاویہ نے شادی منائی [۱۶]۔

۸) معاویہ نے سلاطین روم کا طرز طریق دربار میں رائج کیا [۱۷]۔

۹) حضرت عمار یاسرؓ کی شہادت کے بعد یہ معلوم ہوگیا کہ حق علی ابن ابی طالبؑ کے ساتھ تھا اور باغی معاویہ تھا اور یہ محدثین کے نزدیک صحیح ترین روایت ہے [۱۸]۔

۱۰) **وتواتر الرویات عن النّبی انه قال لعمار تقتلک الفئة الباغیه** ۔ نبیؐ کی اس روایت

میں تواتر ہے کہ عمار کو باغی گروہ قتل کریگا[۱۹]۔

۱۱) حضرت علیؑ کے لشکر میں عمار بن یاسرؓ قتل کئے گئے۔ یہ سابقین اولین اور اہل بدر میں شامل تھے اور نجیب صحابہ میں داخل تھے۔ ان کے لئے جناب رسالتمابؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ فرزند سمیہ تم کو باغی گروہ قتل کریگا[۲۰]۔

۱۲) کہتے ہیں کہ معاویہ کے پاس جب عمار بن یاسرؓ کے قتل کی خبر پہونچی اور عمر بن عاص نے آنحضورؐ کا ارشاد جو عمار بن یاسرؓ کے متعلق تھا سنایا تو فوراً معاویہ نے کہا کہ کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے۔ ان کو تو اس نے قتل کیا ہے جو اُن کو میدان جنگ میں لایا تھا[۲۱]۔

۱۳) ملا علی قاری کہتے ہیں کہ جب یہ خبر حضرت علیؑ کو پہونچی تو انہوں نے فرمایا کہ اس طرح کی تاویل سے تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آنحضورؐ نے حمزہ کو شہید کردیا[۲۲]۔

۱۴) معاویہ نے اپنے لئے محافظی دستے مقرر کئے اور تخت کو بلند کیا۔ لوگ اسکے زیر ممبر بیٹھنے لگے۔ نصرانی کو استخدام کتاب پر مامور کیا اور اموال مردم اپنے لئے رکھے اور کہتا تھا کہ میں پہلا بادشاہ ہوں[۲۳]۔

۱۵) معاویہ ہی وہ پہلا شخص تھا کہ جس نے جناب رسالتمابؐ کے معراج کو خواب سے تعبیر کیا[۲۴]۔

۱۶) معاویہ نے عمار یاسرؓ کو قتل کیا اور اسکے بعد مالک اشترؓ کو۔ اسکے بعد منبر پر کہا کہ علیؑ کے دو ہاتھ تھے۔ ایک صفین میں (عمار یاسرؓ) قطع کیا اور دوسرا مصر میں یعنی مالک اشتر[۲۵]۔

۱۷) معاویہ نے امام حسنؑ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث کو اُکسایا کہ وہ اپنے شوہر کو زہر دیدے اور اس نے اسکی باتوں میں آکر امام حسنؑ کو زہر دیا۔ معاویہ نے امام حسنؑ کی خبر سنکر مسرورانہ انداز میں سجدہ کیا[۲۶]۔

۱۸) علی ابن ابی طالبؑ اور ان کے فرزندان و محبان پر معاویہ ہی نے سب وشتم کا سلسلہ واجب قرار دیدیا[۲۷]۔

اس بھیانک جرم کو اسی کتاب کے آخری صفحات پر ملاحظہ کریں۔

۱۹) کاتب وحی کی حدیث معاویہ کے بارے میں صحیح نہیں[۲۸]۔

۲۰) معاویہ نے جناب رسالتمابؐ پر بھی سب وشتم کیا جیسا کہ ام المومنین ام سلمہؓ کے اس خط سے معلوم ہوتا ہے جو آپ نے معاویہ کو تحریر فرمایا تھا اور وہ خط یہ ہے **انکم تلعنون الله ورسوله علی منابرکم وذالک انکم تلعنون علی ابن ابی طالب ومن احبه وانا اشهد ان الله احبه ورسوله**[۲۹]۔

مندرجہ حوالہ جات سواد اعظم کی معتبر ترین تاریخوں سے استنباط ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ پھر بھی ان کو رضی اللہ عنہم کہہ کر جنت کی بشارت دی جائے۔ ورنہ حقیقت دیکھے گا تو خلافت منہاج النبوۃ کی عمارت میں ایسا شگاف ملے گا جو نا ہی رضی اللہ عنہم سے پُر ہوسکتا ہے اور نا ہی تعصبیت سے۔ ان احادیث اور روایات کا مقصد نا ہی کسی

خاص فرقے پر ضرب ہے اور نا ہی نفرت وعناد پھیلانا بلکہ طالبان حق کو حق کا راستہ بتلانا مقصود ہے۔

نہ از ساقی نہ از پیمانہ گفتم　　　حدیث عشق بیباکانہ گفتم
شنیدم آنچہ از پاکان است　　　ترا با شوخی رندانہ گفتم

یہ تھے مظالم معاویہ کے دور میں اور یہ تھیں بدعات جو رائج کر دی گئیں۔اس متلاطم اور تباہ کن دور میں حسینؑ کا کیا کردار رہا ہوگا؟ وہی جو ابوسفیان کے مقابلے میں حضورؐ کا رہا۔معاویہ کے مقابلے میں علیؑ کا رہا اور اسی معاویہ کے مقابلے میں حسنؑ کا رہا۔حسینؑ ان کے کردار کو بخوبی جانتے تھے۔اس لئے کہ آپ حضورؐ،علیؑ اور حسنؑ کے کردار کے آئینہ دار تھے۔کوئی تاریخ،کوئی حدیث یا کوئی خبر پیش کر دیجئے کہ جس میں ان ذوات مقدسہ کا رول دائرہ اسلام سے ہٹا ہوا ہو۔ **فان لم تفعلوا و لن تفعلوا** !ایسا نہیں کر سکو گے اور کبھی بھی نہیں کر سکو گے۔

رسول اللہؐ کی وفات کے بعد اُمت نے جو کچھ ان نفوس قدسیہؑ کے ساتھ کیا وہ تو عیاں ہے۔معاویہ نے تو اس پر اور طرح ڈالی وہ یہ کہ اس نے دمشق کے سٹیج پر اسکی عکاسی کی اور وہ بھی اعلاناً۔اصحاب رسولؐ بار بار بگڑے،بار بار معارضہ کیا لیکن معاویہ ہر وقت اُن کے احتجاج کو ٹھکرا گیا۔معاویہ جانتا تھا کہ راہ کے کانٹے اگر جعل وفریب سے ہٹ نہ جائیں تو دولت کے بعد زہر کے خاموش جام سے ہٹ سکتے ہیں۔لہٰذا وقت مرگِ اسکو یہی کھٹکا دل میں تھا کہ کسی طرح سے حسینؑ قابو میں آئیں۔چنانچہ اس نے سر دھڑ کی بازی لگا کر اس کام کو انجام دینا چاہا لیکن حسینؑ تھے کہ جنہوں نے اسکی تمام خواہشات پر پانی پھیر دیا۔

حوالہ جات

۱۔ تاریخ احمدی بحوالہ تاریخ الکامل،نواب شیخ احمد حسین خان صاحب بہادر،ص ۶
۲۔ النزاع والقاصد فیما بین بنی امیہ وہاشم،علامہ مقریزی،طہ نجف،ص ۱۷
۳۔ وہی ماخذ ص ۱۸؛ مجموعہ الحقائق السیاسیۃ،ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدر آبادی استاد دانشگاہ پیرس طہ مصر
۴۔ تاریخ طبری ج ۸ ص ۱۸۵
۵۔ الامام علیؑ،جرج جرداق مسیحی ج ۳ ص ۱۷۷؛ ابوالشہداء،عباس محمود العقاد طہ ۲۱ ص ۲۷
۶۔ ابوالشہداء الامام الحسینؑ،عباس محمود العقاد طہ جدید فارسی ص ۲۸
۷۔ تاریخ دمشق تالیف ابن عساکر ج ۵ ص ۳۵۶
۸۔ الاغانی ج ۶ طہ مصر ص ۹۹؛ النزاع وتخاصم،مقریزی ص ۲۰؛ امام علی ابن ابی طالبؑ،عبدالفتاح عبدالمقصود ترجمہ فارسی ج ۲ ص ۲۴۹
۹۔ شرح نہج البلاغہ،ابن ابی الحدید معتزلی ج ۴ ص ۵۱؛ الغدیر،علامہ امینی ج ۱۰ ص ۸۳؛ الامام علی جورج جرداق ج ۴ ص ۷۷

الامام علی ابن ابی طالبؑ، عبدالفتاح عبدالمقصود، ج۲ص۲۵۳

۱۰ تاریخ طبری ج۴ص۲۴۲

۱۱ رسائل جاحظ طہ مصرص۲۹۴؛ النزاع والتخاصم ص ۶۵

۱۲ ادائرۃ المعارف، فرید وجدی ج۶ص۱۶۵؛ مروج الذہب، مسعودی ج۲ص۳۴۴؛ ابوذرغفاری ص۱۴۸

۱۳ الامامت والسیاست ص۷۱۵ مرتبہ رئیس احمد جعفری

۱۴ تاریخ سیاسی اسلام، پروفیسر نکلسن ج۱ ص۳۰۸ طہ ایران

۱۵ الامام علی جورج جرداق مسیحی ج۲ص۷۷۵

۱۶ تشریح ومحاکمہ فی تاریخ آل محمد، بہلول بہجت افندی ص۱۰۲

۱۷ تاریخ تمدن اسلام والعرب، ڈاکٹر گوستالوبون ص۱۶۷

۱۸ الاستیعاب ج۲ص۴۲۴؛ الاصابہ فی التمیز الصحابہ ج۲ص۵۸۶

۱۹ تہذیب التہذیب، ابن حجر عسقلانی ج۷ص۴۱۸؛ البدایہ ونہایہ ج۷ص۲۷۰

۲۰ دول الاسلام، علامہ الذہبی ج۱ ص۱۶

۲۱ البدایہ ونہایہ ج۷ص۲۶۸و۲۶۹

۲۲ شرح فقہ اکبر، ص۷۹ طہ مجتبائی دہلی

۲۳ تاریخ یعقوبی، ج۱ ص۱۶۸

۲۴ زندگی محمدؐ، تالیف ڈاکٹر ہیکل مصری ج۱ ص۲۶۸ ترجمہ فارسی

۲۵ تاریخ کامل ابن اثیر جزری ج۳ص۱۷۶؛ معاویہ ابن ابی سفیان، عباس محمود العقاد ص۴۷؛ تاریخ طبری ج۴ص۱۷

۲۶ الامامت والسیاست ج۱ ص۱۷۵ طہ مصر؛ اسلام در پرتو تشیع، حسین فراسانی ص۳۴۱؛ سید الشہدا، محمد علی خلیلی ص۵۲؛ تاریخ ابی الفداج اص۱۸۳؛ تاریخ کامل، ابن اثیر جزری ج۳ص۲۲۸؛ مروج الذہب، مسعودی ج۳ص۸

۲۷ صحیح مسلم ج۷ص۱۲۰

۲۸ نصائح کافیہ، علامہ سید محمد بن عقیل ص۱۲۰

۲۹ عقد الفرید ج۳ص۱۳۱

یزید ابن معاویہ

یزید تاریخ کے آئینے میں

۱/ ایک دفعہ معاویہ کے پاس یزید بن مقنع نے آ کر کہا:

امیر المومنین یہ ہے (اشارہ کرتا ہے معاویہ کی طرف) اسکے بعد کہا اگر معاویہ مرا تو یہ ہے (اشارہ کیا یزید کی طرف) اسکے بعد کہا کہ اگر کسی نے اِسے انکار کیا تو یہ ہے (اشارہ کیا تلوار کی طرف) اس پر معاویہ نے اِسے کہا **احسنت انت سید الخطباء**۔ تم بہترین اور سردار خطباء ہو۔

العدالۃ الاجتماعیہ فی الاسلام تالیف سید قطب ۱۸۰

ان نفوس کو جب دولت، ریاست اور سہارا ملا تو بھلا بتائے کہ انہوں نے کس کی مانی ہو۔ یہی مشاور مسلمانوں کے شوریٰ، استخلافی اور جمہوری امیر المومنین کو آڑے وقت کام آیا کرتے تھے۔

۲/ عبداللہ بن حنظلہؓ کہتا ہے کہ بخدا جب بھی میں نے یزید سے ملاقات کر لی تو ہر وقت خوف و ہراس رہتا تھا کہ آسمان سے پتھر نہ برسیں کیونکہ یزید ماں، لڑکیوں اور بہنوں سے بھی زنا کرتا تھا۔ شراب خوار تھا۔ نماز کو سبُک سمجھ کر دھتکارتا تھا[1]۔

۳/ یزید کے تمام اصحاب یزید کے مثل تھے۔ اس کے دنوں میں فسق و فجور عام تھا اور اسکا اثر مدینہ میں اسکی بیعت کرنے والوں پر ظاہر ہو رہا تھا۔ یہ تمام کے تمام لہو و لعب، شراب اور فسق و فجور کو اعلانیہ استعمال کیا کرتے تھے[2]۔

۴/ بادشاہان اسلام کہ جو دائم الخمر تھے۔ انکا رراس و رئیس یزید ابن معاویہ تھا۔ کوئی دن بھی اسکا ایسا نہیں ہوا کرتا تھا کہ جب یہ مست نہیں ہوتا تھا۔ کوئی شب بدون شراب کے نہیں گذارتا تھا[3]۔

یزید کی ماں ایک عیسائی بنام میسونہ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ جناب رسالتمابؐ نے معاویہ سے کہا تھا کہ "تم تو خیر" تمہارے صلب سے ایک ایسا زندیق پیدا ہو جائیگا جو میری ذریت کو قتل کر کے شہر بشہر اور دیار بدیار پھرائے گا۔ کہتے ہیں کہ جب یہ خبر معاویہ نے سُنی تو ترک ازدواجی پر کمر باندھی (لیکن قوت شہوانیہ جوان میں بنسبت باقی افراد زیادہ تھا) لیکن مجبور ہو گیا اور اس نے حکماء سے کوئی عورت تلاش کرنے کو کہا۔ انہوں نے ایک عیسائی لڑکی بنام میسونہ بنت نجدل الکلبیہ سے اسکی شادی کر دی اور اس سے یزید پیدا ہو گیا۔

چونکہ میسونہ نہایت ہی حسین وجمیل تھی اور ایک غریب، نادار، اور مفلس اور صحرائی قبیلے سے تعلق رکھتی تھی۔ یہی شاید وجہ رہی ہو کہ بجدل کلبیہ نے معاویہ کی دولت اور حکمرانی دیکھ کر اس شادی پر رضامندی ظاہر کی ہو۔ کیونکہ ہر باپ یہی چاہتا ہے کہ اس کی بیٹی کسی ایسی جگہ چلی جائے جہاں اسکو ہر وقت راحت میسر ہو سکے اور تکالیف نہ ملیں۔ چنانچہ بجدل کلبیہ کی بھی یہی خواہش تھی۔ اسکی خوبصورت بیٹی میں خوبصورتی کے ساتھ ساتھ خود پسندی بھی تھی جو ہر خوبصورت لڑکی کا وہم ہوتا ہے۔ اسلئے یہ شادی زیادہ عرصہ نہ رہی اور معاویہ جو مغرور اور متشدد تھا اِس سے الگ ہو گیا۔ جیسا کہ صاحب الحیواۃ الحیوان کمال الدین الدمیری نے بھی اسکا ذکر کیا ہے۔

وما اتصلت میسون ابنة نجدل الکلبیه ام یزید ابن معاویه و نقلها من النجد الی الشام وکانت ذات جمال باهر وحسن غامر فا عجب بها معاویه فانشدت وقالت لمعاویه علج علوق فلما دخل معاویه عر ضته من کانت سامعه بقولها هٰذا فقال فارضیتنی علبا عنوقا فهی طالق ثلاثةولنا خذ جمیع ما هو فی القصر فانه لها ثم میسر ها الی اهلها بنجد وکانت حاملة بیز ید فولدته وارضعته سنین ثم اخذ به معاویه منها الخ۔

جب میسون بنت بجدل کلبیہ سے معاویہ کی ملاقات ہوئی تو اسکو نجد سے شام بلوایا۔ میسونہ نہایت ہی پر فریب حسین اور توبہ شکن عورت تھی۔ معاویہ اس پر دل وجان سے قربان ہو گیا تھا۔

میسونہ نے معاویہ کے متعلق کچھ اشعار کہے۔ ان میں اسکو عجل وعنوق سے تشبیہ دی۔ معاویہ اس وقت قصر میں آیا جب یہ اشعار پڑھ رہی تھی۔ معاویہ نے میسونہ سے یہ اشعار سنے اور میسونہ سے کہا کہ تم مجھ سے رضامند اور خوش نہیں ہو کہ مجھے عجل وعنوق سے تشبیہ دیدی۔ پس معاویہ نے اسکو تین طلاق دیدئے اور جو کچھ اسکا (میسونہ) اثاثہ قصر میں تھا وہ بھی اِسے دیدیا۔ پس یہ قصر سے نکلی اور نجد چلی گئی۔ اسوقت اسکو یزید کا حمل تھا۔ پس اسی صحرا میں یزید پیدا ہو گیا۔ دو برس کے بعد اس نے اسکو معاویہ کے پاس لایا''۔

اس رنجش، رقابت اور جدائی کے بعد جو اشعار میسونہ بنت بجدل کلبیہ نے کہے ہیں اسکو جزیرۃ العرب کے مشہور ومعروف شاعر عبوسی مبصوری نے تاریخ زبدۃ الفکر میں بھی مندرج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

الیس عبائة تقر عینی	**احب الی من لبس السفوف**
وبیت تنحفق الاریاح فیه	**احب الی من قصر المنیف**
واصوات الریاح بکل قبح	**احب الیّ من من الذنوف**
و کلب ینج الاضیافه منه	**احب الیّ من هرالا لوف**
وبکر تیغ الاضعان صعب	**احب الیّ من رفوف**

و اکل الصب والیر بوع ذابی　　احب الیّ من الرغنیف
وخرق من بنی عمر فقیر　　احب الیّ من علج غیف

ترجمہ: میری عبا کا یہی موٹا ٹکڑا میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث بنے گا اور اسی موٹے اور کھر درے کپڑے کو لباس ہائے فاخرہ پر ترجیح دیتی ہوں۔ میں اِس قصر سے اس جھونپڑی کو ترجیح دوں گی جس میں ہوا کا گذر مشکل سے ہو۔ میں اُس آواز کی گونج کو باجوں کی آوازوں سے زیادہ اہمیت دوں گی جو گڑھے میں گونجتی رہتی ہے۔ میں اُس کُتے کو جو مہمان کی پاسبانی کرتا ہے ہزار بلیوں سے کہیں زیادہ پسند کرتی ہوں۔ ناقہ بچہ دار اونٹنی سے زیادہ میرے نزدیک دوشیزہ اونٹنی بہتر ہے۔ جانوروں کا گوشت کھانا مجھے زیادہ مرغوب ہے کہ میں روٹی کے سوکھے ٹکڑے کھاؤں۔ میں اپنے بنی اعمام میں سے ایک دلبر اور شریف النمل جوان کا مقابلہ اس کافر سے زیادہ پسند کرتی ہوں''۔

یہ تھے حالات کہ جسکی بنا پر طلاق واقع ہوئی۔لیکن اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب جناب رسالتمابؐ نے بنفس نفیس معاویہ سے فرمایا تھا کہ تمہارے سلب سے ایک شقی القلب بیٹا پیدا ہوجائے گا تو انہوں نے شادی کیوں کی؟

اس سوال کا جواب اگرچہ مختصر سا بھی علمائے اعلام نے دیا ہے لیکن دیا تو ضرور ہے۔ہم بھی چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے اس کاتب وحی کی صحیح پوزیشن منظر عام پر لائیں تاکہ حقائق سے کنارہ کشی ناگزیر ہوگی۔

چند سوالات اور انکے جوابات

اس سوال کے جواب میں مندرجہ باتوں کو جاننا ازحد ضروری ہے۔

الاول:- اگر معاویہ کاتب وحی تھے تو اس نے پھر اس قسم کے گناہ کا ارتکاب کیوں کیا کہ رسولؐ اللہ کے فرمائے ہوئے کو نظر انداز کرکے شادی کرلی؟

الثانی:- صحاح الستہ کا یہ موثق راوی کہ جس نے کھلم کھلا معراج کی جسمانی تکذیب کی کیا اس قسم کے جرم کا ارتکاب کرسکتا تھا؟

الثالث:- کیا یہ جرم بھی خطائے اجتہادی میں محسوب کیا جائے؟

الرابع:- نفسانی خواہش کے سامنے انسان کبھی بے بس بھی ہوا کہ نہیں؟

الخامس:- شادی کی ابتداء کہاں سے شروع ہوئی۔آیا میسونہ سے یا معاویہ سے؟

السادس:- کیا اس بدوی، صحرائی اور عیسائی دوشیزہ کے بغیر اور کوئی بھی نہیں تھی کہ جس کے ساتھ معاویہ شادی کرسکتا؟

السابع:- آخری اور حتمی یہ بات ہوسکتی ہے کہ کیا معاویہ عمل جراح کے ذریعے سے اپنی قوت شہوت کو نہیں

بُجھا سکتا کہ حدیث رسولؐ کی تکذیب کھلم کھلا نہ ہو جاتی؟

سوال اول اور جواب

اول یہ کہ معاویہ کاتب وحی قطعی نہیں تھے اور اگر بالفرض اسکا یہ اعزاز تسلیم بھی کر لیا جائے تو نہ ہونے سے ہونے پر اس پر گرفت اور بھی مضبوط ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ یہ پھر ''عدول'' کے دائرے میں چلے آجاتے ہیں۔ یہاں پھر قدرتی یہ سوال پیدا ہوجاتا ہے کہ پھر عدول کا جو دائرہ تھا وہ مشتبہ ہو گیا۔ اسلئے کہ ''عدول'' کے کسی فرد پر زد پڑنی عدول کے عام افراد پر زد پڑنے کے مترادف ہے اور زد پڑ کر ان کی اقتداء چہ معنی دارد۔ ''لہٰذا کلھم عدول'' کا فرضی معمہ منفی پر دلالت کرتا ہے نہ کہ اثبات پر اور اگر اس معمہ کو بھی فرضاً اہل تحقیق تسلیم کریں گے تو آنحضرتؐ کے جتنے بھی نشر شدہ حدیث ہیں انکا انحراف بالواقعہ اقتداء عدول پر حمل کیا جائیگا جو اس حدیث کے عین مطابق ہوگا۔ لہٰذا حدیث عامہ کے نزدیک معاویہ کا یہ فعل دائرہ عدول کے تحت سرزد ہوا ہے جو درست ہے اگر چہ انحراف حکم میں کیوں نہ ہوا۔

سوال دوم اور جواب

یہی ایک حدیث کیا اہل حل وعقد سے پوچھئے کہ سینکڑوں حدیثوں کی بانگ دھل تکذیب کی گئی۔ کیا رسولؐ کے پھٹے بودے اور پھٹی عبا وقبا نے قالین وزرباف اور حریر ودیبا کا روپ نہیں دھار لیا۔ یہ ایک جرم ہی کیا حقیقت رکھ سکتا ہے یہاں تو مورخوں کے قلم شق ہوگئے گنتے گنتے یہ الگ بات ہے کہ احادیث لکھنے میں کون سا عقیدہ کارفرما تھا۔ محمد ابن ابی بکر کا قتل، حجر ابن عدی کا قتل، مالک اشتر کا قتل، اصحاب رسولؐ کا قتل بالخصوص عمار یاسرؓ کی دردناک موت کیا کم جرائم ہیں۔

سوال سوم اور اسکا جواب

جب بن نہ پڑی تو خطائے اجتہادی کے سپر لیکر دفاع کرنے لگے۔ خطائے اجتہادی اُس لغزش کو کہتے ہیں کہ جو واقع ہوتے ہی منزل توبہ سے گذر جاتے۔ لیکن یہاں تو بچہ بچہ بھی حمل ہو گیا ہے۔ کیا اس حسن اور اس پری جمال کے روبروے جاکر مسلسل خطائے اجتہادی کئے دیتا تھا۔ بھلا علیؑ سے ڈیڑھ سال کے محاربہ کو جب خطائے اجتہادی کہا جائے تو یہاں قصور ہی کیا ہے۔ یہ تو کئی دنوں کا کام ہے۔

یہ اجتہاد بھی عجیب ہے کہ اک دشمن دین
علی سے آکے لڑے اور خطا کہیں اسکو

غالبؒ

سوال چہارم اور اسکا جواب

یہ خاندان ہی کچھ اس قسم کا خلق ہو گیا تھا کہ جن کے ہر فرد کو قوت حیوانیہ ہمہ وقت قوت عقلیہ پر غالب آیا کرتی تھی ورنہ معاشقہ کے بعد ارتکاب جرم اور وہ بھی فخراً کسی بھی قوم کے فرد کا طرہ امتیاز نہیں رہا۔ رومنوں، یونانیوں اور شوری تہذیب کے افراد بھی اس بیماری سے محفوظ نہیں تھے لیکن ان کے متعلق یہ کہا جائے کہ ان کی قوت عاقلہ قوت حیوانیہ کے سامنے بے بس ہوا کرتی تھی غلط ہے۔ اگر چہ کلیسا کے اندرونی نظام میں ہمیں جبری اختلاط کا پتہ ملتا ہے یا اسلامی تہذیب سے قبل جتنی بھی تہذیبیں تھیں اگر ان میں اس ہیجانی کیفیت کے بعد جبری اختلاط کو بالفرض تسلیم بھی کیا جائے تو اسکا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ اسلام کی تہذیب میں آنے والے پر ان تہذیبوں نے اپنا اثر جمایا ہوا ہو۔ علم النفس جاننے والوں کا یہ مسلمہ فیصلہ ہے کہ انسانی خواہشات کو تین ہی چیزیں بہیمیت کی حد تک پہنچا دیتے ہیں۔

الاول:- فحش لٹریچر (عریان کلامی جو اخلاقیات سے بہت گری ہوئی ہو)

الثانی:- طرب آمیز نغمے اور گھنگھروؤں کی جھنکار۔

الثالث:- تھرکتے ہوئے جسم اور پھیلے ہوئے سینے اور نیم عریاں ادائیں۔

کیا یہ عربوں میں نہیں تھے؟ کوئی بھی تاریخ کا طالب علم اِس سے انکار نہیں کرسکتا ہے۔ ابوسفیان ہی کو لے لیجئے شراب کے ساتھ ساتھ سمیہ کی خواستگاری بھی کئے دیتا ہے۔ ہندہ کو لے لیجئے! بدکارہ اور طائفہ تھی۔ ان دونوں کا ملاپ جب ہوا تو کیا بعید ہے کہ زیاد کی طرح معاویہ بھی وجود میں آیا ہوا ہو۔ اب فرق صرف یہ ہے کہ زیاد کی ابویت بہت دیر تک پردہ راز میں رکھی گئی اور موخر الذکر کی تنسیب کر دی گئی۔ اب جس کے ماں باپ ہی ایسے ہوں وہ کس پایہ کا "نفسی" آدمی ثابت ہوگا کیونکہ کل شیی یرجع الیٰ اصلہ جناب رسالتمابؐ کا قاعدہ کلیہ ہے۔ لہٰذا ہم یہی کہیں گے کہ معاویہ وراثت پدری اور مادری کو ملحوظہ خاطر رکھ کر بے بس ہو گیا تھا۔

سوال پنجم اور اسکا جواب

معاویہ چونکہ سیر وشکار کا اسی طرح شوقین تھا جس طرح قیصر وکسریٰ ہوا کرتے تھے تو بعید نہیں ہے کہ کسی سیر و سپاٹے میں اس کا فرہ سے ملاقات ہوئی اور وہیں اسکے عشق کے دام میں گرفتار ہوا ہے۔ چونکہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صحرائی دوشیزہ نجد کی رہنے والی تھی اور معاویہ دمشق میں پھر اسکے مشائر اسی دوشیزہ کو لے آتے ہیں۔ قرائن عینیہ یہی ہیں کہ اگر معاویہ نے نشاندہی نہ کی ہوتی تو ان مشائر کو صحرا کے ساتھ کیا کام تھا۔ لہٰذا عشق کی ابتداء مسلمانوں کے امیر المومنین سے ہی ہوئی۔ میسونہ سے نہیں۔

سوال ششم اوراسکا جواب

کیوں نہیں ہزاروں کیالاکھوں مل سکتی تھیں لیکن مجنون کوکون بتائے کہ لیلیٰ کے بغیر بھی لاکھوں لڑکیاں دنیا میں رہتی ہیں۔فرہادکوکون سمجھائیے کہ شرین کے سوااور بھی دنیامیں لڑکیوں کا وجود ہے۔ یہ توعشق تھا جوامیر المومنین فرمایا کرتے تھے۔لہٰذا دوسری منزل پر جانے کی ضرورت ہی نہیں۔ ہوئی اسکے علاوہ جناب معاویہ کواور بھی عورتیں تھیں جن سے مندرجہ ذیل چارلڑکیاں اور۳۱لڑکے پیدا ہوئے تھے۔

کیا یہ تمام اولاد اس ایک بیوی سے پیدا ہوگئیں تھیں؟ جبکہ صرف بعد چند یوم ہی یہ مفارقت اختیار کئے دیتی ہے؟

کیا اتنی عورتوں کے ہوتے ہوئے معاویہ نے میسونہ سے شادی کرکے ناقابل تلافی جرم کا ارتکاب نہیں کیا کہ اسکا بیٹا قاتل ذریت رسولؐ بنا؟

آخری سوال اوراسکا جواب

کیوں نہ کرسکتا؟ دمشق میں جراح ضرور تھے۔مصر میں جراح ضرور تھے۔ بصرہ کوفہ میں جراہوں کی قلت نہ تھی لیکن اس فعل کی بجا آوری حقائق پر یکسر پردہ ڈالدیتی تھی۔اوردوسرا وہ خواب جوابوسفیان تو دیکھا تھا شرمندہ تعبیر نہ ہوجاتا تھا۔نہ کیااورکرتا بھی کیوں جبکہ ابھی اسکواپنے بیٹوں میں کسی ایسے پرنظر انتخاب نہ پڑتی تھی جو بنی ہاشموں سے چن چن کراحد، بدر، خندق، خیبراورحنین کا بدلہ لے لیتا لہٰذا نجمیوں، کاہنوں اور جوتشیوں کا ماننے والا اس بات کا منتظر تھا کہ جب تک وہ بچہ پیدا نہیں ہوتا جسکے ماتھے پر تقدیر نے منتقم نہ لکھا ہوتب تک حدیث کا کیا قرآن کو بھی جھٹلاتے رہو۔لہٰذا اپنی خواہشات نفسانی کے سامنے حدیث رسولؐ کوحقیر اورفضول جان لیا۔اس تصریح کے بعدایک آخری اوراٹل حدیث جوہم ناسخ تواریخ سے نقل کریں گے اس شادی اوراسکے تمام سیاق وسباق پرمکمل روشنی ڈالے گی۔ملاحظہ ہو۔

پدر میسون نجدل را غلامے بود که سفاح نام داشت۔ میسون باو باب راز ونیاز فراز بود از وے حامل گشت و بسرائے معاویه آمد۔ چون دوشیزگی نه داشت وحملش ہم ہنوز آشکار نه بود ایں معنی پوشیده نه ماند تا گائیکه بارفرو نہاد۔ معاویه او را پسر خویش دانست (برائے ایں که میونه خیل قشنگ و قبول صورت بود لذا درایں حالت معاویه بکارت ہم نه دید صرف فریفتۂ صورتش شد) و بنام یزیدش خواند۔ ایں بود تا ایں ہنگام معاویه از

میسونہ رنجیدہ شد و طلاق داد۔ او برفت واھل خویشس پیوست ودر خواتین اقامت جست ۔

''یعنی پدر میسون کہ جسکا نام نجدل تھا اسکا ایک غلام بنام سفاح تھا۔ میسونہ کو اسکے ساتھ خلوت تھی اور اسی سے حاملہ ہوئی (اسکے بعد) جب معاویہ کے قصر میں آئی تو دوشیزگی سے عاری تھی اور اس وقت اسکا حمل بھی ظاہر نہیں ہوا تھا۔ لیکن یہ حقیقت کیسے چھپ سکتی تھی۔ اسکا پیٹ بڑھنے لگا معاویہ سمجھا کہ میرا بیٹا ہے اور اسکا نام یزید رکھ لیا اور جب معاویہ میسونہ سے رنجیدہ ہوا تو اسکو طلاق دیدی اور یہ قصر سے نکل کر اپنے میکے چلی آئی۔''

یہ تھی وہ حقیقت جو سامنے آئی۔ تو ثابت ہوا کہ یہ زنا زادہ تھا اور پھر اسکی پرورش بھی ماں کے پاس ہوئی۔ مسیحی تربیت گاہ میں نشو ونما پائی۔ اب اندازہ لگائے کہ اسلام کا کتنا جذبہ اس میں کارفرما ہوگا جبکہ مسیحی دنیا ہمہ وقت اسلام کی زجر وتوبیخ پر تلی ہوئی تھی۔ ابھی تو جنگ موتہ کے زخم بھی مندمل نہیں ہوئے تھے لہٰذا اب تو لگے ہاتھوں شکاری کو چھوڑنا کیسا۔ پوری طرح تعلیم دی۔ جیسا کہ آگے چل کر بیان ہوگا کہ مسیحی اثرات کس سُرعت کے ساتھ قلب اسلام میں پھیلتے جارہے تھے۔

ناظرین کرام کی طبع ضیافت کیلئے اس معرکہ حق وباطل کے دونظریوں (یعنی حسینیتؑ اور یزیدیت) کا شجرہ نسب دیا جاتا ہے تاکہ دیکھا جائے کہ حسینیتؑ میں کون سی الوالعزم ہستیاں کارفرما تھیں اور یزیدیت میں کون کون سے افراد تھے۔

حسینیت

حضرت محمد رسول اللہؐ	:	نانا	رحمۃ للعالمین
حضرت علیؑ ولی اللہ	:	والد	مشکلکشائے دوجہاں
حضرت فاطمہ زہراؑ	:	والدہ	سیدۃ نساء العالمین
حضرت حسنؑ مجتبیٰ	:	برادر	صالح المومنین ومسلمین
حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ	:	نانی	راس الازواج
حضرت عبداللہؑ	:	دادا	والد ماجد جناب سرور کونینؐ
حضرت زینبؑ	:	بہن	کربلا کی شیر دل خاتون
حضرت علی ابن الحسینؑ	:	بیٹا	زین العابدینؑ وسید الساجدینؑ

یزیدیت

ابوسفیان	:	نانا	رأس المشرکین
معاویہ	:	باپ	بانی ملوکیت
ہندہ	:	نانی	جگرخوار
صخر	:	دادا	دشمن عبداللہؑ برائے تولیت کعبہ
سمیہ	:	خالہ	مسیحی (بنت نجدل کلبیہ وزانی)
معاویہ	:	بیٹا	خلف یزید وناابل (تا آخر خلیفہ)

یزید کا نانا نجدل ابن انیف کلابی عیسائی خاندان سے تھا۔ یزید ۲۵ یا ۲۶ ھ میں شام اور حمص کے درمیانی علاقہ شہر تدمر میں پیدا ہوا[۵]۔

یزید کی ماں میسونہ اپنے باپ کے غلام سفاح سے حاملہ ہوئیں جو بدوں سے مل کر مویشی چرایا کرتی تھی۔ اس کو پسند کر کے معاویہ نے اسے شادی کی[۶]۔

وما جعلنا الرویا والتی اریناک الافتنة للناس والشجرة الملعونه فی القرآن و نُخوّفهم فما یزیدهم الا طغیانا کبیرا[۷]

تفاسیر سے اس آیہ مجید کی صحیح تاویل علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔

قال رسول اللہؐ اَرایت بنی اُمیه علیٰ منابر الارض وسیملکونکم فتجد ونهم ارباب سُوء واهتم رسول الله لذالک فانزل الله و ما جعلنا الایة۔

آنحضورؐ نے خواب میں دیکھا کہ بنواُمیہ منبروں پر ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ عنقریب وہ تم لوگوں کے پادشاہ بنیں گے اور تم انکو شراتوں کے سردار اور مالک پاؤ گے۔ یہ خواب دیکھ کر آپ محزون ومغموم رہتے تھے۔ تب خداوند کریم نے **وما جعلنا الرویا** الخ آیت آپؐ پر نازل کی۔

ان رسول الله اصبح و هو مهموم فقیل مالک یار سول الله فقال انی اریت فی المنام کان بنی اُمیه یتعاورون منبری هٰذا قیل یا رسول الله لا تهتم فانها دنیا تنالهم فانزل الله وما جعلنا الایه۔

ایک صبح جناب رسالتمآب محزون ومغموم اُٹھے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آج کس بات کا غم ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ بنواُمیہ میرے منبر پر بار بار چڑھتے اور اُترتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کی یا رسولؐ اللہ جانے دیجئے اس کا افسوس نہ کیجئے کیونکہ یہ دنیا ہی تو ہے کہ جو اُن کو ملے گی۔ اس پر خداوند کریم نے وما

جعلنا والی آیت نازل کی۔ ^۸^

محقق جلیل ومجاہد کبیر جناب علی بہادر خان صاحب ایم۔اے علیگڈھ مدیر دور جدید دہلی ایک حنفی مسلمان ہیں۔انہوں نے ''اہلسنت اورخلافت معاویہ ویزید'' کتاب میں ''اسلام میں بنواُمیہ کا رول'' کے عنوان سے صفحہ ۱۱۷ سے لیکر ۳۲۱ تک اپنا ایک تحقیقی مقالہ لکھا ہے۔ دی گئی آیہ مجیدہ کے متعلق اورجعلی فضائل جو معاویہ یا بنواُمیہ کے بارے میں مفاد پرست افراد نے گھڑی ہیں کے سلسلے میں آپ فرماتے ہیں۔

بنی ہاشم وبنی اُمیہ کی دیرینہ عداوت

بنی ہاشم اور بنی اُمیہ کی عداوت تاریخ کا ایک مسلمہ واقعہ ہے۔ جب بنی ہاشم میں محمدؐ کو اللہ نے رسالت سے سرفراز فرمایا تو بنی اُمیہ نے مخالفت میں نمایاں حصہ لیا۔ بے شک مُستثنیات میں بعض افراد بنی اُمیہ میں سے اور بعض افراد بنی ہاشم میں سے ایسے پیش کئے جاسکتے ہیں جنہوں نے خاندانی روایت کو توڑ کر دگر گوں طریق کا راختیار کیا لیکن عمومی طور سے بنی ہاشم اسلام کے حامی اور بنواُمیہ اسلام کے مخالف رہے۔

اہل تشیع کی کتابوں میں تو دونوں خاندانوں کے اس اختلاف کو بہت ہی زیادہ نمایاں کیا گیا ہے لیکن اہلسنت کے لٹریچر میں بھی کافی مواداس بارے میں موجود ہے۔تفسیر،حدیث اورتاریخ میں ایسے واقعات بڑی تعداد میں موجود ہیں جو بنواُمیہ کو اسلام دشمنی کا امتیاز دیتے ہیں۔روایات کی صحت کا جو معیار اہل سنت کے علماء نے قائم کیا ہے اس پر ان کی بعض روایات صحیح اُترتی ہے۔بعض ضعیف اور بعض موضوع......لیکن یہاں مسئلہ کی قابل توجہ حیثیت یہ ہے کہ معاویہ ویزید کو دشمن اسلام ثابت کرنے والی روایات کو یہ کہہ کر رد نہیں کیا جاسکتا کہ یہ اہل تشیع کی اختراعات ہیں کیونکہ اہلسنت ان کی اشاعت کے ذمہ دار ہیں۔

حدیث کے درجات

حدیث کو لیجئے تو اہل سنت کی درجہ اول کی کتابیں یعنی بخاری، مسلم اورموطاً بھی ان سے خالی نہیں۔درجہ دوم کی کتابوں ترمذی،نسائی،ابوداؤد،ابن ماجہ،مسند احمد میں متعدد ایسی روایات ہیں۔ان کتابوں میں اکثر احادیث صحیح اوربعض میں صرف مختلف درجہ کا ضعف تسلیم کیا جاتا ہے۔تیسرے درجہ کی کتابیں وہ ہیں جن میں صحیح حسن،ضعیف، موضوع،شاذ،منکر ہرقسم کی روایات جمع کردی گئی ہیں۔تنقید وتحقیق کا بار مطالعہ کرنے والے پر چھوڑ دیا گیا ہے۔مثلاً مسند ابویعلیٰ مصنف عبدالرزاق،مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ،مسند عبد بن حمید،طحاوی،طبرانی،بہقی۔ چوتھے درجہ کی کتابیں وہ ہیں جن کا درجہ صحت بہت پست ہے۔اکثر مبالغہ آمیز اورموضوع روایات شامل کردی گئی ہیں۔ان میں ابن حیان،کامل بن عدی،ابونعیم،جوزقانی،ابن عساکر،ابن نجار،دیلمی وغیرہ ہیں۔ پانچویں درجہ میں اور بھی گری

ہوئی روایات شامل ہیں۔ جو بے اصل حدیثوں سے بھری پڑی ہیں۔ ان کے مولف فن حدیث سے نابلد تھے اور بہت کچھ رطب ویابس حدیث کے نام سے جمع کر گئے ہیں۔ اکثر صوفیہ کی کتابیں اسی ڈھنگ کی ہیں۔

پس قابل اسناد تو پہلے ہی دوطبقوں کی کتابیں ہیں اور اس کتاب میں ان ہی کتابوں سے سند کی گئی ہے، سوائے کسی خاص روایت کے جسکی اسناد صحیح کی شرائط ہیں۔

حضرت علیؑ ومعاویہ کے روایات فضلیت

لیکن موجود بحث میں تیسرے اور چوتھے درجہ کی روایات کی پہچان ضرور ہے کہ ان سے اہل سنت کے جذبات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک اور امر بھی قابل توجہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا پانچوں طبقوں کی کتابوں میں حضرت علیؑ کے خلاف کسی صحیح ضعیف یا موضوع روایات تک کا امکان نہیں لیکن آخری درجہ کی کتابوں میں معاویہ کی فضیلت کی بھی روایات ہیں جوسب موضوع ہیں۔ دوسرے درجوں کی کتابوں میں ترمذی میں ایک حدیث معاویہ کی فضیلت میں ہے جس پرفنِ حدیث کے ماہرین نے (جن میں کوئی شیعہ نہیں ہے) جرح کر کے رد کیا ہے۔ پہلے درجہ کی کتابوں میں دو حدیثیں معاویہ کے متعلق ہیں لیکن وہ نماز وتر کے متعلق ہیں جن سے معاویہ کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ یہ حدیث بخاری میں بھی ہے جس کی شرح میں ابن حجر عسقلانی نے اس پر بحث کی ہے کہ آیا معاویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث ہے۔ انہوں نے امام احمد حنبل کی حسب ذیل رائے پیش کی ہے۔

اخرج ابن الجوزی ایضاً من طریق عبدالله بن احمد حنبل سألت ابی ماتقول فی علی و معاویه فاطرق ثم قال اعلم ان علیا کان کثیر الاعداء ففتش اعداوه له عیباً فلم یجدو ا فعمد و ا الیٰ رجل قد حاربه فاطر وه منهم لعلیٰ.....الخ

ابن جوزی نے عبداللہ بن احمد حنبل کے طریقے سے روایت کی ہے کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا علی و معاویہ کی بابت انہوں نے اول سکوت کیا پھر فرمایا تم اس بات کو جان لو کہ علی کے بہت دشمن تھے ان دشمنوں نے علی کی زندگی میں عیب تلاش کئے مگر ان کو نہیں ملے۔ تو وہ (دشمنی نکالنے کیلئے) اس آدمی کی طرف رجوع ہوئے جو ان سے لڑ رہا تھا۔ پس اس کی بے جا تعریف فریب کے ساتھ شروع کی تاکہ علی پر زد پڑے۔ پس اشارہ کیا ان روایات کی طرف جو معاویہ کے فضائل کیلئے گھڑیں انہوں نے، حالانکہ اُنکی کوئی اصل نہ تھی۔ معاویہ کے فضائل میں بہت حدیثیں ہیں جو طریق اسناد سے صحیح نہیں ثابت ہوتیں۔ اسی رائے پر اسحاق بن راہویہ (بخاری کے اُستاد) قائم ہیں اور نسائی اور انکے علاوہ دوسروں کی بھی یہی رائے ہے۔

پس صورت یہ ہے کہ معاویہ کی فضیلت میں اگر تیسرے درجہ کی کُتب احادیث میں روایات ہیں تو وہ بالکل ناقابل التفات ہیں۔ لیکن انہیں کتابوں میں معاویہ یا بنی اُمیہ کے خلاف کچھ روایات ہیں تو ان کی طرف اسلئے توجہ کی

جاسکتی ہے کہ اس قسم کی روایات پہلے اور دوسرے درجہ کی کتب احادیث میں بھی ہیں۔مثلاً ترمذی، نسائی، ابوداؤداور ابن ماجہ چاروں دوسرے درجہ کی ہیں اوران چاروں میں یہ حدیث ہے۔ابوذرؓ سے منقول ہے کہ فرمایا رسول اللہؐ نے کہ ''سب سے پہلے میری سنّت کو بدلنے والا بنی اُمیہ کا ایک آدمی ہوگا''۔تیسرے چوتھے درجہ میں جب بنی اُمیہ والی احادیث ہم جانچتے ہیں تو بعض صحیح بھی نکلتی ہیں مثلا حاکم کی احادیث تیسرے درجہ میں ہیں لیکن اس نے ابی ہریرہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے ''رسول اللہؐ کے نزدیک انسانوں میں سب سے زیادہ مبغوض بنواُمیہ ہیں''اورلکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری ومسلم کے شرائط پر صحیح ثابت ہوتی ہے۔ایک اورحدیث ابوداؤد والطیالسی، احمد، ابن ابی شیبہ، دارمی، ابولعلیٰ، بیہقی سے مروی ہے۔'' یہ امر (اسلامی نظام) نبوت اور رحمت سے شروع ہوا، پھر خلافت اور رحمت میں تبدیل ہوگا پھر جابر بادشاہوں میں پہنچ جائے گا پھر جبر وظلم اورایسے فساد کا دور ہوگا کہ وہ اللہ تک پہنچیں۔''

سورہ بنی اسرائیل میں ''الشجرة الملعونة '' کی تفسیر میں امام فخرالدین رازی نے اس جملہ کی جومختلف توضیحات لکھی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے ''ابن عباس'' کہتے ہیں۔کہ یہاں ''الشجر ة'' سے مراد بنواُمیہ ہیں یعنی الحکم بن ابی العاص۔کہا رسول خداؐ نے خواب میں دیکھا کہ مروان کی اولادانکے (رسول اللہؐ) کے منبر پر قابض ہے۔آپؐ نے اپنا یہ خواب عمرؓ اور ابوبکرؓ کو اپنے گھر کی تنہائی میں بتایا۔جب یہ منتشر ہوگئے تو رسولؐ خدا نے سنا کہ اس خواب کی خبر الحکم دے رہا ہے۔رسول خداؐ کو یہ بات شاق گذری۔بعد میں راز کھلا کہ الحکم نے چھپ کر باتیں سُن لی تھیں تو رسولؐ خدا نے اس سے جلاوطن کردیا۔

واقدی نے اس قصہٗ کو اسلیئے ناقابل یقین بتایا کہ یہ مدینہ کا واقعہ ہے حالانکہ سورة مکیہ ہے۔سوائے اسکے کہ یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ آیت مدنیہ ہے مگر اسے مدنیہ کسی نے نہیں بتایا۔حضرت عائشہؓ کا قول بھی اس تاویل کی تائید کرتا ہے۔حضرت عائشہ نے مروان سے کہا کہ اللہ نے لعنت کی تیرے باپ پر اس وقت جب تو اسکے صلب میں تھا۔پس تو ان لوگوں میں سے ہے جن پر خدا نے لعنت کی ہے۔

اگر شجرة الملعونة کی تشریح کا تعلق رسول خداؐ کے خواب سے ہے تو خواہ آیت مکّی ہے یا مدنی، اسکا اطلاق الحکم سے ہوسکتا ہے۔اور حاکم کی ایک روایت ہے جسے اس نے صحیح قرار دیا ہے کہ جب مروان پیدا ہوا اور رسولؐ کے پاس لائے تو رسولؐ نے فرمایا ''یہ زہریلے باپ کا زہریلا بیٹا اور ملعون ابن ملعون ہے'' مروان معاویہ کا عامل تھا اور بعد میں خود خلیفہ ہوا اور اولاد رسولؐ کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا۔

یہاں اتنی تصریح ضروری ہے کہ امام رازی تفسیر کبیر میں ہر قسم کے صحیح وضعیف بلکہ تمام ایسی روایات جمع کردیتے ہیں جو کسی طرح شہرت پاجاتی ہیں لیکن قابل توجہ بات یہ ہے کہ اہل سنّت کی ایک مشہور تفسیر میں بنی اُمیہ کے خلاف ایسی روایات ملتی ہیں۔

تیسرے درجہ کی کتابوں میں بنواُمیہ کے خلاف نہایت صریح روایات ہیں اگر چہ انکی صحت پر اہل فن نے شبہ کیا ہے لیکن فضیلت و مذمت میں اگر صحیح احادیث موجود ہوں تو ہم معنی کمزور حدیثوں کی بھی وقعت ہو جاتی ہے۔اس لئے ذیل کی چند روایات یہاں لکھی جاتی ہیں۔

ابن مندہ اور ابونعیم نے جابر الیمانی سے اور ابن قانع نے سالم الحضرمی سے روایات کی ہیں: کہا رسول خداؐ نے شر وفساد بنی اُمیہ کا شر وفساد بن اُمیہ کا! شر وفساد بنی اُمیہ کا۔

ابن عسا کر نے ابی ذرؓ سے روایت کی کہ رسول خداؐ نے فرمایا بنی اُمیہ خدا کے بندوں کو فضیحت کرتے ہیں، اللہ کے مال پر ناجائز قبضہ کرتے ہیں اور خدا کی کتاب کے ساتھ خیانت کر کے وہ سب مطالب ملا دیتے ہیں جو اس میں نہیں۔

ابن مردویہ نے حضرت علیؑ سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ سورہ محمدؐ (جسکا نام القتال بھی ہے) میں ایک آیت ہمارے لئے ہے دوسری بنواُمیہ کی (ایک حزب اللہ تھا۔ دوسرا حزب شیطان)۔ *

نیشا پوری نے روایت کی کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: قبائل عرب میں سب سے زیادہ شریر بنواُمیہ، بنوحنیفہ اور بنو ثقیف ہیں۔

نعیم بن حماد نے روایت کی ہے کہ بجالہ سے انہوں کہا کہ میں نے عمران بن حصینؓ سے پوچھا کہ رسول خداؐ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ مبغوض کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ میری موت تک راز رکھنا۔ میں نے کہا اچھا۔ تو انہوں نے بتایا کہ بنواُمیہ، ثقیفہ اور بنوحنیفہ۔

نیشا پوری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ رسولؐ اللہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے منبر پر بنواُمیہ بندروں کی طرح کود رہے ہیں جو آپ کو شاق گذرا۔

ابونعیم نے علیؑ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہر اُمت کیلئے ایک مصیبت آتی ہے اور اس اُمت کی مصیبت بنی اُمیہ ہے۔

نعیم بن حماد نے ابن مسعودؓ سے روایت کی کہ ہر دین کیلئے ایک آفت ہوتی ہے اور اس دین کی آفت بنو اُمیہ ہیں۔

نعیم سے علیؑ نے فرمایا کہ بنی اُمیہ کے فتنہ سے خوف کھاتا ہوں کہ یہ تاریک فتنہ ہے۔ حاکم نے مستدرک میں ابی سعیدؓ سے روایت کی کہ رسول خداؐ نے فرمایا! میرے اہلبیتؑ میرے بعد قتل میں پڑیں گے اور سب سے زیادہ بغض ان سے بنواُمیہ، بنومغیرہ اور بنومخزوم کو ہے۔

*اس سورہ میں ۳۸ آیات ہیں جن کی عام ترتیب کچھ اس قسم کی ہے کہ حامیان اسلام اور مخالفین اسلام کا مقابلہ ہوتا جا رہا ہے۔ ایک حزب اللہ کے بیان میں ہے۔ تو عموماً اسکے مقابلے میں حزب الشیطان کا ذکر ہے۔

ابویعلیٰ نے ابی جسید سے روایت کی کہ نبیؐ نے فرمایا کہ میری اُمت کا نظام انصاف پر رہے گا یہاں تک کہ پہلی بار اسے بنوامیہ کا ایک آدمی خراب کریگا۔

ابن ابی حاتم ، ابن مردویہ اور بیہقی اور ابن عساکر نے سعید المسیبؓ سے روایت کیا کہ نبیؐ نے بنی اُمیہ کو منبروں پر دیکھا جو ان کو بُرا معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے انکو بتایا کہ دنیا ہے......رسول اللہؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ قرآن کی آیت ہے ہم نے خواب تم کو دکھایا مگر لوگوں کے امتحان کیلئے......

وما جعلنا الرویا الّتی اریناک الا فتنة ۔

یہ تھی حافظ صاحب کی بلند و بالا تحقیق۔ ناظرین کرام نے بخوبی اس آیہ کریمہ کے متعلق اندازہ لگایا ہوگا کہ آیت نے کس کس فرد کے گرد حصار کھینچی اور کس طرح صحیح و غلط کاروں کے نقشہ اُبھار دیئے۔ یہ اب آپ لوگوں کا کام ہے کہ کون کون شخص آیت کی زد میں آ کر مورد الزام ٹھہرا۔

ہاں یہ الگ بات ہے کہ اب بھی اگر ''رضی اللہ عنہم'' کی حصار مفتن افراد کے اردگرد کھینچی جائے تو اس سے تضیع اوقات کے سوا ہمارے ہاتھ کچھ نہیں لگتا ہے۔ صرف فرق ضرور پڑتی ہے کہ ہمارے اوقات عامۃ النّاس کو گمراہ کرنے میں اچھی طرح سے گذرتے ہیں۔ اس طرح اگر اسلامی قوانین کے تحت ہمیں راہ نجات مل سکتی ہے تو اعتراض کس کو ہوسکتا ہے۔

آخر میں مولانا ضیا احمد صاحب بدایونی دام ظلہ ایم اے حنفی سابق پروفیسر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کی کتاب مستطاب ''قول سدید'' جو خلافت معاویہ و یزید کے دور کے متعلق ایک انمول تحفہ ہے، کا ایک اقتباس بعنوان ''بنی اُمیہ کا ریکارڈ'' پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:

امیر معاویہ کے فضائل کی حقیقت!

امیر معاویہ- شروع میں وہ اور ان کے والد ابوسفیان مولفۃ القلوب میں تھے۔ یہ اسلام میں پہلے پادشاہ تھے، جیسا کہ ابن کثیر نے کہا ہے ''**ھو اول الملوک**'' لکھا ہے اور پہلے شخص تھے جنہوں نے صحابہ کے ہوتے ہوئے اپنے ناخلف فرزند یزید کو ولی عہد کیا۔ حضرت حسن بصری کہتے تھے کہ معاویہ نے دو چار باتیں ایسی کیں کو ان میں سے ایک بھی ہوتی تو ناروا تھی۔

۱/ اس امت پر جاہلوں کو مسلط کرنا۔
۲/ اپنے شراب خوار بیٹے کو ولی عہد مقرر کر دینا۔
۳/ زیاد کو اپنے خاندان میں شامل کرنا اور
۴/ حجر بن عدی کو قتل کرنا (طبری)

یہ تھا مختصر تعارف۔ ناظرین کرام اگلے صفحات میں ان چاروں گناہوں کی تفصیل سنیں گے۔ یہاں ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آیئے اب جب ناظرین کرام یہاں تک ہمارا ساتھ دے چکے تو تھوڑی دیر کے لئے ملت اسلامیہ کے شوریٰ، استخلافی اور تنصیبی خلیفہ اور اولی الامر کے خدوخال آئینہ تاریخ سے دیکھیں۔

یزید حضرت رسولؐ خدا کی نظر میں

اے حسینؑ ''تیرا قاتل جہنم کی آگ میں چلا رہا ہوگا'' (متفق علیہ)

۱) رویانی نے اپنے مسند میں ابوداؤد سے روایت کی ہے کہ میں نے رسولؐ اللہ سے سنا کہ جو شخص سب سے پہلے میری سنّت کو تبدیل کریگا، بنی اُمیہ میں سے ایک شخص یزید ہوگا[9]۔

۲) عن علی قال قال رسول الله قاتل الحسینؑ فی تابوت من النّار علیه نصف عذاب اهل النّار (اخرجه الدیلمی و الحاکم فی المستدرک و الذهبی فی التخلیص)

جناب امیر المومنینؑ سے روایت ہے کہ فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ جناب امام حسینؑ کا قاتل آگ کے ایک صندوق میں ہوگا۔ اس پر نصف اہل نار کا عذاب ہوگا۔[10]

۳) جناب رسالتمابؐ نے فرمایا کہ یزید لعان وطعان میں خدا کبھی برکت نہ دے[11]۔

۴) لایزال امر هٰذه الامة قائماً بالقسط حتی یکون اوّل من یثلمه رجل من بنی اُمیه یقال له یزید۔

میری اُمت کا امر وحکم عدل کے ساتھ قائم رہے گا یہاں تک کہ پہلا شخص اسے تباہ کرے گا وہ یزید ہوگا جو بنو اُمیہ سے ہوگا[12]۔

۵) میری اُمت میں ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں بنی اسرائیلوں کی طرح اپنی ماؤں سے زنا کیا جائے گا۔ یعنی بنی اسرائیل میں بھی ایک ایسا زمانہ تھا جب ماؤں کے ساتھ زنا کیا جاتا تھا اسی طرح میری اُمت میں بھی ایک زمانہ ایسا آئے گا جب ماؤں کے ساتھ زنا کو روا رکھا جائیگا۔ یہ روایت امام ترمذی نے عبداللہ ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے[13]۔

اس حدیث کو اُٹھا کر بنی اُمیہ کے اس رنگیلے شہزادہ کے دور پر لے آئیں تو دیکھئے کہ حرف بحرف کیوں کر صحیح ہے۔ یزید نے اپنی ماں بنام مرجانہ سے زنا کیا۔[14]

یزید در نظر انبیاء

حضرت آدمؑ نے یزید پر لعنت کی ہے۔[15]

حضرت نوحؑ نے حسینؑ کے قاتل پر باذن حکم الٰہی لعنت کی ہے۔ ۱۶

حضرت ابراہیمؑ نے قاتل حسینؑ پر لعنت کی ہے۔ ۱۷

حضرت اسماعیلؑ نے حسینؑ کے قاتلوں پر لعنت ہے۔ ۱۸

حضرت عیسیٰؑ اور اسکے حواریوں نے یزید اور قاتلین حسینؑ پر لعنت کی ہے۔ ۱۹

حضرت سلیمان نے وحوش وطیور، جن وانس ابر وباد کے سمیت قاتلین حسینؑ پر لعنت کی ہے۔ ۲۰

حضرت جبرئیلؑ نے حسینؑ کے قاتل اور قاتلین ذریت پر لعنت کی ہے۔ ۲۱

قاتل حسینؑ درنظر امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ

شیخ ابن بابویہ نے کتاب امالی میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جناب امیرؑ جنگ صفین پر گئے۔ جب زمین نینوا پر پہنچے جو دریائے فرات کے کنارے پر واقع ہے تو حضرتؑ نے بلند آواز سے پکارا اے پسر عباس! کیا تم اس مقام کو پہچانتے ہو۔ میں نے عرض کی نہیں۔ حضرت نے فرمایا: اے ابن عباس اگر تم اس زمین کو جانو جس طرح میں جانتا ہوں تو یہاں سے نہیں ہٹو گے۔ مگر یہ کہ میری طرح گریہ گلو گیر نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر جناب امیرؑ رونے لگے اور ان کی داڑھی آنسوں سے بھیگ گئی اور اشک کے قطرے محاسن شریف سے ٹپک کر سینہ مبارک پر روان ہوئے۔ ابن عباسؓ کہتا ہے کہ جناب امیرؑ کو دیکھ کر ہم بھی رونے لگے۔ اسکے بعد جناب امیرؑ نے فرمایا **اُوہ اُوہ مالی و آلِ ابی سفیان مالی ولآل حرب حز ب الشیطان و اولیاء الکفرة صبراً یا اباعبدالله فقد لقی ابوک مثل الذّی تلقی منهم ۔**

آہ! آہ! آل ابوسفیان وآل حرب سے مجھے کیا مطلب ہے، جو لشکر شیطان اور سرکردہ کفر وعدوان ہیں۔ اسکے بعد فرمایا اے اباعبداللہ صبر کر کیونکہ تیرے باپ کو بھی ان اشقیاء کے ہاتھوں وہی صدمات گذرے ہیں جو تجھ کو پہونچائیں گے۔ ۲۲

یزید درنظر اصحاب وتابعین

عبداللہ ابن عمرؓ

امیر معاویہ نے آپ کو ایک لاکھ درہم بغرض بیعت یزید بھیجے لیکن آپ نے بڑھاپے کا عذر کر کے اسکو واپس کر دیا اور کہلا بھیجا کہ ایک لاکھ درہم تو تم نے (اے معاویہ) میرے ایمان کی کم قیمت لگادی ہے۔ ۲۳

عبداللہ بن حنظلہؓ

اہل مدینہ نے اسلئے یزید کی بیعت نہیں کی کہ یزید گناہوں میں پھنس گیا تھا۔ ہم نے یزید پر اس وقت تک

خروج نہیں کیا جب تک کہ ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اب آسمان سے پتھر برسیں گے ۔سخت تعجب ہے کہ لوگ ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کریں اور کھلم کھلا شراب پئیں ۔[۲۴]

عمر ابن عبدالعزیز

ایک دن ایک آدمی نے ان کے سامنے یزید کو امیر المومنین کہا تو آپ نے اس پر اس کوڑے لگوائے ۔[۲۵]

حسن بصریؒ

یزید نے مدینہ کے بہت سے صحابہ کو قتل کیا اور مدینہ کو لٹوایا۔ایک ہزار کنواری لڑکیوں کو بے عزت کروایا۔ جب اسکے از حد گناہ کی خبریں مدینہ والوں کو ملی تو انہوں نے اسکی بیعت توڑ دی۔[۲۶]

امام شافعی

یزید چونکہ شراب، شطرنج اور چیتوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا اس پر لعنت کرنا جائز ہے ۔[۲۷]

امام احمد بن حنبلؒ

ایک دفعہ آپ کے بیٹے صالح نے آپ سے پوچھا کہ بابا کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے۔تو آپ نے فرمایا: اے بیٹا اللہ پر ایمان رکھنے والا کوئی ایسا بھی ہے جو یزید کی دوستی کا دم بھرتا ہو؟ اور اس پر میں کیوں نہ لعنت کروں جسکو اللہ نے قرآن میں لعنت کی ہو۔[۲۸]

امام غزالیؒ

ایک گروہ کا گمان ہے کہ حسینؑ کے قتل پر یزید راضی نہیں تھا لیکن اگر غور کیا جائے کہ جب دو بادشاہ آپس میں برسر پیکار ہوں تو ایک غالب اور دوسرا مغلوب ہوگا۔اگر مغلوب قتل ہو جائے تو یہ سمجھا جائے کہ غالب نے اسکو غلطی سے قتل کر دیا۔اور اس میں سربراہ لشکر موجود نہ تھا۔یعنی خود نہیں لڑ رہا تھا۔حسینؑ کے قتل، انکے مال و اسباب کی لوٹ مار، اہل حرم کی اسیری، ان کے سر اقدس کا نیزے پر بلند ہونا، اس پر جمہور مفسرین کا اجماع ہے اور یہ ایسے حالات ہیں جن میں غلطی کا امکان ہی نہیں ۔[۲۹]

علامہ ابن حزم

یزید فقط دنیاوی غرض سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔اسکی تاویل ممکن نہیں وہ کھلم کھلا اور ننگا باغی ہے ۔[۳۰]

علامہ ابوالحسن علی ابن محمد الکیا ہراسی

خدا یزید پر لعنت کرے۔مجھے جتنا بھی موقعہ ملے گا میں اسکی مذمت اور سیاہ روش کی داستان کو طول دوں گا۔[۳۱]

علامہ ذہبی

یزید ابن معاویہ ناصبی ، سنگ دل، درشت خو، نشہ باز ، بدکردار تھا۔اس نے حسینؑ کے قتل پر حکومت کی

ابتدا کی اور واقعہ حرہ پر حکومت کا اختتام کیا۔[۳۲]

علامہ ابن عماد

یزید کے حق میں جو بھی حدیث ہے وہ من گھڑت، بکواس اور فضول ہے۔[۳۳]

علامہ شوکانی

بعض علماء تو زیادتی کرتے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ حسینؑ نے جو نواسہ رسولؐ تھے بدمست شرابی کے خلاف بغاوت کی، غلط تھا۔ خدا ان پر لعنت کرے (یعنی جو حسینؑ کے اقدام کو غلط سمجھیں) کتنی حیرت کی بات ہے۔ یہ وہ کلمات ہیں جن سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور جن کو سنکر پتھر کا کلیجہ بھی شق ہوجائیگا۔[۳۴]

علامہ تفتازانی

حق بات تو کہ حسینؑ کے قتل پر راضی ہونا اہلبیتؑ نبویہ کی توہین کرنا اور اس پر پھولے نہ سمانا۔ اسکی وجہ سے ہم اسکے (یزید) ے بارے میں توقف نہیں کرتے ہیں بلکہ اسکے ایمان[؟] کے بارے میں بھی ہم کو تامل نہیں ہے۔ اللہ یزید پر اور اسکے مددگاروں پر لعنت کرے۔[۳۵]

علامہ واقدی

یزید ایسا شخص تھا جو باپ کی منکوحہ اور اپنی، عشیروں کو بھی نہیں چھوڑتا تھا۔ شراب خوار اور تارک الصلوٰۃ تھا۔[۳۶]

علامہ مسعودی

یزید کے کردار سے اسکے درباری بھی یزیدی کردار کے آئینہ دار تھے اور اس دربار کا اثر اتنا عام ہوگیا تھا کہ مکہ اور مدینہ میں بھی گانے بجانے کا رواج عام ہوگیا اور شراب تو علی الاعلان ان دوجگہوں پیا کرتے تھے۔[۳۷]

جوزف میک کیپ

یزید اسلام کے مخبرین میں سے تھا اور صف کفار میں شامل کیا جاتا تھا۔ اسکی ماں مسیحی تھی۔ ابداً دین اسلام کی موافقت نہیں کی۔ جب بھی اسکو فرصت ملتی تھی تحقیر و تذلیل کیا کرتا تھا۔ آزادانہ طور پر شراب پیتا تھا۔[۳۸]

فلپ کے ہٹی

Maysun was a jocobite christian like her predcesar......., who also belonged to the Kalif tribe. She often took her son Yazid, subsequently the succssor of Ma-awiyah, to her badiyah (Sufiyan desert), Particularly to palmyrena, in which her bedowin tribe moved and where the youthful crown prince became habituated to the chase, hard-riding, wine- bibbing and verse making.

میسونہ انگلستانی لڑکی تھی اس طرح جس طرح اسکی مورث۔ اس نے اپنے بیٹے یزید کو جاریہ (صحرائے

شام) میں لے کر اپنے شوہر کے بعد ولی عہد بنانے کی ٹھان لی۔ بالخصوص پالی میرا (جگہ کا نام) کے مقام پر جہاں پر اسکا بادیہ عشیرہ پھرتا رہتا تھا خیمہ نشین رہتے تھے۔ یہاں پہنچ کر نوجوان شہزادہ (یزید) شطرنج، گھوڑا سواری، منشیات، شراب اور اشعار کہنے کا عادی ہو گیا۔ [۳۹]

مجددالف ثانی

یزید بد بخت اور فاسقوں کے زُمرے میں ہے۔ [۴۰]

علامہ اقبالؒ

یک حسینؑ نیست کوگرددشہید ورنہ درعالم بسیارند یزید

شاہ عبدالحق محدث دہلوی

یزید کی جسارت اور افعال قبیحہ اس قدر بڑھ گئے تھے کہ وہ اخلاق کے دائرے سے نکل چکا تھا۔ اُس کی مذہب سے بے زاری اور دین خدا و رسولؐ کی توہین کی یہ حد تھی کہ اس نے عائشہؓ کی خوبصورتی سنکر اسے نکاح کی خواہش کی ظاہر کی تھی۔ [۴۱]

امام سمہودی

علماء کا یزید پر لعنت کرنے میں اتفاق ہے کیونکہ اس نے حسینؑ کے قتل کرنے کو جائز جانا۔ [۴۲]

علامہ راشدالخیری

مظالم کربلا کو نظر انداز کرنے والے مسلمان پیغمبر عربیؐ کی اُمت نہیں ہو سکتے ہیں۔ [۴۳]

ایڈورڈ براون

یزید شکار، شراب اور لہو ولعب کا شوقین تھا۔ رقص و سرور کا دلدادہ تھا۔ [۴۴]

یہ وہ افکار تھے جو ہم نے بحر ذخار کی متلاطم موجوں سے اختصاراً نکال کے لائے ورنہ قلم میں تاب گویائی کہاں کہ وہ اس شقی کے تمام حالات منظر عام پر لے آئے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سے محرکات تھے، کون سے افعال تھے یا کون سے کرتوت تھے، جن کو دیکھ کر مندرجہ الصدر جلیل القدر مفسرین، مورخین اور مؤلفین اپنی آراء لکھنے پر مجبور ہو گئے؟ اسکا مختصر سا خاکہ ناظرین کرام کے حسن مطالعہ پر اگر چہ طبع گراں ثابت ہوگا، لیکن تالیف ہٰذا میں انکا مختصر ساذکر چنداں ناگزیر ہے۔ اسلئے کہ جو یزید کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سٹیفکیٹ دے کر (عصر حاضرہ کے سر پھرے قلمکار) بشارت جنت دے کر بری الذمہ قرار دیتے ہیں۔ ان کو تنبیہ ہو سکے۔!

یزید اپنے اشعار کے آئینے میں

نمایاں بات ہے کہ جب حق پسندوں کے سامنے یزید کا نام آجاتا ہے تو نفرت وحقارت کے ملے جلے

جذبات ان کی پیشانی پر اُبھر آتے ہیں۔ان کے چہرے متغیر ہو جاتے ہیں اس لئے کہ ’’لفظ یزید داخل دشنام ہو گیا‘‘ کیونکہ اس نے ببانگ دھل نہ صرف امت مسلمہ کی ہتک حرمت کی بلکہ کھلم کھلا اشعار کہہ کر دین محمدؐی کو بھی اقوام عالم کے سامنے رُسوا کیا۔ ماؤں و بہنوں سے نکاح کر کے شریعت الٰہیہ کی علی الاعلان توہین کی۔ اصحاب رسولؐ و اولاد رسولؐ کو قتل کر کے غیر اقوام کے سامنے اسلام کا وہ نقشہ پیش کیا کہ غیر تو غیر اپنے ہاں کے افراد بھی لعنت کے جواز و عدم جواز میں اُلجھ گئے جبکہ لنۃ اللہ علی الظالمین ۔لعنۃ اللہ علی الکافرین شاہد و موجود تھا۔اب کہا جائے گا کہ یزید نے قتل آل عبأ سے کوئی کفر تو نہیں کیا کہ جو اُسکو کافر کہا جائے تو اس آیت کو کیا کہیں کہ جو **لم بحکم بما انزل الله فاولائِک هم الکافرین** کہہ کر یزید کے فسق و کفر، گمراہیت اور جاہلت پر صریحاً دلالت کرتی ہے۔کیا دین کو کھیل تماشا سے تشبیہ دینا کفر نہیں ہے؟ کیا شراب کو حلال قرار دیکر پینا کفر نہیں ہے؟ کیا ماں بہنوں سے نکاح کرنا کفر نہیں ہے؟ اور سنیئے۔

شمسیه کرم برجها قعردنها　　　مشرقها ساقی و مغربهافمی

فان حرمت یوماً علی دین احمد　　　فخذها علیٰ دین مسیح ابن مریم

اقول لصحب ضمت الکاس شملهم　　　ودعیٰ حبابات الهوی یترنم

خذوا بنصیب من نعیم ولذة　　　فکل وان طال المرئ یتصرم

علیه هاتی ناولینی و ترنمی　　　حدیثک انه احب التنا جیا

فان الذی حدثت عن یوم بعثنا　　　احادیث زور تترک القلب ساهیا

یا معشر الناس قوموا　　　واسمعوا صوت الاغانی

واشربوا کاس مدام　　　واترکوا ذکر المعانی

شغلتنی نغة العیدان　　　عن صوت الاذان

وتعوضت عن الحور　　　عجوز فی الدنان

ترجمہ: انگوری شراب بطرف مشرق دست ساقی سے طلوع ہوا اور میرے دھن کے مغرب میں غروب ہو گیا۔

اگر دین محمدؐی میں شراب حرام ہے تو اسکو چھوڑ کے دین مسیحی* میں رہ کر اس کو پی لو۔

پس جو کچھ ہے یہی دنیا ہے۔اس دنیا کے بغیر اور کوئی بھی عالم نہیں ہے۔لہٰذا یہاں کی لذتوں سے پوری طرح بہرور کیوں نہ ہو جائیں۔

(وہ تمام فرامین جو قرآن میں ’’یوم البعث‘‘ کیلیئے آئے ہیں انکا کھلم کھلا انکار کیا جا رہا ہے۔)

اے میری محبوبہ میرے قریب آ اور مجھے اپنے دھڑکنوں کے زیر و بم سے مسرور کر کیونکہ میں تمہارے آہستہ

*ماں کی تربیت کا اثر ہے۔

بولنے کو پسند نہیں کرتا ہو۔

کیا تاثر لیا ہوگا ان اقوام نے کہ جن کو یکے بعد دیگرا اسلامی نقشہ میں آ دبوچا گیا۔ ہونہو! ان کا کیا جو قیامت کے قصے لیکر لوگوں کو ڈراتا ہے۔ ارے یہ تو سب بکواس ہے اسے تو دل ساز وآواز سے یکسر محروم ہو جاتا ہے۔

استغفراللہ! فرمائے۔ کہ اب بھی رضی اللہ عنہ کہہ کر اسکو داخل جنت کیا جائے۔ اُٹھواے میرے میکدے کے ہم نشینو! گھنگھروں کی جھنکار اور مئے کے چھلکتے ہوئے جاموں میں اپنے شباب زندگی کے لطف لے لو۔ خرافات دینی تو بس مضحکہ ہے۔ کیونکہ پائل کی جھنکاروں نے تو مجھے صوت آذان سے اُٹھالیا ہے اور حوروں کے تصور سے نکال کر بوڑھی مغنیوں کی زندگی کے ساتھ رابطہ کیا ہے۔

تعجب ان اشعار پر کیوں کیا جائے جبکہ بات عیان ہے کہ یزید کا صرف وجود تھا لیکن اسکی زبان سابقہ ادوار کے اجتماعی تطور کی عکاسی ہے۔ اگر نہ ہوتی تو ایک یزید اور بھلا اتنی قوت کہ روم وایران کے حَسین شباب کو اس طرح دربار میں بہادے۔

علیة هاتی واعلنی وترنمی — بذالک انی لااحب التنا جیا
حدیث ابی سفیان قد ما سمابها — الی احدٍ حتیٰ اتاه البواکیا
الاهات سقینی علیٰ ذالک مهوه — تخیر ها الفی کرما شامیا
اذاما نظر نافی امور قدیمة — وجدنا حلالاً شربها متوالیا
فان مت یا ام الاحیم فانکحی — ولاتاملی بعد الفراق تلاقیا
فان الّذی حدثت عن یوم بعثنا — احادیث طسم تجعل القلب ساهیاً
ولا بدلی ان ازور محمداً — بشمولة صفراء تردی عظامیا

اے میری محبوبہ! مجھے اچھی طرح سنا۔ بلند آواز سے سنا۔ تمہارا چپکے بولنا مجھے قطعی پسند نہیں سناؤ۔ مجھے ابو سفیان کا احد والا قصہ جب اس نے دشمن* کے گھر میں ماتم بپا کیا تھا۔ ہاں اے میری تھرکتی جوانی! قصہ سناتے سناتے مجھے شراب بھی پلاتی جا۔ وہ شراب جو شام کے بہترین انگوروں کے نچوڑ سے تیار کیا گیا۔ اے میری محبوبہ! جب ہم اس شراب کے قدیمی (سابقہ) عدم حرام وحرام پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں حلال ہی حلال نظر آتی ہے۔

بیت نمبر۶: اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے شراب کی حرمت پر کبھی بھی ایمان نہیں لایا تھا کیونکہ اگر یزید کے متقدمیں نے اسکی حرمت پر واقعاً ایمان لایا ہوتا تو یزید ان کی ترجمانی نہیں کرتا۔ کیونکہ گھر کا فرد گھر کے تمام نشیب وفراز سے واقف ہوتا ہے، جیسے کہ علامہ شبلی نعمانی نے بھی ادریٰ بما فیها البیت کہہ کر اسکی تصریح فرمائی ہے۔

---

* یہاں دشمن سے مراد محمد عربیؐ ہیں کیونکہ احد کی لڑائی مابین کفر واسلام ہوئی تھی۔ اسلامی قائد جناب رسالتمابؐ تھے اور کفر کا قلادہ یزید کا دادا ابوسفیان گلے میں ڈالکر مقابلے پر اُتر آیا تھا۔

اے میری نازنین! اگر مجھے موت آئی تو تو کسی اور کے ساتھ نکاح کر لینا کیونکہ موت کے بعد ملاپ نہیں ہوتا ہے اور جو اگلی زندگی کے متعلق تو نے داستانیں سنی ہیں یہ سب داستانیں قصۂ پارینہ ہیں۔ ان کی یاد انسان کو بغیر نادانی کے اور کچھ بھی نہیں دیتی ہیں۔

اگر مجھے محمدؐ کے ساتھ ملنا ہی پڑا۔ تو ایسی شراب پی کر ملوں گا جسکا اثر میری ہڈیوں تک پہنچ چکا ہو'

یہ تھے چند اشعار جن کو ہم نے محض اس لئے مندرج کیا تا کہ مزید کسی کو یہ گمان نہ رہے کہ یزید بھی تبع صحابہ میں شمار کیا جا رہا تھا۔ لیکن امتداد زمانہ کے دبیز پردوں نے اسکے فضائل ومناقب پر پردہ ڈال دیئے۔

متذکرہ اشعار سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

۱) یزید نے نہ اسلام لایا تھا اور نہ اسلام کی عظمتوں کا کوئی لحاظ تھا۔

۲) یزید اپنے خاندانی مسلک پر قائم ودائم تھا۔

۳) یزید نے اشعار سے اپنے آبائی خاندان کا تار پود بکھیر کے رکھ دیا۔

۴) یزید دین محمدیؐ کے داخلے کا سخت مخالف تھا۔

۵) یزید اپنی خباثت خاندانی کو شراب کے پیالوں میں علی الاعلان پیش کرنے میں بڑا دلیر تھا۔

۶) یزید انتہائی شہوت پرست، نفس پرست اور بے باک زانی تھا۔

۷) یزید جمہوری خلیفہ تھا اسلئے کہ شام کی اکثریت نے اسکو 'حسب ہدایات' خلیفہ منتخب کیا تھا۔

۸) یزید میں وہ تمام اوصاف تھے جو ناز و نعمت میں پلے خود سر بیٹے میں ہونے چاہیں۔

۹) یزید محرمات کا قائل نہیں تھا۔ اور اس میں اس نے نڈر طریقے سے تقلید کی تھی۔

۱۰) جس قسم کا حکمران عالم اسلام کے سامنے لوگوں نے پیش کیا یزید اس پر پورا پورا اُترا تھا۔

لہٰذا ان تمام نتائج کو مد نظر رکھ کر عصر حاضرہ کے مولفین جن میں عبدالحلیم شرر، مرزا حیرت دہلوی، محمود احمد عباس وغیرہ وغیرہ شامل ہیں یاد رکھیں کہ یزید انکا ضرور شفاعت دھند ہے اسلئے کہ میدان حشر میں محمدؐ عربی کی نہیں اس شوریٰ، استخلافی اور منصوص خلیفہ کی سند درکار ہے۔ جسکو یہ ضمانت دے قابل تعفو اور مستحق جنت ہوگا اور جس پر انکا غیض وغضب نازل ہوگا وہ جنت کیا جنت کی بو بھی نہیں سونگھے گا۔

یزید نوازی اور اسکا جائزہ

حیرت سے کہ قرن ہا بیت جانے کے بعد بھی بنی عباس اور بنی اُمیہ کی رگ تعصب پھڑک اُٹھی۔ آج اگر ان دو عفریتوں کا وجود نہ بھی ہے لیکن ان کے افکار، ان کے افعال اور انکے مضالم بالفعل مرزا حیرت دہلوی میں عود کر آئے کہ انہوں نے واقعہ کربلا کا سرے سے ہی انکار کر دیا۔ مانا ہم نے کہ ہماری خونچکاں داستان ہمیشہ اکثریت کی

بھینٹ چڑھی۔ ہمارے مسلک، ہمارے عقائد اور ہمارے صبر کا سفینہ ظلم وتشدد، قہر وغلبہ اور جبر واستبداد کی متلاطم موجوں پر ہچکولے کھا کر کئی بار ڈوبا اور کئی بار اُبھرا۔لیکن دنیا نے دیکھا کہ جتنا ہم اور ہمارے رہنما دبا دیئے گئے اتنا ہی ہم اور ہمارے رہنما اُبھرے۔ بحمداللہ آج کروڑوں کی تعداد اس ربع مسکون پر آزادی کا سانس لے رہے ہیں۔گذشتہ ادوار میں ہم نے جہاں بھی حق کا چراغ جلایا بجھا دیا گیا۔ جہاں ہمارے ہاتھ اس کو روشن کرنے کیلئے بڑھے قلم کر لئے گئے۔لیکن کیا اتنے ظلم، اتنے تشدد اور اتنے حوصلہ شکن مصائب میں کبھی ہم نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا؟ کبھی نہیں۔مولانا! ہم نے اپنا خون دیکر مذہب حقہ کی حفاظت کی ہے۔ہم نے اکثریت کی پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ہم نے ہر اعزاز کو نظرِ تحقیر سے دیکھا۔اسلئے کہ ہمیں قیصر وکسریٰ کے عبرت ناک انجام کا بخوبی علم تھا۔شوری سلطنت سے لیکر یونانی بت پرستوں کی حکومتوں سے ہوتے ہوئے بازنطینی امرا کا انجام تو معلوم ہی ہوگا۔ ہر قرن میں سے اُٹھنے والے جابروں نے چاہا کہ سابقہ سلطنتوں کا خاتمہ کر دیا جائے ایسا خاتمہ کہ آنے والی نسلیں کسی بھی ایک چیز سے متعارف نہ ہوں لیکن کیا یہ ممکن تھا؟ اور کیا ان کا خواب پورا ہوا؟

اب تو تہذیبیں بھی بدل گئیں۔اب تو ارتقائی فکروں کا زمانہ ہے۔لیکن کیا اسکا مطلب یہ ہے کہ گذشتہ حقائق پر دبیز پردے ڈال دئے جائیں۔تعجب ہے کہ سائنسی فکر ارسطا طالیس، دیموقراطیس اور فیثا غورث (قدمائے مفکرین) کی یاد صرف عصر حاضرہ میں اس لئے زندہ رکھی جاتی ہے کہ یہ ذہنِ حاضرہ کی جدت کے موسس ہیں اور ہم کلمہ گو ہیں، محمدؐ کا کلمہ پڑھتے ہیں اور حسینؑ کا ذکر جو ہر قرن کے انقلابوں کا عنوان ہے مٹا دینا چاہتے ہیں''حیف اور صد حیف''۔

حیرت صاحب کیلئے تو حیف ہی ہے لیکن شرر صاحب نے تو شرارہ ہی لکھ مارا۔اور اس پر طرہ یہ ہے کہ اس نے اسے''سکینہ بنت الحسینؑ'' کے نام سے میدان میں لایا۔اس میں جو بھی واقعات، روایات اور اشارات ہیں۔ حقیقت سے مبرا، معنویت سے دور اور درایت سے قطعی الگ ہیں۔چاہئے تو یہ تھا کہ پہلے اچھی طرح تاریخ کا مطالعہ کیا جاتا، استنباط اور استدلالی طُرق کے نشیب وفراز سے واقفیت حاصل کر لی جاتی پھر اگر کوئی تاریخ یا کوئی تالیف میدان میں لے آتے تو بات تھی۔ کتابوں کی ضخامت اس بات پر قطعی دلالت نہیں کرتی ہے کہ اسکا لکھنے والا کوئی معیار بھی رکھتا ہے۔کیا شرر صاحب فن تاریخ سے واقفیت رکھتے ہیں؟ ہم ایمان سے کہتے ہیں کہ قطعاً نہیں۔ بالفرض اگر انہوں نے اپنے متقدمین کی پیروی بھی اپنی اس دروغ بیانی میں کی تو یہ تاریخ کا قصور نہیں کہلایا جائے گا بلکہ ان کے قلمی مسلک اور تعصب پر صریحاً دلالت ہوگی۔

وہ افراد جو نہ محمدؐ عربی کا لحاظ کریں اور نہ اُنکی ذریتؑ طاہرہ کا انکو شفاعت کی اُمید کیونکر ہوسکتی ہے۔آپ نے سکینہ بنت الحسینؑ پر جو جارحانہ حملے کئے ہیں یہ نہ صرف اس مظلومہ پر براہ راست حملہ ہے بلکہ بذات خود جناب

رسالتمابؐ پرحملہ ہے۔اسکی ابتداء خیام حسینیؑ میں ہوئی اور بیسویں صدی میں آپ پرآ کررُکی۔فرق صرف یہ تھی کہ وہ علی الاعلان حملہ کررہے تھے،تحقیر کررہے تھے اورآپ نے قلمی گردشوں سے اسکو الفاظ میں لاکرتحقیر وتذلیل کی۔کیا آپ کوحسینؑ کی عظمتوں کا بھی کوئی لحاظ نہیں تھا یاللعجب:

یہی شیخ حرم ہے جو چُرا کر بیچ کھاتا ہے گلیم بوذرؓ دلق اویس ؒ و چادر زہراؑ

(اقبالؒ)

آج تک قدماء ومتاخرین کا یہی اصول رہا ہے کہ جو بھی جان بوجھ کر حقائق تاریخ سے چشم پوشی کرے اس سے اعراض کیا جائے لیکن اور جو **ارتدّو علیٰ ادبارھم لقھقھری** پرعمل درآمد کرے اِس سے پناہ مانگی جائے۔

لیکن ہم یہ بات بتائے بغیر آگے اسلئے نہیں گذرنا چاہتے ہیں کہ مبادا سادہ لوح عوام غلط فہمیوں کے دام تزویر میں نہ آجائیں اسلئے کہ عقیدہ اور فعل میں روز ازل سے نمایاں فرق چلا آیا ہے۔عقیدہ مضمر ہے اور فعل عیاں لہٰذا فعل کی تمام محرکات جہاد بالسیف نہ سہی جہاد بالقلم پرآمادہ کرتی رہی ہیں۔

یزید نے جوظلم کرنا چاہا اس پرعملی محرکات بھی ثابت کردیئے۔خاندانِ یزید نے جتنا چاہا دین نبیؐ کومٹایا جائے عملاً کرکے دکھایا۔اس کے بعد اس وقت تک کے اس طولانی عرصہ میں کیا ہوا احاطہ قلم سے باہر ہے۔دور کیوں جائیں تاریخ ہی کو لے لیجئے۔آج تک شاہانہ تمکنت اور غرور کےظلم سے چلا رہی ہے۔آج نہ جانے کن کن خرافات کو سُر پھرے مؤلفین قرطاس ابیض پر لے آتے لیکن ذی الحجہ ۶۵۵ھ میں ہلاکو خان نے بغداد کے علمی مرکز کے کروفر کومٹا کے رکھدیا۔بچ بچا کے جو بھی ہاتھ لگا اسے ضحی الاسلام،تحفہ اثناعشریہ،سکینۃ بنت الحسین،التاریخ الاسلامی والحفصارۃ الاسلامیہ ابطال الباطل،ردنواقض وروافض اورخلافت معاویہ ویزید وجود میں آ گئی۔ورنہ نہ جانے کیا کیا نہ کر بیٹھتے۔آپ اگراندازہ لگالیں گےتو آپ پر یہ حقیقت چنداں مشکل نہیں ہوگی کہ ''خلافت معاویہ ویزید'' پڑھ کرانسان فکر پر نوحہ وکناں نظر آتا ہے۔انسانی حقارت اور ذلت کے ملے جلے جذبات کا اظہار کردیتا ہے۔اندازہ لگائیں کہ جو حسینؑ کو باغی اور یزید کواولی الامر خلیفہ تسلیم کررہا ہو، حسینؑ کے اقدام کوناجائز قرار دیتا ہو، حسینؑ کی شہادت عظمٰی کو ہلاکت سےتعبیر کررہا ہو،یزید کے ہرفعل کوبنظر احسن دیکھ رہا ہو،یزید کے محرمات کوعین اسلام قرار دے رہا ہواور یہ کہہ رہا ہو کہ حسینؑ کا انجام ایسا ہی ہونا چاہئے تھا جو ہوا اس لئے کہ اس نے شوریٰ جمہوری اور منصوصی خلیفہ کے خلاف بغاوت (خروج) کی تھی۔کیا اس قابل ہے کہ اسکوحصار اسلام میں لاکر دائرہ ارتداد سے مستثنٰی قرار دیا جائے ہرگز نہیں۔شاید ہی امت مسلمہ کا کوئی فرد اس کی مذموم تحریر سے اتفاق کرنے پرتیار ہوگا۔

یزیداور چارلیس دوئم

میور اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:

"Yazid died in his hunting castle at 40 years of age after a reign of three and half years. In natural disposition he much resemble charales second of England. He is described dissipated monarch, but through the petron of learning and himself no mean poet, he is only remembered for his sacrilegious attack up on the holy cities and and the family of Mohammad" [۴۵]

''تین سال اور چھ ماہ کی حکومت کر کے یزید ۴۰ سال کی عمر میں اپنے شکاری قلعے میں مر گیا۔ طبیعت میں وہ بعینہ چارلیس دوم انگلستان سے ملتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک عیاش حکمران، شاعر اور علم دوست تھا مگر وہ صرف حرمین (مکہ و مدینہ) کی بے حرمتی اور آلِ محمدؐ کی بربادی کی وجہ سے تاریخ میں یاد کیا جاتا ہے''

میور نے تو یقیناً کھل کے سیرت لائی۔ کیوں نہ لاتا جبکہ یزید کی ماں میسونہ انگلستانی نژاد ہی تھی۔ اس نے چارلیس کیا سیزر اور نپولین بھی اسکا بناڈالا ہوتا۔ سنئے چارلیس کون تھا۔

چارلیس دوم کو کنوینشن پارلمینٹ نے ہالینڈ سے اپنے باپ کا تخت سنبھالنے کیلئے بلایا۔ وہ اس پیغام کو پاتے ہی سیدھا لندن آیا اور ۲۹ مئی ۱۶۶۰ کو انگلستان کا بادشاہ بنادیا گیا۔ لوگوں نے اسکا پُر جوش استقبال کیا اور بڑی خوشیاں منائیں۔ تخت نشینی کے وقت اسکی عمر ۲۵ سال کی تھی.......... چارلس دوم بڑا چالاک، کاہل اور عیش پرست تھا۔ انگلستان آتے ہی رنگ رلیوں میں مصروف ہوگیا۔ اسی وجہ سے لوگ اسے Merry Monarch (رنگیلا بادشاہ) کہتے ہیں۔ وہ بڑا عیش پرست تھا۔ اسکے کئی ناجائز بچے تھے جن میں سے ایک ڈیوک آفت من موتھ تھا۔ وہ بڑا خود غرض اور مطلب پرست تھا اور اپنا مطلب نکالنے کیلئے دوستوں، وزیروں اور مذہب تک کو چھوڑنے پر تیار تھا۔ چونکہ اس نے بارہ سال کا عرصہ جلائے وطنی میں گذرا تھا اسلئے اسے مصیبت کے دن یاد تھے۔ [۴۶]

اب آئے ذرا ان دو شہزادوں کا موازنہ کریں تا کہ محمود احمد عباسی صاحب کا نجات دھندہ کھلے طور میدان میں آجائے اور عامۃ الناس کو بھی کوئی شک وشبہ نہ رہے۔

چارلس	یزید
۱) چارلس کو کنونشن پارلمینٹ ہالینڈ سے بلا کر باپ کا تخت دے دیتے ہیں	یزید کو بادیہ (شام کا نواحی علاقہ) سے خلیفہ کی کنوینشن پارلمینٹ (مغیرہ ابن شعبہ اور دیگر روسائے شام) بلا کر باپ کا تخت پیش کرتے ہیں
۲) چارلیس بڑا چالاک کاہل اور عیش پرست تھا۔	یزید بھی چالاک، کاہل اور عیش پرست تھا۔
۳) چارلیس انگلستان آتے ہی رنگ رلیوں میں مصروف ہوجاتا ہے۔	یزید شام کے دربار میں آتے ہی رنگ رلیوں میں غرق ہوجاتا ہے۔

۴) چارلیس رنگیلا بادشاہ تھا۔	یزیداس سے کچھ کم نہیں تھا
۵) چارلیس زانی تھا	یزید نے کئی زنا کئے جن میں سگی پھوپھی کا زنا ناقابلِ انحراف ہے۔
۶) چارلیس بڑا خودغرض اور مطلبی تھا۔	یزید بھی خودغرض اور مطلب پرست تھا۔
۷) چارلیس اپنا مطلب نکالنے کے لئے مذہب تک کو چھوڑ دیا کرتا تھا۔	یزید نے تو مطلب نکالنے کے خاطر مذہب کو نہ صرف چھوڑا ہی بلکہ اسکی تذلیل وتحقیر میں کارہائے نمایاں انجام دئے۔

یہ تھا علمی موزانہ جوحرف بحرف صحیح اورحق ہے۔اب بھی اگر یہی کہہ یا جائے کہ یزید سیرت کے اعتبار سے قطعی بے داغ تھا یعنی اسکی سیرت میں کوئی خامی نہیں تھی تو یہ سراسر جہالت اور ناعاقبت اندیشی کے مترادف ہے۔رہ گیا اسکے خلاف خروج یا بغاوت کا مسئلہ تو یہ اظہر من الشّمس ہے کہ اگر رسول اللہؐ بھی اس دور میں ہوتے تو وہ عباسی صاحب کے اس Merry Morach کے خلاف علم بغاوت بلند کردیتے۔اس لئے کہ دین اسلام بُرطرح پامالی سے بچنے کیلئے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ مذہب اور شریعت کدے میں تزلزل تھا۔ اخلاق وآداب کے ستون جھٹک میں تھے۔ وہ چراغ جو رسولؐ اسلام نے اپنی حیات مقدسہ کی ۲۳ سالہ زندگی میں اپنے خون وعرق سے جلایا تھا ٹمٹما رہا تھا۔ وہ سفینہ جس میں عظمت اسلام سوار ہوکر بحرنا پیدا کنار کی طرف بڑھا دیا گیا تھا ہچکولے کھا رہا تھا۔علی الاعلان دین،شریعت،علم،اخلاق،سیرت کا جنازہ نکل رہا تھا۔جسدِ اسلام شامی باشندوں کے کندھوں پر مردہ لاش کی طرح تھا۔ ہدایت کے منارمنہدم ہورہے تھے۔اسلامی سطوت کا صاف وشفاف پانی لہروں سے محروم ہو چکا تھا۔غرض وہ سب کچھ ہورہا تھا۔جس سے نہ صرف اسلام تمام صفحہ دہر سے حرف غلط کی طرح مٹ جاتا بلکہ بانی اسلام اور اللہ کی بے پناہ رحمتوں کا قلعہ یکسر منہدم کردیا جاتا۔ جب یہ کچھ تھا تو کیا یہ پھر ممکن تھا کہ حسینؑ ایک خاموش تماشائی بن کے شمع اسلام کی آخری لوکو بجھنے دیتے۔اسلام کی آخری ہچکی دیکھ کر خاموش رہتے۔کیا کوئی یہ باور کرے کہ باپ کی کمائی مٹ رہی اور بیٹا کچھ نہ کرے۔حیف اور صد حیف۔

عباسی صاحب! یہ یزیدی خاندان نہیں تھا یہ تو خاندان نبوت تھا۔ نبیؐ نے جب دیکھا کہ لوگوں کی گردنیں ہاتھوں کے تراشے ہوئے بتوں کے سامنے جھکتی ہیں تو آپ اُٹھے اور اس طرح اُٹھے کہ لات وہبل پر بھی لرزہ طاری کردیا۔ یہاں تو صرف توحید سے انحراف تھا لیکن ۶۱ ہجری میں توحید ورسالت سے نہ صرف انحراف تھا بلکہ تذلیل وتحقیر بھی تھی۔تو کیا مجال ہے کہ حسینؑ بیٹھے رہتے۔ان کی رگوں میں بھی ''محمدیؐ خون دوڑ رہا تھا۔ان کا رگ وریشہ رسالت وتوحید کی فطرت کا سرچشمہ تھا۔لہٰذا تمہارا یہ کہنا کہ یزید کے خلاف خروج کا کوئی جواز نہیں تھا غلط اور بے بنیاد

ہے جو کسی بھی صدی کے حق پسند کو منظور نہیں ہوگا۔ اور یقیناً نہیں ہوگا اس لئے کہ آج کل کے کلمہ گو صرف حسینؑ کے طفیل کلمہ پڑھتے ہیں اور یہ احسان عظیم ہے جسکا بدلہ ہم مسلمان کبھی بھی نہیں اُتار سکتے ہیں۔ ؎

پھیلا جو یہاں دین رسولؐ مدنی کا صدقہ ہے یہ بس آپکے سایہ فگنی کا

☆غلط فہمی ۵ اور اس کا ازالہ

یہاں اس سے غرض نہیں کہ یزید کس کی سنت کا احیاء کر رہا تھا۔ یہ علمائے کرام کا کام ہے کہ وہ یزید کی سیرت، کردار، عادات واطوار کا صحیح محاسبہ کریں اور لوگوں کو بتائیں کہ یزید کس کی سیرت، کس کی سنّت اور کس کے کردار کو اپنا رہا تھا۔ ہمیں صرف یہ بتلانا ہے کہ یزید کے طمطراق وتزک شاہی نے اتنا عروج پایا تھا کہ بذات خود اس طمطراق اور تزک واحتشام کو یزید سے یکسر نفرت تھی۔ یزید کی سادگی پر عباسی صاحب قربان جائے۔ جہاں بندروں کو حریرودیبا کی قبائیں زیب بدن کی جاتی تھی، جہاں گدھیوں نے مگس رانی میں قدم رکھا تھا وہاں امیر یزید کی بات ہی کیا ہوگی۔ ابوذرِ غفاریؓ کو اسی پر تو امیر معاویہ نے بے کجاوہ اونٹ[۱] پر مدینہ بھیجا تھا کہ درباری طمطراق، سونے چاندی کے ظروف، تخت شاہی کی قیصری وکسرائی ہیبت، گنگا جمنی تاج، زر پوش قبائیں، گراں ماں باندیوں کی ریل پیل، عیش وطرب کے زمزمے، تجمّل وشکوہ بھری جوانیاں اور رنگ آرائی محفل پر اس نے کڑی نکتہ چینی کی تھی اور اسکو آخروی آگ کے مہیب شعلوں کی بشارت دی تھی۔ اب تو دربار گیا کہیں نہیں تھا۔ من وعن پسر کے ہاتھ آیا۔ کیا آئے ہوئے یا ملے ہوئے اعزازات کو ٹھکرانا یزید کے بس کی بات تھی؟ یزید نے تو دل وجان سے ان چیزوں کا سوا گت کیا۔ بلکہ اگر کوئی کسر درباری شکوہ میں رہ گئی تھی وہ یزید نے نکالی۔ کوئی تاریخ کوئی تفسیر یا کوئی سیرت کی کتاب میں دکھائے جہاں اس چیز کی نشاندہی کی گئی ہو کہ یزید نے سادگی کو عیش وعشرت پر ترجیح دی ہو''۔

مندرجہ الصدر حقیقت کے بعد ہم پھر کتاب کے تسلسل میں آجاتے ہیں بقیہ سوالات کا موقع اور محل پر جواب دیا جائیگا۔ کیونکہ اگر ذرہ برابر بھی ناظرین کرام کی توجہ اسی دور میں اُلجھ کر رہ گئی تو پھر آگے بڑھنا ان کیلئے دشواریاں پیدا کرے گا۔ میں نے حتی المقدور یہی کوشش کی ہے کہ کم سے کم واقعات کا اندراج ہوجائے۔ تفصیل سے اگر واقعات کو منظر عام پر لایا جاتا تو آپ اتھاہ گہرائی سے گھبرا کر مطالعے کے دامن کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتے۔ اس طرح نہ صرف میرا مقصد فوت ہوجاتا بلکہ آپ بھی تشنہ لب بنکر متعدد سوالات سے دوچار ہوجاتے۔ مجھے اس حقیقت سے انکار نہیں کہ آج مقررین کرام کی بصیرت افروز اور معلوماتی تقاریر سے آپ کافی حد تک سنبھل چکے ہیں اور آپ بخوبی مذہب حقہ کی حمایت کر سکتے ہیں لیکن اتنا فرق میری طرف ضرور سنئے کہ بہت سے اسرار ورموز تھے کہ جنکی طرف آپکی توجہ مبذول کرانی ضروری تھی تاکہ آپ وقت کے نیم ملاؤں کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوسکیں۔

حوالہ جات

۱۔ العدالۃ الاجتماعیہ فی الاسلام ص۱۸۱
۲۔ مروج الذہب ط۳ ج۳ ص۷۷۔۸۱؛ تاریخ یعقوبی ج۲ ص۱۶۵
۳۔ التاج فی الاخلاق الملوک، جاحظ طہ جدید بیروت ص۲۵۸
۴۔ ناسخ تواریخ ج۶ ص۱۵۵
۵۔ تاریخ الخلفاء ص۲۲۱
۶۔ ضیاء العنین ص۲۹۴
۷۔ سورہ الاسراء آیت ۶۰
۸۔ تفسیر درمنثور، جلال الدین سیوطی ج۴ ص۱۹۱
۹۔ تاریخ الخلفاء اُردو ترجمہ ص۱۴۳
۱۰۔ ارجح المطالب عبیداللہ امرتسری ص۲۸۷
۱۱۔ کنز العمال ج۶ ص۳۲۳
۱۲۔ البدایہ ونہایہ ج۸ ص۲۳۱
۱۳۔ مشکوٰۃ ج اول ص۲۲، صواعق محرقہ ص۱۴۴
۱۴۔ طمانچہ بر رخسار مولف خواجہ حسن نظامی ص۳۰
۱۵۔ تا ۲۱۔ بحارالانوار، ترجمہ علامہ جزائری, حصہ اول ج۱۰ ص۸۲
۲۲۔ بحارالانوار علامہ مجلسیؒ ترجمہ علامہ جزائری ج اول ص۹۳
۲۳۔ روضۃ الصفاء ص۲۶
۲۴۔ تاریخ الخلفاء ص۲۱۲
۲۵۔ تاریخ الخلفاء ص۱۴۶
۲۶۔ صواعق محرقہ ص۱۳۲
۲۷۔ حیاۃ الحیوان ج۲ ص۱۹۵
۲۸۔ صواعق محرقہ ص۱۳۲
۲۹۔ سرالعالمین باب سیوم مقالہ چہارم ص۸
۳۰۔ محلی ج۱۱ ص۹۸
۳۱۔ ابن خلکان ج اول ص۳۵۵
۳۲۔ الروض الباسم ج۲ ص۳۶
۳۳۔ شذرات الذہب ج۴ ص۲۷۵
۳۴۔ نیل الاوطار ج۷ ص۱۴۷
۳۵۔ شرح عقائد نسفیہ ص۱۸۱ ط آستانہ ۱۳۱۳ھ
۳۶۔ صواعق محرقہ ص۱۲۵
۳۷۔ مروج الذہب ج۲ ص۶۸
۳۸۔ عظمت مسلمیں در اسپین ط اصفہان ص۴۱
۳۹۔ History of the Arabs P. 195
۴۰۔ مکتوبات مجدد الف ثانی، مکتوب ۲۵۸
۴۱۔ مدارج النبوۃ ص۱۴۵
۴۲۔ بحوالہ گلدستہ عقیدت ص۸۹
۴۳۔ آمنہ کا لال، دیباچہ
۴۴۔ تاریخ ادب ایران ص۲۲۶
۴۵۔ Miver:- The caliphate its rise, Decline and fall
۴۶۔ تاریخ انگلستان، لال رام رکھا لعل ملہوترہ ص۱۰۴

ولی عہدی کی کوششیں

ہم نے صرف یزید کے کردار کا اختصاراً جائزہ لیا ہے ورنہ محمود احمد عباسی کی ہر اس من گھڑت حدیث کی قلعی کھول کے رکھ دیتے جو اس نے انتہائی شرمناک، جلب زر اور بتقلید بنی اُمیہ'' خلافت معاویہ اور یزید'' میں مندرج کی ہے۔

قارئین کرام کی طبع نازک پر اگر گراں نہ گزرے تو چند واقعات ہم محمود احمد عباسی کی کتاب سے نقل کئے دیتے ہیں تا کہ اسکے ہر اعتراض کا اگلے صفحات میں دندان شکن جواب دیا جائے۔ ملاحظہ ہو:

۱) ''جہاں تک امیر یزید کی ولایت عہدی کا مسئلہ پیش ہوا، حضرت مغیرہ ابن شعبہ جیسے مدبر صحابی نے یہ تحریک پیش کی کہ امیر المومنین (معاویہ) اپنی زندگی میں ولی عہدی کا انتظام کر جائیں۔ اس لئے انہوں نے امیر المومنین کے لائق فرزند یزید کا نام پیش کیا۔ جہاں تک یزید کی اہلیت وقابلیت کا سوال ہے ان کے عہد میں سب کے نزدیک مسلم تھی۔''

۲) ''حضرت حسینؑ نے بھی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی''

۳) ''امیر یزید کی اس بیعت سے پہلے کبھی اس اہتمام سے بیعت نہیں کی گئی تھی کہ مملکت اسلامیہ کے گوشہ گوشہ سے بیعت کے لئے وفود آئے ہوں اور ہر علاقہ کے لوگوں نے بطیّب خاطر اس طرح ایسے قریشی نوجوان کی بیعت کی ہو جو اپنی صلاحیتوں اور خدمات ملیہ کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ملت کا محبوب تھا۔''

۴) امیر یزید کی سیرت اور کردار میں ایسی کوئی خامی نظر نہیں آتی تھی کہ جس کی بنا پر عقد بیعت خلافت ناجائز ٹھہرے یا بعد بیعت ان کے خلاف خروج وبغاوت کا جواز نکالا جا سکے۔

۵) ''امیر یزید کو حکومت وسیاسی امور میں ہی حضرت فاروق اعظم (عمرؓ) کی پیروی کا اہتمام نہ تھا بلکہ طرز معاشرت میں بھی ان کی مثال سامنے رکھتے تھے۔ زندگی حد درجہ سادہ تھی۔ عام باشندوں کی طرح انکا لباس سادہ تھا۔ حکومت کے طمطراق وتزک شاہی سے سخت متنفر تھے''۔

۶)''ابن زیاد جو کچھ کر رہا تھا وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں کر رہا تھا۔ حضرت حسینؑ کی ذات یا آپ کے اہل خاندان سے اسے کوئی پُرخاش نہ تھی اور نا ہی بغض وعداوت۔ یہ ابن زیاد کی نیک نیتی کا بین ثبوت تھا کہ مسلم ابن

عقیل نے اپنے آخری وقت میں جو وصیت کی تھی کہ قاصد کے ذریعے میرا پیغام پہنچا دینا کہ ادھر نہ آئیں اور واپس لوٹ جائیں، ابن زیاد نے اسکی تعمیل کی''۔

۷) ابن زیاد کو یزید کی طرف سے صریح ہدایت تھی کہ جنگ و جدل میں اپنی طرف سے سبقت نہ کریں اور اس وقت تک تلوار نہ اُٹھائیں جب تک نہ تلوار اُٹھائی جائے۔

۸) ''امام حسینؑ بیعت یزید پر رضامند تھے کہ دمشق جا کر بیعت کرلیں۔ ان سے مطالبہ ہوا کہ دمشق تشریف لے جانے سے پہلے ان کے نمائندے (ابن زیاد) کے ہاتھ پر بیعت کرلیں تو انہوں نے انکار کر دیا۔ دوسرا مطالبہ یہ ہوا کہ ہتھیار جو حسینؑ قافلے کے پاس ہیں نمائندگان حکومت کے حوالے کریں۔ مگر برادران مسلم بن عقیل نے جو جوش انتقام سے مغلوب ہو رہے تھے مشتعل کر دیا اور کوفی لوگوں نے بھی مشتعل کر دیا کہ انتہائی ناعاقبت اندیشی سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے اچانک حملہ کر دیا''

۹) ''بخاری (شریف) میں ایک حدیث کے ذریعے یزید کے جنتی ہونے کی خوشخبری دی گئی''

۱۰) ''امیر یزید کو جوار رسولؐ سے بڑا اُنس تھا اور جوار رسولؐ کے رہنے والوں سے بھی اُنس تھا''

۱۱) نبیؐ کے ارشادات اور احکام شریعت کی تصریحات سے واضح ہے کہ حسینؑ کے امیر یزید کے خلاف اقدام خروج کا جواز مطلق نہ تھا''

۱۲) ''حضرت امام حسینؑ کے خروج کا اقدام غیر معقول اور حب جاہ کے لئے تھا اور آخرکار ہلاک ہو گئے۔''

۱۳) ''حضرت حسینؑ نے اپنے خروج میں بڑی خطا و غلطی کی جس سے اُمت پر افتراق و اختلاف کا بار پڑا اور آج کے دن تک محبت و الفت کے ستون کو جھٹکا لگا۔''

۱۴) ''حضرت عبداللہ ابن جعفر بھی اس اقدام حسینؑ کے مخالف تھے اور اسی وجہ سے انہوں نے حضرت زینبؑ کو طلاق دیدی تھی۔''

۱۵) ''حضرت امام حسینؑ زمرہ صحابہ میں شامل نہ تھے۔''

۱۶) ''اگر حضرت علیؑ کی تلوار ام المومنین حضرت عائشہؓ کے خلاف بے نیام ہو سکتی ہے تو حضرت حسینؑ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اُٹھائی جاسکتی ہے۔''

۱۷) ''کربلا میں بندش آب و دیگر مظالم کی روایات فرضی ہیں۔''

۱۸) ''مروان قریش کے سرداروں میں سے تھا اور بڑا فاضل تھا۔ حضرت امام حسنؑ و حسینؑ و امام زین العابدینؑ اسکے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔''

۱۹) ''فتنہ حرّہ کے متعلق لوٹ کھسوٹ کے واقعات سب تراشیدہ ہیں۔''

۲۰) ''والدہ یزید بڑی دیندار خاتون تھی۔ احکام شریعت کی سختی سے پابندی کرتی تھی۔''

کہاں تک لکھا جائے اور کیا لکھا جائے۔ ڈر ہے کہ نقل کفر کفر نہ باشد لیکن تجدد پسند طبیعت نہ جانے کیا لکھ بیٹھے لہٰذا مناسب تھا کہ ان تمام مضحکہ خیز سطور کو نقل کر دیا جائے تا کہ ان کا موقعہ اور محل پر جواب دیا جا سکے۔ متذکرہ غلط بیانات اور تائید یزید کے متعلق محمود احمد عباسی صاحب کی کتاب نامراد کی تلخیص پیش کرنے کا یہ بھی مقصد ہے کہ ہمارے ہاں کے وہ افراد بھی جو یزید نوازی کا دم بھرتے ہیں یہ نہ خیال کریں کہ ہم ہی صرف تاریخ کو مسخ کر کے میدان میں آ جاتے ہیں۔ ان کو ذرا تقویت ہو جائے کہ ہمارے خیالات کی تائید اور بھی ائمہ ضلال عصر حاضرہ میں کر دیتے ہیں۔

ہم نے کتاب کی عبارت کو بعینہ لکھا تا کہ اشتباہ نہ رہے اور انکا جواب اختصار سے پیش کیا جائے گا تا کہ تالیف ہٰذا کی وسعتیں لامحدود نہ ہو جائیں۔ لیکن ہم جو جواب دینگے وہ احادیث، تاریخ، تفاسیر اور اہل حل وعقد کے افکار پر مشتمل ہوگا۔ لہٰذا ان کی ہر رائے بعینہ نقل کی جائیگی تا کہ براہ راست نا ہی کسی صحابہ پر ہماری طرف سے تنقید ہو جائے اور نا ہی کم ظرف علماء ماتم حسینؑ، شبیہات، تعزیے اور علموں کے بارے میں یہ کہیں کہ انکا دیکھنا حرام، بدعت اور نظر کنندہ پر زوجہ حرام ہونے کے مترادف ہے۔

حضرت حسینؑ نے بھی ولی عہدی کی بیعت کی تھی

اس سوال کے جواب میں آیئے ہم بیعت کے مفاہیم کو سمجھنے کی کوشش کریں تا کہ حق عیاں ہو جائے گا۔

البیعة : عہد و پیمان[۱]

بایعه ، مُبا یعة: باہم عقد بیع کرنا۔ باہم معاہدہ کرنا۔ کہا جاتا ہے **بایعُو ہ بالخلافة و بویع له بالخلافة**۔ لوگوں نے اس کی خلافت کی بیعت کی یا کر لی۔[۲]

بایعه مُبایعة : کسی کے ساتھ خرید و فروخت کرنا۔ کسی کے پاس فروخت کرنا۔ قول و اقرار کرنا۔ وفاداری کا حلف اُٹھانا۔ بحیثیتِ پیر یا بادشاہ کے تسلیم کرنا۔[۳]

مندرجہ الصدر معنیٰ جب بیعت کے قرار پائے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ بیعت آیا مرد فاسق کی بھی جائز ہے یا اسکا حیطۂ و دائرہ صرف امام ہادی تک ہی محدود ہے۔

ہونا تو یہی چاہئے تھا کہ مرد ہادی ہی کو استحقاق بیعت پر مامور مانا جاتا لیکن بُرا ہو زمانے کا کہ جب اس نے دیکھا کہ فاسقین، مارقین اور متمردین کے ہاتھ میں بھی زمام اقتدار آئی ہے تو اس نے کوئی قبح اس میں نہیں دیکھا اور فٹ سے ان کو صف اولی الامر میں لا کھڑا کیا۔ یہاں تک کہ یہ بھی کہہ دیا کہ **یجب طاعة الامام عالماً کان او جابراً**۔ امام کی اطاعت واجب ہے چاہئے یہ عالم ہو یا جابر اور **ینعقد الخلافه بالبیعه و بالا استخلاف و**

بالشوری وبالقهر والاستیلاء ولو کان فاسقااور جاهلاً اهجمیاً ۔شوریٰ استخلاف قہراور استبداد سے بھی بیعت خلافت منعقد ہوسکتی ہے اگر چہ خلیفہ فاسق، جاہل اور جمی بھی ہواسلئے کہ **ان لا ینعزل الامام بالفسق والجور لانه قد ظهر الفسق وانتشر الجور من الائمة والامراء بعد الخلفاء والسف۔**

یعنی امام (خلیفہ) فسق، ظلم وجور سے عزل نہیں ہوسکتا اسلئے کہ گذشتہ ادوار میں خلفاء اور ائمہ وامراء سے یہ تمام چیزیں سرزد ہوگئی ہیں''۔

یہ تھی اساس انعقاد خلافت کی۔ بھلا فاسق اور جابر اصلاح اُمت کیسے کرسکتا ہے جبکہ اسکو اپنی ذات پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ یہ ظلم وتشدد اور فسق وفجور کو کیسے دور کرسکتا ہے جبکہ اس میں یہ دونوں چیزیں بدرجہ اتم موجود ہوں۔ اب ان تمام عوامل کو صرف یزید ہی پر کیوں منحصر کیا جائے۔ جہاں بھی دیکھئے گا تو اسی فسق اسی فجور اور اسی ظلم کی مثال ملے گی اور اس سے تو یہ بھی ثابت ہوسکتا ہے کہ اگر ابوسفیان نے اپنی برتری کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی قیادت کے تحفظ کے لئے جناب رسالتمابؐ سے جنگیں لڑیں تو یہ اپنے اس اقدام میں قطعی حق بجانب تھا۔ اسکے مقابلے کی کوئی آواز وجوب پر دلالت نہیں کرسکتی تھی لہٰذا پیغمبر اکرمؐ کا اقدام سراسر (معاذ اللہ) منافی تھا۔

اسلئے کہ ابوسفیان بھی تو سردار قریش تھا۔ اگر قاعدہ کلیہ عموم پر دلالت کررہا ہو تو اس میں سے پھر تخصیصی پہلو کو نکالنے کی کوئی بھی گنجائش نہیں رہتی ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اسفرانی، شافعی اور شارح عقائد نسفیہ کا یہ قاعدہ کلیہ بالکل درست ہے۔

متذکرہ تصریح سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

۱/ یہ کہ فاسق وفاجر کے مقابلے کی ہر آواز بے بنیاد لغو اور باطل ہے۔

۲/ یہ کہ شیطان کے خلاف آواز بلند کرنے والے حق بجانب قطعی نہیں تھے۔

۳/ یہ کہ نمرود، فرعون، شداد، بخت نصر اور قارون کے خلاف کوئی بھی اقدام جائز نہیں تھا۔

۴/ یہ کہ ابوسفیان امام فاسقین وجابرین بھی اگر تھا اسکی اطاعت واجب تھی۔

۵/ یہ کہ جناب رسالتمابؐ نے قیصر اور کسریٰ اور نجاشی کی امارتوں کے خلاف جو آواز بلند فرمائی اسکے حُسن کے لئے کوئی جواز نہیں تھا۔

۶/ یہ کہ یزید چونکہ بہ اتفاق رائے خلیفہ بن چکا تھا، حسینؑ کی آواز جو اسکے خلاف بلند ہوئی سراسر سرتابی اور غلط تھی۔

تو ان تمام نتائج کو زیرنظر رکھ کر احادیث کے انبار کا کیا بنے گا، تاریخ پر کیا بیتے گی، تفاسیر کہاں جائیں، سیرتیں کیا کہیں، کوئی پتہ نہیں۔ اسلئے کہ حدیث نے تو ان تمام کا کلیجہ ہی مسل کے رکھدیا۔ کہیں حدیث بے بنیاد اور

من گھڑت ہے تو ناظرین سیخ پا ہو جائیں۔ کہیں اپنی جگہ صحیح ہے تو تاریخ سے چھٹی، تفاسیر، سیرتیں اور احادیث رخصت۔

میرے خیال میں کوئی بھی حق پسند ان جیسی روایات کو بنظر اہمیت نہیں دیکھے گا۔ اسلئے کہ جہاں ان سے استبدادی حکمرانوں کے استبداد کو تقویت مِل جاتی ہے وہاں اپنے عقیدے کے خلاف کھلم کھلا چلینج بھی ہو رہا ہے۔ تو ماننا پڑے گا کہ یہ حدیث معنوی اعتبار سے بھی غلط اور تاریخی و تفاسیری اعتبار سے بھی بے بنیاد۔

کلام اللہ میں ارشاد ہے **ائمة یدعون الی النار اور ائمة یدعون الی الخیر (الجنة)** امام سامنے ہیں۔ دونوں کی قیادت کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ مقتدی کو بعد کے فیصلوں سے آگاہ بھی کیا گیا کہ تیری اقتداء موجب جنت یا جہنم ہے۔ صرف اس صورت میں کہ اگر فعل خیر کرنے والے امام کی اقتداء کی تو جنت اور اگر اسکا منفی پہلو لے لیا تو جہنم۔ تو جب بات یہاں تک پہنچی اب دیکھیں کہ امام حسینؑ کی اقتداء کس نتیجہ کی موجب ہے اور یزید کی اقتداء کس نتیجہ کی موجب ہے۔

ظاہر ہے امام حسینؑ جبلتی اعتبار سے بھی بنوامیہ پر فوقیت رکھتے تھے اور ان کی خاندانی وراثت بھی بنواُمیہ پر نمایاں درجہ رکھتی تھی۔ حسب ونسب ایسا کہ دنیا ایسا پیش نہیں کرسکتی ہے۔ یہاں ''ایک ڈھونڈو تو ہزار ملنے والی بات ہے''، حسین کا کردار ایسا گوہر آبدار کہ آج تک اسکی آبداری اقوام و ملل کے لئے مشعل راہ بنی ہوئی ہے اور یزید کا نام داخل دشنام ہو گیا ہے۔ ان تمام چیزوں کے ہوتے ہوئے کیا پھر یہ ممکن ہے کہ امام حسینؑ یزید کے دست ناپاک میں ہاتھ دیکر اس سے ہر اُس فعل پر ہر اُس کردار اور ہر اُس غلط روی کی توسیع کا عہد و پیمان کر کے خاموش رہتے جو بڑی سرعت کے ساتھ اطراف واکناف عالم کی طرف پھیل رہا تھا۔ اگر تعصب کی عینک نہ چڑھی ہو تو یہی کہا جائیگا کہ قطعی نہیں اسلئے کہ حسینؑ منبع ہدایت تھے۔ **ینحدر عنی السّیل ولا یرقیٰ الی الطیر** ان کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ ان کے گھر قرآن اُترا۔ انکے گھر سے رسولؐ اُٹھے۔ انکے گھر شریعت اُتری۔ انکے گھر عصمت مطلقہ تھی۔ تو ان چیزوں کے ہوتے ہوئے یہ ناممکن اور یقیناً ناممکن تھا کہ اس گھر کا اہم فرد، رسولؐ کا نواسہ، علیؑ وفاطمہؑ کا فرزند کفر وضلال کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیتا۔ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کیا جائے کہ حسینؑ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی تھی تو بعد بیعت پھر حسینؑ کا قتل کیسا؟ حسینؑ کی سبایا کی تشہیر کیسی۔ کیا یہ واقعات ادلہ عقلیہ نہیں ہے کہ بیعت ہوئی ہی نہیں تھی۔ محمود احمد عباسی کا یہ کہنا کہ حسینؑ معاذ اللہ یزید پر راضی تھے غلط، بے بنیاد، افتراء، تاریخ کی نابلدی، احادیث کی ناشناسی، تفاسیر کی ناعاقبت اندیشی، گہرے تعصب اور یزید نوازی کا ثبوت کامل ہے۔

☆سوال: کیا یزید کی بیعت پر رائے عامہ کا اتفاق ہوا تھا؟

جہاں تک حقائق تاریخ کا تعلق ہے تو یہ ایک بہتان عظیم ہے۔ اس لئے کہ عبداللہ ابن زبیر، عبداللہ ابن عمر

اور حسین ابن علیؑ ایسی شخصیتیں نہیں تھیں کہ جو اپنے وقت میں صرف انفرادی حیثیت کے مالک ہوتے اور نہ ہی یہ تینوں گوشہ گمنامی میں پڑے تھے۔ عامۃ الناس ان کو اچھی طرح سے پہچانتے تھے۔خصوصاً حسینؑ کی قدر و منزلت روز روشن کی طرح عیاں تھی۔ اصحاب رسولؐ میں سے کوئی بھی فرد پیش کیجئے کہ جس نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ ہم حسینؑ کے حسب ونسب سے ناواقف ہیں۔ **لو تفعلو ولن تفعلوا ابداًابدا**۔تو حسینؑ کے ہوتے ہوئے یزید کے فسق و فجور کو زیر نظر رکھ کر اگر اصحاب رسولؐ بھی بیعت کر چکے ہوں تو پھر یہ صحاب صحابہ نہیں رہتے ہیں۔اس لئے کہ انہوں نے یزید کی شہوت پرستی، حب وجاہ اور شراب نوشی کے باوجود دین کے تمام ارکان کو منہدم کر دیا۔آیئے ہم سنائیں گے اس خطرناک سنگم کا نشیب و فراز کیا تھا۔مغربی مورخ فلپ کے ہٹی رقمطراز ہے:

When in 679 Mu-awaiyah nominated his son Yazid as his successor and caused deputations to come from the provinces and take the oath of allegiance

(جب) امیر معاویہ نے ۶۷۹ عیسوی سنہ میں اپنے بیٹے یزید کو اپنے بعد خلافت کے لئے نامزد کیا تو اس نے اپنے تمام صوبوں سے اسکی اطاعت (بیعت) کیلئے وفود بھیجے۔الخ۔[۴]

کیا اس Nomination کا کوئی جواز قرآن سے پیش کیا ہوا مانا گیا تھا۔تمہارا عقیدہ تو تھاConsulation ہی حجت ہے۔ یہاں یہ چیز کہاں گئی۔جبکہ اس Cosulation کے دائرہ پر عصر حاضر کے مورخین، مولفین اور مفکرین بھی نالاں ہیں جو آگے آئے گا۔

۲) مولانا مودودی اپنی کتاب خلافت وملکویت میں لکھتے ہیں ''اس تجویز کی ابتداء حضرت مغیرہ ابن شعبہ کی طرف سے ہوئی۔حضرت معاویہ انہیں کوفہ کی گورنری سے معزول کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔انہیں اسکی خبر مل گئی۔فوراً کوفہ سے دمشق پہنچے اور یزید سے مل کر کہا کہ ''صحابہ کے اکابر اور قریش کے بڑے لوگ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ امیر المومنین (معاویہ) تمہارے لئے بیعت لے لینے میں تامّل کیوں کر رہے ہیں''۔ یزید نے اس بات کا ذکر اپنے والد ماجد سے کیا۔انہوں نے حضرت مغیرہ کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا بات ہے جو تم نے یزید سے کہی۔حضرت مغیرہ نے جواب دیا ''امیر المومنین آپ دیکھ چکے ہیں کہ قتل عثمان کے بعد کیسے کیسے اختلافات اور خون خرابے ہوئے۔اب بہتر یہ ہے کہ آپ یزید کو اپنی زندگی میں ہی ولی عہد مقرر کر کے بیعت لے لیں تا کہ اگر آپ کو کچھ ہو جائے تو اختلاف برپا نہ ہو''۔حضرت معاویہ نے پوچھا ''اس کام کو پورا کرا دینے کی ذمہ داری کون لے گا؟''انہوں نے کہا۔اہل کوفہ کو میں سنبھالوں گا، اہل بصرہ کو زیاد اسکے بعد پھر اور کوئی مخالفت کرنے والا نہیں ہے۔ یہ بات کر کے حضرت مغیرہ کوفہ آئے اور دس آدمیوں کو (۳۰ ہزار درہم دے کر اس بات پر راضی کیا کہ ایک وفد کی صورت میں حضرت معاویہ کے پاس جائیں اور یزید کی ولی عہدی کے لئے ان سے کہیں۔ یہ وفد حضرت مغیرہ کے

بیٹے موسیٰ بن مغیرہ کی سرکردگی میں دمشق گیا اور اس نے اپنا کام پورا کر دیا۔ بعد میں حضرت معاویہ نے موسیٰ کو الگ بلا کر پوچھا تمہارے باپ نے ان لوگوں سے کتنے میں انکا دین خریدا۔ انہوں نے کہا ۳۰ ہزار درہم۔ حضرت معاویہ نے کہا تب تو انکا دین انکی نگاہ میں بہت ہلکا ہے۔

''یزید کی ولی عہدی کے لئے ابتداء کی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک بزرگ نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے دوسرے کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا اور دونوں صاحبوں نے اس بات سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اس طرح اُمت محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یزید بجائے خود اس مرتبے کا آدمی نہ تھا''۔

معاویہ نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو ایک لاکھ درہم بھیجے اور یزید کی بیعت کے لئے راضی کرنا چاہا۔ انہوں نے کہا اچھا یہ روپیہ اس مقصد کے لئے بھیجا گیا ہے۔ پھر تو میرا دین میرے سے بڑا ہی سستا ہو گیا۔ یہ کہہ کر انہوں نے روپیہ لینے سے انکار کر دیا۔

''اسی زمانہ میں حضرت معاویہ نے مختلف علاقوں سے وفود بھی طلب کئے اور یہ معاملہ ان کے سامنے رکھ دیا۔ جواب میں لوگ خوشامدانہ تقریریں کرتے رہے مگر حضرت اَحنف بن قیسؓ خاموش رہے۔ حضرت معاویہ نے کہا: ابو بحر! تم کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم سچ کہیں تو آپ کا ڈر ہے جھوٹ بولیں تو خدا کا ڈر ہے۔ امیر المومنین! آپ یزید کے شب و روز، خلوت و جلوت، آمد و رفت، ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔ اگر آپ اسکو اللہ اور اسکی اُمت کیلئے واقعی پسندیدہ جانتے ہیں تو اسکے بارے میں کسی سے مشورہ نہ لیجئے اور اگر آپ کے علم میں وہ اِس سے مختلف ہے تو آخرت کو جاتے ہوئے دنیا کو اسکے حوالے کر کے نہ جائیے۔'' [۵]

مندرجہ الصدر عبارات سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اُمت کا اجماع واقعی بیعت یزید پر ہوا تھا۔ کیا زر، زن و زمین اور تلوار کا بھی استعمال اس انعقاد کیلئے نہیں کیا گیا تھا۔ مدینہ، مکہ اور بصرہ و کوفہ کا یہ اندرونی خلفشار کیا اجماع پر دلالت کرتا ہے یا انفرادیت پر۔ اگر کہا جائے کہ اجماع تو عبدالرحمٰن ابن ابی بکر، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن زبیر، عبداللہ ابن عباس، احنف بن قیس، بالخصوص حسینؑ ابن علیؑ کی عدم شمولیت اجماع تو نہیں ہوا۔ ہاں یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ دولت دیکر کوفہ اور بصرہ کے افراد کو خریدا گیا۔ تلوار سر پر رکھ کر لوگوں سے اقرار بیعت کروایا۔ لیکن یہ سب کر کے جسموں پر قلادہ بیعت چڑھا دیا گیا، دلوں کو زیر نہ کر سکے۔

۳) حکیم امیر الدین زمخشری کی ربیع الابرار سے نقل کرتے ہیں کہ جب معاویہ بیعت یزید کے سلسلے میں تقریر کرتا تھا تو جناب عائشہؓ نے اپنے گھر کی کھڑکی سے سر نکال کر معاویہ سے فرمایا: اے معاویہ خاموش رہو تو کس کی اقتداء کر رہا ہے۔ الخ۔ [٦]

۴) عن ابن سھیل ان معاویة لما ارا دان یظھر العقد لیز ید قال لاھل شام ان امیر المومنین قد کبرت سنته ورقق جه ورق عظمه و اتترب اجله ویرید ان یستخلف علیکم فمن ترون فقالو عبدالرحمن ابن خالد بن الولید مسکنت و ضمرھا وروس ابن آثال النصرانی الطبیب الیه فتھا بھا فمات ۔

ابی سہیل روایت کرتے ہیں کہ جب امیر معاویہ نے یزید کی ولی عہدی کا ارادہ کیا تو شام کے لوگوں سے کہا کہ تمہارا امیرلمومنین بوڑھا ہوگیا ہے، اسکی کھال ڈھیلی پڑھ گئی ہے، اسکی ہڈیاں بھی خستہ اور بوسیدہ ہوگئیں ہیں اور اسکی موت بھی اب قریب آ گئی ہے۔ اب وہ (یعنی معاویہ) چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے اپنا کوئی جانشین خلیفہ (خلف) مقرر کرے۔ اے اہل شام! اب تم بتاؤ اس کام کے لئے تم لوگ کس کو اسکا زیادہ حقدار پاتے ہو۔ سب نے کہا عبدالرحمٰن ابن خالد بن ولید کو۔ یہ جواب سنکر امیر معاویہ، چپ ہوگئے (اور اسکے بعد) پوشیدہ طور سے طبیب جسکا نام ابن آثال تھا عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کو زہر دلوایا اور جس سے وہ مر گئے [۷]۔

۵) سعید ابن عثمان چونکہ کافی اثر ورسوخ کے مالک تھے۔ یہ بھی معاویہ کو بیعت یزید کے مقابلے میں ایک آہنی دیوار تھے۔ لہٰذا اس سے بچنے کیلئے معاویہ نے اسکو ۴۰ لاکھ درہم اور فوج کثیر دے کر خراسان کی طرف روانہ کر دیا۔ [۸]

۶) معاویہ نے ابن زبیر کو دیکھ کر کہا کہ یہ زبیر لومڑی کے مثل ہے۔ اسکا ایک راستہ مسدود کردو تو دوسرا راستہ اختیار کریگی۔ اسکے بعد اِسے کہا اے زبیر کے بچے! خلافت کے گرد نہ پھیر اپنی جان کی حفاظت کر تمہاری باتوں کو اہل شام گوارا نہیں کریں گے۔ [۹]

۷) معاویہ جب بغرض بیعت نورنظر کے لئے مدینہ گیا تو مدینہ کے باہر حضرت حسینؑ، حضرت ابن زبیر، حضرت ابن عمر اور حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی بکر ان سے ملے۔ حضرت معاویہ نے ان سے ایسا درشت برتاؤ کیا کہ وہ شہر چھوڑ کر مکے چلے گئے۔ اس طرح مدینے کا معاملہ طے ہوگیا۔ [۱۰]

۸) معاویہ نے ان حضرات سے کہا کہ اگر تم لوگوں نے میری بات کے جواب میں ایک لفظ بھی کہا تو دوسری بات اسکی زبان سے نکلنے کی نوبت ہی نہ آئے گی۔ تلوار اسکے سر پر پڑ چکی ہوگی۔ پھر اپنے باڑی گارڈز کے افسر کو بلا کر حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک پر ایک ایک آدمی مقرر کردو اور اسے تاکید کردو کہ ان میں سے جو بھی میری بات کی تائید یا تردید میں زبان کھولے اسکا سر قلم کردے۔ اسکے بعد وہ انہیں (افراد کا نام پیرایہ سات میں مندرج ہیں) لئے ہوئے مسجد میں آئے اور اعلان کیا کہ یہ مسلمانوں کے سردار اور بہترین لوگ جن کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جاتا ہے یزید کی ولی عہدی پر راضی ہیں اور انہوں نے بیعت کر لی لہٰذا تم بھی بیعت کرو۔ [۱۱]

یہ تھی روئداداور بیعت کی کہانی۔ان تمام بیانات سے تو جبر واکراہ ہی ثابت ہوتا ہے۔جہاں بھی معاویہ نے چاہا تو صف سلاسل کو چلایا۔یہ مقتدر ہستیاں جن کے سروں پر تلواریں لٹک رہی تھیں کیا اس بات کی غماض نہیں ہیں کہ ان کی نظروں میں معاویہ کا یہ فعل کسی طرح بھی مستحسن نہیں تھا۔کیا اتنا کرنے کے باوجود بھی عصر حاضر کے نیم ملا عامۃ الناس کی تعصبیت کو ہوا دینگے کہ جس نے معاویہ کو صرف امیر شام کہا وہ گمراہ، بدعتی اور رافضی ہے۔ یا للحسرت !! علامہ شیخ مہدی حسین صاحب صرف اتنا کہیں کہ ''امیر معاویہ'' اور علمائے اعلام سیخ پا ہو جائیں۔ یہ تو تاریخ ناشناسی کی بین دلیل ہے کہ جو کسی بھی طرح سے قابل عفو نہیں گردانی جائیگی۔

ہم نے بیعت کے خدوخال تاریخوں سے لکھے۔اول، دوم، سیوم اعتراض زیر نظر رکھ کر کیا ان تمام حقائق سے انحراف کرلیا جائے گا جو ہم نے مدرج کردئے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ بیعت کی اکثریت دکھلانا اور اپنے دعوے کا عنوان بنانا۔ ہمیشہ جہلا کا شیوہ رہا ہے۔عندالعقلا اور قرآنی، احادیثی، شرعی اور عرفی اعتبار سے یہ فتح در فتح مانا جاتا ہے اسلئے کہ کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة قران کا دعویٰ ہے ہمارا نہیں اور یہ ہمیشہ مسلم الثبوت رہا ہے۔

غرض یہ ابتداء بھی تھی اور انتہا بھی۔ابتداء اس لئے کہ اب کفر پورے زور شور سے نقاب اُلٹ کے میدان میں آیا اور انتہا اس لئے کہ کفر اب بے نقاب ہو کر آگے بڑھنے لگا۔ باوجودیکہ تاریخ کے ہاتھ نقاب لیکر آگے بڑھے لیکن جتنا اسکی صورت پر نقاب اوڑھنا چاہا اتنی ہی بدبودار ہواؤں نے یہ نقاب تار تار کر کے رکھدیا اسلئے کہ۔

عرب خود را بنور مصطفی سوخت چراغ مرده مشرق برا فروخت
ولیکن آں خلافت را گم کرد که اول مومناں را شاہی اموخت

☆کیا امیر یزید کی سیرت بے داغ تھی؟

امیر یزید کی سیرت اور کردار میں ایسی کوئی خامی نظر نہیں آتی ہے کہ جسکی بنا پر عقد بیعت خلافت ناجائز ٹھہرے یا بعد بیعت ان کے خلاف خروج وبغاوت کا جواز نکالا جاسکے؟ (محمود احمد عباسی)

الجواب بعون اللہ تعالیٰ:

کچھ تو ہم لکھ چکے ہیں اور لکھیں گے اسلئے کہ باطل کے چہرے سے شاید ابھی نقاب پوری طرح نہیں اُترا۔

جہاں تک سیرت کا تعلق ہے، اگر سیرت بالفعل وراثت کا نام ہے تو یقیناً امیر یزید میں ایسی کوئی خامی نہیں تھی کہ جسکے خلاف آواز بلند کی جاسکتی۔صرف یزید میں اگر نیا کچھ تھا تو وہ جدّت تھی یعنی اول اوائل کفر وفسق زیر نقاب تھا لیکن یزید نے ماڈرن بن کر Nackedism (ننگا پن) اپنایا۔اول اگر شراب کو نبیذ کہہ کر پیا جاتا تھا یزید نے نبیذ کے بجائے لفظ شراب کو ترجیح دی۔ پہلے اگر زہر کے ذریعے سے گدھے کی کھال میں جلا کر اولوالعزم صحابہ کو راہ سے ہٹایا جاتا تھا، یزید نے علی الاعلان قتل صحابہؓ اور اولاد رسولؐ کی تحریک شروع کردی۔بس زیادہ کیا فرق ہوسکتی ہے کہ جسکے

خلاف آواز کو بلند کرنے کا جواز تلاش کیا جائے۔آئے ذرا تاریخ کا ایک دورہ لگائیں تاکہ سیرت کا ہر پہلو واضح ہوجائے۔

(۱) یزید کے پاس شکاری کتے تھے۔بندر اور شیر بھی تھے۔یہ گانا بھی گاتا تھا۔اس کے ہاں شراب کا برابر دور بھی چلتا تھا۔کہتے ہیں جناب امام حسینؓ کی شہادت کے بعد اسکے پاس ایک دن ابن زیاد بیٹھا ہوا تھا۔یزید نے ساقی کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

اسقنی شربة تروی عشاشی ثم مِل فاسق مثلها ابن زیاد

صاحب البرّ والامانة عندی و لتسدید مغنمی وجهادی

قاتل الخارجی اعنی حُسیناً ومُبید الاعداءِ والحُسّاد

مجھے ایسا ساقی چھلکتا ہوا جام پلا کہ جس سے میری ہڈیاں بھی تروتازہ ہوجائیں۔

میرے اس راز دار (ابن زیاد) کو بھی پلا جو میرے لئے فتح ونصرت کے جھنڈے بلند کرتا ہے۔یہ حسین جیسے خارجی کا قاتل ہے اور میرے دشمن اور حسود مجھ سے دور رکھتا ہے۔

(۱) لیجئے یہ رہے استخلافی ولی عہد جو نشے میں ہی جھوم رہے ہیں اور جو ابن زیاد کے ظلم وستم کو فتح ونصرت سے تعبیر کررہا ہے۔

(۲) یزید کے پاس ایک شریر بندر تھا۔اس نے اسکی کنیت ابوقیس رکھی تھی۔جب یزید دربار میں احباب کے پاس آکر بیٹھا تھا تو اس بندر کو بھی لیکر آتا تھا۔اسکے لئے تو الگ مسند تھی۔اسکی سواری کے لئے ایک گدھی تھی جس پر باضابطہ مسند وزین لگائی جاتی تھی۔اس طرح یہ بندر باقاعدہ Race course (گھوڑ دوڑ) میں شریک بھی کیا جاتا تھا۔چنانچہ ایک دفعہ اسکی گدھی باقی گھوڑوں کے دوڑ نے پر فوقیت لے گئی۔یہ بندر سُرخ اور زرد ریشم کی قبا بھی پہنتا تھا۔چنانچہ اس بندر کے متعلق شام کے ایک شاعر نے کہا ہے۔

تمسک اباقیس بفضل عنا نها فلیس علیها ان سقطت ضهان

الا من رای القرد الذی سبقت بهٖ جیاد امیر المومنین اتان

ترجمہ:-اے ابوقیس! گدھے کی بھاگ مضبوطی سے تھامنا۔اگر گر جائیگا تو اس سے کوئی تاوان بھی نہیں لیا جائے گا۔

اس بندر کو کس نے مشاہدہ کیا کہ جسکی گدھی امیر المومنین (یزید) کے بہترین گھوڑوں پر سبقت لے گئی۔[۱۲]

(۳) ایک دفعہ یزید اپنی پھوپھی پر فریفتہ ہوگیا کیونکہ اسکی پھوپھی نہایت ہی حسین وجمیل تھی۔یزید نے بہت وقت تک اس عشق کو چھپائے رکھا۔ایک دفعہ وہ اپنی پھوپھی کو ایک باغ میں لے گیا۔خود ایک جگہ بیٹھ کر حکم دیا

کہ سانڈ گھوڑا مست گھوڑی پر چھوڑ دیا جائے۔ جب گھوڑے نے گھوڑی کو دیکھا تو بے قابو ہو کر اس پر چڑھ دوڑا۔ اسکی پھوپھی یہ منظر ملاحظہ کر رہی تھی۔ اس منظر کو دیکھ کر اسکی پھوپھی بے قابو ہوگئی۔ یزید نے اسکی مستی کو تاڑ لیا اور اسکو ایک الگ مقام پر لیکر اس کے ساتھ زنا کیا لیکن اسکو باکرہ نہیں پایا۔ اسے جب اسکی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ تیرے جیسوں نے کسی کا کنوارا پن چھوڑا بھی ہے کہ جو میں باکرہ ہوتی۔[۱۳]

''کیا یہی قرآنی تعلیم تھی۔ سورہ نساء ہی پڑھ لیا ہوتا انہوں نے...........''

(۴) بعضے گفته اند که یزید شقی طمع کرد در عائشهؓ صدیقهؓ پس خواندند بروئے ایں آیه لا تنکحوا ازواجه الخ وممنوع شد از آں۔

یزید نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی (معاذ اللہ) نکاح کی خواستگاری کی لیکن جب اسکے سامنے **لا تنکحوا ازواجه** کی آیت پڑھی گئی تو یہ باز رہا۔[۱۴]

کیا اس اقدام کو بھی سیرت امیر یزید کا صحیح پہلو قرار دیا جا سکتا ہے۔ یاللعجب

(۵) اقوام مغرب کی نگاہ میں

یزید ایک بُری ماں کے بطن سے پیدا ہوا۔ ریگستان کی آزاد ہوا میں پلا بڑھا تھا۔ ایک شوقین ہوشیار شکاری، عمدہ شاعر، منچلا عاشق، شراب و نغمہ بازی کا رسیا اور مذہب سے بے پروہ شخص تھا۔ اسکی بے دینی لا اُبالی پن مشہور ہے۔[۱۵]

گبن اپنی مشہور و معروف تاریخ بنام "Decline and fall of the Roman Empire" میں یزید کو "A feeble dissolute youth" (ایک کمزور عیاش جوان) کے الفاظ سے یاد کرتا ہے اور لکھتا ہے :

The tyrant of Damascus whose vices Hussain despised

وہ دمشق کا سرکش، ظالم، جابر، سفاک، خونی بادشاہ جس کے فسق و فجور کو امام حسینؑ نگاہِ نفرت سے دیکھتے تھے۔

حوالہ جات

۱۔ المنجد
۲۔ مصباح اللغات، ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاری
۳۔ المعجم الاعظم الجزءاول
۴۔ Philp K. Hitty, History of the Arabs, p 196.
۵۔ خلافت وملوکیت، علامہ سید ابوالاعلیٰ مودودی، ص۱۴۸ تا ۱۵۲
۶۔ فلک النجاۃ، حکیم امیرالدین ج اص ۲۰۱
۷۔ طبقات الاطباء ج اول ص ۱۱۷
۸۔ تاریخ اعثم کوفی ص ۳۳۱
۹۔ روضہ الصفا ج ۳ ص ۴۰
۱۰۔ خلافت وملوکیت ص ۱۵۲
۱۱۔ خلافت وملوکیت ص ۱۵۳؛ البدایہ ونہایہ ج ۸ ص ۸۱
۱۲۔ مروج الذہب ج ۲ ص ۴۷
۱۳۔ مناقب فاخرہ ص ۸۶
۱۴۔ مدارج النبوۃ ص ۱۲۶
۱۵۔ ہسٹری آف پریشیا، براون

نامزدگی

۱۵ رجب ۶۰ ہجری معاویہ بن ابی سفیان بن حرب کی وفات ہوئی۔ ۳۸ برس کی عمر میں گورنری کا عہدہ سنبھالا، بیس برس کی گورنری کے بعد ۵۸ ہجری بلد شام میں اموی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ ۲۰ برس نہایت ہی تزک و احتشام کے ساتھ ملوکیت کی مسند پر بیٹھ کر ۸۷ برس کی عمر میں بنوامیہ کا پہلا حاکم مر گیا۔[۱]

اس اموی ملک کا ذکر وفات علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب معاویہ نے اپنے بعد آسمان بنواُمیہ پر اپنے بیٹے کے ستارے پر نظر کی تو اس نے یزید کو قبہ احمر میں بٹھایا۔ سادہ لوح عوام امیر معاویہ کے پاس بغرض سلام آیا کرتے تھے۔ پھر اسکے نور نظر یزید کے پاس جا کر اسکو ولی عہد بننے کی حیثیت سے سلام کرتے تھے۔[۲]

علامہ عبدالبر لکھتے ہیں: معاویہ نے جب ارادہ کیا کہ یزید کے لئے بیعت لے یعنی اسکو اپنا ولی عہد قرار دے تو اہل شام سے خطاب کیا اور کہا اے اہلشام! میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری موت کا زمانہ قریب آ گیا ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ایک شخص کو اپنا ولی عہد بناؤں تا کہ وہ تمہارا انتظام قائم رکھے اور میں بھی تم ہی لوگوں میں سے ایک آدمی ہوں۔ تم سب اپنی رائے قائم کرو۔ چنانچہ سب نے بالاتفاق کہہ دیا کہ ہم عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کی حکومت سے رضامند ہیں۔ یہ انتخاب معاویہ پر شاق گذرا مگر اس ناگواری کو دل میں ہی پوشیدہ رکھا۔ عبدالرحمٰن چند روز کے لئے بیمار ہوا تو موقعہ پا کر معاویہ نے اپنے ایک محرم راز طبیب کو جو اس کے پاس ہی رہتا تھا حکم دیا کہ وہ عبدالرحمٰن کے پاس جائے اور اسے کوئی ایسی دوا پلائے کہ جسکی وجہ سے اسکا کام تمام ہو جائے۔ چنانچہ اس یہودی طبیب نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایسی دوا پلائی کہ عبدالرحمٰن کا پیٹ پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔ اخبار اور صاحبان علم و آثار میں یہ بات مشہور ہے۔[۳]

معاویہ نے جب مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کرنے کا ارادہ کیا تو مغیرہ بھی عقلمندی سے سمجھ گیا کہ معاویہ مجھے معزول کرنے کا ارادہ کر چکا ہے۔ یہ دمشق معاویہ سے کے پاس پہونچا اور وہاں اپنے بڑھاپے کا عذر پیش کر کے مستعفی ہونے کی درخواست پیش کی۔ اسکے بعد یزید سے ملاقات کی اور خوشامد کر کے یزید سے کہا۔ بڑے بڑے صحابہ فوت ہو چکے ہیں اور کوئی ان میں باقی نہ رہا اور اس وقت تیرا جیسا آدمی کوئی بھی نظر نہیں آتا ہے۔ مناسب ہے کہ تیرا باپ تجھے اپنا ولی عہد بنا کر تیرے لئے لوگوں سے بیعت طلب کرے تا کہ اس کی زندگی میں ہی لوگوں پر

تیرا رعب بیٹھ جائے۔ یزید نے یہ تجویز قبول کرتے ہوئے اپنے باپ سے کہا۔ معاویہ نے یہ سنکر مغیرہ کو بلا کر پوشیدہ طور پر پوچھا۔ مغیرہ نے کہا یہ امر بہت ہی مناسب اور ضروری ہے کہ تیری زندگی میں ہی تیرا ولی عہد مقرر ہو جائے تا کہ خلافت سے متعلقہ تمام خطرات اور موانع ختم ہو جائیں۔ معاویہ نے مغیرہ کے اس تائید کے انعام میں کوفہ کی حکومت بدستور مغیرہ ہی کے پاس رہنے دی۔ مغیرہ نے کوفہ جا کر اس بات کی تحریک شروع کی اور دس آدمیوں کو اس تجویز پر متفق کر کے اس طرح رضامند کیا کہ ان میں سے ہر ایک کو تین تین ہزار درہم دے دئے اور اپنے بیٹے موسیٰ کے ہمراہ ان کو معاویہ کے پاس شام بھیج دیا۔ موسیٰ بن مغیرہ سے معاویہ نے پوچھا تیرے باپ نے ان لوگوں کا دین کتنے میں خریدا۔ موسیٰ نے کہا تیس ہزار درہم میں۔ معاویہ بہت خوش ہوا اور کہا کہ یہ معاملہ تو بہت سستا ہوا ہے۔[۴]

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں حضرت معاویہ کے ہاتھ میں اختیارات کا آنا خلافت سے ملوکیت کی طرف اسلامی ریاست کے انتقال کا عبوری مرحلہ تھا۔ بصیرت رکھنے والے لوگ اسی مرحلے پر یہ سمجھ گئے تھے کہ اب ہمیں بادشاہی سے سابقہ درپیش ہے۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص جب حضرت معاویہ کی بیعت ہو جانے کے بعد ان سے ملے تو **السلام علیکم ایھا الملک** کہہ کر خطاب کیا۔ (یعنی اے بادشاہ سلام ہو تم پر) حضرت معاویہ نے کہا اگر آپ امیر المومنین کہتے تو کیا حرج تھا؟ انہوں نے جواب دیا خدا کی قسم جس طرح آپ کو یہ حکومت ملی اگر مجھے مل رہی ہوتی تو میں اسکا لینا ہرگز پسند نہ کرتا۔[۵]

لہٰذا ایک بادشاہ نے اپنے بیٹے کو جانشین بنایا۔ جب اکابر صحابہ کے بیٹوں نے بیعت سے انکار کیا تو روپیہ دیکر ان کی زبان بند کر دی۔ حافظ بن حجر لکھتے ہیں کہ معاویہ نے ابن عمر سے بیعت حاصل کرنے کی استدعا کی تو اس نے صاف انکار کر دیا معاویہ نے ایک لاکھ درہم بطور ہدیہ ارسال کیا تو ابن عمر خاموش ہو گئے۔[۶]

حضرت عائشہؓ چونکہ معاویہ سے اس وجہ ناراضگی تھی کہ معاویہ نے اسکے بھائی محمد بن ابوبکرؓ کو قتل کروا کر گدھے کی کھال میں جلوایا تھا لہٰذا اس نے بیعت نہیں کی۔[۷]

بہرحال معاویہ یہ جانتا تھا کہ یزید کے عادات واطوار اس بات کی قطعی اجازت نہیں دیتے ہیں اسکو تخت شاہی پر لایا جائے لیکن اسکے باوجود بھی یزید کی محبت نے اسکو ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ اسکی صاف وجہ یہ تھی کہ معاویہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ بارِ خلافت نہایت ہی کٹھن منزلوں سے گذر کر ملی ہے اس کیلئے صفین کی لیلۃ الحریر کے خون ریز معرکہ سے گذرنا پڑا ہے، اسکے لئے تحکیم کے جزومد سے گذرنا پڑا ہے، اس کیلئے علیؑ کا قتل دیکھنا پڑا ہے اور اس کیلئے حسنؑ کو جام شہادت (زہر) پلوانا پڑا ہے۔ لہٰذا اب یہ موروثی بنی چاہئے اور بغیر یزید کے ایسا ہونا ناممکن تھا۔ اس لئے اب یزید جیسا بھی ہے "ہو"۔ ہمیں اس سے غرض نہیں ہے یزید کو اعزاز ملا تو سینکڑوں برس اس اعزاز کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا جائیگا۔ اس طرح والد محترم کے خواب بھی پورے ہو کر رہیں گے۔ لہٰذا یزید کے ہر عیب، ہر فسق،

ہر بدعت اور ہر کردار پر خلافت کا پیرہن چڑھا دیا تا کہ مسئلہ نامزدگی کی تکمیل تک رائے عامہ منحرف نہ ہو جائے۔[۸]

مدینہ میں جو کردار اس نامزدگی کیلئے امیر معاویہ نے پیش کیا وہ ہم نے گذشتہ اوراق میں لکھا ہے۔ تھوڑا سا یہاں بھی ذکر کرنا تکراری نہ ہوگا۔ ملاحظہ ہو۔

جب امیر معاویہ مدینہ کے قریب پہنچا تو راستے میں سب سے پہلے امام حسینؑ ابن علی رضی اللہ عنہما سے ملے۔ معاویہ نے ان کو دیکھتے ہی کہا:

''میں ایسے شتر قربانی کو مرحبا اور خوش آمدید نہ کہوں گا جس کا خون بہنے والا ہو اور خدا ہی اِسے بہا دے گا۔''

انہوں نے کہا سنبھل کے بولو! قسم بخدا ایسی باتیں میری شان کے خلاف ہیں۔ امیر معاویہ نے کہا کہ ہاں ضرور ہو بلکہ اِس سے بدتر کے لائق ہو۔ پھر انہیں ابن زبیرؓ ملے۔ ان سے کہا اے زمین نشیب کے مکار سوسمار! تجھے خوش عیشی اور فراغ بالی نصیب نہ ہو جو اپنے سر کو سوراخ کے اندر داخل کرتا ہے اور دم کو باہر ہی زمین پر مارتا رہتا ہے۔ اور خدا کی قسم ہے کہ قریب ہے کہ اس کی دم پکڑ لی جائے گی اور اسکی پشت کو کوٹا جائے۔ میرے سامنے سے دور ہو۔ چنانچہ انہوں نے اپنی سواری کو پھیر لیا۔ اسکے بعد عبدالرحمٰن ابن ابی بکرؓ ملے۔ ان سے معاویہ نے کہا واہی بُڑھے! تیری عقل جاتی رہی ہے میں تجھے اہلاً وسہلاً ومرحباً نہیں کہتا۔ پھر انکو سواری پھیر لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ ابن عمرؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔ یہ سب کے سب امیر معاویہ کیساتھ چلتے رہے مگر اُس نے اُنکی طرف التفات نہ کیا یہاں تک کہ مدینے میں داخل ہو گئے۔ وہ سب ان کے مکان پر گئے مگر اُس نے ان کو ان کے مرتبے کے مطابق اندر داخل ہونے کی اجازت نہ دی اور جس سلوک کے وہ اُمیدوار (حقدار) تھے وہ سلوک ان سے نہ کیا۔ اس پر وہ سب لوگ (حسینؑ ابن علیؑ، عبداللہ ابن عمرؓ، عبدالرحمٰن ابن ابوبکرؓ اور عبداللہ ابن زبیرؓ) مکہ جا کر اقامت پذیر ہو گئے۔

اس عرصے میں معاویہ نے مدینہ میں تقریر کی اور یزید کا ذکر کر کے اسکی مدح کی اور کہا اب بتلاؤ کہ عقل وفضل اور مرتبے کے لحاظ سے کون شخص خلافت کا اس سے زیادہ حقدار ہوسکتا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ لوگ اس حد تک جائیں گے کہ ان کی شامت وخواری کی نوبت آ جائے جو ان کی جڑوں تک کو اُکھاڑ پھینکیں گے اور میں نے تنبیہ کر دی ہے بشرطیکہ تنبیہ سے کچھ فائدہ ہو۔ پھر بطور مثل کے یہ شعر پڑھے (ترجمہ اشعار)

''دیکھ میں تجھ کو آل مصطلق سے ڈرایا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اے عمرو میری بات مان اور چلا چل۔ اگر تو نے مجھے طاقت سے زیادہ تکلیف دی تو میری جن جن باتوں سے تو خوش ہوتا تھا ان ہی سے رنجیدہ ہوگا۔ خبردار جو کچھ میں تجھ کو پلانا چاہتا ہوں ابھی سے اِسے محسوس کر اور چکھ لے''۔[۹]

اس تقریر کے بعد جب معاویہ مکہ گیا تو ان حضرات کو اس طرح زیر تیغ رکھا کہ جس سے انہوں نے بات بھی نہیں کی اور کرتے بھی کس طرح جبکہ معاویہ نے ہر ایک کے سر پر ایک ایک شامی خونخوار تلوار لیکر کھڑا کیا تھا کہ اگر ان

کی زبان سے ہاں یا نا نکلا تو اسکی گردن قلم کردی جائے (حوالہ گذر چکا ہے)۔☆

''واپسی پر شام کے راستے پر تھک کر بیٹھ گیا اور پیاس کے غلبے سے ایک کنویں سے پانی پیا۔ کہا جاتا ہے کہ پانی میں زہر ملا ہوا تھا جس سے امیر معاویہ بیمار رہا۔ شام تک ان کے ہوش وحواس بجا نہ رہے۔ دمشق میں اسی مرض کا سلسلہ جاری رہا جو اسکی موت کا باعث بنا''۔

مورخوں کا بیان ہے کہ امیر معاویہ اپنی موت کے وقت مطمئن نہیں تھے اور درد و گھبراہٹ کا اظہار کرتے تھے۔ وہ حجر ابن عدی کا اور مسلمانوں کے مال میں اپنے تصرف (بے جا) کا بار بار ذکر کرتے تھے۔ لیکن اس پر بھی مسلمانوں کو ان کے بعد ایسے بادشاہوں سے سابقہ پڑا کہ وہ تمنا کرتے تھے کہ کاش! امیر معاویہ زندہ رہتے۔ انکے آخری زمانے تک، انکا بیٹا یزید بھی اس قسم کے بادشاہوں میں پہلا بادشاہ تھا۔[۱]

''پیاس کا غلبہ............گھبراہٹ............عدم اطمینان......!!!''

اپنے آخری ایام میں امیر معاویہ ان امور کے شکار کیوں ہوئے؟ پیاس کا غلبہ بیعت یزید کی تگ و دو میں لازمی نتیجہ تھا۔ گھبراہٹ! بنی اُمیہ کے استعماری قصر کو تزلزل پیدا ہونے کی صورت میں تھی اور عدم اطمینان عدم بیعت حسینؑ کی وجہ سے تھا اسلئے کہ جانتا تھا کہ حسینؑ کو کتنا بھی ڈرا، دھمکا، تعزیر کیا جائے یہ بنی اُمیہ کیلئے پھر بھی سنگ گراں ہونگے۔ انکی طرف ہر بڑھنے والا سیلاب غیر متزلزل چٹان کے عزم کی طرف بڑھنے کے مترادف ہوگا۔ حسینؑ سر ہتھیلی پر رکھ کر اس قصر کو گرادینگے جس کو اتنی تگ و دو کے بعد تعمیر کردیا ہے۔ حسینؑ اُس قصر رفیع کی اینٹ سے اینٹ بجادینگے جس پر مالک اشترؓ، محمد ابن ابی بکرؓ، حجر بن عدیؓ، عمار یاسرؓ، ابوذر غفاریؓ جیسے اولوالعزم مجاہدوں کا خون اب بھی تاباں ہے۔ اسلئے کہ معاویہ نظر شناس تھا۔ بخوبی جانتا تھا کہ یزید کی مکارانہ پالیسی اور عیارانہ کردار میں حسینؑ آنے والے نہیں ہیں کیونکہ حسینؑ نے پہلے ہی دندان شکن جواب معاویہ کو دیا۔ ملاحظہ کریں:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حمد وسپاس کا سزاوار صرف رب دوجہاں ہے اور درود وسلام اسکے فرستادہ رسولؐ پر جو درود وسلام کے لائق ہیں......!'' اے معاویہ! تعریف کرنے والا کتنی ہی تعریف کیوں نہ کرے لیکن صفات رسولؐ کی اتھاہ گہرائیوں کا تصور عقل انسانیہ سے یکسر باہر ہے اور تم خوب واقف ہو آنحضرتؐ کے بعد لوگوں نے کس قدر آنحضورؐ کے صفات بیان کرنے میں کمی کردی۔ اور جن امور میں جناب رسالتمابؐ سے بیعت تھی ان سے کس طرح انحراف کیا گیا۔ دور ہوا اے معاویہ! لاریب صبح نے شب کی ظلمت کو دور اور ذلیل کردیا اور آفتاب کی ضیا پاشیوں نے

☆ یہ کربلا کا پیش خیمہ ہے جو عیاں کیا جارہا ہے۔ یہ پرگرام تھا جو یزید کو بنا بنایا دیدیا گیا تھا۔ اب صرف بقول علامہ جار چوی ''یزید صرف ایک مداری تھا ورنہ کھیل کا آغاز کب کا کیا جاچکا تھا''۔ امیر معاویہ کی بے باکی صاف بتلا رہی ہے کہ جو حسینؑ کے ساتھ پیش آنے والا ہے وہ یہ قبل ہی کہہ رہا ہے اور مابعد یزید نے سر مو تجاوز نہیں کیا۔ شعر کا آخری حصہ اُمت محمدیہؐ کیلئے یزید نوازی کا چیلنج ہے۔ اس عبارت اور شعر میں دیکھیں کہ اولاً خلفاء راشدین پر کس طرح عرصہ حیات تنگ کیا جاچکا تھا۔

چراغوں کو ماند کر دیا۔ تم نے بہت سی باتوں میں زیادتی کی اور خود غرض، خود فریبی اور غیر جانبداری سے کام لیا یہاں تک کہ انصاف کے حدود پامال کر کے آگے نکل گیا۔ بعض باتوں کے اظہار کرنے میں بخل سے کام لیا۔ اے معاویہ تم نے ظلم اور زیادتی میں سرحد ارتکاب گناہ پار کی۔ تم نے حق دار کو اپنے حق سے محروم کیا یہاں تک کہ شیطان نے اپنے پورے حصے کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹا۔ اور جو کچھ تم نے اپنے لخت جگر یزید کے کمالات اور امت محمدیہ ؐ کے لئے سیاست دانی کا تذکرہ کیا میں اسے اچھی طرح سمجھا۔ تم چاہتے ہو کہ یزید کے بارے میں لوگوں کو دھوکہ میں رکھا جائے۔ اس طرح اور گویا کہ تم ان کے سامنے کسی پوشیدہ شخصیت کے محامد ومحاسن بیان کر رہے ہو اور کسی شخص غائب کی تعریف کر رہے ہو۔ یا تم کسی ایسی چیز کی خبر دے رہے ہو جسے تم نے مخصوص ذرائع سے حاصل کیا ہے حالانکہ (تیری ضرورت ہی کیا تھی کہ یزید کا تعارف ہمارے سامنے کرتے) یزید نے خود اپنے اعمال سے اپنا تعارف کرا دیا ہے۔ لہٰذا اے معاویہ! تم بھی وہی راہ اختیار کرو جو تمہارے بیٹے نے اختیار کی ہے۔ جیسے لڑائی کیلئے کتوں کا پالنا، کبوتر بازی کے لئے کبوتروں کی پرورش کرنا، بجانے والیاں اور مختلف قسم کے کھیل کود اور جو تم چاہتے ہو (یعنی بیعت) تو یہ خیال خام دل سے نکال دو۔ تمہیں کیا فائدہ ہے کہ تم خدا سے اس حالت میں ملاقات کرو کہ بندگان خدا کا بوجھ اس وقت (مال وزر کا جلب، وقت طرب وآلائش ممنوعہ کا سامان، خون ہائے صالحین وغیرہ وغیرہ) سے زیادہ تمہارے اوپر ہو۔ خدا کی قسم! تم ہمیشہ سے ظلم وستم کی آڑ میں باطل، بغض اور کینہ کا ارتکاب کرتے چلے آئے ہو یہاں تک کہ برائیوں کی کشتی پُر کر دی۔ حالانکہ اب تمہارے اور موت کے درمیان صرف ایک آدھ جھپکنے کی دیر ہے لہٰذا (قبل اسکے کے موت تمہیں آدبوچے) اعمال اچھے کرو۔ اُس دن (یعنی میدان حشر کے حساب وکتاب سے) سے تو قطعی چھٹکارا نہیں۔ (اے معاویہ) میں دیکھتا ہوں کہ تم ہمارے سامنے آخر امر خلافت کا اپنے بعد کے لئے انتظام کر رہے ہو اور ہمیں ہمارے آباء واجداد کی میراث سے روک دینا چاہتے ہو حالانکہ ہم نسلی اور پیدائشی طور پر رسول اللہؐ کے وارث ہیں اور ہمارے پاس اس (مسند خلافت کے حصول کیلئے) کی وہی دلیل ہے جو تم نے وفات رسولؐ پر خلافت کے مقابل کھڑے ہونے والے کیلئے پیش کی تھی*۔ انکو تم لوگوں کی یہ دلیل مان لینی پڑی تھی اور حقیقت و

---

* مولاؑ کا اشارہ سقیفہ بنی ساعدہ کے اس انتخاب کی طرف ہے جس میں انصار ومہاجرین کی گفتگو کا فکر ہے۔ اصل واقعہ اس طرح ہے: مورخ طبری لکھتے ہیں کہ جب انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں سعد ابن عبادہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کیلئے اجتماع کیا تو مہاجرین میں حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور ابوعبیدہ ابن جراح بھی آپہنچے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر انصار سے مخاطب کیا: **فهم اول من عبدالله في الارض وآمن بالله وبالرسول وهم اوليائه وعشيرته واحق الناس بهذا الامر من بعد ولا ينازعهم ذالک الا ظالم** یعنی یہ وہی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے زمین پر اللہ کی عبادت کی، اللہ اور اسکے رسولؐ پر ایمان لایا۔ یہی آنحضورؐ کے دوست اور کنبے والے ہیں اور یہی لوگوں میں سے اس خلافت کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ جو اس سے انحراف کرے گا وہ ظالم ہے۔ (تاریخ طبری ج ۲ ص ۴۵۷)

اس واقعہ کی طرف جناب امیرؑ نے بھی ارشاد فرمایا ہے: **احتجوا باشجره وا ضاعوا الثمرة** (انہوں نے شجرہ پر استدلال کیا اور جیت گئے لیکن اسکے پھلوں (حقوق) کو ضائع کیا)۔

انصاف کو تسلیم کرنا پڑا مگر اسکے بعد بھی تم لوگوں نے مکاریوں کے جال بننے نہیں چھوڑے اور بہت کچھ کہا اور کہتے رہے۔ یہاں تک کہ اے معاویہ! امر خلافت ایسے راستے سے پہنچا جسکا رُخ تمہارے علاوہ کسی اور کی طرف تھا اور تم قطعاً خلافت کے حقدار نہ تھے۔ اے بصیرت والو! غور تو کرو! یہ معاویہ اس کو حاکم بنانا چاہتا ہے کہ جو فضول خرچ، فاسق و فاجر ہے اور تم لوگ (معاویہ اور اسکے کارندوں کی طرف اشارہ ہے) چاہتے ہو کہ لوگ دھوکے کی ٹٹی میں رہیں۔ حالانکہ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ یزید برسر اقتدار آتے ہی تم پر پیر تسمہ پا کی طرح سوار ہوکر مزے لوٹے گا اور تم اسکے مکافات عمل کی وجہ سے اپنی آخرت برباد کروگے۔ یہی تم لوگوں کی خود فریبی ہے۔[۱۱]

معاویہ یہ سن کر پیچ و تاب کھانے لگا۔ حسینؑ نے حالات ماضی، حال اور مستقبل کے نشیب و فراز سے معاویہ کو واقف کیا۔ جو کچھ گذرا وہ بھی بتادیا کیا کچھ ہو رہا ہے اس پر بھی روشنی ڈالی اور گذرے گا کیا اسکی بھی نشاندھی فرمائی۔ معاویہ کی اُمیدوں کے قلعے کو اس تقریر نے ایک ہی جھٹکے سے منہدم کردیا۔ معاویہ سوچ ہی رہا تھا کہ بطل حریت حضرت سید الشہداءؑ نے گورنر مدینہ (جو اس وقت ولید تھا) کو مخاطب کر کے فرمایا:

قال ایها الامیر انا اهل بیت النبوة ومعدن الرسالة و مختلف الملائكة و بنا فتح الله و بنا ختم الله ویزید رجل فاسق شارب الخمر قاتل النفس المحرمة معلن بالفسق و مثلی لایبائع بمثله ولكن نصبح و تصبحون وننظر و تنظرون اینا احق بالخلافة و البیعة ۔

اے امیر! ہم اہل بیت نبوت اور معدن رسالت ہیں۔ ہمارے ہی گھر میں فرشتے آتے جاتے رہے اور ہمارے ہی ذریعے سے اسلام کامیابی کی طرف بڑھا۔ ہم پر ہی ابتدائے نبوت ہوئی اور ہم پر ہی انتہائے نبوت ہوئی۔ یزید شارب الخمر، قاتل النفس محترمہ اور فسق و فجور کا کھلم کھلا ارتکاب کرنے والا۔ مجھ جیسا اس جیسے کی بیعت کبھی بھی نہیں کرے گا۔ لیکن اسکے باوجود ہم تمہیں صبح جواب دینگے اور تم بھی سوچو صبح تک (کہ کیا یہ تمہارا مطالبہ درست ہے۔ اتمام حجت کیلئے حسینؑ نے ان کو سوچنے کا موقعہ دیا) ہم بھی صبح تک غور کریں گے اور تم بھی غور کرو۔[۱۲]

یہ سن کر معاویہ غم و غصہ میں دمشق چلا آیا۔ حیرانگی و پریشانی کی ہر ڈگر پر اسکو آسمان بنی اُمیہ پر ہر ستارہ ڈوبتا ہوا نظر آیا۔ ایک طرف بیٹے کی محبت پہلو میں کروٹیں لے رہی تھی اور دوسری طرف حسینؑ کی حوصلہ شکن تقریر۔ دونوں کے موازنے سے نہ صرف بیٹے کی مقدر کا فیصلہ دیکھ رہا تھا بلکہ بنی اُمیہ کا وہ قصر رفیع بھی مسمار ہوتے دیکھ رہا تھا جو اس نے اپنی انتھک کوششوں سے اپنے اخلاف کیلئے تعمیر کیا تھا۔ لہٰذا عزم کر کے گورنر مدینہ کو تاکیدی خط لکھا کہ کسی بھی صورت سے حسینؑ سے بیعت لی جائے۔ لیکن ولید کو اس خط کے بعد بھی نا اُمیدی ہوئی۔ اس نے معاویہ کو واپس جواب لکھا اور عدم انکار کے تمام وجوہات بھی لکھ دیئے۔ معاویہ قیصر تھا (بقول عمر ابن خطابؓ) جانتا تھا کہ قیصر نے جب نا اُمیدی کے گرداب میں ہاتھ پیر مارے تھے تو کاغذی ناو سے کلیسا کا اندرونی نظام سنوارا تھا۔ لیکن کاش

مسلمانوں کے قیصر کو کوئی سمجھا تا کہ یہاں کلیسا کی بات نہیں تھی۔ یہاں خاندان نبوت کے چشم و چراغ کے ساتھ ٹکر لینی تھی جس کا کام دین کی حفاظت اور خود بجھ کے اسلامی چراغ کو حیات جاودانی عطا کرنا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ معاویہ نے آخری پھندا بھی پھینکا تا کہ کارگر ہو جائے لیکن جب پھندسمیٹا تو یہ تحریر ہاتھ آئی۔

من حسین ابن علی الی معاویہ ابن ابی سفیان............وانی لارجوا ان لا تضر الا نفسک ولا تمحق الا عملک فکدنی ما بذالک واتق الله یا معاویه واعلم ان الله کتاباً لا یُغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاها واعلم ان الله لیس بناس لک قتلک بالظنة واخذک بالتهمه وامارتک صبیا یشرب الشراب ویعلب بالکلاب ما اراک الا وقد اوبقت نفسک واهلکت دینک واضعة الرعیة۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ تم اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈال رہے ہو اور اپنے اعمال کو ضائع کر رہے ہو۔ میرے ساتھ جو کرنا چاہو گے سو کرلو لیکن خدا سے ڈرو اور یقین کرلو کہ خدا کی ایک کتاب ہے جس میں وہ صغیرہ و کبیرہ لکھ لیتا ہے۔ خوب اچھی طرح باور کرلو کہ تمہارے لوگوں سے بدظن ہو کر قتل کرنے کو اور جھوٹا الزام لگا کر گرفتار کر لینے کو اور ایسے چھوکرے کو جو شراب پیتا ہے اور کتوں سے کھیلتا ہے امیر و حاکم بنانے کو خدا بھول نہیں سکتا۔ میں بخوبی دیکھتا ہوں کہ تم نے اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈال دیا، اپنے ہی دین کو برباد کیا اور رعایا کے حقوق کو تلف کر دیا ہے۔[۱۳]

اس دندان شکن خط کے بعد کیا محمود احمد عباسی کا یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ حسینؑ بیعت پر راضی تھے؟؟ سختی میں معاویہ کچھ کم نہ تھا لیکن نتیجہ سے بے پروا ہو کر حسینؑ نے دوٹوک جواب دیا۔ اگر جان ہی کا خوف ہوتا تو معاویہ کو دبی زبان میں ہی راضی رکھ لیتے لیکن ایسا نہ ہوسکتا تھا اور نا ہی ایسا ممکن تھا۔ معاویہ اس خط کو دیکھ کر از حد بے چین ہوا۔ چین و آرام لُٹ گیا، کروٹوں پر کروٹیں بدل رہا ہے لہٰذا قبل از موت یزید کو بلا کر حسب ذیل وصیت کی............!''

اے جان پدر! اہل حجاز کا اچھی طرح خیال رکھنا۔ ان میں سے جو شخص تمہارے پاس آئے اسکے ساتھ عزت واحترام کا سلوک کرنا اور جو شخص نہ آئے اسکے حقوق کی نگہداشت کر لینا۔* اہل عراق سے بھی بہت ملائمت اور نرمی کا سلوک کرنا۔ اگر وہ روزانہ کسی نئے عامل کا مطالبہ کریں تو اسکے قبول کرنے میں قطعی کوئی پس و پیش نہ کرنا کیونکہ اس عامل کو معزول کرنا اس سے آسان ہے کہ تمہارے خلاف ایک لاکھ تلواریں بلند ہوں۔ اہل شام سے بھی محبت و رافت کا سلوک کرنا کیونکہ وہ تمہارے ہم راز اور مددگار ہیں۔ اگر کوئی شخص تمہارے مقابلے پر آئے تو ان سے مدد لینا لیکن جب تم فتح حاصل کرو گے تو انہیں ان کے علاقوں میں واپس بھیج دینا کیونکہ دوسرے علاقوں میں زیادہ عرصہ مقیم رہنے کی وجہ سے ان کے اخلاق و عادات میں تغیر واقع ہو جائے گا۔ حکومت میں قریش کے صرف تین شخص ہی تمہارے

* یہ تو صرف مصنف کا بیاں ہے ورنہ بالحقیقت اگر دیکھا جائے تو معاویہ نے اہل حجاز کے ساتھ جو کچھ بُرا سلوک کیا، تاریخیں مملو ہیں۔ ان سے انکار سراسر جہالت ہے۔

حریف ہوسکتے ہیں۔حسینؑ ابن علیؑ ،عبداللہ ابن زبیرؓ اور عبدالرحمٰن ابن ابوبکرؓ،ابن عمرؓ کو تو عبادت نے تھکا دیا ہے۔ جب دوسرے لوگ تمہاری بیعت کریں گے تو وہ بھی تمہاری اطاعت کرے گا۔عبدالرحمٰن ابن ابی بکرؓ کی توجہ عیش وآرام کی طرف مبذول ہے اسلئے ان سے بھی کوئی خطرہ نہیں ہے۔(رہ گئے حسین ابن علیؑ) حسینؑ کو اہل عراق ضرور تمہارے مقابل پر لاکر رہیں گے۔اگر وہ تمہارے مقابلے میں آئیں اور تم کامیاب ہو جاؤ تو ان سے درگذر سے کام لینا کیونکہ انکا ہم پر قریب ترین عزیز ہونے کے علاوہ بہت بڑا حق ہے کیونکہ وہ رسولؐ اللہ کے نواسے ہیں۔البتہ جو شیر کی طرح گھات لگائے گا اور لومڑی کی طرح چالیں چلے گا وہ عبداللہ بن زبیر ہے۔اگر تم اس پر قابو پاؤ گے تو اسکے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا......'' [۱۴۱]

اس عبارت کو غور سے پڑھنے کے بعد مندرجہ ذیل نتیجے نکلنے لازمی ہیں۔

۱) معاویہ عراقیوں کی سرشت سے واقف تھا لہٰذا انکا ہر جائز و ناجائز مطالبہ قبول کرلیا۔

۲) یہ مطالبہ صرف ان کو رضامند رکھنے کے لئے پورا کیا جانا مقصود تھا تاکہ ان پر گرفت مضبوط ہو۔

۳) وقت ضرورت انکو آلہ کار بنانے میں آسانی سے کامیاب ہوسکے۔

۴) حسینؑ سے معاویہ قطعی خائف تھا اور اس پر اسکا پورا پورا ایمان تھا کہ عدم بیعت کی وجہ سے وہ یزید کے خلاف اُٹھ کھڑے ہو جائیں گے۔

۵) یزید کی سرشت کا پورا پورا مطالعہ معاویہ کو تھا لہٰذا (بالفرض) اسکو درگذر کرنے کی تاکید کی۔

۶) سابقہ خط اور اس خط کی عبارت کے موازنے میں کوئی تطابق نہیں ہے اسلئے کہ گورنر مدینہ کو صیغہ راز میں جو کچھ بھی تحریر کیا گیا تھا اسکا جواب خط کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے۔

۷) معاویہ کا یہ کہنا کہ حسینؑ رسولؐ کا نواسہ ہے صرف ظاہری رکھ رکھاؤ تھا۔ باطن میں جو کچھ تھا اسکی وضاحت تو معاویہ نے مدینہ میں امام حسینؑ سے ملاقات کے وقت ہی کرلی تھی (جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے)

۸) بالفرض اگر یہ تمام کی تمام باتیں قبول بھی کرلی جائیں تب بھی معاویہ کو کسی بھی صورت میں بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔

۹) یہ صرف دعویٰ تھا، حقیقت نہیں، اسلئے کہ بیٹے کے ہاتھ خلافت کی باگ دینا اور پھر اسکو نصیحت کرنا خود فریبی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔

نتیجہ سامنے ہے کہ یہ ایک دھوکہ تھا جو آنے والی نسلوں کو دیا گیا تاکہ وہ معاویہ کی اس وصیت کو قلمبند کر کے محمود احمد عباسی جیسے معاند قلمکاروں کو جنم دے سکیں۔یہی روایات تھیں کہ جن پر بشارت جنّت کی ناؤ بہالی گئی کہ معاویہ فرض اپنا پورا کر کے گیا۔

حوالہ جات

۱؎ کتاب البلدان، ابن فقیہ مطبوعہ لیڈن ص ۱۸۷
۲؎ شرح البلاغہ طبع مصر ج ۲ ص ۴۴۷
۳؎ استیعاب علی الاصابہ ج ۳ ص ۴۰۵ طبع حیدر آباد
۴؎ روضۃ الصفا ج ۳ ص ۲۵؛ خلافت وملوکیت ص ۱۴۹
۵؎ خلافت وملوکیت ص ۱۴۷
۶؎ فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ٦ ص ۵۵۵
۷؎ الامامت والسیاست ج ۱ ص ۱۴۳
۸؎ الامامت وسیاست ج ۱ ص ۱۹۵
۹؎ تاریخ ابن اثیر (ترجمہ اُردو، جمیل الرحمٰن) ج ۱ ص ۹۲
۱۰؎ حضرت عثمان اور حضرت علی تاریخ اور سیاست کی روشنی میں ص ۵۵۸
۱۱؎ الامامت والسیاست ج ۱ ص ۱۹۵
۱۲؎ الھوف فی قتل الطّفوف ص ۱۰
۱۳؎ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۱۹۵
۱۴؎ آل محمد کربلا میں، ابو عمر النصر ص ۴۷

جنگ قسطنطینیہ

مثل عام ہے ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' مگر ناظرین کرام ذرا غور کرنے سے یہ مثل نقاب الٹ کر سامنے آجاتی ہے۔ جو ڈوبتا ہو وہی تنکوں کی طرف زیست کی امیدوں سے ہاتھ بڑھاتا ہے نہ کہ دوسرا کوئی تنکہ ڈوبنے والے کے سامنے ڈال کر کہہ دے گا کہ لوتھامو، اس تنکے کو، ممکن ہے یہ تمہاری نجات کا موجب بنے بعینہ یہی مثال مورخین نے معاویہ نوازی کا ثبوت دے کر یزید لعنہ کے حق میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حدیث گھڑ کے کہہ دیا کہ یزید کو جنت کی بشارت مخبر صادقؐ نے دے دی ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ احادیث کے قالب کس سرعت کے ساتھ امیر معاویہ کے حکم سے تعمیر کیئے گئے تھے۔ وضع احادیث کی رو (حکم معاویہ سے) جہاں جہاں سے بھی بہنی شروع ہوئی وہ تمام کی تمام دارالحکومت دمشق میں جمع ہونی شروع ہوئی۔ یہ ایک سمندر تھا کہ جس کی ہر ہر بوند سے من گھڑت احادیث کی بو آرہی تھی۔ ان ہی احادیث میں جنگ قسطنطینیہ والی حدیث بھی ہے۔

محمود احمد عباسی کا لاڈلا امیر المؤمنین یزید بن معاویہ بقول ان کے اور ان کے ہمنواؤں کے مستحق جنت اس حدیث سے بن جاتا ہے اور کہاں تک صحیح ہے؟ وہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

بنارس کے ایک جلیل القدر عالم مولانا ابو محمد امام الدین حنفی رام نگری اس بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت امیر معاویہ نے قسطنطینیہ پر حملہ کرنے کیلئے فوج بھیجی تو اسکا امیر اور سپہ سالار یزید کو بنا کر بھیجا۔ محمود احمد صاحب عباسی نے یزید کی اس امارت وسپہ سالاری کی بنا پر دوصورتوں سے اس کی فضیلت وبزرگی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک صورت تو یہ کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام کی موجودگی میں امیر معاویہ نے یزید کو فوج کی امارت وسپہ سالاری کے منصب پر مامور کیا۔ خود یزید کی زیر امارت وقیادت فوج میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ اور خود حضرت حسینؓ موجود تھے۔ دوسری صورت یہ کہ اس فوج کشی کی خبر حضرت رسول اللہؐ نے دی تھی اور اس مہم پر جانے والی فوج کیلئے حدیث میں مغفرت کی بشارت موجود ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے یزید کا دوزخ سے دور ہونا قطعیت کیساتھ ثابت ہے۔ حدیث یہ ہے:

اوّل جیش من اُمتی یغزون مدینة قیصر مغفور هم (بخاری)

میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر (قسطنطینیہ) پر جہاد کرے گی ان کیلئے مغفرت ہے۔

عباسی صاحب نے جن دوصورتوں سے یزید کی فضیلت ثابت کرنی چاہی ہے،ان کی بحث سے پہلے ایک واقعہ ملاحظہ کر لیجئے۔اس سے آپ کو جہاد قسطنطینہ کا امیر مقرر کرنے کا اصل راز معلوم ہو جائے گا اور ایسے دوسرے رازوں کا بھی علم ہو جائے گا۔قاضی اظہر صاحب مبارک پوری نے اپنی تنقید میں علامہ ابن کثیر کی مشہور کتاب البدایہ والنھایہ سے واقعہ نقل کیا ہے جس کو ہم اپنے لفظوں میں پیش کر رہے ہیں۔

''یزید کی ماں نے ایک روز یزید کے بالوں میں کنگھی کی اور اسکو بنایا سنوارا۔یزید کو دیکھکر اس کی سوتیلی ماں فاختہ بنت قرظہ کو اس پر رشک ہوا اور انہوں نے یزید پر آواز کشی بھی کی۔ان کا بھی ایک بیٹا تھا۔اسکا نام عبداللہ تھا۔حضرت معاویہ یزید اور عبداللہ کے مزاج اور فطرت سے واقف تھے۔انہوں نے اپنی بیوی فاختہ کو دونوں بیٹوں کا فرق دکھانے کے لئے اپنے پاس بلایا۔کہا تمہاری جو بھی خواہش ہو کہو میں اسے پورا کروں گا۔عبداللہ نے کہا مجھے ایک موٹا کتّا اور ایک موٹا گدھا منگا دیجئے۔پھر حضرت معاویہ نے یزید کو اپنے پاس بلایا۔کہا تم کیا چاہتے ہو۔تم بھی اپنی خواہش پیش کرو۔وہ پوری کی جائیگی یہ سنتے ہی یزید سجدے میں گر پڑا، پھر اٹھ کر بولا ،خدا کا شکر ہے کہ اس نے امیر المومنینؑ کے دل میں خیال ڈالا اور اسکے پورا کرنے کی آمادگی پیدا کی۔یہ میری خواہش ہے کہ آپ اپنے بعد مجھے ہی اپنا جانشین بنا دیں اور اس سال جہاد کیلئے مسلمانوں کی جو فوج بھیجیں مجھ کو اسکا سپہ سالار مقرر کریں اور میں واپس آؤں تو مجھے حج کی اجازت دیں اور امیر حج مجھی کو بنائیں۔اسکے علاوہ میں چاہتا ہوں کہ آپ ہر شاہی وظیفے میں دس دس دینار کا اضافہ کر دیں اور جمع بنی سلیم اور بنی عدی کے یتیموں کا وظیفہ جاری کریں اور لوگوں کو بتائیں کہ یہ سب میری سفارش سے ہوا ہے۔

اسی طرح کی اور باتیں بھی باپ بیٹے میں ہوئیں اور حضرت امیر معاویہ نے یزید کی تمام باتوں کو منظور کرتے ہوئے فرط محبت سے یزید کا منہ چوم لیا **قدفعلت ذالک کله وقبلّ وجهه** یعنی میں نے تیری تمام درخواستیں پوری کر دیں اور یہ کہکر یزید کا منہ چوم لیا۔''[1]

محمود احمد عباسی یزید کو جنتی ثابت کرنے کے لئے مندرجہ ذیل عبارت تحریر کرتا ہے۔ملاحظہ ہو:

اس فوج کے سپہ سالار اور سردار امیر المومنین (معاویہ) کے لائق فرزند یزید تھے۔یہی پہلا اسلامی جیش تھا جس نے قسطنطنیہ میں جہاد کیا۔اسی اسلامی فوج کے بارے میں آنحضرتؐ نے بشارت مغفرت دی تھی۔صحیح بخاری کی کتاب الجہاد کے باب ''**ماقیل فی قتال الروم**'' کے ذیل میں یہ حدیث ہے **قال النبی صلعم اوّل جیش من اُمتی یغزون مدینه قیصر مغفورھم**. شارح قسطلانی نے مدینہ قیصر رومیون کی حکومت کا صدر مقام قسطنطینہ مراد لیا ہے۔اس حدیث کے حاشیہ میں لکھا ہے۔

کان اول من غنی مدینة قیصر یزید بن معاویه ومنه جماعة من سادات الصحابه کا بن

عمر و ابن عباس عبدالله ابن زبیر و ابی ایوب انصاری. [۲]

علامہ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث معاویہ اور انکے فرزند امیر یزید کی منقبت میں ہے۔ ساتھ ہی مہلب محدث کا یہ قول نقل کیا ہے۔

قال المهلب في هذا الحديث منقبته لمعاوية لانه اول من غزا البهر و منقبته لولده لانه اول من غزا مدينة قيصر. [۳]

محدث مہلب نے اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ یہ حدیث معاویہ کی منقبت میں ہے۔ اسلئے کہ انہوں نے سب سے پہلے بحری جہاد کیا اور یہ حدیث اسکے فرزند یزید کی منقبت میں ہے اسلئے کہ انہوں نے ہی پہلے بحری جہاد (یعنی قسطنطینیہ میں) کیا۔ [۴]

یہ من گھڑت مفروضہ چند وجوہ سے غلط ہے۔ ملاحظہ ہو:

۱﴾ بخاری کی اس حدیث کو غور سے پڑھیے، حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔ حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے بحری جہاد کرنے والا معاویہ ہے۔ اسی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے بحری جہاد کرنے والا امیر معاویہ کا فرزند یزید ہے، یعنی بحری جہاد کرنے میں دونوں نے سبقت کی ہے۔ معاویہ بھی زمرۂ اول میں ہے اور یزید بھی زمرۂ اوّل میں۔ کیا یہ تضاد نہیں ہے۔۔۔؟ دونوں کی اوّلیت بیک وقت قطعی ناممکن ہے لیکن عباسی حاحب نے منقبت اور مغفرت کی بنیاد آنکھیں بند کر کے گھڑی ہے۔ یہ نہ سوچا کہ اوّلیت کس کو کسطرح دی جانی چاہئے۔

سچ ہے:. A lie has no legs to stand upon

۲﴾ حدیث کے الفاظ میں جناب محمد رسولؐ اللہ نے یہ تو نہیں فرمایا ہے کہ اسمیں فلان فلان آدمی شرکت کرے گا۔ حدیث کے الفاظ واضح ہیں۔ ارشاد ہو رہا ہے ''**اوّل جیش من امّتی یغزون مدینة قیصر مغفورهم**'' اس میں شرکت کرنے والوں کا ذکر ہے ہی نہیں۔ یہ بعد کی تاویلات ہیں کہ اسمیں فلان فلان آدمی نے شرکت کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اسمیں جس کسی کو بھی شامل کیا جائے رکاوٹ چنداں پیش نہیں آئے گی۔ اگر یہ تعصب نہیں تو اور کیا ہے کہ عباسی صاحب امیر معاویہ اور اسکے پارہ جگر یزید ہی پر اپنا زورِ قلم صرف کر دیتے ہیں کہ کسی طرح یہ دو بھی مغفرت اور جنت کی حصار میں آجائیں۔ حالانکہ بقیہ صحابہ بھی اس غزوہ بحری میں شامل تھے، ان کو کیوں نظر انداز کر دیا؟ کیا اسلئے تو نہیں کہ انکے متعلق لکھنا اتنا ضروری نہیں تھا جتنا امیر معاویہ یا یزید کے متعلق لکھنا تھا۔ اصحاب ذوی الاحترام کا کردار ہی بذات خود انکو جنت یا مغفرت کی حصار میں لے آتا ہے اور ان (معاویہ و یزید) کو نہیں۔

۳﴾ اہلسنت والجماعت کے مقتدر عالم اقبال احمد جونپوری تحریر فرماتے ہیں۔

یہاں صحیح بخاری (جلد اول ص ۴۱۰) وجوب جنت کی حدیث بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی مگر جناب

(محمود احمد عباسی) نے یہ سمجھا کہ اگر یزید کیلئے محض مغفرت ہی کی حدیث رہتی ہے تو شاید کمزور پڑے۔ لہذا قسطنطینہ کے جہاد کے پہلے رومیوں کی بحری جنگ کی پیش گوئی کو بھی اس میں شامل کر دیا جائے تا کہ وجوب جنت ومغفرت دونوں یزید کے بارے میں ثابت ہو جائے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ ''ان دونوں لشکروں کے غازیوں کیلئے وجوب جنت ومغفرت کی پیش گوئی لسان نبوی سے ہوئی''۔ یہاں بلاکسی استثناء کے لفظ دونوں لشکروں اور وجوب جنت و مغفرت کا یکجائی فقرہ عباسی صاحب کی کھلی ہوئی شرارت اور بد دیانتی ہے۔

۴﴾محمود احمد امروہی نے امام ابن حجر کی اس روایت کا سہارا تو لیا کہ جس میں مدینہ قیصر پر چڑھائی کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ غالبًا یا رلوگوں کو یہ دھوکہ ضرور ہوا ہوگا کہ نہ صرف یزید ہی صاف نکل گیا بلکہ امیر معاویہ بھی بخوبی بچ نکلے کیونکہ امام ابن حجر کی قدر ومنزلت ان لوگوں کے نزدیک بہت ہی ارفع واعلی ہے، لیکن یہ بات نہیں ہے۔ آپ ذرا دی گئی بشارت والی روایت سے آگے بڑھیے۔ یہی امام صاحب آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

وتعقبه ابن التين وابن المنير عن حامله . انه لا يلزم من دخوله في ذالكٔ العموم ان لايخرج بدليل خاص اذ لا تختلف اهل العلم ان قوله مغفور لهم مشروط بان يكونوا من اهل المغفره حتى لو اوقد امد ممن غزاها بعد ذالكٔ لم يدخل في ذالكٔ العموم اتفاقاً فدل على ان المراد مغفورهم لمن وجد شرط المغفرته. واما قول ابن التين ان يكون لم يحضر فمردود الا ان يريد لم يباشر القتال فيهن فانه كامير ذالكٔ فيه بالا تفاق.

مہلب کے دیئے گئے قول پر ابن تین اور ابن مبر نے تعاقب کرتے ہوئے اعتراض کیا ہے کہ عام حکم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ اس خاص دلیل سے خارج نہ ہو سکے۔ کیونکہ اس امر پر سب علماء کا اتحاد واتفاق ہے کہ آنحضرتؐ کا یہ ارشاد مغفورلھم اس شرط کے بغیر تو ہے نہیں کہ اسمیں سبھی اہل مغفرت میں سے ہوں، یہاں تک کہ جنہوں نے جہاد قسطنطینہ میں حصہ لیا۔ اگر وہ اس جہاد کے بعد مرتد ہو جائے تو وہ اس مغفرت والی حدیث میں قطعی داخل نہ ہوگا اور اس پر ان علماء کا اتفاق ہے۔ اس سے یہ بات تو معلوم ہوئی کہ ''مغفورلھم'' سے وہی شخص مراد ہوگا جس میں مجاہدین قسطنطینہ ہی سے مغفرت کی شرط موجود ہو۔ اب رہا یہ کہنا کہ ہوسکتا ہے کہ جہاد قسطنطینہ میں یزید شریک نہ رہا ہو تو یہ نا قابل قبول ہے۔ ہاں اگر یہ کہہ دیا جائے کہ براہ راست جنگ میں موجود نہ رہا ہو تو یہ قرین ممکن ہے کیونکہ یزید اس لشکر کا سپاہی تو تھا نہیں، صرف ایک امیر تھا۔[۵]

مندرجہ الصدر عبارت سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں۔

۱۔ یزید کی مغفرت کا مسئلہ ہمیشہ زیر بحث رہا ہے۔ اکثریت اسکی مخالفت میں کمر بستہ ہوتی چلی آئی ہے، اور معدودے چند اسکو مغفرت بنانے کے لئے ریت کے گھروندے تعمیر کرتے رہتے ہیں۔

۲۔محدث مہلب کی رائے علامہ ابن حجر کے نزدیک قطعی غلط ہے۔

۳۔ابن تین اور ابن منیر کی روایات کا وزن علامہ ابن حجر کے نزدیک مہلب کی روایت سے زیادہ ہے اسی وجہ سے اس نے ان دونوں کو مہلب پر ترجیح دیدی۔

۴۔اکابرین سلف کے نزدیک یزید بشارت مغفرت کے زمرے میں نہیں آتا ہے۔لہذا ان کو اس میں تامل رہا ہے کہ مغفرت والی حدیث کو کس خانے میں فٹ کیا جائے۔

۵۔محدیث مہلب نے اگر مغفرت والی روایت کو یزید کے حق میں ثابت کرنے کی کوشش بھی کی تو شارح صحیح بخاری (جلد۵ص۱۲۴)قسطلانی کی روایت کے مطابق یہ صرف بنوامیہ کی حمایت میں کیا گیا۔

مندرجہ بالا نتائج سے نکل کر"شہید کربلا اور یزید"میں (مغفرت والی حدیث) کی عبارت سے واضح ہے کہ مہلب اور دوسرے لوگ جنہوں نے یزید کی فضیلت یا خلافت پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ ابن منیر اور قسطلانی کی نگاہوں میں مشتبہ اور مخدوش ہے جس کو انہوں نے بنی امیہ کی حمایت بے جا پر محمول کیا ہے۔دوسرے اسے خلافت یزید کے ثبوت سے تعلق بھی کیا ہے؟ کیا جسے بھی جنت کی بشارت مل جائے تو اسکی خلافت بھی اس سے ثابت ہوجائیگی؟

۶۔ہندوپاک کے مشہور ومعروف عالم محقق سید رئیس احمد جعفری (ندوی) اپنی مایہ ناز تالیف امامت وسیاست میں تحریر فرماتے ہیں (واضح رہے انہوں نے"یزید اور قسطنطینہ کا معرکہ"کے عنوان کے تحت جو کچھ اپنی کتاب میں تحریر فرمایا ہے وہ من وعن حافظ علی بہادر خان کی تحقیقی کتاب"معاویہ ویزید"سے لیا گیا ہے):

"عمیر بن اسود عنسی کہتے ہیں کہ وہ حضرت عبادہ بن صامت کے پاس گئے جبکہ وہ ساحل حمص میں اپنے ایک مکان میں تھے اور ان کے ہمراہ (ان کی بی بی) ام حرام بھی تھیں۔عمیر کہتے ہیں کہ ہم سے ام الحرام نے بیان کیا کہ انہوں نے نبیؐ کو یہ فرماتے سنا کہ میری امت میں سب سے پہلے جو لوگ سمندر میں جنگ کریں گے ان کے لئے جنت واجب ہے۔ام حرام کہتی تھیں میں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ میں انہیں میں ہوں۔ام حرام کہتی ہیں پھر نبیؐ نے فرمایا کہ میری امت میں سب سے پہلے جو لوگ قیصر کے شہر میں جنگ کریں گے وہ مغفور ہیں۔میں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ میں ان لوگوں میں سے ہوں، آپ نے فرمایا نہیں۔"

اس حدیث کو یزید کی منقبت میں اکثر پیش کیا جاتا ہے مگر اسکے متعدد پہلوؤں کو اسطرح دیا جاتا ہے کہ پڑھنے والوں کو لازماً غلط فہمی ہوتی ہے۔حسب ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے۔

۱۔ حدیث میں یزید یا معاویہ کا نام بالکل نہیں ہے۔

۲۔حدیث میں قسطنطینہ کا لفظ نہیں ہے بلکہ مدینہ قیصر کا لفظ ہے۔

۳۔ابن حجر عسقلانی کی کتاب فتح الباری کی سند اس بارے میں پیش کی جاتی ہے کہ حدیث سے یزید کی منقبت ثابت ہوتی ہے لیکن فتح الباری کی پوری عبارت نہیں دی جاتی کیونکہ پوری عبارت میں دو ایسی رائیں ہیں جن سے یزید کی منقبت کی نفی ہو جاتی ہے۔

حدیث کی یہ تین پہلو تشریح چاہتے ہیں۔فتح الباری کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مہلب کی یہ رائے ہے اور چونکہ قسطنطینہ کی جنگ میں اسلامی فوج کا سپہ سالار یزید تھا۔لہذا اس حدیث کی رُو سے یزید ''مغفور''یعنی جنتی ہوا،اور اسکی منقبت کا پہلو نکلتا ہے۔لیکن اس جگہ فتح الباری میں ابن التین اور ابن المنیر کی وہ تنقید بھی موجود ہے جو مہلب کی رائے پر انہوں نے کی ہے۔اس تنقید میں وہ کہتے ہیں کہ محض جنگ کی شرکت بخشش کے لئے کافی نہیں ہے، بلکہ جنگ کے بعد کے اعمال بھی ایسے ہوں جو اسے جنت کا مستحق ثابت کریں۔دوسرے یہ کہ ''مدینہ قیصر'' سے قسطنطینہ مراد نہیں ہے۔جہاں یزید کی سرکردگی میں لشکر گیا تھا، بلکہ وہ شہر مراد ہے جہاں نبیؐ کے ارشاد کے وقت قیصر کا دارالحکومت تھا، وہ شہر حمص تھا۔پس اگر ہم حدیث کے الفاظ ''مدینہ قیصر'' سے حمص مراد لیں تو یزید نقشہ سے نکل جاتا ہے اور منقبت یزید کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔

یہ امر قرین قیاس ہے کہ رسولؐ اللہ نے ''مدینہ قیصر'' اسی شہر کے متعلق فرمایا ہوگا۔جہاں ان کے زمانے میں قیصر موجود تھا۔نیز اسلئے بھی یہ تشریح قرین قیاس ہے کہ حمص پر حملہ کرنے والے زیادہ تر صحابہ تھے۔جن کے ''مغفور'' ہونے کی پیشن گوئی سمجھ میں آسکتی ہے۔برخلاف اسکے قسطنطینہ پر حملہ کرنے والوں میں دو ایک صحابیوں کے علاوہ اکثر لوگ ایسے معیار کے نہیں تھے کہ لازماً ان کے جنتی ہونے کا اعلان کیا جاسکے۔حمص کی جنگ میں سب مجاہدین تھے جن کا مقصد ''لتكون كلمة الله هي العليا'' کی تعریف میں آتا ہے۔لیکن قسطنطینہ کی جنگ میں جو لشکر تھا اسمیں زیادہ تر حشام کے تنخواہ دار اور پیشہ ور فوجی سپاہی تھے۔

ایک اور بات یہ بھی قابل توجہ ہے کہ اس حدیث کے سب راوی شامی ہیں۔حدیث کے اس پہلو کا تذکرہ اس کی شرح کے شروع میں ہی ابن حجر عسقلانی نے کیا ہے،اور شرح کو ختم کرتے ہوئے اس طرف توجہ دلاتی ہے کہ حدیث نے شامیوں کو یہ امتیاز دیا ہے کہ انہوں نے اچھا کام کیا کہ جنت کے مستحق قرار پائے، چونکہ حدیث بخاری کی ہے اور اسکے روات شامی ہونے کے باوجود بخاری کے مقرر کردہ معیار کے اعتبار سے ثقہ ہیں۔اسلئے حدیث کو رد کرنا مشکل ہے تاہم اس لحاظ سے حدیث پر خواہ مخواہ شبہ ہوتا ہے۔

ایک اور بھی بات یہ ہے کہ حدیث کے خاص راوی عمیر بن اسود العنی کی صرف یہ ہی ایک صحیح روایت بخاری میں ہے۔

اب مسئلہ کے ایک دو پہلو پر بھی توجہ دلانا ضروری ہے۔وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اسلام کیلئے جہاد بھی کرے تو

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ لازماً جنتی ہوگا۔ کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ زندگی کے ابتدائی حصہ میں وہ جہاد کرے مگر آخری حصہ میں اُس کے اعمال ایسے ہوجائیں کہ دوزخ کے قابل ہوجائے۔ بخاری میں ایک حدیث کتاب الجہاد میں اس عنوان سے ''کبھی اللہ مرد فاجر سے بھی دین کی مدد کرتا ہے'' حدیث یہ ہے۔

''حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ ہم رسولؐ اللہ کے ہمراہ تھے تو آپؐ نے ایک شخص کو منجملہ ان لوگوں کے جو اسلام کا دعویٰ کرتے تھے فرمایا کہ یہ اہل دوزخ میں سے ہے۔ چنانچہ جب جنگ شروع ہوئی تو اس نے بہت سخت جنگ کی۔ پھر وہ زخمی ہوا تو کسی نے کہا کہ یارسولؐ اللہ جس شخص کی نسبت آپ نے فرمایا تھا کہ وہ دوزخ والوں میں سے ہے۔ اس نے تو آج بہت سخت جنگ کی اور مرگیا۔ نبیؐ نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں گیا۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں، قریب تھا کہ بعض لوگ شبہ کریں کہ یکا یک کسی نے کہا کہ وہ ابھی نہیں مرا تھا بلکہ اسے سخت زخم لگا ہے۔ پھر جب رات ہوئی تو وہ زخم و درد کی تکلیف پر صبر نہ کرسکا اور اس نے اپنے آپ کو قتل کردیا۔ پھر نبیؐ کو اس کی خبر کی گئی تو آپ نے فرمایا، اللہ اکبر میں شہادت دیتا ہوں اس بات کی کہ میں خدا کا بندہ اور اسکا رسولؐ ہوں۔ بعد اسکے آپ نے بلال کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کردیں کہ جنت میں سوائے مسلمان کے کوئی داخل نہ ہوگا اور اللہ اس دین کو (کبھی کبھی) بدکار آدمی کے ذریعہ بھی مدد دیتا ہے۔''

اس حدیث کی روشنی میں اگر حالات کا جائزہ لیں تو ''مدينة قيصر'' کو قسطنطنیہ سمجھنے کے بعد بھی یزید کے مستقبل کے متعلق کوئی قطعی حکم نہیں لگایا جاسکتا اور اگر ابوایوب انصاری نے اس کی قیادت میں جہاد کیا تو اس سے یزید کی منقبت لازماً نہیں پیدا ہوتی۔ معاویہ کو یزید نے امیرلشکر بنایا۔ اس تقرر میں کوئی مذہبی جذبہ نہیں تھا بلکہ ایک بادشاہی حکم تھا اور ابوایوب انصاریؓ کو چار و ناچار اُس کی قیادت میں لڑنا پڑا۔ یہ ایسا ہی ہے کہ انس بن مالک دور بنی امیہ میں دمشق پہنچے تا کہ خلاف اسلام حرکات کی شکایت کریں۔ بخاری کی حدیث میں وہ رو رو کر کہتے تھے کہ عہد رسالت کی تمام باتوں کو بدل دیا گیا ہے۔ حضرت انس کے اس جذبہ کے باوجود وہ شکایت کرنے کیلئے اموی خلیفہ ہی کے دربار میں حاضر ہوئے تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکال لیا جائے کہ اس اموی خلیفہ کو رسولؐ اللہ کے صحابی کا اعتماد حاصل تھا۔ یہ ایک امر واقعہ تھا کہ اقتدار اُس خلیفہ کے قبضہ میں تھا جسکے عادات و اطوار غیر اسلامی تھے۔ حضرت انس اس امر واقعہ کو نہیں بدل سکتے تھے اور چار و ناچار اس فاسق و فاجر خلیفہ کے پاس پہنچے۔ پس چونکہ ابوایوب انصاری نے اُس جنگ میں یزید کی سپہ سالاری میں جہاد کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یزید کو وہ اس قابل سمجھتے تھے۔

یزید تو در کنار ابوایوب انصاریؓ کی رائے معاویہ کے متعلق ابن عسا کرنے بیان کی ہے۔ اس میں ابوایوب انصاریؓ نے معاویہ سے قتال ضروری قرار دیا ہے کیونکہ وہ حضرت علیؑ کی برحق خلافت سے بغاوت کررہے تھے۔)

بریکٹ میں دی گئی عبارت حافظ علی بہادر خان کی کتاب معاویہ و یزید سے فاضل محقق نے لی تھی۔ اس

عبارت کے بعد رئیس احمد جعفری نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے ہدیہ قارئیں کیا جاتا ہے۔

اسی سلسلہ میں چند مزید تصریحات اور پیش کی جاتی ہیں جن سے صورت مسئلہ اور زیادہ واضح ہو جائے گی اور یزید کی کرامت اور بزرگی کے جو افسانے تراشے جا رہے ہیں ان کی حقیقت آشکار ہو جائے گی۔

''بخاری کی اس حدیث کے متعلق جس سے معاویہ و یزید کے جنتی ہونے کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلی قابل توجہ بات یہ ہے کہ اسکے تمام راوی شامی ہیں، اور اس میں اہل شام کی تعریف ہے۔ قسطنطنیہ کی جس جنگ کا ذکر ہے اس میں ایک قلیل تعداد دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کی بھی تھی۔ لیکن بہت بڑی اکثریت شامیوں کی تھی جن کی شان اس حدیث سے بلند ہوتی ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ شامی ہونا کوئی گناہ نہیں ہے اور شام کے راوی بھی ثقہ ہو سکتے ہیں اور امام بخاری نے اپنے مقرر کردہ معیار پر ان کو جانچا ہوگا۔ لیکن اہل فن کی نظر اس طرف گئی ہے اور انہوں نے یہ بتانا ضروری سمجھا ہے کہ حدیث کے تمام راوی شامی ہیں۔ نیز ایک راوی عمیر بن اسود العنسی ایسا بھی ہے جس سے بخاری نے صرف یہی ایک حدیث روایت کی ہے۔

تمام راویوں کا شامی ہونا اہل فن کو کھٹکا ہے۔ اسی لئے ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کی شرح کے بالکل آغاز ہی میں یہ جملہ لکھنے کی ضرورت محسوس کی ہے: **والا سناد کلہ شامیون** نیز اپنی تشریح ختم کرتے ہوئے بھی یہ جملہ لکھا ہے کہ ''حدیث ہی شامیوں کی تعریف ہے اور ''**قد اوجبوا**' کے قول سے ظاہر کیا گیا ہے کہ شامیوں سے ایسا کارنامہ سرزد ہوا کہ ان کے لئے جنت واجب ہوگئی۔

واضح ہے کہ شارحین اور اہل علم میں بخاری کا سب سے بڑا حامی ابن حجر عسقلانی ہے۔ بخاری کے جن راویوں کو دیگر محدثین نے رد کر دیا ہے ان کی حمایت میں بھی اسی شارح نے دلائل و براہین کے انبار لگا دیئے ہیں۔ اسکی کتاب **مدینہ ساری فی مقدمتہ** فتح الباری بخاری کی حمایت کے لئے وقف ہے۔ اگر بخاری کا ایسا زبردست حامی اتنا اشارہ بھی کرتا کہ اس روایت کے تمام راوی شامی ہیں اور پھر آخر میں تان اس جملہ پر توڑتا کہ حدیث سے شامیوں کی حمایت و تعریف پیدا ہوتی ہے تو سمجھنا چاہیے کہ یہ بخاری کی اس کی حدیث پر سخت جرح ہے۔

حدیث کے متعلق دوسری خاص بات یہ ہے کہ نہ بخاری کے قائم کردہ باب میں حدیث کے متن میں کہیں یزید یا قسطنطنیہ کا ذکر آیا ہے۔ یہ محض شارحین کی رائے ہے کہ حدیث قسطنطنیہ کی جنگ کے متعلق ہے، اور یہ کہ اس سے یزید کی فضیلت کا پہلو پیدا ہوتا ہے، کیونکہ اس جنگ میں سردار لشکر یزید تھا۔ بعض لوگوں نے ابن حجر کی کتاب فتح الباری کا حوالہ تو دیا مگر اسکے ان اہم حصّوں کو چھپا دیا جن سے یزید کی فضیلت کی نفی ہوتی ہے۔ انہوں نے امہلب کا یہ قول نقل کر دیا کہ اس حدیث سے معاویہ کے بیٹے یزید کی فضیلت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اس قول پر ابن تین اور ابن منیر کی جو تنقید ہے اس سے قارئین کو محروم رکھا کیونکہ اس تنقید سے یزید کے جنتی ہونے کی عمارت گر جاتی ہے۔ نیز

اس حدیث کی شرح سے وہ حصہ بھی حذف کر دیا جس میں بتایا گیا ہے کہ حدیث میں قسطنطینہ کی جنگ کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ مدینہ قیصر سے مراد حمص ہے نہ کہ قسطنطینہ۔

حمص والی تشریح اسلئے اور بھی صحیح معلوم ہوتی ہے کیوں کہ حمص کی فتح میں جو مسلمان شریک تھے وہ حقیقی معنی میں مجاہدین تھے جو ''جہاد'' کے لئے نکلے تھے۔ جس کا مقصد رسولؐ اللہ نے بتایا تھا۔ ''**لتكون كلمة الله هى العليا**''، یعنی جہاد وہ ہے جو اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے کی جائے۔ اسکے برخلاف جنگ قسطنطینہ میں زیادہ تر وہ شامی سپاہی تھے جو تنخواہ کے لئے شریک تھے۔ اب رہے چند صحابہ جن کا مقصد واقعی جہاد تھا تو ان کی شرکت کے باعث ساری کرائے کی فوج اور خصوصاً یزید جنتی نہیں ہو جاتا۔ پس اس حدیث کی موزونیت اسی حالت میں نمایاں ہوتی ہے جبکہ **مدينة قيصر** سے حمص مراد لی جائے۔

اب رہا یہ سوال کہ بعض صحابہ نے یزید کی قیادت میں جنگ کرنا قبول کیا تو اس سے یزید کی عظمت نہیں ثابت ہوتی۔ اگر صحابہ یزید کو اپنا قائد منتخب کرتے تو ضرور عظمت کا ثبوت ہوتا۔ لیکن وہ معاویہ کا مقرر کردہ تھا اور انہیں چار و ناچار اس کی افسری قبول کرنی پڑی۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ اسلام کو کبھی فاسق و فاجر سے بھی فائدہ پہنچے گا۔ اس مصلحت کے پیش نظر وہ قسطنطینہ کی جنگ میں یزید کی قیادت میں جہاد کرنے پر راضی ہو گئے۔

اسکے بعد جعفری صاحب فرماتے ہیں:

ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے وہ یہ کہ جن محدثین کی تصریحات پر ہم بحث کر رہے ہیں وہ سب شیعہ جماعت کے مخالفین ہیں خود امام بخاری بھی مخالف تھے اور اسکی مخالفت کے کھلے ثبوت موجود ہیں۔ لہٰذا اگر انکی ذرا سی تصریحات پیش کی جائیں جو یزید کے خلاف ہیں تو ان تصریحات کو ہماری بحث میں مزید قوت مل جاتی ہے، اور یہ نتیجہ نکالنا بے جا نہ ہوگا کہ حدیث سے یزید کے جنتی ہونے کی دلیل نہایت کمزور ہے اور مخالفت کا وزن زیادہ ہے۔

اب رہی یہ دلیل کہ بخاری کی حدیث ہے جسکی صحت اہلسنّت کے نزدیک مسلّم ہے۔ اول تو اسکا جواب یہ ہے کہ حدیث میں یزید کا ذکر ہے ہی نہیں تو صحیح اور موضوع سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔*

دوسرا جواب یہ ہے کہ بخاری کی احادیث ایک خاص مقرر کردہ معیار پر صحیح ہیں۔ ان میں سے بعض ایسی ہیں جو مقرر کردہ معیار پر صحیح ہونے کے باوجود روایۃً صحیح نہیں ہیں متعدد اہل فن نے روایت کے اصول پر بخاری کی بعض روایتوں کو رد کر دیا ہے اور بعض ممتاز ائمہ و محدثین نے روایۃً بھی بخاری کی بعض روایتوں کو رد کر دیا ہے۔

اب مذکورہ بالا پہلوؤں کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

---

*واضح رہے صحیح اہلسنت کے نزدیک وہ حدیث ہے کہ جسکی نقل مرد عاقل و ضابط سے متصل ہو، اور شاذ و علّت سے نہ ہو۔ موضوع وہ حدیث کہلاتی ہے کہ جسکو راویوں نے بنا کر جناب محمد رسولؐ اللہ یا کسی اور سردار دین کی طرف منسوب کیا ہو۔ ان دو اقسام کے علاوہ بائیس قسمیں اور بھی عند مذہب سنیہ ذکر کر دی گئیں ہیں۔

پہلے راویوں کو لے لیجئے تو نہ صرف یہ کہ سب شامی ہیں بلکہ ان کی اور حیثیتیں بھی قابل توجہ ہیں۔ مثلاً حدیث کا سب سے پہلا راوی جس نے صحابی سے روایت کی عمیر بن اسود الغیسی ہے۔ تمام صحیح بخاری میں اس راوی کی صرف یہ ایک حدیث ہے۔ دوسرا اہم ترین راوی خالد بن سعدان ہے جو یزید بن معاویہ کا ایک محافظ سپاہی تھا۔[7] ہاں کوتوال یا باڈی گارڈ کہہ لیجئے۔ عربی عبارت میں صاحب شرطہ ہے۔ کوئی بھی معنی لے لیجئے وہ یزید کا ایک ایسا نوکر تھا جسکے فرائض کی نوعیت اس خاص حدیث کی روایت کیلئے اس سے مشتبہ بنا دیتی ہے۔ بے شک اس سے ثقہ بتایا گیا لیکن ایک ثقہ انسان کی روایت کے معاملہ میں شبہ کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے جبکہ اسکی روایت سے خود اسکی یا اسکے حاکم کی برتری یا منقبت مقصود حدیث پیش نظر کا راوی یزید کا نوکر ہے اور شامی بھی ہے۔ ابن جریر نے ذیل المذیل میں اگر اسکی یزید کی نوکری کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھا ہے تو یہ صرف اسلئے ہوسکتا ہے کہ قارئین اسکی ایسی روایتوں سے ہوشیار رہیں جن سے شامیوں یا یزید کی منقبت کا پہلو پیدا ہوتا ہو۔[8]

علامہ ابن اثیر جزری اپنی مایہ ناز تالیف میں ارشاد فرماتے ہیں:

وفی ھذہ السنة وقیل سنة ستین مسیر معاویہ جیشا کثیراً الیٰ بلادالروم للغزوات وجعل علیھم سفیان بن عوف ونصر ا بنہ یزید بغزوات معھم فتساھل واعتل فامسکٔ عنہ ابوہ فاصاب الناس فی غزوا تھم جوع ومرض شدید.

اور اسی سنہ میں یہ ایک اور قول ہے کہ ۶۰ھ میں معاویہ نے ایک لشکر جرار روم کی طرف بغرض جنگ بھیجا۔ اس لشکر پر سفیان بن عوف کو سردار مقرر کیا اور اپنے بیٹے یزید کو حکم دیا کہ وہ بھی ان کے ساتھ جائے مگر اس نے سستی سے کام لیا اور بیمار بن گیا تو اسکے باپ نے اسکو چھوڑ دیا۔ اس جنگ میں لوگوں کو بھوک اور بیماری کی شدت نے بہت ستایا۔

یقیناً یزید کو یہ خبر ملی ہوگی کہ اسلامی فوج اپنے حدود سے بہت دور بھوک، بیماری اور دکھ و درد میں بری طرح مبتلا ہوچکی ہے۔ اسکو تو رنج اور صدمہ پہنچنا چاہیے تھا۔ اظہار ہمدردی کے لئیے چند الفاظ کہنے تھے۔ انکی تکالیف دور کرنے کیلئے کچھ تو تگ و دو کرنی تھی۔۔۔ کیا اس نے ایسا کیا۔۔۔؟ تو سنیئے یزید ہی کی زبانی۔ کہتا ہے:

ماان ابالی ھمالت جموعھم　　بالفرقدورانہ من حمی دین شوم

اذا اتکأت علی الانما ضعر تمغا　　بدیر مران عندی ام کلثوم

مجھے اس نحوست اور بخار کی قطعی پرواہ نہیں جوان فوجیوں پر مقام فرقد ورانہ میں آپڑی۔ جبکہ میں دیر مران میں ریشمی گدوں پر آرام کرر ہا ہوں سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ میرے پہلو میں ''ام کلثوم'' بیٹھی ہوئی ہے۔ ام کلثوم عبداللہ بن عامر کی بیٹی اور یزید کی بیوی تھی۔[9]

یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ یزید نے اس جنگ میں شرکت کی ہی نہیں تھی۔ اب دیکھے کہ یزید کسطرح مجاہدوں کی محنتوں پر پانی پھیرتا ہے۔

بعث الیھا باثنی عشر الفا کلھم اھل دیوان فبنوا المسجد وسکن الیھا جماعة من بعلبکٔ وبنی بھا مدینة اقاموا یعطون الاعطیته انی ان توفیٰ معاویه وولی بعده ابنه یزید فاقفل ذالکٔ البعث وا انھدم المدینة ....

وہاں بارہ ہزار سپاہی روانہ کردیئے گئے۔ انہوں نے وہاں مسجدیں بنایں۔ اور کثیر تعداد میں بعلبک کے لوگوں کو وہاں آباد کیا اور وہاں ایک شہر کی بنیاد ڈالی اور ان سب نے وہاں قیام کیا۔ ان کو باضابطہ تنخواہیں دی جاتی تھیں یہاں تک کہ معاویہ نے انتقال کیا۔ اور انکا بیٹا یزید حاکم بنا۔ اس نے آتے ہی وہ تنخواہیں بند کردیں اور اس شہر کو مسمار کردیا۔

وحدثنی محّمدبن مصفی العمصی عن الولید قال بلغنا ان یزید ابن معاویه رشا مال عظیما ذاقد حتیٰ اقفل حبذ تبرمں فلما نقلوا ھدم اھد تبرص مدینتھم ومساجدھم.

محمد بن مصفی حمصی نے مجھ سے بیان کیا۔ ولید کی زبانی کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یزید نے بہت بڑی رقم رشوت کے طور پر لیکر قبرص کی فوج کو واپس بلایا۔ اسکو بعد قبرص کے لوگوں نے ان کے شہر اور مسجدوں کو مسمار کردیا۔[۱۰]

ان تمام تاریخی بیانات اور جلیل القدر محدثین کی تصریحات سے مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں۔

۱ یہ غلط ہے کہ یزید کو جہاد کی تڑپ تھی۔

۲ معاویہ کی سرگرمیوں کو یزید بنظر تحقیر دیکھنے کا عادی تھا۔

۳ بشارت والی حدیث سے یزید قطعی خارج ہے۔

۴ حدیث کی بنیاد شامی روات نے محض اپنے امیر کے بچاؤ کے لئے کھڑی کی ہے ورنہ سرے سے روایت، روایت کے آئینہ میں نہیں اترتی ہے۔

۵ بالفرض محال اگر یقیناً معاویہ کی سرگرمیاں اسلامی سرگرمیاں تھیں تو یزید کو جہاد کی ہولنا کیوں سے زیادہ لطف ام کلثوم کے قرب سے حاصل ہوتا تھا۔

۶ صحابہ کبار کی شرکت قطعی اس امر کی مقتضا نہیں ہے کہ اس سے معاویہ یا یزید کی پوزیشن بچ جاتی ہے۔

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں۔

غایۃ مافی الباب یہ سبب خرابی پائے پنہانی کہ داشت ہمچو منافقان کہ در بیعت رضوان شریک بودند بوجہ نفاق رضوان اللہ نصیب اوشاں نہ شد یزید ہم از فضائل ایں بشارت محروم ماند۔

یعنی جسطرح بیعت رضوان میں منافقین شریک ہوئے اور اپنے نفاق کی وجہ سے اللہ تعالی کی رضا مندی حاصل نہ کرسکے۔ یزید بھی اپنی اندرونی خرابیوں کے باعث اس بشارت سے محروم ہے۔[۱۱]

ظاہر ہے کہ اسطرح نہ صحابہ کبار ہی مورد الزام ٹھہرائے جاسکتے ہیں اور نہ ہی باپ بیٹا۔ صحابہ کبار ایک الگ نوعیت رکھتے تھے اور ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا لیکن موخر الذکر افراد کا کردار۔۔۔ کچھ تو بک چکے اور جو رہ گئے وہ بھی بکتے جائیں گے۔

حوالہ جات

۱ اہلسنت اور خلافت معاویہ و یزید ص ۱۹۰ تا ۱۸۱
۲ حاشیہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۱۰
۳ حاشیہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۱۰
۴ خلافت معاویہ و یزید ص ۲۹۔۳۰ طبع سوم مطبوعہ کراچی
۵ فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۷۸
۶ شہید کربلا اور یزید، علامہ محمد قازی ناظم الامور دیو بند ص ۱۸۸
۷ ذیل المذیل، ابن جریر طبری ص ۹۰
۸ امامت و سیاست ص ۱۰۳۔۱۰۴
۹ تاریخ ابن اثیر ج ۳ ص ۱۹۷
۱۰ فتوح البلان، علامہ بلازری ص ۱۵۸
۱۱ مکتوبات شیخ الاسلام ص ۲۷۰

بھیانک انقلاب

عرب خود رابہ نور مصطفیٰؐ سوخت چراغ مردئہ مشرق برافروخت
ولیکن آن خلافت راہ گم کرد کہ اوّل مومناں راشاھی آموخت

محمد داحمد عباسی اپنی یزید نوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہے۔

''الغرض'' امیر یزید کی ولی عہدی اوراسکے بعد خلیفہ منتخب ہونا پوری امت کی رضا مندی سے ہوا تھا۔ یہ رضا مندی مصلحت ملت کے تقاضا پر تھی۔ نہ کسی خوف کے تحت اور نہ کسی لالچ کی وجہ سے ان کا انتخاب کسی اندرونی اختلال کا ثمرہ اور وقتی حادثہ نہ تھا بلکہ امن کے بہترین زمانہ میں جبکہ جذبات میں کوئی ہیجان نہ تھا اجلہ صحابہ کرام کی تائید وتحریک سے ہوا تھا اور نبیؐ اور آپ کے اہل بیتؑ اس پر مستقیم رہے۔[1]

کیا امیر معاویہ اس امر کے اہل تھے کہ وہ یزید کے لئے مسند حکومت تک پہنچے کے راستے ہموار کرتے۔۔۔؟ اسکے اسباب وعلل کیا ہیں۔۔۔۔۔۔؟

تاریخ اور جائزہ۔۔۔۔

ڈاکٹر طہٰ حسین مصری لکھتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ ہی نے امیر معاویہ کے لئے وہ راستہ ہموار کیا جس پر چل کر ان کو موقع ملا کہ وہ ایک دن ابی سفیان کی اولاد میں خلافت منتقل کر کے اسکو بنی امیہ کے لئے منتقل کردیں۔ حضرت عثمان ہی نے حمص اور فلسطین کو ضم کر کے امیر معاویہ کے حدود حکومت میں وسعت کردی اور ایک شامی وحدت بنادی جس کے گوشے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ حضرت عثمان ہی نے چار بڑے مرکزی شہروں کی قیادت ان کو دی جس کی وجہ سے مسلمانوں کی سب سے بڑی فوج ان کے قبضے میں تھی۔ پھر حضرت عثمان اپنی خلافت کے پورے دور میں حکومت کے معاملات میں ان کو موقع دیتے رہے جیسا کہ حضرت عمر نے دیا۔ پھر شام کے معاملات میں انہوں نے حضرت عمر سے بھی زیادہ ان کو اختیار آزادی دے دیا پھر جب فتنے کے دن آئے تو امیر معاویہ نے دیکھا کہ حاکموں میں وہ سب سے زیادہ پرانے گورنر ہیں۔ ان کی فوج سب سے زیادہ طاقتور فوج ہے اور وہ تمام حاکموں سے زیادہ اپنی رعایا پر قابو رکھتے ہیں۔[2]

ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں۔

''۔۔۔۔۔۔خلیفہ وقت کا اپنے خاندان کے آدمیوں کو پے در پے مملکت کے اہم ترین مناصب پر مامور کرنا بجائے خود کافی اعتراض تھا۔اس پر جب لوگ یہ دیکھتے تھے کہ آگے لائے بھی جا رہے ہیں تو اسطرح کے اشخاص تو فطری طور پر ان کی بے چینی میں اور زیادہ اضافہ ہو جاتا تھا۔اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ دو چیزیں ایسی تھیں جو برے دور رس اور خطرناک نتائج کی حامل ثابت ہوئیں۔

ایک یہ کہ حضرت عثمان نے حضرت معاویہ کو مسلسل بڑی طویل مدت تک ایک ہی صوبے کی گورنری پر مامور کئے رکھا۔وہ حضرت عمر کے زمانہ میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آرہے تھے۔حضرت عثمان نے ایلہ سے سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحر ابیض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر کے اپنے پورے زمانہ خلافت (۱۲ سال) میں ان کو اسی صوبے پر برقرار رکھا۔۳؎

یہ وہ علاقہ ہے جسمیں اب شام، لبنان، اردن اور اسرائیل کی چار حکومتیں قائم ہیں۔ان چاروں حکومتوں کے مجموعی حدود قریب قریب آج بھی وہی ہیں جو امیر معاویہ کی گورنری کے عہد میں تھے۔حضرت عمر کے زمانے میں ان علاقوں پر چار گورنر مقرر تھے اور حضرت معاویہ ان میں سے ایک تھے۔۴؎

یہی چیز ہے جسکا خمیازہ آخر کار حضرت علیؑ کو بھگتنا پڑا۔شام کا یہ صوبہ اسوقت کی اسلامی سلطنت میں بڑی اہم جنگی حیثیت کا علاقہ تھا۔اسکے ایک طرف تمام مشرقی صوبے تھے اور دوسری طرف تمام مغربی صوبے۔بیچ میں وہ اس طرح حائل تھا کہ اگر اسکا گورنر مرکز سے منحرف ہو جائے تو وہ مشرقی صوبوں کو مغربی صوبوں سے بالکل کاٹ سکتا تھا۔معاویہ کو اس صوبہ کی حکومت پر اتنی طویل مدت تک رکھا گیا کہ انہوں نے یہاں اپنی جڑیں پوری طرح جما لیں اور وہ مرکز کے قابو میں نہ رہے بلکہ مرکز ان کے رحم و کرم پر منحصر ہو گیا۔

دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ کے سکریٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی ماموریت تھی۔ان صاحب نے حضرت عثمان کی نرم مزاجی اور ان کے اعتماد سے فائدہ اُٹھا کر بہت سے کام ایسے کئے جن کی ذمہ داری لامحالہ حضرت عثمان پر پڑتی تھی حالانکہ ان کی اجازت اور علم کے بغیر ہی وہ کام انجام دیئے جاتے تھے۔۵؎

مولانا سعید ایم۔اے لکھتے ہیں: اسمیں شبہ نہیں کہ حضرت امیر معاویہ کے عہد حکومت میں جبر و تشدد کی مثالیں بھی کچھ کم نہیں ہیں۔لیکن انکا یہ تشدد اس جراح کے تشدد کے مماثل ہے جو کسی عضو فاسد کو آپریشن کے ذریعہ کاٹتا چھانٹتا ہے تو اس سے دوسرے اعضاء اس عضو بریدہ کے متعدی مرض سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔لیکن ساتھ ہی آپریشن کے باعث تکلیف واذیت اعضاء فاسدہ وصالحہ سب کو ہی محسوس ہوتی ہے۔جو شخص اس دور کے حالات پر انصاف کی نگاہ سے غور کرے گا اسکو لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ ان حالات پر قابو پانے کے لئے ایسے ہی جبر و تشدد کی

ضرورت تھی جو حضرت امیر معاویہ نے اختیار کیا۔ اس وقت اسلام کی خدمت کا سب سے بڑا تقاضا یہ تھا کہ جسطرح بھی ہوتا اسلام کی سیاسی طاقت کو سنبھال لیا جاتا اور اسکو اندرونی اور بیرونی خطروں سے محفوظ و مامون کر دیا جاتا۔۶؎

تعجب ہے کہ شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے صدر مولانا سعید ایم۔اے۔ نے کس طرح معاویہ کے افعال کو اسلامی تقاضوں سے تعبیر کیا، جبکہ معاویہ کے عہد میں قتل و غارت گری کے ایسے گھناؤنے طریقے ایجاد ہوئے کہ تاریخ بھی تھرا اُٹھی۔ کیا سعید صاحب یہ خیال کرتے ہیں کہ یہی اسلام کا تقاضا تھا کہ علیؑ کے خلاف لوگوں کو ابھارا جائے؟ محمد بن ابی بکر کو زندہ جلایا جائے؟ اصحاب رسولؐ کو چن چن کے قتل کر دیا جائے؟ حق پرستوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جائے؟ ذرا یہ عبارات تو پڑھیئے

Astute, unserupulous, and pitiless, the first caliph of the ommyays shrank from no crime necessary to secure his position. Murder was his accuslomed mode of removing a formidable apponent......... and yet this cool calculating, athestic Aral ruled over the regions of Islam. ۷؎

پہلا اموی خلیفہ جو نہایت پرفن، (قتل کے معاملات میں) بے ایمان اور بے رحم تھا۔ کسی ایسے جرم کے ارتکاب سے دریغ نہ کرتا تھا۔ جو اسکی پوزیشن کو محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہو۔ اپنے زبردست مخالف کو میدان سے ہٹانے کے لئے اسکا بہترین حربہ قتل تھا۔ پھر بھی۔۔۔ یہ سوچ سمجھ کر کام کرنے والا۔۔۔ دور بین مذہب عرب اسلامی ممالک پر حکومت کرتا رہا۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

جو لوگ اس دور میں حق بولنے اور غلط کاریوں پر ٹوکنے سے باز نہ آئے ان کو بدترین سزائیں دی گئیں تا کہ پوری قوم دہشت زدہ ہو جائے۔

اس نئی پالیسی کی ابتداء حضرت معاویہ کے زمانہ میں حضرت حجر ابن عدی کے قتل ۵۱ھ سے ہوئی جو ایک زاہد و عابد صحابی اور صلحائے امت میں ایک اونچے مرتبہ کے شخص تھے۔ حضرت معاویہ کے زمانہ میں جب منبروں پر خطبوں میں علانیہ حضرت علی پر لعنت اور سب وشتم کا سلسلہ شروع ہوا تو عام مسلمانوں کے دل ہر جگہ ہی اس سے زخمی ہو رہے تھے۔ مگر لوگ خون کا گھونٹ پی کر خاموش ہو جاتے تھے۔ کوفہ میں حجر ابن عدی سے صبر نہ ہو سکا انہوں نے جواب میں حضرت علی کی تعریف اور حضرت معاویہ کی مذمت شروع کر دی۔ حضرت مغیرہ جب تک کوفہ کے گورنر رہے وہ ان کے ساتھ رعایت برتتے رہے، ان کے بعد جب زیاد کی گورنری میں بصرہ کے ساتھ کوفہ بھی شامل ہو گیا تو اسکے اور ان کے درمیان کشمکش برپا ہو گئی۔ وہ خطبے میں حضرت علیؑ کو گالیاں دیتا تھا اور یہ اٹھ کر اس کا جواب دینے لگتے تھے۔ اسی دوران میں ایک مرتبہ انہوں نے نماز میں تاخیر پر بھی ٹوکا۔ آخر کار اس نے انہیں اور ان کے بارہ

ساتھیوں کو گرفتار کرلیا اور ان کے خلاف بہت سے لوگوں کی شہادتیں اس فرد جرم پر لیں کہ'' انہوں نے ایک جتھا بنالیا ہے، خلیفہ کو علانیہ گالیاں دیتے ہیں امیر المومنینؓ کے خلاف لڑنے کی دعوت دیتے ہیں۔ان کا دعویٰ یہ ہے کہ خلافت آلِ ابی طالبؓ کے سوا کسی کے لئے درست نہیں ہے۔انہوں نے شہر میں فساد برپا کیا اور امیر المومنینؓ کے عامل کو نکال باہر کیا۔ یہ ابوتراب (حضرت علیؓ) کی حمایت کرتے ہیں، ان پر رحمت بھیجتے ہیں، اور انکے مخالفین سے اظہار برائت کرتے ہیں۔ان گواہیوں میں سے ایک گواہی قاضی شریح کی بھی ثبت کی گئی۔مگر انہوں نے ایک الگ خط میں حضرت معاویہ کو لکھ بھیجا کہ'' میں نے سنا ہے آپ کے پاس حجر بن عدی کے خلاف جو شہادتیں بھیجی گئی ہیں ان میں ایک میری شہادت بھی ہے۔میری اصل شہادت حجر کے متعلق ہے۔کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں، جو نماز قائم کرتے ہیں زکواۃ دیتے ہیں۔دائماً حج عمرہ کرتے رہتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے اور بدی سے روکتے ہیں، ان کا خون اور مال حرام ہے۔آپ چاہیں تو انہیں قتل کریں ورنہ معاف کر دیں۔''

اس طرح یہ ملزم حضرت معاویہ کے پاس بھیجے گئے اور انہوں نے ان کے قتل کا حکم دیدیا۔قتل سے پہلے جلادوں نے ان کے سامنے جو بات پیش کی وہ یہ تھی۔کہ'' ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم علیؓ سے برائت کا اظہار کرو اور ان پر لعنت بھیجو تو تمہیں چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کر دیا جائے۔'' ان لوگوں نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور حجر نے کہا میں زبان سے وہ بات نہیں نکال سکتا جو رب کو ناراض کرے'' آخر کار وہ اور ان کے سات ساتھی قتل کر دیے گئے۔ان میں سے ایک صاحب عبدالرّحمان بن حسان کو حضرت معاویہ نے زیاد کے پاس واپس بھیج دیا اور اسکو لکھا کہ انہیں بدترین طریقہ سے قتل کردو۔چنانچہ اس نے انہیں زندہ دفن کر دیا۔۸

اس واقعہ نے امت کے تمام صلحاء کا دل ہلادیا۔حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ کو یہ خبر سنکر سخت رنج ہوا۔حضرت عائشہ نے حضرت معاویہ کو اس فعل سے باز رکھنے کے لئے پہلے ہی خط لکھا تھا۔بعد میں جب ایک مرتبہ حضرت معاویہ ان سے ملنے آئے تو انہوں نے فرمایا۔اے معاویہ'' تمہیں حُجر کو قتل کرتے ہوئے خدا کا ذرا خوف نہ ہوا'' حضرت معاویہ کے خراسان کے گورنر ربیع بن زیاد الحارثی نے جب یہ خبر سنی تو پکار اٹھے کہ خدایا اگر تیرے علم میں میرے اندر کچھ خیر باقی ہے تو مجھے دنیا سے اُٹھالے۔۹

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں، حضرت معاویہ کے چار افعال ایسے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کا ارتکاب بھی کرے تو وہ اسکے حق میں مہلک ہو۔

ایک:۔ان کا اس امت پر تلوار سونت لینا اور مشورے کے بغیر حکومت پر قبضہ کرلینا درآنحالیکہ امت میں بقایا صحابہ موجود تھے۔

دوسرے:۔ان کا اپنے بیٹے کو جانشین بنانا حالانکہ وہ شرابی اور نشہ باز تھا۔ریشم پہنتا اور طنبورے بجاتا تھا۔

تیسرے:۔ان کا زیاد کو اپنے خاندان میں شامل کرنا حالانکہ نبیؐ کا صاف حکم موجود تھا کہ اولاد اسکی ہے جسکے بستر پر وہ پیدا ہوا اور زانی کے لئے کنکر پتھر ہیں۔

چوتھے:۔ان کا حجر اور انکے ساتھیوں کو قتل کر دینا۔۱۰

مولانا سعید ایم آگے چل کر ''ملوکیت کے اثرات'' کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

تاہم خالص اسلامی نقطۂ نظر سے اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ امیر معاویہ کے طرز عمل سے جس طرح حکومت کی تشکیل ہوئی، اس سے اسلام کے اجتماعی نظام کی روح کو شدید صدمہ پہنچا حکومت بجائے جمہوری کے شخصی ہوگئی اور اسلام کے جو مصالح عامہ اسکے صالح ترین نظام سے وابستہ تھے۔اب ان کا تعلق بادشاہ کی تنہا ذات اور اسکی شخصیت سے ہوگیا۔حضرت معاویہ چونکہ ذاتی طور پر فضائل مآب تھے، اس لئیے طریق حکومت کا یہ تغیر اول لوگوں کو محسوس نہیں ہوا۔لیکن جو ارباب نظر تھے وہ اس چیز کا کامل احساس رکھتے تھے۔زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے اور کہنا بھی نہیں چاہتے تھے کیونکہ اسکے یہ معنی تھے کہ امت کو پھر ایک اور فتنہ میں مبتلا کر دیا جائے، لیکن دل میں اسکا درد رکھتے تھے اور موقعہ ہوتا تو کبھی کسی نہ کسی طرح اس کا اظہار بھی کر گزرتے تھے۔چنانچہ ایک مرتبہ فاتح قادسیہ سعد بن ابی وقاص امیر معاویہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان کو اس طرح سلام کیا جس طرح عجمی بادشاہوں کو کیا جاتا ہے۔امیر معاویہ یہ دیکھ کر ہنسے اور بولے ''اگر تم مجھ کو امیر المومنینؓ کہہ دیتے تو تمہارا کیا بگڑ جاتا'' فاتح قادسیہ نے جواب دیا۔''جس طریق سے آپ نے خلافت حاصل کی ہے اگر مجھ کو ملتی تو میں ہرگز اس کو قبول نہ کرتا''۔۱۱

''چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد'' مولانا سعید صاحب کے دونوں اقتباس پڑھیے اور اندازہ لگائے کہ کس طرح معاویہ کی پوزیشن بچانے کے لئے ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔خدا رحمت کرے علامہ مودودی صاحب پر کہ کس طرح انہوں نے جچی تلی تحقیق پیش کر کے سعید صاحب کے جھوٹ کا تار پود بکھیر کے رکھ دیا۔

کیا سعید صاحب کے خیال میں ارباب نظر وہ لوگ تھے کہ جو شام یا ان حدود حدود میں رہا کرتے تھے کہ جو معاویہ کے زیر اثر تھے؟

ذرا بند قبا دیکھ کر اس عبارت کو پڑھیے۔

''فارغ البال شامیوں کا ایک گروہ علیؓ کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔جتنے منہ تھے اتنی ہی باتیں تھیں مگر حقیقت حال کا کسی کو بھی پتہ نہ تھا۔اتنے میں ایک بڈھا آموجود ہوا، لوگوں نے کہا ''اجی یہ تو مجسم تاریخ ہیں، انہی سے پوچھ لیں کہ علیؓ کون تھے'' وہ بولے ''ہاں ہاں مجھے خبر ہے۔ارے فاطمہؓ کا باپ، عائشہ کا بیٹا علیؓ جو مکہ کے اونٹ چرا کر مدینہ میں بیچتا تھا اور رسول اللہؐ کے ساتھ جنگ احد میں مارا گیا''۔۱۲

یقیناً ان ارباب نظر کے سامنے معاویہ کے افعال جو کچھ بھی رہے ہوں صحیح تھے۔ بلا ان کو ٹوکنے یا روکنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ان کو تو ان عطیات اور وظائف سے غرض تھا جو مسلمانوں کے وقف عام کا گلا گھونٹ کر ان کو مل جاتا تھا۔

کاش تعصب اور تنگ نظری نہ ہوتی تو قطعی آپ ابوذر غفاریؓ، عبداللہ بن عمر، حجر بن عدی، عبدالرّحمٰن، ابن حسان، حجر بن عدی، محمد بن ابی بکر، مالک اشتر اور ان جیسے ہزاروں کیا لاکھوں ارباب نظر کو نظر انداز نہ کرتے۔ انہوں نے کبھی بھی دبے لفظوں میں بغاوت نہیں کی۔ انہوں نے تو بر سر عام معاویہ کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ رہ گئے معاویہ کے فضائل، اسی کتاب میں عبداللہ ابن سبا کے عنوان سے ہم نے تفصیل سے ان تمام جعلی فضائل اور مناقب کا ذکر کیا ہے کہ جسکی مشینری معاویہ کے خاص الخاص چلا رہے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ نے بھی ان ہی شامی احادیث کا سہارا لیکر معاویہ کے آگے فضائل اور مناقب کا اضافہ کر دیا۔ ورنہ اگر چشم بصیرت سے دیکھا جاتا تو معاویہ کے خد و خال سامنے نظر آتے۔ سعید صاحب تاریخ سے چشم پوشی کرنا غلط ہے۔ ذرا گریبان میں منہ ڈالئے، ہم حقیقت سنائے دیتے ہیں۔

معاویہ نے جب یزید کی خاطر بیعت لینے کا ارادہ کر لیا تو سب سے پہلے شامی لوگوں کے سامنے خطاب کیا اور کہا۔۔۔

؎ ایک شخص فرمائیے، یہاں کون سا فرد معاویہ کے ذہن میں تھا۔ معاویہ کے چاروں زیر اثر صوبوں میں یا تو عمر ابن سعد فاتح قادسیہ کے بیٹے کی وجہ سے مشہور تھا یا یزید ظاہر ہے کہ معاویہ ان دونوں میں اپنے ہی بیٹے کو تخت پر بٹھانا چاہتا تھا۔ تجویز جو لوگوں سے پوچھی جارہی تھی۔ سراسر بنڈل بازی تھی۔ اس پر جب عبدالرحمان کا نام سنکر معاویہ کا چونکنا بلا وجہ نہیں تھا۔

؎ اے اہل شام! میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میری موت کا زمانہ قریب آ چکا ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ایک شخص کو اپنا ولی بناؤں تا کہ وہ تمہارا شیرازہ قائم رکھ سکے۔ چونکہ میں بھی تم لوگوں کا ہی ایک فرد ہوں لہٰذا تم سب مل کر کوئی ٹھوس رائے قائم کرو۔ یہ سنکر سب نے مل کے کہا کہ ہم سب عبدالرّحمٰن بن خالد بن ولید کی حکومت سے رضا مند ہیں۔ شامیوں کا یہ انتخاب معاویہ پر نہایت ہی شاق گزرا۔ مگر دل ہی دل میں رکھا۔ چند روز کے بعد جب شامیوں کا منتخب کردہ خلیفہ بیمار ہوا تو موقعہ کی نزاکت کو بھانپتے ہی معاویہ نے ایک یہودی طبیب جو معاویہ کا محرم راز اور اسی کے پاس رہتا تھا کو حکم دیا کہ عبدالرّحمٰن کو کوئی ایسی دوائی پلائی جائے کہ جس سے اسکا کام تمام ہو سکے۔ چنانچہ یہودی طبیب نے عبدالرحمٰن کو ایسی دوائی پلائی کہ جس سے اسکا پیٹ پھٹ گیا اور وہ مرگیا اخبار اور صاحبان علم و آثار میں یہ بات مشہور ہے۔ ۱۳؎

اب سنیئے شامیوں نے کیوں عبدالرّحمٰن کے نام کو پیش کیا تھا اور معاویہ نے اسکو راستے سے ہٹانے کیوں اتنی جلدی کی۔۔۔۔۔؟

عبدالرّحمٰن کے والد خالد بن ولید کی شخصیت شامیوں میں معاویہ سے زیادہ مسلّم تھی۔ شام کے علاقہ کی فتوحات کے سلسلے میں خالد بن ولید مشہور تھے۔ یہی وجہ تھی کہ عبدالرّحمٰن کو شامیوں نے خلافت پر آجانے کا اہل سمجھا اور شاید یہ خیال بھی رہا ہو کہ باپ کی طرح یہ بھی آگے چل کر شہرت پیدا کرے۔ چونکہ شامیوں کو یزید کے فسق وفجور اور گنوار پن کا پورا پورا علم تھا۔ لہٰذا معاویہ کو اپنے خیالات کا عملی جامہ پہننے نہیں دیا اور فوراً عبدالرّحمٰن کا نام پیش کر دیا۔ معاویہ چونکہ وقت کا مکارترین انسان تھا لالچ اور قتل کے بہترین منصوبوں سے ہمہ وقت دل بہلائی کرتا تھا۔ لہٰذا اس نے شامیوں کو تو تھوڑے عرصہ کے لئے راضی کر دیا۔ لیکن اپنے خاندان میں ہی حکومت کی منتقلی کے لئے عبدالرّحمٰن کو زہر دلوا کر اپنے نورِ نظر یزید کے لئے راستہ ہموار کیا۔

اس بھیانک جرم کے بعد معاویہ کے سامنے سعید بن عثمان کا مسئلہ تھا۔ سعید بن عثمان بھی اپنے باپ کی شخصیت کی وجہ سے کافی مشہور ہے۔ ان کو بھی معاویہ کے بعد خلافت ملنے کی امید تھی۔ معاویہ جانتا تھا کہ ولی عہدی کے مسئلے کے وقت یہ بھی ایک مہرہ ہے۔ لہٰذا اسکو مکروفریب اور لالچ دیکر (تقریباً چالیس لاکھ درھم) اور فوج کثیر دیکر خراسان کی طرف روانہ کر دیا۔۱۴؎

اب رہ گیا مدینہ کا سوال۔۔۔۔۔ وہاں کئی اہم شخصیتیں تھیں انکو کسطرح ہٹایا درجہ میں ذیل ذکر کیا جاتا ہے۔

معاویہ نے ابن عمر سے بیعت حاصل کرنے کیلئے استدعا کی لیکن انہوں نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ اسکے بعد معاویہ نے اور ایک چال کھیلی وہ یہ کہ معاویہ نے ایک لاکھ درہم ابن عمر کو بھیج دیے اور کہہ دیا کہ یہ ہدیہ ہے۔ اسکے بعد ابن عمر خاموش ہو گئے۔۱۵؎

علامہ ابن قتیبہ دینوری کا بیان ہے۔

اسکے بعد مدینہ میں ابن عباس و ابن عمر اور ام المومنین عائشہؓ باقی رہ گئے جن کو معاویہؓ نے رات کے وقت بلایا اور اپنا مافی الضمیر پیش کیا۔ ابن عباسؓ سیاست سے الگ ہو کر طائف میں اپنی زراعت کے سلسلے میں صرف اس غرض سے رہا کرتے تھے کیونکہ انکی آنکھیں ضائع ہو چکی تھیں۔ اس واسطے معاویہؓ ان کی طرف سے بے فکر تھا۔ ابن عمر نے ایک لاکھ روپیہ کی خطیر رقم لیکر خاموشی کی۔ البتہ ام المومنین کا معاملہ ان سے کچھ الگ تھا، آپ معاویہ سے ناراض تھیں۔۱٦؎

مگر سوال یہ تھا کہ حضرت عائشہؓ کے ہوتے ہوئے یزید کی بیعت کیونکر لی جاتی۔ اس سلسلے میں معاویہ نے جو کچھ کیا وہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

در تاریخ حافظ ازربیع الابرار وکامل السفینه منقول است که دو مشہور سنہ ٥٨ھ
که معاویه بن ابی سفیان جہت بیعت پسر لعین خود مدینه رفته ، امام حسینؑ ،
عبدالرحمن بن ابی بکرؓ ، عبداللہ بن زبیر ور ابر نجایند عائشه زبان ملامت و
اعتراض بروے کرد معاویه خانه خویش چاهے کند سر آنجارابه خاشاک بست
پوشیده و کرسی آنوس بر زیر آں نہاد۔ آنگاه عائشه را بضیافت طلبیده بر کرسی
نشاندتادر آں چاه افتاد و معاویه بر سر آں چاه را۔ ١٧

اس بھیانک انکشاف کو سیرہ علویہ کے موقف نے بھی لکھا ہے۔ آپ تحریر کرتے ہیں:

حضرت عائشہ کو دھوکہ دیکر کنویں میں گرانا، حبیب السیر ومناقب مرتضوی و حدیقہ حکیم سنائی مقدمہ ابن خلدوں میں معاویہ کا استخلاف یزید میں مرواں کا حضرت عائشہؓ کو دعوت کے لئے بلانا اور گڑھے میں آلات حرب کا بچھانا جس کے صدمہ سے حضرت عائشہؓ کا وفات پانا مذکور ہے۔ ١٨

یہ کام ۔۔۔ جو وقت کی ایک ذلیل ترین حرکت تھی۔ اسکے بعد کے حالات کا خاکہ جدید تالیفات واخبارات کی نظروں میں:۔

پرفیسر ملک محمد عنایت اللہ صاحب ایم۔اے۔ فرماتے ہیں۔

امیر معاویہ نے منصب خلافت کو موروثی حکومت میں تبدیل کر دیا تھا اور ذاتی اقتدار کے جو بت رسولؐ اللہ اور خلفاۂ راشدین کے عہد میں ٹوٹ چکے تھے، نئے سرے سے پھر استوار کر دیے گئے اور ان کی پرستش شروع کر دی گئی۔ امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے کو بادشاہ بنانے کے لئے حالات کو سازگار بنانے میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کیا۔ جن لوگوں سے اسے مخالفت کا ڈر تھا۔ انہیں دربار شاہی میں قربت عطا کر دی گئیں اور لوگوں کو بڑے بڑے مناصب دیے گئے۔ ان کی گزشتہ کوتاہیوں کو نظر انداز کر دیا گیا۔ تمام صوبوں میں یزید کی ولی عہدی کی مہم پورے زوروں پر تھی، اسطرح اسلام میں استبداد اور ملوکیت کا دروازہ کھل گیا۔ جس سے آگے چل کر قیصریت اور کسرویت کی شکل اختیار کر لی اور یہی وہ شئے تھی جسے فنا کرنا اسلام کا مقصد اصیل تھا۔ یہ ایک ایسی بدعت تھی جس کا سدباب آج تک نہ ہوسکا۔ امیر معاویہ نے اس نظام شوریٰ کو قطعی طور پر ختم کر دیا جسکی بنیادیں خلفاء راشدین نے رکھی تھیں جو درحقیقت نظام اسلام کی جان تھا۔ اب ایک ایسی ملوکیت کا دور دورہ تھا جسے تلوار کے زور پر سیاسی تدابیر اور حریفوں کی ریشہ دوانیوں کے ذریعہ حاصل کیا گیا تھا۔ جب یزید کو ولی عہد بنایا گیا تو اسی وقت شاہی وراثت کی ابتداء ہوئی اور یہی وہ غیر اسلامی نظام تھا جو خلفاء عباسیہ کے دور میں بھی قائم رہا۔ اسطرح مسلمانوں کو ان کے طبعی حقوق یعنی حق شوریٰ سے محروم کر دیا گیا۔ یہ ایک ایسا حق تھا جسکے عرب خوگر ہو چکے تھے اور جسکی حمایت قرآن حکیم

نے کی تھی اوراحادیث رسولؐ بھی جسکی تائید میں تھیں۔ ولی عہدی کے معاملہ میں امویوں نے ایک اورقدم بڑھایا اور اپنی زندگی میں موت کے خوف سے دو دو تین تین ولی عہد بنانے شروع کر دیے تاکہ ایک کی موت کے بعد دوسرا اور دوسرے کی موت کے بعد تیسرا بادشاہ بن سکے اور حکومت بنوامیہ کے خاندان سے نہ نکل سکے۔ ۱۹

دیکھئے کس حسن خوبی سے پروفیسر صاحب اظہارحق فرمارہے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اسطرح اسلامی تصور خلافت نے اورہی شکل اختیار کی اور یہ بنیاد بن گئی اُس طوفان کی کہ جس نے وقتاً فوقتاً اسلامی تہذیب وتمدن اور اسلامی کلچر وسیاست کے چراغ بجھا دیے۔

نظام شوریٰ اوراس پر تنقید

ظاہر ہے کہ ''شوریٰ اگر اپنی تمام تر کیفیات اور جزئیات کے ساتھ اسلامی دستور کی نگہداشت کرتے ہوئے اسلامی مطالبات پورے کرلیتا تو یقیناً اس سے انحراف کرنا عدالت اسلامیہ میں جرم اوراسکے بعد سزا کا مستوجب ہوتا لیکن ایسا ہے نہیں اوراسکے وجوہات کیا ہیں۔ جناب امیرؑ خطبہ شقشقیہ میں فرماتے ہیں :

حتّیٰ اذا مضیٰ لسبیلہ جعلھا فی جماعۃ زعم انّی احدھم فیا للہ و للشورا! متیٰ اعترض الریبُ فیّ مع الاول منھم الخ خطبہ

یعنی یہاں تک کہ دوسرا (یعنی حضرت عمرؓ) بھی اپنی راہ پر گامزن ہوا اور خلافت کوایک جماعت میں محدود کر گیا اور مجھے بھی اس جماعت کا ایک فرد خیال کیا۔ اے اللہ مجھے اس شوریٰ سے کیا لگاؤ۔۔۔۔؟ ان میں سب سے پہلے کے مقابلے میں ہی میرے استحقاق وفضیلت میں کب شک تھا جواب ان لوگوں میں شامل کر دیا گیا ہوں الخ خطبہ ۲۰

حقیقت صحیحہ :۔ جب حضرت عمرؓ ابولوء کے ہاتھ زخمی ہوئے اور دیکھا کہ اس کاری زخم سے جانبر ہونا مشکل ہے تو آپ نے خلیفہ کے انتخاب کے لئے ایک مجلس شوریٰ کا قیام کیا۔ اس مجلس کے ارکان یہ تھے، ''علیؑ ابن ابی طالبؑ، عثمان ابن عفان، عبدالرحمٰن ابن عوف، زبیر ابن عوام، سعد ابن ابی وقاص، طلحہ ابن عبداللہ۔''

یہ چھ ارکان بقول حضرت عمرؓ آپ کے بعد خلافت کے اہل تھے اور انہی افراد کے متعلق آپ نے کہا تھا کہ سعد ابن وقاص تندمزاج اور درشت خو ہے۔ عبدالرحمٰن ابن عوف اس وقت کے فرعون ہیں۔ زبیر جب خوش ہوں تو مومن ہیں، جب غصے میں آجایں تو کافر۔ طلحہ بن عبداللہ کبر ونخوت کا مجسم ھے۔ اگر انہیں خلیفہ بنا دیا جائے تو یہ خلافت کی انگوٹھی کو اپنی بیوی کی انگلی میں پہنائیں گے۔ اسکے بعد ہے عثمان ابن عفان۔ مجھے علم ہے کہ یہ خلیفہ بنتے ہی خلافت کو اپنے خاندان کے افراد تک محدود کریں گے۔ رہ گئے علیؑ ابن ابی طالبؑ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہی ایک ہیں جو خلافت کو صحیح راہ پر لگا سکتے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان ارکان کے ہوتے ہوئے کس کے حق میں خلافت آجاتی ہے۔ سوظاہر ہے کہ حضرت

عثمانؓ ہی مسند حکومت پر آ جاتے۔ اسکے وجوہات کیا ہیں۔ وہ درجہ میں ذیل ذکر کر دیے جاتے ہیں۔

۱۔ عبدالرحمٰن ابن عوف حضرت عثمانؓ کے بہنوئی تھے کیونکہ حضرت عثمانؓ کی والدہ پہلے عقبہ ابن معیط کے نکاح میں تھی۔ جس سے ایک لڑکی بنام ام کلثوم تھی۔ اسکا عقد عبدالرحمٰن ابن عوف سے ہوا تھا۔

۲۔ سعد ابن ابی وقاص۔ عبدالرحمٰن ابن عوف چونکہ قبلہ زہرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک تو قبیلہ کی ہم آہنگی کی وجہ سے سعد ابن ابی وقاص نے اپنا ووٹ عبدالرحمٰن کو دیدیا دوسرا سعد ابن ابی وقاص کو جناب امیر سے پرخاش تھی اور یہ پرخاش کیا تھے اگلے صفحات پر تفصیلاً ذکر کئے جائیں گے۔

۳۔ طلحہ ابن عبداللہ:۔ اسکے متعلق مصر کے مشہور و معروف مفکر شیخ محمد عبدہ نہج البلاغہ میں اس خطبہ کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ **وقد یکفی فی میلہ الیٰ عثمان انحرافہ عن علی لانہ یتمی وقد کان بین ھاشم وبنی تم مواجہ لکان الخلافۃ فی ابی بکر**۔ طلحہ حضرت عثمان کی طرف مائل تھے اور اسکی یہی کیا کم وجہ ہے کہ وہ حضرت علیؑ سے منحرف تھے۔ کیونکہ انکا خاندان تیمی تھا۔ بنو ہاشم اور بنو تیمی کو تو اس وقت سے رنجشیں پیدا ہوئیں تھیں کہ جب ابوبکر خلیفہ بنے تھے۔ لہٰذا انکا ووٹ بھی حضرت علیؑ کے خلاف پڑ جاتا۔

۴۔ زبیر بن عوام:۔ آپ ہی اب وہ واحد مہرہ تھے کہ جو حضرت علیؑ کے حق میں پڑ جاتا لیکن آپ کی اکیلی رائے کا حضرت عمر کے موقف میں کوئی اہمیت نہ تھی۔

اب دو رکن اور رہے ان میں ایک بذات خود جناب امیرؑ تھے اور دوسرا حضرت عثمانؓ، ظاہر ہے کہ ان کے ووٹ ایک دوسرے کے لئے نہ تھے۔ اسکے وجوہات کیا ہیں وہ اگلے صفحات پر قلمبند کئے جایں گے۔

بہرحال حضرت عمرؓ نے ''شوریٰ'' کا جو نظام قائم کیا وہ نقائص سے خالی نہ تھا۔ بلکہ ممکن ہے کہ اسمیں شدید نقائص رہ گئے ہوں۔ سب سے پہلے جو بات ہمارے سامنے آتی ہے وہ اس مجلس کی تنگی اور محدودیت ہے۔ انہوں نے اس مجلس کے کل سات رکن مقرر کئے۔ جن میں ایک رکن (حضرت عبداللہ بن عمرؓ) کو فقط مشورہ دینے کی اجازت تھی۔ خلافت کی امیدواری کے وہ مجاز نہ تھے۔ گویا وہ واحد مشیر تھے جن کے پیش نظر کسی قسم کی کوئی غرض نہ تھی۔ چنانچہ ان مشیروں نے جمع ہوتے ہی اس بہت بڑی آفت کو بھانپ لیا جو انکی مجلس کو کسی اور ہی راہ پر لگا دے گی اور وہ آفت یہ تھی کہ ان مشیروں میں سے ہر ایک امیدوار خلافت تھا۔ لہٰذا ہر ایک کو ایسا غیر معمولی بار گراں کا متحمل ہونا تھا۔ جسکا لوگوں کو شاید ہی کبھی تجربہ ہوا ہو۔ اسلئے نہیں کہ ہر ایک محض حکومت کی خاطر اپنے آپ کو ترجیح دے رہا تھا بلکہ اسلئے کہ ہر ایک اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے خیال سے ایسا کر رہا تھا۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ بہ خلوص خاطر یہ سمجھتا تھا کہ وہ بار خلافت کو اٹھانے اور اسکی کما حقہ حفاظت کرنے کا سب سے زیادہ اہل ہے۔ چنانچہ جن لوگوں پر ان مشیروں کی پاسبانی کا فرض عائد کیا گیا تھا انہیں یہ دیکھکر انتہائی قلق ہوا کہ مشیر بغیر کسی نقطہ اتفاق کے باہم جھگڑ

رہے تھے اور بغیر کسی موافقت کے ایک دوسرے سے سبقت لیجانا چاہتے تھے یہاں تک کہ ان پاسبانوں کے سربراہ حضرت ابوطلحہؓ کہہ اٹھے کہ مجھے یہ خدشہ ہرگز نہیں تھا کہ ان میں رسہ کشی ہوگی۔ خدشہ یہ تھا کہ ان میں سے ہر ایک اس بارگراں کو ایک دوسرے پر ڈالنے کی کوشش کرے گا۔

حضرت طلحہ اپنی سادگی و پاکیزگی قلب کی بنا پر حضرت عمرؓ سے اس خیال میں متفق تھے کہ خلافت ایک بار گراں ہے جسکو اٹھانے کی حرص نہیں کرنی چاہیے بلکہ دین و دنیا کی عافیت کے خیال سے آدمی کو اس سے دور ہی رہنا چاہئے لیکن مشیروں کی رائے یہ نہ تھی۔ ان کی رائے یہ تھی کہ خلافت ایک ایسا فرض ہے جسکا بار اٹھانے کے لئے خواہ وہ کتنا ہی ثقیل کیوں نہ ہو ایک دوسرے سے مسابقت کی کوشش کرنی چاہیے۔ کیونکہ اگر ان کے بارے میں گمان نیک رہے اور کوئی وجہ نہیں کہ نہ رہیں۔ تو اس سے انہیں قرب الٰہی حاصل ہوگا اور اگر ان کے بارے میں لوگوں کی آرا ءبنی برصداقت ہوں گی اور کوئی وجہ نہیں کہ نہ ہوں تو اس سے انہیں عوام کی خدمت کرنے کا موقع ملے گا۔ اس آفت سے جو مشیر سب سے پہلے خبردار ہوا اور جس نے اسکے مداوا کرنے کی کوشش کی وہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف تھے۔ چنانچہ انہوں نے تجویز پیش کی کہ ان میں سے ایک رکن اپنے آپ کو حق خلافت سے دستبردار کرلے اور پھر خلیفۃ المسلمین کے انتخاب کا اختیار اس کو دیا جائے۔ یہ سنکر سب چپ ہوگئے یا کم از کم چار چپ ہوگئے، یعنی حضرت علیؑ، حضرت عثمانؓ، حضرت سعد اور حضرت زبیر۔ حضرت طلحہ نہ خاموش تھے نہ گویا کیونکہ وہ شوریٰ کے اجلاس میں موجود ہی نہ تھے۔ جب حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے دیکھا کہ سب خاموش ہوگئے ہیں اور کوئی بھی بخوشی خلافت سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تو وہ خود دستبردار ہوگئے تاکہ خدا کی خوشنودی اور مومنین کے خیر خواہی کے طور پر وہ ان پانچ میں سے کسی کو خلیفۃ المسلمین منتخب کردیں لیکن ان چاروں کا حضرت عبدالرحمٰن کی اس تجویز سے متفق ہونا بھی آسان نہ تھا۔ حضرت علیؑ کو یہ خدشہ تھا کہ حضرت عبدالرحمٰن حضرت عثمانؓ کی طرف داری کریں گے کیونکہ ان میں باہمی نسبتی تعلق تھا۔ دوسرے تینوں کو یہ اندیشہ تھا کہ وہ سب قرابت سعد کی پاسداری کریں گے ☆

لیکن بالآخر سب اس بات پر باہم متفق ہوگئے کہ حضرت عبدالرحمٰن مسلمانوں کی فلاح و بہتری میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہ کریں گے۔ لہٰذا قرار پایا کہ حضرت عبدالرحمٰن ان میں سے جسکو بھی منتخب کریں گے اس سے باقی سب خلیفہ تسلیم کریں گے۔

اگر حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ کو وسعت دی ہوتی اور اسمیں حضرت عبدالرحمٰن جیسے افراد کو بہ تعداد کثیر شامل کیا ہوتا جو شریک مجلس تو ہوتے لیکن امیدوار خلافت نہ ہوتے تو عین ممکن تھا کہ مجلس شوریٰ کو ایسی بے اعتباری اور

☆ اسکا صحیح مطلب یہی ہے کہ ارکان شوریٰ عبدالرحمٰن کی ظاہری مخلصانہ رائے کی جعل وفریب کو اچھی طرح سے بھانپ رہے تھے، اور ہوا وہی کہ جسکا خدشہ ارکان شوریٰ کے اذہان میں تھا۔ اور حضرت عمر کا یہ کہنا کہ جسطرف بھی عبدالرحمٰن ہوں وہی خلافت کا اہل سمجھا جائے۔ اب دیکھئے کہ جو نسبتی قرابت سے باہمی منافرت (جو علی کی عظمتوں اور رفعتوں سے) ان ارکان میں پیدا ہوئی تھی۔ اس سے تو خلافت یقینی طور پر عثمان کے حق میں آجاتی

اختلاف کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ مجھے کچھ یقین سا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ مجلس شوریٰ کی تشکیل اسطرح کرتے کہ وہ امید واران خلافت ہی پر مشتمل نہ ہوتی کہ ان میں سے جو چنا جائے وہ خلیفہ ہو جائے بلکہ وہ صرف ایسے شہریوں پر مشتمل ہوتی کہ جن کے سامنے ان چھ کے اسماء پیش کئے جاتے اور وہ ان ہی سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیتے تو یہ زیادہ بہتر طریق عمل ہوتا۔ ایک اور نقطہ کی جانب نہ حضرت عمرؓ کی نگاہ گئی نہ ان کے بعد آنے والے مسلمانوں کی اور وہ یہ کہ انصار بھی مجلس شوریٰ کی رکنیت کے مستحق تھے۔ انہیں بھی حق پہنچتا تھا کہ اپنی رائے کا اظہار کریں اور کسی امیدوار کے انتخاب میں شریک ہوں۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ جب تک مسلمان متفق رہتے خلافت قریش ہی کے پاس رہتی لیکن اس قاعدہ کے سمجھنے سے ہم قاصر ہیں کہ امام کے انتخاب کا حق بھی صرف قریش ہی کو ہوگا کیونکہ امام محض قریش ہی کا نہ تھا بلکہ وہ سب مسلمانوں کا امام تھا۔ لہٰذا اس شرط کے ساتھ کہ امام قریش ہی میں سے ہوگا، انتخاب میں حصہ لینے کا حق سب مسلمانوں کو حاصل تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کی اس وصیت کی وجہ سے اس زمانہ اور اسکے بعد کے زمانے میں یہ بات مسلمانوں کے دل میں بیٹھ گئی کہ انتخاب کا حق بھی محض ارباب حل وعقد ہی کو حاصل ہے۔ یہ بات ہمارے علم میں نہیں کہ عہد ابوبکرؓ وعمرؓ میں بست وکشاد کے جملہ حقوق صرف قریش ہی کے پاس رہے ہوں کیونکہ حضرت ابوبکرؓ نے انصار سے یہ کہہ کر ''کہ ہم امیر ہیں اور تم وزیر'' انہیں ارباب حل وعقد میں شامل کیا تھا کیونکہ ہمارے خیال کے مطابق حل وعقد وزراء کا کام ہے۔ بدیں صورت لازم تھا کہ انصار ''مجلس شوریٰ'' میں شریک ہوتے اور انتخاب امام میں حصہ لیتے بلکہ اسکا طبعی نتیجہ یہ بھی تھا کہ مجلس شوریٰ میں قریش وانصار کے علاوہ عرب کے دیگر سر برآوردہ افراد سپہ سالاران عرب اور عمال وحکام شامل ہوتے اگر مجلس شوریٰ اس نہج پر تشکیل پاتی تو عین ممکن تھا کہ وہ مسلمانوں کو بہت سے مفسدات کا شکار ہونے سے بچا لیتی۔ الخ عبارت ۲۱

یہ لمبا چوڑا اقتباس لکھنے کا یہ مطلب تھا کہ ناظرین پر واضح ہو جائے کہ کس طرح طٰہٰ صاحب آنے والے مفسدات کو واضح کر رہے ہیں۔ یقیناً مجلس شوریٰ کی تشکیل نے نظام اسلامیہ کو ایک ایسے دوراہے پر کھڑا کر دیا کہ جہاں پہنچ کر حق وباطل کی تمیز مشکل بن گئی۔

مجلس شوریٰ اپنے ظاہری رکھ رکھاؤ کے مباحث میں تو عثمان کو خلیفہ کی منزلوں تک لے آئی لیکن امر واقعہ کیا ہے۔ وہ درجہ ذیل میں ذکر کر دیا جاتا ہے۔

۱۔ انتخاب خلیفہ سے پہلے حضرت عمر نے کہا تھا:

فان رضی ثلاثه رجلا منهم و ثلاثه رجلا منهم محكموا عبدالله ابن عمر فنادى الفريقين حكم له فليختاروا رجلامنهم فان لم يرضوا بكم عبدالله ابن عمر فكونو امع الذين فيهم عبدالرحمان ابن عوف و اقتلوا الباقين ان اختلفوعما اجتمع عليه الناس. اگر دو ایک پر اور دو

ایک پر رضا مند ہوں تو اس صورت میں عبداللہ ابن عمر کو ثالث بناؤ جس فریق کے متعلق وہ حکم لگائے وہی فریق اپنے میں سے خلیفہ کا انتخاب کر لے اور اگر وہ عبداللہ ابن عمر کے فیصلے پر رضا مند نہ ہوں تو تم اس فریق کا ساتھ دو جسمیں عبدالرحمٰن ابن عوف ہو اور اگر دوسرے لوگ اس سے اتفاق نہ کریں تو انہیں متفقہ فیصلے کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے قتل کر دو۔۲۲

یاعبدالله ابن عمر ان اختلف القوم فکن منع الاکثر و ان کا نوا ثلا ثه و ثلاثهً فاتبع الحزب الّذی فیه عبدالرحمان

اے عبداللہ ابن عمر! اگر قوم میں اختلاف ہو جائے تو تم اکثریت کے ساتھ رہنا اور اگر تین ایک طرف اور تین ایک طرف ہو جائیں تو تم اسطرف چلے جانا کہ جس میں عبدالرحمٰن ابن عوف ہو۔۲۳

دونوں عبارتوں کو پڑھیے اور دیکھیے کہ کسطرح اُس باز و کو تقویت دی جاتی ہے کہ جسمیں عبدالرحمٰن بن عوف ہیں رہ گیا عبداللہ ابن عمر کی رضا مندی تو وہ ظاہر ہے کہ اس کو اسی طرف موڑ دیا جاتا ہے کہ جہاں عبدالرحمٰن رہتے۔ لہٰذا اب رضا مندی ہو یا نہ ہو حکم تو بہر حال حکم ہی رہا۔

کیا وجہ ہے کہ حضرت عمر، عبدالرحمٰن ابن عوف کو بقیہ ارکان پر ترجیح دے گئے۔۔۔۔؟

عبدالرحمٰن ابن عوف:۔ انکے اصطبل میں ایک ۱۰۰ گھوڑے، ایک ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں تھیں۔ ایک دن انہوں نے تیس تیس غلام آزاد کئے جب وقت وفات آیا تو بہت روئے۔ دریافت کرنے پر کہنے لگے کہ مصعب بن عمیر اور حمزہ ابن عبدالمطلب تو مجھ سے بہتر تھے کیونکہ ان کا انتقال آنحضورؐ کے زمانے میں ہوا تھا۔ وقت وفات انہوں نے اتنا بھی اپنے پیچھے نہیں چھوڑا کہ جو کفن کے لئے کافی ہوتا۔ عبدالرحمٰن ابن عوف کی چار بیویاں تھیں۔ وفات کے بعد ان کی بی بیوں کو ایک ایک لاکھ درہم مل گیا۔۲۴

کیا یہی وہ وجوہات تو نہیں ہیں کہ جنکی بنا پر حضرت عمر نے عبدالرحمٰن ابن عوف کو خلوت میں بلا کر کہا تھا کہ میں خلافت کی ذمہ داری تمہیں سونپنا چاہتا ہوں۔۲۵

کیا شوریٰ کی ضرورت اب بھی رہی؟

''**من الحذیفه قال قیل لعمر ابن الخطاب وهو بالمدینه یا امیرالمومنین من الخلیفة بعدکَ قال عثمان**'' حذیفہؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ مدینہ میں تھے تو ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے کہا عثمانؓ۔۲۶

ان مُستند روایات کو دومنٹ کیلئے ایک طرف رکھکر دیکھیں کہ ارکان شوریٰ کے ووٹ کس کے حق میں پڑتے۔

۱:۔سعد ابن ابی وقاص کی والدہ حمصہ بنت سفیان بنی امیہ تھی۔
۲:۔عبدالرحمن ابن عوف کی بیوی ام کلثوم بنت عقبہ بن معیط حضرت عثمان کی ماں کی طرف سے بہن تھی۔
۳:۔طلحہ بن عبداللہ:۔ان کی والدہ ابوسفیان کی بیٹی تھی۔
۴:۔رہ گئے زبیر ابن العوام: جنگ جمل میں یہ حضرت علیؑ سے لڑنے آئے تھے۔اسکے بعد دو امیدوار حضرت علیؑ اور حضرت عثمانؓ۔

کیا حق پسند طبقہ اس سے انکار کر سکتا ہے کہ اب حضرت عثمان ہی وہ واحد امیدوار ہیں کہ جن کی کامیابی سو فیصدی یقینی ہے۔ہوا وہی کہ جسکا اظہار حضرت عمر نے کیا تھا کہ میرے بعد عثمان خلیفہ بنے گا۔یہ تھی ابتداء خلافت بنوامیہ کی۔۔انتہا کیا ہے ایک تاریخ، ایک سمندر اور ایک صحرا ہے۔جہاں انسان یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اسلام کی عظمت و رفعت کے چراغ ہی بجھ چکے ہیں۔اب کون سمجھائے پروفیسر ملک محمد عنایت اللہ صاحب کو کہ نظام شوریٰ تھا ہی وہ سازش کہ جس میں حضرت علیؑ ہی کیا تمام خاندان رسالت سے حکومت ظاہری چھیننی مطلوب تھی۔صاف ظاہر ہے کہ یہ نظام صرف وقتی ضرورتوں کے لئے تھا۔ورنہ جو کچھ پیش آنے والا تھا وہ آیا۔تسلط اور اقتدار جونہی بنوامیہ کے ہاتھوں میں آ گیا تو ابوسفیان حضرت عثمانؓ کی خدمت میں آیا اور کہا۔

یابنی امیہ تلقفو ھا تلقف الکرہ فو الذی یحلف بہ ابو سفیان مامن عذاب ولا حساب الا جنۃ ولا نار ولا بعث ولا قیامتہ

اے بنی امیہ اب تو خلافت کی گیند تمہارے پاس آ ہی گئی۔اب جہاں جی چاہے اسکو اچھالتے رہو۔مجھے قسم ہے۔ابوسفیان، عذاب، حساب، جنت، جہنم، بعثت اور قیامت کا قائل نہیں ھے۔۔۲۷

تو یہ وجوہات تھے کہ جنکی بنا پر امیر معاویہ خودسر ہو گیا۔
پاکستان کے مشہور اخبار آفاق میں بیعت کی ابتداء کے سلسلے میں لکھا ہے۔

امیر معاویہ نے یزید کو خلیفہ نامزد کر کے اسلامی جمہوریت و روایات کو بے دریغ پائمال کیا۔اسلام میں نامزدگی۔ الیکن حضرت ابوبکرؓ نے کیونکہ حضرت عمر کو نامزد کیا اور اسی طرح حضرت عمر نے کیونکہ عثمان کی خلافت کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا۔مصطفیٰ) نامزدگی ختم کی جا چکی تھی اور زہد تقویٰ کو فضیلت قرار دیا گیا تھا۔بعد میں یزید اور امام حسینؑ کے مقابلہ میں مسلمان امام حسینؑ کو برتر، افضل اور ہر طرح سے خلافت کا حصار سمجھتے تھے۔مگر امیر معاویہ نے اسلامی مملکت کو کچھ اسطرح جکڑ لیا تھا کہ بڑے بڑے☆ لوگوں نے بھی چار و ناچار یزید کو خلیفہ وقت تسلیم کر لیا۔اسلام میں ایک بار پھر شخصیت، ملوکیت اور شہنشاہیت کا تصور پیدا کیا جانے لگا۔۲۸

☆ اگر واقعی بڑے بڑے لوگوں نے یزید کی بیعت کی تھی تو کیا وجہ ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ ہی درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔۔۔؟

اشرف ہاشمی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

امیر معاویہ کے انتقال کے بعد قرآنی اصولوں اور اسلام کی جمہوری اقدار کے برعکس تاریخ اسلام میں قیصر وکسریٰ کی روایات قائم کی گئیں اور باپ کے انتقال کے بعد اموی شہزادہ تخت نشین ہوا۔ اسلامی روایات اور قرآنی احکامات میں شہنشاہیت کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ رسول خداؐ اور خلفائے راشدین کا دور ایک ایسا دور تھا جس میں کسی ایک خاندان کی حکومت نہ تھی اور نہ ہی حکومت ایک فرد سے دوسرے فرد کی طرف وراثت میں منتقل ہوتی تھی۔ لیکن یزید کی تخت نشینی نے جسکا مکمل اہتمام امیر معاویہ اپنی حیات ہی میں کر چکے تھے۔ صورت حال کو یکسر بدل دیا اور افق اسلام پر استبدادیت اور شخصی اقتدار کے منحوس بادل چھا گئے۔ ۲۹

ان تمام بیانات اور اقتباسات کو پڑھ کر اگر متعصّبانہ ازہان سے ہٹ کر سوچا جائے تو مجھے قوی یقین ہے کہ وہ یہ نتائج برآمد کرنے میں حق بجانب ہونگے کہ جوفوق بلگرامی صاحب نے ذبح عظیم میں تفصیل سے ایک اقتباسی صورت میں لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اصلی دعویداران خلافت کے استحقاق ہر طرح سے نص خدا اور فرمان رسولؐ سے ثابت تھے۔ ان کے مقابلہ میں اجماع شوریٰ وغیرہ وغیرہ کے مصنوعی طریقے صرف اس غرض سے ایجاد کے گئے تھے۔ کہ ان کی خودغرض اور طمع دنیاوی کے پردے فاش نہ ہوں اور اتفاق کی آڑ میں اپنی بےلوثی کا اظہار ہو۔ مگر بات یہ ہے۔ کہ قدرت کے انتظام اور انسان کے مختر عات میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اسلئے تین ہی برس کے بعد اس انتظام میں تغیر پیدا ہونے لگا۔ پہلے ہی خلیفہ کے بعد استخلاف کا منسوخ شدہ قانون پھر نافذ ہوا اور حضرت ابوبکرؓ کے وصیت نامہ کے موافق حضرت عمرؓ خلافت کی گدی پر بٹھائے گئے۔ تعجب ہے کہ اس وصیت نامہ کے لکھنے کے وقت کسی نے بھی حبسنا کتاب الله کہکر حضرت خلیفہ اول کو قاعدہ استخلاف کے بار دیگر نافذ کرنے سے ذرا بھی نہ روکا۔ خلیفہ ثانی کے بعد شوریٰ عامہ کا خلاصہ صرف چھ آدمیوں میں محدود کر دیا گیا۔ اس سے سمجھ لینا چاہے اگر انتظام جدیدہ کے اصول انسانی اغراض ومطالب سے مبرا ہوتے تو اسمیں اگر ہمیشہ کے لئے نہیں تو تھوڑے دنوں تک کے لئے تو ضرور کچھ استحکام ہوتا۔ مگر یہاں تو صبح وشام بھی نہ ہونے پائی کہ اسکے رنگ بیرنگ ہونے لگے اور اسکی ظاہری صفائی اور اتفاق میں خودغرضی لے **حدّثنا عمرو بن خالد حدّثنا اللّیت عن یردید عن ابی الحیزعن عقبة . ان النبی خرج یوماً فصلّی علی اهل احد صلاٰته علی المنیّت ثم الضرف علی المنبر فقال انّی فرط لکم وانا شهید علیکم وانی والل نظرالی حوضی الان وانی اعطیت مفاتیح خزائن الارض اومفاتیح الارض وانی والله مااخاف علیکم ان تشرکو العدی ولکن اخاف علیکم ان تنافسو ا مینها** (ترجمہ) روات کو چھوڑ کر ایک دن شہدائے احد پر نماز پڑھنے کے بعد آنحضورؐ منبر پر تشریف

لائے اور فرمایا۔اے گروہ ناس میں تم لوگوں سے پہلے حوض کوثر پر پہنچوں گا۔ میں تم لوگوں پر گواہ ہوں۔لہذا اس وقت حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں بتحقیق مجھے زمین کے خزائن کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں۔یا زمین کی کنجیاں عطا کی گئی۔لہذا مجھے اسکا خدشہ یا ڈر نہیں کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ بلکہ خدشہ اور ڈر تو اسبات کا ہے کہ میرے بعد تم لوگ فضائی خواہشات کی پیروی کرو گے۔[۳۰]

فوق بلگرامی صاحب کا اشارہ اسی حدیث کی طرف لکھنے کے وقت رہا ہوگا۔

کی مہیب صورتیں دکھلائی دینے لگی۔ معاویہ کی خواہ مخواہ خلافت کی حقیقت اس وقت کسی اصول کے قاعدے سے معلوم نہیں ہوتی۔ان کے ہوا خواہ ان پر بھی اجماع ثابت کرتے ہیں۔این تو؟ ردمتہ البزل کے فیصلہ کے بعد مگر جب اس فیصلہ کی کوری بے ایمانی ثابت کی جاتی ہے۔تو پھر آج اس اجماع کو حضرت امام حسنؑ کی صلح تک اُٹھا لے جاتے ہیں اور یہ دکھلاتے ہیں کہ اس صلح نامہ کے بعد ان کی خلافت پر اجماع ہوا۔مگر اسمیں بھی اختلاف ہے عموماً سواد اعظم اہل سنت والجماعت کا اسپر اتفاق ہے کہ خلافت راشدہ کے تیس سال کا زمانہ جناب امام حسنؑ کی ششماہہ حکومت پر تمام ہو چکا اب اگر ان کو خلافت ملی بھی تو یہ خلافت نہیں تھی۔ بلکہ ایک معمولی بادشاہت تھی۔اس سے نہ خلافت اسلامی کا کوئی واسطہ تھا اور نہ جماع امت سے کوئی سروکار۔ چنانچہ ہمارے مُستند ہمعصر عبداللہ سبمل امرتسری تحریر فرماتے ہیں۔اسکے سوا خلافت راشدہ کا زمانہ منقضی ہو چکا تھا۔اب مملکت؟ عضوضہ کے عہد کی صبح ہونے والی تھی۔معاویہ کے سوا اور کوئی صحابی اسکو پسند نہیں کرتا تھا۔

خلافت تو یہیں سے رخصت ہوگئی۔اب اجماع ہوا تو کیا اور نہ ہوا تو کیا۔اگر اجماع ہوا بھی تو ان کی معمولی بادشاہی پر نہ کہ خلافت اور نیابت رسولؐ پر، تعجب تو یہ ہے کہ جب ان کی خلافت کے ڈھانچے کو ان کے خیر خواہ اجماع اور اتفاق کی قینچیوں سے درست کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تو اجماع اور استخلاف کے اصول سے دست بردار ہو کر استبداد اور غلبہ کے طریقے سے انکی خلافت کے مجسمہ کو قائم کرتے ہیں۔اجماع اور استخلاف کے بعد استبداد اور غلبہ خاص کر انہیں کی خلافت ثابت کرنے کے لئے انعقاد خلیفہ کے مقررہ اصول کے لیے ایجاد کیا گیا۔استبداد اور غلبہ حقیقت میں کیا ہے۔۔۔۔۔؟ یہ ہے جسکی لاٹھی اُسی کی بھینس، اس جملہ پر غور کر کے ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ کلمہ کہاں تک دیانت وامانت یا احکام شریعت کے مطابق ہے۔

المختصر معاویہؓ کے اصول خلافت کی تحقیق تو قطب جنوبی کی تحقیق سے بھی زیادہ مشکل ہے جسکی تھوڑی سی کیفیت اوپر بیان کی گئی۔اب امیر معاویہ نے اپنے بعد اپنے صاجزادہ بلند اقبال یزید کو سریر خلافت پر بٹھا کر ان بدعات کے سلسلہ میں ایک کڑی اور جوڑی اور بخلاف اجماع وسیرت شیخین صاجزادے کو کسی نہ کسی طرح بلاد اسلامیہ کا حاکم بنا دیا''

فوق بلگرامی صاحب نے تو حقائق سے پردہ اٹھا کر صاف لفظوں میں بتلا دیا کہ نہ صرف امیر شام ہی نے اپنے موقف کو من مانے زرائع سے منوانے کی سعی کی تھی بلکہ یہ تو سلسلہ وار چلتا رہا۔ کبھی اس پر ایک رخ آ تا گیا اور کبھی دوسرا اور نہ حقیقی معنوں میں پالیسی ایک ہی تھی۔ مرکز کی کمزوری اور نصب العین کے انحطاط ہی سے معاویہ اس قدر خود سر بن چکا تھا کہ اس نے اسلامی روح کو پامال کرنے کی جرات کی اب اگر ''یزید نے اس تیار شدہ ڈرامے'' کو اسٹیج پر جگہ دے دی جو مدت سے پس پردہ وقت اور موقع کا منتظر تھا۔ (اور اس نے) اس کتاب سیاست کے احکام کو عملی جامہ پہنا دیا جو پچھلوں نے اگلوں کے لئے تیار کی تھی۔''۳۱

تو اسمیں اب چوں و چرا کی گنجائش ہی کہاں رہ گئی۔ اب میرا یا آپکا قیل وقال چہ معنی دارد؟ یہ تو ۔۔۔۔۔۔۔ دشمنان اسلام کے ترکش کا آخری تیر تھا جو تراز و ہو گیا، اور عربی مداریوں کا یہ آخری تماشا تھا جو کامیاب ثابت ہوا۔ لیکن نہ یہ تیر اپنے چلانے والے کا بنایا ہوا تھا نہ اس تماشے کے تمام اجزاء اس مداری کے تیار کردہ تھے۔ یزید تو اس مشین کا فقط ایک پرزہ تھا جو دنیائے اسلام کو کفر کی طرف اُڑائے لئے جارہی ہے۔۳۲

بیعت کی کہانی رام نگری کی زبانی

ہمارے آخری پیرائے میں آپ علاّمہ ابو محمد امام الدین رام نگری (بھارت) کی کتاب ''حضرت امام حسین شہیدؑ'' کا اقتباس ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ واضح رہے علاّمہ نے یہ کتاب مستطاب محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' کی رد میں لکھی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

یزید کی ولی عہدی تاریخ اسلام کا ایک الم انگیز واقعہ ہے۔ اسلام نے قیصر و کسریٰ کی خاندانی اور شخصیتی طرز حکومت کا خاتمہ کر کے ایک اصولی اور جمہوری حکومت کی مثال دنیا میں قائم کی تھی، جو خلافت راشدہ اور خلافت علی منہاج النبوۃ جیسے مقدس ناموں سے یاد کی جاتی تھی۔ یزید کی ولی عہدی اس اصولی اسلامی جمہوریت یا خلافت علی منہاج النبوۃ پر قیصریت کے دوبارہ فتح و غلبہ کا اعلان تھی۔

حکیم امت علامہ اقبالؔ نے اس حقیقت کو اپنی اس رباعی میں اس طرح پیش کیا ہے۔

عرب خود رابہ نور مصطفیٰؐ سوخت — چراغ مردئہ مشرق برافروخت
ولیکن آن خلافت راہ گم کرد — کہ اوّل مومناں راشاھی آموخت

لیکن محمود عباسی صاحب نے اس قیصر و کسریٰ کی سنت کے احیاء پر دل کھول کر جشن مسرت منایا ہے اور یزید کی ولی عہدی کی داستان کو خوب دل کھول کر لکھا ہے۔

مگر عباسی صاحب نے یزید کی ولی عہدی کے صحت کے جو دلائل پیش کیئے ہیں وہ محض ڈھونگ ہیں۔ یزید کی ولی عہدی کا معاملہ حضرت معاویہ کا ایک طے شدہ فیصلہ تھا۔ اس فیصلے کو انہیں بہر حال اور بہر نہج عملی جامہ پہنانا

تھاانہوں نے پہنا کر چھوڑا۔ ولی عہدی کا معاملہ معاویہ اور یزید کے درمیان بہت پہلے طے پا چکا تھا۔اس معاملہ کے میں صحابہ کرامؓ کولا نااور یہ کہنا کہ یزید کی ولی عہدی غلط ہوتی ۔تو وہ خاموش نہ رہتے ۔صحابہ کے ساتھ زیادتی ہے۔ ان کی حق پرستی میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔لیکن اسکے معنی یہ تو نہیں کہ وہ ہر وقت قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھے رہتے تھے۔اور بات بات پر شمشیر برہنہ ہوجاتے تھے۔

حالات نے صحابہ کرامؓ کو جس مخمصہ میں ڈال دیا تھا،اسے علامہ ابن کثیر کی زبانی سنئے:

شام میں بیعت یزید کی تقریب ہے۔صوبوں کے وفود حاضر ہیں ۔صحابہ کرام بھی موجود ہیں۔ ۔پھر امیر معاویہؓ نے خطبہ دیا اور لوگ ان کے منبر کے نیچے حاضر تھے۔لوگوں نے نہ موافقت کی اور نہ اظہار مخالفت کیا اسلئے کہ ان کو پہلے ہی ڈرایا دھمکایا گیا تھا، چنانچہ تمام شہروں میں بیعت ہوگئی اور تمام بڑے بڑے صوبوں کے وفود بیعت کیلئے یزید کے پاس آنے لگے۔[۴۳]

دیکھا آپ نے صحابہ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا اور یزید کی بیعت کے وقت صحابہ کس پوزیشن میں تھے؟ لیکن عباسی صاحب کی ابن کثیر کے ساتھ خیانت اور صحابہ کے ساتھ ظلم دیکھئے کہ وہ یزید کی بیعت کی کاروائی اس انداز میں لکھتے ہیں، گویا صحابہ کرام کی رضامندی اور انکی تحریک وتائید ہی سے یزید کی بیعت ہوئی اور صحابہ بیعت میں پیش پیش تھے۔اس غلط بیانی اور تہمت تراشی کے لئے عباسی صاحب نے کیا یہ ہے کہ علامہ ابن کثیر کے بیان کا وہ حصہ جو صحابہ کرام کے متعلق ہے اسکو توڑالیا ہے ۔صرف اپنے مقصد کے بیان کے مطابق یہ حصہ دنیا کے سامنے رکھ دیا۔

فانفعت بیعة یزید فی سائر البلاد وفدت الوفود من سائر الاقالیم الی یزید۔

عباسی صاحب کی یہ چوری مولانا اویس ندوی استاد تفسیر دارالعلوم ندوہ نے پکڑی ہے۔[۴۴]

یہ تھے بیعت کے خدوخال۔۔۔ان تمام بیانات اور تصریحات سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

۱۔ عرب مداریوں نے اُس عظیم فرمان کو پس پشت ڈال دیا کہ جسمیں نیابت کے متعلق واضح ہدایات تھیں۔

۲۔ اطراف عالم کی طرف بڑھنے والی روشنی خودغرض، جاہ پسند اور طالع آزما افراد نے تاریکیوں میں مبدل کردی۔

۳۔ اسلام کے زریں اقوال سے ہٹ کر بندے بندوں پر خودساختہ قانون بناتے گئے کہ جسے افتراق و اختلافت کی گہری خلیج حائل ہوگئی۔

۴۔ ضد اور ہٹ دھرمی نے اسلامی روح کو کچل کے رکھ دیا۔

۵۔ حقیقی نیابت رسولؐ اسلام خوش فہم افراد نے ذاتی اغراض ومقاصد کے بھینٹ چڑھائی۔اسطرح اسلامی تصور مملکت غیروں کے لئے بلائے بے درماں بن گیا۔

۶ ۞ مرتب شدہ سازش ہی نے شام کے امیر کو وہ مواقع فراہم کیئے کہ جن کا فائدہ کبھی لڑائی۔ کبھی دغا، کبھی زہر اور کبھی قتل و غارت گری کی صورت میں اس نے اٹھایا۔

۷ ۞ ملوکیت کب نہیں تھی جو معاویہ کے دور سے اسکا تعین کیا جائے۔ فرق صرف ظاہر و باطن کا تھا ورنہ رنگ ایک ہی تھے۔

۸ ۞ معاویہ کا بیٹا وہی کچھ کرتا تھا کہ جو مورخ مسعودی نے اپنی مایہ ناز تالیف مروج الذہب میں معاویہ اور محمد ابن ابوبکرؓ کے خطوں سے ظاہر کیا ہے۔ کہ یہ میں ہی نہیں کر رہا ہوں بلکہ تمہارا باپ بھی ایسا ہی کر رہا تھا۔

تو یہ تھا سرسری جائزہ۔۔۔۔۔ تاریخ کہیے یا تاریخ کے حقائق

حوالہ جات

۱۔ خلافت معاویہ و یزید، محمد احمد عباسی ص ۱۰

۲۔ حضرت عثمان تاریخ اور سیاست کی روشنی میں ص ۱۵۵

۳۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ۴۰۲۔ الاستیعاب ج ۲۵۲۔

۴۔ یا یزید ابن معاویہ، امام ابن تیمیہ ص ۳۵۔۴۴، طہ ابن تیمیہ اکیڈمی کراچی

۵۔ خلافت و ملوکیت، مولانا مودودی ص ۱۱۴۔۱۱۵

۶۔ مسلمانوں کا عروج و زوال، مولانا سعید ص ۵۰

۷۔ Islam under the Arabs, Osborn

۸۔ اس قصے کی تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو: تاریخ طبری ج ۶ ص ۱۹۰۔۲۰۷؛ الاستیعاب، ابن عبدالبر ج ۱ ص ۱۳۵؛ ابن الاثیر ج ص ۲۳۴۔۲۴۲؛ البدایہ والنہایہ ج ۵۰۸۔۵۱۰؛ مقدمہ ابن خلدون ص ۱۳۔

۹۔ الاستیعاب ج ۱ ص ۱۳۵؛ تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۰۸

۱۰۔ خلافت و ملوکیت، مولانا مودودی ص ۱۶۴۔۱۶۶

۱۱۔ مسلمانوں کا عروج و زوال ص ۵۱

۱۲۔ فلسفہ آل محمد، علامہ جارچوی ص ۲۹

۱۳۔ استیعاب علی الاصابہ ج۳ ص۴۰۵ طہ حیدرآباد دکن
۱۴۔ تاریخ اعثم کوفی ص۳۳۱ طہ دہلی
۱۵۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری ج۶ ص۵۵۵
۱۶۔ امامت و سیاست ج۱ ص۱۴۳
۱۷۔ اجیب السیر جزئسوم ج۱ ص۵۸
۱۸۔ سیرہ العلویہ ص۳۵۵
۱۹۔ روزنامہ انجام (محرم ایڈیشن) ۲ جون ۶۱ء کراچی
۲۰۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۳
۲۱۔ الفتنۃ الکبریٰ ص۱۲۷ تا ۱۳۱
۲۲۔ تاریخ طبری ج۳ ص۲۹۴
۲۳۔ تاریخ طبری ج۳ ص۲۶۵
۲۴۔ الاستیعاب ج۲ ص۵۶۰؛ مروج الذہب ج۲ ص۲۲۲
۲۵۔ تاریخ ابن خلدون ص۱۲۴
۲۶۔ کنز العمال ج۳ ص۱۵۸
۲۷۔ الاغانی ج۶ ص۹۹ ط مصر؛ النزاع و تحاصم، علامہ مقریزی ص۲۰؛ الامام علیؑ، عبدالفتاح عبدالمقصو د ترجمہ فارسی ج۲ ص۲۴۰
۲۸۔ روزنامہ آفاق (پاکستان) ۲۴ جون محرم ایڈیشن
۲۹۔ روزنامہ تعمیر ۲۱ جون راولپنڈی
۳۰۔ صحیح بخاری الجزءاول ص۱۵۱
۳۱۔ فلسفہ آل محمد حصہ اول ص۲۶
۳۲۔ حوالہ ایضاً ص۲۷۔۲۸
۳۳۔ البدایہ والنہایہ ج۸ ص۸۰
۳۴۔ صدق جدید لکھنو ۲۰ نومبر ۱۹۵۹ء

دروغگو حافظہ ندارد

سوال:۔کیا مظالم کربلا کی روایات فرضی ہیں۔۔۔۔۔۔؟

فَهَل عصیتم اِ ن تولّیتم اَن تصدّ وافی الارض وَتقطِعوارَ حامَکمُ اولئک الذّین لَعَنَهُم اللّه فَاَصمّهم وَاَعمیٰ اَبصارَهم . سورہ محمدؐ آیات ۲۱۔۲۲

ظلم بہر حال ظلم ہے چاہے وہ چھوٹے سے ہوا ہو یا بڑے سے نوعیت چونکہ ایک ہی ہے لہٰذ ا دونوں کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔حاکم محکوم پر،امیر غیریب پر اور سرمایہ دار مزدور پر ظلم کرتا ہے۔کیا اسکا مطلب یہ ہے کہ محکوم،غریب اور مزدور اسی ظلم کے مستحق تھے۔۔۔۔۔۔۔؟نہیں اور قطعاً نہیں۔اب ظلم کی کئی قسمیں ہیں ایک تو وہ ظلم ہے کہ

۱۔ پہلا ظلم: جو مزدور کی پیشانی سے نچوڑا ہوتا ہے اور وہ چمکنے اور تھرتھرانے والے پسینہ کے قطرات ہوتے ہیں جو بے قیمت بنکر زمین پر گرتے ہیں اور سرمایہ دار کی تجوریوں میں زرد جواھر بنکر چمکتے ہیں۔

۲۔ دوسرا ظلم:لوٹ مار،دھشت انگیزی اور قتل وغارت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

۳۔ تیسرا ظلم:حقائق کو مسخ کرنا۔

۴۔ چھوتھا ظلم:عوام الناس کو غلط راہوں پر گامزن کرنا۔

۵۔ پانچواں ظلم:**وضعَ شئی علی غیر محله** اصلی منزل سے اٹھا کر کسی اور جگہ کسی چیز کا رکھنا۔مثلاً عمامہ سر پر رکھنے کا ہے۔بجائے سر کے پاؤں میں رکھنا۔

یہ تھے اقسام ظالم اور اہلبیت رسولؐ پر ان تمام مظالم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

پهلی قسم: مالی لوٹ کهسوٹ۔

آپؑ لوگوں نے محنت اور مزدوری کر کے دین اسلام کو فروغ دیا۔آپ ہی کی انتھک کوششوں سے دین اسلام کے چار چاند لگ گئے۔لیکن آپ لوگوں کی مزدورانہ زندگی کا فائدہ وقت کے تنگ نظر حاکموں نے زور جواھر کی صورت میں اٹھایا۔چند ایک مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ حکم ابن عاص کہ جسے رسولؐ اللہ نے مدینہ سے جلاوطن کر دیا تھا،اسکو بیت المال سے ایک لاکھ درھم

عطا کیا جاتا ہے۔[۱]

۲۔ افریقہ کے مال کا خمس پانچ لاکھ دینار مروان کو دیا جاتا تھا۔[۲]

۳۔ طلحہ بن عبداللہ تیمی نے وقت وفات سو بھار چھوڑے جسمیں سونا بھرا ہوا تھا۔ بُھار بیل کی کھال کو کہا جاتا ہے۔ موسیٰ ابن طلحہ کہتے ہیں کہ انہوں نے مرنے پر بائیس لاکھ درھم اور دو لاکھ دینار چھوڑے۔[۳]

۴۔ عبدالرحمٰن ابن عوف کے اصطبل میں سو گھوڑے، ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں تھیں۔ مرنے پر ان کی میراث کا آٹھواں حصہ ۸۴ ہزار دینار تھا۔[۴]

۵۔ یعلی ابن امیہ نے اپنی میراث ۵ لاکھ دینار چھوڑی۔[۵]

۶۔ عبداللہ ابن خالد کو چار لاکھ درہم عطا کیے گئے۔[۶]

۷۔ ولید ابن عقبہ کہ جسکو قرآن نے فاسق کہا تھا کو ایک لاکھ درھم عطا کیے گئے۔[۷]

۸۔ ابوسفیان ابن حرب کو دو لاکھ درہم دیے جاتے تھے۔[۸]

۹۔ مروان ابن حکم کو ایک لاکھ درہم عطا کیے جاتے تھے۔[۹]

۱۰۔ زید ابن ثابت نے وقت وفات اتنا سونا چاندی چھوڑا کہ کلہاڑیوں سے کاٹ کر تقسیم کر دیا گیا۔ اسکے علاوہ ایک لاکھ دینار بھی چھوڑے۔ [۱۰]

۱۱۔ زبیر ابن العلوم:۔ آپ کی چار بیویاں تھیں۔ ہر ایک نے زبیر کے مرنے پر اپنا آٹھواں حصہ لیا اور یہ آٹھواں حصہ فی بیوی کو ۱۲ لاکھ دینار کی صورت میں ملا۔ [۱۱]

۱۲۔ حارث ابن حکم کو ایک لاکھ درھم عطا کیے جاتے تھے۔[۱۲]

یہ تھے بیت المال کے تصرف کے متعلق مورخین کے بیانات۔ میں نے اختصار سے کام لیا ہے ورنہ تفصیلی خاکہ اگر کھینچا جائے تو ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔ پھر بھی اتنا عرض کئے دیتا ہوں کہ میری تالیف ''علی اور انکا عہد'' ملاحظہ فرمائیں وہاں میں نے لکھا ہے۔

دوسری قسم: لوٹ مار اور قتل و غارت۔

عملی خدمت اہلبیتؑ نے کی۔ مصائب اہلبیتؑ نے جھیلے۔ رات دن انہوںؑ نے دین اسلام کو پروان چڑھایا۔ لیکن بدوی عرب ایک ریلے کی طرح آگے بڑھے۔ دھن و دولت لوٹی اور صحرا نشین ہوگئے۔ دوسری قسم لوٹ مار، دہشت انگیزی اور قتل و غارت تو حاکموں کا اختیار رہا۔ جس کسی کو بھی دیکھا کہ یہ آڑے آئے گا قتل کر دیا گیا، اور جہاں بھی امن وسکوں کی پُر اسرار خاموشی دیکھی وہاں غارت گری کا بازار گرم کر دیا گیا۔ میں نے تفصیلی واقعات اسی کتاب میں بیان کئے ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

تیسری قسم: حقائق کو فتح کرنا۔

یہ کب نہیں تھا۔خلقت اول سے ہوتا آیا ہے۔آنحضورؐ کے زمانے میں بھی جاری تھا۔جو دیکھا غض بصر کیا۔ جو سنا پس پشت ڈال دیا ہاں میں ہاں مدتوں ملائی لیکن جونہی آنحضورؐ نے وفات فرمائی تو بھڑک اُٹھے۔''نہ سنا اور نہ دیکھا'' زبان زدعام ہوا اور یہی وہ منزل ہے کہ جہاں سے اسلام تنزل کی طرف گامزن ہونا شروع ہوا۔ بہت سمجھایا لیکن اکڑ ایسی تھی کہ اقوال وافعال رسولؐ کو عبث سمجھ بیٹھے۔نتیجہ کیا رہا۔۔نہ ہسپانیہ میں آذاں نہ ہی افریقہ میں تسبیح الہذا کبھی ہلاکو خاں آ گیا اور بغداد کے کروفر کو مٹاتا گیا اور کبھی فرنگ سامراج آ گیا کہ جس نے ابوعبداللہ جیسے نااھل کو گدی سے اتار کر مراکش کی طرف جلائے وطن کر دیا، بہت سر مارا، کہ ہم اسلام کے حقیقی پاسباں ہیں مگر سنتا کون ہم سنانے کے اہل ہی نہ تھے۔ہم کلمہ تو پڑھتے تھے لیکن اخلاص سے نہیں۔ہم حقیقت کو پہچانتے تھے لیکن اغراض ومقاصد کی جل پر یان دھوکہ دے چکی تھیں۔یہی وجہ ہے کہ آج بھی عرب رو رہے ہیں۔آج بھی مسلمان خون کے آنسو بہاتے ہیں۔مگر ہے کوئی جو ہماری صدا سُن لے۔۔۔؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔۔۔مگر سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں۔۔۔؟ صرف اسلئے کہ ہم نے حقائق کو مسخ کر کے ایک ناقابل تلافی ظلم کیا۔

چوتھی قسم: عوام الناس کو غلط راہوں پر گامزن کرنا۔

یہ کام تو بنی امیہ خصوصاً امیر شام نے شروع کیا، مدتوں جاری رہا، کبھی جعلی فضائل بنا کر اور کبھی احادیث رسولؐ میں ترمیم کر کے۔دولت بنوامیہ اور دولت بنوعباسیہ میں تو اس کام نے ایسا عروج پا لیا کہ دنیا حیران رہ گئی کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے یہ نہ سمجھئے کہ اب یہ سب کچھ نہیں ہے۔نہیں آج بھی اُسی طرح کیا جاتا ہے ورنہ عبدالحلیم شرر، مرزا حیرت دہلوی اور محمود احمد عباسی جیسے افراد کی پانچوں انگلیاں گھی میں نہ ہوتیں۔جسطرح ادوار سابقہ میں اس جیسے قماش والے افراد کے ان افعال کو مستحسن قرار دیا گیا آج بھی دیا جا رہا ہے۔میں آپ کو یہاں محمود احمد عباسی کی وہ غلط بیانی دکھانا چاہتا ہوں کہ جو انہوں نے اپنی رسوا ترین کتاب ''معاویہ ویزید'' ناول میں بصورت ''منازل سفر'' کے سلسلے میں لکھی ہے۔ملاحظہ ہو:

مورخین میں سے کسی ایک نے بھی ابومخنف یا سانحہ کربلا کے دیگر راویوں کے بیانات کو نقد وروایت کی میزان سے جانچنے کی زحمت گوارہ نہیں کی ہے۔چون وچرا نقل درنقل کرتے رہے۔مقام تنعیم اور رہ کوفہ جسکی پہلی منزل بستان ابن عامر ہے، یہ دونوں قطعی مخالف سمت میں واقع ہیں۔یمن سے جو قافلہ مکہ سے گذر کر دمشق جارہا تھا، وہ بھی اس تنعیم کے مقام سے ہوتا ہوا جا سکتا تھا۔جو کوفہ کے راستے سے بالکل مخالف راہ سمت میں بلکہ مدینہ ودمشق کے راستے پر سفر کرے گا اور جو کوفہ کی راہ چلے وہ ہرگز تنعیم نہیں پہنچ سکتا۔الا یہ کہ مکہ سے چار میل چل کر تنعیم جائے اور وہاں سے لوٹ کر مکہ واپس آئے پھر دوسری سمت میں کوفہ کے راستے پر جائے۔لیکن حضرات مورخین نے ابومخنف کی

یہ روایت نقل کردی کہ حج سے ایک دن پہلے یوم ترویہ کو حضرت حسینؑ جب کوفہ کے سفر پر روانہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہنچے۔ یمن کا قافلہ نظر آیا جو یزید کے پاس یمن کے عامل کی طرف سے جارہا تھا۔ آپ نے اسکو ماخوذ کر لیا۔ جیسا ابھی عرض کیا کہ کسی شخص کا سفر کوفہ پر روانہ ہوجانے کے بعد تنعیم کے مقام پر پہنچ جانا ممکن الوقوع نہیں۔۔۔ یمن سے قافلہ اکیس دن کی مسافت طے کرنے کے بعد جب ایام حج میں مکہ معظّمہ وارد ہوا تو اھل کوفہ کو لگا ایسا کیا خوف دامنگیر تھا کہ حج سے ایک دن پہلے یوم ترویہ کو مکہ سے نکل کر مضافات شہر میں سے تنعیم کے مقام پر پہنچ جاتے جو مدینہ کے راستے میں سے چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ واقعاتی شہادت سے ثابت ہے کہ حسب معمول و دستور قدیم یمن کا قافلہ بعد ادائے حج دمشق کو براہ مدینہ منورہ جاتے ہوئے مقام تنعیم سے گذرا اور ماخوزی قافلہ کی یہ روایت صحیح ہے اور قابل وثوق ہے۔ ظاہر ہے حضرت حسینؑ کے کوفہ پر روانگی کی تاریخ بھی حج کے بعد ایام تشریق میں سے ۱۰ یا ۱۱ ذی الحجہ کو قرار دینا انسب اور قرین صحت ہوگا۔[۱۳]

یہ کتنا ظلم اور ناانصافی ہے کہ اب کی پیداوار احمد عباسی لوگوں کو یہ باور کرنے کی کوشش کررہی ہے کہ حسینؑ ۱۰ محرم کو کربلا میں پہونچے اور پہنچے ہی حکومت کے دستوں سے جنگ ہوئی اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ کیونکہ یہ تو تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ امام حسینؑ دسویں محرم کو بوقت عصر شہید کردیے گئے۔ عباسی صاحب لوگوں کو یہ جتلانے کی کوشش کررہے ہیں کہ دسویں محرم سے پہلے کے واقعات جو بھیانک اور حوصلہ شکن مظالم کی صورت میں وقوع پذیر ہوئے محض ڈھونگ اور غلط ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا واقعی عباسی اپنے موقف میں سچا ہے۔۔۔؟ اور کیا اسطرح ان مظالم پر پردہ پڑ سکتا ہے کہ جنکو یزیدی ہمنوا عباسی اور اس جیسے عقائد رکھنے والے فرضی اور من گھڑت خیال کرتے ہیں۔۔۔؟ تو آیہ دیکھیں کہ عباسی کس حد تک اپنے موقف میں سچا ہے۔

۱۔ عصر محرم سے قبل پہنچنے کو غلط اور بے بنیاد ثابت کرنے کے لئے عباسی دوراہا اختیار کرلیتا ہے۔ ایک تو یہ کہ حسینؑ ۸ کو نہیں ۱۰ ذی الحجہ کو بعد از ادائے حج بطرف کربلا روانہ ہوئے۔ اسطرح سے کربلا کی منزلوں میں سے دو دن کی مسافت کرلی۔ عباسی کا یہ مفروضہ اگر مان لیا جائے تو حسینؑ بجائے دو محرم کے چار محرم کو کربلا پہنچتے ہیں کیونکہ اسطرح صرف دو دن کا فرق پڑ جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہہ رہا ہے کہ کربلا تک کل تیس منزلیں ہیں، بچوں، بوڑھوں عورتوں کے سمیت اس فاصلے کو کم دنوں میں طے نہیں کیا جاسکتا ہے۔

تو آئے ہم یہ دیکھیں کہ حسینؑ کب کربلا پہنچے۔

۱۔ ۲ محرم ٦٠ھ کو جمعرات کے روز حسینؑ کربلا پہنچے۔[۱٤]

کیا اس تاریخی حقیقت کو جسے تاریخ کی انگنت مستند کتابیں تائید کرتی ہیں کو عباسی صاحب کے کہنے پر نظر انداز کیا جائے۔۔۔۔؟ بخوف طوالت چند ایک کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ورنہ کم و بیش ہر تاریخ سیر و مقاتل کی کتابوں

میں تفصیل سے دوسری محرم کو حسینؑ قافلہ کا کربلا پہنچنا مذکور ہے۔ اب لوگوں کو جغرافیہ دکھا کر دھونس میں لانا سراسر حماقت۔ چلئے آپ ہی کے جغرافیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ دیکھیں کہ آپ کس حد تک اپنے دعوے میں سچے ہیں۔

اقبال احمد صاحب جونپوری (امام اهلسنت للهند) خلافت علیؑ وشہادت حسینؑ میں تحریر فرماتے ہیں:

عباسی صاحب اپنے پیش کردہ جغرافیہ سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر امام حسینؓ کی روانگی ۸ ذی الحجہ کو سفر کوفہ کی طرف مان لی جائے تو وہ غلط طور پر مدینہ کی راہ مقام تنعیم پر کیسے پہنچ گئے اور اسوقت قافلہ وہاں کہاں تھا۔ وہ لوگ تو حج کر رہے تھے اور پھر امام صاحب کو مکہ سے اس راہ پر جو کوفہ کی طرف ہے اور جسکی پہلی منزل بستان ابن عامر ہے جانا چاہیے تھا نہ کہ برخلاف اسکے آپ مکہ سے براہ تنعیم مدینہ آتے ہیں۔ اسکے بعد مکہ واپس ہوتے ہیں۔ پھر کوفہ کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

افسوس ہے کہ اس جغرافیہ میں بھی نہایت ہی دغل وفریب سے کام لیا گیا ہے اور ایک طرف سے تمام مورخین کو کذاب وروایت پرست کہہ کر خود ساختہ طور پر جو نتیجہ اخذ کیا ہے، اس جغرافیہ میں اسکی قطعی گنجائش نہیں بلکہ انہیں کے بیان سے ان کی تردید ہو جاتی ہے۔ چنانچہ عباسی صاحب فرماتے ہیں۔

''یمنی قافلہ کو جو حج کے بعد کم از کم ۱۰ ذی الحجہ کو مدینہ ودمشق کی راہ جاتے ہوئے تنعیم سے گذرتا دو دن پہلے ہی کیسے ماخوذ کرلیا۔ اب دو ہی صورتیں ہیں، یا تو حضرت حسینؓ ۸ ذی الحجہ کو تنعیم پہنچے اور یمنی قافلہ کو اس دن ماخوذ کر لینا صحیح نہیں یا پھر وہ بھی ۸ ذی الحجہ کے بجائے ۱۰ ذی الحجہ کو کوفہ کو روانہ ہوئے تو ظاہر ہے کہ روانگی کوفہ کے وقت ہی تنعیم کے مقام پر جس کا فاصلہ آپ کے پڑاوٴ بیرون شہر سے تین یا چار میل سے زیادہ نہ تھا۔ قافلہ بآسانی ماخوذ کیا جاسکتا تھا۔''[۱۵]

غور کیا جائے کہ اب تک عباسی صاحب یہ کہہ رہے تھے کہ جسکو کوفہ کا سفر کرنا ہو وہ کسی بھی صورت سے مقام تنعیم پر جو راہ مدینہ ہے پہنچنا ہی مشکل ہے مگر یہی سفر امام حسینؓ اگر ۸ ذی الحجہ کے بجائے ۱۰ ذی الحجہ کو بقول عباسی صاحب مانا جائے تو امام حسینؓ باوجود اسکے کہ مقام تنعیم جو راہ کوفہ سے دوسری سمت میں ہے پہنچ کر یمنی قافلہ کو ماخوذ کر سکتے ہیں اور آگے چل کر جناب نے اس سلسلہ میں وہ داستان بیان کی ہے کہ سننے والے اپنا سر پیٹ کے رہ جائیں۔ جناب فرماتے ہیں۔

مورخین نے فرزدق کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ حج ادا کرنے کے بعد میں اپنے اہل وعیال کے پاس عسفانؔ چلا گیا تھا اور عسفان جانے کا راستہ تنعیم سے ہو کر ہے۔ فرزدق نے اپنے ایک شعر میں یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت حسینؓ سے ملاقات ارض الصفاح پر جس وقت ہوئی تھی۔ ان کے پاس پوشاکیں، ڈھالیں تھیں۔ مقام الصفاحؔ یہ ایک موضع وادی حسین اور انصاب الحرم کے درمیان شاش سے مضافات مکہ میں داخلہ کے راستے پر آتا ہے۔ یہیں

فرزدق کی ملاقات حضرت حسینؑ سے ہوئی تھی۔اونٹوں کی قطاروں۔تلواروں اورڈھالوں کے ساتھ ''الیلامق'' کا ہونا اس امر کی قوی اور مزید دلیل ہے کہ حضرت حسینؑ کی روانگی ۱۰ ذی الحجہ کو بعد ادائے فریضہ حج ہوئی تھی اور روانگی کے ساتھ ہی سرکاری قافلہ کو مقام تنعیم پر ماخوز کرلیا تھا۔[۱۶]

ناظرین غور فرمائیں کہ عباسی صاحب یہ تسلیم کررہے ہیں کہ گو مکہ سے دمشق جانیوالا تنعیم کے راستے سے ہو کر جاتا ہے اور کوفہ کا جانے والا مکہ سے اسکے خلاف دوسری سمت کا راستہ اختیار کرتا ہے مگر اسکے باوجود امام صاحب جب سفر کوفہ کو روانہ ہوئے تو تنعیم ہوکر جو دمشق کے راستے پر ہے گئے۔اور قافلہ کو ماخوذ کرلیا۔مگر یہ اسوقت صحیح ہے جب امام حسینؑ کی روانگی ۱۰یا ۱۱ ذی الحجہ کو قرار دی جائے۔بہرحال عباسی صاحب کی ان تحریرات کا زور بیان محض ۱۰ ذی الحجہ کو سفر امام قرار دینا ہے یہی وجہ ہے کہ جناب نے فرزدق کی ملاقات کو بھی مسخ کر کے پیش کیا ہے۔مگر باوجود انتہائی کوشش احتیاط کے عباسی صاحب کے قلم سے ایک جملہ نکل گیا۔۔۔۔یعنی شاعر فرزدق کا بیان ہے کہ میں حج کرنے کے بعد عسفان چلا گیا تھا۔۔پھر فرزدق کا دوسرا بیان کہ میری ملاقات حضرت حسینؑ سے ارض الصفاح پر ہوئی تھی اور الصفاح کی یہ تشریح کی کہ یہ ایک موضع ہے وادی حسین اور انصاب الحرم (یعنی قریب حدود حرم) کے مابین ہے جو ہشاش سے مکہ میں داخلہ کے راستے پر آتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ۱۰ ذی الحجہ کو بعد ادائے حج فرزدق اتنی جلدی عسفان کیسے چلا گیا تھا۔۔۔۔؟ جو مکہ سے دمشق جاتے ہوئے چوتھی منزل پر ہے۔جیسا کہ جغرافیہ سے ظاہر ہے۔کیا عباسی صاحب اور ان کے نقیبوں نے اسپیشل طور پر راکٹ یا ہوائی جہاز کا انتظام کردیا تھا۔اگر وہ عسفان چلا گیا تھا تو پھر ارض الصفاح پر امام حسینؑ سے ملاقات کیسے ہوگئی تھی؟ جبکہ اس مقام کی تشریح کرتے ہوئے خود عباسی صاحب فرماتے ہیں کہ مقام الصفاح ایک موضع وادی حسین اور انصاب الحرم کے مابین ہے۔جو حشاش سے مکہ میں داخلہ کے راستے پر آتا ہے تو جناب کے اس بیان کے مطابق امام حسینؑ سے فرزدق کی ملاقات کوفہ کے راستے پر مکہ میں داخل ہوتے ہوئے ہونی چاہیے اور یہی صحیح ہے۔[۱۷]

یہ تھا عباسی صاحب کا جعل وفریب۔۔تحریرات دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عباسی صاحب نہ صرف ذھنی زوال کا شکار ہے بلکہ قلم اٹھانے کے وقت اتحاد واتفاق میں انتشار وافتراق کا بیج بونے کا مادہ بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔

اب دیکھئے کہ عراقی شاعر فرزدق کی ملاقات کہاں پر ہوتی ہے۔اس سلسلے میں علامہ ابن اثیر جزری تحریر کرتے ہیں۔

غرضکہ امام حسینؑ یوم ترویہ کو مکہ سے روانہ ہوئے۔عمر ابن سعید بن العاص نے جو یزید کی طرف سے حجاز کے امیر تھے اپنے بھائے یحییٰ کے ساتھ چند سوار بھیجے جو انہیں راستے میں ملے اور ان کے آگے بڑھنے میں مزاحم

ہوئے۔انہوں نے انکار کیا اور آگے بڑھتے چلے گئے نوبت بہ این جا رسید کہ طرفین میں مار پیٹ کی نوبت آئی۔ آخر امام حسینؑ اور ان کے ہمراہی غالب آئے اور آگے روانہ ہوئے راستے میں مقام تنعیم سے گذرے۔ یہاں امام حسینؑ نے ایک قافلہ دیکھا جو یمن سے آرہا تھا جسے بجیر بن علیان نے (جو یزید کی طرف سے یمن کا والی تھا اور اونٹوں پر درس (گھاس یا تخم) جس سے زرد رنگ نکالا جاتا ہے۔اور کپڑے لدے ہوئے تھے۔) یزید ابن معاویہ کی طرف روانہ کیا تھا۔امام حسینؑ نے اس قافلہ کو پکڑ لیا اور اونٹ والوں سے کہا کہ تم میں سے جو شخص ہمارے ہمراہ عراق جانا چاہتا ہے۔ہم اس سے پورا پورا کرایہ دیں گے اس سے حسن نیت سے پیش آئیں گے اور جو ہم سے علیحدہ ہونا چاہے گا ہم اسکے کرایہ کا حصہ ادا کر دیں گے۔ چنانچہ ان میں سے جو جدا ہو گئے ان کو انکا حق دیدیا اور جو ان کے ہمراہ روانہ ہوئے ان کو کرایہ دیا گیا اور پہننے کو کپڑے دیے۔ پھر وہاں سے روانہ ہوئے اور جب مقام صفاح پر پہنچے تو فرزدق شاعر ان سے ملا۔اس نے کہا کہ خدائے تعالیٰ آپ کی خواہش اور امید کو آپ کے دل خواہ عطا فرمائے۔امام حسینؑ نے اس سے دریافت کیا تم جن لوگوں کے ہاں سے آرہے ہو ان کی کیا خبر ہے۔۔۔۔؟ اس نے کہا آپ نے باخبر شخص سے حال پوچھا۔لوگوں کے قلوب آپ کے لئے ہیں مگر تلواریں بنوامیہ کے ساتھ ہیں۔الخ عبارت۔ [18]

اس تمام عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب مسلم ابن عقیل کی شہادت کے بعد فرزدق حسینؑ سے ملاقات کرتے ہیں اور حسینؑ قبل از حج ہی مکہ سے روانہ ہو گے ہیں اور صفاح مکہ مکرمہ کی وہ اختتامی منزل ہے کہ جہاں حسینؑ اور فرزدق کی ملاقات ہوتی ہے۔اسطرح یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ حسینؑ قبل از حج ہی مکہ سے نکلتے ہی اور فرزدق حج سے پہلے ہی مکہ میں داخل ہوتے ہیں۔نہیں تو اگر عباسی کا یہ مفروضہ تسلیم کیا جائے کہ حج کے بعد فرزدق عسفان چلا گیا اور اسکے بعد حسینؑ سے ملاقات ہوئی تو یہ سوال قدرتی طور ذہن میں آجائے ہیں کہ عسفان اگر چار منزل مکہ سے دور ہے اور حسینؑ بقول عباسی صاحب کے بعد ادائیگی حج مکہ سے نکلے تو فرزدق اتنی سرعت کے ساتھ کسطرح مقام صفاح پر پہنچ کر امام حسینؑ سے ملاقات کر سکے۔۔؟ دوسری بات جو اہم بھی ہے اور غور طلب بھی وہ یہ کہ فرزدق بغرض حج جا رہے ہیں۔لیکن عباسی کہتا ہے کہ بعد ادائیگی حج۔ یہ کتنا مغالط اور عباسی کی غلط بیانی ہے کہ ابھی حج ہی نہیں ہوا تو حج کے ایام سے پہلے حج کرنا کہاں کی سنت اور کہاں کا قرآن ہے۔کیا عباسی یا اسکے ہمنواؤں کا مذھب الگ راستہ اختیار تو نہیں کئے ہوئے ہے۔حضرت حج ۱۰ ذی الحجہ کو کیا جاتا ہے آٹھویں کو نہیں۔اور ملاقات قبل از حج ہوئی ہے اور یہ تاریخی مسلمات میں سے ہے۔لہٰذا تمہارا یہ مفروضہ کیونکر تسلیم کیا جائے۔

دوسرا شوشہ جو تم نے چھوڑا وہ یہ کہ'' مکہ سے کربلا تک تقریباً آٹھ سو عربی میل اور تقریباً ساڑھے نو سو میل انگریزی ہوتا ہے۔کسطرح اتنی سرعت کے ساتھ طے کیا گیا۔ ۲ محرم ہی کو قافلہ کربلا پہنچا۔جبکہ راستے کے مشکلات اور شدائد کے علاوہ وہ پانی، رسد اور دیگر اشیاء کا فقدان بھی تھا۔عباسی صاحب اس غلط نظریہ کے تحت وہ تاریخی حقائق

جھٹلانا چاہتا ہے جوارض طف پر دومحرم سے لیکر حسینؑ کے شہید ہونے تک بنوامیہ نے بصورت مظالم اہلبیت اطہارؑ پر کئے۔اس کا خیال یہ ہے کہ اتنی سرعت اور اتنی مسافت چونکہ دو متضاد چیزیں ہیں۔لہٰذا تقریباً ۱۰ محرم کو قافلہ کربلا پہنچتے ہی سرکاری فوج نے قتل کر دیا۔دیکھئے کہ یہ کتنی حماقت انگیز بات ہے کہ پایہ ثبوت کو پہنچنے والی حقیقتوں کو بیسویں صدی میں جھٹلایا جا رہا ہے۔

عباسی صاحب یہ بھی کہہ رہا ہے کہ ''جو شخص مکہ سے براستہ قادسیہ کربلا تک کا سفر اختیار کرنا چاہیے اسکو تیس منزلوں سے ضرور گذرنا ہے میں نے گذشتہ اوراق میں یہ واضح کر دیا ہے کہ حسینؑ ۸ ذی الحجہ کو بہ طرف کربلا روانہ ہوئے۔دومحرم کربلا پہنچنے والی روایت بھی حدتواتر تک پہنچا کے تحریر کر دی۔اسطرح کل ذی الحجہ کے ۲۲ اور محرم کے دو جمع کر کے ۲۴ دن بن جاتے ہیں۔عباسی صاحب نے تیس منزلوں کا ذکر بڑے شدومد سے پیش کیا۔لیکن یہ واضح رہے کہ جس منزل سے سفر کی ابتداء ہوا اسکے بعد آنے والی منزل کی پہلی منزل اور آخری منزل کی پہلی منزل کو آخری منزل قرار دیا جاتا ہے۔

مثلاً اگر زید سرینگر سے عراق تک کا سفر کرے۔نہ سرینگر منزل میں شمار کیا جائیگا اور نہ عراق کیونکہ سرینگر سے ابتداء ہوئی ہے اور عراق میں سفر کا اختتام ہوا ہے۔باقی درمیانی منزلوں کو ضرور شمار کیا جائیگا۔اس طرح عباسی کی قائم کردہ منزلوں سے دو منزلیں کم ہو جائینگی۔اب کل اٹھائیس منزلیں رہ گئیں۔اب آئیں دیکھیں کہ حسینؑ کا قافلہ کب کربلا پہنچنا چاہیے تھا۔

میں نے اسکا اندازہ لگایا ہے کہ حجازی اونٹ کی رفتار جو کارواں کی قطار میں بوجھ سے لدا چل رہا ہو معمولی حالت کے تحت ایک گھنٹہ میں دو جغرافیائی میل ہوتی ہے۔ریگستانی میدان یا چٹانی گھاٹی کے سفر میں البتہ آدھ میل کا فرق کم یا زیادہ پڑسکتا ہے مگر اس سے زیادہ نہیں۔[۱۹]

عالم اسلام کے مشہور سیاح شیخ ابن بطوطہ اپنے سفرنامے میں بیان کرتا ہے:

سرا سے ابن بطوطہ خوارزم کو چلا۔چالیس دن کی مسافت کا ایک صحرا طے کرنا پڑا چارہ کی قلت کی وجہ سے گھوڑے کام نہ دے سکتے تھے۔اسلئے اونٹ حاصل کرنے پڑے۔دس دن کے سفر کے بعد دریائے ادلوسو یورل ایک بڑی اور تیز ندی ہے۔بغداد کے پل کی طرح لوگ اس پر سے کشتیوں کے پل کے ذریعے گذرتے تھے۔ابن بطوطہ نے اونٹ کرایہ پر لئے تیس دن مسلسل چلنا پڑا دن میں صرف دو گھنٹے رُکتے تھے۔ایک گھنٹہ قبل ظہر اور ایک گھنٹہ مغرب کے وقت۔[۲۰]

اسکے بعد دوسری جگہ لکھتے ہیں۔ابن بطوطہ اپنے سفر بلغار کا ذکر کرتا ہے۔یہ شہر تیرہویں صدی عیسوی میں دریائے والگا کے بائیں کنارے کے قریب سنگم دریائے کاما چر سے کوئی آٹھ سو (۸۰۰) میل منگول سرداروں کے

علاقہ میں تھا دس روز میں طے کیا۔[۲۱]

ان تینوں بیانات کو سامنے رکھکر دیکھیں کہ حسینؑ نے کسطرح مکہ سے کربلا تک کی مسافت طے فرمائی:

اگر دن کے بارہ گھنٹوں میں سے ظہرین اور مغربین کی نمازوں کے لئے ایک ایک گھنٹہ کم کر دیا جائے اور مغربین کے بعد صرف چار گھنٹے سفر کو جاری رکھا جائے تو اسطرح کل صرف ۱۴ ہی گھنٹے بنتے ہیں۔یعنی صبح بعد از نماز تقریباً ٦ بجے آغاز سفر مانا جائے اور اور رات تقریباً ١٠ بجے تک سفر کو جاری رکھا جائے تو اسطرح سفر کرنے والے نے کل ١٦ گھنٹوں تک سفر کیا۔آرام اور نماز اور دیگر ضروریات کے لئے دو گھنٹے رکھ کر کل سفر کے ۱۴ گھنٹے بن جاتے ہیں۔

یہ تمہید زیر نظر رکھکر سر رچرڑ برٹن اور ابن بطوطہ کے بیانات کو سامنے لایئے۔اور وہ اسطرح :

کل مسافت = 950 میل (انگریزی مسافت)

بائیس دن میں اٹھائیس منزلیں

کل سفر فی گھنٹہ =3 میل (عربی میل)

کل گھنٹے جن میں سفر کیا=308 گھنٹے

308×3=924 اور یہی کل میل بھی ہیں۔

اسطرح بھی حسینی قافلہ ۲ محرالحرام ہی کو کربلا پہنچ جاتا ہے۔اب اگر صرف ابن بطوطہ کے سفر کی طرف دیکھا جائے تو حساب یوں بنتا ہے:

ابن بطوطہ نے اپنا سفر 800 میل کا دس روز میں طے کیا۔

یعنی جب ابن بطوطہ دن میں 80 میل سفر کرے تب ہی ١٠ دن میں 800 میل کی مسافت طے ہو سکتی ہے۔

حسینؑ کو کل 950 میل طے کرنے ہیں اور آپؑ کو ۲۲ روز لگ جاتے ہیں۔

تو کیا حسینیؑ قافلہ عباسی کے کہنے کے مطابق دن میں صرف ۴۳ میل بھی طے نہیں کر سکتا ہے۔۔۔؟ یاللعجب جبکہ ایک معمولی سیاح 80 میل آرام کر کے اور دیگر ضروریات کو بھی انجام دیکر طے کرتا تھا۔۔۔؟ اگر یہ سراسر تعصب نہیں ہے تو اور کیا ہے کہ حسینؑ سفر کریں اور بیسویں صدی میں عباسی حساب لگا کر یہ جتلانے کی کوشش کرے کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اتنی جلدی حسینؑ نے اتنی مسافت طے کی ہو۔یاللحسرت۔

لہٰذا اب یہ کہہ دیا جائے کہ حسینؑ اتنی سرعت کے ساتھ مسافت طے نہیں کر سکتے تھے۔دس محرم کو کربلا پہنچے پہنچتے ہی قتل کر دیے گئے۔کتنے حماقت آمیز خیالات ہیں۔آخر میں مولانا ضیا احمد صاحب بدایونی حنفی (ایم۔اے) سابق پروفیسر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے مضمون ''بنی امیہ کا ریکارڈ'' میں سے محقق سعدالدین تفتازانی کی نقل شدہ عبارت مندرج کر دی جاتی ہے۔ملاحظہ ہو:

"واتفقوا علی جواز اللعن علی من قتله او امر به او اجاز و رضی به و الحق ان رضا یزید بقتل الحسین واتبشاره بذالکُ واهانته اهل بیت البنیّ متواتر عندنا وان کان تفاصیله آحادا فنحن لانتوقف فی شانه بل فی ایمانه لعنته اللّٰه علیه وعلیٰ انصاره واعوانه"

"علماء اس شخص کی لعنت پر متفق ہیں جس نے سیدنا امام حسینؑ کو قتل کیا یا قتل کا حکم دیا ، یا اجازت دیدی اور راضی ہوا اور حق یہ ہے کہ یزید کا قتل حسینؑ پر راضی ہونا اور نبیؐ کے اہلبیتؑ کی اہانت کرنا۔معنی تو اسطرح سے ثابت ہے اگرچہ اسکی تفصیلات روایات احادیث سے آتی ہیں۔پس ہم اسکی حالت بلکہ اسکے ایمان کے بارے میں مطلق توقف نہیں کرتے۔اسپر اور اسکے مددگاروں اور یاروں پر خدا کی لعنت ہو۔

کیا عباسی کی کتاب یزید کی حمایت میں نہیں ہے۔کیا اسطرح محمود احمد عباسی،عبدالحلیم شرر اور مرزا حسرت دہلوی یزید کے یاروں اور مدگاروں میں نہیں آتے ہیں۔فیصلہ علامہ تفتازانی نے سنا دیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ معارف ابن قیتبہ ص ۹۴ ۲۔ معارف ص ۸۴ ۳۔ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۵۸

۴۔ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۹۶ ۵۔ مروج الذھب ج ۱ ص ۴۳۴ ۶۔ معارف ابن قتیبہ ص ۸۴

۷۔ عقد الفرید ج ۳ ص ۹۴ ۸۔ شرح ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۳۹ ۹۔ ایضاً حوالہ ص ۳۹

۱۰۔ مروج الذھب ج ۱ ص ۴۳۴ ۱۱۔ صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۱ ۱۲۔ شرح ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۳۹

۱۳۔ خلافت معاویہ ویزید، محمود احمد عباسی ص ۱۳۰

۱۴۔ آل محمد کربلا میں، ص ۱۰۵؛ زینب بنت زہراؑ محمد وارث کامل، ص ۱۵۵؛ اخبار الطّوال، ابی حنیفہ احمد بن واوٗد؛ اللھوف قتل الطفوف، ابن طاوٗس، ص ۳۳؛ مقتل ابی مخنف، ص ۳۶؛ الفصول الھمۃ ، ابن صباغ مالکی، ص ۱۷۲؛ تاریخ بنوامیہ، ابن اثیر جزری، حصہ اول ص ۱۴۱ مقتل الحسینؑ ، خوارزمی، الجزء الاول ص ۲۳۷؛ ابواشہداء، عباسی محمود العقاد، ص ۱۱۴؛ تاریخ طبری ، جلد ۶ ص ۲۳۳؛ مقتل حسینؑ ، عبدالرزاق المقرم، ص ۲۰۸؛ امامت وسیاست، احمد جعفری، ص ۲۳۸۔

۱۵۔ خلافت معاویہ ویزید ص ۱۲۸ و ۱۲۹ ۱۶۔ خلافت معاویہ ویزید ص ۱۲۹ تا ۱۳۱ ۱۷۔ ایضاً ص ۲۳۹ تا ۲۴۹

۱۸۔ خلافت بنوامیہ، حصہ اول ص ۱۳۱؛ تاریخ طبری، ج ۶ ص ۲۱۸؛ کامل ابن اثیر، ج ۳ ص ۱۶؛ مقتل الحسین، عبدالرزاق ص ۱۸۲؛ سیر الصحابہ، ج ۶ ص ۱۷۲

۱۹۔ سفر نامہ برٹن، سر رچرڈ ایف برٹن، ج ۲ حاشیہ ص ۲۲۴

۲۰۔ سفر نامہ ابن بطوطہ ص ۱۰۵

۲۱۔ سفر نامہ ابن بطوطہ ص ۹۳

فصل ۵

بیعت

طلب بیعت

کتنا بے باک تھا امیر شام کا یہ لاڈلا کہ بن دیکھے خطوط لکھنے شروع کر دئے۔ اور کتنا نڈر تھا یہ کہ اطراف عالم سے یکسر نظریں سمیٹ کر مدینہ پر مرکوز کر لیں۔ امیر شام کے دئے ہوئے عہدے کا سوا گت نہ کرتا تو اسکے سوا چارہ ہی کیا تھا۔ اب تو خلافت کی گیند بقول دادا جی ہاتھوں میں تھی۔ اب غرور تمرد اور سرکشی کا کیا کہنا تھا۔ ہاتھ پاؤں تو اچھی طرح پھیلائے ہوئے ملے۔ اب اور کیا پھیلانے کی ضرورت تھی۔ درباریوں پر قدر آفزائیاں کرنا، گراں مایہ باندیوں پر رنگ آرائیاں اور بنات شام کی شباب پرور انگڑائیاں بھی اگر چہ وقتی طور پر اسکو سکون پہنچا دیتی تھیں لیکن ہر لمحہ ہر آن اور ہر وقت مدینہ کا خیال ستا رہا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ کاش! حسنؑ کی طرح حسینؑ کو بھی زہر کا تلخ جام حلق میں انڈیلنے پر مجبور کیا ہوتا تو مجھے اس وقت سکون اور ابدی سکون مل جاتا۔ لیکن ایسا نہیں تھا لہٰذا اپنے عیش وعشرت کو دوام دینے کے زعم میں اس نے گورنر مدینہ ''ولید'' کو حسینؑ سے بیعت لینے کے متعلق خط لکھا اور وہ خط یہ تھا:

مـن عبـدالـلـه يزيد ابن معاويه او يزيد امير المومنين الیٰ وليد اما بعد فانّه معاويه كان عبـدٌ مـن عباد الله اكرمه الله بالولاية واستخلفه ومكن له معاش بقدرٍ ومات بأجلٍ فرحمه الله فـقـد عاش حميداً رضيًّا ومات بَرَ ا تقيًّا ويجبُ ان تأخذ اهل عملك الاصاغر منهم و الاكابر البرمنهم و الفاجر تجديداً لِبَيْعتِناٰ والانقياد لامرنا والتسارع الیٰ طاعتنا اخذً ا شديداً بلارُخصةٍ ولا تـاخيـر امـا بـعـد فـخـذ حُسيـناً وعبدالله ابن عمر و عبدالله ابن زبير بالبيعةِ اخذاً شديداً لَيست فيه رخصةٌ حتیٰ يُبايعوا ۔

ترجمہ: یہ خط بندہ خدا یزید ابن معاویہ (ویزید امیر المومنین) کی طرف سے فلاں کیلئے (یعنی ولید گورنر مدینہ) آگاہ ہو جاؤ! معاویہ خدا کے بندوں میں ایک بندہ تھا۔ خداوند کریم نے ان کو خلافت وامامت پر مکرّم ومشرف کیا تھا۔ انکی زندگی کی مقدار مقرر کی گی تھی اجل محتوم (حتمی) تک، خدا ان کے گناہ بخشدے۔ کیسی اچھی زندگی گذاری تھی کہ نیک پدھارا (چلا) اب میں ان لوگوں پر واجب کرتا ہوں کہ جو میری حکومت کے تحت ہیں، چاہے وہ صغیر ہو یا کبیر، نیک ہو یا بد، متقی ہو یا فاجر وہ میری بیعت کریں کہ جو ان پر امر وجوبی ہے۔ یہ لوگ بغیر کسی پس وپیش کے میری بیعت کا قلاوہ گلے میں ڈالیں۔ اس میں نہ کوئی مہلت ہی ہے اور نا ہی خلاصی۔

امابعد! حسینؑ ابن علیؑ، عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن زبیر سے بیعت لے لو اور سختی سے لے لو۔ ان کو تب تک مہلت نہ دو جب تک نہ یہ بیعت کریں گے[1]۔

فلما توفیٰ معاویه بن ابی سفیان وذالک رجب سنة ستین من الهجرة کتب یزید الی الولید بن عتبه وکان امیر المدینة بامره یاخذ البیعة علی اهلها عامة وخاصة علی الحسینؑ ویقول له ان ابیٰ علیک فاضرب عنقه وابعث اِلی براسه۔

رجب ۶۰ ہجری میں جب معاویہ مر گیا تو یزید نے گورنر مدینہ ولید بن عتبہ کو خط لکھا کہ وہ لے لے بیعت عام وخاص سے اور لکھا کہ اگر حسینؑ نے انکار کر دیا تو انکی گردن (معاذ اللہ) اُڑا دی جائے اور جواب کے ساتھ سر بھی بھیجدو[2]۔

کتب الی الولید بن عقبه کتاباً اوله اما بعد یا ابا محمد اذا قرأت کتابی هٰذا خذ البیعة علیهم من قبلک عامة وعلی هولاء الاربعة خاصه وهم عبدالرحمن بن ابی بکر وعبدالله ابن عمر وعبدالله ابن الزبیر والحسین ابن علیؑ وانفذ کتابی الیهم فمن لم یبایعک منهم فانفذ اِلی براسه مع جواب کتابی هٰذا والسلام۔

یزید نے ولید ابن عتبہ کو خط لکھا کہ اے ابو محمد خط پڑھتے ہی عام وخاص سے بیعت لے لو بالخصوص عبدالرحمٰن ابن ابی بکر، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن زبیر اور حسینؑ ابن علی کو کسی بھی صورت میں مہلت نہ دی جائے۔ جواب خط کے ساتھ سر بھی بھیجدینا[3]۔

محمد ابن جریر طبری نے بھی اس خط کو ساتویں جلد میں تحریر کیا ہے۔ ابن اثیر تحریر کرتے ہیں کہ یزید نے ولید بن عتبہ کو اول مرگ معاویہ سے آگاہ کیا اسکے بعد ان حضرات سے بیعت میں سختی برتنے کی ہدایت کی[4]۔

یہ تھے چند خطوط جن کو ہم نے اختصاراً یہاں ذکر کیا۔ ان کے نشیب وفراز دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید اب کسی بھی صورت میں حسینؑ کو بیعت کے بغیر چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اب چاہئے حسینؑ مکہ میں ہوں یا مدینہ میں گورنروں کو احکام قتل صادر ہو گئے۔ اب ان کو تامل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ لہٰذا ان خطوط کا تلخیصی جائزہ لیکر صرف دو ہی باتیں نکلتی ہیں۔

بیعت یا شہادت

بیعت کا سوال اسلئے پیدا نہیں ہوتا تھا کہ حسینؑ فسق کو تشہیر نہیں دے سکتے تھے۔ یعنی یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر خاموش رہ کر تماشائی بن جاتے جیسا کہ اسکی تشریح گذر چکی ہے۔

شہادت! یہ ایسی نعمت تھی کہ جسکی خواہش حسینؑ کو قدرتاً پیدا ہو گئی تھی اسلئے کہ مومن کا زیور شہادت ہے۔ اب

اگر کوئی مومن کامل ہوتو اسکی طلب کا کیا کہنا۔لہٰذا بیعت کی ذلت سے نکل کر حسینؑ نے شہادت کو ترجیح دی جو کہ آپکے اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ:-

الموت خیرٌ من رکوب العار   والعار اولیٰ من دخول النار

والله ما هٰذا او اهٰذا جاریٌ

ارتکاب عار سے موت بہتر ہے اور دخول نار سے عار بہتر ہے لہٰذا ذلت ممکن ہی نہیں ہے بلکہ موت خندہ پیشانی سے قبول کی جاسکتی ہے۔

موتٌ فی عزٍّ خیرٌ من حیواة فی ذُلٍّ

موت تو ہمارے لئے خیر ہے لیکن ذلت کی زندگی چہ معنیٰ دارد۔

لا واللّٰه لا اعطینّکُم بیدی اعطاءَ الذلیل والا اُفِرُّ فِراءَ والعبید.

قسم بخدا میں اپنا ہاتھ ناہی یزید کے ہاتھ میں دیدوں گا اور ناہی اس طرح بھاگوں جس طرح ذلیل غلام بھاگ جاتا ہے۔[☆]

اس عزم وارادے کے مالک کو اب یزید کہے کہ میری بیعت کروتو یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہوگی۔مگر یزید اور اسکے گورنروں کو حرص وہوا اور حب جاہ کے دبیز پردے نگاہوں پر پڑے تھے۔یہ کاغذی فرمان ایک دوسرے کو لکھتے تو تھے لیکن اس فرمان کے نتائج سے قطعی بے بہرہ تھے۔ان کو کیا معلوم تھا کہ بنی اُمیہ کی عمارت حسینؑ کے اگلے اقدام سے بیخ وبن سے اُکھڑ جائے گی اور اس قصر رفیع کی دیواروں کی چولیں ہل کے رہ جائیں گی جو یکے بعد دیگرے اصحاب رسولؐ واولاد رسولؐ کے خون سے تعمیر کیا گیا ہے۔غرض فرمان تھا اس پر عمل کرنا لازمی تھا۔اور بقول احمد عباسی امر وجوبی تھا سرتابی کی گنجائش نہیں تھی۔لہٰذا گورنر مدینہ نے مروان ابن حکم کو گورنر ہاوس میں بلایا اور اِس سے اس معاملے میں گفتگو شروع کردی کہ بیعت کس طرح حسینؑ سے لی جائے۔

گورنر ہاؤس

مروان بن حکم جو خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ ابن عفان کا داماد تھا، دولت وثروت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا[☆☆] کو ولید نے گورنر ہاوس میں بلاکر مندرجہ ذیل خط دیکھایا۔

’’حسینؑ ابن علی، عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن زبیر سے بیعت لو اگر یہ انکار کریں تو انکے سر قلم کر کے دمشق بھیجدو‘‘[۵]۔

---

[۱] یہ آخری فقرہ حسینؑ نے کربلا میں فرمایا ہے۔یہاں بوجہ مناسب اندراج کر دیا گیا۔

[۲] ملاحظہ ہو تاریخ الکامل لابن اثیر ج ۳ ص ۴٦ وطبقات ابن سعد نے امام زہری سے روایت نقل ہے کہ ۵ لاکھ دینار مروان کے حق میں لکھے گئے کتب المروان ج ۳ ص ۴٦۔

اسکے بعد کہا کہ بتاؤ اب تمہاری کیا رائے ہے۔

مروان: درنگی کی کیا بات ہے۔ ولید ابھی ان کو بلا کر بیعت لے لو کیونکہ تمہیں تو بخوبی معلوم ہے کہ ابن عمر تنہائی پسند ہے۔ان سے لڑائی جھگڑے کا کوئی بھی خطرہ نہیں ہوسکتا ہے۔اسلئے اگر ان کے بارے میں توقف بھی کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔رہ گئے حسینؑ اور عبداللہ ابن زبیر ان کو اسی وقت بلالاؤ اور ان سے فالفور بیعت لے لو۔ اگر بیعت کی تو بہتر والاّ ان کی گردنیں اُڑا دو''۔

ولید نے یہ سن کر عبداللہ ابن عمر ابن عثمان کو جو اس وقت ابھی چھوٹا تھا مروان کے کہنے پر حسینؑ اور ابن زبیر کو بلانے بھیجا۔ یہ دونوں اس وقت مسجد میں تھے۔عبداللہ نے ان کو ولید کا پیغام سنایا۔

جناب امام حسینؑ نے یہ پیغام سنکر اپنے اصحاب سے فرمایا اپنے ہتھیار زیب بدن کرو اور فرمایا ولید نے مجھے اس وقت بلایا ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہ مجھے اس امر پر مجبور کرے گا کہ میں اسکو قبول نہیں کروں گا۔اور میں اس سے ایمن نہیں ہوں۔تم سب میرے ساتھ چلو اور جب میں اسکے گھر میں داخل ہو جاؤں تو تم سب دروازے پر مسلح کھڑے رہنا۔اگر میری آواز بلند ہوئی تو تم بے تامل اندر چلے آنا تا کہ اس کے شر سے مجھے محفوظ رکھو[۶]۔

اسکے بعد آپؑ اندر(گورنر ہاؤس) میں داخل ہوئے۔مروان اس وقت ولید کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔امام حسینؑ نے فرمایا۔اتفاق نفاق سے اور صلح فساد سے بہتر ہے(یہ صرف مولف کا ذاتی خیال ہے) یہ کہہ کر آپ بیٹھ گئے۔ ولید نے ان کو یزید کا خط سنایا اور امیر معاویہ کے انتقال کی خبر دی۔ان کو بیعت کیلئے کہا۔امام حسینؑ نے امیر معاویہ کی خبر موت سنکر فرمایا۔اناللہ و انا الیہ راجعون اور کہا بیعت کے متعلق مجھے یہ کہنا ہے کہ مجھ جیسا آدمی اس طرح خفیہ بیعت نہیں کیا کرتا اور نہ مجھے خفیہ طور پر پاداش عمل دی جاسکتی ہے۔اگر آپ باہر نکل کر لوگوں کے پاس جائیں اور ان کو اور ہم کو ساتھ بیعت کی دعوت دیں تو یہ امر بالکل ایک سا ہو گا۔ولید(جو امن و عافیت کا دلدادہ تھا) نے کہا۔اچھا آپ تشریف لے جائیں۔یہ سنکر مروان ولید سے کہنے لگا کہ اگر یہ اس وقت آپ کے پاس سے چلے گئے اور بیعت نہ کی تو آپ ان پر قادر ہونے کے لئے ایسا وقت نہ پائیں گے۔تاوقتیکہ آپ اور ان کے درمیان بہت سے آدمی قتل نہ ہولیں۔ان کو قید کردیجئے۔اگر یہ بیعت کرلیں تو خیر ورنہ ان کو قتل کردیجئے۔امام حسینؑ یہ سنکر یکبارگی کھڑے ہو گئے اور کہا''او گربہ چشم عورت کے بچے!'' تو مجھے قتل کریگا کہ وہ؟ بخدا تو جھوٹا اور بدبخت ہے۔پھر وہاں سے روانہ ہو کر اپنے مکان کو چلے گئے۔مروان نے ولید سے کہا کہ آپ نے میری بات نہ مانی۔خدا کی قسم آپ کو ان پر قبضہ کرنے کا اِس سے بہتر ابد تک کوئی وقت نہ ملے گا۔ولید نے جواب دیا۔خیر آپ اپنے قافلے کو بچائے۔خدا کی قسم! مجھے یہ خواہش نہیں ہے کہ دنیا کے تمام مال و متاع اور اسکے ملک و دولت پر جس پر آفتاب غروب وطلوع ہوتا ہے میں ہی قابض ہو جاؤں۔میں نہیں چاہتا کہ میں حسینؑ کو صرف اس وجہ سے قتل کروں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ میں بیعت نہیں

کرتا۔ بخدا کہ میں سمجھتا ہوں کہ قیامت کے دن خدائے تعالیٰ کے سامنے حسینؑ کے خون کے باب میں جس شخص کا محاسبہ کیا جائے گا وہ خفیف المیز ان ہوگا۔ مروان نے کہا ہاں تم ٹھیک کہتے ہو اصلیت یہ ہے کہ مروان نے کہنے کو تو یہ فقرہ کہہ دیا مگر دل میں ولید کی رائے کو پسند نہ کرتا تھا[ے]۔

اور تاریخوں میں مندرجہ ذیل طرق سے بھی یہ گفتگو وارد ہوئی ہے ملاحظہ ہو۔

قال الحسین و ان البیعة تحسن من مثلی لمثل یزید ان تکون علانیة وبملاءٍ من الناس اولی ان توجل الی موعدٍ اجتماع الناس فی المسجد

مجھ جیسے شخص کی یزید جیسے شخص کی بیعت بہتر ہے کہ اعلانیہ مجمع میں ہو۔ پس کوئی وقت مقرر کر کے لوگوں کو مسجد میں جمع کرالو۔

انی لا ارائک تقنع ببیعتی سراً حتیٰ ابایعه جهراً

میں یہ مناسب نہیں سمجھتا ہوں کہ تم میری خفیہ بیعت پر قناعت کرو یہاں تک کہ میری بیعت کا اعلاناً اقرار نہ ہو (یعنی مجمع عام میں)[۸]

اب سوال یہ ہے کہ گورنر ہاؤس کے بعد کیا بیعت ہوئی بھی کہ نہیں؟ اس سوال کا جواب فقط کربلا کا خونچکاں سانحہ ہی کافی وشافی ہے۔ اسلئے کہ اگر بیعت کی گئی ہوتی تو کربلا اگر واقعہ بھی ہوا ہوتا لیکن اتنا رونگھٹے کھڑا کر دینے والا نہیں ہوتا۔ بس اتنا کچھ ہوتا جتنا معاویہ کے زمانے میں اہل بیت طاہرین اور ان کے شیعوں پر ہوا۔ گو کہ یہ زمانہ بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے کچھ کم نہیں ہے لیکن بہرحال اسکو مبتداء کی خبر اور خبر کو مبتداء قرار دیکر واقعہ کربلا کو آخری اور مہیب خبر ہی کہا جائیگا۔

حسینؑ کے نکلنے کے بعد کہتے ہیں کہ مروان بے چینی سے رات گذارنے لگا یہاں تک کہ صبح ہوئی۔ جب آفتاب عالمتاب نے شب کی سیاہی اپنے اندر کی کرنوں سے دھوڈالی تو امام حسینؑ اپنے دولت کدہ سے نکلے تا کہ یہ معلوم کریں کہ اہالی مدینہ پر کیا گذری۔ راستے میں مروان بن الحکم ملا۔ اس واقعہ کو علامہ مجلسی نے بحارالانوار میں تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''واصبح الحسینؑ علیه السلام فخرج من منزله یستمع الاخبار فلقیه مروان فقال له یا ابا عبدالله انی لک ناصح فاطعنی ترشد فقال الحسینؑ وما ذاک قل حتیٰ اسمع فقال مروان انی امرک ببیعة یزید بن معاویه فانه خیر لک فی دینک و دنیاک فقال الحسینؑ انا لله وانا الیه راجعون و علی الاسلام السلام اذ قد بلیت الامة براع مثل یزید ولقد سمعت جدی رسول الله یقول الخلافة محرمة علیٰ اٰل ابی سفیان''

ترجمہ: امام حسینؑ صبح کو اپنے عصمت کدہ سے باہر نکلے تاکہ خبریں معلوم کریں۔ پس آپ کی ملاقات (راستے میں) مروان سے ہوئی۔ مروان نے کہا: اے ابوعبداللہ! میں آپ کو ایک مشورہ دیتا ہوں، میری باتیں مان لیجئے۔ اس میں آپ کی بھلائی ہے۔ امام حسینؑ نے فرمایا کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ میں بھی سنوں تو۔ مروان نے کہا کہ میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ آپ یزید ابن معاویہ کی بیعت کریں۔ اس میں آپ کی دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ امام حسینؑ نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسلام کا خدا حافظ۔ آج یزید جیسے اوباش کے ذریعے اُمت مسلّم کی آزمائش کی جارہی ہے۔ میں نے اپنے نانا محمد رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ خلافت اولاد ابی سفیان پر حرام ہے[9]۔

قال رسول الله ان ابنی هٰذا یعنی الحسین یقتل بارض من ارض العراق یقال لها کربلا فمن شهد ذالک منکم فلینصره ۔یعنی میرا فرزند حسینؑ قتل کیا جائے گا عراق کی زمین میں جسکو کربلا کہتے ہیں اس وقت جو بھی موجود ہو اسکو چاہئے کہ وہ حسینؑ کی مدد کرے[10]۔

اس حدیث میں تو امداد کا بھی ذکر فرمادیا گیا ہے۔ یعنی اسلام کے اُفق پر جب ابر وظلمت کی گھنگور گھٹائیں چھانے کو آجائیں گی تو ہر کلمہ گو پر فرض ہے کہ وہ ان کو برسنے سے روکے۔ کہیں ان کا برسنا لوگوں کو گمراہ نہ کرے اور ساتھ ساتھ اس امر کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ حسینؑ کو قائد بنایا جائے اور اسکے پرچم تلے اس کفر وظلمت کا مقابلہ کیا جائے۔ کیونکہ انکی قیادت صحیح اور دوررس ہوگی۔ صرف یہی کفر واسلام کی صحیح حد کا تعین کرسکتے ہیں لہٰذا اب دیکھا جائے کہ جناب رسالتمابؐ کے اس ارشاد کی تعمیل کس کس نے کی۔

وقت آیا۔ کفر پورے شباب پر آگے بڑھنے لگا۔ اسکی ہر انگڑائی زہر ہلاہل بنتی جارہی ہے۔ وہ افراد جن کی پیشانیوں کو انگنت خداؤں سے گھر کے دہلیزوں سے اُٹھا کر خدائے واحد کے سامنے جناب رسالتمابؐ نے جھکوادیا تھا اب اپنی پرانی روش کی طرف بڑی تیزی کے ساتھ گامزن ہونے لگے۔ وہ تہذیب جس سے امن وسلامتی کے عنوان بنتے تھے اب رجاء وبیم بن کے رہ گئی۔ مانا کہ نپولین بوناپارٹ، ہٹلر وچنگیز نام نہیں تھا لیکن کردار میں یکرنگی تو تھی۔ ان افراد نے توسیع ملک کے بغیر اور کوئی نظریہ ہی پیش نہیں کیا۔ یہ جہاں جاتے تھے ماردھاڑ کرکے واپس لوٹتے تھے۔ انکا سطح نظر اگر کچھ تھا تو مملکت کی وسعت تھی۔ لیکن ہائے اسلام! جس کسی نے بھی تیری جلوہ نمائیوں کا ڈھنڈورا پیٹا یہ سب بے جا تفوق اور ذاتی برتری کیلئے تھا۔ تیرے تخت سے اُترنے والے جہاں گئے وہ زن، زر اور زمین کو بھی سمیٹ کے لے گئے۔ جہاں دولت دیکھی تو لوٹ کر بیت المال کا اضافہ کردیا۔ جہاں بہتا شباب دیکھا، حرص وہوا کے بھینٹ چڑھایا۔ آج تیرے سپوت کبھی مشرق میں دوڑ رہے ہیں اور کبھی مغرب میں۔ تیرے ہی تو اولاد تھے ابوعبداللہ جس نے اسلامی تہذیب کی ہر قندیل کو اسپین میں بجھا کے رکھدیا۔ کیا اسی تعلیم کو کو تو نے پیش کیا تھا۔ یہ لاکھوں بندگان خدا بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کرنا کس جرم کی پاداش میں ہے۔ یہ تو بہت دور نکل آئے۔ ۶۱

ہجری ہی لے لیں۔ ابھی تو رسولؐ اللہ کو زیادہ عرصہ بھی انتقال کئے ہوئے نہ گذرا۔ یہ فرامین، یہ ابروؤں کے اشارے، یہ زہد شکن ادائیں کیا عین اسلام ہیں۔ اسلام تو پھٹی قبا اور پھٹے بوریے میں ہمیں نظر آ رہا تھا۔ یہ کوئی مادی چیز تو نہیں تھی کہ وقت کے مزاج کے بدلنے کے ساتھ اسکا مزاج بھی بدلتا جاتا غرض کہاں تک لکھا جائے اور کیا کیا لکھا جائے۔ تو یہ وجوہات تھے جن کی وجہ سے حسینؑ بے چین ہوگئے۔ کرتے صلح تو اسکا اندازہ ہو چکا تھا کہ معاویہ نے حسن مجتبیٰؑ کے احتجاج کے باوجود صلح نامے کی دھجیاں اُڑا دیں۔ لہٰذا صلح کا دامن تنگ تھا۔ اِس سے تو فسق پورے آب وتاب کے ساتھ آگے بڑھتا جو حسینؑ کے لئے کسی بھی صورت سے گذرا نہیں تھا۔ تو کرتے بیعت۔ اسکے نتائج ہم لکھ چکے ہیں کہ نہیں ہوسکتی ہے۔ اسلئے کہ بعد بیعت یزید کو فسق و کفر، ظلم وتشدد کی تشہیر کا اچھا خاص موقعہ مل جاتا۔ لہٰذا Allegiance کا سوال ہی مہمل اور بے بنیاد تھا۔ اب خاموش رہ جاتے تو اگر اسلام کے ستون یکے بعد دیگرے منہدم ہوتے رہتے۔ ماں بہنوں کا نہ صرف دمشق میں نکاح محرمات کے ساتھ جائز قرار دیا جاتا تھا بلکہ مدینہ اور مکہ بھی اسکی لپیٹ میں آ جاتے۔ تو آج دنیا والے یہی کہتے کہ کیسا نواسہ تھا رسولؐ کا کہ بربادی اسلام دیکھ کر ٹس سے مس نہیں ہوا اور اپنے فرائض سے خاموشی سے سبکدوش ہوگیا۔ اور کیا روزِ محشر محمد رسولؐ اللہ حسینؑ سے یہ سوال نہ کرتے کہ بیٹا! میرے لائے ہوئے دین پر جب مسلسل آفتیں آ رہی تھیں، منبع کفر سے کفر کی رو اسلام کے شاداب پانی کو جب گدلا کر رہی تھی تو تمہاری غیریت وحمیت کیا ہوئی۔ کیا میری محنتوں کا پھل یہی تھا کہ تم تماشائی بن بیٹھے۔ کیا اسی لئے میں نے تمہیں آغوش میں پالا تھا کہ میرا دین بربادیوں میں ہاتھ پیر مارے اور تم دیکھتے رہو۔ اسلام کی عظمتوں کا چہرہ شرک کی چھینٹوں کا مقابلہ کرے اور تم کچھ نہ کرو۔ بتاؤ حسینؑ جواب دو۔ کیا یہ سب کچھ تمہاری موجودگی میں ہوا۔

ان تمام چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حسینؑ ابن علیؑ پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ اس تند وتیز طوفان کے مقابلے میں بے جان تنکے کی طرح نہیں بھرتا، ڈوبتا اور بہتا ہے بلکہ ایک ایسی غیر متزلزل چٹان کی طرح کھڑے ہوجاتے جو اسکا رخ اور اسکی تندی کو یک سر موڑنے پر مجبور کر دیتی اور اس طوفان کو اس طرح موڑتے کہ یہ دربار دمشق کے مٹکوں میں آخری سانس لیکر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ناپید ہوجاتا۔ لہٰذا آپ عزم وہمت کی تلوار لیکر ضیغم کا جگر اور شاہین کا تجسس لیکر میدان عمل میں اس طرح کود پڑے کہ تاریخ نے اسلام کی ابتداء آپ سے شروع کر دی اور قرآن فہمی کی گتھیاں آپ کی شہادت کے بعد سلجھنی شروع ہوگئیں۔

رمز قرآن از حسین آموختیم   ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم

اقبالؔ

امداد میں وہ افراد بھی آ جاتے ہیں جن سے طلب بیعت کیا گیا تھا۔ آپ آگے چل کر دیکھیں گے کہ انکا امداد کے بارے میں کیا رویہ رہا۔ کہتے ہیں کہ وہ کر نہیں سکتے تھے امداد۔ اسکی کیا وجہ تھی؟ یہ بتانے سے معترضین قاصر ہیں

اور پھر جب پوچھتے ہیں تو حدیث کی رو سے انکا کیا درجہ ہوگا، تو طویل سکوت، جو نا ہی جواب ہوسکتا ہے اور نا ہی انکی عدم امداد کے جواز پر کوئی دلالت۔ اگر چہ یہ صحابہ کبار کے فرزندار جمند بھی ہیں لیکن بہر حال حسینؑ کے رتبے سے یہ کم ہیں۔ پیغمبرؐ نے جس طرح اپنے وقت میں بڑے بڑے اولوالعزم افراد کی آزمائش فرمائی تھی اسی طرح آج فرمار ہے ہیں۔ اور یہ بات بھی یہی ہے کہ اسلامی مصیبت پر ان تمام کا مشترکہ اقدام کرنا تھا تا کہ یزیدی فوج سے اچھی طرح نپٹ لیا جاتا اور دنیا والے یہ نہ کہتے کہ صحابہ کبار کے بیٹوں نے غیر جانبداری سے کام لیکر کچھ اچھا نہ کیا۔ یہ ان کے گھر بیٹھنے کو یہ مطلب نہ نکالتے کہ ان کی گوشہ نشینی حسینؑ کے اقدام سے بدرجہ اولیٰ بہتر ہے۔ ان غلط فہمیوں کا جواب ہم اگلے صفحات میں دینگے تا کہ ازالہ شک اور حالات حاضرہ کی صحیح کیفیتوں کا جائزہ اچھی طرح سے ہو سکے۔

وجہ ثانی:- ہٹ دھرمی اگر نہ ہوتی تو ہم پہلا ہی جواب کافی سمجھتے لیکن رفع ہٹ دھرمی کیلئے چند تاریخی حقائق پیش ناظرین کئے جاتے ہیں۔

۱) جب امام حسینؑ نے مقصد سفر فرمایا اور رخت سفر باندھا تو آپ کو بہت لوگوں نے منع کیا۔ ان منع کرنے والوں میں انکے بھائی محمد بن حنفیہ، ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ بھی تھے۔ مگر حضرت حسینؑ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرتؐ کو خواب میں دیکھا ہے۔ آپ نے مجھے جس بات کا حکم دیا ہے۔ اسکو میں کر کے ہی رہوں گا۔ چنانچہ اسکے بعد آپ عراق چلے گئے[۱۱]۔

۲) **قال انی رایت رویا رایت فیھا رسول اللہ و امرت فیھا بامرنا ماض لہ علی کان اولیٰ فقال ما تلک الرویا قال ما حدثت بھا احداً و ما انا محدث بھا احداً حتیٰ القیٰ ربی۔**

آپ نے (لوگوں کے کہنے پر فرمایا) میں نے خواب میں جناب رسول خداؐ کو دیکھا جس میں آپ نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے جسکو میں کسی بھی صورت میں ترک نہیں کرسکتا ہوں، خواہ اس میں میرا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ لوگوں نے پوچھا وہ خواب کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا نہ میں نے آج تک یہ خواب کسی سے بیان کیا ہے اور نا ہی آئندہ کروں گا یہاں تک کہ اللہ سے ملاقات نہ کروں[۱۲]۔

یہ تو متفق علیہ فیصلہ رہ چکا ہے کہ **من رآنی فی المنام فقد رانی ان الشیطان لا یتمثل بصورتی** جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے حقیقت میں مجھے دیکھا اسلئے کہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا ہے[۱۳]۔ اس اعتبار سے مجھے مجال انکار کا کیا سوال؟ عدم تعمیل حکم رسولؐ کا درجہ جو کچھ بھی کلام مجید نے بتا دیا ہے وہ تو عیاں ہے۔ کیا حسینؑ حکم رسولؐ سے انحراف کرتے؟ جواب جب نفی میں ہے تو لازمی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حسینؑ کو حکم رسولؐ کی تعمیل کرنی چاہئے تھی جو کی۔

بھائی بھائی

محمد حنفیہؓ نے جب سنا کہ حسینؑ مدینے سے کوچ کرنا چاہتے ہیں تو فوراً آئے اور اپنے بھائی سے یہ گفتگو کی :

اے میرے بھائی! تم سے زیادہ مجھے اور کوئی پیارا نہیں ہے۔ تم سے زیادہ میں کسی کو عزیز نہیں رکھتا ہوں اور نا ہی میں تمام خلق خدا میں کسی کو اس قابل سمجھتا ہوں کہ تم سے زیادہ اسکی خیر خواہی کروں۔ تم سے جہاں تک ہو سکے ضرور یزید کی بیعت سے اور دیار مصر سے الگ رہو۔ لوگوں کے پاس اپنے قاصد بھیج بھیج کر ان کو اپنے لئے دعوت دو (تا کہ اتمام حجت ہو جائے) اگر وہ تم سے بیعت کر لیں تو اس پر خدا کا شکر کرو۔ اگر وہ تمہارے سوا کسی اور پر اجتماع کریں تو اِس سے نہ تمہارے دین یا تمہاری عقل میں کچھ نقص لازم آتا ہے اور نہ تمہاری مروت وفضیلت میں کچھ فرق پڑتا ہے۔ مجھے یہ خوف[☆] ہے کہ تم ایک شہر اور جماعت کے پاس جاؤ گے وہ تمہارے بارے میں اختلاف کریں گے۔ یعنی ان ہی سے ایک گروہ تمہارے ساتھ ہوگا اور ایک تمہارے خلاف۔ ہوتے ہوتے ان میں جنگ و جدل کی نوبت پہنچے گی اور تم سب سے پہلے نیزے کی آماجگاہ بنو گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اس اُمت کے لوگ کیا بہ لحاظِ نفس اور کیا بہ لحاظ مادر پدر کسی ایسے شخص کا انتخاب کر سکیں گے جو سب سے زیادہ خونریز اور بہ لحاظِ خاندان سب سے زیادہ ذلیل ہوگا۔ امام حسینؑ نے پوچھا کہ تم ہی بتاؤ میں کہاں جاؤں۔ کہا تم مکہ جاؤ۔ اگر تم کو وہاں گھر میں اطمینان ہو تو اس سے کوئی نہ کوئی سبیل پیدا ہو جائے گی اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر ریت کے میدانوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں پھرتے رہنا اور یہ دیکھتے رہنا کہ لوگوں کا کیا حال ہے اور کیا رنگ بدلتا ہے۔ تا آنکہ تمہارے باب میں لوگوں کی رائیں متفرق ہو جائیں۔ کیونکہ درستی رائے کی بہترین صورت اور عزم وعمل کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ امور کی آئندہ صورت کا مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا کرو۔ ورنہ امور کی گذشتہ شکلوں کے دیکھنے اور ان پر رائے قائم کرنے سے کبھی وہ بہترین صورت میں نمودار نہیں ہوا کرتے۔ امام حسینؑ نے جواب دیا۔ بھائی تم نے خیر خواہی اور شفقت سے کام لیا ہے اور مجھے اُمید ہے کہ انشاء اللہ تمہاری رائے عمدہ اور موافق ثابت ہوگی۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے یزید ابن مفرغ کے یہ اشعار بطور تمثیل پڑھے۔

''مجھ سے ظلم اور ذلت سے سلوک کیا جائے گا اور موت بھی تاک میں ہو۔ اُس وقت معرکے سے اگر میں سرک جاؤں تو یزید (ابن مفرغ) اپنا نام نہ رکھوں اور صبح کو شفق کے وقت لشکر کشی سے اور اونٹوں کے چونکانے سے

---

[1] یہ تو محمد حنفیہؓ کا ذاتی خیال ہے۔ اگر چہ یہ بھی جناب امیرؑ کے فرزندوں میں سے تھے لیکن حسینؑ کے رتبے اور منزلت کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں تھے۔ کیا حسینؑ نہیں جانتے تھے کہ جہاں میں وارد ہو جاؤں گا وہاں کے لوگوں کا کس پل کیا ہوگا؟ ضرور معلوم تھا لہٰذا اس عبارت سے یہ مطلب نکالنا کہ محمد حنفیہؓ دور رس تھے اسلئے نتائج سے آگاہ کیا لہٰذا حسینؑ کو رکنا چاہئے، جیسا کہ محمود احمد عباسی کا دعویٰ ہے غلط ہوگا۔ اسلئے کہ حسینؑ کا اقدام احکام رسولؐ کے عین مطابق تھا۔ ان کو معلوم تھا کہ محمد حنفیہؓ جو کچھ بھی کہتے ہیں صحیح کہتے ہیں اور یہ بھی ان کو معلوم تھا کہ اس میں برادرانہ شفقت ہر پہلو سے چھلکتی ہے لیکن حسینؑ کا طائر خیال جہاں تھا وہاں محمد حنفیہؓ کی پہنچ مشکل ہی نہیں ناممکن تھی۔

محروم رہوں''اوراسکے بعد مسجد میں داخل ہوئے[۱۳]۔

یہ تھی وہ گفتگو جو دو بھائیوں کے درمیان ہوئی۔اس عبارت کو پڑھ کر کیا یہی نتیجہ اخذ کیا جائیگا کہ محمد ابن حنفیہ نے حسینؑ کو روکنا چاہا لیکن حسینؑ رکے نہیں۔کیا محمود احمد عباسی کا یہ کہنا فریب نہیں ہے کہ حسینؑ کو تو روکنا چاہا تھا لیکن ضدیت کی وجہ سے یہ کسی کی مانتے ہی نہیں تھے۔محمد حنفیہؒ نے تو حالات حاضرہ پر تبصرہ کر کے بات کو اور بھی صاف کر دیا۔معلوم ہوتا ہے کہ ظلم کی تشہیر اس قدر بڑھ گئی تھی کہ حال و مستقبل کے خدوخال کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں رہ گیا تھا۔اور دوسری بات یہ تھی کہ محمد حنفیہ نے تو بھائی کی طرح بھائی کو زمانے کے مدوجذر سے آگاہ کیا جو اس کا فرض تھا اور محمد ابن حنفیہؒ کی گذارش کے بعد حسینؑ نے جو یزید ابن مفرغ کا شعر بطور تمثیل کے پڑھا اس میں حسینؑ کے اگلے اقدام کی نوعیت کو از قبل ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔کس طرح اس شعر کے لفظ لفظ سے عزم و ہمت ٹپکتی ہے۔لہٰذا حسینؑ نے جو بھی قدم اُٹھایا وہ زمانے کی بددیانتی اور بے رخی دیکھ کر اُٹھایا اور یہ صحیح تھا۔

حوالہ جات

۱۔ ناسخ تاریخ ج اول درحالات سید الشہدا ءص ۳۸۱
۲۔ الہوف فی قتلی الطفوف، طاوٗس ص ۱۰
۳۔ مقتل ابی مخنف ص ۱۱
۴۔ ابن اثیر حصہ اول ص ۱۰۹
۵۔ حبیب السیر ج اول ص ۲؛ مقتل ابن نما، طہ بمبئی، ص ۹
۶۔ بحار الانوار حصہ اول ص ۱۴۲
۷۔ تاریخ الکامل، ابن اثیر جزری حصہ اول ص ۱۱۱ (ترجمہ اُردو)
۸۔ نہضۃ الحسینؑ، ھبۃ الدین الحسینی، ص ۲۴ طہ بغداد؛ مقاتل العوام، عبداللہ بن نوراللہ ص ۵۲ طہ طہران؛ آل محمد کربلا میں، ابوعمر النصر ص ۸۱ طہ لاہور۔
۹۔ لہوف ص ۱۰؛ بحار الانوار ج ۱۰ ص ۱۷۲
۱۰۔ ماثبت من السنۃ ص ۱۱
۱۱۔ تاریخ خمیس ج ۲ ص ۳۳۲؛ ترجمہ اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۷
۱۲۔ تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۱۹
۱۳۔ ترجمہ الکامل ابن اثیر حصہ اول ص ۱۱۱۔۱۱۲؛ بحار الانوار حصہ اول ص ۱۴۶ ترجمہ۔

گنبدِ خضراء

جب مدینہ کے درودیوار ابن علیؑ کے دشمن ہو گئے، آپ پر کڑی نگرانی رکھی گئی۔ خطوط دربار خلافت سے ولید ابن عتبہ گورنر مدینہ کوارسال ہوتے گئے کہ ”ممتاز افراد میں ان کی فہرست بھیجو جو قلادہ بیعت گلے میں ڈال چکے ہیں اور ساتھ ساتھ حسینؑ ابن علیؑ کا سر بھی ہو“۔ حسینؑ نے دیکھ لیا کہ نانا کے شہر کے بسنے والے ان فرامین سے کچھ ڈھیلے پڑھ گئے تو آپ نے مدینہ سے کوچ کی تیاری فرمائی۔ تیاری سے پہلے آپؑ نے اپنے نانا کے مرقدِ مبارک پر جانا اپنے لئے باعث سعادت سمجھا اور جانتے تھے کہ نانا کے روضے کی آخری زیارت ہے۔ پلٹ کر نہیں آنا ہے لہٰذا آپ نہایت ہی محزون و مغموم جناب رسالتمابؐ کے روضے میں داخل ہوئے اور عرض کیا:

”السلام علیک یا رسول اللہ انا الحسینؑ بن فاطمة فرخُکَ و ابنُ فرخِکَ و سِبطک الذی خلفتنی فی اُمّتک فاشهد علیهم یا نبی الله انّهم قد ضیَّعُوُنی وَخَذَ لُوُنی“

یعنی سلام ہو میرا آپ پر یا رسول اللہؐ! میں حسینؑ ہوں فاطمہ کا بیٹا اور آپ کا وہ نواسہ۔ جسکو آپؐ نے اپنی اُمت پر خلیفہ بنادیا تھا۔ آپ گواہ رہیں اے خدا کے نبیؐ انہوں نے میری تذلیل کی اور مجھے بے آسرا کر دیا“۔

یہ فرما کر آپ مشغولِ نماز ہوئے اور صبح تک اپنے جد بزرگوار کے مرقد منوّر پر عبادت میں مصروف رہے اور پیہم رکوع و سجود میں مشغول تھے۔ اس شب ولید نے ایک شخص کو حضرتؑ کے دولت سرا پر بھیجا تا کہ دیکھے کہ حضرتؑ مدینہ منوّرہ سے کوچ کر گئے یا نہیں۔ چونکہ حضرتؑ اپنے جدِ بزرگوار کی قبر مُطّہر پر گئے ہوئے تھے، حضرتؑ کو گھر میں نہ پایا۔ اس لئے ولید کو خبر دی کہ حضرت گھر پر تشریف نہیں رکھتے۔ ولید نے یہ سن کر کہا میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ حضرت شہر سے کوچ کر گئے اور میں ان کے خون میں آلودہ نہ ہوا۔ جب صبح ہوئی حضرت دولت سرا میں تشریف لائے۔ جب دوسری شب ہوئی تو حضرتؑ پھر روضہ رسولؐ میں وداع کو گئے اور متصل ضریح اقدس کھڑے ہو کر کئی رکعت نماز پڑھی۔

جب فارغ ہوئے تو عرض کیا: خداوند! یہ قبر تیرے پیغمبرؐ کی ہے اور میں تیرے پیغمبرؐ کا نواسہ ہوں۔ مجھے جو امر در پیش ہوا ہے تو اُسے خوب جانتا ہے۔ خداوندا! میں نیک باتوں کو دوست رکھتا ہوں۔ بری باتوں کو دشمن رکھتا ہوں۔ سوال کرتا ہوں تجھ سے اے صاحب جلال و اکرام بحرمت قبر و صاحب قبر کہ میرے لئے وہ چیز اختیار کر جس میں تیری اور تیرے رسولؐ کی خوشی ہو“۔ یہ فرما کر حضرتؑ تا صبح تضرع وزاری اور مناجات درگاہ باری تعالیٰ میں

مشغول رہے۔ جب طلوع صبح کا وقت نزدیک ہوا تو حضرتؑ نے اپنا سر مبارک اپنے جد بزرگوار کی ضریح مقدس پر رکھا۔ اس وقت امام مظلوم کو نیند آ گئی۔ خواب میں دیکھا کہ جناب رسولؐ خدا تشریف لائے ہیں اور بے شمار ملائکہ احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ پیغمبرؐ خدا نے حسینؑ کو اپنے سینہ سے لگایا اور پیشانی پرنور کے بوسے دئے اور فرمایا ''اے حبیب میرے۔ اے حسین شہید! قریب ہے کہ صحرائے کربلا میں تیرا سر بدن سے جدا کرینگے اور تو اپنے خون میں اس گروہ کے نرغہ میں لوٹ رہا ہوگا جو یہ دعویٰ کرینگے کہ وہ میری اُمت سے ہیں۔ تو اس وقت پیاسا ہوگا۔ وہ اشقیا تجھ کو پانی نہ دینگے باوجود اس ظلم کے مجھ سے اُمید شفاعت رکھیں گے۔ حق تعالیٰ ان کو بروز قیامت میری شفاعت سے محروم رکھے۔ اے حبیب میرے حسینؑ! باپ تمہارے علی مرتضیٰ اور ماں تمہاری فاطمہ زہرا اور بھائی تمہارے حسن مجتبیٰ میرے پاس آئے ہیں اور تمہاری ملاقات کے مشتاق ہیں۔ اے فرزند دلبند! تیرے لئے بہشت میں منازل ومراتب ہیں جن کو بغیر حصول شہادت نہیں پا سکتا۔'' امام حسینؑ نے حالت خواب میں از روئے تضرع و زاری بنگاہ حسرت اپنے جدِ امجد کی طرف دیکھ کر استدعا کی......!

یَاجَداهُ لا حاجَةَ لی فی الرُّجُوْعِ اِلَی الدُّنْیَا فَخُذْنِیْ اِلَیکَ وَاَدْخِلْنِیْ مَعَکَ فی قَبْرِکَ

اے نانا! مجھے دنیا میں جانے کی حاجت نہیں ہے۔ مجھے اپنے ساتھ قبر میں لے لیجئے[1]۔

کیا حال ہوا ہوگا جناب رسالتمابؐ کو یہ کلامِ بے کسی سنکر۔ تاریخ دان جانتے ہیں کہ حسینؑ کی ایک آدھ آہ پر پیغمبرؐ خدا کی آنکھیں چھلک اُٹھتی تھیں۔ اب یہی حسینؑ بے چارگی اور بے کسی کے عالم میں دلخراش صدائیں اپنے نانا کو سنا رہے ہیں۔ عجب نہیں کہ حاملانِ عرش بھی اس جگر خراش آواز کو سن کر لرزتے ہوں۔ لیکن وائے بر کلمہ گویاں محمدؐ! کہ جو حسینؑ کے غم میں آنسوں بہانے کو بدعت سے تعبیر کرتے ہیں''۔

اسکے بعد حسینؑ نے حسرت بھرا آخری سلام کیا آنسوں سے بھیگی ہوئی آنکھوں کو پونچھ لیا اور محزون و غمگین اپنی غمزدہ ماں کے مرگ زار پر آ گئے۔ ہاں یہ ماں تو وہی ماں تھیں کہ جس نے حسینؑ کو چکی پیس پیس کر پالا تھا۔ ہاتھوں میں چھالے پڑتے تھے لیکن حسینؑ کی غمگینی سہہ نہیں سکتی تھی۔ دنیائے اسلام کی عورتیں بخوبی جانتی ہیں کہ ماں کو بیٹے کے ساتھ کتنی عقیدت، کتنی محبت اور کتنی شفقت ہوتی ہے۔ ماں کی ہر خواہش یہی ہوتی ہے کہ بیٹا پھلے پھولے اور بڑا ہو کر ماں کے دل کا چین وسرور بنے۔ لیکن آہ! یہ فاطمہؑ کے گود کے پالوں کا کیا ہوا۔ کیا کیا تھا فاطمہؑ نے بابا کی اُمت سے۔ ایک لال تو زہر سے شہید کر دیا گیا اور ایک کسمپرسی کے عالم میں وداع کر رہا ہے۔ یہ فاطمہ تو وہی تھی نا کہ جب انکا انتقال ہوا تھا تو حسینؑ کے لئے بندِ کفن کھل گئے تھے اور فاطمہؑ نے باہیں پھیلا دیں اور بیٹے کو سینے سے لگایا۔ آج اس حسینؑ کی بے کسی دیکھ کر مندمل شدہ زخم ہرے نہیں ہو گئے ہونگے۔ آپ اندازہ کر لیجئے کہ حسینؑ کس دردناک لہجے میں ماں سے رخصت طلب کر رہا ہے:

اے تاجدارِ مدینہ کی دختر! اے مظلوم ماں! اپنے فرزند کا آخری سلام لے لیجئے۔ کون جانتا ہے کہ پھر آپ کی قبر پر آنا ہوگا یا نہیں ــــ اماں جس فرزند کو آپ نے چکی پیس پیس کر پالا تھا اور جس کی ذرا سی تکلیف سے آپ پریشان ہوجاتی تھیں آج اسکو سخت گرمی کے موسم میں گھر سے نکالا جارہا ہے۔ اماں! اپنے پیارے فرزند کو رخصت فرمایئے۔ وہ تنہا عازم سفر نہیں ہے۔ آپ کی زینب وام کلثوم بھی اسکے ساتھ ہیں۔ اماں! کل آپ کا گھر سنسان ہوجائے گا۔ مدینہ کی رونق جاتی رہے گی۔ آہ! اب آپ کی قبر پر روزانہ فاتحہ پڑھنے کون آئیگا۔ تمنا تھی کہ موت آئے تو آپ کے پہلو میں آکر آرام کروں۔ آہ! اب وادیٔ غربت میں قبر بنے گی''۔[۲]

اس جگر خراش اور کلیجہ سوز وداع کے بعد آپ نے اپنے بھائی امام حسنؑ سے رخصت طلب کی اور اس طرح مخاطب ہوئے: ''اے مظلوم اور مسموم بھائی! بھائی کو بھائی سے جُدائی کا وقت آن پہنچا۔ ہم اپنی قبر کی طرف جارہے ہیں۔ یہ مدینہ آپ کو مبارک ہو۔ ہم کسی جنگل میں ڈیرا ڈالیں گے۔ بھائی! یزید نے (اپنے باپ معاویہ ابن ابی سفیان کی طرح) آپ کے صلحنامہ کی خاک قدر نہ کی۔ وہ خلافت کیا واپس دیتا وہ تو ہماری جان کے درپے ہوگیا[۳]۔

حسینؑ نکلے اور اس طرح نکلے نہ ان سے پہلے کوئی اس طرح نکلا تھا اور نا ہی کوئی بعد میں نکلا۔ وہ جوار رسولؐ جس میں حسینؑ پلے، بڑھے اور پروان چڑھے آج حسینؑ کے لئے دامن پھیلانے سے قاصر رہا۔ حسینؑ نے چاہا کہ پہلے اپنی نانی اُم سلمہؓ سے اجازت سفر طلب کی جائے۔ لہٰذا بغرض رخصت اُم المومنین حضرت اُمِ سلمہؓ کے پاس جانے کو تیار ہی تھے کہ اُم سلمہؓ عالم بے چینی میں حسینؑ کے پاس درّانہ آئیں اور فرمایا:

اے میرے فرزند گرامی! مجھے اپنے سفر سے غمگین نہ کر کیونکہ میں نے تمہارے جد بزرگوار سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ فرزند دلبند میرا حسینؑ مظلوم زمین کربلا پر شہید ہونگا۔ حضرت حسینؑ نے جواب دیا۔ اے مادر گرامی! قسم خدا کی میں ضرور شہید ہونگا اور مجھے بے جائے چارہ نہیں۔ بخدا میں جانتا ہوں کہ کس دن شہید ہونگا، کون شخص مجھے قتل کریگا اور کس زمین میں مدفون ہوں گا۔ میں یہ جانتا ہوں کتنے لوگ میرے اہلبیتؑ، اقرباء، شیعوں میں سے میرے رفاقت میں شہید ہونگے۔ اے مادر گرامی! اگر آپ مشتاق ہو تو میں آپ کو وہ زمین دکھادوں گا جس پر میں قتل ہوں گا اور دفن ہوں گا۔

پس حضرت امام حسینؑ نے اپنے دست مبارک سے کربلا کی طرف اشارہ کیا اور بہ اعجاز تمام زمینیں نیچی ہوگئیں اور زمین کربلا بلند ہوئی یہاں تک کہ حضرت نے اپنا لشکرگاہ اور عمل شہادت وموضع دفن اپنا اور اپنے اصحاب کا دکھایا۔ اُم سلمہ یہ حال دیکھ کر فریاد وفغان کرنے لگیں اور حضرت کو خدا کے سپرد کیا۔ حضرت نے فرمایا۔ اے مادر محترم! اسی طرح مقدر ہوا ہے کہ میں بجور وستم شہید ہوں اور فرزند واقرباء میرے شہید ہوں۔ اہل بیتؑ اور زناں واطفال صغیر کو اسیر ومقید کر کے شہر بشہر اور دیار بدیار اس حالِ بے کسی کے ساتھ پھرائیں کہ وہ ہر چند نالۂ فریاد کریں مگر کوئی

ان کی فریاد کو نہ پہنچے۔ بروایت دیگر اُم سلمہؓ نے فرمایا! اے فرزندِ گرامی! تمہارے جدِ امجد نے تمہارے مدفن کی مٹی مجھے دی ہے اور میں نے ایک شیشہ میں رکھ چھوڑی ہے۔ حضرت نے فرمایا! قسم ہے خدا کی کہ میں قتل ہوں گا اگر میں عراق کی طرف بھی نہ جاؤں تو بھی نانا کی اُمت والے مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے اور شہید کریں گے۔ اس کے بعد آپ نے ہاتھ بڑھا کر ایک مشت خاک ان کو دی اور فرمایا اے مادرِ گرامی! اس خاک کو بھی شیشہ میں رکھ چھوڑیے۔ جس دن یہ دونوں خون ہو جائیں یقین کیجئے کہ میں اس صحرا میں شہید ہوا۔[۴]

اس کے بعد آپ نے مدینے سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے کوچ فرمایا اور مکے کی راہ لی اور ابن طاؤس کے قول کے مطابق آپ ۳ شعبان ۶۱ ہجری کو وارد مکہ ہوئے۔ مکہ میں آپ نے شعبان، رمضان، شوال اور ذیقعدہ کے مہینے گذارے۔ یعنی چند یوم حج سے قبل آپ جانب کوفہ روانہ ہوئے۔ آپ جب مدینۃ النبیؐ سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے آپ کے ساتھ گھر کو پورا کنبہ اور رفقاء خاص تھے۔

مکۃ المکرّمہ پر اس وقت عمر ابن سعید عہد گورنری پر مامور تھا۔ علامہ ابن اثیر جزری کے قول کے مطابق عبداللہ ابن زبیر کے مکے کے داخلے پر صرف اس شرط پر گورنر صاحب راضی ہو گئے کہ جو ابن زبیر کہہ رہا ہے کہ میں بیت اللہ میں پناہ گزیں رہوں گا صحیح ہو گا اور اس پر عمل بھی ہو گا۔ حالانکہ یہ ابن زبیر کی ایک چال تھی جو یہ مکہ میں داخل ہو کر چلانا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ جس وقت حسینؑ ابن علیؑ مدینے سے مکے کی طرف آ رہے تھے تو راستے میں ابن عباس اور عبداللہ ابن زبیر سے ملاقات ہوئی اور یہ دونوں مدینے سے نکلنے کے بعد مدینہ واپس آ رہے تھے۔ اب عبداللہ ابن زبیر کا مکہ واپس آ جانا اور اتنا لمبا چکر کاٹنا بغیر از غرض و غایت نہیں تھا۔ اسکی وضاحت آگے چل کر دی جائے گی۔

الوداع

بیت اللہ کو حسینؑ الوداع کہہ رہے ہیں۔ جس بیت اللہ کو حسینؑ سے شرف تھا اسلئے کہ اس کے نانا نے اسکی جبیں اصنام سے صاف کی تھی۔ اسکے بابا کا زچہ خانہ بن گیا تھا۔ اب یہی حسینؑ اس کعبہ کو رخصت کر رہے ہیں اور یہ رخصت ایسی رخصت تھی کہ کعبہ کی دیواروں پر بھی حزن و ملال کی موٹی موٹی تہیں جم گئیں۔ یہی خاندان نبوتؐ تھا کہ جنہوں نے تطہیر کعبہ کر کے کعبہ کو سجدہ گاہ عالم بنایا تھا۔ اب اسی کعبہ میں (بنواُمیہ) لات و ہبل، منات وعُزا کی جگہوں کو ڈھونڈنے جا رہے ہیں تا کہ اصنام کا انصاب پھر کیا جائے۔ لیکن محافظِ حرم اُٹھ کھڑے ہوئے اور رخصتِ آخر لیکر کعبہ کو مخاطب فرمایا! ''میں جا رہا ہوں! تیری عظمتوں کو بچانے کیلئے، تیری بزرگی اور علومرتبتی کے دوام کیلئے۔ شاید پھر آنا نہ ہو۔ گواہ رہیو کہ اُمت نے کیا کیا ستم ہم پر ڈھائے۔ میرا یہ نکلنا اپنے لئے نہیں، اقتدار کیلئے نہیں صرف اور صرف تمہارے مالک کے بھیجے ہوئے پیغام کو بچانے کیلئے۔ اللہ کے بھیجے ہوئے نبیؐ کی رفعتوں کو بچانے کیلئے

ہے۔کل محشر میں گواہ رہنا کہ مجھ پر کتنے سارے مظالم دھائے گئے۔ مجھ پر کس قدر عرصہ حیات تنگ کیا گیا۔اے کعبہ کی عظمتو! میں تم سے ہمیشہ کے لئے وداع ہور ہا ہوں۔حج میں میری شمولیت سے تمہیں میرے اور میرے رفقاء کے خون سے رنگین ہونا پڑے گا جو میں کسی بھی صورت میں برداشت نہیں کروں گا۔لہٰذا مری طرف سے اللہ تمہارا حافظ وناصر ہے۔''

ہمارے ہاں اکثر ایسے کم علم افراد پائے جاتے ہیں جو حسینؑ کے ہر اقدام کو بنظر اعتراض دیکھتے ہیں۔ان کے اعتراض دو جہتوں سے خالی نہیں ہیں۔

الاول:- یا تو علمائے کرام اسلاف کے کہنے پر ان تمام مسائل کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو حسینؑ سے متصف ہیں۔اسکے ساتھ ساتھ امام غزالی کے حکم پر ''پردے میں رہنے دو'' کی وجہ سے حقائق سے انحراف کرتے ہیں۔

الثانی:- یا بزرگوں کا دامن بچانے کیلئے اصل واقعات سے ہٹ کر خطائے اجتہادی کا سہارا لیکر عوام الناس کو سانحہ کربلا کی غلط تاویلات بتاتے ہیں۔

لہٰذا مندرجہ الصدر تصریح کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جہالت اس قدر بڑھتی جارہی ہے کہ اگر آج تک افراد عامہ صرف منزل اعتراض میں ہی تھے کل یہ واقعہ کربلا کی حقیقت عظمٰی سے بھی انکار کریں گے۔اسی لئے ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم یکے بعد دیگرے ان اعتراضات کے تسلی بخش جواب دیں کہ جو حقائق کو توڑ مروڑ کر افرادِ عامہ کی اذہان میں اُبھارے جاتے ہیں۔

سوال:-

''حسینؑ مکہ سے کیوں نکلے حسینؑ ایسی کوئی گمنام شخصیت نہیں تھی کہ جسکی آواز پر مکہ و مدینہ کے لوگ لبیک نہیں کہتے۔ان کو مکہ میں رہ کر یزید کے مقابلے میں ایک ایسا محاذ قائم کرنا چاہئے تھا جو وقت کے تمام تر تقاضوں کے ساتھ یزید کیلئے صبر آزما ہوتا''۔

الجواب بعون اللہ تعالیٰ:

یہ سوال اپنی جگہ اتنا مہمل ہے کہ اس پر کچھ لکھنا فضول اور عبث ہے۔اسکے مفاہیم اتنے مضحکہ خیز ہیں کہ عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے۔ہم اسکو نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتے لیکن یہ سوال چونکہ حق ناشناسائی کی بین دلیل ہے لہٰذا جواب دینا ہم پر فرض عائد ہوجاتا ہے۔

''پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ حسینؑ کا یہ اقدام حب جاہ یا طلب اقتدار کیلئے قطعی نہیں تھا''

۱) اگر حسینؑ مکہ میں ہی قیام فرماتے تو بنی اُمیہ ہر سو جال پھیلائے ہوئے موجود تھے کیونکہ حسینؑ جب وارد مکہ ہوئے تو عمر ابن سعید گورنر تھے۔فرمان دمشق کے تحت اس نے حسینؑ ابن علیؑ پر کڑی نظر رکھی تھی۔حسینؑ کے روز

مرہ افعال پر جاسوس مقرر کئے تا کہ معلوم ہو جائے کہ کہیں خفیہ طریقے سے یزیدی حکومت کے خلاف سازش تو نہیں کرتے ہیں اور یہ صرف حسینؑ ہی کے لئے مخصوص نہیں تھا بلکہ آپ سے ملنے والے بھی نظروں میں رکھے جاتے تھے۔

۲) یزید حسینؑ کی عظمتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے لمحہ بہ لمحہ خائف ہوتا جارہا تھا۔ لہٰذا اس نے ایام حج میں اپنی فوج کو حاجیوں کے لباس میں بھیجا تھا تا کہ حسینؑ کو جہاں پائیں گرفتار یا قتل کریں۔ اسکی اطلاع حسینؑ کو ملی کہ یہ لوگ مکہ کے ماوراء یا عین کعبہ میں دوران طواف مجھے گرفتار یا قتل کرنا چاہتے ہیں جو حسینؑ نہیں چاہتے تھے۔

۳) جناب رسالتمآبؐ کی حدیث تھی کہ جسکو بذات خود حسینؑ سے روایت کیا گیا ہے، فرماتے ہیں:

ان ابی حدثنی ان بھا کبش یستحل حرمتھا فما احب ان اکون انا ذالک الکبش یعنی میرے جد بزرگوار نے فرمایا ہے کہ مکہ معظّمہ میں ایک مینڈھا ہوگا جو مکہ معظّمہ کی حرمت کو ضائع اور اسکی عزت و توقیر کو مٹائے گا۔ تو میں اسکو پسند نہیں کرتا ہوں کہ وہ مینڈھا میں بنوں[۵]۔

مندرجہ بالا تصریحات حسینؑ کو وداعِ کعبہ کرنے کی محرک بنیں۔ لہٰذا ان تین نتائج کو مدِنظر رکھتے ہوئے حسینؑ کا مکہ میں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اول تو بنواُمیہ کی تاک لگانا ولو چہ اپنے پر قابل برداشت ہی قرار دیدیتے لیکن اصحاب، یار و مددگار کا تعاقب قابل برداشت نہیں تھا۔ دوم اگر مکہ میں حسینؑ کا قتل صادر ہوجاتا تو اسکے مقدمات انتہائی قبیح ہوتے اور نتائج نہایت ہی سنگین۔ یعنی مکہ جنگ کا اکھاڑا بن جاتا۔ ایک طرف حسینؑ جانثار اصحاب، انصار و مہاجرین اُٹھ کھڑے ہوجاتے اور دوسری طرف بنواُمیہ کے نمک خوار اور اس طرح خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔ کشتوں کے پشتے لگ جاتے۔ مکہ جو امن و امان کا گھر ہے آگ و خون کا مرکز بن جاتا۔ حرمت مکہ برباد ہوجاتی۔ حاجی حدود حرم میں کھٹمل نہیں مار سکتا ہے تو بہتی ہوئی خون کی ندیوں کی تو بات ہی نہیں۔ اگر چہ میدان حسینؑ ہی کے ہاتھ رہتا لیکن حرمت مکہ کی بربادی سے دامن بچانا اس جیت سے کہیں زیادہ احسن اور افضل تھا۔ لہٰذا حسینؑ نے جنگ کو ترجیح نہیں دی۔ سوم یہ ہے کہ جو رتبہ کربلا میں حسینؑ نے اپنی شہادت دیکر اسلام کو بخشا وہ مکہ یا مدینہ کی شہادت سے نہیں ملتا۔ کفر صرف حسینؑ سے تعارض کرتا حرم سے نہیں۔ اس لئے کہ حرم کی حفاظت کیلئے اصحاب، انصار و مہاجر خون کا آخری قطرہ بھی بہاتے لیکن اس سے تکمیل شہادت ناقص قرار پاتی۔ کربلا ہی وہ واحد قربان گاہ تھی جہاں حق کا سر زیرِ خنجر تڑپ کر نوک نیزہ پر بلند ہوا اور حرم کی تشہیر ہو کر دوام ابدی حاصل کر گیا۔ اسلئے کے بعد اسارت حرم نے جو کردار ادا کیا اِسے نہ صرف شہادت رنگ لائی بلکہ اسلام کے خزان رسیدہ چمن میں از سرنو بہار بھی آئی۔ زینبؑ و ام کلثومؑ کے خطبات نے اسلام کی ہر پژمردہ کلی کو اپنے آنسوں سے بہار کی تروتازگی بخشی۔

دوم! اگر حسینؑ مکہ یا مدینہ ہی میں قیام فرماتے تو مروان ابن حکم کہ جس نے ولید بن عتبہ گورنر مدینہ کو قتل حسینؑ پر اُبھارا تھا، اگر چہ گورنر مدینہ نہ تھا لیکن یزید جانتا تھا کہ عداوت اہلبیتؑ اسکے انگ انگ میں بھری ہے، اسی کو

گورنری کی سیٹ پر بحال کر کے حسینؑ کے قتل کا فرمان صادر کرتا۔ مروان جیسے سفاک درندہ کیلئے پھر یہ بات سوچنے کی نہیں تھی کہ حسینؑ کون اور خاندان رسالت کون ۔ یہ مروان تو وہی تھا کہ جسکو اپنے باپ حکم کے ساتھ جناب رسالتمابؐ نے جلائے وطن کیا تھا۔ پھر یہ دور ثالث میں بلایا گیا۔ ابھی یہ زخم ہرے ہی تھے۔ مندمل نہیں ہوئے تھے۔ اگر چہ براہ راست جناب رسالتمابؐ سے اسکا بدلہ نہیں لے سکتا تھا۔ اب تو خالی حسینؑ تھے ان سے کیوں نہ لیتا۔ لہٰذا اسکے سامنے حدود و کعبہ یا عین کعبہ برابر ہی تھا۔ اس کو کعبہ یا مکہ کی عظمتوں کے ساتھ کیا تھا، یہ تو صرف حسینؑ کے قتل کے خواہاں تھے۔

سوم : اگر حسینؑ مکہ میں یا مدینہ میں قتل کردئے جاتے تو جتنے حاجی تھے ان پر بنوامیہ کی ہیبت طاری ہو جاتی اور سب یہی کہتے کہ جنہوں نے رسولؐ کے نواسے کے قتل کو نہیں دیکھا وہ ہمیں کیا دیکھیں۔ لہٰذا فریضہ حج سے پہلے ہی مکہ کو خیر باد کر دیتے اور لڑائی جھگڑے کے دوران ان کے لپیٹ میں آنے کا احتمال بھی تھا۔ لہٰذا یہ افعال حج سے قاصر رہتے اور بدون حج کے چلے جاتے ۔ اس طرح ہزاروں کی تعداد میں عورتیں، بوڑھے، جوان محروم رہ جاتے ۔ لہٰذا حسینؑ نے اپنی دوررس نظر اور اصابت رائے سے مکہ کو خیر باد کیا۔ کیونکہ جانتے تھے کہ دنیا اگر ایک طرف ہو جائے اور میں دوسری طرف تب بھی مجھ سے ہی تعارض ہوگا دنیا سے نہیں۔ لہٰذا اپنی انفرادیت کو ایام حج سے الگ کر دیا جائے تا کہ حاجی حج کر سکیں۔

چھــــــارم : ایک طرف حدیث رسولؐ مدِنظر تھی اور دوسری طرف اپنی اصابت رائے۔ دونوں متوازن حیثیت رکھتے تھے۔ حرمت حدیث رسولؐ اور حرمت اصابت رائے۔ لہٰذا آپؑ نے اپنے عزم صمیم سے یہ ارشاد فرمایا کہ

"والله لان اقتل خارجاً منها بشبر احب اليّ من ان اقتل داخل منها بشبر"

خدا کی قسم! اگر میں مکہ معظّمہ سے باہر ایک ہی بالشت قتل کیا جاؤں تو یہ مجھے زیادہ محبوب ہے بنسبت اسکے کہ کعبہ کے اندر (یعنی مکہ کے اندر) قتل کیا جاؤں۔[۲]

حرمت مکہ کا خیال آپؑ کو نہ ہوگا تو اور کس کو ہوگا۔ آپؑ نے قطعی یہ بات برداشت نہیں کی کہ میں کعبہ میں قتل کیا جاؤں اسلئے کہ اِس سے کعبہ کی حرمت برباد و ضائع ہو جاتی۔ اب اگر حسینؑ کعبہ میں ہی شہید کر دیئے جاتے تو **''من دخله كان آمنا''** کا دعویٰ غلط ہو جاتا۔ جو حسینؑ کے ہوتے ہی غلط نہیں ہونا چاہئے تھا۔ لہٰذا یہ کوائف اور یہ حالات تھے کہ حسینؑ نے مکہ کو خیر باد کہا ورنہ اگر ایسا نہ کرتے تو بھلا بتائیں کہ معاویہ نے یزید کے ہاتھ کہاں کہاں پھیلا کر نہیں رکھ لئے تھے۔ آپؑ کو معلوم تھا کہ زمین کی وسعتوں کی تنابیں سمٹ گئی ہیں۔ جہاں کہیں بھی جاؤں گا قتل کیا جاؤں گا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:

'''اللہ کی قسم اگر میں چھوٹے چھوٹے حشرات الارض کے سوراخ میں بھی گھس جاؤں (چھپ جاؤں) تو

بنواُمیہ مجھے وہاں سے بھی نکال کرقتل کر دیں گے ؎۔

یہ تھاظلم اور یہ تھا تشدد ابن رسول اللہؐ پر کہ حدِ نگاہ تک ظلم کی فضائیں قہقہے لگا رہی تھیں۔ ابنائے آدم پرعرصہ حیات تنگ کیا جاچکا تھا۔ جن کی زبان حمایت حق میں کھلی اسکی کاٹ لی گئی۔ جسکے ہاتھ قبضۂ تلوار پر آئے قلم کر لئے گئے۔ پھر بھی ان اقتدار نشینوں کو رضی اللہ عنہم کہا جائے۔ افسوس!!

ابن زبیر

ہم نے گذشتہ صفحات میں وعدہ کیا تھا کہ عبداللہ ابن زبیر کا حال اور کردار مفصل لکھیں گے۔ اگرچہ کتاب کی مناسبت کے موضوع سے خارج ہے لیکن چونکہ یہ حضرت بھی دور حسینؑ کی ایک اہم شق ہے لہٰذا مختصر سا خاکہ ان کا پیش کرنا بے جا نہ ہوگا۔

ان کا نام عبداللہ تھا۔ یہ زبیر کا بیٹا تھا۔ اوران کا والد (عبداللہ کا) حضرت علیؑ سے میدان جمل میں بغرض محاربہ آیا تھا لیکن جب حضرت علیؑ نے انکو میدان جمل میں بلاکر یہ یاد دلایا کہ اے زبیر! ایک دفعہ جناب رسالتمابؐ نے تم سے فرمایا تھا کہ "**یا زبیر انک تقاتل علیاً وانت له ظالم** یعنی اے زبیر تم علی سے ایک دن جنگ کرو گے اور ظلم وزیادتی تمہاری طرف سے ہوگی"۔ زبیر نے کہا: ہاں فرمایا تو ہے۔ آپؐ نے فرمایا پھر کیوں آئے ہو۔ زبیر نے کہا ذہن سے اُتر گیا تھا اور اسکے بعد جنگ میں شرکت نہیں کی۔

عبداللہ ان ہی کا بیٹا تھا۔ اسکے لئے بھی فرمان دمشق کے تحت کاسہ سر کو طلب کیا جانا مقصود تھا لیکن ولید ابن عتبہ گورنر مدینہ کو چکمہ دیکر مدینہ سے انجانے راستوں پر رات کی تاریکی میں نکل پڑے۔ جب مدینہ واپس آئے تو راستے میں جناب امام حسینؑ سے ملاقات ہوئی تھی۔ (جیسا کہ گذر چکا لیکن مدینہ سے الٹے پیر مکہ چلے گئے۔ یہ آنا نکلنے کے بعد اور پھر جانا آنے کے بعد جبکہ حالات اسکے قطعی مخالف تھے کیوں اور کس لئے تھا؟

اسکا جواب اگرچہ اہل علم کو بخوبی معلوم ہے لیکن پھر بھی چند ایک وجوہ ہم بیان کریں گے۔

اول: ابن زبیر اپنے والد کے اثر ورسوخ کو جانتے تھے۔ لہٰذا اپنے باپ کے اثر ورسوخ سے فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے۔ لہٰذا مکہ اور مدینہ سے باہر قدم رکھنا مصلحت کے خلاف تھا۔

الثانی: باپ کے پھیلے ہوئے اثر ورسوخ پر کوئی اقدام کرنا حسینؑ کی موجودگی میں ناممکن تھا۔ لہٰذا حسینؑ کی نقل وحرکت بذات خود مشاہدہ کر رہا تھا۔

الثالث: حسینؑ کے ہوتے ہوئے ایک عجیب کشمکش میں مبتلا تھا۔ ظاہر ہے کہ حسینؑ کوئی گمنام شخصیت کے مالک تو تھے نہیں کہ ابن زبیر براہ راست حسینؑ سے کسی قسم کی بھی سیاسی ٹکر لے لیتا۔

الرابع: حسینؑ کی Supermacy (سیادت) ابن زبیر کو اس بات کی بھی اجازت نہیں دے سکتی تھی کہ یہ

حسینؑ پر اپنی برتری جتلا کر کوئی عملی اقدام اُٹھاتا۔

الخامس: اُس آن کا منتظر تھا کہ حسینؑ بلدین (مکہ و مدینہ) سے خروج کب کریں گے تاکہ فضا آنے والے نعرہ کے لئے صاف ہو جائے۔

السادس: اقتدار طلبی کے لئے ابن رسول اللہؐ سے دشمنی تھی۔ چنانچہ اسکے کلمات (نصائح) کے نچوڑ میں معنائے بسیط اس پر دلالت قامہ کرتے ہیں۔ جیسے کہ ابن زبیر کے اس جملے سے ثابت ہوتا ہے کہ ''میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو کیوں چھوڑ رکھا ہے اور ہم کیوں ان سے الگ تھلگ ہیں۔ ہم مہاجرین کی اولاد ہیں اور ہم نہ وہ اس امر حکومت کے صحیح وارث یا اہل ہیں''۔

السابع: بقول علامہ ابن اثیر ''حسینؑ نے اصحاب سے فرمایا کہ ابن زبیر کو دنیا کی کوئی چیز اس سے زیادہ عزیز نہیں ہے کہ میں حجاز سے چلا جاؤں تاکہ یہ شہر ان کے لئے خالی ہو''۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ حسینؑ کو ابن زبیر کی اس طالع آزمائی کا پورا پورا یقین تھا۔

الثامن: حسینؑ نے جب عزم صمیم فرمایا تو آپ ابن زبیر کے پاس سے گذرے اور اس سے کہا کہ اے ابن زبیر اب تو تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں اور یہ اشعار پڑھے ؎

''اے سبزہ زار والے چکاوک! اب تو تیرے لئے فضا سازگار ہو گئی
اب تو انڈے دے اور چہچہا اور جس طرح چاہے بول''

اس ارشاد اور برمحل شعر کا فرمانا نہ صرف ابن زبیر کی نقل و حرکت کو عیاں کر دیتا ہے بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ابن زبیر حسینؑ کی موجودگی کو ایک سد سکندری جانتا تھا۔

مندرجہ بالا تصریحات مدِ نظر رکھتے ہوئے تاریخ کی نصیحتوں (جو انہوں نے حسینؑ کو کی ہیں) کا موازنہ کر کے صاف نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ۶۱ ہجری میں اسلام کی خیر خواہی اور یزید کی فسق پرستی کے خلاف اگر حسینؑ اُٹھ کھڑے ہوئے تو بقیہ اصحاب طلب اقتدار کے خاطر حسینؑ کا ساتھ نہیں دے سکے۔ اب رہ گئی مخالفت تو ظاہر ہے کہ سیاست کا تقاضا بھی یہ نہیں تھا کہ علی الاعلان حسینؑ کی مخالفت کئے دیتے۔ اسلئے کہ ابن زبیر کو پھر نہ صرف حسینؑ کو راستے سے ہٹانا تھا بلکہ بنی ہاشم کا جو بھی فرد کھڑا ہو جاتا اسکی بھی سرکوبی کرنی تھی۔ اس طرح یہ کُرسئ اقتدار تک پہنچنے سے پہلے ہی قتل کیا جاتا۔ لہٰذا منتظر فرداہ کر حسینؑ کے ہمرکاب نہیں ہوا۔

اس اقتدار کی خاطر ابن اثیر کے یہ الفاظ ہیں گو کہ ابن زبیر ملاقات کیلئے آجاتا تھا لیکن دل میں حسینؑ کی موجودگی سے قطعی خوش نہ تھا۔ چنانچہ ابن اثیر نے تحریر کیا ہے:

''ابن زبیر کبھی کبھی لوگوں کے ساتھ امام حسینؑ کے پاس آجایا کرتے تھے اور ہمیشہ ان کو خلاف رائے دیا

کرتے تھے کیونکہ مخلوق خدا میں وہی ابن زبیر کے لئے بہت بڑے سدِ راہ تھے۔ وجہ یہ تھی کہ جب تک امام حسینؑ اس شہر میں مقیم رہتے یہاں کے لوگوں کا ابن زبیر سے بیعت کرنا ناممکن تھا۔"[۸]

غرض یہ تھے اسباب و علل جنکی بنا پر عبداللہ ابن زبیر حسینؑ کا ساتھ نہ دے سکے۔

عبداللہ ابن عمرؓ

اسکا موقف کیا تھا وہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

عبداللہ ابن عمرؓ نے کہا (حسینؑ ابنِ علی سے) کہ کوفہ والے آپ کے خاندان کے دشمن ہیں۔ آپ کو انکی طرف پوری احتیاط برتنی چاہئے۔ اپنے کو ان سے (بنی اموی) سے بچائیے۔ ان کی کسی بات پر کان نہ دھرے۔ لوگوں نے یزید کی بیعت کی ہے۔ اہل کوفہ زر کی لالچ کی طرف جھک گئے ہیں۔ آپ کا ساتھ چھوڑیں گے۔ یا آپ (کا ساتھ دیکر) آپ کو شہید کریں گے۔ اے ابا عبداللہ! جو ارادہ پیشِ نظر ہے ترک کردو اور جس طرح لوگوں نے یزید کی بیعت کی ہے تم بھی کرلو اور اپنے مکان اور نانا کے مرقد سے جدا نہ ہو اور اپنے اوپر اس گروہ کی حجت قائم نہ ہونے دو جس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اب اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں یزید کی بیعت نہ کروں تو وہ تمہیں بیعت کرنے کے امر میں مجبور کرے گا اور وطن میں اطمینان سے نہیں قیام کرنے دینگے۔ یہاں تک کہ آپ سے بیعت نہ لیں گے۔

اسکے جواب میں امام حسینؑ نے فرمایا: ان باتوں پر تف ہے۔ جب تک آسمان و زمین قائم ہیں کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ میں غلطی پر ہوں۔ اگر میں غلطی پر ہوں تو تو اِسے بیان کرتا کہ میں اس سے باز آ جاؤں"۔ عبداللہ ابن عمرؓ نے کہا آپ غلطی پر نہیں ہیں اور نہ ایسا ہونا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کی دختر کے فرزند کو غلطی میں مبتلا کرے۔ مگر آپ نے سنا ہوگا کہ زمانے کا رنگ بدلا ہوا ہے۔" مبادا یزید آپ کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا اور ایسی حرکت کر بیٹھے کہ جس کے مقابلے کی طاقت آپ میں نہ ہو۔ اسلئے مناسب ہے کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ جناب امام حسینؑ نے فرمایا کہ میں ہرگز یزید کی بیعت نہیں کروں گا بلکہ اپنے نانا جناب رسولؐ خدا کی سنت اور اپنے بابا حضرت علی مرتضیٰؑ کی خصلت پر چلوں گا۔ جو شخص میری اطاعت کرے گا اور حق بات کو سُنے گا نیکی اور سلامتی حاصل کرے گا اور جو شخص انکار کرے گا دائرہ اطاعت سے باہر ہوگا تو میں اس پر صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ مجھ میں اور اس میں فیصلہ کردے گا اور وہی اچھا حاکم ہے۔[۹]

مندرجہ بالا عبارت بتلا رہی ہے کہ عبداللہ ابن عمر بھی وقت کی نزاکت دیکھ کر ڈھیلے پڑے ہوئے تھے لہٰذا حسینؑ کو اپنی رائے اور فرمان رسولؐ سے انحراف کروانا چاہتے تھے۔ عبداللہ ابن عمر تو بیعت کر چکے تھے اور اب چاہ رہے تھے کہ حسینؑ بھی بیعت کر کے امن و سکون کی زندگی میری طرح گذاریں۔ اسلام کا اگر چہ خدا حافظ ہی ہو رہا تھا

ان کوامن وسکون سے کام تھا۔ بیعت کے بعد یزید کے کسی احکام کی خلاف ورزی اب عبداللہ ابن عمر سے نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اس امر کا بذریعہ بیعت عہد و پیمان ہو چکا تھا۔ لہٰذا اپنی روش کے پھندوں میں حسینؑ کو بھی پھنسانا چاہتے تھے۔ ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا لیکن واہ رے عزم واستقلال کے پیکر! آپ نے اسکے پھینکے ہوئے جال کو تار تار کر کے رکھ دیا۔

آیئے اس بارے میں دیکھیں کہ آیا یزید کے فسق کو دیکھ کر اسکی اطاعت کی جا سکتی تھی جبکہ اسکا فسق اور اسکا کفر مخفی نہیں تھا تا کہ بیعت کا قلاوہ گلے میں ڈالنے والوں کے خدوخال کے مقابلے میں حسینؑ کے اس عملی اقدام کے نشیب وفراز کا صحیح موازنہ ہو سکے۔ اور یہ بات سامنے آجائے کہ حسینؑ کا انکار بیعت اور خروج مکہ جائز تھا یا نہیں

قال القاضی فلو طرا علیه الکفر وتغیر الشرع او بدعة خرج عن الولایه وسقطة طاعته ووجب علی المسلمین القیام علیه وخلعه و نصب امام عادل ان امکنهم ذالک فان لم یقع الا الطائِفه وجب علیهم القیام بخلع الکافر ولا یُجب فی المبتدع الّا اذا ظنو ا القدرة علیه فان تحققوا العجز لم یجب القیامه ولیهاجر المسلم من ارضه الٰی غیر ها و یفرُّ بدینه . [۱]

کہا قاضی نے اگر امام پر کفر طاری ہو جائے اور یہ امام شریعت کو بدلائے یا بدعت کی کثرت ہو جائے تو امام عزل ہو جاتا ہے۔ پھر اسکی اطاعت (لوگوں پر) ساقط ہو جائے گی اور اسکے خلاف مسلمانوں کو کھڑا ہو جانا واجب قرار پائے گا اور دوسرا امام جو عادل ہو گا اسکی بیعت کرنی پڑے گی (یعنی تقرر امام ضروری ہو گا) لیکن بشرطیکہ ان میں طاقت ہو۔ اب اگر یہ کام کسی قلیل جماعت سے بھی ہو سکے گا تو ان ہی پر واجب ہو گا۔ (یعنی اسکو عزل کرنا اور نیا تقرر کرنا) اور ہاں واجب نہیں ہو گا مبتدع پر اس کا غلبہ جب تک نہ اسمیں قدرت ہو۔ اب اگر اپنی قدرت پر ظن غالب نہ ہو (یعنی یقین نہ رکھتا ہو کہ اس پر غلبہ پا کر اسکو عزل کیا جا سکے) تو اس وقت (بدون بیعت کے) مسلمان کو اس ملک سے ہجرت کرنی چاہئے اور بھاگنا چاہئے اپنا دین لیکر''۔

اس عبارت کو بغور دیکھیں اور عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن زبیر اور حسینؑ کے اقدام کا موازنہ کریں۔ پھر انصاف سے بتائیں کہ حسینؑ اپنے اقدام میں کس قدر صحیح اور حق پر تھے۔ لہٰذا اب یہ کہا جائے کہ حسینؑ کو مکہ سے نکلنا نہیں چاہئے تھا بغیر تعصب کے اور کچھ نہیں ہو گا۔ دوسری بات جو مندرجہ بالا عبارت سے اخذ کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن زبیر کا کسی بھی صورت سے حسینؑ کو روکنے کا حق نہیں پہنچا تا تھا۔ اسلئے کے یزید کا فسق عام ہو گیا تھا۔ کیا یہ صرف حسین ابن علیؑ ہی بھانپ رہے تھے؟ کیا بقیہ حضرات یزید کے کرتوت کو مطابق اسلام جانتے تھے؟ یا کیا ان حضرات کے سامنے یزید کے خلاف خروج کا کوئی جواز نہیں تھا؟ یا کیا یہ یزید کو مفترض الطاعۃ مان کر اسکو عزل کرنا خلاف شریعت سمجھتے تھے؟ اگر ان کا جواب نفی میں ہے تو پھر ابن عمر یا ابن زبیر کے مطلق کیا رائے

قائم کی جاسکتی ہے۔

محمود احمد عباسی کا سوال ۱۱ و ۱۲ مدِنظر رکھتے ہوئے۔ کیا یہی نظریہ قائم کیا جائے کہ ہجرت حسینؑ غیر معقول اور حب جاہ کے لئے تھی؟ اور اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر یہ ہر اُس ہجرت کرنے والے پر قائم کیا جائے گا جو رسولؐ کے ہمرکاب یا بغیر ہمرکاب ہجرت کر چکا تھا۔ کون سمجھائے کہ ہجرت نا ہی حب وجاہ کیلئے ہوتی ہے اور نا ہی کسی ذاتی منفعت کیلئے۔ مہاجر جب ہجرت کرتا ہے تو اسکے سامنے دوسرے ملک کے انجانے راستے، انجانے لوگ، انجانی تہذیب اور انجانے تمدن کا نقشہ ہوتا ہے اور ان تمام حقائق کو دیکھ کر کسی بھی مہاجر کے لئے یہ کلیہ لاگو نہیں کیا جائیگا کہ وہ ذاتی اغراض ومقاصد کی بنا پر ہجرت کر رہا ہے۔ ذرا غور تو کریں رسولؐ کے ارشادات سامنے ہوں۔ زمانے کے تیور بگڑے ہوئے ہوں، لوگوں کا رجحان دولت دنیاوی کی طرف لگ چکا ہو، ناناؐ کے دشمنِ ہر سو پھیلے ہوئے ہوں، بصرہ، کوفہ، مصر، شام، مکہ اور مدینہ پر بنی اُمیوں کا تسلط ہو، راستوں کی ناکہ بندی کی گئی ہو، حدِ نگاہ تک جبر، ظلم، تشدد، استبداد، استعماریت، فرعونیت اور قیصریت کے پہرے ہوں۔ اس میں ایک ایسا آدمی کھڑا ہوجاتا ہے۔ جسکے ساتھ عورتیں، بوڑھے اور بچے ہوتے ہیں۔ کیا ماضی یا حال کے سیاست دان یہی اندازہ لگائیں گے کہ یہ اس وسیع وعریض سلطنت کے ہاتھوں سے باگ ڈور لینے کا خواہشمند ہے۔ کیا یہی نتیجہ اخذ کریں گے کہ یہ طلب اقتدار اور جاہ وحشمت کے حصول کے خاطر کھڑا ہوگیا۔ جبکہ نہ اس کے ساتھ فوجوں کی گھماگھمی، تیر وسنان، نیزہ وخنجر، تلوار وزرہ کی فراوانی ہے۔ بس اگر کھڑے ہوئے تو صرف یہ کہہ کر کہ:

''ایھا النّاس! آگاہ ہوجاؤ۔ ان لوگوں (بنی اُمیہ) نے اطاعت شیطان کرلی ہے۔ رب العزت کی دہلیز سے سر اُٹھا کر شیطان کے قدموں پر ڈال دیا ہے۔ اللہ کے قائم کئے ہوئے حدود کو معطل کیا ہے۔ ملک میں فتنہ وفساد پھیلا رہے ہیں۔ حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام کردیا ہے۔ اسلئے میری غیرت نے مجھے کھڑا ہونے پر اُکسایا کیونکہ غیرت مجھے ہی زیادہ آنی چاہئے کیونکہ اسکا حق مجھے ہی زیادہ ہے۔''[۱۱]

اس تقریر میں دیکھے کہ حسینؑ کا اقدام کس لئے تھا۔ رہ گیا تعصب اسکا علاج نا ہی حکیم افلاطون ہی کے پاس تھا اور نا ہی شریعت اسلام میں ہے۔

ہلاکت

کہنے کو تو کہتے ہیں کہ حسینؑ نے معاذ اللہ غلطی کرکے اپنے آپ کو معرض ہلاکت میں ڈال دیا۔ کاش ہلاکت اور شہادت میں فرق کیا جاتا۔ شہادت حسینؑ کا واقع ہونا ہر بنی جانتا تھا۔ بالخصوص حسینؑ بذات خود اسکو بخوبی جانتے تھے کہ اسکا وقوع پذیر ہونا مشیت الٰہی ہے۔ لہٰذا حسینؑ اس دن اور اس تاریخ کا بڑی بے صبری سے انتظار کر رہے تھے کیونکہ یہ منزل امتحان تھا کہ جس کے لئے حسینؑ کو چنا گیا تھا اور اس امتحان سے گذرنے کو حسینؑ باعث افتخار سمجھتے

تھے۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ اسلام کا لبادہ ان اوباش لوگوں نے پہن رکھا تھا جو دیمک کی طرح اسلام کو چاٹتے جارہے تھے۔ اگر حسینؑ شہادت گہہ اُلفت میں قدم نہ رکھتے تو قیامت تک ان افراد کی نشاندہی ناممکن بن کے رہ جاتی۔ ہمیں یہ نہیں کہنا ہے کہ حسینؑ ہی نے انکے چہروں سے نقاب کیوں نوچ لی باقی بھی تو موجود تھے۔ وہ کیوں نہ میدان میں کود پڑے۔ اسکی وجہ ہم نے لکھ بھی لی ہے اور جو کچھ کھل کے لکھنا تھا وہ سیر و تاریخ کے صفحات میں موجود ہے، وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

رہ گئی ہلاکت ____ یہ عقل و خرد کے ٹمٹماتے چراغ کی وجہ سے رونما ہوتی ہے۔ یہ حتمی نتیجہ نہ جاننے کی وجہ سے واقع ہوتی ہے۔ حالات سے لاعلمی سے اسکا تعلق ہے اور حسینؑ کے لئے ایسا نظریہ قائم کرنا جہالت ہے۔ جب حسینؑ کو سب کچھ بتادیا گیا اور حسینؑ نے خندہ پیشانی سے لبیک بھی کہا ہو تو اب ہلاکت کیسی ___ ؟ یہ سعادت دارین کا سہرا حسینؑ کے سر نہ باندھنا آنحضورؐ اور آپؐ کے فرامین کا انکار کرنے کے مترادف ہے۔

مکہ اور مدینہ میں صرف ایک حسینؑ ہیں جو یزید کے فسق و فجور کے خلاف عملی قدم اُٹھاتے ہیں مابقیہ جانے پہچانے افراد ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں۔ ان میں کوئی بھی یزیدی کرتوت کو دیکھ کر ٹس سے مس نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کی خاموشی کو غیر شرعی قرار نہ دیئے جانے کی توجیہ کے لئے حسینؑ کے عملی اقدام کو ہلاکت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن جونہی بند قبا کھل جاتی ہے تو غیر شرعی زمرے میں ان لوگوں کو پایا جاتا ہے جو یزید جیسے فاجر و فاسق کی بیعت کرکے آسودہ خاطر بیٹھے ہیں۔

سوال ۱۳: کیا واقعی حسینؑ نے اپنے خروج میں خطاء اور غلطی کی؟ اور کس محبت کے ستون کو جھٹکا لگا ہے؟ اور امت پر کس اختلاف و افتراق کا وبال پڑا؟

یہ سوال تین حصوں پر ہم نے مشتمل کیا ہے تاکہ یکے بعد دیگرے ان کا تاریخی محاکمہ و محاسبہ کیا جائے۔

سوال الاول :اگر حسینؑ نے اپنے خروج میں غلطی کی ہوتی تو کیا عباسی صاحب اس غلطی کا اعتراف یا اس خطا کا اظہار جو حسینؑ نے بعد میں کیا ہو دکھادیں گے۔ غلطی کے بعد اعتراف کرنا عین حق ہے۔ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ صلح حدیبیہ میں حضرت عمرؓ نے جب حضرت ابوبکرؓ سے جناب رسالتمآبؐ کے بارے میں گفتگو کی تھی اس کا اعتراف ساتھ ہی کیا۔ حضرت عمرؓ بڑے حق پسند تھے فوراً کہنے لگے کہ میں نے غلطی کی لہٰذا اعتراف نہیں کر رہا ہوں۔ کیا اس اعتراف کو تاریخ نے جگہ نہیں دی ہے کہ ابوبکرؓ کی بیعت غلطی سے کی گئی تھی۔ کیا یہ اعتراف نہیں ہے کہ حضرت ابن عباس کے پاس حضرت عمرؓ اپنی دل کی کیفیتوں کو ظاہر فرماتے ہیں۔ کیا زبیر بن العوام نے اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کیا ہے۔ صفین میں ان تمام اعترافات کو تو تاریخ نے اپنے سینے میں جگہ دی لیکن حسینؑ نے اگر غلطی کی اس پر اڑے رہے اور اعتراف نہیں کیا۔ یہ غلطی اور یہ خطا کیسی تھی کہ جسکے بعد اعتراف ہی ناپید ہے۔ یہ آپ کیا بتائیں گے

ہم سے سنئے۔اگر حسینؑ نے غلطی یا خطا کی ہوتی تو حق شناسی کے تقاضے کے طور پر ان کو اپنی اس خطا یا غلطی کا اعتراف کرنا چاہئے تھا جو نہیں کیا۔ثابت ہوتا ہے کہ حسینؑ کا یہ خروج حالات زمانہ کے تحت اتنا ہی حق تھا جتنا کلمہ توحید حق ہے۔شرح صحیح مسلم کا حوالہ گذر چکا ہے۔اس کو دیکھتے ہوئے ہمیں حسینؑ کے اس خروج کا کوئی قبیح پہلو نظر نہیں آتا ہے جسکی بنا پر تمہارا یہ خود ساختہ اعتراض تسلیم کیا جاتا۔

یہ خروج ایسا نہیں تھا کہ جس میں غلطی کا شائبہ ہوتا۔ یہاں تو دین کے بندھن شکستہ اور توحید و نبوت کے ارکان منہدم ہو رہے تھے۔اگر حسینؑ بروقت خروج نہ کرتے تو عجب نہیں تھا کہ یزید کی خدائیت کی بھی اسی طرح بیعت لی جاتی جس طرح نمرود و فرعون کے زمانے میں ہوا تھا۔

سوال الثانی :''کہ محبت کے ستون کو جھٹکا لگا''

آج تک ہمیں کہیں بھی یہ نظر نہیں آیا کہ حسینؑ کی شہادت عظمیٰ نے مناقشت ،منافرت یا تنگ نظری کو جنم دیا ہو۔حسینؑ نے کس محبت کے ستون کو جھٹکا دیا ہم سمجھنے سے قاصر ہیں۔اگر عباسی صاحب کا اشارہ سابقہ ادوار سے متعلق ہے تو اسمیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ ابتداء پھر حسینؑ سے نہیں ہوئی۔اس کے عوامل میں حسینؑ کو قرار دینا سراسر خود فریبی ہے۔حسینؑ تو محبت و مودت کے اُس دائرے کی ایک اہم کڑی تھی جسکے بغیر محبت کا مکمل ہونا ناقص قرار پاتا ہے۔یہ تو مجسم محبت تھے۔انہیں کی محبت اُمت پر فرض عائد کی گئی ہے۔امام شافعیؒ بھی اسی کا علمی اعتراف آپ لوگوں کی نظروں میں کر چکے ہیں۔

فلیشھد الثقلین انی رافض	لو کان رفضاً حُبُّ ال محمد
فانّنی ارفض العباد	ان کان حبُّ العلی رفض

ترجمہ:اگر آل رسولؐ کی محبت کا نام رفض ہے تو جن وانس اس بات پر گواہ رہیں کہ بتحقیق میں رافضی ہوں اور اگر مولیٰ علیؑ کی محبت کا نام رفض ہے تو بس بتحقیق میں خدا کے بندوں میں پہلا رافضی ہوں۔

یہ تو سواد اعظم کے ایک اہم فرقے کے مسلمہ بانی مبانی ہیں۔انہوں نے اپنی وہی کیفیات ان کی محبت کی ظاہر کی ہیں۔اب جو مجسم محبت ہو وہ کس طرح ستونِ محبت کو جھٹکا دے سکتا ہے۔ہاں محبت کے ستون کو جھٹکا لگا لیکن کن سے؟ تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ہم شمار کئے دیتے لیکن موضوع کتاب سے خارج ہیں۔اتنا سنئے کہ حسینؑ کو بے دردانہ قتل کرنے سے،اہل حرم کو کسمپرسی کی حالت میں دیار بدیار اور شہر بشہر پھرانے سے اس محبت اور اُس مودت کے ستون کو دھچکا لگا جس کو نبی آخر زمان نے قرآن کے آئینے میں نصب کر کے اُمت کو نشاندہی فرمائی تھی۔

سوال ثالث :رہ گیا اُمت پر افتراق واختلاف کا بار! یہ حقیقت ضرور ہے کہ حسینؑ کی شہادت نے باطل کے چہرے سے نقاب اُلٹ کے سرکردگان باطل کی نشاندہی فرمائی۔لہٰذا باطل جب سامنے آئے تو اس کے گُن ہم

سے کبھی بھی نہیں گائیے جاسکیں گے۔ اس لئے کہ ہمیں تعلیم اسلام اور ارشادات پیغمبرؐ ہیں۔ لیکن اس تفرقہ اور اس اختلاف کی ابتداء یزید سے تو نہیں ہوئی۔

''ستیزہ کار رہا ہے ازل سے امروز — چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی ہے''

یہ تو ابتدائے آفرینش سے شروع ہے۔ دور کیوں جائیں رسول معظمؐ ہی کے زمانے سے فہرست مرتب کر لیجئے۔ دیکھئے کہ افتراق و اختلاف کس قدر ہے۔ اسلام اور کفر، توحید و شرک بھی تو مخالف و متحارب ہے۔ بعدِ رسول دیکھئے کہ اختلافات کی تند و تیز لہریں کیوں کر اُٹھیں۔ کیا اس کو افتراق نہیں کہا جائے گا۔ یہ حسینؑ ہی پر کیوں منحصر کیا جائے۔ ہاں اتنی بات ضرور رہی کہ افتراق و اختلاف کا لبادہ چہروں پر تھا۔ حسینؑ نے اُتار دیا۔ ایک گروہ وہ ہے کہ جو ہمہ وقت قلمے، درمے، سخنے، جانے، مالے حسینؑ کے نام قربان کرنے پر تیار ہے اور دوسرا اس کے برعکس۔ بس صرف اتنا ہی افتراق ہے اور اتنا ہی اختلاف ہے۔ باقی ہر اُس شخص سے پوچھو کہ جو حسینؑ کا نام لیوا ہے کہ کتنی محبت و مودت تمہیں حسینؑ کے ساتھ ہے تو وہ یہی جواب دے گا کہ کاش دل چیر کر دکھا سکتا اور یہ افتراق و اختلاف کا ردعمل نہیں ہوتا ہے۔

باقی رہ گیا اُمت کا افتراق! اگر بالفرض تمہارا یہ مفروضہ تسلیم بھی کیا جائے تو یہ صرف فروعی اختلاف کہلائے گا۔ اس میں عدم شناسائی کافی حد تک کارفرما ہے۔ لیکن جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جائے گا تو حسینؑ ہی ایک ایسے مرکز قرار دئے جائیں گے جہاں تمام کی تمام اُمتیں اپنی جبین نیاز خم کرنا باعث فخر تسلیم کریں گے۔ اسلئے کہ ؎

انسان کو تو بیدار ہو لینے دو — ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

مندرجہ الصدر تصریح سے درجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

اول : حسینؑ نا ہی حب وجاہ کے لئے چلے گئے اور نا ہی طلب اقتدار کے لئے۔

دوم : حسینؑ کا اقدام عین اسلام تھا۔

سیوم : حسینؑ نے اپنے اقدام میں نا ہی خطائے اجتہادی کی اور نا ہی غلطی۔

چہارم : حسینؑ نے بکھری ہوئی محبت کی شیرازہ بندی فرمائی جو تاابد برقرار رہے گی۔

پنجم : حسینؑ نے متضاد نظریات اور متصادم خیالات کو وحدت بخشی کہ جس سے رہتی نسلوں تک ایک لمحہ فکریہ قائم ہوگیا۔

ششم : جابر وظالم حکومت سے ٹکر لیکر دنیا میں جینے کے ڈھنگ سکھائے۔

ہفتم : حق و باطل کی تمیز اپنی شہادت پیش کر کے عیاں کر کے رکھ دی لہٰذا حسینؑ کے اس منفرد کردار میں غلطی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ بحارالانوار، علامہ مجلسی حصہ اول ص۱۴۸ (ترجمہ)
۲۔ فلسفۂ آلِ محمد، ابن حسن جار پوی حصہ اول ص۲۵
۳۔ وہی ماخذ
۴۔ بحارالانوار، علامہ مجلسی حصہ اول ص۱۵۲ (ترجمہ)
۵۔ طبری ج۶ ص۲۱۷؛ تاریخ الکامل، ابن اثیر جزری ج۴ ص۱۶
۶۔ تاریخ طبری ج۶ ص۲۷؛ تاریخ ابن اثیر ج۴ ص۱۶
۷۔ طبری ج۶ ص۲۱۷
۸۔ تاریخ کامل، ابن اثیر جزری حصہ اول ص۱۱۴ ترجمہ اُردو
۹۔ تاریخ اعثم کوفی ص۳۵۲ (اُردو) مطبوعہ دہلی
۱۰۔ شرح الصحیح المسلم، امام نووی ج۲ ص۱۲۵
۱۱۔ تاریخ طبری ج۴ ص۴۱

عزمِ سفر

حسینؑ زیارات سے فارغ ہوئے۔ صبح سویرے دولت سرا میں تشریف لاتے ہی حکم دیا کہ اسباب سفر اونٹوں پر لاد دیا جائے۔ اہل حرم سفر نامعلوم پر کمر باندھ لیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ یہ خبر محمد حنفیہ کو پہنچی، بے تابانہ دوڑ کے آئے۔ مہار ناقہ سے لپٹ گئے۔ عرض کیا۔ سیدی! آپ نے اپنے خروج کے مسئلہ میں فکر کرنے کو فرمایا تھا۔ کیا وجہ ہے کہ آپ نے اپنے خروج ہی کو ترجیح دیدی۔ آپ نے فرمایا، اے برادر! جب آپ رات کو اپنے گھر گئے تو میں نے خواب میں جنابؐ رسالتمابؐ کو دیکھا۔ آپؐ نے مجھ سے فرمایا۔ **یا حسینؑ اُخرُج فانَّ اللہ قد شاء ان یراک قتیلاً** ۔ اے میرے نور نظر حسینؑ مدینہ و مکہ کے حدود سے نکل جاؤ۔ خداوند کریم کو یہی منظور ہے کہ وہ تم کو مقتول دیکھے۔ محمد حنفیہ نے یہ سنکر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، اور عرض کیا۔ اے میرے بھائی! اگر آپ کیلئے یہ حکم ہے تو عورتوں کو کیوں ساتھ لے جا رہے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا۔ **انَّ اللّٰہ قد شاء ان یراھُنَّ سبایا** ۔ اللہ کو ان کی اسیری ہی منظور ہے۔ یہ سنکر محمد حنفیہ خاموش ہوئے۔ ابن عباس نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ آپ سفر ترک فرمادیں۔ آپ نے جواب فرمایا۔ اے ابن عم! کیا یہ ممکن ہے کہ مدینہ اور مکہ جنگ کا اُکھاڑا بن جائے اور میں حرمت کعبہ کو ضائع کروں۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ایسا نہیں ہوگا؟ سنو ابن عباس! ایسا ضرور ہوگا۔ کیا تم اُمت محمدؐ یہ کو صالح اور نیک خصلت انسانوں سے تعبیر کرتے ہو؟

”**ماتقول فی قوم اخرجوا ابن بنت بنیہٖ من وطنہٖ و دارہ وقرارہ وحرم جدہ و ترکوہ خائفاً مرعو با الا یستقرنی قراء لا یادیٰ الی جوار یریدون بذالک قتلہ وسفک دمائہ لم یشرک باللہ شیئًا ولم یرتکب منکراً ولا اثما قال لہ ابن عباس جعلت فداک یا حسین** ۔ کیا کہتے ہو اس قوم کے متعلق کہ جس نے اپنے نبیؐ کی بیٹی کے بیٹے کو اسکے وطن سے نکال دیا۔ اسکے گھر، اسکی منزل، اور اسکے نانا کے روضے سے باہر نکلنے پر مجبور کردیا، اور اسکو خائف بنادیا۔ اب نہ تو کسی مقام پر ٹھہر سکتا ہے اور نہ ہی کسی پڑوس میں پناہ لے سکتا ہے۔ وہ لوگ (بنی اُمیہ اور انکے کارندے) چاہتے ہیں کہ اسکو قتل کریں (یعنی حسینؑ کو) اور اسکا خون بہائیں (یعنی حسینؑ کا) حالانکہ نہ تو اس نے (حسینؑ نے) شرک کیا اور نہ ہی کسی گناہ اور بُرائی کا ارتکاب کیا۔ یہ سنکر ابن عباس نے عرض کیا ”اے حسینؑ! میری جان آپ پر قربان ہو جائے“ اسکے بعد عبداللہ ابن عُمر

نے آ کر عرض کیا: اے حسینؑ! اس گمراہ قوم سے مصالحت کیجئے اور قتال نہ کیجئے۔ آپ نے فرمایا اے ابا عبدالرحمٰن! کیا تو نہیں جانتا ہے کہ خداوند کریم کے نزدیک دنیائے فانی کی بے قدری اس درجہ ہے کہ سر مبارک حضرت یحییٰؑ ابن ذکریاؑ کا ایک عورت زانیہ کیلئے بطریق ہدیہ بھیجا گیا۔ کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ بنی اسرائیل نے طلوع صبح سے لیکر طلوع آفتاب تک ستر پیغمبروں کو شہید کیا، اور اسکے بعد بازاروں میں اس طرح خرید و فروخت کرتے تھے کہ جیسے کچھ انہوں نے کیا ہی نہیں تھا اور حق تعالیٰ نے انکے عذاب میں تعجیل نہ فرمائی[1]۔

حسینؑ نے عبداللہ ابن عمر کو مثبت جواب دیکر راہ بے نشان پر قافلہ ڈال دیا۔ آپ کے کوچ کا دن یوم ترویہ تھا۔ بقول علامہ ابن اثیر جزری عمرو بن سعید بن العاص نے جو یزید کی جانب سے حجاز کا گورنر تھا۔ اپنے بھائی یحییٰ کے ساتھ چند سوار بھیجے۔ جو آپ کو راستے میں ملے اور آپ کے آگے بڑھنے میں مزاحم ہوئے۔ انہوں نے انکار کر دیا اور آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ معاملہ لڑائی کی صورت اختیار کر گیا۔ آخر امام حسینؑ اور آپ کے ہمراہی غالب آئے اور آپ اپنی منزل کی طرف چل دئے[2]۔

حجاز کے عامل کا تو یہی خیال تھا کہ حسینؑ کو واپس لا کے حدود مکہ میں ہی قتل کروا دیا جائے، اسلئے کہ اس عہدہ کا جو بھی عامل تھا، تاریخ نے کسی ایک کے اسلامی کردار کی نشاندہی نہیں کی۔ اگر کچھ کہہ بھی دیا تو کھلم کھلا کہہ دیا کہ ان کو نہ صرف اسلام کے ساتھ دشمنی تھی بلکہ محمد و آل محمدؐ کے ساتھ شدید نفرت و حقارت بھی تھی۔ حجاز کا عامل بھی حسینؑ سے یہی کچھ چاہتا تھا لیکن دوررس حسینؑ کی اصابت رائے نے اسکے عزائم کو مٹی میں ملا کے رکھ دیا۔ حسینؑ کے مکہ میں نہ رہنے سے نہ صرف ان افراد کو دمشق واپس لوٹنا پڑا جو محض اس غرض سے حج کرنے کے لئے آتے تھے کہ حسینؑ کو دوران طواف قتل کر دیا جائے، بلکہ حرمت کعبہ بھی محفوظ رہی، اور یہ حسینؑ ابن علیؑ کا ایک بصیرت افروز فیصلہ تھا۔

بے بنیاد مفروضے

حسینؑ کو اصحاب و اقرباء کی نصیحتوں پر عمل کرنا چاہئے تھا۔ آپکی ہٹ دھرمی صاف ظاہر کر رہی ہے کہ آپ کو کوفیوں پر اعتماد تھا۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ (معاذ اللہ) آپ کو طلب اقتدار کی شدت نے کسی ایک کی بھی نصیحت کو اچھی طرح سمجھنے کا موقعہ ہی نہیں دیا۔

جواب: ہم عرض کر چکے ہیں کہ رسول اسلام کی مختلف پیشنگوئیاں حسینؑ کی شہادت کے متعلق ہوئی تھیں اور جسکا علم حسینؑ کو بھی تھا۔ چنانچہ کرب و بلا وہ واحد جگہ تھی کہ جس کے لیے نص صریح آنحضورؐ جناب امیرؑ اور ان کے بھائی حسنؑ نے کی تھی۔ ''**یقال لھا کربلا**''، تو تاریخ کا مشہور فقرہ ہے۔ اب اگر حسینؑ کو ان تمام باتوں کا علم تھا تو کیا یہ ممکن ہے کہ اصحاب و اقرباء کی نصیحتوں پر عمل پیرا ہو کے حسینؑ جیسے خاندان نبوتؐ کے اہم رکن سے ان ارشادات کی تردید ہو جاتی۔ کیا ''**حسینؑ منی و انا من الحسینؑ**'' کا مفہوم غلط نہیں ہو جاتا۔ مدینہ یا مکہ میں رہ کر بعد کا واقعہ

پہلے پیش نہ آجاتا۔ کیا اِسے حرمت حرمین نہیں ہوجاتی ؟ آج اگر حسینؑ کے نکلنے پر یہ اعتراض ہے، نہ نکلنے پر حرمت حرمین کا اعتراض نہیں ہوتا؟ اعداء کو کیا، وہ حق معترض کی طرح تھوڑی پہچاننے کی رغبت کرتا ہے؟ اس نے تو یہ بھی نہیں سنا کہ:

عن علی ابن الحسینؑ قال لما احیط بالحسینؑ بن علی قال ما اسم الارض قیل کربلا فقال صدق رسول الله ارض کربلا.

حضرت امام زین العابدینؑ سے روایت ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ کو دشمنوں نے گھیر لیا تو حضرت نے پوچھا اس زمین کا کیا نام ہے۔ لوگوں نے عرض کیا، کربلا، تو آپ نے فرمایا، میرے جد محمد رسولؐ اللہ نے سچ فرمایا کہ یہ کربلا کی زمین ہے[۳]۔

کیا اس حدیث شریف کو مدِنظر رکھ کر حسینؑ سے یہ ممکن تھا کہ وہ اصحاب واقربا کے قول پر عمل کرتے؟ ایک طرف صاحب ''**ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یوحی**'' کی حدیث مدِنظر تھی اور دوسری طرف وہ متعدد خواب تھے جو آپ نے وقتاً فوقتاً دیکھے تھے، اور ان تمام خواب کی تلخیص یہی تھی کہ بیٹا نکل جاؤ۔ اے حسینؑ! میں نے ۲۳ سالہ لگاتار محنت سے گلشن اسلام کو سنوارا ہے۔ اب آبیاری کی ضرورت ہے۔ تم اور تمہارے اہلبیتؑ اور عزیز و اقارب کے خون کی ضرورت ہے۔ رزمگاہ کے تعین کی ضرورت ہے۔ جاؤ اور گلشن اسلام کو پژمردہ ہونے نہ دو' یہی وجہ تھی کہ حسینؑ نے اپنی شہادت کا مقصد محض دین الٰہی کی پاسداری اور شریعت محمدیؐ کی رکھوالی اس جملہ میں فرمائی کہ ''**ان کان دین محمدؐ لم یستقم الا بقتلی یا سیوف خزینی**'' اگر دین محمدیؐ کی بقا صرف میرے قتل سے مل سکتی ہے تو آؤ تلوارو مجھے اپنی چھاؤں تلے لے جاؤ حسینؑ جانتے تھے کہ مدینہ میں رہ کر جو اسلام پر آفت آنے والی ہے۔ اِس سے اسلام داخل دشنام ہو کر رہ جائے گا۔ لہٰذا حسینؑ نے انتہائی تدبر وفراست سے کام لیکر مدینہ یا مکہ کو خیر باد کہہ دیا، اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کربلا پر جو حسینؑ نے عظیم قربانی پیش کی اس سے اسلام کے مردہ جسم میں آب حیات پیدا ہوا اور آج تک اس حسینؑ کی اس شہادت کی وجہ سے ہم اور آپ اسلام کو جانتے ہیں۔ ورنہ یقین جانیئے کہ اگر یہ شہادت بالخصوص میدان کربلا میں پیش نہ کی جاتی تو اسلام بھی خیالی شہناموں کی فہرست میں داخل ہوا ہوتا۔ رہ گیا میدان کربلا ہی کیوں مقتل گاہ قرار دیا گیا؟ اور بھی تو میدان تھے انکو کیوں نظر انداز کر دیا گیا۔

یہ بے آب و گیاہ صحرا جہاں حدِ نگاہ تک زمین شعلے اُگل رہی ہے۔ آسمان انگارے برسا رہا ہے۔ پانی کا دور دور تک سراغ نہیں مل سکتا ہے۔ اشجار شدت گرمی کی وجہ سے پناہ دینے کے بجائے خستگی پر کمر بستہ ہیں۔ ریت ہر سو اُٹھ اُٹھ کر انسانی بدن کو جھلسا رہی ہے۔ غرض منزل ہی کچھ ایسی ہے کہ حوصلہ شکن، صبر آزما اور جگر سوز سے تعبیر کی گئی ہے۔ یہ میدان تھا کہ جسکا انتخاب اللہ نے محمد عربیؐ کے لاڈلے فرزند کیلئے کیا۔ تا کہ حسینؑ کے عزم، جذبہ اور ایثار کا صحیح

خاکہ دنیا کے سامنے پیش ہوسکے۔لہٰذا بار بار محمد عربیؐ کے ذریعے اس زمین کی نشاندہی فرمائی۔ظاہر تو ظاہر رہا اسے تو انکار کیا نہیں جاسکتا۔حد یہ ہے کہ بذریعہ خواب بھی رسولؐ نے اپنے نواسے کو یاد دلایا۔خواب کس طرح حقیقت بن سکتا ہے؟ اسکے لئے سورہ ابراہیم میں ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ کا واقعہ پڑھا جائے۔ یہاں ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ کی بحث نہیں تھی۔ یہاں خاتم الانبیاء محمد رسولؐ اللہ اور سید الشہدا حسین ابن علیؑ ابی طالب کا معاملہ ہے۔حسینؑ خواب دیکھتے ہیں اور محمدؐ خواب میں امر فرمارہے ہیں۔ظاہر ہے کہ امر وجوب پر دلالت کرے گا یعنی خواب کو خواب کی حد تک ہی رکھ لینا بعینہ اسی طرح ہے کہ جیسے بظاہر رسولؐ کوئی حکم فرمارہے ہوں، اسکو حکم تو تسلیم کیا لیکن تعمیل کی نہیں اور جب تعمیل حکم رسولؐ نہیں ہوئی تو عقیدہ میں ایک گہری خلیج حائل ہوئی۔لہٰذا دائرہ اسلام سے یکسر خارج ہوجائیگا۔

محمد عربیؐ جسکو خواب میں آئیں۔موجودہ زمانے کی تاویل کے تحت اسکو نہ تو ہمات کا ایک مفروضہ قرار دے سکتے ہیں اور نہ ہی خیالات کی پراگندگی کا نتیجہ بلکہ ''**من رآنی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل بصورتی** ''جس نے مجھے خواب میں دیکھا بہ تحقیق درحقیقت مجھے ہی دیکھا ہے کیونکہ شیطان میری صورت بنا نہیں سکتا ہے[۴]۔

عن انس ابن مالک ان رسول اللہؐ قال الرؤیا الحسنة عن الرجل الصالح جزء من ستة و اربعین جزء من النبوة انسؓ ابن مالک بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ اچھے شخص کا اچھا خواب نبوت کے ۴۶ اجزا میں سے ایک جز ہے۔[۵]

اب بھلا بتایئے حسینؑ اصحاب وانصار یا عزیز و اقارب کا قول کیونکر تسلیم کرتے۔نانا کو خواب میں دیکھنا تو حد تواتر تک پہنچ چکا ہے۔اس سے اغماض بصر نہیں کیا جاسکتا۔رہ گیا خواب کو حقیقت جان کر اس پر عمل پیرا ہونا۔تو وہ آپ ابراہیمؑ کا واقعہ زیرنظر رکھ کر مندرجہ بالا دو حدیثوں کے آئینہ میں لایئے۔ پھر تطابق کے بعد یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ حسینؑ کا یہ عملی اقدام سراسر احکام الٰہی اور سنت نبویہؐ کے مطابق تھا۔

رہ گیا اقتدار کی طلب:-تو اسکے لیے اگر تاریخ اقوام عالم کا مطالعہ کیا جائے۔ہمیں اس حقیقت کا پتہ لگانا آسان ہوجائے گا کہ طلب اقتدار کے خواہاں جب بھی اُٹھے تو بال و پر لیکر اُٹھے یعنی وقت کی وہ تمام ضرورتیں انہوں نے ساتھ اُٹھائیں جسے اُنہوں نے اپنے حریف کے مقابلے میں ''بے جا یا بجا'' طور پر استعمال کیا۔حقائق بذات خود چھپتے نہیں ہیں چھپائے جاتے ہیں۔صرف اس لیے کہ آنے والی نسلوں کے ذہنوں میں غلط بات کو تہہ نشین کیا جائے، ورنہ اگر چشم بصیرت ہو تو حسینؑ کے ان مادی وسائل کے خدوخال روز روشن کی طرح نظر آئیں گے، کہ جہاں ۶ ماہ کے بچے سے لیکر ۸۰ سال کے بوڑھے کو بھی ان وسائل کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔عالمی سیاست گاہ میں اُتر کر یہی سننے اور دیکھنے میں آئے گا کہ ۶ ماہ کا بچہ اور ۸۰ سال کا بوڑھا کسی بھی حیثیت کی رزمگاہ میں لانا اپنے

آپ کومصائب وآلام کے شدائد میں اضافہ کرنے کے مترادف ہے۔آپ ذراحسینؑ کے خاندان کودیکھئیے ۔عرب مدتوں کہہ رہے تھے کہ محمد عربیؐ بغرض اقتدار اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔عربوں کی نگاہوں میں اگر انکا یہ دعویٰ درست بھی سمجھا جائیگا لیکن اِسے یہ کبھی بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے کہ بالحقیقت آنحضورؐ یہی کچھ چاہتے تھے، بلکہ عربوں کا انفرادی دعویٰ تھا جو بعد کے واقعات نے خود بخود ان کی ذہنوں سے حرف غلط کی طرح مٹادیا۔اسی طرح حسینؑ کی مثال ہے۔اگر آپ کے اس عملی اقدام کو بھی معترضین کی نگاہوں میں طلب اقتدار ہی کا اقدام تسلیم کرلیا جائے تو ہمیں ان تمام مقاتل،ان تمام واقعات اوران تمام تاریخوں سے دست کش ہونا پڑے گا جو نہ صرف ہمیں آپ کے پرشکوہ اقدام تک رہنمائی کرتی ہیں، بلکہ محمدؐ اورانکے بعد کے دستبردار تجزیہ وتحلیل کی بھی نشاندہی کرتی ہیں۔اسلئے کہ ہمارے سامنے نہ صرف احادیث کی جامع کتابیں ہی اس واقعہ کے صحت پر دلالت کرتی ہیں بلکہ ہر دور کی تاریخوں، تفسیروں اورسیرتوں میں بھی اس واقعہ کو خاص عنوان اور خاص واقعہ کے طور پر پیش کیا گیا ہےاورایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ ان تمام کتابوں سے انسان یکسر روگردانی کرے۔ بحث کے طولانی ہونے کا خوف نہ ہوتا تو ہم اس سوال کا منبع بتلادیتے کہ کہاں سے اس قسم کی لب کشائی کی شق شروع کروادی گئی۔

آخر میں ہم حسینؑ کےایک فرمان کونقل کریں گے۔اس سےآپ کےاس اقدام پرصحیح روشنی پڑتی ہے۔

فقال انی لم اخرج بطراً ولا اشراً ولا مفسداً ولا ظالماً وانّما خرجت لطلب الاصلاح فی امة جدی اریـد ان اٰمر بالمعروف و انھیٰ عن المنکرو اسیر بسیرة جدی وسیرة علی ابن ابی طالب فمن قبلنی بقبول الحق فاللّٰہ اولیٰ بالحق وھو احکم الحاکمین۔

امام حسینؑ نے عبداللہ ابن عباس کوفرمایا۔اے ابن عباس! میں بڑا بننے،اکڑنے فساد پھیلانے اور ظلم کی غرض سے نہیں جارہاہوں بلکہ میں صرف اس لیے جارہاہوں کہ اپنے نانا محمد مصطفیٰؐ کی اُمت کی اصلاح کروں،ان کو نیک کاموں کا حکم دیدوں،ان کو برائیوں سے روکوں۔میں اپنے جدامجد اوراپنے بابا علی مرتضیٰؑ کی سیرت پرچلوں گا۔جو مجھے حق سمجھ کر قبول کرے گا تو خدا حق کا زیادہ سزاوار ہے،اوروہی تمام فیصلہ کرنے والوں میں بہترین فیصلہ کرنے والا ہے[۶]۔

حسینؑ کے اس فرمان کے لفظ لفظ کو بغور دیکھنے سے کوئی بھی عقل سلیم رکھنے والا یہ دعویٰ نہیں کرے گا کہ آپ کا اقدام اقتدار کے لیے تھا۔آپ کا یہ اقدام محض اصلاح اور خصائل ورذائل سے ان کو نکالنا تھا۔اسکے بعد بھی جب کبھی حسینؑ سے پوچھا گیا کہ کہاں کا ارادہ ہے تو آپ کہہ دیتے تھے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسولؐ کے دین کی بگڑی ہوئی شکل کوسنوارنے کیلئے۔یہ تھا آپ کا عملی اقدام۔

عبداللہ ابن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حسینؑ جب منزل تنعیم میں پہنچے تو عبداللہ ابن جعفر طیارؓ آپ کے اس خروج سے واقف ہوئے ۔ چنانچہ

اسکے باوجود کہ سخت علیل تھے، آپ حسینؑ کی خدمت میں آئے، اور آنے والے واقعات کی نشاندہی کی۔ آپ نے حسینؑ سے کہا۔ میرے بھائی! آپ تمام دنیا سے زیادہ مجھے عزیز ہیں اور آپکو میں تمام افراد سے زیادہ محبت کا حقدار سمجھ چکا ہوں۔ مجھ پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ بحیثیت بھائی آپکو خطرات سے آگاہ کروں، کیونکہ آپکی اطاعت مجھ پر واجب ہے۔ لہٰذا بصد ادب عرض ہے کہ آپ بیعت یزید سے کنارہ کش ہو جائیں۔ جس کیلئے آپکو اگر شہروں سے دور جنگلوں اور بیابانوں کی پیمائی بھی کرنی پڑے تو گریز نہ کریں۔ لوگوں کے پاس اپنے قاصد ارسال فرما کر ان کو بیعت کی دعوت دے دیجئے۔ مجھے خوف ہے کہ آپ کسی ایسی بستی میں نہ اتر جائیں کہ جو اپنی زمین کی طنابوں کو کھینچ لے کہ جسے آپ کی جان پر کسی قسم کا خطرہ لاحق ہو سکے[۷]۔

عبداللہ ابن جعفر نے جو کچھ برادرانہ طور پر عرض کیا۔ اس سے تو یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بھائی کو بھائی (بہنوئی کو بھائی) کے ساتھ کس قدر عقیدت اور شفقت تھی۔ ویسے عبداللہ بھی اُسی خاندان کے چشم و چراغ تھے جس خاندان کے حسینؑ تھے۔ ہاں اب اگر فرق تھا بھی کچھ تو وہ یہی تھا کہ حسینؑ امام تھے اور عبداللہ اس نعمت عظمیٰ سے محروم تھے۔ پھر بھی انکی جلالت اور قدر و منزلت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ان کی فضیلت کا ذکر کرنا یہاں ناگزیر نہ ہوگا۔

ان کے والد بزرگوار جعفر طیارؓ تھے۔ ان ہی کی تقریر سے حبشہ کا بادشاہ نجاشی دھنگ رہ گیا تھا۔ آپ ہی جنگ موتہ کے سردار تھے۔ ''اس جنگ میں حضرت عمر اور حضرت ابوبکر بھی تھے''۔ لیکن یہاں داد شجاعت دے کر آپ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ اور یہی وہ جنگ تھی جو ہرقل روم نے مسلمانوں کے خلاف موتہ کے مقام پر لڑی۔ جب آنحضرتؐ کے مقرر کردہ سردار شہید ہوتے چلے گئے تو لشکر نے علم ثابت ابن حزم کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے علم تو لے لیا۔ مگر یہ کہہ کر واپس دے دیا کہ مجھ میں اسکی صلاحیت نہیں ہے۔ اس پر خالد ابن ولید نے علم لے لیا۔ مگر ان کو سردار کسی نے منتخب نہیں کیا تھا۔ چنانچہ زرقانی لکھتے ہیں۔ '' **ثم اخذ اللواء خالد ابن ولید ولم یکن من الامراء وھو امیر نفسه** '' ملاحظہ ہو[۸]۔

اسکے بعد یہ لشکر شکست کھا کر نو دو گیارہ ہوا۔ جب مدینہ پہنچے تو اہل شہر انکے استقبال کیلئے نکلے مگر غم خواری کے بجائے ان کے چہروں پر خاک ڈالتے اور کہتے جاتے تھے کہ فراریوں کیا تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے[۹]۔

جناب جعفرؓ کی شہادت جنگ موتہ میں ہوئی۔ اسی جنگ میں آپ کے دونوں بازو قلم کر دئے گئے۔ اسی لیے حضورؐ نے آپ کے لیے فرمایا۔ ''اللہ نے ان دو بازوں کے عوض آپکو دو پر دیئے جن سے آپ ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتے ہیں''۔ یہی فرمان مدنظر رکھ کر حضرت عمر کے فرزند عبداللہ آپ کے بیٹے عبداللہ بن جعفر کو اس طرح سلام کرتے تھے **السلام علیک یابن ذی الجناحین** دو پروں والے کے بیٹے تجھ پر سلام ہو[۱۰]۔

کیا یہ صحیح ہے کہ عبداللہ ابن جعفرؓ امام حسینؑ کے اس اقدام کے مخالف تھے جو آپ نے اختیار فرمایا اور کیا یہ

بھی صحیح ہے کہ اسی وجہ سے عبداللہ بن جعفرؑ نے جناب زینبؑ کو طلاق دی تھی؟

جواب: -عبداللہ بن جعفرؑ ۲ ہجری میں حبشہ کی سرزمین میں پیدا ہوئے۔ واقعہ کربلا ۶۱ ہجری کو رونما ہوا۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ کے وقت آپ کی عمر شریف ۵۹ سال کی تھی۔ آپ کی والدہ کا نام اسماء بنت عمیس تھا۔ شاہ نجاشی کا بیٹا اور آپ رضاعی بھائی تھے، کیونکہ جب آپ پیدا ہوئے تو اسکے چند دن بعد ہی نجاشی کا بھی بیٹا پیدا ہوا۔ اس نے تشرفاً اور تبرکاً اپنے بیٹے کا نام عبداللہ رکھا۔ پھر اسکو اسماء بنت عمیس کے حوالے کیا تاکہ آپ اسکی تربیت کریں[۱۱]۔

جناب جعفرؑ کی شہادت کے بعد آنحضورؐ نے جناب جعفرؑ کے بیٹوں کے لئے فرمایا۔''**انا ولیھم فی الدینا والآخرۃ**''۔ میں دنیا اور آخرت میں انکا ولی ہوں[۱۲]۔

امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے ساتھ آنحضورؐ عبداللہ کو بھی سواری پر سوار کر لیتے تھے[۱۳]۔

عبداللہ ابن جعفرؑ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہؐ نے مجھے اپنے پیچھے سواری پر بٹھالیا اور مجھ سے ایک ایسی بات بتلادی کہ جس کو میں کبھی بھی بیان نہ کروں گا[۱۴]۔

جناب جعفرؑ کی شہادت کے بعد اسماء نے دوسری شادی کی۔ اس طرح جناب جعفرؑ کے بیٹے حضرت علیؑ کے پاس رہے۔ یہیں سے آپ کی تربیت ہوئی۔ سپاہیانہ تربیت جناب امیر کی نگرانی میں ہوئی۔ ایک دن آپ کہیں گھوڑے پر جارہے تھے۔ آپ کے سامان میں جناب علیؑ کی تلوار بھی تھی کیونکہ یہ آپ ہی کے پاس رہتی تھی۔ ایک سائل نے آپ سے کہا۔ گھوڑے سے اُتر جائیے اور جو کچھ سامان ہے مجھے دیدیجئے۔ جو سامان تھا وہ سب سائل کو دیدیا لیکن یہ ضرور کہا دیکھو بھائی تلوار سے دھوکہ نہ کھانا یہ علیؑ کی تلوار ہے[۱۵]۔

مختصر یہ کہ فضل وکمال، معرفت کے جلوے نامہ آپ کے انگ انگ میں چلے تھے۔ ایک دفعہ حضور رسالتمابؐ نے اولاد جعفرؑ کو دیکھ کر فرمایا **بناتنالبینناو بنونا لبنا تنا** ہمارے لڑکے ہماری لڑکیوں کے لئے ہیں اور ہماری لڑکیاں ہمارے لڑکوں کیلئے ہیں[۱۶]۔

جب جناب زینبؑ ثانی زہراؑ سے آپ کی شادی ہوئی تو آپ جناب امیرؑ ہی کے پاس رہنے میں سعادت سمجھنے لگے۔ امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کے ساتھ رہے۔ **ترحل الحسن بن علی و معه اخوہ الحسینؑ وبقیة اخوتھم وابن عمھم عبداللّٰہ ابن جعفر من ارض العراق الی ارض المدینة** جب کوفہ سے امام حسنؑ مدینہ کو آئے ان کے ساتھ انکے بھائی حسینؑ اور دوسرے بھائی اور انکے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر تھے[۱۷]۔

امام حسنؑ کی شہادت کے بعد امام حسینؑ کے ساتھ رہے۔ عبداللہ، عون یہ سب امام حسینؑ کو اپنا دینی

سرپرست اور پیشوا سمجھتے تھے۔عبداللہ اپنے مسائل میں امام حسینؑ کے حکم کے منتظر رہتے تھے[۱۸]۔

یہ فضائل ومناقب شمہ برابر بھی نہیں ہیں۔بخوف طوالت ان کے اندراج سے اغماض بصر کیا۔اب دیکھنا یہ ہے کہ واقعہ اصل میں کیا ہے۔جعفرالنقدی رجب تحریر فرماتے ہیں کہ جناب امیرالمومنینؑ نے جناب زینبؑ کا عقد جناب عبداللہ سے کیا تو یہ شرط رکھی کہ جناب زینبؑ اپنے بھائی امام حسینؑ کے ساتھ سفر میں جانا چاہیں تو عبداللہ مانع نہ ہوں بلکہ اجازت دیدیں، چنانچہ جب امام حسینؑ نے عراق کے سفر کا ارادہ فرمایا تو جناب عبداللہ نے جناب زینبؑ کو اجازت دیدی[۱۹]۔

عون ومحمد جناب عبداللہ کے بچے تھے اور انکی ماں جناب زینبؑ تھیں۔جب امام حسینؑ عازم سفر ہوئے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ عبداللہ ساتھ کیوں نہیں آئے۔ہر تاریخ پڑھنے والا جانتا ہے کہ جہاد میں وہی حصہ لے سکتا ہے جو صحتمند جسم کا مالک ہو۔معذور، بیمار جہاد میں شریک نہیں کیے جاسکتے، کیونکہ ان کی شرکت مشکلات میں اضافے کے سوا کچھ بھی تاثر نہیں دیگی جب یہی نظریہ سامنے رکھ کر جناب عبداللہ کی عدم شرکت پر لے آتے ہیں۔تو تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس سفر کے وقت ان کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی تھی۔یہی مجبوری اور معذوری سدراہ ہوئی[۲۰]۔

اب خود تو جہاد عظیم کی شرکت نہ کرسکے۔اس لیے انہوں نے جناب زینبؑ اور اپنے دونوں بیٹوں عون ومحمد کو امام حسینؑ کے ہمرکاب ہوجانے کی اجازت دیدی۔محسن الامین الحسینی العاملی تحریر فرماتے ہیں جناب زینبؑ نے اپنے شوہر کے ساتھ رہنے سے اپنے بھائی کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی جبکہ انکے شوہر اس سے راضی اور خوش ومسرور تھے۔انہوں نے اپنے دونوں بچوں کو بھی اپنے ماموں کے ساتھ رہنے اور انکے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا تھا۔جسکی انہوں نے تعمیل کی اور شہید ہوئے اور بھائی کے پاس وہ رہنے کی حقدار تھیں۔جس کا حسینؑ جیسا بھائی ہو اور خود بھی ایسی باکمال اور بلند مرتبہ ہو شوہر پر بھائی کا مقدم کرنا اسکے لئے کوئی تعجب کی بات نہیں[۲۱]۔

مزید تفصیل آگے آئے گی۔

حوالہ جات

۱؎ بحارالانوار ج۱۰ حصہ اول ص۱۷۹

۲؎ تاریخ الکامل، ابن اثیر جزری حصہ اول ص۱۳۱

۳؎ مسند احمد حنبل ج۶ ص۶۹۴؛ کنزالعمال ج۶ ص۲۲۲؛ الاتماف البلاء ص۳۱۰؛ سرالشہادتین ص۸۱؛ صواعق محرقہ ص۱۶۹

۴؎ صحیح بخاری پارہ ۲۵ ص۶۱۳ مطبوعہ دہلی

۵؎ صحیح بخاری پ۲۸ ص۴۷۲

۶ مناقب ج۴ص۸۸
۷ جلاء العیون ج۲ص۱۳۵۔۱۳۶
۸ شرح علی المواھب للمدینہ، زرقانی، جزء۲ص۲۷۲؛ تاریخ الامم والملوک، محمد ابن جریر طبری، جزء۳ص۱۰۹
۹ سیرۃ النبی ج۲صفحہ۳۷۲
۱۰ الاصابہ ج۳ص۴۴
۱۱ تذکرہ خواص الامہ، سبط ابن جوزی ص۱۰۶
۱۲ الاستیعاب ج۱ص۲۴۲
۱۳ تذکرہ خواص الامہ ص۱۰۹
۱۴ حوالہ ایضاً
۱۵ بدایہ والنہایہ ج۸ص۱۰۲
۱۶ مناقب ابن شہر آشوب ج۱ص۱۶۲
۱۷ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر دمشقی ج۸ص۱۹۹
۱۸ بطلۃ کربلا، عائشہ بن شاطی ص۴۵
۱۹ زینب الکبریٰ ص۲۹
۲۰ زینب الکبریٰ ص۱۲۰
۲۱ اعیان الشیعہ جز۳۳ص۱۹۳

خطوط کا سلسلہ

بصرہ اور کوفہ بنی امیوں کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ اولوالعزم صحابہ کا قتل، سب علی ابن ابی طالبؑ اور معاویہ کا عجیب کردار اور اس پر طرہ یہ کہ یزید کی نامزدگی بصرہ اور کوفہ کے لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھیں۔ لہٰذا اس ظلم اور تشدد سے بچنے کے لئے انہوں نے کوفہ جو اس وقت مملکت اسلامیہ کی ایک اہم کڑی اور تجارتی بندرگاہ تھی کے روساء کو جمع کر کے بیعت یزید کے قلاوہ کو نکال پھینکنے کی قرارداد پاس کی۔ لیکن بذات خود ایک پوری حکومت سے ٹکر لینا ناممکن تھا۔ لہٰذا انہوں نے عالم اسلام پر نظروں کو مرکوز کیا کہ کون حالات حاضرہ میں ہمارا صحیح معین و مددگار اور رہبر بن سکتا ہے۔ مکہ و مدینہ کے پلیٹ فارم پر عبداللہ ابن زبیر، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن عباس و بروایتے عبدالرحمٰن ابن ابوبکر اور حسینؑ ابن علیؑ نظر آئے۔ ہر ایک کا جائزہ لیا لیکن حسینؑ جیسا صاحبِ عزم صمیم، حسینؑ جیسا مدبر اور حسینؑ جیسا رہنما ہی ان میں ایسا رہنما نظر آیا جو انکی قیادت کا واقعاً حق ادا کر سکتا تھا۔ ان میں بنسبت باقی حضرات کے خاندانی خصوصیات بھی تھیں۔ ان میں باقیوں کی نسبت سے رشتہ رسولؐ سے گہرا لگاؤ تھا۔ یہ ازلی اور ابدی رشتہ کی کڑی تھی۔ باقیوں میں یہ فضلیت نہیں تھی۔ لہٰذا ان تمام کوائف کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انہوں نے حسینؑ کی خدمت میں قیادت، امامت اور رہنمایت سنبھالنے کے متعلق مسلسل خطوط لکھے۔ چنانچہ حسن ابن علیؑ یعنی حسینؑ کے برادر اکبر ہی کے زمانے میں سے اس قسم کے خطوط لکھے جاتے تھے لیکن ان تمام خطوط کا حسینؑ کی طرف سے صرف ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ ''فی الحال صبر کرو''۔ یعنی ابھی کفر و فسق ردائے اسلام میں ہی کروٹیں لے رہا ہے۔ جب ردا ہٹ جائے تو اسوقت مجھے عالم اسلام کے مدد کی قطعی ضرورت محسوس نہ ہوگی۔ میں بنفسِ نفیس اِس سے ٹکر لے لوں گا اور یہ ٹکر نوع انسانی کی پہلی اور آخری ٹکر ہوگی کہ جسکے بعد کفر و ضلالت کی نبضیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ڈوب جائیں گی۔

لیکن اب حسنؑ شہید ہو گئے، معاویہ مر گئے، یزید برسر اقتدار آ گیا۔ ردائے کفر اوڑھ دی گئی۔ جو کچھ منصوبہ تھا بذریعہ فرامینِ بیعت سامنے آ چکا۔ کوفہ کے لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حسینؑ ابن علیؑ نے بیعت سے انکار کیا ہے۔ ابن عباسؓ، عبداللہ ابن زبیرؓ یا عبداللہ ابن عمرؓ کی طرح سُستی نہیں برتی بلکہ شاہین کا تجسس اور چیتے کا جگر لیکر عدم بیعت کا پرچم بلند کیا ہے۔ لہٰذا انہوں نے حسینؑ کو ازسرنو دعوت نامے بھیجے۔ لیکن معرض تحریر میں لانے سے پہلے سلیمان ابن صرد الخزاعی نے ان کو اپنے مکان میں جمع ہونے کی دعوت دی۔ جب سب کے سب جمع ہو گئے تو

سلیمان نے کھڑے ہوتے ہوئے اس طرح تقریر کی:

''ہمیں علم ہوا ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ مدینہ کو خیر باد کہہ کر مکہ میں آئے ہیں۔تم لوگ ان کے اور انکے والد کے حامی ہو۔اگر تم لوگوں کو یقین ہے کہ تم ان کی پوری طرح مدد کر سکو گے تو تم ان کی خدمت میں خط لکھو لیکن اگر کمزوری، خوف اور دودلی میں اُلجھے ہوئے ہو تو پھر انہیں یزید کے خلاف کھڑا کر کے ان کیلئے مصائب کا دروازہ نہ کھولو!''

اسکے بعد کوفہ کے لوگوں نے بیک زبان ہو کر کہا کہ ''ہم حسینؑ پر اپنی جانیں قربان کریں گے۔''

ممکن ہے کہ کوتاہ اندیش فرد اس تقریر کو دیکھ کر یہ خیال کرے کہ سلیمان ابن صرد الخزاعی بھی اہل کوفہ سے مطمئن نہیں تھے لہٰذا ایسے الفاظ تقریر میں استعمال کئے لیکن اگر یہ مفروضہ بھی تسلیم کیا جائے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ظاہر ہے کہ جناب رسالتمابؐ کے عہد میں بھی ایسے افراد تاریخوں سے ملتے ہیں جن پر شکوک انگشت وارد کردئے گئے ہیں اور بات بھی یہی ہے کہ جنگ احد میں مال وزر کی لالچ میں جناب رسالتمابؐ کے حکم کی صریح نافرمانی کی گئی۔لہٰذا سلیمان ابن صرد الخزاعی نے اگر اہل کوفہ کے حالات کا صحیح جائزہ لیکر ان کے اگلے واقعات کی نشاندہی کر لی تو اس میں حیرت واستعجاب کی کیا بات ہے۔

غرض اس اتفاق رائے سے اہل جلسہ میں چند چیدہ چیدہ آدمیوں نے امام حسینؑ کو خطوط لکھے۔وہ آدمی یہ تھے:سلیمان ابن صرد الخزاعی،مسیّب بن نجبہ،رفاہ بن شداد اور حبیب ابن مظاہر الاسدی۔ان ہی کا ایک خط یہ تھا:

''الحمد اللہ آپ کا دشمن ہلاک ہوا۔اب آپ ہماری رہنمائی اور پیشوائی کیلئے تشریف لے آیئے۔جس وقت بھی جناب عالی یہاں ماقصد فرمادیں گے تو ہم اس وقت حاکم کوفہ جو نعمان ابن بشیر تھا کو کوفہ سے باہر نکالیں گے۔ہم لوگ اس سے بالکل جدا ہو گئے ہیں اور نماز جماعت ونماز جمعہ میں بھی ہم لوگ شرکت انکے ساتھ نہیں کرتے ہیں۔''

یہ خط لیکر عبداللہ ابن سبع اور عبداللہ ابن وال سفیر بنکر حسینؑ کی خدمت میں ۱۰ رمضان المبارک کو پہنچے۔اس خط کے بعد ۱۲۰۰۰ خطوط مختلف مضامین اور عناوین لیکن مفہوم واحدہ کے ساتھ امام حسینؑ کی خدمت میں بھیجے گئے۔سب سے آخر میں ہانی ابن ہانی اور سعید ابن عبداللہ اہل کوفہ کے سفیر بن کر گئے۔ان کے متنوں میں اتنا ہی اضافہ کیا گیا تھا ''ہم لوگ آپ کے سوا کسی کی امامت وخلافت تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ہم فقط ہدایت کے طالب ہیں۔نصرت کیلئے آمادہ ہیں۔اگر آپ تعرض کریں گے تو اسکا گناہ آپ پر ہے اور آپ کو اپنے جد کے سامنے جواب دینا پڑے گا''۔

وہ خطوط جو یکے بعد دیگرے امام حسینؑ کو پہنچے چند ایک درجہ ذیل من وعن نقل کئے جائیں گے تاکہ حسینؑ کے عملی اقدام کے صحیح خدوخال سامنے آجائیں۔ملاحظہ ہوں!

☆**بسم اللہ الرحمن الرحیم:للحسین بن علی امیر المومنین من سلیمان بن صرد**

الخزاعی والمیسب و رفاعه بن شداد و حبیب ابن مظاهر وعبدالله بن وائل و شیعة من المومنین. سلام علیک اما بعد فالحمد الله الذّی قصم عدوک وعدوابیک من قبل الجبار العنید الغثوم الظلوم الذی اتبر هذه الامة امرها وغصبها فها و تامر علیها بغیر رضی منها ثم قتل خیارها واستبقی شرارها وجعل مال الله دولة بین جبابرتها وعتاقها فبعد له کما بعدت ثمود. ثم انه لیس علینا امام غیرک فاقبل لعل الله یجمعنا بک علی الحق والنعمان بن بشیر فی قصر الامارة ولسنا مجمع معه فی جمعة ولا فی جماعة ولا تخرج معه فی عید قد بلغنا انک اقبلت اخرجنا ه حتی یلحق بالشام والسلام علیک ورحمة الله وبرکاته یا بن رسول الله وعلیٰ ابیک من قبلک ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم.

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع کرتے ہیں جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ حسین ابن علی امیر المومنینؑ کی خدمت میں سلیمان ابن صرد الخزاعی، مسیّب، رفاعہ بن شداد، حبیب ابن مظاہر، عبداللہ ابن وائل اور دیگر مومنین کی طرف سے آپؑ پر سلام ہو۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کے اور آپ کے والد بزرگوار کے جبار سرکش مفسد اور ظالم دشمن کو موت کے مہیب پنجوں میں دبا دیا جس نے اُمت کے معاملات کو درہم برہم کر دیا جس نے اموال اُمت کو غصب کیا اور اُمت کی رضامندی کے بغیر اس پر حکومت کی۔ جس نے نیک لوگوں کو قتل کیا اور بُرے خصلت آدمیوں کو زندہ رکھا۔ جس نے اپنے سرکش اور غلاموں کی ملکیت اللہ کے مال کو قرار دیدیا۔ خدا اسی طرح اس کا بُرا کرے جس طرح قوم ثمود کا بُرا کیا گیا تھا۔ (اسکے بعد لکھا) _____ سوائے آپ کے ہمارا کوئی امام نہیں ہے۔ لہٰذا تشریف لائیے۔ اُمید ہے کہ خداوند کریم ہمیں آپ کی وجہ سے جادۂ حق پر گامزن کرے۔ اگرچہ (اس وقت) نعمان بن بشیر دارالامارہ میں موجود ہے لیکن ہم اسکے ساتھ نہ جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں نہ جماعت میں شریک ہوتے ہیں اور نہ ہی نماز عید میں ہم اسکے ساتھ شرکت کرتے ہیں۔ اگر ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے ہمارے ٹوٹے ہوئے دلوں کی فریاد سن کر یہاں آنے کا قصد فرمایا ہے۔ تو ہم آن واحد میں نعمان ابن بشیر کو حدود کوفہ سے اس طرح نکال لیں گے کہ وہ بلد شام میں ہی دم لیکر رہے گا۔ اے فرزند رسولؐ آپؑ پر اور آپؑ کے پدر بزرگوار پر ہمارا سلام ہو اور خدا کی رحمتیں و برکتیں نازل ہوں۔ قوت اور طاقت والا صرف خدا ہے، جو عظمتوں اور بزرگیوں کا مالک ہے۔[1]

☆ اس خط کے بعد کوفہ کے لوگوں نے مندرجہ ذیل خط حسینؑ ابن علی کی خدمت میں روانہ کیا۔

بسم الله الرحمن الرحیم للحسین بن علی امیر المومنینؑ من شیعتهٔ اما بعد فان النّاس ینتظرونک لاریٰ لهم غیرک فالعجل العجل یا بن رسول الله الخ.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حسین ابن علیؑ کی خدمت میں عقیدت کیشوں کی طرف سے۔ اما بعد بتحقیق لوگ آپ

کے منتظر ہیں۔ آپکے علاوہ کسی کے متعلق ان کی رائے نہیں ہے (یعنی امر بیعت میں) لہٰذا جتنا جلد ہوسکے آنے میں تاخیر نہ فرماویں والسلام۔[۲]

☆**فکتب بعد الحمد انّہ لیس علینا امامٌ فاقبل لعل الله ان یجمعنا بک علی الحق والنعمان بُن بشیر فی قصر الامارہ لسنا نجعع معه فی جمعة ولا تخرجُ معه الی عید ولو قد بلغنا انّک قد اقبلت الینا اجرجناهُ حتیّٰ نلحقُه بالشّاهم انشاء الله.**

حمد خدا کے بعد لکھا: ہمیں کوئی امام نہیں ہے لہٰذا آپ تشریف لے آیئے۔ ممکن ہے کہ اللہ ہمیں آپ کی وجہ سے حق پر جمع کرے۔ نعمان بن بشیر دارالامارہ میں ہے۔ ہم نا ہی نماز جمعہ میں اسکے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور نا ہی عید کی نماز میں۔ جونہی ہمیں آپ کے یہاں آنے کے بارے میں علم ہوجائے تو ہم نعمان ابن بشیر کو خارج کوفہ کرکے شام میں دم لینے پر مجبور کریں گے۔ انشاءاللہ۔[۳]

اس خط کو انہوں نے عبداللہ بن سمع الہمدانی اور عبداللہ بن وال تمیمی کے ہاتھ بھیج دیا۔ غرض بارہ ہزار خطوط لکھ بھیجے۔ جن افراد نے خطوط ارسال کیے ان میں سے ہم چند کا ذکر کیے دیتے ہیں۔

حبیب ابن مظاہر الاسدی، سلیمان ابن صرد الخزاعی، شیث ابن الربعی، حجاز ابن الجبر، یزید ابن حارث، یزید ابن رویم، عروہ ابن قیس، عمرو ابن حجاج الزبیدی، محمد ابن عمیر التمیمی، عبداللہ ابن سمع ہمدانی، عبداللہ ابن وال تمیمی، مسیّب ابن نجبہ، رفاعہ ابن شداد وغیرہ وغیرہ۔

ان خطوط کے باوجود اہل کوفہ نے وفود امام حسینؑ کی خدمت میں یکے بعد دیگرے بھیجے۔ پہلے وفد کے ساتھ ۱۵۰ خطوط اہل کوفہ کے تھے۔ اس وفد میں قیس ابن مسہر الصیداوی اور عبدالرحمٰن الارجبی بھی شامل تھے۔ دوسرے وفد میں چیدہ چیدہ آدمیوں کے ساتھ بقیہ خطوط تھے اور جو بھی خط لیکر جاتا تھا اسکے ساتھ ایک جماعت ہوتی تھی جو بطور وفد کے حاضر ہوجایا کرتی تھی۔ مسلسل خطوط اور وفود کے پیشِ نظر اب حسینؑ پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ ان کی آواز پر لبیک کہیں۔ بصورت دیگر اپنے فرض کی اہمیت سے (معاذ اللہ) کوتاہی پیدا ہونے کا اندیشہ لازم آتا تھا۔ لہٰذا آپؑ نے ان کی آواز پر لبیک فرمائی اور چل دیئے۔

۱۲۰۰۰ خطوط اور وفود کا مسلسل آنا صاف بتلا رہا ہے کہ کوفہ کے لوگ تن و من کی قربانی دینے پر تیار ہیں۔ لیکن یہ حضرات اس وقت کہاں تھے جس وقت حسینؑ نرغہ اعداء میں محصور ہوگئے تھے؟ اگر ایک طرف یہ وعدہ نصرت کر رہے ہیں تو آگے چل کر اسکا تضاد کیوں پیدا ہوا؟

مندرجہ الصدر خطوط کا اگر بغور ملاحظہ کیا جائے تو مندرجہ ذیل باتیں عیاں ہوجاتی ہیں:

الاول: کوفہ کے جتنے لوگ تھے کھل کر خطوط کو لکھا نہ کرتے تھے۔

الثانی : "لعل الله ان یجمعنا بک علی الحق" (شاید آپ کے ذریعے سے ہم جادۂ حق پر گامزن ہوجائیں) بتلا رہا ہے کہ انہوں نے حسینؑ کی ابھی تک صحیح معرفت حاصل نہیں کی تھی۔ اگر ان کو حسینؑ جیسے رہنماء پر مسلمہ طور پر اعتقاد ہوتا تو لفظ "لعل" لکھ کر اپنے عقائد کی ترجمانی نہیں کرتے کیونکہ لعل میں امکان کا پہلو بجائے یقین کے زیادہ کارفرما ہوتا ہے۔

الثالث : مان لیا کہ ۱۲۰۰۰ خطوط میں زیادہ تر جذبہ نصرت ہی پایا جاتا تھا۔ تو پھر سوال یہ ہے کہ وقت نصرت ۱۲۰۰۰ نہ سہی اس کا نصف ہی حسینؑ کی مدد کو کیوں نہ پہنچا تاکہ خطوط پر لکھے ہوئے کو عملی جامہ پہنا سکتے۔

الرابع : واقعہ کربلا کے شہداء میں چند ایک ناصروں کا ذکر پایا جاتا ہے جس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان خطوط کے لکھنے میں نتیجہ کے سمجھنے میں بے پرواہی برتی گئی تھی۔

لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ ان حضرات میں چند ہی ایسے تھے کہ جو حسینؑ کو علی الحق مان کر ان کی صحیح قیادت سے مستفید ہونا چاہتے تھے اور بقیہ لوگ عقیدتاً، عملاً اور قولاً وقت کے غلام تھے۔ جب اس بات کو تسلیم کیا گیا تو پھر یہ سوال ثانی یہاں پر ضرور کیا جائے گا کہ پھر وہ چند افراد کہاں تھے جو حسینؑ کو علی الحق مان کر ان کی Suparmacy سے مستفید ہونا چاہتے تھے۔ اس کے جواب کے لئے کوفہ اور بصرہ کی حالت کا ذرا سا خاکہ کھینچنا پڑے گا تاکہ حق بات اُجاگر ہو سکے۔

بصرہ میں عبید اللہ ابن زیاد بحیثیت گورنر یزید ابن معاویہ کا حق ادا کر رہا تھا۔ کوفہ میں نعمان ابن بشیر کے ہاتھ میں زمام اقتدار تھی۔ عبید اللہ ابن زیاد تو وہی ہے جو کربلا میں جیوش بھیجنے پر مامور تھا اور حسینؑ کے سر کے ساتھ دربار کوفہ میں بے حرمتی کرنے کا ارتکاب کر سکا۔ نعمان ابن بشیر جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ سے منحرف ہوگئے تھے اور آپ کے دشمنوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ لہٰذا بصرے پر ابن زیاد کا ہاتھ پوری طرح چھایا ہوا تھا اور کوفے پر نعمان ابن بشیر۔ دولت تو تھی ہی لہٰذا جتنا ہوسکا اتنی دولت خرچ کر کے لوگوں کے دل اپنی طرف موڑ لئے جو نہ مڑا اُس کو جیل میں بھر دیا۔ چنانچہ واقعہ کربلا کے وقت صحابہ کی اکثریت جیل میں بند ہوتی تھی جیسا کہ ذکر مقاتل میں کہا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"لما اِطلَع علی مکاتبة اهل الکوفة الحسینؑ حبس اربعة آلاف وخمسماۃو رجل من التوابین من اصحاب امیر المومنین"

"یعنی جب ابن زیاد ان خطوط سے آگاہ ہوا جو حسینؑ کو اہل کوفہ نے لکھے تھے تو اس نے ۴۵۰۰ ایسے آدمیوں کو قید کر لیا جو امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے اصحاب اور توابین میں سے تھے۔"[۴]

ان میں ہی سلیمان ابن صرد الخزاعی، ابراہیم، مسیّب ابن نجبہ، رفاعہ بن شداد وغیرہ جیل کی آہنی سلاخوں

کے پیچھے نصرت حسینؑ کے لئے تڑپ رہے تھے۔ لہٰذا نصرت حسینؑ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مندرجہ تاریخی نقطہ نگاہ سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اکثر اہل کوفہ صرف نام کے محبّ تھے کام کے نہیں اور جو واقعی یار و ناصر تھے وہ حبس تھے۔ یہ وجہ تھی کہ یہ نصرت حسینؑ نہ کر سکے۔ سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ مختار جو واقعہ کربلا کے بعد قاتلین حسینؑ کا تہس و نہس کر دیتا ہے یہ کہاں تھا؟ ذرا سی سوچ و سمجھ کے بعد ہمیں اسکا جواب باسانی یہی مل سکتا ہے کہ یہ بھی جیل میں تھا۔ چنانچہ جب جناب مسلمؑ وارِد کوفہ ہوتے ہیں تو ان ہی کے گھر میں اُترتے ہیں۔ وقت بیعت یہ بھی ان افراد میں موجود تھے جو بیعت حسینؑ کر چکے تھے لیکن جناب مسلمؑ کی شہادت کے بعد کوفہ کے اکثر محبان اہل بیتؑ کو قید کر لیا جاتا ہے تا کہ یہ نصرت حسینؑ نہ کر سکیں۔

اسکے بعد ہمیں اس خط کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ جو اہل کوفہ کے بعض افراد نے بغرض طمع و لالچ حسینؑ کی خدمت میں ارسال کیا تھا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

بسم الله الرحمن الرحيم للحسين بن علی ابن امير المومنينؑ من شيعته اما بعد فان الناس ينتظرونک لا ریٰ لهم غيرک فالعجل فالعجل يا بن رسول الله فقد اخضرت الجناب وابنعت الاثمار واعشبت الارض واورقت الا شجار فاتقدم علينا اذا شئت فانما تقدم علی جند مجنده لک والسلام عليک ورحمة الله و برکاته وعلیٰ ابيک من قبلک.

ترجمہ: حسین ابن علیؑ امیر المومنین کی خدمت میں ان بلانے والوں کی طرف سے۔ فرزند رسولؐ! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ کے علاوہ ان کی نظریں کہیں اور مرکوز ہو نہیں سکتی ہیں اسلئے آنے میں جلدی فرمائے۔ باغات بھر گئے ہیں، پھل پک گئے ہیں، زمین سر سبز و شاداب ہوگئی ہے اور درختوں میں پتے جڑے ہیں۔ تعجیل سے کام لے لیجئے۔ آپ ایک ایسے لشکر کی طرف آرہے ہیں جو ہر پہر آپ کی نصرت و مدد کے لئے تیار کھڑا ہے۔ آپ اور آپ کے پدر بزرگوار پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں[۵]۔

اس خط کو غور سے پڑھیئے تو یقیناً یہی نتیجہ اخذ ہو جائے گا کہ ان افراد میں ایسے بھی تھے جو حسینؑ کو مادی وسائل کی فراوانی کے بل بوتے پر دعوت دے رہے تھے کیونکہ اہل خاندان نبوت ہونے کی وجہ سے اُنکے ہاتھ سخی ہیں لہٰذا دینے میں کیا عذر ہوگا۔ لہٰذا دل کھول کر دیں گے اور ہماری مرادیں بھر آئیں گی۔ یعنی یہ لوگ دنیاوی منفعت کے پیش نظر حسینؑ کو دعوت دے رہے تھے اور انکے سامنے اسکے سوا اور بھی نظریہ نہیں تھا۔ لہٰذا اب چاہے یہ حسینؑ سے حاصل ہو یا کسی اور سے۔ ''ان کی جانے شامت'' ان کی مثال بعینہ علی ابن ابیؑ طالب کے نظام حکومت کے انشراع کے وقت کے لوگوں کی جیسی تھی۔ مثال کے طور پر ایسے افراد بھی جناب امیرؑ کی بیعت کر چکے تھے جو دولت دنیاوی کی فراوانی کے خواہاں تھے لیکن جب دولت نہیں ملی تو نکث بیعت کر کے اس طرف جھک گئے جہاں دولت پانی کی طرح

بہہ رہی تھی ☆۔ یہ تو یزید کا دور تھا۔ دولت کا کیا بیت المال کی تحدید وتحلیل کی بدعت تو جاری تھی۔ یہ نہیں تھا کہ ”آیا اور دیا“ لہٰذا دولت سے لوگوں کو خریدا اور جو نہ اس داؤ میں آیا تو اسکو قتل کرنے سے دریغ بھی نہ کیا۔ چنانچہ میثم تمارؓ کا قتل اسی دور کا ایک سفاکانہ جُرم ہے۔ یہ میثم اصحاب امیر المومنینؑ میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک تھے لیکن جس وقت یزید نے سنا کہ میثم مدینہ سے کوفہ بغرض نصرت حسینؑ آ رہا تھا تو ابن زیاد کے ذریعے سے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ لہٰذا ان تمام وجوہات کے بنا پر محبان اہلبیتؑ نصرت حسینؑ سے قاصر رہے۔

حوالہ جات

۱۔ الامامت والسیادست ج ا جزء ۲ ص ۳

۲۔ لہوف ص ۱۵

۳۔ العیون العبریٰ ص ۳۰

۴۔ العیون العبریٰ ص ۳۱

۵۔ لہوف فی قتلی لطفوف ص ۱۵

☆ اس کا مفصل ذکر کتاب ”مرد نامتناہی“ میں کیا گیا ہے

فصل ٦

کوفہ

تاریخ شہرِ کوفہ

جنگ قادسیہ

بے آب و گیاہ صحرا جو ہمہ وقت تمازت آفتاب سے سراب بن چکا تھا۔ مدت مدید تک امن وسکون کا گہوارہ تھا۔ کسی سیاح نے قابل توجہ اور کسی مورخ نے قابل قلم نہ سمجھ کو ہمیشہ اسکو نظر انداز کر دیا تھا۔ عہد حضرت عمرؓ میں جب اسلامی فوجیں ساسانی حکومت سے برسر پیکار تھیں تو سرزمین کوفہ پر وقتاً فوقتاً اکا دکا رسالوں کا گذر رہوا کرتا تھا۔

جنگ قادسیہ تاریخ اسلام کی مشہورترین جنگوں میں شمار کی جاتی ہے۔ یہ قادسیہ کوفہ سے ۲۵ میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں۔

''سعد بن ابی وقاص'' شراف میں ہی تھے کہ دربار خلافت سے ایک فرمان آیا جسکا مضمون یہ تھا کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ میں مقام کرو اور اس طرح مورچے جماؤ کہ سامنے عجم کی زمین اور پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں تا کہ فتح ہو تو جہاں تک چاہو بڑھتے چلے جاؤ اور خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو ہٹ کر پہاڑوں کی پناہ میں آسکو۔

قادسیہ نہایت شاداب اور نہروں اور پلوں کی وجہ سے محفوظ مقام تھا حضرت عمرؓ جاہلیت کے دور میں ان مقامات سے اکثر گذرتے تھے اور اس موقعہ کی ہیئت اور کیفیت سے واقف تھے چنانچہ سعد کو جو فرمان بھیجا اس میں قادسیہ کا موقع اور محل بھی مذکور تھا تاہم چونکہ پرانا تجربہ تھا سعد کو لکھا کہ قادسیہ پہنچ کر سرزمین کا پورا نقشہ لکھ کر بھیجو کیونکہ میں نے بعض ضروری باتیں اس وجہ سے نہیں لکھیں کہ موقع اور مقام کے پورے حالات مجھ کو معلوم نہ تھے۔[۱]

یہ جنگ جو کفر و اسلام کے درمیان لڑی جانے والی تھی اس میں خلیفہ نے بذات خود شرکت کی خواہش شدت سے ظاہر کی۔ لوگوں نے مسلسل حضرت عمرؓ کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ وہ مرکز کو چھوڑ کر اس جنگ میں شریک ہو جائیں لیکن حضرت عمرؓ نے مکہ و مدینہ کے لوگوں کی رائے کو ٹھکرا کر حسب معمول امیر المومنینؑ علی ابن ابی طالبؑ کے پاس جا کر اپنی اس خواہش اور لوگوں کے اصرار کا تذکرہ کر کے کہا اب آپؑ بتائیے کہ آپ کی کیا رائے ہے......! آپ نے ہادیانہ انداز برقرار رکھتے ہوئے نہایت ہی خندہ پیشانی سے حضرت عمرؓ سے فرمایا:

ان هـذا الامـر لـم يكـن نـصـره ولا خـذلانـه بكثرة ولا بقلّة وهو دين الله الذى ظهر ه

وجنده الذین اعده وامده حتیٰ بلغ مابلغ وطلع حیثما طلع ونجن علی موعود من الله منجز وعده وناصر جنده ومکان القیم بالامر مکان النظام من الخرز یجمعه ویضمه فان انقطع النظام تفرق الخرز وذهب ثم لم یجتمع بحذا فیرہ ابدا والعرب الیوم وان کانو قلیلاً منهم کثیرون بالاسلام وعزیزون بالا جتماع فکن قطباً واستدر الرحی بالعرب وصلهم دونک نارالحرب فانک ان شخصت من هٰذه الارض انتقضت علیک العرب من اطرفها واقطارها حتیٰ یکون ماقدع ورائک من العورات همّ الیک مما بین یدیک.

ان الاعاجم ان ینظروآالیک غداً یقولو هذآاصل العرب فاذا قطعتموه استرحتم فیکون ذالک اشد لکبهم علیک وطمعهم فیک فاما ماذکرت من مسیر القوم الیٰ قتال المسلمین فان الله سبحانه هو اکره لمسیرهم منک وهو اقدرعلی تغییر مایکره واما ماذکرت من عددهم فانا لم نکن نقال فیما مضی بالکثرة وانما کنا نقال بالنصر والمعونة[۲]

جنگ کی کامیابی یانا کامیابی کا دارومدار افواج کی قلت وکثرت پر قطعی نہیں رہا ہے۔ یہ تو خداوند کریم کا دین ہے جسے اس نے غلبہ دیا ہے اور لشکر بھی اسی کا ہے کہ جسکو اس نے تیار کیا ہے اور اسکی نصرت وحمایت ایسی کی ہے کہ یہ لشکر بڑھ کر موجودہ پوزیشن تک پہنچ چکا ہے اور پھیل کر اپنے موجودہ پھیلاؤ تک آ گیا ہے۔ہم سے اللہ کا ایک وعدہ ہے اور اس وعدے کو پورا کر کے ہی رہے گا یہ لشکر بھی تو اللہ کا ہی ہے لہٰذا وہ خود اسکی مدد کرے گا یاد رکھو مملکت کے نظم ونسق میں حکمران کی حیثیت وہی ہوتی ہے جو مہروں میں ڈورے کی ہوتی ہے جو انھیں سمیٹ کے رکھتا ہے اور جب ڈور ٹوٹ جاتی ہے تو مہرے بکھرے جاتے ہیں۔آج عرب گو کہ گنتی میں کم ہیں۔مگر اسلامی رشتے کی وجہ سے وہ بہت ہیں اور اتحاد واتفاق کی وجہ سے غالب رہیں گے۔اے عمر! تم اپنے مقام پر کھونٹی کی طرح جمے رہو اور جزیرۃ العرب کا نظم ونسق برقرار رکھو اور فوج ہی کو جنگ کی ہولنا کیوں کا مقابلہ کرنے دو۔ یہ صرف اسلئے کہ اگر تم نے مرکز کو چھوڑ دیا تو عرب اطراف واکناف سے تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔ یہاں تک کہ تمہیں اپنے سامنے کے حالات سے زیادہ ان مقامات کی فکر دامنگیر ہوگی کہ جن کو تم نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا ہوگا۔کل اگر عجم والے تمہیں دیکھیں گے تو باہمدیگر یہ کہیں گے۔ یہ سردار عرب ہے اگر تم نے اسکا قلع قمع کر دیا تو آسودہ ہو جاؤ گے تو اسکی وجہ سے ان کی حرص وطمع تم پر زیادہ ہو جائیگی۔لیکن تم جو یہ کہتے ہو کہ وہ لوگ مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے چل کھڑے ہیں تو تم سے زیادہ اللہ ان کے بُرے ارادوں کو اچھی طرح جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ جسے بُرا سمجھے اسکے بدلنے اور روکنے پر بھی قدرت رکھتا ہے اور جو تم ان کی تعداد کے متعلق کہتے ہو تو یاد رکھو کہ ہم ماضی میں اکثریت کے بل بوتے پر نہیں لڑا کرتے تھے بلکہ ہمارا لڑنا محض اللہ کی نصرت وحمایت پر ہوتا تھا (ترجمہ)

اس خطبہ کو ظاہر بین نگاہوں سے دیکھنے کی تمنا نہ کیجئے بلکہ اسکو علم وفہم اور باریک بین نگاہوں کی ضرورت ہے۔کوئی خدارا یہ خیال نہ فرمائے کہ علی بن ابی طالبؑ ان ادوار میں لڑی گئی جنگوں کو اسلامی منشور ہی مانتے تھے۔ نہیں، یہ بات ہرگز نہیں ہے۔اگر حضرت علیؑ کا ردعمل ان جنگوں میں وہی کچھ ہوتا جو سابقہ جنگوں میں ہوا کرتا تھا تو یہ جنگیں بھی مثال قرار دی جاتیں لیکن موخرالذکر جتنی جنگیں لڑی گئیں، جس سرعت کے ساتھ لڑی گئیں، اسی سرعت کے ساتھ ان کا زوال بھی شروع ہوا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی وجوہات تھیں کہ جن کی بنا پر مورخین نے ان جنگوں کے عروج کے بعد زوال کا بھیانک نتیجہ بھی مندرج کر دیا اس کا جواب نہایت ہی خوش اسلوبی سے عالامہ بن حسن جارچوئی نے دیا ہے۔آپ فرماتے ہیں۔

بے شک عروج اسلام کے دنوں میں علیؑ کی جانفروشیاں تاریخ اسلام کے بہترین ابواب ہیں لیکن ہم ان کو تو نظر انداز کئے دیتے ہیں۔ہم کو تو صرف یہ دکھلانا ہے کہ وہ رسولؐ کی دن دوگنی ترقی دیکھ کر ان پر ایمان نہ لائے تھے اور انکو بستر مرگ پر بے بسی کی حالت میں پڑا دیکھ کر ان ھـذا الرجل لیھجو کہکر نہ بھاگ گئے تھے۔وہ اس وقت بھی میدان احد میں ڈٹے رہے جب لوگوں نے قدقتل رسول اللہ کی آوازیں بلند کر دی تھیں اور انکی پیشانی پر اس وقت بھی شکن نہ آئی جب عمرو بن عبدود کے مقابلے میں ان کو یکہ وتنہا نکلنا پڑا اور کہنہ مشق بہادر کھڑے دیکھتے رہے۔

یادرکھو کہ پیغمبر اسلام دنیا میں کسی سلطنت کی بنیاد رکھنے نہیں آئے تھے۔وہ اپنے بعد تاجداروں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ان کا مشن یہ نہ تھا کہ پرائے اندوختہ کو لوٹ کر اپنے گھر میں بھر لیا جائے اور کمزور ملکوں کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر غلاموں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔وہ امن عامہ کے لئے خطرہ نہ تھے۔وہ کسی خاص قوم یا ملک کے مفاد کے لئے نہیں آئے تھے۔

تاجدار اور رعایا دراصل ایک ایسا تخیل ہے جو رسول اسلام کے ذھن میں بھی نہ تھا۔ان کے نزدیک قوم کی نگرانی ایک مقدس فرض تھا، جو قوم کے سب سے بڑے تجربہ کار مزدور کا حق تھا۔جسکے لئے نہ حجت کی ضرورت تھی نہ تاج کی نہ قصر کی نہ محلات کی۔وہ پھٹے پرانے کپڑے پہن کر، جو کی روٹیاں کھا کر قوم اور ملت کی خدمت کر سکتے تھے رسول اللہ خود مزدور تھے، انہوں نے ساری عمر اپنی روزی آپ کمائی۔اس مقدس عہدہ کے لئے بھی ان کی نگاہیں ایسی ہی ہستی کو ڈھونڈ رہی تھیں جو ان ہی کی طرح اپنی مدد آپ کرنے والا ہو۔ان کو بیت المال کے ٹکڑے کھانے والے عیش پسند کی ضرورت نہ تھی۔وہ یہودیوں کے باغ میں پانی دینے والے مزدور کو چاہتے تھے۔اگر شروع میں سے رسولؐ اللہ کی یہ خواہش عملی جامہ پہن لیتی تو اسلام آج اپنے اس مقدس اصول سے اس قدر بے گانہ نہ ہوتا۔

اس زبردست انسان کی زندگی جو تیرہ رجب کو مکہ میں پیدا ہوا پیغمبرؐ اسلام کی تعلیم کا مکمل نمونہ تھی۔اس نے

آڑے وقت میں اسلام کی مدد بھی کی (صرف زبان اور قلم ہی سے نہیں بلکہ قوت اور شجاعت اور تلوار سے بھی) اور جب دنیائے اسلام جارحانہ اقدام کے درپے ہوگئی تو گھر میں☆ گوشہ نشین ہوکر بیٹھا رہا۔

وہ جنگ خیبر کا ہیرو تھا۔ اظہار حق وصداقت کی پاداش میں حکومت وقت کے سامنے رسن بستہ بھی پیش ہوا۔ جس نے اس جہالت کے دور میں انسانی فرائض اور حقوق کا بنیادی پتھر رکھا، اُسے سرمایہ داروں کے ہاتھوں خود اپنے جائز حقوق سے بھی محروم کردیا گیا۔ لیکن اسکی خدمات ملی کسی شکریہ یا انعام کی خواہش پر مبنی نہ تھیں۔ اس نے زبردست کمال علمی سے دوست اور دشمن سب کو فائدہ پہنچایا گوکہ ''مسند قضا'' اسُے نہ ملی لیکن اس کے عہد زندگی کے تمام اہم قضایا اسی کی قوت فیصلہ کے مرہون منت بنے۔ اور گوکہ ''نگرانی وملت'' کا مقدس فرض براہ راست سپرد نہ کیا گیا ہو۔ لیکن ایک سے زیادہ مرتبہ حکومت وقت مع اپنے تمام ساز وسامان کے مشورہ طلبی کیلئے اس کے دروازے تک آئی اور کبھی کسی یہودی کے کھیت میں، کبھی باغ، کسی باغ کے احاطے میں اُسے مزدوری کرتے ہوئے پایا۔

آہ! وہ ہاتھ جو عنان سلطنت سنبھالنے کے قابل تھے۔ کدال زنی کیلئے وقف ہوکر رہ گئے۔ وہ قیمتی وقت جو نشر علوم میں صرف ہونے کے تھا۔ زمانے کی ناقدری نے ''کسب معاش'' میں خرچ ہونے دیا۔ سرمایہ پرست اور جاہ پسند لوگوں کی نگاہیں علیؑ کے علم وفضل، زہد وورع، شجاعت وسخاوت میں کوئی عیب نہیں پاتیں تو ان پر سیاست سے ناواقفیت طریق جہابنانی سے نابلدی کا الزام لگاتی ہیں۔ گویا ان کے نزدیک رسول اللہؐ کے جانشین کیلئے پرائے ملکوں پر چڑھائی کرنا، دنیا بھر کے مال کو لوٹ کر عرب میں لانا ایسے ہی مزدوری ہے۔ جیسا آفتاب کیلئے حرارت اور برف کیلئے برودت اُن سے کہدو کہ علیؑ چنگیز خان اور ہلاکو خان کی سنت کا احیا کرنے کیلئے نہیں بلکہ رحمتہ للعالمین کے اسوہ حسنہ کو رواج دینے کیلئے پیدا ہوئے تھے۔

ہم مانتے ہیں کہ وہ اس سیاست اور ڈپلومیسی سے جو مکاری اور ابلہ فریبی کے سوا کچھ نہیں۔ بہت دور تھے۔ ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا عہد حکومت ان نام نہاد فتوحات اسلامی اور تسخیر ممالک سے خالی رہا جنہوں نے چاندی اور سونے کے درمیان تمیز نہ کرنے والے عربوں کو دنیا کی سب سے بڑی سرمایہ دار قوم بنا دیا۔ لیکن یہی وہ باتیں ہیں جنہوں نے علیؑ کو اپنے وقت کا سب سے بڑا انسان ثابت کردیا ''آنچہ در اسلام فخر تست آن ننگ من

☆ اسلام مدافعانہ جنگوں کا حامی ہے۔ حصول جاہ وزر یا توسیع سلطنت کیلئے کسی ملک پر چڑھائی کرنا یا تبلیغ دین کے بہانے سے کسی قوم کے خرمن آزادی میں آگ لگادینا آئین قرآن کے خلاف ہے۔ حضرت علیؑ کی شجاعت مسلم الثبوت ہے۔ دور رسالت میں وہ ہر جنگ میں آگے آگے رہے۔ مگر رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ ظاہر ہے کہ شجاعت وقوت علیؑ کا ساتھ نہ چھوڑ گئی تھی اور انکے دست وبازو ۱۱ھ کے بعد شل نہ ہوگئے تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ شام وایران کی فتوحات کے سلسلے میں انکا نام نہیں سنتے۔ ہاں اپنے عہد خلافت کی مدافعانہ جنگوں میں پھر وہ فوجوں کی قیادت کرتے ہوئے نظر آتے۔ ہیں محمدؐ وآل محمدؐ کی سیرت کا گہرا مطالعہ صاف طور سے یہ امر ثابت کرتا ہے کہ یہ حضرات مذہب کی آڑ لیکر زرخیز علاقوں کی تسخیر اور لبریز خزانوں پر قبضے کو مستحسن نہ سمجھتے تھے۔ یہ سختی کے ساتھ اس عقیدے پر قائم تھے کہ ایک قوم دوسرے کو غلام بنانے کا حق نہیں رکھتی۔ تلوار صرف دفاع کے لئے بلند ہوتی ہے اور اس وقت تک بلند رہتی ہے جب تک فتنہ وفساد فرو نہ ہوجائے۔ دین تلوار کے زور سے نہیں پھیلتا۔ وہ انسانی دل ودماغ سے براہ راست اپیل کرنے کی چیز ہے اور سچ بھی یہی ہے۔ جو دین نوک شمشیر سے پھیلے وہ دین خدا کہاں رہا۔ فاشیت اور نازیت کا ہم ردیف ہوگیا۔

است"علیؑ کا سب سے بڑا دشمن بھی یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ وہ اپنی حکومت کے زمانے میں "آئین محمدیؐ" اور "شرع الٰہی" سے ایک انچ باہر گئے ہوں۔تم شوق سے علیؑ کو "ناکام خلیفہ" کہو لیکن یاد رکھو کہ تم علیؑ کو ناکامیاب کہہ کر "آئین محمدیؐ" اور "شرع الٰہی" کا دیوالیہ نکال رہے ہو۔کیا علیؑ انتظام سلطنت نہ کر سکے کہ وہ تقسیم حصص میں اپنے بھائی عقیلؑ کا بھی پاس نہ کرتے تھے۔کیا وہ اسلئے حکومت کے نا قابل ہیں کہ وہ اپنے پیارے شاگرد عبداللہ بن عباس کی بھی رعایت نہیں کرتے تھے۔اگر علیؑ کی ناکامی کا راز پابندی شرع ہی میں پوشیدہ ہے تو پھر تم ان کامیاب خلفاء کیلئے کہا کہو گے؟ کیا ان کی سیاست قرآن سے الگ کوئی دوسری چیز تھی؟

مولانا شبلی سرمایہ پرستی کے نشہ میں اسلام کے ایک مشہور سیاست دان کی اس طرح تعریف کرتے ہیں کہ جو ممالک ان کے عہد میں فتح ہوئے وہ باوجود امتداد زمانہ مسلمانوں کے قبضہ سے نہ نکل سکے۔(ملاحظہ ہو الفاروق)

شبلی! آج آپ ہوتے تو میں دکھا کہ سرزمین مقدسہ پر صلیبی واستعماری جھنڈا لہرا رہا ہے۔امام جعفر صادقؑ نے کیا خوب فرمایا۔

یہ دنیاوی حکومت بر جائی ہے۔آج تیرے پاس ہے کل دوسرا اس کا مالک ہوگا۔ہم آسمانوں کے بادشاہ ہیں۔ہماری سلطنت لازوال ہے۔

آج بنی امیہ کے قصر میں فرانس کے شاطران سیاست جلوہ آرا ہیں۔بنی عباس کا دارالخلافہ امریکی وزیروں کا مسکن ہے لیکن علیؑ اور اولاد علیؑ کی سلطنت آج بھی لازوال ہے۔[۳۳]

مجھے یہاں ان جنگوں پر تبصرہ نہیں کرنا ہے۔صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ ان جنگوں کی وجہ سے عربوں کے مزاج اس قدر بدل گئے کہ یہ صرف اسلامی منشور سے بیگانہ رہے بلکہ حرص وطمع کی لالچ نے ان میں حق وباطل کی تمیز تک بھی چھین لی، دولت کی فراوانی اسقدر ان عربوں کے مزاج کا عنصر بن گئی کہ یہ بھیانک سے بھیانک فعل شنیع کرنے سے بھی نہ ہچکچاتے۔مثلاً فاتح قادسیہ جس نے کوفہ کو بسایا، کے متعلق تاریخ لکھتی ہے۔

"The most striking feature in the charaecter of the Arabs in their nervous excitabitily and the Arab character accordingly may be divided in to the classes . In, one , the wild, unrestrained sodium disposition shows itself. Its characteristics are greed foundness for plunder exceeding sensuality and and unrefined privious in the more enlightenes natures whose those wild impulses were suppressed or controlld by a more highly developed sense of morality ,one finds a deed pervading melamcholy,i rensibly possig in to religious favour and estery .... we notice the two aspects of the Arab character in the comanions of the Prophet. The majority of the comanios fall under the first heading, gold and properly

were all in all to them. The most distinguished compaions of the prophet, especilly those nominated by omar to the council of regency, acquired immense wealth. Zubair left behind property worth fifty million derhams, Abdur Rahman abn auf owned, when he died ,one thousand camels and so much in cash that every one of his four widows another report three) ofter the deduction of the share of the children obtained eighty to hundred thousand dirhams. saad ibn waggas had a beautiful palace in the neighbour hood of Maine he live in comfort and peace. Talha behind on him death twenty lacs of dirhams and two lacs of dinars in cash. His capital and landed properties were valued at 30 Million dirhams.

ترجمہ: عربوں کی فطرت کی سب سے نمایاں علامت ان کا بہت جلد واقعات سے اثر پذیر ہو جانا ہے اور اس وجہ سے عربوں کی فطرت دو قسموں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ اول قسم تو یہ ہے۔ کہ جس میں آزاد جنگلی بدوی خصلت نمایاں ہے۔ اُس کی خصوصیات حرص و طمع و غارتگری، عیش پسندی، طاغوت و غرور ہیں۔ دوسری قسم مہذب علم والے لوگوں کی ہے جن میں ان خواہشات و جذبات کو فرائض شناسی نے قابو میں کیا ہوا تھا۔ ان لوگوں میں گہری غم آلود متانت تھی جو آخر کار مذہبی جوش میں تبدیل ہو گئی............ جناب رسول خداؐ کے صحابہ میں دونوں قسم کے لوگ تھے اور ان میں یہ دونوں قسم کی حالتیں پائی جاتی تھیں۔ آپ کے صحابہ کی اکثریت قسم اول کے لوگوں کی تھی۔ ان کے لئے مال و جائداد ہی سب کچھ تھا۔ جناب رسول خداؐ کے مشہور صحابہ نے خصوصاً انہوں نے جن کو حضرت عمر نے ممبر شوریٰ مقرر کیا تھا، بہت زیادہ دولت جمع کی تھی۔ زبیر نے اپنی وفات پر پانچ کروڑ درہم کی جائداد چھوڑ دی تھی۔ عبدالرحمن ابن عوف نے اپنی وفات پر ایک ہزار اونٹ اور اتنا روپیہ چھوڑا کہ ان کی چاروں اور بقولے تینوں بیوگان میں سے ہر ایک نے اولاد کا حصہ نکالنے کے بعد اسی ہزار درہم تک پایا۔ سعد بن ابی وقاص نے مدینہ کے نزدیک ایک عالی شان محل بنایا تھا۔ جس میں وہ عیش و آرام کے ساتھ رہتے تھے۔ طلحہ نے اپنی وفات پر بائیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار چھوڑے۔ ان کی دولت و جائداد کی کل قیمت تین کروڑ درہم تھی''

میں نے یہ اقتباس جناب ایس خدا بخش متوطن بانکے پور جو جماعت اہل حکومت کے نہایت نامور مورخ ہیں، کی کتاب ''Politics in Islam'' کے صفحہ ۵۱ سے مورخ کبیر حضرت خانصاب سلطان مرزا نے اپنی مایہ ناز تالیف البلاغ المبین باب ششم ص ۸۹ پر مع ترجمہ کے نقل کی ہے''

یہ تھا ان بادیہ نشینوں کا خاکہ۔ آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ دھن و دولت کے بغیر ان عربی جنگبازوں کا اور کوئی بھی نظریہ نہیں تھا۔ پھٹی ہوئی قبا اور پھٹے ہوئے کپڑوں کو اتار کر جب عرب کے افراد جنگی جنون لیکر شرق و غرب کی طرف بڑھے تو نہ صرف اسلام کی سادگی ہی رخصت ہوئی بلکہ عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کی روح بھی

تڑپ کے رہ گئی۔ان عرب مداریوں کوعلم وعرفان کی ضرورت تھی۔ یہ جاہل تھے۔ان کوایک ایسے معلم کی ضرورت تھی جوان کے رگ وریشہ میں اسلامی تعلیمات پہنچا دیتا۔اگر اُسکے بعد یہ صحرائے عرب سے نکلتے بھی تو آج زوال کی سسکیاں،اندلس اورافریقہ میں سنائی نہ دیتیں۔

الغرض کوفہ کی بستی آباد ہوئی۔کوفہ کی داغ بیل فرات اور حیرہ کے بیچ میں اس وقت ہوئی جب ۱۴ھ سے ۱۶ھ تک قادسیہ اور دوسرے محاذوں پر ایرانیوں کے مقابلہ میں فتوحات کے بعد مسلمانوں کی فوج نے عراق میں سکونت اختیار کی اور مدائن کی آب وہوا ان کوراس نہ آئی اور سعد بن ابی وقاص کی ہدایت کے تحت یہ جگہ تلاش کی گئی اور یہاں مسجد اور مسلمانوں کے لئے مکانات کی بنیاد ڈالی گئی۔

۱۷ھ میں سعد بن ابی وقاص اپنی فوج کے ساتھ مدائن منتقل ہوئے اوراس جگہ آکر مقیم ہوئے۔

کوفہ عربی زبان میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سنگریزے اور ریگ مخلوط ہوں چونکہ یہ جگہ اسی قسم کی تھی اس لئے اسکا نام کوفہ ہوا۔

دوسری طرف سمندر کے کنارے اس زمین پر جو''ارض الہند'' کہلاتی تھی ایک دوسرے شہر کی بنا قائم کی گئی جس کا نام بصرہ ہوا۔اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ عراق کے ان دونوں شہروں کوفہ اور بصرہ کی آبادی بالکل ایک ساتھ شروع ہوئی۔

ابتداًمنیٹھوں کے مکان بنائے گئے اور چھپر ڈالے گئے۔پھر اسی سال دونوں جگہ آتش زدگی واقع ہوئی جس میں یہ مکانات جل گئے تو اینٹوں کے مکانات کی تعمیر ہوئی۔

کوفہ کی آبادی اُسی وقت سے کہ جب وہ آباد کیا گیا ایک لاکھ فوجیوں کی تھی۔ ۱؎

سلمانؓ وحذیفہؓ نے جو خاص اس کام پر مامور تھے، نے کوفہ کی زمین انتخاب کی۔ یہاں کی زمین ریتیلی اور کنکریلی تھی اوراس وجہ سے اسکا نام کوفہ رکھا گیا۔اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جوعراق کا فرمانبروا تھا انکا پایہ تخت یہی مقام تھا اورانکی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اس کے آس پاس واقع تھیں۔منظر نہایت خوشنما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا۔اہل عرب اس مقام کو خدالعذ راء یعنی عارضی محبوب کہتے تھے۔ کیونکہ وہ مختلف عمدہ قسم کے عربی پھولوں مثلاً قحوان، شقائق، قیصوم،خرامی کا چمنزار تھا۔غرض ۱۷ھ میں اسکی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمرؓ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا۔۴۰ ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ھیاج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جدا جدا قبیلے محلوں میں آباد ہوئے۔شہر کی وضع اور ساخت کیلئے خود حضرت عمرؓ کا تحریری حکم آیا تھا۔

بازارکوفہ:

بازارکوفہ کا شارع عام ۴۰۔۴۰ ہاتھ اورگلیاں ۷۔۷ ہاتھ چوڑی تھیں۔ جامع مسجد کی عمارت جوایک مربع بلند چبوترہ دیکر بنائی گئی تھی اس قدر وسیع تھی کہ اسمیں چالیس ھزار آدمی آسکتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے سعد کو لکھا کہ ایوان حکومت مسجد سے ملا دیا جائے۔ چنانچہ روز نامہ ایک پارسی معمار نے جو مشہور استاد تھا اور تعمیرات کے کام پر مامور تھا نہایت خوبی اور موزونی سے ایوان حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سعد نے روز کو معہ کاریگروں کے اس صلہ میں دربار خلافت کی طرف روانہ کیا۔ حضرت عمر نے اسکی بڑی قدردانی کی اور ہمیشہ کیلئے روزینہ مقرر کردیا۔ جامع مسجد کے سوا ہر قبیلے کیلئے جدا جدا مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ جو قبائل آباد کئے گئے انکے نام حسب ذیل ہیں: سلیم، ثقیف، ہمدانی، بجیلہ، تیم اللات، تغلیب، بنو اسعد، نخع وکندہ، ازد، مزنیہ، تمیم ومحارب، اسد و عامر، بجالتہ، جدیلہ واغلاط، جھنیہ، مذحج، ہوازن وغیرہ وغیرہ۔[۵]

کوفہ کے لوگ

یہ تھا کوفہ اور کوفہ کے بازاروں کی سرگذشت۔ سوال اب یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوفہ میں لوگوں کا رویہ کیا رہا......؟ ظاہر ہے کہ جب تک حضرت عمرؓ برسر اقتدار رہے کوفہ جوں کا توں رہا۔ ان کی تمام تر رگوں کا خون حضرت عمرؓ ہی کی طرف بہتا تھا اور حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے برسر اقتدار آئے تو بیت المال کے خزانے کا منہ اسقدر کھول دیا کہ عروج پر پہنچا جسکے سامنے دنیا اور دنیا کی دلفریبیاں کم مائیگی کی وجہ سے دم توڑتی ہوئی نظر آتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ جسوقت جناب امیرؑ میدان جمل میں دفاعی کاروائی کرنے کیلئے تشریف لائے تو مدمقابل افراد میں زیادہ تر بصرہ اور کوفہ کے افراد تھے۔

یہاں قدرتی طور پر یہ سوال ابھرتا ہے کہ ایسا کیوں تھا......؟ اسکا جواب یہ دیا جاسکتا ہے چونکہ جناب امیرؑ کا نصب العین وہی کچھ تھا جو جناب رسالتمابؐ کا تھا لہٰذا وہ عرب مخالفت پر کمربستہ ہوگئے کہ جنکا مطمع نظر دولت اور صرف دولت تھا اور وہ حضرت علیؑ جو اپنے بھائی کی کم مائیگی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے وہ اُن افراد کو بھی اس صف میں کھڑا کرنے پر تُل آئے کہ جن کی جائیداد کروڑوں سے بھی متجاوز کرچکی تھی کہ جس صف میں مساکین اور غرباء تھے لہٰذا دولت منداور سرمایہ دار طبقے نے کچھ تو اپنے اثر ورسوخ کو استعمال میں لاکر حضرت علیؑ کی مخالفت کروائی اور کچھ اپنی دولت اور ثروت کو بروئے کار لاکر آپ کے احکام کی کھلم کھلا خلاف ورزی کردی نتیجہ ظاہر ہے کہ اسطرح نہ صرف کوفہ کے افراد کے مزاج بدل گئے بلکہ بصرہ تک آپ کے خلاف لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔

عہد امیرالمومنینؑ میں کوفہ کے لوگوں کی کیا حالت تھی وہ بنفس نفیس امیرالمومنینؑ کی زبانی سنئے آپ فرماتے ہیں:

''یہ عالم ہے اس کوفہ کا جسکا بندوبست میرے ہاتھ میں ہے، اے شہر کوفہ! اگر تیرا یہی عالم رہا کہ تجھ میں

آندھیاں چلتی رہیں تو خدا تجھے غارت کرے۔ پھر آپ نے شاعر کا یہ شعر بطور تمثیل کے پڑھا۔

اے عمرو! تیرے اچھے باپ کی قسم! مجھے تو اس برتن سے تھوڑی سی چکناہٹ ہی ملی (جو برتن کے خالی ہونے کے بعد اسمیں لگی رہ جاتی ہے)

مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ بسر یمن پر چھا گیا ہے۔ بخدا میں تو اب ان لوگوں کے متعلق یہ خیال کرنے لگا ہوں کہ وہ عنقریب سلنطت دولت کو تم سے ہتھیالیں گے اسلئے کہ وہ مرکز باطل پر متحد و یکجا ہیں اور تم اپنے مرکز حق سے پراکندہ و منتشر، تم امر حق میں اپنے امام کے نافرماں اور وہ باطل میں اپنے امام کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ وہ اپنے ساتھی (معاویہ) کے ساتھ امانت داری کا فرض پورا کرتے ہیں اور تم خیانت کرنے سے نہیں چوکتے۔ وہ اپنے شہروں میں امن بحال رکھتے ہیں اور تم شورش برپا کرتے ہو میں اگر تم میں سے کسی کو لکڑی کے ایک پیالے کا بھی امین بناؤں تو یہ ڈر رہتا ہے کہ وہ اسکے کندے کو توڑ کر لے جائیگا۔ اے اللہ! وہ مجھ سے تنگ دل ہو چکے ہیں اور میں ان سے۔ وہ مجھ سے اکتا چکے ہیں اور میں ان سے۔ مجھے ان کے بدلے اچھے لوگ عطا کر اور میرے بدلے میں انہیں کوئی اور بُرا حاکم دے۔ خدایا! ان کے دلوں کو اسی طرح (اپنے غضب سے) پگھلا دے جسطرح نمک پانی میں گھول دیا جاتا ہے۔ خدا کی قسم! میں اس چیز کو دوست رکھتا ہوں کہ تمہارے بجائے میرے پاس بنی فراس بن غنم کے ایک ہزار ہی سوار ہوتے ایسے (جن کا وصف شاعر نے یہ بیان کیا ہے) اگر تم کسی موقع پر انہیں پکارو تو تمہارے پاس ایسے سوار پہنچیں جو تیز روی میں گرمیوں کے ابر کے مانند ہیں۔''[۶]

جناب امیر المومنینؑ کی نگاہ میں یہ عام افراد کا حال تھا اور جو آپؑ کے ارد گرد ہمہ وقت رہا کرتے تھے ان کی کیا حالت تھی وہ بھی؟ سنئے تا کہ یہ حقیقت عیاں ہو جائے کہ جناب زینبؑ جب بازار کوفہ میں داخل ہوئیں تو کوفہ کے لوگوں کو کتنا تقرب خانوادہ رسالتؐ کے ساتھ تھا؟

جناب امیرؑ فرماتے ہیں:

''کب تک میں تمہارے ساتھ ایسی نرمی اور رعایت کرتا رہوں گا جیسی اُن اونٹوں سے کی جاتی ہے جن کی کوہانیں اندر سے کھوکھلی ہو چکی ہوں اور ان پھٹے پرانے کپڑوں سے کہ جنہیں ایک طرف سے سیا جائے تو دوسری طرف سے پھٹ جاتے ہیں۔ جب بھی شامیوں کے ہراول دستوں میں سے کوئی دستہ تم پر منڈلاتا ہے تو تم سب کے سب (اپنے گھروں کے) دروازے بند کر لیتے ہو اور اسطرح اندر دبک جاتے ہو جس طرح گوہ اپنے سوراخ میں اور بجّو اپنے بھٹ میں جسکے تم جیسے مددگار رہوں اُسے تو ذلیل ہونا ہی ہے۔ اور جس پر تم (تیر کی طرح) پھینکے جاؤ تو گویا اس پر ایسا تیر پھینکا گیا جس کا سوفار بھی شکستہ اور پیکان بھی ٹوٹا ہوا ہے۔ خدا کی قسم (گھروں کے) صحن میں تو تم بڑی تعداد میں نظر آتے ہو لیکن جھنڈوں کے نیچے تھوڑے سے، میں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ کس چیز سے تمہاری

اصلاح اور کس چیز سے تمہاری کج روی کو دور کیا جا سکتا ہے لیکن میں اپنے نفس کو بگاڑ کر تمہاری اصلاح کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ خدا تمہارے چہروں کو بے آبرو کرے اور تمہیں بدنصیب کرے۔ جیسی تم باطل شناسائی رکھتے ہو ویسی حق سے تمہاری جان پہچان نہیں اور جتنا حق کو مٹاتے ہو باطل اتنا تم سے نہیں دبایا جاتا۔'' ؎

خط کشیدہ عبارت کو غور سے پڑھیے اور دیکھئے کہ امیر المومنینؑ کس انداز سے ان کو فرما رہے ہیں کہ مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ کس طرح راہ راست پر آ سکتے ہو۔ کیا اسکا صریحی مطلب یہ نہیں ہے کہ ثروت اور دولت ہی سابقہ حکمران کی کامیابی کا راز ہے۔ یقیناً اگر جناب امیرؑ کوفہ میں آ کر وہی کچھ عملاتے کہ جسکا شوریٰ کے وقت مطالبہ کیا تھا کہ سنت شیخین پر عمل کرنا ہے اور عمل کر کے دھن و دولت کے دریا بہاتے تو آج کے کج فہم پروفیسر سعید عثمان یہ نہ کہتے کہ علیؑ کی سیاست ناکام ہوئی لیکن آپؑ نے وہی کچھ کیا جو جناب رسالتمآبؐ کا شعار رہ چکا تھا۔ آپؑ نے کوفہ کو کوفہ ہی کی حالت پر رہنے دیا ان کو اس راہ پر نہیں ڈال دیا کہ جس پر یہ چل کر سرے سے ہی کمان سے نکل جاتے۔

اس ہولناک تبدیلی کی کیا وجوہات ہیں......؟ یہ سوالات ایسے نہیں ہیں کہ جنکو نظر انداز کیا جا سکے۔ اولاً تو یہ دیکھنا ہے کہ کیا فتوحات کے اس لامتناہی سلسلے نے عربوں کی خمیر اور سرشت میں وہ تعلیم راسخ کر دی تھی کہ جو ان کا طرہ امتیاز تھی؟ سو ظاہر ہے کہ عرب صرف فاتح تھے، معلم نہیں تھے، مصلح نہیں تھے اور پیغامبر نہیں تھے۔ ان کا کام صرف جنگ و جدل سے، خاک و خون سے اور غارت گری سے فتح مند ہونا تھا اور اس انداز سے جہاں یہ گئے معلم مصلح اور پیغامبر بنکر نہیں گئے۔

ابھی پیغمبر اسلامؐ کے کفن و دفن کو چند دن بھی نہ ہوئے تھے کہ عرب آندھی اور طوفان کی طرح صحراؤں سے اُٹھے اور چشم زدن میں خطہ عالم پر چھا گئے۔ ضرورت تھی کہ پہلے ان کو اسلامی آئین اور محمدیؐ منشور کی تعلیمات سے پوری طرح روشناس کر دیا جاتا۔ ان کا رہن وسہن، ان کا طرز وطریق اور ان کے اخلاق وآداب کو اسلامی اور الہامی سانچوں میں ڈھال کر ان کو ناقابل تغیر عقائد کا مسلمان بنا دیا جاتا اور اسکے بعد انہی آئین کے تحت اگر یہ فتح مندی کیلئے صحرائے عرب سے آگے بھی نکلتے تو آج نقادان یورپ یہ جرات نہ کرتے کہ اسلام بزور تلوار پھیلا۔

ایسا نہیں ہوا لیکن کیوں......؟ اسکا جواب علامہ مشرقی کی زبانی سنئے۔

اسلام وقرآن نے عربوں کی جبلت وطینت کو نہیں بدلا تھا۔ وہ عادتیں اور خصلتیں جو ان کی فطرت میں ہزار دو ہزار برس پہلے سے چلی آتی تھیں کس طرح چشم زدن میں ان سے رخصت ہو کر اپنا نقش پا چھوڑتیں؟ وہ ملی اوصاف جو قرنوں اور صدیوں پہلے ان کی مٹی میں خمیر ہو چکے تھے۔ ان کے طبعی میدان کار کو کیسے بے اثر چھوڑ دیتے؟ قرآن واسلام کی تعلیم سے عرب اپنی ظاہری عبادات اور رسومات کو بدل سکتے تھے۔ اپنے آبائی روایات اور اعتقادات کو بادی النظر میں بدل سکتے تھے۔ مگر طبائع کے باطنی رجحان اور اصلی طریق تخیل کو ہرگز نہ بدل

سکتے تھے۔وہ دراصل اسی مٹی میں رہنے والے لوگ اور ہم زدہ لوگ اور قریب قریب اسی آب وہوا میں پلے ہوئے فرقہ بندآدمی تھے جنہوں نے وادی سیا میں موسیٰ کی شریعت بیضا کو ہاتھ میں لیکران کی غیبت پر اپنی پرانی عادت کے موافق انکاراور بچھڑے کی پرستش شروع کردی تھی۔۸؎

یہ اقتباس پڑھ کراب کس کوانکار ہوسکتا ہے کوفہ کے مختلف قبائل کے لوگوں کا مزاج جنگوں میں کودکر بعینہ وہی کچھ رہا ہوگا کہ جسکا اظہار قرآن کریم کی آیات متعددہ میں کیا گیا تھا۔

لہٰذا......ضروری تھا ان لوگوں کے لئے کہ اپنی سرشت کو نہ چھوڑ کر علی بن ابی طالب جیسے مصلح، ریفارمر اور متداول انسان کی مخالفت کی جائے۔ان حالات میں کوفہ،کوفہ ہی رہاان کا مزاج نہیں بدلا۔تبلیغی اور عملی حیثیت جتنی بھی جناب امیر نے ان میں دکھائی اتنے ہی یہ اسلام اوراسلامی علوم سے دورتر ہوتے گئے۔

اب اگر حقیقی معنوں میں محبان علیؑ اور آل علیؑ تھا بھی کوئی تو ان کی داستان غم کیا تھی کچھ تو سابقہ اوراق میں بیان کی ہے اور جو کچھ رہ گیا ہے وہ یہاں پر بیان کیا جاتا ہے۔

Ziyad was a fist styld .....becsude of the donbl which clonded the calentity of his father his mother was a slave and prastitite in al.taif whome abn.snfyam muaweyahs father had known۹؎

زیاد پہلا شخص تھا کہ جسکو ابن ابیہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اسلئے کہ اسکی ولدیت پر شک کے گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔اسکی ماں طائف میں کنیز اور فاحشہ (پیشہ ور رنڈی) تھی جہاں ابوسفیان اسکو جانتا تھا۔

مورخین کا ماننا ہے کہ امیر معاویہ کا یہ نا قابل تردید جرم ہے کہ اس نے مشکوک فرد کو اپنا بھائی بنایا اس کی وضاحت تفصیل سے میں نے اسی کتاب میں کردی ہے وہاں پر ملاحظ فرمائیں۔

متذکرہ عبارت لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ زیاد ابن ابیہ کے خدوخال واضح طور پر سامنے آئیں تا کہ اسکی کاروائیاں جو اس نے بصرہ بالخصوص کوفہ میں کیں روز روشن کی طرح حق وصداقت سے پردہ اٹھائیں۔یہی فلپ کے ہٹی تحریر کرتا ہے۔

Ziyad proved agreat asset to him caliph brother his unrelenting hand weight over al.basrah a cnter of shim cism after the death of al mughiral he was elevalid to the governorship of ae.kafah a position which made him the absolute rular of the eastern pool of the empire including arabic and persia with a traind bodyguard 4000 strong who acted also as spies and police he rulad tyraninically and tracked down ercilassly any one how dared show favour to alis clascendants or revile muawiyah۱۰؎

زیاد جب معاویہ کا بھائی بنا تو اسکے غروراور نخوت کی انتہا ہی نہ رہی (یہ چونکہ گورنر بصرہ تھا) لہٰذا حکمران کا

بھائی بننے سے اس نے غریب بصریوں پر اپنے حاکمانہ ہاتھوں کی گرفت کو اور بھی مضبوط کر دیا۔ یہ بصرہ شیعان علیؑ (محبان علیؑ) کا مرکز تھا۔ مغیرہ ابن شعبہ (گورنر کوفہ) کے مرنے کے بعد زیاد (ابن ابیہ) دونوں صوبوں کا گورنر بنا اور اس مطلق العنانی نے اسکو فارسی اور مشرقی حصوں کا واحد گورنر بنا دیا۔ اسکے ساتھ ہر وقت 4000 آدمی بحیثیت باڈی گارڈ کے ہوا کرتے تھے (اس تمکنت اور غرور سے) یہ نہایت سفاکی اور بے رحمی سے حکمرانی کرتا تھا اور ہر شخص کو قتل کرتا تھا جو حب علیؑ کا دبے لفظوں میں بھی اظہار کرتا تھا۔ معاویہ کے خلاف جب بھی کبھی ایک آدھ لفظ سنتا تھا تو یہ نت نئے مظالم کا سہارا لیکر اسکو قتل کروا دیتا تھا۔

۱۷ ھجری سے لیکر ۳۶ ھ تک پورے اُنیس ۱۹ سال ہوئے ہیں۔ ان انیس سالوں میں جماعت حکمران کے کارندوں کا تسلط کوفہ پر رہا۔ ۳۶ ھجری میں جب جناب امیر کے پہلے قدم کوفہ پر پڑے تو لوگوں نے بے حد اصرار آپؑ کو کیا کہ آپ بھی اس قصر میں قیام فرمائیں جہاں حاکم لوگ قیام فرمایا کرتے تھے۔ مگر آپ نے انکور دکرتے ہوئے فرمایا۔ نہیں میں قصر میں رہنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ میں مقام رحبہ میں جس پوش جھونپڑی بنا کر وہیں رہوں گا۔ ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ ھجری آپ درجہ شہادت پر فائز ہوئے یعنی اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ صرف کوفہ کے اندر اور بیرون صرف چار سال رہے اور یہ چار سال بھی آپکو جنگ صفین اور جنگ نہروان کے آغاز وانجام میں گذر گئے۔

۶۰ ھجری میں امیر معاویہ مرجاتا ہے یعنی جناب امیرؑ کی شہادت کے بیس سال بعد اس میں معاویہ نے کیا کیا رول ادا کئے اسی کتاب میں تفصیل سے ذکر کر دیا گیا ہے۔

۵۴ ھجری میں معاویہ نے زیاد کے مرنے کے بعد اسکے بیٹے عبداللہ بن زیاد کو خراسان کا حاکم بنا دیا۔ اس وقت اسکی عمر ۲۵ برس کی تھی اور ۵۵ ھجری میں اسکو خراسان سے اٹھا کر بصرہ کا گورنر بنا دیا گیا۔[11]

محبان علیؑ کے قاتل کے بیٹے کی روئداد

ایک روایت کے مطابق مسلم بن سعید حضرمی اور عمارہ بن عقبہ کوفہ میں یزید کی طرف سے جاسوس تھے۔ انکا کام صرف یہ تھا کہ یہ یزید کو کوفہ اور بصرہ کے حالات لکھا کرتے تھے اور دربار سے انعام اور تنخواہ حاصل کرتے تھے۔[12]

ان آدمیوں کے علاوہ اور ایک شخص بھی حامیان بنوامیہ میں سے تھا کہ جسکا نام عبداللہ بن مسلم تھا۔

جناب مسلم بن عقیلؑ کی تحریک جب زور پکڑتی گئی تو اسی عبداللہ بن مسلم نے یزید کے نام یہ خط لکھا۔

مسلمؑ جو حسینؑ کی طرف سے کوفہ آئے ہیں، نے کوفہ کے حالات آہستہ آہستہ حسینؑ کے موافق بنا دیے ہیں۔ انگنت افراد نے مسلم کے ہاتھوں پر بیعت کی ہے لہذا قبل از اسکے کہ حالات آپ کے بس سے باہر ہو جائیں۔ کوفہ کی گورنری کسی اور کو دیدیں اور اسکو فوراً کوفہ روانہ کریں کیونکہ نعمان گورنر کوفہ (ابن بشیر) کمزور ہیں۔ ان کے بس کی

بات نہیں ہے کہ یہ آپ کے موافق کوفہ کو بنائیں۔

یزید کو خط ملا۔ تلملا کے رہ گیا بار بار پیچ و تاب کھاتا گیا۔ حیران و پریشان ہوائیں۔ سرجون معاویہ کا نمک خوار تھا۔ عہد معاویہ میں محکمہ خراج میں بحیثیت کاتب کے کام کرتا تھا مذھباً عیسائی تھا۔ اس نے یزید کی پریشانی سمجھ کر فوراً عبیداللہ بن زیاد کا نام تجویز کر دیا۔ لیکن ابن زیاد کا نام سنکر یزید شش و پنج میں پڑ گیا کیونکہ یزید ابن زیاد سے ناراض تھا کیونکہ یزید کو خیال تھا کہ اسکے باپ نے میرے باپ کو میری ولی عہدی کے معاملے میں میرے خلاف رائے دی تھی اور یزید کو یہ بھی خیال تھا کہ اسکا باپ بذات خود مسند خلافت پر آ جانا چاہتا تھا چنانچہ ان ہی وجوہات کی بنا پر اس نے ارادہ کیا تھا کہ زیاد سے نہ سہی کم از کم عبیداللہ سے تو اسکا بدلہ اتارا جائے اور یہ بدلہ اسکو بصرہ کی گورنری سے معزول کر کے ہی لے سکتا ہے۔

لہٰذا یزید نے سرجون کی رائے سے اتفاق نہ کرتے ہوئے کہا کہ عبیداللہ کوفہ کی گورنری کیلئے موزوں نہیں ہے کسی اور کا نام تجویز کرو۔ سرجون بھی پکا دشمن اسلام اور سرتاپا فراڈ تھا اس نے یزید کے انکار کو سنکر کہا۔ اچھا یہ بتایئے کہ اگر اس وقت میرے بدلے عبیداللہ ابن زیاد کا نام امیر معاویہ تجویز کرتے تو کیا آپ اپنے باپ کی رائے کو بھی ٹھکراتے؟ یزید نے کہا نہیں! یہ سنکر سرجون عیسائی نے ایک تحریر نکالی اور یزید کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ معاویہ کی تحریر ہے کہ جس میں ابن زیاد کو کوفہ کی گورنری پر معمور کیا گیا ہے لیکن وہاں بھیجنے سے پہلے ہی معاویہ نے وفات کی۔ یزید نے تحریر دیکھ کر سرجون سے پوچھا۔ اب تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا، بصرہ کے ساتھ ساتھ عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر بھی بنا دیجئے۔

اسکے بعد یزید نے عبیداللہ کے نام یہ خط لکھا کہ مجھے میرے کوفہ کے شیعوں نے خطوط لکھے ہیں کہ وہاں حسینؑ کے سفیر مسلم بن عقیل نے کوفہ کو فتنہ فساد کی آماجگاہ بنا دیا ہے، فوج جمع کر دی ہے اور اکثریت کو اپنا ہمنوا بنا کر ہمارے خلاف کمر بستہ کر دیا ہے۔ جونہی میرا خط تم تک پہنچے تو تم بصرہ کیساتھ ساتھ کوفہ تک کو اپنے زیر اختیار سمجھ کر ابن عقیل کو گرفتار یا قتل کر کے فتنہ و فساد کی آگ کو بجھا دو۔ ۱۳؎

یہ خط مسلم بن عمرو باہلی کے ہاتھ جب ابن زیاد کے پاس پہنچا تو اس نے اپنے امیر کے حکم کے مطابق بصرہ کی جامع مسجد میں آ کر لوگوں کو ڈرا دھمکا کر کہا کہ...... اگر کسی نے بھی غلط حرکت کی، ذرہ برابر بھی مخالفت کی تو نہ صرف غلط حرکت کرنے والے یا مخالفت کرنے والے کو قتل کر دوں گا بلکہ اسکے خاندان اور ورثاء کو بھی بھیانک موت سے ماروں گا۔

اب کیا مجال تھی کسی کی کہ وہ ابن زیاد کے خلاف آواز اٹھالیتا کیونکہ انکو معلوم تھا اصحاب تو اصحاب رہے ابن زیاد جسکے حکم کی تعمیل کر رہا ہے اس نے تو رسولؐ اللہ کے اقرباء تک کو بھی نہیں چھوڑا۔

حوالہ جات

۱۔ الفاروق حصہ اول ص۱۱۹
۲۔ نہج البلاغہ ج۲ص۳۶۳۔۳۶۴
۳۔ فلسفہ آل محمد حصہ اول ص۱۲۶
۴۔ شہید انسانیت ص۲۶۶۔۲۴۵
۵۔ الفاروق حصہ دوم ص۳۱۸۔۳۱۹
۶۔ نہج البلاغہ خطبہ ۲۵ مترجم مفتی جعفر حسینی
۷۔ ایضا، خطبہ ص۶۵
۸۔ تذکرہ مقدمہ ص۶۷۔۶۸
۹۔ History of Arabs,Philip K Hilty p196
۱۰۔ History of Arabs,Philip K Hilty p197
۱۱۔ تاریخ طبری، محمد بن جریر ج۶ص۱۶۸۔۱۶۶
۱۲۔ اخبار الطّوال، دینووی ص۲۳۳
۱۳۔ تاریخ طبری، محمد بن جریر ج۶ص۲۰۰

سفیرِ حسینؑ

خطوط کے تسلسل کو مدت مدید تک حسینؑ یہ کہہ کر ٹالتے تھے کہ ''وقت آنے پر دیکھا جائے گا'' لیکن وفود کے پیش نظر حسینؑ نے ان کی آواز پر لبیک فرمائی۔ لیکن تدبر و تفکر کے بعد آپ نے یہ مناسب سمجھا کہ پہلے کوفہ کے نشیب و فراز کا صحیح حال معلوم کیا جائے تا کہ پھر مناسب طریقہ سے قدم اُٹھایا جائے۔ اِدھر سے موسم حج قریب آ رہا تھا۔ حاجیوں کے لباس میں فوج یزید کے آنے کی خبر حدتواتر تک پہنچ چکی تھی۔ لہٰذا آپ نے اپنے ابن عم مسلم ابن عقیل ابن ابی طالب کو عہد سفارت تفویض فرما کر جانبِ کوفہ روانہ فرمایا۔ جانے سے قبل آپ نے ان کو کوفہ کے لوگوں کے لئے یہ خط دیا:

بسم الرحمن الرحیم من الحسین ابن علی الی الملأمن المومنین اما بعد فان ھانیاً و سعیدًا قد ما اِلیَّ من رسلکم وقد فھمت ما ذکرتموہ انہ لیس لکم امام غیری وتسألونی القدوم الیکم لعل اللہ یجمعکم علی الحق و الھدیٰ انی باعث الیکم اخی و ابن عمی المفضل عندی من اھل بیتی مسلم ابن عقیل و قد امرتہ ان یکتب اِلیَّ بحسن رایکم و ما انتم علیہ وانا اقدم الیکم انشا اللّٰہ تعالیٰ .

ترجمہ: حسینؑ ابن علیؑ کی طرف سے گروہ مومنین کے نامؑ اما بعد! تمہاری طرف سے آئے ہوئے سفیر ہانی اور سعید خطوط لیکر آئے۔ جو کچھ تم لوگوں نے لکھا میں سمجھا۔ تم لوگ خیال کرتے ہو کہ تم لوگوں کو کوئی امام نہیں ہے اور یہ بھی خواہش کرتے ہو کہ میں تمہارے پاس (تمہاری ہدایت کیلئے) آؤں۔ تم امید کرتے ہو کہ خداوند کریم تم کو (میری ہدایت سے) حق پر مجتمع کرے گا۔ توفلحال میں تم لوگوں کے پاس اپنے ابن عم مسلم ابن عقیل کو بھیج دیتا ہوں جو مجھے میری اہل بیت میں زیادہ پیارا اور محبوب ہے۔ میں نے انکو حکم دیا ہے کہ وہ مجھے تمہاری صحیح رائے اور پختہ خیالات سے مطلع کریں۔ انشاءاللہ (خبر نیک وصول ہوتے ہی) میں تمہارے پاس چلا آؤں گا۔[1]

اس خط کے بعد جناب امام حسینؑ نے جناب مسلم کو اصابت رائے، فرض شناسی اور بصیرت افروزی کی تعلیم فرما کر دو رہبر عمارا بن عبداللہ سلولی اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ الازری ساتھ دئے۔ یہ دونوں کوفہ کے صنادیدوں سے تھے۔ جناب مسلم ۱۵ رمضان المبارک کو مکہ سے نکلے۔

جناب مسلم ابن عقیل جب مکہ کے گرد ونواح سے نکلے تو منزل ابتداء میں ہی دیکھا کہ ایک باز ایک کبوتر کا بڑی تیزی کے ساتھ تعاقب کر رہا ہے۔ مسلم اس حالت کو ابھی دیکھ ہی رہے تھے کہ باز نے سفا کانہ طریقے سے کبوتر کو بے بس کر کے مسلم کے قدموں پر گرا دیا۔ مسلم نے کبوتر کی بے بسی دیکھ کر ایک انگڑائی لی۔ سمجھے کہ یہ آنے والے خطرات کا پیش خیمہ ہے۔ لہٰذا اُلٹے پیر بھائی کے پاس چلے آئے۔ دست و پا کے بوسے لئے اور صورت حال سے آگاہ فرمایا۔ حسینؑ یہ سنکر ابن عقیل کی بہادری، جوانمردی اور تیور کو نگاہِ تحیر سے دیکھنے لگے اور فرمایا: مسلمؑ! اگر تو باز سے ڈر گیا تو کوئی غم نہیں بیٹھے رہو۔ میں کسی دوسرے کو تمہارا عہدہ تفویض کر کے کوفہ بھیج دوں گا۔ مسلمؑ کی غیرت لفظ ڈر سے کروٹیں لینے لگیں اور عرض کیا۔ بھیا! آپ یہ کیا فرماتے ہیں۔ بخدا! باز سے ڈرنا کیا دنیا سے ہم نہیں ڈرے ہیں۔ خدا کی قسم اگر آپ مجھے حکم دیں گے تو میں شعلے اُگلتے ہوئے دریاؤں کو بھی عبور کروں گا۔ میرے پلٹنے کا مقصد صرف آپکی دید تھی اور کچھ بھی نہیں۔ جناب امام حسینؑ نے فرمایا کیوں نہ ایسا ہو تم تو میرے ابن عم ہو۔ یہ کہہ کر مسلم اُٹھے اور چل پڑے۔ لیکن اس حالت میں کہ آپکی آنکھوں سے مسلسل آنسوں بہہ رہے تھے۔ دھڑکنیں ڈوب رہی تھیں پوچھنے والوں نے پوچھا مسلم کیوں روتے ہو تو جواب دیا: صرف اس لئے کہ حسینؑ سے دور ہو رہا ہوں۔ غرض آپ مدینہ پہنچے۔ پھر گرد بھرے کپڑوں سمیت روضہ رسولؐ میں داخل ہوئے۔ زیارت سے مشرف ہونے کے بعد آپ گھر آئے۔ اہل وعیال اور دوست واحباب سے ملاقات کرنے کے بعد جانب کوفہ روانہ ہوئے۔

حالات کی ستم ظریفی ہی کہیے کہ دونوں راہبر ایک لق ودق ریگستان میں پہنچ کر راستہ بھول گئے۔ عرب صحرا کی پنہائیاں اور اس پر سراب اور لو کے جھکڑ زیست کی اُمیدوں کو بھی دبا دیتے ہیں۔ جب راہبر راستہ بھول گئے مسلم چار و ناچار انکے ساتھ چل رہا تھا۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ حیران و پریشان بے نشان منزلوں کی طرف چل رہے تھے۔ آفتاب کی تمازت سے صحرا کا سینہ شرارے اُگل رہا تھا۔ دونوں ساتھی مسلم کے عزائم کا ساتھ نہ دے کر تپتی ہوئی صحرا پر گر کے دم توڑ گئے۔ مسلم نے اسکو دوبارہ بُرا شگون خیال کیا۔ مسلم مقام مضیق پر پہنچ کر اپنے سید وسردار جناب امام حسینؑ کو اسکے بارے میں خط لکھتے ہیں تا کہ رائے دریافت فرمائی جائے اور اگلے اقدام کا حکم بھی حالات حاضرہ کو مدِنظر رکھ کر صادر ہو جائے اور وہ خط یہ تھا:

"اما بعد فانی اَقْبَلْتُ من المدینة مع دلیلین فحارا عن الطّریق فضلاً و اشتدَّ عَلَینا العطش فلم یلبثا ان ماتا و اقبلنا حتیٰ انتهینا الی الماء فلم تبح الا بجشاشة انفُسنا و ذالک الماء بمکان یدعی المضیق من بطن الخبت وتد تطیرت"

ترجمہ: میں دو رہبروں کے ساتھ مدینہ سے آیا تھا اور یہ شدت عطش کی وجہ سے راستے میں ہی فوت ہو گئے۔ میں بھی قریب المرگ تھا۔ بمشکل منزل مضیق تک اپنے آپ کو پہنچایا اور وہاں پانی پیا۔ پس تحقیق یہ کہ میں

اس سفر کو (آنے والے واقعات کے لئے) بُرا شگون خیال کرتا ہوں"

جب یہ خط امام حسینؑ کو پہنچا تو آپ نے فوراً جواب لکھا۔

بسم الله الرحمن الرحيم: من الحسين بن علی الٰی ابن عمّه مسلم ابن عقيل ، اما بعد فقد خشيتُ ا ن لا يكون حملک علی الكتاب الِیّ فی الا ستعفاءِ من التّوجه الّذی وجهتک الا الجبن فامض بوجهک الّذی و جهتک يا ابن عمَّ انیّ سمعت جدّی رسولِ الله يقول ما منّا اهل البيت من تطيرَ ولا يطيّر به فاذا قرات كتابی فامض علی ما أمرتُک والسلام عليک ورحمة الله و بركاته.

یہ خط حسین ابن علی کی طرف سے اسکے ابن عم مسلم ابن عقیل کو ہے۔اما بعد! مجھے ایسا لگتا ہے کہ تم میں جبن (بزدلی) کا غلبہ چھاتا جا رہا ہے۔جس کے لئے تم نے مجھے خط لکھا ہے اور جس جانب میں نے تجھے بھیجا ہے۔اس سے ہٹ جانا چاہتے ہو۔"مسلم!" اسی طرف روانہ ہو جاؤ جس طرف میں نے تجھے بھیجا ہے اور یاد رکھو! ہم اہلبیتؑ ہیں۔ہم بُرا شگون نہیں لیتے ہیں اور نا ہی بُرا شگون کرتے ہیں اور یہ میرے جد محمد رسول اللہؐ نے فرمایا ہے۔پس تم اس خط کو پڑھتے ہی اپنی منزل پر گامزن ہو جاؤ اور اسکی تعمیل کرو جس کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے۔

یہ خط پڑھ کر جناب مسلم آگے بڑھا اور جانب کوفہ روانہ ہوا۔

"ممکن ہے کہ ان خطوط کو پڑھ کر افراد عامہ یہ بُرا اثر لے لیں کہ جناب مسلم ڈرپوک اور بزدل تھے لہٰذا پلٹ آنا چاہتے تھے......"

ایسی تو کوئی بات نہ تھی۔ہمیں تاریخ لکھنی مطلوب ہے اور تاریخی حقائق من وعن نقل کرنا عین انصاف نظر آرہا ہے۔لیکن ان خطوط کو دیکھ کر بالفرض اگر جناب مسلم کی بزدلی ہی تسلیم کی جائے تو کوفے میں جو آپ نے تاریخی کردار ادا کیا وہ غلط ہو جاتا ہے۔اس لئے کہ اکیلے جناب مسلم چار سو سے بھی زائد افراد سے نبرد آزما ہوتے ہیں اور ۱۰۰۰ تک کی فوج سے بھی برسرپیکار نظر آتے ہیں۔کوفہ کے حالات وکوائف کو دومنٹ کے لئے ان خطوط کے سامنے لے آیئے اور دونوں کا موازنہ یہی بتلا دیتا ہے کہ جناب مسلم اپنے لئے قطعاً کوئی بزدلی نہیں لے رہے تھے۔ان کے سامنے آنے والے واقعات جو یکے بعد دیگرے سامنے آرہے تھے اگر ان کو "بُرا شگون" کہلوانے پر مجبور کر گئے تو صرف اسلئے کہ حسینؑ کا دوسرا قدم کوفہ کی طرف اُٹھنے والا تھا۔مسلم اپنی طرف سے انتہائی کوشش کر رہے تھے کہ جناب امام حسینؑ مدینہ یا مکہ میں رہیں۔لیکن حسینیؑ فکر اور حسینی سیاست کا طائر کہاں اور کن منزلوں کی طرف پرواز کر رہا تھا۔ اس سے قطعاً بے خبر تھے۔مسلم صرف رشتہ دار تھے۔امام نہیں تھے۔حسینؑ امام بھی تھے اور رشتہ دار بھی۔لہٰذا مسلم کی فکر اور حسینؑ کی فکر کا موازنہ کرنا عبث اور فضول ہے۔اور اس پر طرّہ یہ کہ مسلم امام حسینؑ سے کاغذات سفارت حاصل

کر کے جانب کوفہ روانہ ہو رہے تھے اور حسینؑ اپنی سفارت کے کاغذات اپنے جد محمد رسول اللہؐ سے حاصل کر کے احکام صادر فرما رہے تھے۔ لہٰذا مسلم نے اپنی دوررس نگاہوں اور بصیرت افروز فکروں کے پیش نظر اگر اپنی رائے کا اظہار فرمایا تو اس میں قبح کا پہلو کیا ہو سکتا ہے۔ رہ گیا کیا مسلم واقعاً بزدل تھے؟ اس کا جواب بازار کوفہ آگے چل کر دیگا۔

الغرض: جناب مسلم ابن عقیل ابن ابی طالبؑ راہ کی کلفتیں اُٹھا کر وارد کوفہ ہوئے۔ نصف شب کا سماں تھا۔ ہر طرف تاریکی کا راج تھا۔ ہواؤں کے سرسراتے جھونکوں کے بغیر اور کسی آواز کی تمنا نہیں کی جا سکتی تھی۔ جناب مسلم گلیوں سے گذر کر ایک گھر کے سامنے آ کر رُکے۔ آگے بڑھے دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر داخل ہوئے۔ یہ گھر مختار ابن عبیدہ ثقفی کا تھا اور بروایتے دیگر سلیمان ابن صرد الخزاعی کا مسکن تھا۔ غرض رات تیزی کے ساتھ گذری۔ آفتاب کی بے باک نگاہوں نے دوشیزہ شب کے چہرے سے پردہ اُتار دیا۔ لوگوں نے جب جناب مسلم کے آنے کی خبر سنی تو جوق در جوق ملاقات کے لئے آنے شروع ہوئے۔ یہاں تک کہ کوفہ میں ایسا کوئی نہیں رہا جو ابن عقیل کے پاس نہیں آیا۔

کوفہ میں ورود

چند دنوں تک جناب مسلم علیہ السلام کے ہاتھ پر اسی ہزار (۸۰،۰۰۰) آدمی بیعت کر چکے تھے۔ وہ کوفہ جو جہالت کے تیرو تار اندھیروں میں دم توڑ رہا تھا۔ اب تہذیب نو کے مشعل بردار کی قیادت میں نئی شاہراؤں پر گامزن تھا۔ سفیر حسینؑ نے کوفہ کے لوگوں میں حقیقی شمع اسلام سے اُجالا کر دیا تھا۔ وہاں جہاں مذہب کے نام کی دھجیاں آہستہ آہستہ اڑائی جا رہی تھیں اب وہاں نئے حوصلے اور نئے ولولے تھے۔ لوگ جناب مسلمؑ کے ہر اشارے پر اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر صحراؤں، سمندروں اور نا قابل تسخیر پہاڑوں کو پاؤں تلے روندنے کے لیے بے قرار تھے۔

ابن مخنف کے قول کے مطابق دس دس آدمی آتے رہے اور بیعت کرتے رہے۔ روز بروز انکی تعداد بڑھتی گئی یہاں تک کہ ۲۰ تک بھی آن واحد میں آ کر بیعت کر جاتے تھے۔ جب ذرا کچھ لوگوں کا آنا جانا تھما تو عابس بکری کھڑا ہوا اور اللہ کی حمد وثنا کے بعد تقریر کی اور کہا۔

انی لست اعلم مافی قلوب الناس ولکن اُخبرک بما فی نفسی اذا دعوتمونی اجبتکم و اضربُ بسیفی عد وکم حتیٰ القیٰ اللہ عزّوجلّ

یعنی میں لوگوں کے ضمائر سے واقف نہیں ہوں لیکن اپنے دل کا حال آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ جب بھی آپ مجھے دعوت دینگے تو میں لبیک کہوں گا اور اپنی تلوار سے آپ کے دشمن کو قتل کر دوں گا۔ یہاں تک (نصرت کرتے کرتے) اللہ کے ساتھ ملاقات (شہید) کروں گا[۲]۔

اسکے بعد حبیب ابن مظاہر الاسدی کھڑے ہوئے اور کہا:

یرحمک اللہ تعالیٰ قضیت ما علیک و انا واللہ علی مثل ذالک

خدا تم پر رحم کرے تم نے اس حق کو ادا کیا جو تم پر واجب تھا۔ خدا کی قسم میں بھی اسی عقیدہ پر قائم ہوں۔

ابومخنف اٹھارہ ہزار آدمیوں کو قلیل گردانتے ہوئے ۸۰۰۰۰ آدمیوں کی بیعت کو تسلیم کرتے ہیں۔ یعنی ان چند دنوں میں ہی اسی ہزار افراد نے بیعت کر لی[۳]۔

جناب مسلم کے آنے سے کوفہ کی فضا ہی پلٹ گئی۔ عقیدت مندوں کا ہجوم اشکبار آنکھیں جو بنی اُمیہ کے ظلم وستم کی عکاسی کر رہی تھیں، مسلم کی بلائیں لے رہی تھیں۔ مسلم نے ان کا ایثار، جذبہ اوران کا حوصلہ دیکھ کر جناب امام حسینؑ کی خدمت میں اس طرح خط لکھا اور بھیجا کہ:

یا مولائی! کوفہ کی تند و تیز فضاؤں میں میرے آنے سے ٹھہراؤ آ چکا ہے۔ اب ہر طرف محبت کے چراغ جل رہے ہیں۔ جس خلوص اور عقیدت سے یہاں تاریکیوں میں اہل کوفہ نے چراغ جلائے ہیں۔ اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اہل کوفہ آپ پر جان و مال بصدق دل قربان کرنے پر تیار ہیں۔ اس وقت تک ۱۸۰۰۰ (بروایتے مخنف ۸۰۰۰۰) آدمیوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ اب مناسب یہی ہے کہ آپ جلد تشریف لے آئیں کیونکہ یہاں آپ کے مطیع ہیں اور آل معاویہ سے سب لوگوں نے قطع تعلق کیا ہے۔ والسلام

اِدھر سے یہ خط مسلم نے مکہ روانہ فرمایا تو اِدھر سے حسینؑ کی آمد کا چرچہ ہر زبان پر ہونے لگا۔ ابتداء میں بیعت کی کاروائی خفیہ کی جاتی تھی لیکن بعد میں کھل کر میدان میں آ گئے۔ ان دنوں نعمان ابن بشیر کوفہ کا گورنر تھا۔ رفتہ رفتہ مسلم کے آنے اور بیعت کے نشیب وفراز کی خبر اسکو پہنچی۔ لہٰذا اسکا سدباب کرنے کے لئے مسجد میں نکل آیا اور منبر پر جا کر لوگوں کو کہا:

''فتنہ وفساد اور فرقہ بندی میں مت جُٹ جاؤ کیونکہ ان ہی دو باتوں سے آدمی ہلاک ہو جاتا ہے۔ خون بہائے جاتے اور اموال غصب ہوتے ہیں ___ اس کے بعد کہا۔ جو شخص مجھ سے نہ لڑے میں اس سے نہیں لڑتا اور جو مجھ پر حملہ نہ کرے میں بھی اس پر حملہ نہیں کرتا۔ میں تمہارے سونے والے کو بیدار نہیں کرتا۔ میں تم پر سختی نہیں کرتا اور بے جا خیال بدگمانی اور تہمت سے تمہارا مواخذہ نہیں کرتا۔ لیکن اگر تم نے مقابلہ کیا۔ بیعت (یزید) کو فسق کر دیا اور اپنے امام (یزید) کی مخالفت کی تو قسم ہے اُسی خدا کی جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں کہ جب تک میرے ہاتھ میں تلوار کا قبضہ (گورنری کی امارت) رہے گا۔ میں تم کو تلوار سے ہی ماروں گا یاد رکھو کہ میرے خلاف تم کو کوئی یار و مددگار نہ ملے گا۔ مگر مجھے اُمید ہے کہ تم میں بہ نسبت ان کے (امام حسینؑ اور انکے رفقاء و مسلم ابن عقیلؑ) جنکو امر باطل ہلاکت کی طرف لے جا رہا ہے حق شناس (یعنی ہم (مراد بنو اُمیہ ہے) آدمی زیادہ موجود ہیں[٤]۔

مسلم کی اُبھرتی تحریک کے خلاف یہ پہلا اقدام ہے جو نعمان ابن بشیر کی طرف سے ہو رہا ہے۔ اگر چہ بعض افراد کا یہ قول ہمیں ملتا ہے کہ نعمان ابن بشیر رحم دل، حلیم الطبع اور کریم النفس تھے لہٰذا وہ سختی نہیں برتنا چاہتے تھے لیکن

تقریر کا لفظ لفظ حسینؑ تحریک کے خلاف اعلان جنگ ہے۔اب تو مسلم کی تحریک آندھیوں کی زد میں آ گئی۔عبداللہ ابن مسلم ابن سعید الحضرمی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے ابن بشیر کی کاروائی کو پہلوتہی خیال کیا اور سمجھا کہ اس طرح تو بنا بنایا پروگرام ختم ہو جاتا ہے لہٰذا اس نے یزید کو ایک خط بھیجا جس میں ایک تو کوفہ کے اندرونی حالات کا جائزہ لیا گیا تھا اور دوسرا لکھا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ کوفہ آپ کے زیر تصرف رہے اور آپ کو کوفے کی ضرورت ہو تو نعمان کو معزول کر کے کسی قوی آدمی کو اس ولایت پر مامور کیجئے جو آپ کے امر کو جاری کرے اور آپ کے دشمن کے بارے میں آپ ہی کی طرح عمل کرے۔نعمان یا تو ضعیف ہیں یا یہ کہ وہ بہ تکلیف ضعیف بنتے ہیں۔'' ابن اثیر کے قول کے مطابق عبداللہ ابن مسلم پہلا شخص تھا کہ جس نے یزید کو کوفہ میں مسلم کے آنے کی اطلای دی۔اسکے بعد حضرت سعد ابن وقاص کے فرزندار جمند بنام ''عمرؓ'' اور عمارہ ابن ولید ابن عقبہ نے خطوط لکھے۔یہ خط بھی اسی مضمون کے تھے[۵]۔

اب کیا تھا۔یزید خط دیکھتے ہی مسلم کی کارکردگی اور کوفہ کے لوگوں کی نکث بیعت پر سیخ پا ہو گیا۔اس نے اپنے پدر بزرگوار معاویہ کے غلام سرجون کے سامنے یہ خطوط ڈالے اور اس سے ان خطوط کے بارے میں رائے دریافت کی جو کوفہ سے آئے تھے۔سرجون نے خطوط سنکر کہا کہ عبیداللہ ابن زیاد کو والی کوفہ بنا دیا جائے۔یزید چونکہ اس سے ناراض تھا لہٰذا کچھ پس و پیش کرنے لگا۔سرجون نے کہا اگر امیر معاویہ زندہ ہوتے تو ایسا ہی کرتے۔یہ کہہ سرجون نے عبیداللہ ابن زیاد کے والی کوفہ بنائے جانے کا عہد نکال کر پیش کیا اور کہا امیر معاویہ کی بھی یہی رائے تھی کہ عبیداللہ ابن زیاد ہی کو امارت کوفہ دیدی جائے۔لہٰذا انہوں نے پہلے ہی اس تحریری حکم کے نافذ کرنے کا حکم دیدیا تھا[۶]۔

گرفتاری

اب تو یزید کو فکری الجھنوں سے سرجون نے نکال دیا۔ایک وثیقہ صحیح رہبری کے لئے ملا۔عیسائی سرجون کی دوررسی کا کیا کہنا کہ یزید پر آنے والے مصائب کا جائزہ لیکر اسکو عبیداللہ ابن زیاد کے تقرر کا پہلے ہی سے لکھا ہوا وثیقہ دکھایا۔جانتا تھا کہ یزید پر ایسا وقت یقیناً آئے گا اور یہ بھی جانتا تھا کہ عبیداللہ ابن زیاد باپ کا آئینہ دار ہے لہٰذا اس سے خیر کی توقع کرنا حماقت ہوگی لہٰذا وصیت نامہ اگر ہو تو اس کے لئے ہو۔اسی وثیقہ کے تحت یزید نے ابن زیاد کو خط لکھا۔اس وقت ابن زیاد بصرہ کا گورنر تھا۔خط یہ تھا۔

"من یـزید ابن معاویه الی عبیدالله بن زیاد اما بعد فقد بلغنی ان اهل الکوفه قد اجتمعوا علی البیعة للحسین وقد کتبتُ اِلیک کتاباً فانی لا اَجد سهماً ارمی به عدوی اجری منک فاذا قرأت کتابی هٰذا فارتحل من وقتک وساعتک وایاک والتوافی واجتهد ولا تُبقِ من نسل علی ابن ابی طالب احداً (معاذ الله) واطلب مسلم ابن عقیل فاقتله وابعث الی براسه والسلام"

یہ خط یزید ابن معاویہ کی طرف سے عبیداللہ ابن زیاد کو ہے۔بہ تحقیق مجھے خبر اہل کوفہ کی یہ ملی ہے کہ وہ حسینؑ

کی بیعت پر جمع ہو گئے ہیں۔اس سے قبل بھی میں نے ایک خط میں تمہیں لکھا تھا کہ اس پر عمل کرو اور میں تمہارے بغیر کوئی ایسا مشفق اور معین نہیں پاتا ہوں کہ جو میرے دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے پر اُتر آئے۔جب میرا یہ خط پڑھو گے تو کوچ کر جاؤ (بصرہ سے) کیونکہ تو میرا قوت بازو ہے۔اپنے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دینا اور علی ابن ابی طالبؑ کی نسل میں سے کسی کو باقی نہ رکھو اور مسلم ابن عقیل کو بلا کر قتل کر دینا اور اسکا سر میرے پاس بھیج دینا [۷]۔

ایک طرف یزید کا قاصد خط لیکر ابن زیاد کے پاس آیا اور دوسری طرف حسینؑ کا قاصد بصرہ کے ممتاز افراد کے پاس یہ خط لیکر آیا کہ:

''میں تمہیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔تم لوگوں کو پتہ ہے کہ سنت مرگئی ہے اور بدعت زندہ ہوگئی ہے۔ لہٰذا حق وصداقت کو اُجاگر کرنے کیلئے میری آواز پر لبیک کہو''۔

یہ خط آپؑ نے مالک ابن مسمع البکری، احنف بن قیس، منذر ابن جارود، مسعود ابن عمر، قیس ابن ہیثم، عمرو ابن عبیداللہ ابن معمر کو لکھا۔ چنانچہ ان تمام افراد نے یہ خط چھپا لیا۔صرف منذر ابن جارود نے اس خط کو صرف اس واسطے سے ابن زیاد کے پاس لیا کہ کہیں ''قاصد'' ابن زیاد کا جاسوس نہ ہو۔اسلئے اپنی جان کے خوف سے اس نے یہ خط اور قاصد کو ابن زیاد کے پاس لایا چنانچہ ابن زیاد نے قاصد کی گردن ماردی اور لوگوں کے سامنے تقریر کی اور کہا:

اما بعد! قسم بخدا میری بیعت کو سختی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور میں معمولی بے حقیقت چیزوں سے نہیں ڈرا کرتا۔ جو مجھ سے دشمنی کرتا ہے میں اسکے لئے عذاب وعقوبت ہوتا ہوں اور جو مجھ سے دوستی کرتا ہے اس کے لئے امن وصلاح۔مگر لات کا آدمی بات سے نہیں مانتا۔اے اہل بصرہ! امیرالمومنین (یزید ابن معاویہ) نے مجھے والئ کوفہ بنادیا ہے۔ میں کل صبح کو وہاں روانہ ہو جاؤں گا اور اپنے بھائی عثمان ابن زیاد کو یہاں اپنی جگہ مقرر کر جاؤں گا۔ خبردار! آپس میں خلاف مت کرنا اور فتنہ وفساد کی بے سروپا خبریں مت اُڑانا (اشارہ ہے حسینؑ کے خط اور انکے تشریف لانے کی طرف) خدا کی قسم اگر تم میں سے کسی کے متعلق میں نے خلاف کی بات سنی تو میں نہ صرف اسکو بلکہ اسکے شناساؤں اور دوستوں کو بھی قتل کردوں گا۔ جب تک تم میں کوئی مخالف یا آزار رساں شخص باقی رہے گا میں برابر قریب ترین کے بدلے پکڑوں گا تا آنکہ تم سیدھے ہو جاؤ۔ ہاں میں زیاد کا بیٹا ہوں۔ میں ٹھیک ٹھیک اپنے باپ کا مشابہ ہوں اور اس مشابہت میں مجھ سے میرے ماموں یا ابن عم کی مشابہت نے کوئی جھگڑا نہیں کیا ہے''۔[۸]

اس تقریر کے بعد اہل بصرہ کو پرُامن رہنے کی تلقین کی اور بغاوت کرنے پر ان کو کہہ دیا کہ اگر ذرا سا شائبہ مجھے تم لوگوں کے فتنہ وفساد کا ہوا تو تم لوگوں کی خیر نہیں [۹]۔

اسکے بعد حدود بصرہ سے جانب کوفہ روانہ ہوا۔ جن کے پاس حسینؑ کے خطوط آئے تھے ان کو ساتھ رکھا تا کہ کہیں یہ حب حسینؑ میں پیچھے سے بغاوت نہ کریں۔وہ افراد جو ابن زیاد نے ساتھ رکھے مسلم ابن عمر باہلی، منذر بن

جارود العبدی، شریک ابن الاعور الحارثی تھے۔ مالک بن مسمع نہیں آئے اسلئے کہ انہوں نے بیماری کا عذر کیا اور گھر میں ہی بیٹھے رہے۔ ابن زیاد نے سفید کپڑے پہنے۔ سر پر سیاہ عمامہ رکھا اور ایک کپڑا اپنے اردگرد لپیٹا۔ تلوار حمائل کی، ترکش گلے میں ڈالا جو تیروں سے بھرا ہوا تھا اور چل دیا۔ کوفہ کے قریب پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ اس لئے کہ جانتا تھا کہ مسلم کی موجودگی میں کوفہ میں داخل ہونا موت کے منہ میں داخل ہونے کے مترادف تھا اور اسطرح اسکی کامیابی کے امکان نہایت ہی کم تھے۔ لہٰذا لومڑی کی طرح دھوکہ دہی پر اُتر آیا۔ اس لئے رات کا انتظار کیا۔ اِدھر سے کوفہ کے لوگوں کو ابن علیؑ کی آمد کا یقین تھا۔ لہٰذا تمام کے تمام چشم براہ تھے۔ ہر نظر تڑپ تڑپ کر حدود کوفہ پر جا کر رُک جاتی تھی۔ دھڑکنوں میں عدل وانصاف، رحم وکرم اور امن وسلامتی کی لطیف اور خوش گوار زمزمے تھے کہ اچانک کوفہ کے ایک سرے سے دوسرے تک یہ خبر اُڑی کہ ابن علیؑ آئے ہیں اور کوفہ کے باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ اب کیا تھا، عقیدت مندوں کا ایک سیلاب تھا جو کوفہ کی گلیوں، کوچوں اور سڑکوں پر جمع ہو گیا تا کہ دید میں سبقت لی جائے۔ اِدھر سے ظلمت شب نے چادر تان لی۔ ہر طرف ہُو کا عالم طاری ہوا۔ بلا کا اندھیرا چھا گیا۔ دن بھر کے تھکے ماندے پرندے اپنے اپنے گھونسلوں میں محو آرام تھے۔ صرف فرات کے بہتے پانی کا شور تھا اور اس شور میں عقیدت مندوں کے جذبات پریم وانس سے مملو تھے۔ اچانک تاریکی میں چند گھوڑوں کے قدموں کی چاپ بلند ہوئی اب کیا تھا۔ لوگ دیوانہ وار ایک دوسرے پر گرتے اُٹھتے آگے بڑھے۔ ہر لب پر مرحباً بک یابن رسول اللہ بلند ہوا۔ لوگ گھوڑے کے گرداگرد جمع ہو کر ساتھ چلنے لگے۔ یہاں تک کہ گھوڑا دارالامارہ پر آ کر رُک گیا۔ نعمان بن بشیر یہ سمجھا کہ واقعی حسینؑ بن علی ہیں۔ لہٰذا پھاٹک بند کروا دیا۔ بحارالانوار کی روایت کے مطابق مسلم ابن عمر باہلی نے لوگوں کے جوش وخروش کو دیکھ کر لوگوں کو کہا تم لوگوں کو کیا ہو گیا۔ ''یہ حسینؑ نہیں ابن زیاد ہے۔'' یہ سننا تھا کہ لوگ حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ یعنی جیسے دید کے لئے آئے تھے ویسے ہی واپس بھی بسرعت چلے گئے۔ یہاں تک کہ وہی آدمی اسکے ساتھ رہے جو اس نے بصرہ سے ساتھ لائے تھے۔ نعمان نے عبیداللہ ابن زیاد کو نہ پہچانتے ہوئے دارالامارہ کے قصر سے کہا اے فرزند رسولؐ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ چلے جایئے اور مجھ سے معترض نہ ہو جائے''

ابن زیاد نے یہ کلام سن کر نعمان ابن بشیر کو کہا: اے نعمان دروازہ کھولدے۔ خدا تم پر رحمت نہ کرے[۱]۔

دروازۂ قصر کھل گیا۔ نعمان ابن بشیر معزول ہوا اور ابن زیاد امارت کوفہ پر متمکن ہو کر اچھی طرح اگلے پروگرام پر سوچنے لگا۔

ادھر پورے کوفہ میں ایک پُراسرار سنسناہٹ پھیل گئی۔ اب ہر ایک خوف وہراس اپنے لئے محسوس کر رہا تھا۔ حفظ جان کی خاطر تدابیر سوچے گئے۔ یہاں تک کہ صبح ہوئی۔ کوفہ ____! وہی کوفہ تھا جہاں ابن زیاد سے پہلے ولولے، عزائم اور پختگی کا راج تھا۔ ہر زن ومرد شدت انتظار سے تڑپ رہا تھا۔ تلواریں نصرت حسینؑ کے لئے

نیاموں میں مچلتی تھیں۔لیکن آہ! آج وہی کوفہ ہے۔سراسیمگی کی حالت میں،اُداس اور غمگین صورت بنائے ہوئے۔ ابن زیاد ان کی سرشت سے اچھی طرح واقف تھا لہٰذا اس نے اپنے پروگرام کے تحت الصلواۃ الجامعہ کا اعلان کروایا۔

سیاسی چال

''الصلوٰۃ جامعہ '' مسجد میں جب بلند ہوا تو لوگ بحفظ جان مسجد میں جمع ہو گئے۔مسجد میں تل دھرنے کی جگہ نہیں رہی۔یہ نداءصرف اس لئے تھی تا کہ اہل کوفہ کو ڈرایا دھمکایا جائے اور ان کو اُس ظلم کی نشاندہی کی جائے جو انکی عدم اطاعت کی وجہ سے ہونے والا تھا۔ابن زیاد کے ترکش میں اور بھی کئی تیر تھے۔ایک تو بصرے میں اپنا یا دوسرا حدود کوفہ سے باہر اب یہ تیسرا تیر تھا جو اگر کارگر ہو جاتا تو مسلم کی گرفتاری چنداں مشکل نہیں تھی۔جب لوگ مسجد میں جمع ہو گئے تو ابن زیاد منبر پر چڑھا اور یوں گویا ہوا:-

''اما بعد!ایها النّاس من عرفنی فقد عرفنی و من لم یعرفنی فانی اعرفه بنفسی انا عبیدالله ابن زیاد وقد ولانی مصرکم هٰذا یزید و امرنی بالانصاف للمظلوم و اعطاءِ المحروم والاحسان الی میئکم وانا متبعٌ لامره''

اے لوگو! جس نے مجھے پہچانا اس نے پہچانا اور جس نے نہیں پہچانا اس کو میں پہچنواتا ہوں۔میں عبیداللہ ابن زیاد ہوں۔مجھے یزید نے تمہارے شہر پر حاکم بنا کر بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ میں مظلوم کے ساتھ انصاف کروں، محروم کا حق ادا کروں اور ناشکروں کے ساتھ احسان کروں اور میں یزید کے حکم کا تابع ہوں[11]۔

'' کیونکہ یزید نے مجھے حاکم بنایا ہے اور میں انکے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔احسان کرنے میں تم مجھے اپنے باپوں کے مانند پاؤ گے لیکن یاد رکھو! جو شخص میرے حکم سے سرتابی کرے گا اور مجھ سے کئے وعدے کی خلاف ورزی کرے گا میں اسے تلوار اور کوڑے کا مزا چکھاؤں گا''۔[12]

یہ چال تھی اور یہ وہ چال تھا کہ جو کوفہ کے طول وعرض میں ڈال دیا گیا۔لالچ میں کسی چیز کی کمی نہیں کی جا رہی ہے۔جو مانگو وہ پاؤ گے کا نعرہ بلند کیا گیا۔اب ان لوگوں کا کیا کہ جو حسینؑ ابن علیؑ کو صرف اس لئے بلاتے تھے کہ ہمیں زن،زر وزمین ملے گی۔عیش وعشرت نصیب ہوگا۔محل وقصور حصہ میں آئے گا۔اب جو موت سے ڈرتے تھے ان کے لئے نیزہ سنان کی دھمکی بھی دی گئی۔لہٰذا کوفہ کے لوگوں نے یہی بہتر جانا کہ ابن زیاد کے ساتھ اپنی تقدیریں وابستہ کردیں۔چنانچہ تواریخ نے یہاں تک بھی لکھدیا کہ ابن زیاد نے منبر پر یہ بھی کہہ دیا کہ:

'' دشمن کو صرف زیر کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اسکے خلاف تلوار بلند کی جائے۔کردار کے آگے گفتار کی کوئی وُقعت نہیں ہے۔وعدو وعید تو داستان پارینہ بن کے رہ گئیں ہیں۔**فابلغوا هذا الرُّجل الهاشمُّی مقالتی لیتقّی غضبی**۔میرا یہ کلام اس رجل ہاشمی تک پہنچا دو تا کہ وہ میرے خشم اور غضب سے ڈرے''۔

اسکے بعد دارالارہ میں عبیداللہ ابن زیاد چلا آیا پہنچتے ہی حکم دیا۔ کہ شہر کے بزرگ قبیلہ میں سے ایک ایک آدمی بُلایا جائے۔ جب سب کے سب آئے تو اس نے ان کو دھمکی دیکر کہا۔ کہ جو بھی کوئی یزید کی مخالفت کرے گا اسکی گردن اُڑادی جائے گی۔ اسکے مال و جان اور عزت و آبرو کو حلال سمجھا جائے گا۔ لہٰذا بغیر کسی جھجک کے یزید کی بیعت کا قلاوہ گلے میں ڈال دو اور یہ بیعت قبل اسکے ہونی چاہئے کہ یزید کا لشکر یہاں آ کے تم لوگوں کی اینٹ سے اینٹ بجادیگا۔ ان کلمات نے اہل کوفہ پر عجیب وغریب قسم کی دہشت بٹھادی۔ یہ جانتے تھے کہ اہل شام سے یہ بعید نہیں ہے۔ انہوں نے تو علیؑ جیسے خلیفہ (راشد) کے خلاف تلوار بلند کی۔ علیؑ کے اصحاب کو بڑی بے دردی سے قتل کیا۔ سوادِاعظم کے جیّد خلیفہ حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے کو کھال میں زندہ بھر کے جلادیا گیا۔ حسنؑ کے جنازے پر تیرباران کردیا گیا۔ جب ان سے متعارض ہونے کے وقت ان کو کوئی امر مانع نہیں ہوا تو ہماری بات ہی نہیں اور ابن زیاد جو کچھ بھی کہتا ہے یقیناً صحیح ہے اور اس پر عمل کرنا اس کے لئے چنداں مشکل نہ ہوگا۔ لہٰذا بلا چوں و چرا وہی کچھ کیا جسکا ابن زیاد خواہان تھا۔

اجنبی

اِدھر مسلم ابن عقیلؑ جناب مختار ابن عبیدہ ثقفی کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ آپ کو جونہی ابن زیاد کے اس رویے کی اطلاع ملی آپ مختار کے گھر سے نکلے تاکہ یہ معلوم کیا جائے کہ اسکی تقریر کا ردعمل لوگوں پر کیا ظاہر ہوا یا ہورہا ہے۔ اس وقت ظہر کا وقت تھا۔ آپ سیدھے مسجد میں آئے۔ مصلحتاً اذان نہیں دی۔ جب نماز کیلئے کھڑے ہوئے تو اہل کوفہ دین وایمان بیچ چکے تھے۔ بخوف ابن زیاد آپ کے ساتھ کسی ایک نے بھی نماز نہیں پڑھی۔ آپ نے یکہ وتنہا نماز پڑھ لی اور باہر نکل آئے۔ باہر ایک آدمی کھڑا تھا۔ اِسے پکڑ کر آپ نے یہ ماجرا پوچھا اور فرمایا۔ **یا غلام مافعل اھل ھٰذا المِصر** ۔ اے شخص مجھے یہ تو بتاؤ کہ اس شہر کے آدمیوں پر کیا افتاد پڑی۔ وہ کہاں گئے اور کہاں چھپے۔ اس آدمی نے جواب دیا کہ انہوں نے تو نکث بیعت کر کے یزید کی بیعت کی ہے۔ مسلم یہ سنکر کوفیوں کی بزدلی اور انکی بے وفائی پر کافی غمگین ہوگئے۔ لہٰذا آپ انجانے راستوں سے نکل کر محلّہ بنی خزیمہ میں پہونچے اور وہاں ایک عالی شان قصر کے پاس آ کر دستک دی۔ اندر سے ایک کنیز نکلی۔ آپ نے اپنا نام بتا کر صاحب خانہ کو مطلع کرنے کیلئے فرمایا۔ کنیز اندر گئی اور اُلٹے پیر واپس آ کر جناب مسلم کو لیکر اندر چلی گئی۔ یہ گھر ہانی ابن عروہ کا گھر تھا۔

ہانی کوفہ کی ایک ممتاز شخصیت تھی۔ ابن زیاد بھی ہانی کی کافی عزت وتوقیر کررہا تھا اسلئے کہ ہانی وقت کا امیر ترین آدمی تھا۔ بنواُمیہ کا یہ شعار تھا کہ جہاں دولت دیکھتے تھے وہاں جھک جاتے تھے۔ اگر اس طرح دولتمند آدمی پر ڈورے ڈالے جاسکتے تھے تو ٹھیک، نہیں تو اسکو راستے سے ہٹا دیتے تھے اور آج جناب مسلم کو قضائے قدرت نے انکے گھر کا مہمان بنادیا۔ ہانی نے دل کھول کر انکی خدمت اور عزت وتوقیر کی۔ اگرچہ ہانی بیمار بھی تھا لیکن جناب مسلمؑ

نے جب انکے گھر میں قدم رکھا تو ہانی اُٹھ کھڑا ہوا۔ اھلاً وسہلاً ومرحباً کہہ کر ان کو پہلو میں بیٹھا دیا۔ یہ خبر اہل کوفہ کو ملی۔ چند خاص احباب ہانی کے گھر آنے شروع ہوئے۔ جناب مسلم ہر ایک کو یہی فرماتے جاتے تھے کہ میرے یہاں رہنے کے راز کو سربستہ رکھ دیا جائے یہاں تک کہ کسی صحیح فیصلہ پر ہم پہنچ جائیں گے۔

دوسری طرف ابن زیاد نے جب دیکھا کہ مسلم خاموش ہے تو اس کے لئے جناب مسلم کی خاموشی صبر آزما ثابت ہونے لگی۔ اس نے امرائے کوفہ کو اپنے دربار میں آنے کا حکم صادر کیا اور یہ صرف اسلئے تھا تا کہ مسلم کو کسی امیر کبیر کی حمایت حاصل نہ رہے کیونکہ غرباء کیلئے تو خزانوں کے منہ کھول چکا تھا۔ امراء اس دام میں آنے کے نہیں تھے۔ لہٰذا ان کو نظر میں رکھنے کیلئے اس نے یہ حکم صادر کیا لیکن ہانی ابن عروہ مسلسل احکام کے نفوذ کے بعد بھی بیماری کا عذر کر کے نہیں آتے تھے۔ آخر کار ابن زیاد بذات خود ہانی کی بیماری کی تصدیق کرنے کیلئے اسکے قصر رفیع میں آیا۔ جب یہ خبر ہانی کو ہوئی تو اس نے جناب مسلم سے عرض کیا کہ آپ اس ساتھ والے کمرے میں چھپ جائیں۔ جب یہ میری عیادت میں مصروف ہو جائے تو آپ نکل کر اسکو قتل کریں تا کہ ظلم وتشدد کا یکسر خاتمہ ہو جائے اور یہ فعل آپ اس وقت بجالائے جبکہ میں اپنے سر پر سے عمامہ اُٹھادوں گا۔ یہ منصوبہ طے ہو گیا۔ اسکے بعد ابن زیاد نماز عشاء کے بعد ہانی کے گھر آیا اور ہانی کے ایک طرف کرسی نشین ہوا۔ ابن زیاد نے اپنے حاجب کو اپنے ساتھ رکھا تھا تا کہ بوقت ضرورت حفاظت کر سکے۔ ابن زیاد نے ہانی ابن عروہ کی بیماری کا حال پوچھنا شروع کر دیا۔ ہانی نے بھی شکوہ شکایت کا سلسلہ چھیڑ دیا۔ اسی اثنا میں ہانی نے اپنا عمامہ سر سے اُٹھایا۔ یہ اشارہ تھا کہ مسلمؑ نکل کے ابن زیاد کا کام تمام کر دے گا۔ لیکن مسلم نہیں نکلے یہاں تک کہ ہانی نے اس فعل کو تین مرتبہ دھرایا۔ مگر جب مسلم نہ نکلے تو ہانی نے یہ اشعار پڑھے۔

ماالا انتظار بُسلمٰی لا یحیبیھا	حیوا سُلیمیٰ وَحیُّوامن یُحییھا
ھل شربۃٌ عذبۃٌ اَسقیٰ علی ظما	ولو تَلفُتُ وکانت مُنیتی فیھا
فاِن احسَّت سُلَیمیٰ منک داھیۃً	فَلَستُ تأمَن یوماً من دواھِیھا

ابن زیاد ان اشعار کو سنکر چونکا اور گھبراہٹ کے لہجے میں کہا کہ کیا ہو گیا ہے اِسے کہ اس جیسے شعر پڑھ رہا ہے۔ تو جواب دیا گیا کہ شدت مرض کی وجہ سے۔ اسکے بعد ابن زیاد نے خیر اسی میں جانی کہ اُٹھ کے چلا گیا۔ جب جناب مسلم، ابن زیاد کے جانے کے بعد نکلے تو ہانی نے عرض کیا۔ اے مسلم! آپ کو کیا امر ابن زیاد کے قتل میں مانع ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جناب رسالتمآبؐ کی حدیث یاد آئی کہ آپ فرماتے ہیں۔ انّ الا یمان قَیَّدُالفَتِک ولا یفتک مُسلم ☆۔ یعنی ایمان کی زنجیریں روکتی ہیں کسی مسلمان کو اچانک قتل کرنے سے۔ ہانی نے جواب دیا

☆ یہاں جناب مسلم نے ابن زیاد کو مسلمان بتلایا ہے۔ دھوکہ نہ ہو جائے کسی کو کہ ابن زیاد واقعی مسلمان تھا۔ یہاں مراد ہے ظاہری لباس میں ابن زیاد کا ہونا ورنہ جو شرائط مسلمان میں پائے جانے ضروری ہیں وہ اس میں قطعاً نہیں تھے۔

کہ واللہ اگر آپ آج اِسکوقتل کئے دیتے تو فتنہ وفساد کا قلع قمع ہو جاتا۔ جناب مسلم نے جواب دیا کہ ہماری شجاعت میں اس قسم کا آج تک کوئی بھی کمزور پہلو نہیں ہے۔ لہٰذا کیونکر میں ایسا کرسکتا تھا۔

ابن زیاد اور کوفہ

۱۔ سلیمان ابن زرین کو صرف اسوجہ سے قتل کردیا گیا کہ یہ امام حسینؑ کا قاصد تھا۔

۲۔ عبداللہ بن یقطر حمیری کو صرف اسوجہ سے قتل کردیا گیا کیونکہ انہوں نے ابن زیاد کے اس حکم کی سراسر مخالفت کرلی تھی کہ جس میں علی ابن ابی طالبؑ اور آپ کے فرزندوں پر لعنت کرنے کو کہا گیا تھا۔

۳۔ قیس ابن مہر صیداوی کو حصین ابن نمیر نے گرفتار کرکے ابن زیاد کے پاس بھیجا۔ اس نے آپکو علیؑ اور آل علیؑ پر لعنت نہ کرنے کے سلسلے میں بام قصر سے اس طرح نیچے گرادیا کہ آپ کی ہڈیاں چور چور ہوکر رہیں۔

۴۔ محمد ابن کثیر کو گرفتار کرکے دارالامارہ میں قتل کرڈالا اور آپ کا سرتن سے جدا کرکے بلند وبالا دارالخلافہ سے باہر پھینک دیا۔

۵۔ ہانی ابن عروہ کو پہلے تو قید کردیا اسکے بعد اسکوقتل کردیا گیا۔

۶۔ عمارہ بن مخلب ازدی کو سامنے بلاکر قتل کردیا

۷۔ عبدالاعلیٰ بن یزید کلبی علیمی کو نہایت ہی بے رحمی سے قتل کردیا گیا۔

۸۔ جناب مسلم بن عقیل کا بے رحمانہ قتل تو مشہور ہے۔

قارین کرام! یہ تھا ابن زیاد کا کوفے میں داخل ہوتے ہی ابتدائی مرحلہ۔ یہ افراد حقیقی محبان اہلبیتؑ تھے۔ ان پر ابن زیاد کی گرفت اور قتل صاف واضح کئے دیتا ہے کہ ابن زیاد صرف ایک بات جانتا تھا اور وہ امیر یزید کی اطاعت تھی۔ جو بھی اسکے برعکس نکلتا تو ان کو قتل کرنا اس نے اپنا دین ومذہب بنایا تھا۔

یہ خیال نہ فرمادئیں کہ یہ افراد گمنام تھے، نہیں، یہ سب کے سب عشیرہ والے تھے۔ کوفہ کے بااثر افراد تھے۔ ان کو قتل کرکے بہت سے خاندان مفلوج ہوکر رہے۔

ان عظیم المرتبت شخصیتوں کا قتل تو اب ہوا۔ اس سے پہلے کتنی عظیم ہستیاں کہ جو محبّ اہلبیت تھے قتل کردیے گئے۔ ایک لمبی چوڑی داستان ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا ابن زیاد ہی اُس المناک سازش کا بانی تھا کہ جو محبان علیؑ کے قتل کیلئے تیار کی گئی تھی......؟

یہ سوال ایسا نہیں ہے کہ جسکو نظر انداز کیا جائے۔

یہ سازش پچھلوں نے اگلوں کے لیے مرتب کی تھی۔ یہ سازش ایک وسیع چال تھی کہ جسکے ہر تار سے نت نئے مظالم کے بھیانک قہقہے ابھرتے تھے۔

میں یہاں جناب ابوالاعلی مودودی کی کتاب مستطاب خلافت وحکومت سے چند اقتباس نقل کروں گا تا کہ ہمارے اُس سوال کا صحیح جواب مل سکے کہ جس میں کہا جاتا ہے کہ شیعوں نے ہی حسینؑ کو قتل کر دیا۔

حضرت معاویہ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کاروائی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ان کا گورنر عبداللہ بن عمرو غیلان ایک مرتبہ بصرے میں منبر پر خطبہ دے رہا تھا۔ ایک شخص نے دوران خطبہ میں اسکو کنکر مار دیا حالانکہ شرعی قانون کی رو سے یہ ایسا جرم نہ تھا جس پر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ حضرت معاویہ کے پاس استغاثہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں ہاتھ کی دُیت تو بیت المال سے ادا کر دوں گا مگر میرے عمال سے قصاص لینے کی کوئی سبیل نہیں۔ زیاد کو جب حضرت معاویہ نے بصرے کے ساتھ ساتھ کوفہ کا بھی گورنر مقرر کیا اور وہ پہلی مرتبہ خطبہ دینے کے لیے کوفہ کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑا ہوا اور کنکر پھینکنے والے تمام لوگوں کو (جن کی تعداد ۳۰ سے ۸۰ تک بیان کی جاتی ہے) گرفتار کرا کے اسی وقت ان کے ہاتھ کٹوا دیے۔ کوئی مقدمہ ان پر نہ چلایا گیا۔ کسی عدالت میں وہ پیش نہ کئے گئے۔ کوئی باقاعدہ قانونی شہادت ان کے خلاف پیش نہ ہوئی۔ گورنر نے محض اپنے انتظامی حکم سے اتنے لوگوں کو قطع ید کی سزا دے ڈالی جسکے لیے قطعاً کوئی شرعی جواز نہ تھا۔ مگر دربار خلافت سے اسکا کوئی نوٹس نہ لیا گیا۔

اس سے بڑھ کر ظالمانہ افعال بسر بن ابی اَرْطاۃَ نے کئے جسے حضرت معاویہ نے پہلے حجاز و یمن کو حضرت علیؑ کے قبضے سے نکالنے کے لیے بھیجا تھا اور پھر ہمدان پر قبضہ کرنے کے لیے مامور کیا تھا۔ اس شخص نے یمن میں حضرت علیؑ کے گورنر عبیداللہ بن عباسؓ کے دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ ان بچوں کی ماں اس صدمہ سے دیوانی ہوگئی۔ بنی کنانہ کی ایک عورت جو یہ ظلم دیکھ رہی تھی چیخ اُٹھی کہ مردوں کو تو تم نے قتل کر دیا۔ اب ان بچوں کو کس لیے قتل کر رہے ہو؟۔ بچے تو جاہلیت میں بھی مارے نہیں جاتے تھے۔ اس ابن اَرْطاۃ جیسے لوگوں کے ذریعہ جو حکومت بچوں اور بوڑھوں کے قتل اور بے رحمی و برادر کشی کے بغیر قائم نہ ہو سکتی ہو اس سے بُری کوئی حکومت نہیں۔ اسکے بعد اِسی ظالم شخص کو حضرت معاویہ نے ہمدان پر حملہ کرنے کیلیے بھیجا جو اُس وقت حضرت علیؑ کے قبضے میں تھا۔ وہاں اس نے دوسری زیادتیوں کے ساتھ ساتھ ایک ظلم عظیم یہ کیا جنگ میں جو مسلمان عورتیں پکڑی گئی تھیں، انہیں لونڈیاں بنالیا حالانکہ شریعت میں اسکا قطعی کوئی جواز نہیں۔ یہ ساری کاروائی گویا اس بات کا عملاً اعلان تھا کہ اب گورنروں اور سپہ سالاروں کو ظلم کی کھلی چھوٹ ہے اور سیاسی معاملات میں شریعت کی کسی حد کے پابند نہیں ہیں۔

سر کاٹ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے اور انتقام کے جوش میں لاشوں کی بے حرمتی کرنے کا وحشیانہ طریقہ بھی جو جاہلیت میں رائج تھا اور جسے اسلام نے مٹا دیا تھا۔ اسی دور میں مسلمانوں میں شروع ہوا۔

سب سے پہلا سر جو زمانہ اسلام میں کاٹ کر لے جایا گیا وہ حضرت عمار بن یاسر کا تھا۔ امام احمد حنبل نے

اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے اور ابن سعد نے بھی طبقات میں اس سے نقل کیا ہے کہ جنگ صفین میں حضرت عمارؓ کا سر کاٹ کر حضرت معاویہ کے پاس لایا گیا اور دو آدمی اُس پر جھگڑ رہے تھے۔ ہر ایک کہتا تھا کہ عمار کو میں نے قتل کیا ہے۔

اسکے بعد دوسرا سر عمرو بن الحمق کا تھا جو رسول اللہؐ کے صحابیوں میں سے تھے مگر حضرت عثمانؓ کے قتل میں انہوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ زیاد کی ولایت عراق کے زمانہ میں ان کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی۔ وہ بھاگ کر ایک غار میں چھپ گئے وہاں ایک سانپ نے ان کاٹ لیا اور وہ مر گئے۔ تعاقب کرنے والے ان کی مردہ لاش کا سر کاٹ کر زیاد کے پاس لے گئے اس نے حضرت معاویہ کے پاس دمشق بھیج دیا۔ وہاں اس سے برسر عام گشت کرایا گیا اور پھر لے جا کر ان کی بیوی کی گود میں ڈال دیا گیا۔

ایسا ہی وحشیانہ سلوک مصر میں محمد بن ابی بکرؓ کے ساتھ کیا گیا جو وہاں حضرت علیؑ کے گورنر تھے۔ حضرت معاویہ کا جب مصر پر قبضہ ہوا تو انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا اور پھر ان کی لاش ایک مردہ گدھے کی کھال میں رکھ کر جلائی گئی۔

اسکے بعد تو یہ ایک مستقل طریقہ بن گیا کہ جن لوگوں کو سیاسی انتقام کی بنا پر قتل کیا جائے ان کے مرنے کے بعد ان کی لاشوں کو بھی معاف نہ کیا جائے۔ حضرت حسینؑ کا سر کاٹ کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق لے جایا گیا اور ان کی لاش پر گھوڑے دوڑا کر اُسے روندا گیا۔ ۱۳

یہ تاریخ دردناک بھی ہے اور دور رس نتائج کی حامل بھی۔ آپ نے ملاحظہ کیا کہ کس طرح سیاست کے شعبدہ بازوں نے چن چن کر ان افراد کو قتل کرایا کہ جو کسی نہ کسی طرح حضرت علیؑ کے ساتھ وابستہ تھے۔ جہاں تک تاریخ کے حقائق کا تعلق ہے تو وہ یہی ہے کہ معاویہ اور اسکے اہلکاروں کا نظریہ یہ تھا کہ علی ابن ابی طالبؑ سے منسلک افراد کو صفحۂ ہستی سے ختم کر دیا جائے یہی وجہ ہے کہ معاویہ نے جلیل القدر ہستیوں کو قتل کر کے اپنے آنے والی نسلوں کے لیے وہ راہ ہموار کی کہ جس پر چل کر انہوں نے ہر وہ کام کیا کہ جو نہ صرف ننگ مذہب ہی تھا بلکہ انسانیت کے صاف شفاف پیراھن پر ایک بدنما داغ بھی ثابت ہوا۔

یہ تو ان جیسی پر رفعت شخصیتوں کا انجام تھا۔ اب ان عام افراد کا کیا رویہ اپنی زندگی کے بارے میں رہا ہوگا کہ جو کوفہ یا اطراف کوفہ میں رہا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فرزدق سے جب امام حسینؑ نے کوفہ کے لوگوں کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے برجستہ جواب دیا کہ یا مولائی! تلواریں یقیناً آپ کے خلاف ہیں لیکن قلوب نہیں۔

میں نے ان ہی اوراق میں ان اہم ہستیوں کا ذکر کر دیا ہے کہ جو اپنے مقصد کی برآوری کے لیے حسینؑ کے آنے سے پہلے ہی قتل کر دیے گئے۔ اب دیکھئے ابن زیاد نے کوفہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ دمشق کے امیر کی طرف سے

فوجیں آتی جارہی ہیں۔ بصرہ کا نظم ونسق تسلی بخش ہے۔ کوفہ میں اب ہے نہیں کوئی جو بنوامیہ کی افواج سے ٹکر لینے کی جرأت کرسکے۔ لوگوں کا اندرونی جذبہ جو بھی ہوافواج کے پہرے اور ہتھکنڈوں میں یہ جذبہ اس قدر سرد پڑ چکا تھا دل کی بات دل ہی میں رکھ کر ہر وہ کام کرتے گئے کہ جس سے ان کو اپنے ضمیر کی ملامت تک برداشت کرنی پڑی تھی۔ وہ ہاتھ جو قیادت کے اہل تھے ان کے سامنے کٹ چکے تھے۔ لہٰذا بنوامیہ کے فراعنہ کی تعمیل میں چشم براہ رہنا ہی عین مصلحت سمجھ چکے تھے۔

جاسوس

ابن زیاد کا غلام معقل ابن زیاد کی مشین کا ایک چلتا پھرتا پرزا تھا۔ جب سے جناب مسلم ابن زیاد کی نظروں سے دور رہے تب سے ابن زیاد بڑی بے چینی اور بے صبری کے ساتھ زندگی کے لمحات گذار رہا تھا۔ اسکو یقین نہیں آتا تھا کہ اگر آج رات کو سویا تو کیا کل اُٹھ سکوں گا۔ لہٰذا اس نے اپنے غلام کو جناب مسلم کا کھوج نکالنے پر مامور کردیا اور اسکو تین ہزار درہم دیکر یہ کہا کہ جہاں بھی کہیں کوئی جناب مسلم کا ہمنوا ملے تو اسکو یہ درہم دیکر یہ جتلانے کی کوشش کرو کہ میں بھی تمہاری تحریک میں شامل ہونا چاہتا ہوں اور جب تم اس میں کامیاب ہو جاؤ گے تو گاہ بگاہ مجھے خبردار کیا کرنا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کہا۔ یہ شام کے وقت مسجد میں آیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک آدمی سفید کپڑوں میں ملبوس محو نماز ہے۔ معقل اس مرد مصّلی کے پاس آیا۔ جب نمازی نے نماز تمام کی تو معقل نے نہایت ہی عجز وانکساری سے اسکے ساتھ کلام کیا اور نہایت ہی معصومانہ صورت بنا کر کہدیا۔ یا اباعبداللہ! میں شام کا رہنے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں حب اہلِ بیت ڈال دی ہے۔ اب میں نے سنا ہے کہ اس شہر یعنی کوفہ میں اہلبیتؑ عظام کی طرف سے ایک آدمی آیا ہے جو اپنے آقا ومولیٰ کی طرف سے بیعت لے رہے ہیں۔ میرے ساتھ تین ہزار درہم ہیں۔ خداوند کریم نے میرے ذمہ کردیا ہے کہ یہ تین ہزار درہم میں اس مرد ہاشمی تک پہنچادوں تا کہ ان درہموں سے نیزے اور تلواریں خرید کر کفر وظلمت کے حامیان کا قلع قمع کردیا جائے۔ **فقال مسلم ابن عوسجه یا اخا العرب اعزب عن هٰذا الکلام مالنا و لاهل البیت و ما اصاب الّذی ارشدک الی ''** معقل کا مکارانہ کلام سنکر مصلی جس کا نام مسلم ابن عوسجہ تھا نے کہا! اے بھائی عرب۔ کیوں ایسا کلام کرتا ہے۔ مجھے اہلبیتؑ کے ساتھ نا ہی مودت ہے اور نا ہی محبت۔ جس کسی نے بھی تمہیں میرا پتہ بتایا ہے اس نے غلطی کی ہے'' معقل چھوڑنے والا نہیں تھا۔ اس لئے کہ مصّلی کی صلوٰۃ آئینہ دار تھی محبان آل محمدؐ کی۔ اسکی صورت سے یہی عیاں ہوتا تھا کہ یہ شیعان امیرالمومنینؑ میں سے ہونا چاہئے۔ لہٰذا دوسری مرتبہ بصد ادب اور منکسرانہ انداز لئے ہوئے کہنے لگا کہ جناب میں نے سنا ہے کہ آپ نے جناب امام حسینؑ کے لئے مسلم ابن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور آپ اسکے ناصر ومعین ہیں۔ اگر آپ مجھ میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ کرتے ہیں یا مجھے منافق و فاسق خیال کرتے ہیں تو آپ مجھے عہد کی

پابندی کی قسم لے لیجئے تا کہ مجھ سے نکث بیعت نہ ہو سکے۔ یہ درا ہم مجھ سے لیکر مسلم تک پہنچا دیجئے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ میرے جذبات کی صحیح قدر فرما دیں گے اور مجھے مایوس نہ لوٹا دیں گے۔ یہ الفاظ کچھ اس طرح اس نے ادا کئے کہ مسلم ابن عوسجہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور یہ ایسا فریب اور خدعہ تھا کہ مسلم ابن عوسجہ اس میں آ گئے اور اسکی باتوں پر یقین کر کے اس سے بیعت لے لی اور دراہم بھی اپنے پاس رکھے اور ابن زیاد کے غلام کو کہہ دیا کہ فلحال تم میرے پاس نہ آیا کرنا۔ اول میں جناب مسلم کو اس واقعہ کی اطلاع کر دوں گا پھر تمہیں بھی انکے پاس لے چلوں گا۔ چند دنوں کے بعد معقل جناب مسلم ابن عقیل کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس طرح والہانہ انداز میں وہاں بھی گفتگو کی۔ جناب مسلم کے سامنے اسکی رقم پیش کی گئی۔ آپ نے یہ رقم ابو ثمامہ صایدی کے حوالے کی تا کہ بوقت ضرورت اس سے اسلحہ خرید کیا جا سکے۔

قیدی

ابن زیاد نے روسائے کوفہ میں ہر ایک سے جناب مسلم کا پوچھا لیکن سبھوں نے عدم علوم کا بہانہ کر کے خاموشی اختیار کی۔ لیکن ابن زیاد زیادہ دیر صبر بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسکا ایک ایک لمحہ موت سے بھی زیادہ سخت بنتا جا رہا تھا۔ اسکے سامنے صرف جناب مسلم کی گرفتاری کا سوال تھا۔ صرف یہی ایک سوال تھا کہ جس نے اسکی سوچ کے باقی تاروں کو خاموش کر دیا تھا۔ لہٰذا اس نے امرائے کوفہ پر سختی برتنی شروع کر دی۔ جناب مختار پر تو اسکا شک منزل یقین پر پہنچ چکا تھا۔ یہ جناب مختار کے ایثار کو بخوبی جانتا تھا اور اس حقیقت سے بھی یہ واقف تھا کہ اگر اہل کوفہ بتلا بھی دیں گے مسلم کا پتہ لیکن مختار ایک مردِ آہن ہے۔ اس سے راز اگلوانا پتھر سے پسینہ نکلوانے کے مترادف ہے۔ اسی لئے بار بار اسی کو پوچھا گیا لیکن واہ رے عزم و ارادہ اور حب اہل بیت! آپ نے لب بھی جناب مسلم کے پتہ کے متعلق نہیں کھولے۔ جب عبیداللہ ابن زیاد کی جناب مختارؒ کی طویل خاموشی پر کوئی بھی ضرب کارگر نہیں ہوئی تو ابن زیاد نے آپ کو قید کر دیا۔ یہ ہونا تھا کہ باقی امرائے کوفہ حوصلہ ہار بیٹھے۔ کیونکہ جانتے تھے کہ جناب مختارؒ ایک اہم عنصر تحریک کا تھا۔ اس پر جیل کی اُفتاد پڑی۔ لہٰذا تحریک نے اپنے ایک اہم عنصر سے اپنے ہاتھ دھو لئے۔

اِدھر سے معقل نے جناب مسلم کے مرکز کا پتہ لگا کر ابن زیاد کو آگاہ کر دیا۔ اب نہ صرف جناب مسلم کا پتہ چل گیا بلکہ مرکز تحریک اور بقیہ اصحاب جو وہاں موجود تھے ان کا بھی مکمل حال معلوم ہوا۔ اب تو معقل روزانہ مرکز سے خبریں دربار ابن زیاد تک لے آتا تھا۔ ایک روز محمد ابن اشعث اور اسماء ابن خارجہ ابن زیاد کے پاس گئے۔ ابن زیاد نے تاڑتے ہوئے ان دونوں سے ہانی ابن عروہ کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے ہانی کا بیمار ہونا بتلا دیا۔ اس پر ابن زیاد غصے میں آیا اور کہا کہ اگر وہ علیل ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس کے دروازے پر لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ یہ علالت تو نہیں ہوئی۔ یہ تو اور کوئی چیز ہوئی (یعنی مجھے معلوم ہے جو تم لوگ چھپانا چاہتے ہو۔ حالانکہ یہ ابن زیاد کا

سوئے ظن تھا ورنہ محمد ابن اشعث اور اسماء ابن خارجہ بھی اسی کے ہم مشرب و ہم مسلک تھے) اسکے بعد یہ دونوں (اشعث اور اسماء) جناب ہانی کے گھر آئے اور عبیداللہ ابن زیاد کے غصہ کھانے کا کہا۔ان دونوں نے ہانی کو مشورہ کے طور پر کہا کہ عبیداللہ کا غصہ فرد کرنے کے لئے بہتر یہی ہے کہ تم اسکے پاس چلو اور وہاں اپنی صفائی پیش کرو تا کہ اسکے شبہات رفع ہو جائیں۔ ہانی جانتا تھا کہ ابن زیاد کا غصہ نہ صرف موت کا پیغام ثابت ہوتا ہے بلکہ سہایا کی تشہیر بھی ہو جاتی ہے۔لہٰذا ان کے ہمراہ ابن زیاد کے دربار میں آیا۔دروازے پر پہنچتے ہی ہانی بید کی طرح کانپنے لگا کیونکہ اس کو اپنا انجام اپنی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب نظر آیا۔ جب ہانی نے دربار میں قدم رکھا تو عبیداللہ ابن زیاد نے اسکو دیکھتے ہی شعر پڑھے:

''میں اِسے انعام دینا چاہتا ہوں اور وہ مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔قبیلہ مراد سے کسی اپنے دوست کو معذرت کیلئے لے آؤ'' [۱۴]

اسکے بعد ابن زیاد نے ہانی سے کہا **یا هانی خبیث مسلم بن عقیل و تجمع له الرجال و اسلاح وظننت ان ذالک یخفی علی فقال هانی معاذالله ما فعلت ذالک شیئًا** ۔اے ہانی تم نے مسلم ابن عقیل کو چھپایا۔اس کے لئے آدمیوں اور سلاح کو جمع کیا اور تم یہ خیال کرتے ہو کہ مجھ سے کچھ پوشیدہ ہے۔اس پر ہانی نے جواب دیا معاذ اللہ میں نے ایسی تو کوئی بات ہی نہیں کی۔حالانکہ ابن زیاد کی یہ غلط فہمی تھی کہ مسلم ابن عقیل کیلئے ہانی ہی لوگوں اور اسلحہ کو جمع کرتا ہے۔مسلمؑ کو نا ہی ہانی نے چھپایا اور نا ہی مسلم خود چھپ گئے۔رہ گیا لوگوں کو لانا وہ تو بذات خود جناب مسلم کے پاس آ کر بیعت کرتے تھے۔لہٰذا جو حلقہ بیعت میں آتا تھا اسکے ساتھ اپنا اسلحہ ہوتا ہے۔لہٰذا اسلحہ جمع کرنے کا سوال ہی مہمل اور بے ڈھنگ ہے۔

پھر بھی ہانی ابن زیاد کی اس خبر پر حیران ہوئے کہ اِسے کس طرح معلوم ہو گیا۔لہٰذا کہہ بیٹھا کہ ابن زیاد یہ سراسر مجھ پر بہتان اور الزام ہے۔کیا تم بتا سکتے ہو کہ میرا سنگین جرم کیا ہے؟ ابن زیاد نے غصے میں آ کر کہا کہ سنگین جرم اس سے اور کیا بڑا ہو سکتا ہے کہ تم نے ہمارے خطرناک دشمن کو اپنے ہاں پناہ دیدی۔ ہانی نے اس الزام سے بچنے کے لئے ابن زیاد کو کہا کہ یہ سب کچھ غلط ہے۔اس پر ابن زیاد نے اپنے غلام کو آواز دیدی۔ جب غلام آیا تو ہانی یہ دیکھ کر نہایت ہی متعجب ہوا کہ یہ وہی آدمی تھا کہ جو جناب مسلم کو تین ہزار درہم دیکر یہ کہتا تھا کہ مرد شامی ہوں اور مودت آل محمد ﷺ کھینچ لائی ہے۔اب ہانی اپنی صفائی میں کیا کہہ سکتے تھے۔لہٰذا موت کو انتہائی قریب دیکھ کر ابن زیاد سے کہا: اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ ابن زیاد نے کہا! بس ایک صورت میں ہم تمہاری خطائیں معاف کر سکتے ہیں کہ اگر تم مسلم کو ہمارے حوالے کرو گے۔ ہانی کا ماتھا ٹھنکا، ڈھڑکنوں کا زیر دم بڑی تیزی کے ساتھ اُٹھنے لگا۔گھر آئے ہوئے مہمان کے متعلق سوال تھا۔اگر جناب مسلم کو حوالے کئے دیتا تو ان کا قتل ہونا یقینی تھا۔نہیں دیدیتے تو اپنا قتل

سامنے تھا۔فرض اورنفس میں جنگ تھی ۔آخر کار اس مرد آہن نے فرض کی تلوار اُٹھا کر نفس کی گردن کاٹ لی اور بے باک ہوکر ابن زیاد کومنہ توڑ جواب دیا۔''ایسا کبھی نہیں ہوگا''۔ابن زیاد ہانی کا یہ جواب سنکر مغلوب بغضب ہوگیا۔ اسکا بند بند غیض وغضب سے کانپنے لگا۔اسکے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی ۔اس کو اُٹھا کر ہانی کے چہرے پر ماری، چھڑی اس زور سے ماری تھی کہ ہانی کے چہرے پر سے گوشت لڑھک کے سینہ پر گر گیا۔ ہانی نے زخمی شیر کی طرح سامنے کے اس ایک آدمی کے نیام سے تلوار نکالی اور اسکو دوٹکڑے کر کے ابن زیاد پر جھپٹا۔ابن زیاد بھاگ کے تخت کے پیچھے چھپ کے''جروہ'' ''جروہ''یعنی اس کو پکڑ و اسکو پکڑ و کہنے لگا۔درباری ٹوٹ پڑے اور ہانی کو قید کر دیا گیا[۱۵]۔

ہانی نے جب ابن زیاد کے دربار کو رزمگاہ بنادیا تو اسماء ابن خارجہ طیش میں آکر ابن زیاد سے کہنے لگے ''اے امیر! تو نے میری حمیت کو اُبھارا اور مجھے ہانی کو لانے پر مامور کیا۔ میں نے اسکو گھر پر مطمئن کیا۔اسکو امان دیدی اور تیرے پاس لایا اور تم نے یہاں آکر اس کے ساتھ یہ سلوک کیا۔''ابن زیاد نے یہ سن کر اسماء ابن خارجہ سے کہا تو بھی اسکے مثل ہے۔ یہ کہہ چھڑی سے اسکو بھی مارا اور اِسے بھی زخمی حالت میں قید کر دیا''۔

باہر کسی نے ہانی کے قید اور اسکی درباری حالت کو بتلا دیا۔ یہ سننا تھا کہ قبیلہ مذحج کے ۴۰۰۰ آدمی عمرو ابن حجاج الدیناری کی قیادت میں آگئے ۔اور دارالامارہ کو گھیرے میں لے لیا۔ جب ابن زیاد نے اس طوفان کو دیکھا تو اس نے شریح قاضی کو بلا کر کہا کہ تم ہانی کے پاس جا کر اسکی حیات کا یقین کر کے لوگوں کو اسکا زندہ ہونا بتلا دو تا کہ یہ بلاٹل جائے۔ چنانچہ قاضی شریح (وقت کا مولوی تھا) نے ایسا ہی کیا اور لوگ منتشر ہوگئے۔

ابی مخنف نے اپنے مقتل میں لکھا ہے کہ جب جناب مسلم کو ہانی کی گرفتاری کا علم ہوا تو آپ نے اپنے ایک آدمی جسکا نام عبداللہ ابن حازم تھا کو بلایا اور فرمایا کہ تم جاؤ اور لوگوں کو خروج (حملہ) کے لئے بلا لے آؤ۔ چنانچہ یہ گیا اور قبیلہ مذحج ،قبیلہ تمیم ،قبیلہ اسد اور قبیلہ ہمدانی کے ۴۰۰۰ آدمی آگئے ۔ یہ تمام کے تمام اب نئے قائد کی قیادت میں ابن زیاد کے محل کا محاصرہ کررہے ہیں۔العیون العبریٰ (مقتل) میں ہے کہ اس وقت ابن زیاد حد سے زیادہ ڈر گیا کیونکہ اس وقت اسکے ساتھ قصر میں صرف ۵۰ آدمی تھے ۔ان میں ۳۰ پولیس کے آدمی تھے اور ۲۰ شرفائے کوفہ سے تھے۔ابو مخنف نے لکھا ہے کہ ابن زیاد نے اس خطرہ سنگین کو دیکھ کر کثیر ابن شہاب کو بلا کر کہا کہ تمہیں قبیلہ مذحج میں دوست ہیں۔اس لئے قصر سے نکل کر لوگوں کو ڈرا اور شام کے لشکر اور خشم یزید سے انکو خائف کردو۔محمد ابن اشعث سے کہا کہ تم نکل کے قبیلہ کنندہ اور حضر موت والوں کو ڈراؤ۔ان کو دھمکی دیدو اور ان کو لالچ دیدو۔اسکے بعد قعقاع زہلی ۔شبث ابن ربعی تمیمی ،مجاز ابن حجر سلمی ،شمر ابن ذی الجوشن العامری کو بھی یہی احکام صادر کردئے۔ چنانچہ ابن زیاد کا یہ پھندا بھی کام کر گیا۔لوگ منتشر ہوگئے ۔جب سب کے سب خوف و ہراس ،زر وزن اور طمع وحرص میں آکے چلے گئے تو جناب مسلم کے ساتھ صرف ۳۰ آدمی رہ گئے تھے۔

انجانا:

کہاں چار ہزاراور کہاں ۳۰ آدمی ۔ چنانچہ محاصرہ شب تک جاری تھا۔لہٰذا سورج اپنی منزلیں ختم کر کے چادرِشفق میں روپوش ہو گیا تھا۔مسلم نے جب یمین ویسار پرنظر کی تو سوائے ۳۰ آدمیوں کےاور کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ آپ مسجد میں آئے اورنماز مغرب پڑھنی شروع کردی۔ جب نماز ختم ہوئی آپ اُٹھے اور باب الکندہ* پر آئے۔ جب دروازے پر قدم رکھا تو صرف ۱۰ آدمی رہ گئے۔اور دروازے سے باہر نکل آئے تو آپ کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔''رات کی تاریکی اورانجانے راستے''ان حوصلہ شکن منازل کووہ مسافر ہی جان سکے گا جس کواس سے سابقہ پڑا ہو۔

کبھی آپ کے گرد احباب وانصار کا حلقہ رہا کرتا تھا لیکن آج ان میں سے کوئی بھی نہیں تھا۔لہٰذا تاریکی شب میں آپ بےنشان منزلوں کی طرف بڑھے۔آگے بڑھ کے ایک عورت (طوعہ**) کوایک گھر کی دہلیز پر بیٹھے دیکھا۔آپ نے اس سے پانی مانگا۔اس بڑھیا نے آپ کو پانی لا کر دیا۔آپ نے پانی تو پی لیا لیکن دروازے سے نہ ہٹے۔طوعہ نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ یہ تمہارے لئے اچھا نہیں ہے کہ تم یہاں بیٹھے رہو کیونکہ زمانہ ناسازگار ہو گیا ہے۔جناب مسلم نے فرمایا۔**یا امة اللہ مالی فی ھذا المصر منزل ولا عشیرة** ۔اے کنیز خدا اس ملک میں نا ہی میرا گھر ہے اور نا ہی کوئی اہل وعیال۔ **قالت لہ المرأة من انت**: آپ سے اس طوعہ نے پوچھا آپ کون ہیں۔**قال انا مسلم ابن عقیل**:تو آپ نے فرمایا میں مسلم بن عقیل ہوں۔طوعہ کا یہ سننا تھا کہ مودت اہل بیتؑ چھلک اُٹھی۔آپ کو اندر لے کر ایک کمرے میں بٹھایا اور آپ کے سامنے کھانا لا کے رکھ دیا۔

سوال: نکث بیعت کے بعد جناب مسلم کو کوفہ سے(بجائے اس آہستگی سے تیزی سے)فرار ہونا چاہئے تھا تا کہ عبیداللہ ابن زیاد ان سے ایسا سلوک نہ کرتا؟انہوں نے خود آنے والے واقعات سے غض بصر کیا۔

الجواب: اول تو حالات ہی ابھی اس حد تک نہیں پہنچ گئے تھے کہ جناب مسلم کو فرار ہونا پڑتا کیونکہ اہل کوفہ ڈھلتی چھاؤں کے مانند تھے۔یہ کبھی اِدھر تھے اور کبھی اُدھر۔

والثانی: جناب مسلم کی شجاعت میں اگر شک ہوتا تو ایسا بعید نہیں تھا۔کہ آپ خوف وہراس سے بچنے کے خاطر فرار کو ترجیح دیدیتے اور یہ فرار بالخصوص ان کی خاندانی روایات میں سے نہیں تھا۔لہٰذا مسلم ایسا کبھی بھی نہ کر سکتے تھے۔

والثالث :مسلمؑ اگر کوفہ سے نکل بھی جاتے تو ایسا قطعاً ناممکن تھا۔اس لئے کہ جب جناب مسلمؑ کوفہ کی انجان گلیوں سے گزر رہے تھے تو راستے میں آپکو سعید ابن احنف نے دیکھا سعید ان کے قریب آئے اور عرض کیا: اے میرے سید وآقا!اس رات کی تاریکی میں کہاں جانے کا ارادہ فرمایا ہے۔آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ

* یہی وہ دروازہ تھا جہاں سے عبدالرحمٰن ابن ملجم بھاگ گیا تھا۔

** اسکا پہلا شوہر اشعث بن قیس تھا۔اس نے اسکو آزاد کیا۔اس کے بعد طوعہ کو سعید حضرمی نے اپنے حبالہ عقد میں لایا

اس شہر سے نکل کر کسی اور شہر کی طرف چلا جاؤں۔ سعید ابن احنف نے عرض کیا: حاشا وکلا، لیکن آپ نکلیں گے کیسے کیونکہ شہر کے تمام دروازے آپ کے لئے بند ہو گئے ہیں۔ حکومت کے گماشتے ہر طرف پھیلے ہوتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں شہر سے نکلنا ناممکن ہے لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ آئیں تاکہ آپ کو کسی گوشۂ عافیت میں رکھوں گا۔ یہ کہہ کر احنف نے آپ کو محمد ابن کثیر کے گھر میں لایا۔ محمد ابن کثیر نے بڑی عزت وتوقیر سے آپ کو اپنے گھر میں جگہ دیدی۔ ادھر اس کا علم ابن زیاد کو ہوا تو اس نے اپنے بیٹے (بنام خالد ابن عبید اللہ) کو ایک فوج کے ساتھ جناب مسلم کی گرفتاری کے لئے بھیجا لیکن تلاش بسیار کے بعد بھی جناب مسلم ابن کثیر کے گھر میں نہیں پائے گئے۔ اسکے بدلے اس نے محمد اور اسکے لڑکے کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھیجا۔ اس دن شام سے دس ہزار کا لشکر عامر ابن طفیل کی قیادت میں کوفہ پہنچا۔ ابن زیاد اس لشکر کو دیکھ کر باغ باغ ہو گیا۔ لہٰذا اس خوشی میں اس نے محمد ابن کثیر کو بلا کر خوب گالیاں دیں۔ جب ابن زیاد خاندانی روایات کو زندہ کر کے عروج پر پہنچا تو محمد نے کہا! اے ابن زیاد! یہ ہرزہ سرای کس لئے۔ میں تمہیں اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ تمہارے حسب ونسب سے خوب واقف ہوں۔ جھوٹ سے تیرے باپ کو ابوسفیان کے ساتھ ملحق کر دیا گیا اور اسکو تیرا باپ بنا دیا گیا حالانکہ وہ حرامزادہ تھا۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ باہر سے ایک شور وغوغا بلند ہوا۔ معلوم ہوا کہ ابن کثیر کا قبیلہ ۴۰ ہزار آدمیوں سمیت دار الامارہ کو گھیرے میں لے چکا ہے۔ ابن زیاد نے ابن کثیر سے کہا بتاؤ! محمد تمہیں اپنی اولاد محبوب ہے یا ابن عقیل اس نے جواب دیا: ابن عقیل کا محافظ اللہ ہے اور میری محافظت کا حال دیکھ ہی رہا ہے۔ (یعنی گھیرے میں لینے والے) یہ سننا تھا کہ ابن زیاد نے ایک دوات جو سامنے تھی اُٹھا کر محمد ابن کثیر کے چہرے ماردی۔ کہ جس سے محمد کی پیشانی مجروح ہوئی اور خون بہہ بہہ کر سینے پر جاری ہو گیا۔ محمد نے فوراً قبضہ تلوار پر ہاتھ رکھ کر ایک ہی جھٹکے سے تلوار کو بے نیام کر دیا اور چھلانگ مار کر ابن زیاد پر غضبناک طریقے سے حملہ کر دیا۔ لیکن اشراف کوفہ بیچ میں آ گئے اور ابن زیاد بال بال بچ گیا۔ محمد کی غضبنا کی دیکھ کر ابن زیاد کا غلام اپنی شجاعت کے جوہر دکھانے کی غرض سے محمد پر حملہ آور ہوا۔ لیکن محمد ابن کثیر نے معقل پر تلوار کا ایک بھر پور وار کر دیا کہ جس سے معقل کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ابن زیاد یہ دیکھ کر چلایا کہ محمد کو قتل کرو۔ چاروں طرف لوگ محمد پر تلواریں سونت سونت کر ٹوٹ پڑے۔ محمد شجاعانہ طریقے سے ان پر حملہ کرتا گیا اور بہت سے آدمیوں کو مجروح کرتے ہوئے دروازے پر آیا تاکہ یہاں سے نکل جاؤں۔ لیکن دروازے پر دو پہرے دار نیزہ تانے ہوئے آگے بڑھے۔ محمد نے ان دونوں کو قتل کیا۔ چاہا کہ دروازہ پھاند کر نکل جاؤں کہ پاؤں کی ٹھوکر نے بے بس کر کے اوندھے منہ گرا دیا۔ ابن زیاد کا ایک غلام آگے بڑھا اور نیزہ کے ایک بھر پور وار سے آپ کو شہید کر دیا۔ اسکے بعد آپ کا سر کاٹ لیا گیا اور دار الامارہ سے باہر پھینک دیا گیا۔ ابن زیاد کا خیال تھا کہ اس سے لوگوں پر دہشت طاری ہو جائیگی لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ لوگ بدستور محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ جب شب ہوئی تو لوگ

اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

اس واقعہ کے بعد مسلم کوفہ سے باہر نکلنا چاہتے تھے تا کہ کسی جائے امن پر جا کر سکون حاصل ہو جائے۔لیکن ایسا کرنا مشکل تھا اسلئے کہ تمام کا تمام کوفہ گھیرے میں لیا گیا تھا۔ جہاں سے آپ نکلنا چاہتے تھے وہاں اور اس سمت ۱۲۰۰۰ افوج کا پہرہ تھا۔ چنانچہ مسلم ایک طرف نکلنا چاہتے تھے کہ فوج نے آپ کا راستہ روک لیا اور پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو اور کہاں جانا ہے۔آپ نے فرمایا کہ کوفہ آیا تھا قبیلہ بنی فزادہ سے تعلق رکھتا ہوں اور واپس جانا چاہتا ہوں۔لیکن اسکے بعد بھی آپ کو نہیں چھوڑا گیا اور یہ کہہ کر واپس کوفہ کی طرف نکال دیا کہ یہ تمہارا راستہ نہیں ہے۔ جناب مسلم اس سمت سے ہٹ دوسری سمت کی طرف آئے۔اسکا نام دارالبیج تھا۔ یہاں عبیداللہ ابن زیاد کا بیٹا خالد ۱۲۰۰۰ افوج کے ساتھ پہرہ دے رہا تھا۔ جناب مسلم ادھر سے ہٹ کر دوسری سمت بنام کناسہ کی طرف آئے۔ یہاں ایک شامی دو ہزار سوار کے ساتھ مامور تھا۔ یہاں تک کہ رات گذر گئی۔علی الصبح ایک آدمی بنام حارث نے دیکھا کہ ایک سوار نہایت تیزی کے ساتھ جانب بصرہ گامزن ہے۔اس نے خیال کیا کہ ہو نہ ہو یہ مسلم ابن عقیل ہو۔لہٰذا تیزی کے ساتھ ابن زیاد کے پاس گیا اور اس واقعہ کی اطلاع دیدی۔ابن زیاد نے ۴۰ سواروں کو جناب مسلم کے تعاقب میں لگا دیا۔سوار طمع زر و لالچ مسند کے خاطر مسلم کے عقب میں دوڑے۔ جناب مسلم نے جب سواروں کے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سُنی تو آپ بھانپ گئے کہ یہ میرا تعاقب کر رہے ہیں۔لہٰذا آپ نے راستے سے ہٹ کر دوسرا راستہ اختیار فرمایا اور گھوڑے سے اُتر کر دوسری سمت کو چلے گئے۔ جب سوار قریب آپہنچے تو گھوڑے کو راکب کے بغیر دیکھ کر صرف گھوڑے کو حراست میں لے لیا گیا۔ابن زیاد نے یہ دیکھ کر حکم دیا کہ شہر کی ناکہ بندی کی جائے تا کہ مسلم بچ کر کہیں نہیں جا سکے[۱۶]۔

اب اس واقعہ کو مدِنظر رکھ کر کیا یہ ممکن تھا کہ جناب مسلم حدودِ کوفہ سے نکل جاتے۔لہٰذا یہ کہنا کہ جناب مسلم جان بوجھ کر بعد نکث بیعت کوفہ میں رہے نادانی اور جہالت ہے۔

غرض جناب مسلم طوعہ کے گھر میں رات گذارنے کے لئے لیٹے۔ جب اسکا بیٹا بلال آیا تو اس نے ماں کو دوسرے کمرے میں زیادہ آتے جاتے دیکھا۔ پوچھا ماں کیا بات ہے۔ اول تو بوڑھی ماں نے خاموشی ہی بہتر مصلحت جانی لیکن بیٹے کے اصرار پر جناب مسلم کا پتا بتا ہی دیا۔ بلال رات بھر کروٹیں بدلتا رہا۔ پردہ صبح کھل گیا۔ یہ صبح جو المناک بھی تھی اور غمناک بھی۔خطرناک بھی تھی۔اور شرمناک بھی تھی اس لئے کہ جناب مسلم کی جائے پناہ کی تلاش ختم ہو چکی تھا۔ بلال علی الصبح دربار ابن زیاد میں پہنچا۔ وہاں معلو ہوا کہ ابن زیاد مسجد کوفہ میں خطبہ دینے کیلئے گیا ہے۔لہٰذا اُلٹے پیر مسجد میں آیا۔اس وقت ابن زیاد یہ خطبہ پڑھ رہا تھا کہ ـــــ!''

''مسلم ابن عقیل نے جو فتنہ کھڑا کیا ہے۔اس سے تم باخبر ہو۔ یاد رکھو کہ جس کسی کے گھر سے جناب مسلم کا

سراغ مل جائیگا وہ مستحق تلوار سمجھا جائے گا یعنی اسکو قتل کر دیا جائے گا۔ اب اگر کوئی شخص مسلم کو پابہ زنجیر میرے پاس گرفتار کر کے لائے گا تو اسکو میں انعام واکرام سے مالا مال کر دوں گا۔ [۱۷]

ابن زیاد نے اس اعلان کے بعد حصین بن تمیم کو کوفہ میں حاکم تفتیش مقرر کر دیا۔

طوعہ کے لڑکے بلال کو بھی اس اعلان کی خبر ہوئی۔ اس نے عبدالرحمٰن ابن محمد سے ذکر کیا کہ مسلم ابن عقیل ہمارے گھر میں ہے!

شیر کوفہ

راز کے انکشاف کے بعد ہی عبدالرحمٰن نے قصر امارہ میں اپنے والد کو اطلاع کی۔ اس نے ابن زیاد کو مطلع کیا۔ ابن زیاد چونک گیا۔ اس نے محمد ابن اشعث کی قیادت میں ۷۰ آدمی جناب مسلم کی گرفتاری کیلئے بھیجے۔ زینیں کسی گئیں۔ تلواریں سونت لی گئیں اور ترکش بھر کے جناب مسلم کی جائے پناہ کی طرف چل دیئے اِدھر سے جناب مسلم نماز صبح سے فارغ ہو چکے تھے۔ ابن اثیر کے قول کے مطابق ابن زیاد نے عمرو بن عبیداللہ ابن عباس اسلمی کو بنو قیس کے ۷۰ آدمیوں کے ساتھ جناب مسلم کی گرفتاری کیلئے روانہ کیا۔ جب جناب مسلم نے گھر میں ٹاپوں کی آواز سُنی تو آپ اسلحہ زیب تن فرما کر گھر سے باہر نکل آئے۔ آپ نے مناسب نہیں سمجھا کہ طوعہ کا گھر جنگ کا اکھاڑا بن جائے۔ لہٰذا آپ گھر سے نکلتے ہی ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر مقابلہ کے لئے تیار ہوئے۔ جب فوج آئی تو آپ سے برسر پیکار ہوئی۔ آپ نیستان کے شیر کی طرح ان پر جھپٹ پڑے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علیؑ ابن ابی طالب کی شجاعت آپ کے اندر عود کر آئی، یہاں تک کہ بہت سارے آدمیوں کو قتل کیا۔ مسلم کا غلبہ جرأت وشجاعت دیکھ کر ابن زیاد کے پاس محمد ابن اشعث نے آدمی بھیجا تا کہ مزید کمک آئے اور مسلم گرفتار ہو سکے۔ بقول ابی مخنف ابن زیاد نے ۵۰۰ آدمی جری اور شجاع بھیجے، لیکن جناب مسلم کی بہادرانہ جنگ سے ان کے بھی پاؤں اُکھڑ گئے۔ یہاں تک کہ بہت آدمیوں کے قتل نے ان کو بھی راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ محمد ابن اشعث نے پھر ایک آدمی بھیجا تا کہ پھر مدد آجائے۔ دوبارہ جب قاصد ابن زیاد کے پاس آیا تو وہ اچھلا اور کھڑا ہو گیا اور کہا تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھ جائے۔ ایک آدمی کو قتل کیا گرفتار کرنے کیلئے تم اتنے آدمی ناکام ہوئے تو حسینؑ کے لئے کیا کرو گے۔ (یعنی اس کے لئے کتنے آدمیوں کی ضرورت ہوگی) قاصد اُلٹے پیروں واپس آیا اور یہ خبر محمد ابن اشعث کو سنائی۔ محمد ابن اشعث نے ابن زیاد کو لکھا۔ **اتظن انک ارسلتنی الی بقال من بقاقیل الکوفة او الیٰ جرمقان من جرا مقة الحیرة الم تعلم انک و جهتنی الیٰ بطل فرنام ولیث همام وسیف من اسیاف رسول الله** ۔ ترجمہ: کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ کوفہ کے بقالوں میں سے کسی بقال یا کوفے کے بنیوں میں سے کسی بنیے کو گرفتار کرنا ہے۔ ارے تمہیں نہیں معلوم کہ ہمیں اِس آدمی سے سابقہ پڑا ہے جو نیستان کا شیر اور اس تلوار سے مقابلہ ہے جو محمد رسول اللہ کی تلواروں

میں بس ایک تلوار ہے۔ [۱۸]

یہ خط ابن زیاد کے پاس پہنچا تو اس نے دوبارہ ۵۰۰ گھوڑسوار اسکی مدد کے لئے بھیجے۔ غرض لڑائی پورے عروج پر پہنچی۔ اب ایک طرف ابن زیاد کی فوج جو کم از کم ۱۰۷۰ آدمیوں پر مشتمل تھی اور دوسری طرف ہاشمی گھرانے کا ''فرد واحد'' چشم و چراغ تھا۔ لیکن کیا مجال کسی کی کہ وہ مسلم کو گرفتار یا زخمی ہی کر سکے۔ جب جناب مسلم نے کشتوں کے پُشتے لگا دیے، سر بدنوں سے اُڑا دیئے، گلیاں خون سے رنگین ہونے لگیں، لوگوں کی ہمتیں ٹوٹنی شروع ہوئیں تو ایک بار محمد ابن اشعث نے فوج کو حکم دیا کہ مشعلیں اور پتھر جمع کر کے چھتوں پر چڑھو اور وہاں سے مسلم پر برساؤ۔ اب کیا تھا، آگ اور سنگ کی بارش تھی۔ یہاں بڑے بڑے شجاعان عالم بھی ہوتے تو ہتھیار ڈال لیتے۔ لیکن واہ رے عزم وثبات کے مالک! اس پر بھی آپ کی جبین شجاعت میں جبین کی ایک آدھ لکیر بھی نمودار نہیں ہوئی۔ آپ اب پہلے سے زیادہ غضبناک طریقے سے حملہ کرنے لگے اور رجز کے طور پر یہ اشعار پڑھے۔

اقسمت لا اقتل الاحر وان رایت الموت شیئًا نکراً
اخاف ان اخدع اُو اَغرا ردشعاع الشمس فاستقرا
افربکو ولا اخاف فرا فعلغلام قسط لن نعرا
وکل ذی غدر سلیقی غدراً ایضاء یصلی فی الجحیم حراً

اب اوپر سے آگ اور پتھر برس رہے تھے۔ مسلم بغرض بچاؤ کبھی اوپر دیکھتے تھے اور کبھی فوج کے ساتھ حملہ کرتے تھے۔ بکیر ابن عمران الاحمری نے آپ کے منہ پر وار کیا۔ جسے آپ کا اوپر والا ہونٹ کٹ گیا اور اسکے ساتھ ہی دو دانت ٹوٹ گئے۔ اسکے جواب میں جناب مسلم نے پہلے اسکے سر پر تلوار کا بھرپور وار کیا اور پھر کندھے پر ایسا تلا ہوا ہاتھ دیا کہ قریب تھا کہ تلوار چیرتی ہوئی شکم تک پہنچ جائے۔ اب جناب مسلم کے منہ سے خون کی دھار بہہ بہہ کر سینے پر پھیلنی شروع ہوگئی۔ پتھروں اور آگ سے بھی آپ کافی زخمی ہو چکے تھے۔ لہٰذا ایک دیوار سے ٹیک لگا کر مقابلہ کرنا شروع کر دیا۔ جب محمد ابن اشعث نے دیکھا کہ مسلم کسی طرح سے بھی ہاتھ میں آتے نہیں ہیں تو فوراً اس نے چند آدمیوں کو کہہ دیا کہ ''اس طرف جا کر کنواں کھود دو اور اس پر گھاس پھوس ڈال دو''۔ حکم کی تعمیل کی گئی، جناب مسلم کو دیوار سے لڑتے لڑتے نکال کر اُس طرف لیا گیا جہاں سے کنواں مخفی رکھ دیا گیا تھا۔ جناب مسلم جنگ آزمائی میں منہمک تھے کہ اچانک کنویں میں گر پڑے جس سے آپ شدید مجروح ہوئے۔ اسی حالت میں آپ کو گرفتار کر لیا گیا [۱۹]۔

سفاک قاتل

اس لیے کہ جناب مسلم کو کافی چوٹیں آئی تھیں، جگہ جگہ زخم لگ چکے تھے اور اسکے بعد بھی کوئی تاریخ یہ دعویٰ نہیں کر سکتی ہے کہ آپ نے خود ہی سپر ڈال دی ہو۔ آپ نے خود ہی جنگ سے ہاتھ روکے ہوں یا آپ نے زخموں کی

شدت کی وجہ سے ہار مانی ہو۔آپ کی جنگ بندی کے یہ اسباب تھے کہ محمد ابن اشعث نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ کو ہم امان دلوائیں گے'' آپ سے ابن زیاد متعارض نہیں ہوگا'' غرض آپ کو ایک خچر پر سوار کیا گیا۔راستے میں آپ کی پُرشکوہ آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔اس پر عمرو ابن عبیداللہ سلمی نے آپ سے کہا۔جو شخص تمہاری طرح کسی چیز کی طلب (یعنی تم لوگوں میں سے کوئی بھی مدعی خلافت اگر ہو تو اسکے لئے یہ زیب نہیں ہے کہ وہ آنسو بہائے (یہ طعنہ تھا) میں سرگردان ہوتا ہے۔اور اس پر تمہاری طرح ایسی مصیبت پڑتی ہے تو وہ رویا نہیں کرتا۔مسلم ابن عقیل نے کہا نہ ہی میں اپنی جان کیلئے روتا ہوں اور نہ ہی کسی اور نفسی خوف کی وجہ سے بلکہ میرے رونے کا سبب صرف یہ ہے کہ میرے اہل وعیال، حسینؑ اور آل حسینؑ کی اس مصیبت پر روتا ہوں جو تمہارے ہاتھوں انہیں پہنچے گی [۳۲]۔

غرض یہ کہ محمد ابن اشعث، مسلم کو ہمراہ قصر لے گیا۔ان کو دروازے پر ہی پہرے دار اور سپاہی کے حوالے کر کے ابن زیاد کو مسلم کی گرفتاری کی خبر دینے کیلئے گیا۔اور یہ بھی کہا کہ میں نے اسکو امان دی ہے۔اس پر ابن زیاد نے کہا تم کیا اور تمہاری امان کیا، تمہیں کس نے یہ اختیار دیا ہے کہ تم امیر المومنین یزید ابن معاویہ کے کسی دشمن کو پناہ دیدو۔اسکے بعد مسلم کو اندر لایا گیا۔دروازے پر آپ نے دیکھا کہ پانی کا گڑھا ہے۔آپ نے پانی مانگا۔آپ کے اس سوال پر مسلم ابن عمر باھلی نے کہا۔ہاں دیکھا کیسا ٹھنڈا پانی ہے۔خدا کی قسم جب تک تو (معاذ اللہ) جہنم میں گرم گرم پانی نہ پیئے گا، تجھ کو اس ٹھنڈے پانی کا ایک قطرہ بھی چکھنے کو نہ ملے گا۔جناب مسلم نے اس سے فرمایا کہ تم کون ہو۔اس نے (مسلم ابن عمر باھلی) کہا میں وہ ہوں جس نے حق کو پہچانا (یعنی یزید کے ساتھ جو حق ہے اسکو پہچانا) جبکہ تو اِسے ترک کر چکا تھا۔میں وہ ہوں جس نے اُمت اور امام کی خیر خواہی کی (امام سے مراد یزید ابن معاویہ ہے) جبکہ تو نے اِس سے غدر کیا۔میں وہ ہوں کہ جس نے اطاعت وفرمانبرداری کی جبکہ تو نے نافرمانی کی۔میں مسلم ابن عمر باہلی ہوں''۔مسلم ابن عقیل نے کہا۔خدا کرے تیری ماں کی کوکھ جل جائے تو کیسا ظالم اور سخت اور تیرا دل کیسا سنگین ہے۔اے باھلہ کے جیسے دوزخ کے گرم پانی اور نار جہنم کا تو مجھ سے زیادہ مستحق ہے۔اسکے بعد جناب مسلم کی حالت پر رحم کرتے ہوئے، عمارہ ابن عقبہ نے ٹھنڈا پانی منگا کر جناب مسلم کو دیا۔مگر جوں ہی آپ نے اسکو پینا شروع کر دیا، زخموں کی کثرت اور چہرے پر زخموں کی وجہ سے خون بہہ بہہ کے پیالے میں گر گیا، یہاں تک کہ پانی خون بن گیا۔تین مرتبہ ایسا ہی کیا گیا، لیکن تیسری مرتبہ آپ کے دانت پیالے میں گر گئے اور آپ نے فرمایا ''اگر میرے مقدر میں آخری وقت میں پانی لکھا ہوتا تو پی لیتا، لیکن نہیں ہے اور اے خداوندا! اس پر بھی تیرا شکر ہے''

آپ جب دربار میں داخل ہوئے تو بلند آواز سے فرمایا: **السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ** ۔اس پر آپ کو کہا گیا کہ تم نے ابن زیاد کو سلام کیوں نہیں کیا، تو آپ نے جواب دیا'' **واللہ ما علمت ان لی امیر غیر الحسین**'' بخدا حسینؑ کے امیر ہونے کے بغیر ہم اور کسی کے امیر ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ابن زیاد نے یہ

سنکر کہا۔اے ابن عقیل تو ہی لوگوں کو بھڑکانے اوران میں تفرقہ ڈالنے کے لئے یہاں آیا تھا۔اس پر مسلم نے تن کر جواب دیا۔

''یہ تو تمہاری بھول ہے۔ایسا ہرگز نہیں ہے۔میں یہاں کے لوگوں میں تفرقہ ڈالنے کیلئے نہیں آیا تھا بلکہ اس شہر کے لوگوں کا خیال تھا کہ تیرے باپ (زیاد ابن ابیہ) نے ان کے بہترین آدمیوں اور معزز شہریوں کو قتل کردیا ہے اور خون بہایا ہے۔اس نے قیصر و کسریٰ کا سا کام کیا ہے۔اب ہم یہاں اسلئے آئے تھے تاکہ عدل وانصاف قائم کریں،اور لوگوں کو کتاب اللہ اور سنّت نبوی کے احکام کی دعوت دیں۔ابن زیاد نے یہ سن کر کہا:(معاذ اللہ)''اے فاسق! کہاں تم اور کہاں یہ کام۔اللہ تعالیٰ مجھے قتل کرے اگر میں نے تمہیں اس طرح قتل نہ کیا جس طرح آج تک اسلام میں کسی کو بھی قتل نہ کیا گیا ہوگا۔پھر جناب مسلم نے فرمایا:

''یقیناً اسلام میں یہ بدعتیں پیدا کرنے کے تم ہی سب سے زیادہ سزاوار ہو۔تم اپنی خبیث سیرت اور کمینگی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھو'' یہ سن کر ابن زیاد نے مسلم ابن عقیل، حسین ابن علی، علی ابن ابی طالب، عقیل ابن ابی طالب وغیرہ کو گالیاں دیں، لیکن مسلم خاموش کھڑے رہے[۲۱]۔

زخمی ناگن دیکھتی ہی کب ہے کہ کس کو ڈسا جائے۔یہاں بھی ابن زیاد کا یہی حال تھا۔گالیوں کے بعد اس نے جناب مسلم کے قتل کا حکم دیا۔لیکن مسلم ایک غیر متزلزل چٹان کی طرح کھڑے رہے۔اپنے انجام کا سُن کر بھی پیکر عزم وارادے کی جبیں پر گھبراہٹ ظاہر نہ ہوئی۔لہٰذا بے باک ہوکر فرمایا۔اے ملعون! موت ہمارا زیور ہے۔بنی ہاشم موت سے آنکھ مچولی کھیلتے آئے ہیں۔اب تو تم نے میرے قتل کا حکم صادر کردیا، لیکن اتنی مہلت تو دیدے کہ میں کسی سے اپنی آخری وصیت کروں۔ابن زیاد نے مسلم کا یہ آخری مطالبہ تسلیم کیا اور'' کہا مجھے منظور ہے''۔آپ نے عمر ابن سعد کو دیکھ کر کہا کہ میں امانت کے طور پر تجھے اپنی وصیت کررہا ہوں اور اُمید ہے کہ میرے بعد تم ان میں خیانت نہیں کروگے۔عمر ابن سعد نے ہاں میں ہاں ملائی۔جناب مسلم نے فرمایا:

پہلی وصیت: **اَشهد ان لا اله الا الله واشهد محمد عبده و رسوله و اشهد علياً وليُّ الله.**

دوسری وصیت: مجھ پر ایک ہزار درہم قرضہ ہے، جو میں نے تمہارے شہر(کوفہ) سے لیا ہے۔میری زرہ بیچ کر اسکو ادا کردینا۔

تیسری وصیت: **ان تكتبوا الى سيد ى الحسين ان يرجع عنكم فقد بلغني انه خرج بنسائه واولاده اخاف ان يصيبه ما اصابن قبله** ۔ترجمہ: میرے آقا ومولا حسینؑ کو لکھو کہ وہ یہاں نہ آجائیں۔مجھے خبر ملی ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کے سمیت یہاں کی طرف آرہے ہیں۔میں ڈرتا ہوں کہ ان پر بھی وہ کچھ نہ گذرے جو مجھ پر گذرا[۲۲]۔

ابن اثیر کے قول کے مطابق مسلم نے دوسری وصیت میں ۷۰۰ درہم کا قرضہ بتلایا ہے اور دوسری وصیت یہ تھی کہ میری لاش ابن زیاد سے مانگ کر دفن کر دینا۔ عمرو ابن سعد نے ابن زیاد سے کہا (یعنی ان وصیتوں کا ذکر کیا جو جناب مسلم نے عمرو ابن سعد سے کی تھیں)۔ ابن زیاد نے جواب دیا۔ کہ امین کبھی تجھ سے خیانت نہیں کرے گا اور بعض اوقات خائن آدمی بھی ایمان دار سمجھا جاتا ہے۔ جو کچھ تمہارا ہے وہ تمہارے لئے ہی ہے۔ اِسے جو کچھ تم چاہو کرو۔ باقی رہ گئے امام حسینؑ اگر وہ ہمارے مقابلے میں نہ آئے تو ہم بھی ان کے مقابلے کے لئے نہ نکلیں گے۔ لیکن اگر وہ مقابلہ کے لئے آئے تو ہم الگ نہیں رہیں گے اور مسلم کی لاش کے متعلق ہم تمہاری سفارش قبول نہیں کریں گے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابن زیاد نے یہ بھی کہا کہ مسلم کی لاش کا کیا ذکر، جب ہم مسلم کو قتل کریں گے تو ہمیں پرواہ نہیں کہ لاش کے ساتھ کیا کیا جائے۔[۳۲]

اسکے بعد جناب مسلم کو بام قصر پر لے جایا گیا۔ آپ کے قتل پر بکیر ابن حمران جسکو آپ نے اِسے قبل شدید زخمی کیا تھا، مامور کر دیا گیا کیونکہ ابن زیاد جانتا تھا کہ بکیر کو مسلم کے قتل پر انتقام کا زیادہ جذبہ ہوگا۔ لہٰذا یہ بڑی بے دردی سے مسلم کو قتل کر دیگا اور بات بھی یہی تھی کہ بکیر کے سوا ابن زیاد کی نظروں میں اور کوئی بھی منتقم نظر نہیں آیا جو ابن زیاد کے دل کی بھڑاس نکالتا۔ بکیر کو جب حکم ملا تو اس نے آمنا وصدقنا کر کے جناب مسلم کو قصر پر لے جا کر قتل کر دیا اور آپ کا بدن مبارک موضع حدایں کی طرف گرا دیا گیا۔ جب بکیر جناب مسلم کو شہید کر کے ابن زیاد کے پاس آیا تو ابن زیاد نے اِسے پوچھا کہ مسلم کیا کہہ رہا تھا؟۔ اس نے کہا کہ وہ تسبیح واستغفار کر رہے تھے اور جب میں ان کو قتل کرنے لگا تو نے میں نے ان سے کہا کہ میرے قریب آ جا۔ شکر ہے خدا کا جس نے مجھ کو قدرت اور اپنا بدلہ لینے کی طاقت عطا فرمائی۔ پھر میں نے ایک وار کیا۔ مگر انہیں کچھ نہ ہوا تو وہ کہنے لگے کہ اے غلام! کیا تیرے خون کا بدلہ اس ضرب سے نہیں ہوا اس پر ابن زیاد نے کہا اچھا موت کے وقت بھی فخر۔ بکیر نے کہا پھر میں نے ایک اور وار کیا اور اِسے قتل کر دیا[۲۴]۔

اسکے بعد شقی القلب ابن زیاد نے سفا کانہ طریقے سے جناب مسلم کی لاش کو کناسہ میں لٹکا یا دیا[۲۵]۔

اولِئک علیھم الصلواۃ من ربھم اولِئک ھم الفائزون

اور یہ دردناک واقعہ ۹/ذی الحجہ ۶۰ ہجری بروز جمعۃ المبارک ہوا۔

اسیرِ زندان

یہی وہ مردِ مجاہد تھا کہ جس نے ابن زیاد کو مسلم کا پتا بتانے پر دانت کھٹے کر دئے تھے۔ انہوں نے جناب مسلم کو اول اوائل میں ابن زیاد کے قتل دی تحریک کی تھی۔ آپ کا رتبہ اور آپکی منزلت اظہر من الشّمس تھی۔ ان کا نام ہانی ابن عروہ بن نمیران مذحجی مرادی غطیفی تھا۔ وہ بھی اپنے والد گرامی عروہ کی طرح صحابی امیر المومنینؑ تھے۔ جناب

امیر کے ساتھ تینوں جنگوں (جمل، صفین اور نہروان) میں شامل تھے۔غرض جناب مسلم کے عہد میں ابن زیاد ان کو کھلم کھلا اصحاب امیرالمومنین سمجھنے لگا۔ بنی اُمیہ کا کام ہی یہ تھا کہ اصحاب میں سے کوئی بھی زندہ نہ رہے۔لہٰذا کسی نہ کسی الزام کے تحت قتل کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ ہانی بھی اسی الزام میں گرفتار کر لیے گئے تھے۔ دربار میں ان کے ساتھ جو کچھ سلوک کیا گیا وہ ہم نے جناب مسلم کے حالات میں ذکر کر دیا۔ جب جناب مسلم شہید کر دیے گئے تو ابن زیاد نے ہانی کو زندان سے نکال کر دربار میں لایا۔محمد ابن اشعث نے ابن زیاد سے کہا: اے ابن زیاد تجھے خدا کی قسم ہے کہ ہانی کو چھوڑ دے۔تو اسکی شرف و منزلت کو اچھی طرح سے جانتا ہے۔اسکے قبیلہ والوں کو علم ہے۔ان کو بخوبی علم ہے کہ میں اور میرے رفقاء ہانی کو تمہارے پاس لائے تھے۔لیکن ابن زیاد نے محمد ابن اشعث کی ایک بھی نہ سُنی۔اس نے حکم دیا کہ ہانی کو باندھ کر بازار گوسفندان میں لے جا کر قتل کر دیا جائے، تاکہ اسکے اُٹھنے والے ہاتھوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قلم کر دیا جائے اور اسکے قبیلے والوں کو ہمارے خلاف اُٹھنے کی جرأت نہ ہو سکے۔ ہانی کے بدن پر زنجیریں چڑھا دی گئیں۔ آپ جب بازار پہنچے وامذحجا (یہ انکا پرشکوہ قبیلہ تھا) پکارتے جاتے تھے لیکن آپ کے استغاثہ پر کسی نے بھی لبیک نہ کہی۔ جب آپ کو ہر طرف سے نصرت و یاری کی نا اُمیدی ہوئی تو آپ نے بلند آواز سے کہا۔نہیں ہے کوئی ہڈی، چھڑی، یا پتھر کہ جسے دشمنوں کا مقابلہ کرسکوں۔لیکن آپ کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔اس لیے آپ اپنا دفاع بھی نہ کرسکے۔ اسکے باوجود بھی آپ نے ایک ہی جھٹکے سے اپنے دونوں ہاتھوں کو چھڑایا۔لیکن ابن زیاد کے نمک خوار آپ پر بُری طرح ٹوٹ پڑے اور آپ کو قابو کر لیا، یہاں تک کہ آپ کو بازار گوسفندان لیا گیا۔ آپ کو کہا گیا کہ گردن آگے کریں تاکہ آپ کو قتل کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ ہرگز نہیں۔ کیا میں اپنی جان کے معاملے میں سخاوت کروں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ہے۔اسکے بعد ابن زیاد کے ایک غلام جسکا نام رشید تھا (اور یہ ترکی تھا) آپ پر تلوار کا ایک بھرپور وار کیا۔ آپ نے اسکے جواب میں فرمایا۔**الی اللّٰہ المعاد اللھم الی رحمتک ورضوانک** ۔یعنی سب کی بازگشت اللہ کی طرف سے خداوندا! میں تمہاری رحمت و خوشنودی کی طرف آتا ہوں۔اسکے بعد آپ کو دوسری تلوار لگا کر شہید کر دیا گیا[۲٦]۔

انا للّٰہ وَاِنا اِلیہ راجعون

ان دو اولوالعزم رہنماؤں کی موت نے اہل کوفہ پر سکوت کے بادل ہر شفق پر طاری کر دیئے۔ رہا سہا دم وخم نکل گیا۔مسلم و ہانی کی لگائی ہوئی آگ اگر بھڑک اُٹھتی تو کوفہ سے لیکر دمشق تک بنی اُمیہ کی عمارتیں جل کر راکھ ہوتیں ۔لیکن انکے بروقت قتل نے ایک خاموشی اور گہری خاموشی اہل کوفہ پر طاری کر دی۔ان کی عاقبت کی خیریت بس اسی میں نظر آئی کہ جو کچھ بھی ہے یہی بنی امیہ ہے۔ان کی اطاعت حفظِ نفس اور تحفظ آبرو ہے اسلئے کہ ان دونوں کو صرف قتل ہی نہیں کیا گیا تھا بلکہ دونوں کے پیروں میں رسی باندھ کر کوفہ کے ہر بازار، ہر گلی اور ہر کوچے میں پھرایا گیا تھا،

تا کہ اہل کوفہ پر عبرت چھا جائے۔ ان کا مادہ بغاوت سرد ہو جائے اور یہ کسی قسم کی تحریک جو ہمارے اقتدار کے خلاف ہو' میں حصہ نہ لیں۔ اس طرح ان لاشوں کی بے حرمتی کرنا آنے والے واقعات کی ابتداء تھی۔ لہٰذا ابن زیاد سے جتنا ہوسکا ان کی مقدس اور پوتر لاشوں سے سلوک کیا گیا۔

ان دو بزرگوں کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے جناب مسلم و جناب ہانی کا سر یزید کے پاس ہانی ابن الوحیہ وداعی اور زبیر ابن اروح تمیمی کے ہاتھ بھیجے، اور اپنے کاتب عمرو بن نافع سے خط لکھوایا اور وہ یہ تھا۔

''اما بعد شکر خدا کا، جس نے امیر کا حق اسکے دشمن سے لیا۔ اور اسکی ایذا رسانی سے کفایت کی۔ آگاہ ہو کہ مسلم ابن عقیل نے ہانی ابنِ عروہ کے گھر میں پناہ لی تھی۔ میں نے جاسوس مقرر کر کے ان پر قابو پایا اور انہیں قتل کر کے ان کے سر تیرے پاس بھیجد یئے۔ یہ دو شخص (ہانی ابن الوحیہ وداعی اور زبیر ابن اروح تمیمی) جو تیرے پاس آتے ہیں، تیرے تابع اور فرمانبردار ہیں۔ جو حال مسلم و ہانی دریافت کرنا منظور ہو ان سے پوچھ۔ یہ دانا، پارسا اور راست گو ہیں''۔

''اسکے بعد یزید نے دمشق سے ابن زیاد کو خط کا یہ جواب لکھا۔

''اما بعد تو نے درگذر نہ کیا اس امر سے جسے میں دوست رکھتا تھا، اور میری مرضی کے موافق تو نے کام کیا۔ اور تو نے اس شخص کے مانند عمل کیا جو باضابطہ اور مستحکم کنندہ امور میں سے ہے، اور ایک مرد شجاع و قوی کی طرح تو نے حملہ کر دیا۔ تو نے مجھ کو میری ایک مہم سے سبکسار کر دیا، اور میرے گمان کو اپنے باب میں سچا کیا۔ میں نے تیرے رسولوں کو اپنے پاس بلایا۔ راز کی باتیں پوچھیں۔ راستی و عقل و فضل میں جو تو نے لکھا تھا، ویسا ہی پایا۔ لہٰذا ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ میں نے سنا ہے کہ حسینؑ جانب عراق روانہ ہو گئے ہیں۔ تجھ کو چاہیے کہ ہر طرف سے ان پر راہیں بند کر دے، اور ان پر فتحیاب ہونے میں سعی بلیغ کر، انکے شیعوں (ماننے والوں) کو محض شک وشبہ پر قتل کر۔ جو وہاں (کوفہ) کی روئداد ہو ہر روز لکھا کر''۔ [۲۷]

اس خط کو بنظر انصاف اگر دیکھا جائے تو تاریخی موازنہ کرنے میں ذرا بھی دقت انسان کو محسوس نہ ہوگی۔ اس لیے کہ انسان پر ان تمام مظالم سے یکسر پردہ اُٹھتا ہوا نظر آئے گا جو اقتدار زمانہ کی تند و تیز آندھیوں نے ڈالے ہیں۔ فرمانِ یزید ہے۔ ابن زیاد کی نمک حلالی کا کیا کہنا۔ اگر یزید نہ بھی لکھتا تب بھی ابن زیاد کو قتال کا جواز ڈھونڈنا ضروری نہ تھا۔ اس لئے کہ بعد ختمی مرتبت جو بھی گورنر برسرِ اقتدار آیا، جس کسی کو بھی تھوڑی دیر کے لئے زمام اقتدار ملی تو اس نے پھر دارالاسلام سے قتال کے جواز کی ضرورت ہی محسوس نہ کی اور پھر تعجب یہ ہے کہ اسلامی قلمرو میں سے کسی قسم کے محاکے یا محاسبے کی آواز نہ تھی۔ مالک بن نویرہ کا قتل، مؤلفین زکوٰۃ اور شیعیان کوفہ کا معاملہ کچھ مختلف نہیں ہے۔ بنظر غائر دیکھئے تو تینوں ایک ہی شق کے نظر آئیں گے۔ صرف اسماء تبدیل ہونگے۔ قتل کیوں ہوئے؟ ایک ہی

وجہ ہے ____ لہٰذا اب ابن زیاد کو کھل کر موقعہ مل گیا وہ حسینؑ سے کھلم کھلا بدلہ لے۔ اسکے خلاف اگر کوئی آواز بھی اُٹھ جائے انکا کوئی جواز نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ یزید اولی الامر خلیفہ ہے۔ یہ شوریٰ، جمہوریت اور استخلاف تینوں کا تاج زیب سر کیا ہوا ہے۔ اسکی اطاعت واجب اسکی عدم اطاعت اسلامی روح کی خلاف ورزی ہے۔ لہٰذا اب نا ہی اہل کوفہ کا کوئی عذر سنا جائے گا اور نا ہی حسینؑ کا۔ کیونکہ یزید کا سانچہ سقیفہ بنی ساعدہ میں بنا دیا گیا۔ استخلاف سے نکل کر شوریٰ کی بھٹی میں پک کے نکل آیا تھا۔ اس نے ایسا ضرب تاریخ کے کلیجہ پر لگا دیا کہ آج تک اس سے لہو ٹپک رہا ہے۔ یہی ابن زیاد تھا کہ جسکی قید میں محمد و ابراہیم ''جناب مسلم کے فرزند'' زندگی کے آخری دن گذار رہے تھے۔ لیکن اس سفاک کو ان کی معصومیت پر ذرا بھر بھی رحم نہیں آیا۔ آیئے ذرا کلیجہ پر ہاتھ رکھ کے یہ سسکتی ہوئی کہانی بھی سنتے جائیں۔

قیس ابن مسہر الصیداوی

ابصار العین میں تحریر کیا گیا ہے کہ مکہ سے روانگی کے وقت جس کو حسینؑ نے بطور قاصد جانب کوفہ روانہ کیا تھا، وہ قیس ابن مسہر صیداوی تھے۔ اس سے پہلے عبداللہ ابن یقطر کو امام حسینؑ نے حضرت مسلم ابن عقیلؑ کے ساتھ روانہ کیا تھا اور یہ آخر وقت تک جناب مسلمؑ کے ساتھ رہے۔ جب کوفہ کی غداری نے حد سے تجاوز کیا تو جناب مسلمؑ نے امام حسینؑ کو کوفہ کے نشیب و فراز خط میں تحریر کیے اور خط جناب عبداللہ ابن یقطر کو دیا تا کہ امام حسینؑ بروقت حالات کوفہ سے باخبر ہو جائیں۔ مگر قضائے الٰہی حصین ابن نمیر کے ہاتھوں اُن کی بروقت گرفتاری سد راہ ہوئی اور وہ خط حسینؑ تک نہیں پہنچا۔ اسکے بعد جو کچھ بھی آپ کے ساتھ واقع پیش آیا وہ ہم نے تحریر کر دیا۔

حسین ابن علیؑ کو جناب مسلم، ہانی ابن عروہ اور عبداللہ ان یقطر کی شہادت کا حال منزل زبانی معلوم ہوا۔ آپؑ نہایت غمگین ہوئے۔ آپؑ نے اصحاب کو باخبر فرمایا اور اسکے بعد ارشاد فرمایا۔

''اما بعد فقد اتانا خبر فظيع انه قتل مسلم و هاني و عبدالله بن يقطر و قد خذ لنا شيعتنا فمن احب الانصراف فلينصرف ليس عليه منا ذمام''۔

''بعد حمد! مجھے خبر ملی ہے کہ مسلم، ہانی اور عبداللہ ابن یقطر قتل کر دئے گئے ہیں۔ اہل کوفہ نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے جو مجھ سے الگ ہو جانا چاہے وہ جا سکتا ہے۔ ہمارا حق اُس پر مطلق نہیں ہے''

یہ سنکر کافی لوگ متفرق ہوئے۔ بقیہ آپؑ ہی کے ساتھ ڈٹے رہے۔

غور تو کیجئے، اگر حسینؑ لڑنے ہی کی خاطر کوفہ چلے آئے ہوتے تو اصحاب کو الگ کرنے کے بجائے ساتھ رکھنے ہی کی کوئی تدبیر کر لیتے۔ اس لیے کہ میدان رزمگاہ میں جنگی نقطہ نگاہ سے اکثریت کو اہمیت دی جاتی ہے، اقلیت کو نہیں۔ لیکن حسینؑ جہاں جہاں بھی تشریف لیتے گئے۔ جس منزل پر بھی اُترے، آنے والے خطرات کا واضح نقشہ اپنے ہمراہیوں کے سامنے رکھتے گئے۔ ظاہر ہے کہ آپؑ کا یہ اقدام نہ ہی حُب وجاہ کے لیے تھا اور نہ ہی طلب اقتدار

کیلئے اور اگر آپؑ کا یہ اقدام ہے تو صرف اور صرف اصلاح، فلاح و بہبود کیلئے۔

مختصر یہ کہ قیس ابن مسہر صیداوی کو قاصد بنا کر جانب کوفہ روانہ کیا گیا۔ حصین ابن نمیر نے ابن زیاد کے حکم سے مقام خفان سے لیکر قادسیہ تک اور قطقطانہ سے لیکر تعلع تک چہار ہزار کا لشکر بٹھا دیا تھا[۲۸]۔

لہٰذا اتنے لشکر میں سے گذرنا ناممکن تھا۔ قیس پکڑا گیا اور اسکی مشکیں کس لی گئیں تاکہ یہ بھاگ نہ جائے جب قیس پابہ زنجیر دربار ابن زیاد میں لایا گیا.................

ابن زیاد......! قاصد کا حال معلوم کرنے کے بعد ''حسینؑ کا خط کہاں ہے؟''

قیس......! ''میں نے اس کو چاک کر دیا ہے!''

ابن زیاد......! ''تم نے خط کیوں پھاڑا؟

قیس......! ''اس لئے کہ کہیں تم خط کی عبارت سے آگاہ نہ ہونے پاؤ!''

ابن زیاد......! یہ خط کن لوگوں کو لکھا گیا تھا؟

قیس......! یہ مجھے معلوم نہیں ہے!

ابن زیاد......! ''اگر تو خط کی عبارت اور جن لوگوں کے نام خط لکھا گیا تھا آگاہ نہیں کرو گے تو منبر پر جا کر (معاذ اللہ) کذاب ابن کذاب پر لعنت کرو! اسکے ساتھ ساتھ (معاذ اللہ) اسکے بھائی پر بھی لعنت کرو''؟

قیس......! **امّا القوم فلا اُخبرک باسمائھم واما اللعن فاعل** ۔''اے ابن زیاد! ان لوگوں کے نام کہ جنکو یہ خط لکھا گیا تھا نہیں بتاؤں گا، رہ گیا لعنت کا مطالبہ تو یہ پورا کیے دیتا ہوں''۔

ابن زیاد......! ''پھر جاؤ منبر پر اور ہمارا حکم بجالاؤ۔

قیس منبر پر آئے اور اللہ اور اسکے رسولؐ پر درود بھیجا۔ ان کی ثنا کی، حسینؑ، انکے والد جناب علی مرتضیٰؑ اور حسینؑ کے بھائی یعنی امام حسنؑ کی توصیف و تعریف کی۔ اسکے بعد عبید اللہ ابن زیاد اور اسکے باپ اور بنی اُمیہ کے سرکشوں پر لعنت کی۔ لعنت کرنے کے بعد بے باک ہو کر لوگوں سے کہا: ایھا الناس میں قاصد حسین ابن علی علیہم السلام ہوں، میں نے انکو فلانے مقام پر چھوڑا ہے۔ تم لوگوں کو چاہیے کہ ان کی نصرت کرو اور انکے احکام کی بصدق دل تعمیل کرو۔ یہ سن کر ابن زیاد غصے سے بے تاب ہو گیا۔ حکم دیا کہ سر اور پیر باندھ کر اسکو بام قصر سے نیچے گرا دیا جائے، تعمیل حکم ہوئی۔ قیس جیسے نڈر اور بے باک بہادر کو بام قصر سے نیچے گرا دیا گیا کہ جس سے اسکی ہڈیاں چور چور ہوئیں۔ ابھی ایک رمق جان کی باقی تھی کہ عبدالملک ابن نمیر نے انکا سر بدن سے جدا کر دیا[۲۹]۔

وہ افراد کہ جنکو حسینؑ نے خط لکھا تھا وہ سلیمان ابن صرد الخزاعی، مسیّب ابن نجبہ اور رفاعہ بن شداد تھے۔ مگر قیس کا حوصلہ اور تدبر کام آیا کہ اس نے درجہ شہادت پر فائز ہونا تسلیم تو کیا لیکن ابن زیاد کو آخر وقت تک نام نہیں

بتائے۔ یہ ہے ایثار اور یہ ہے جذبہ حریّت۔ اس واقعہ سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

ا۔ راستوں کی ناکہ بندی ثابت کئے دیتی ہے کہ نہ صرف ابن زیاد ہی حسینؑ سے خائف تھا بلکہ بنوامیہ کا پورے کا پورا عملہ بھی ترسان و پریشان تھا ورنہ ۴۰۰۰ کا لشکر لیکر راستے میں بیٹھنے کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آتا ہے۔

۲۔ عبیداللہ بخوبی جانتا تھا کہ مسلم، ہانی، ابن کثیر، عبداللہ ابن یقطر اور قیس ابن مسہر الصید اوی ہی ابھی راستے میں آئے، اور ان کا عزم و حوصلہ اس قدر بلند و اولوالعزم تھا کہ انہوں نے مرنا قبول کیا لیکن زبان کھولنا ان کی ڈکشنری میں درج نہیں ہے۔ لہٰذا سب کو قتل کرنے میں یکرنگی برتنی شروع کی۔ یہ صرف اسلئے تھا تاکہ بقیہ حمایتی خائف و ترسان ہو جائیں۔ لیکن ابھی تک ایسا نہیں ہوا۔ بام قصر سے گرا کر قتل کروانا یقیناً ابن زیاد کے سامنے انتہائی سفاکانہ اور بے رحمانہ ظلم تھا۔ لیکن مسلم، عبداللہ اور قیس خندہ پیشانی سے اس ظلم کو برداشت کرتے گئے، لہٰذا اور آنے والے مجاہدین کتنے سخت جان واقع ہونگے۔

۳۔ لعنت کا حکم صاف بتلاتا ہے کہ یہ انکی روایت رہ چکی ہے۔ ورنہ ابن زیاد علی علیہ السلام کے دارالخلافہ میں اتنی بے باکی سے ان کو لعنت کرنے کا حکم نہیں دیتا۔

۴۔ یہ بات بھی عیاں ہوگئی کہ ابھی وہ غیرت اور حمیت افراد کوفہ میں باقی ہے کہ علی الاعلان لعنت کا حکم تسلیم نہیں کرتے تھے، حالانکہ ظالم اپنے تمام تر حملے کے ساتھ ظلم کرتا رہا۔

۵۔ وحشت و بربریت کے بند جب پھوٹ پڑیں گے تو ابن زیاد کے زعم ناقص میں تھا کہ حسینؑ ہماری رولنگ پارٹی کے سامنے جھک جائیں گے۔ لیکن اس کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ بن سکا حسینؑ جس رفتار سے آرہے تھے آتے ہی گئے۔

ان تمام تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حسینؑ کے خروج کا اقدام نہ ہی طلب اقتدار ہی کے لئے تھا اور نہ ہی حب جاہ کیلئے۔ جو کچھ بھی حسینؑ کر رہے تھے، محض اُس سرکش اور باغی گروہ کو راہ راست پر لانے کیلئے کر رہے تھے۔ جسکی مسلسل ظالمانہ کاروائی سے نہ صرف کوفہ کے حالات دگرگوں ہو چکے تھے بلکہ پورا اسلامی معاشرہ متاثر ہو چکا تھا۔

حوالہ جات

ا مقتل ابی مخنف ص ۱۹
۲ مقتل ابی مخنف ص ۲۱
۳ ایضاً ص ۲۱

۴۔ تاریخ کامل، ابن اثیر جزری حصہ اول ص ۱۱۶، اردو
۵۔ ایضاً
۶۔ ایضاً
۷۔ مقتل ابومخنف ص ۲۲
۸۔ تاریخ کامل، ابن اثیر حصہ اول ص ۱۱۷
۹۔ آل محمد کربلا میں، ابوعمر النصر ص ۸۸
۱۰۔ بحارالانوار حصہ اول ص ۱۶۰
۱۱۔ ابومخنف ص ۲۵
۱۲۔ آل محمد کربلا میں، ابوعمر نصر ص ۸۹
۱۳۔ خلافت وملوکیت، مولانا مودودی ص ۱۷۵ تا ۱۷۸
۱۴۔ اخبار الطّوال ص ۲۴۸
۱۵۔ اخبار الطّول ص ۲۴۸؛ مقتل ابن مخنف ص ۲۹
۱۶۔ ناسخ تواریخ ج ۶، احوالات حضرت سید الشہد ا
۱۷۔ العیون العبریٰ ص ۴۳
۱۸۔ مقتل ابی مخنف ص ۳۳
۱۹۔ مقتل ابی مخنف ص ۳۲
۲۰۔ ابن اثیر جزری تاریخ کامل اُردو صفحہ ۱۲۵
۲۱۔ آل محمد کربلا میں ص ۹۶ منقہ ابوعمر النصر مصری؛ تاریخ کامل ابن اثیر جزری حصہ اول ص ۱۲۶؛ مقتل ابی محنف ص ۳۴)
۲۲۔ مقتل ابی مخنف ص ۳۵
۲۳۔ ابن اثیر ج چہارم حصہ اول صفحہ ۱۲۶؛ تاریخ طبری ج ۷ صفحہ ۲۱۵
۲۴۔ ابن اثیر تاریخ کامل ص ۱۲۷
۲۵۔ تذکرہ سبط ابن جوزی صفحہ ۲۷۵
۲۶۔ بحارالانوار حصہٴ اول ج ۱۰ ص ۱۷۶؛ مقتل ابی مخنف ص ۳۷
۲۷۔ بحارالانوار حصہٴ اول ج ۱۰ ص ۱۷۷
۲۸۔ مقتل ابی مخنف ص ۳۹
۲۹۔ مقتل ابی مخنف ۴۰؛ مقتل خوارزمی ج ا ص ۲۲۸؛ اللہوف فی مقتلِ الطفوف ص ۳۱؛ بحاالانوار ج ا ص ۱۸۵

سہمی صُبح

جناب مسلمؑ کی شہادت کے بعد ہم نے انکی اولاد کا ذکر اسلئے یہاں کرنا مناسب سمجھا تا کہ آپؑ کی شہادت کا تسلسل باقی رہے
کیونکہ باپ کی شہادت کے بعد انکے بیٹوں کی شہادت میں کم از کم ڈیڑھ سال کا فاصلہ ہے۔ بہر حال انکی شہادت تکملہ تھی جناب
مسلم کی شہادت کی اسلئے کہ ابن زیاد چاہتا ہی یہ تھا کہ بنی ہاشم کی نسل باقی نہ رہے، لہٰذا ان دو معصوموں کو بھی بڑی دردی سے قتل کروایا

امام حسینؑ **ارواح العالمین له الفدا** کی شہادت کے بعد دو معصوم بچوں کو حضرت کے لشکر سے قید کر کے ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ (ان دونوں کا نام محمد و ابراہیم تھا) اس نے ان کو قید کرنے کا حکم دیا۔ جیل کے محافظ سے کہا: خبردار ان کو دانہ پانی بالخصوص گرم نہیں دینا۔ ان کو پوری طرح حبس سنگین (Cell) میں رکھنا تا کہ نا ہی یہ دن کی روشنی دیکھ سکیں اور نا ہی ان کو رات ہونے کا تغیر ہو سکے۔ ابن زیاد کے حکم سے زندان داروغہ نے ایسا ہی کیا۔ بچے دن کو روزہ رکھتے تھے صرف شبہ کی بنا پر کہ یہ دن ہوگا۔ شام کو جب زندان کا محافظ ان کو سوکھی روٹیاں دے دیتا تھا تو افطار کر دیتے تھے۔ اسی طرح ان معصوم بچوں نے ایک سال زندان میں گذارا۔ جب ان کے ننھے ننھے جسم سوکھ گئے ان کو جیل میں چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی تو بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی سے کہا میرے بھائی! ہماری مصیبت نے بہت طول کھینچا۔ نہ جانے ابن زیاد ہمارے بارے میں کیا ارادہ رکھتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم داروغہ زندان سے اپنا حسب ونسب کہہ دیں ممکن ہے کہ اسکو کچھ رحم آجائے۔ اسکا دل پسیج جائے اور ہم پر سختی کرنا بند کر دے۔ ہمیں کھانے میں تھوڑا بہت اضافہ کرے۔ جب شب آئی تو داروغہ حسب معمول جو کی روٹیاں اور گرم پانی لیکر آیا۔ تو چھوٹے بچے نے اس سے کہا اے شیخ! تو جناب محمد مصطفیٰؐ کو جانتا ہے؟ اس نے کہا کیونکر نہ جانوں گا وہ تو ہمارے نبیؐ اور رسولؐ ہیں۔ بچے نے دوبارہ پوچھا۔ کیا تو جعفر طیارؑ کو جانتا ہے؟ اس نے کہا کیونکر نہ جانوں۔ وہ تو جنت میں پر لگا کر فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتے رہتے ہیں۔ پھر پوچھا، اچھا یہ تو بتاؤ! علی ابن ابی طالبؑ کو پہچانتا ہے۔ اس نے کہا ہاں! وہ تو ہمارے نبیؐ کے چچا زاد بھائی ہیں۔ اسکے بعد بچے نے کہا، جب تو ان تمام کو جانتا ہے۔ تو ہمیں کیوں نہیں پہچانتا ہے۔ تمہیں کون سی چیز ہمیں پہچاننے میں مانع ہو رہی ہے۔ اس نے کہا: تم کون لوگ ہو تو بچوں نے جواب دیا۔ اے شیخ! ہم تیرے نبیؐ کی عترتؑ ہیں اور مسلم ابن عقیل ابن ابی طالب کے فرزند ہیں۔ یہ سننا تھا کہ داروغہ زندان ان

کے قدموں پر گر پڑا۔ ان کے قدموں کو چومتے جارہا تھا اور آنسو بہہ رہے تھے اور عرض کرنے لگا۔ میری جان تم لوگوں پر قربان ہو جائے۔ اے عترت محمدؐ قید خانہ کا دروازہ کھلا ہے۔ جہاں جی چاہے جاؤ اور ان سے عرض کیا۔ اے نیک سیرت صاحبزادو! دن کو سفر نہ کرنا، رات کو سفر کرنا۔ اسلئے کہ ظالمین گروہ در گروہ پہرہ لگائے ہوئے ہیں۔ بچے زندان سے نکلے۔ اب آگے وسیع و عریض صحرا تھا۔ ٹیلوں کا اُتار و چڑھاؤ بڑے بڑے شہزادوں کا بھی کلیجہ بلا کے رکھ دیتے ہیں، یہ تو معصوم بچے تھے۔ رات کی خاموشی اور اس پر بلا کی تاریکی ہر سو چھائی ہوئی تھی۔ بچے انجانی وادیوں کی طرف بے سہارا چل رہے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ ہمارے گھر کے سبھی افراد قتل کر دیئے گئے ہیں، ہمارا شفیق باپ شہید ہو گیا ہے۔ ہمارا حسینؑ بے گور و کفن پڑے کے ہم سے دور گیا ہے۔ جائیں تو کہاں جائیں۔ اثنائے راہ میں ایک ضعیفہ ملی۔ اسے کہا اے ضعیفہ! ہم دونوں پریشان حال، یتیم، بے کس، کسمپرسی کی حالت میں اور آوارہ وطن ہیں۔ شہر کے راہوں سے واقف نہیں ہیں۔ یہ وقت شب ہے۔ ایک رات کیلئے ہمیں گھر میں جگہ دیدے۔ صبح ہوتے ہی ہم کسی اور طرف نکل جائیں گے۔ اس نیک بخت عورت نے کہا! بچو تم کون ہو۔ کس کے جگر کے ٹکڑے ہو۔ یہ تمہاری صحرا نوردی تمہاری یتیمیت پر بذات خود دلالت کرتی ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہم تمہارے نبیؐ کی عترت ہیں۔ ابن زیاد کے زندان سے بھاگ نکلے ہیں۔ اس زن نیک نے ان سے کہا۔ میری جان آپ پر فدا ہو جائے۔ میرا شوہر مرد فاسق ہے، ابن زیاد کے ساتھ جنگ کربلا میں موجود تھا۔ مجھے خوف ہے کہ اگر اس کو پتہ چل جائے تو وہ تم لوگوں کو قتل کر دے گا۔ بچوں نے کہا! ہم تمہارے گھر میں زیادہ دیر قیام نہیں کریں گے۔ علی الصبح ہم ادھر سے نکل جائیں گے۔ اس عورت نے انکو گھر لیا۔ ایک کمرے میں انکا بستر ہ کیا۔ انکو اچھا کھانا اور پانی دیا۔ جب دونوں بھائی سونے کے لئے لیٹ گئے۔ تو ایک بھائی نے دوسرے بھائی سے کہا۔ آؤ بھائی گلے مل کر سوئیں گے۔ کہیں یہ رات ہماری آخری رات نہ ہو۔ دونوں سو گئے۔ ان کو کیا معلوم تھا کہ یہ آخری نیند ہے۔ آہ! اس بے کسی پر قربان۔ اِدھر سے اس عورت کا شوہر نصف شب کو آیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ عورت نے پوچھا کون ہے۔ اس نے کہا میں ہوں۔ عورت نے جواب دیا آج یہ بے وقت کیوں آیا ہے۔ جبکہ اس وقت تو کبھی بھی نہیں آیا۔ اس بدبخت نے جواب دیا۔ تف ہے تجھ پر دروازہ کھول دے میں سخت تھکا ہوں۔ دن بھر پھرتا رہا۔ دروازہ کھول کے اسکی بیوی نے اِسے کہا یہ تھکن اور گھبراہٹ کیسی ہے تمہیں۔ اس نے جواب دیا کہ مسلم کے دو فرزند قید خانہ سے بھاگ گئے ہیں۔ ابھی تک لا پتہ ہیں۔ ابن زیاد نے حکم دیا ہے کہ جو دونوں کا سر لائے گا۔ اسکو ۲۰۰۰ درہم انعام دئے جائیں گے۔ چنانچہ میں اس لیے دن بھر انکو ڈھونڈ تے ڈھونڈتے تھک گیا۔ اس زن نیک نے اِسے کہا۔ اے شقی ازلی کچھ شرم تو کر! کیا تمہیں مرنا نہیں ہے۔ قیامت کے دن محمد مصطفیٰؐ کو کیا منہ دکھائے گا؟ کیا تو دو ہزار درہم کی خاطر جناب مسلم کے فرزندوں کا سر کاٹے گا؟ تف ہے تم پر! یہ سنکر اسکے شوہر نے کہا، معلوم ہوتا ہے کہ مسلم کے دو فرزند تمہارے پاس موجود ہیں۔ اسلئے تو ایسی باتیں کر رہی

ہے۔چل تجھے میرا امیر (ابن زیاد) بلاتا ہے۔اس نے کہا۔مجھے کیوں بلائے۔میں تو ایک صحرا نشین عورت ہوں۔ اسکے بعداس مومنہ نے اسکے لیے دانہ پانی لایا۔اور خود محو دعا ہوئی۔

یہ شقی جس کا نام حارث تھا،سوگیا۔لیکن لالچ کی وجہ سے اسکی نیند اُڑ گئی تھی۔رات جب بیتنے لگی۔ ہر طرف موت کا سا سکوت چھایا ہوا تھا۔اس شقی نے دوسرے کمرے سے کسی کے سانسیں لینے کی آواز سُنی۔یہ چونک کر اُٹھا اور اندھیرے میں دیواریں ٹٹولتا ہوا اس کمرے میں آگیا۔ایک بچہ پر ہاتھ پڑا اور چیخا کون ہو تم؟ اب کیا تھا،اجل سر پر آ کھڑی ہوئی۔ایک بھائی نے دوسرے کو جگایا اور کہا اے میرے بھائی اُٹھو! جس چیز کا خوف تھا وہ سامنے ہے۔دوسرا بھائی آنکھیں ملتا ہوا سراسیمگی کی حالت میں بھائی سے لپٹا۔حارث نے دوبارہ پوچھا سچ سچ بتاؤ کون ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔اگر ہم سچ سچ بتائیں گے تو کیا پھر ہم خدا کی امان میں ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔انہوں نے کہا،کیا ہم خدا اور اسکے رسولؐ کی امان میں ہیں؟ اس نے کہا ہاں خدا اور رسولؐ کی امان میں ہو۔بچوں نے کہا کیا محمد مصطفیؐ اس امان پر گواہ ہیں؟ حارث نے کہا ہاں گواہ ہیں۔اسکے بعد بچوں نے کہا ہم محمد مصطفیؐ کی عترت ہیں۔ابن زیاد کے ڈر اور خوف سے بھاگ کے یہاں پناہ لی ہے۔اس بدبخت نے نہ ہی عربی رسم ورواج کا لحاظ کیا کہ جس میں گھر آئے ہوئے مہمان کی تکریم اور محافظت اپنا فرض اولین ہوتا تھا اور نہ ہی محمد مصطفیٰؐ کی امان کا۔اس نے چلا کر کہا، جس موت کے ڈر سے تم لوگ بھاگے تھے، وہ تمہارا تعاقب کرتے کرتے تمہارے پاس ہی پہنچی۔خدا کا شکر کہ اس نے مجھے تمہاری گرفتاری کی توفیق عنایت کی۔اس کے بعد دونوں بچوں کو باندھ کے رکھ دیا۔خود بھی جاگتا رہا۔جب صبح ہوئی یہ صبح جوان معصوم بچوں کیلئے موت کا پیغام بن کر آئی تھی۔عجیب اُداس اور غمگین تھی۔آج کی صبح نہ ہی عقیل تھے کہ ان بچوں کی دادرسی کرتے اور نہ ہی علیؑ تھے کہ بچوں کی اس حالت کو دیکھ کر آنسو بہاتے۔دونوں بچوں کے پھول سے چہرے مُرجھائے ہوئے تھے۔دل پر ہاتھ رکھ کر بتایئے کہ سات اور آٹھ سال کے بچوں کی ذرہ سی مصیبت پر انسان کے آنسو نکل جاتے ہیں۔یہ تو اُن سے بھی مظلوم اور مقہور تھے۔ان کا نہ ہی کوئی آنسو پونچھنے والا تھا اور نہ ہی کوئی کفن ودفن کرنے والا تھا۔ان کی حالت دیکھ کر کسے آنسو نہ نکلیں۔اسکے بعد اس بدبخت نے اپنے غلام جسکا نام قلیج تھا کو حکم دیا کہ ان دو بچوں کو فرات کے کنارے پر لے جا کر قتل کرو اور انکا سر میرے پاس حاضر کرو تا کہ میں دو ہزار درہم انعام حاصل کروں۔غلام نے آقا کی بات مان کر تلوار اُٹھائی اور بچوں کو لیکر چلا۔راستے میں بچوں نے اِسے کہا اے غلام! رنگ تیرا بلالؓ موذن رسولؐ سے کتنا مشابہت رکھتا ہے۔اس نے کہا میرے آقا نے تو مجھے تم لوگوں کے قتل کا حکم دیا ہے۔مگر تم کون ہو۔انہوں نے جواب دیا،اے حبشی غلام! ہم اسی رسولؐ کی عترت میں سے ہیں۔قتل کے خوف سے ابن زیاد کے قید خانہ سے بھاگے تھے۔تیری مالکن نے ہمیں مہمان کر دیا اور تیرے آقا نے تمہیں ہمارے قتل کا حکم دیدیا ہے۔یہ سنتے ہی غلام بچوں کے قدموں پر گر پڑا،اور کہتا جاتا تھا۔اے عترت محمدؐ! میری جان تم

پر فدا ہو۔ خدا کی قسم! میں تمہارے رسولؐ کی دشمنی مول نہیں لینا چاہتا ہوں یہ کہہ کر تلوار پھینک دی اور نہر فرات کو عبور کیا۔ حارث نے چیخ کر کہا، اے غلام! تو نے میری نافرمانی کی۔ غلام نے جواب دیا۔ جب تک تو معصیت خدا نہیں کرتا تھا۔ میں نے تیری اطاعت کی اور جب تو معصیت پر اُتر آیا تو میں دنیا وآخرت میں تجھ سے بری ہو گیا۔

اسکے بعد حارث نے اپنے بیٹے کو بلایا۔ اور اسے کہا اے فرزند! میں نے حلال وحرام سب تیرے لئے جمع کر رکھا ہے۔ اب تو میری اطاعت بجالاؤ اور ان دونوں کو لے جا کر فرات کے کنارے پر قتل کر و اور انکے سر میرے پاس لاؤ۔ تا کہ ابن زیاد سے میں انعام حاصل کروں۔ یہ جب ان بچوں کو لیکر تھوڑی دور تک لے گیا تو ان بچوں نے اسے کہا۔ اے جوان! تیری جوانی پر آتش جہنم کا خوف کرتے ہیں۔ کل اللہ اور اسکے رسولؐ کو کیا جواب دیگا۔ تو ہمیں کس جرم میں قتل کرنا چاہتا ہے۔ اس نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا، ہم محمد رسولؐ اللہ کی اولادوں میں سے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ اس نیک سیرت وصورت نے اپنی تلوار پھینک دی اور تیر کر دریا عبور کیا اور کہا، اے بابا! تو مجھے جہنم میں جلانے کا ارادہ رکھتا تھا اور تو مجھے محمد مصطفیٰؐ کی ذریت کو قتل کرنے کو کہتا تھا۔ اے بابا! خدا سے ڈر۔ ان دونوں بچوں کو چھوڑ دے۔ حارث نے اپنے بیٹے سے کہا۔ تو نے میری نافرمانی کی۔ بیٹے نے جواب دیا یہ نافرمانی مجھے زیادہ عزیز ہے اُسے کہ میں اللہ اور اسکے رسولؐ کی نافرمانی کروں۔ اسکے بعد حارث نے خود تلوار اُٹھائی اور ان کو لے کر چلا۔ جب فرات کے کنارے پر پہنچے۔ تو دونوں بھائی زار وقطار رونے لگے اور حارث سے کہا، اے شیخ! ہم کو بازار میں لے جا کر بیچ ڈال اور پیغمبر کی دشمنی مول نہ لے۔ اس نے کہا، ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا ہے۔ میں تم لوگوں کو ذبح کر کے اپنے امیر سے انعام پاؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ تم کو ہماری کمسنی پر بھی رحم نہیں آتا ہے۔ اس شقی نے کہا، نہیں۔ بچوں نے اپنی کمسنی کی وجہ سے عاجزانہ طور پر کہا۔ اچھا اے شیخ! ہم کو تو اتنی مہلت دیدے کہ ہم نماز پڑھیں۔ اس نے کہا، پڑھ لو اگر تم کو نماز کوئی فائدہ دے گی۔ اسکے بعد بچے اُٹھے اور نماز پڑھی اور دعا کی، اے خداوند علیم! ہمارے اور اس شیخ کے درمیان فیصلہ فرما۔ حارث آگے بڑھا اور بڑھے بھائی کی گردن پر تلوار کا بھر پور وار کیا۔ تلوار کا پڑنا تھا کہ چھوٹے بھائی کے منہ سے بے اختیار چیخ نکلی۔ چھوٹا بھائی اُٹھا اور بڑے بھائی کی سر بریدہ لاش سے لپٹ گیا۔ شقی آگے بڑھا اور چھوٹے بھائی کو بڑے بھائی سے بڑی بے دردی سے جُدا کیا اور لاش کو دریا میں پھینک دیا۔ اسکے بعد دوسرے بھائی کا سر کاٹ لیا۔ تاریخ گواہ ہے۔ مقاتل شاہد ہیں۔ واقعات بتلاتے ہیں کہ بڑے بھائی کی لاش تب تک نہیں بہی جب تک دوسرے بھائی کی لاش دریا میں اس ملعون نے نہیں پھینکی۔ اسکے بعد دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کے جسم کو پکڑ کر پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہنا شروع کیا۔

حارث نے دو ننھے ننھے سر ابن زیاد کے پاس لیے۔ جب اس نے سر ابن زیاد کے پاس ڈال دیئے تو عبید اللہ ابن زیاد سروں کو دیکھتے ہی کھڑا ہوا اور بیٹھا۔ تین مرتبہ ایسا ہی کیا۔ اسکے بعد حارث سے پوچھا۔ تیری ماں

تیرے ماتم میں بیٹھے۔تو نے ان کو کہاں پایا؟اس ملعون نے جواب دیا۔میری زوجہ نے انکو اپنے گھر میں بطور مہمان رکھا تھا۔اس ملعون نے جواب دیا۔کیا تو نے حق مہمانی کا بھی خیال نہیں کیا اور ان کو قتل کر دیا۔اس نے کہا، کیونکر ہوسکتا تھا؟ابن زیاد نے اسے پوچھا۔بچوں نے قتل کرنے کے وقت تجھ سے کیا کہا تھا۔حارث نے جواب دیا۔بچوں نے مجھ سے کہا تھا کہ ہم کو بازار لے چل اور بیچ ڈال۔محمد مصطفیٰؐ کی دشمنی مول نہ لے۔ابن زیاد نے اسے کہا اس پر تو نے اُن کو کیا کہا۔حارث نے جواب دیا کہ میں نے انکو کہا کہ اسکے سوا میں اور کچھ نہیں چاہتا ہوں کہ تم کو قتل کروں اور تمہارے سر ابن زیاد کے پاس لیکر انعام پالوں۔ابن زیاد نے پوچھا،اور کیا کہا تھا ان لڑکوں نے۔حارث نے کہا، انہوں مجھے محمد مصطفیٰؐ کی قرابت کا لحاظ کرنے کو کہا تھا۔ابن زیاد نے کہا، اچھا اس پر تم نے انکو کیا جواب دیا؟اس نے کہا، میں نے قرابت مصطفیٰؐ سے انکار کر دیا اور کہا کہ تم لوگ ان کے قرابت دار نہیں ہو۔ابن زیاد نے کہا،اور بھی کچھ کہا تھا اس نے کہا، ہاں، کہا کہ ہماری کمسنی اور خوردسالی پر رحم کر۔میں نے جواب دیا کہ خدا نے میرے دل میں رحم کو خلق ہی نہیں کیا۔اسکے بعد ابن زیاد کے پاس وہ تمام واقعہ دھرایا کہ کس طرح انکا قتل رونما ہوا۔ابن زیاد نے دربان کی طرف دیکھ کر کہا کہ کوئی مردشامی اس فاسق کو لیکر وہیں قتل کر دے جہاں پر اس نے ان کمسن بچوں کو قتل کر دیا ہے۔ لیکن خبردار اس فاسق کا خون بچوں کے خون کے ساتھ نہ ملنے پائے۔چنانچہ اسکا سر کاٹ لیا گیا اور اسکا سر ابن زیاد کے حکم سے نیزے پر نصب کر دیا گیا۔بچے اسکے سر کو پتھر مار کر کہتے تھے کہ یہ ذریت رسولؐ کا قاتل ہے[۳]۔

حوالہ جات

[۱] بحارالانوار حصہ دوم باب ا ص ۵ تا ۹؛ مصائب الشیعہ ج ۳ ص ۱۵۰ تا ۱۶۱؛ مقتل خوارزمی ج ۲ ص ۱۱۸

بے رحم گورنر

کوفہ کے بے رحم گورنر عبیداللہ ابن زیاد کے متعلق کچھ تو ہم لکھ چکے ہیں مزید اس امر کی وضاحت کریں گے کہ یہ کس طرح کوفہ اور بصرہ کی گورنری کی مسند تک پہونچا۔ جہاں تک ارباب حل وعقد کی آراء کا تعلق ہے، وہ یہی ہیں کہ بدعتیں اس سے پہلے بھی رائج کی جاچکی تھیں لیکن یہ وہ بدعت ہے جو امیر معاویہ نے کھڑی کردی جس سے تاریخ کے ماتھے سے آج تک خون ٹپکتا رہا اور تا قیام قیامت ٹپکتا رہے گا۔ ایک انگریز مورخ کی رائے تو ہم درج کر چکے یہاں اسکی رائے کو دوبارہ مندرج کردیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

Ziyad was a first styled ibn-Abih because of the doubt which cloud the identity of him father. His mother was a alove and prostitute in al Taif whom Abu-Sufyon, Mawiyah's father, had known.

زیاد پہلا شخص تھا کہ جس کو ابن ابیہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اسلئے کہ اسکی ولدیت پر شک کے گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ اسکی ماں طائف میں کنیز اور فاحشہ تھی۔ جہاں ابوسفیان معاویہ کا باپ اسکو جانتا تھا۔[1]

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوا کہ ناہی یہ ابوسفیان کے دعوے کے مطابق اسکا بیٹا اور نہ ہی معاویہ کے کہنے مطابق معاویہ کا بھائی بن سکتا ہے بلکہ ابن ابیہ کا لفظ ہی اسکی ماں کی کثرت زنا پر کھلم کھلا دلالت ہے۔ اگر شرعی اور اسلامی نقطۂ نگاہ کی دجہ سے یہ معاویہ کا بھائی بن سکتا تھا تو ارباب حل وعقد یا محدثین ومورخین نے کیوں اسکے بارے میں خاموشی اختیار کرنے میں ہی مصلحت تامّہ سمجھی۔ کیا کوئی ایک آدھ روایت پیش کی جاسکتی ہے کہ جسکی رُو سے یہ فعل کہ زیاد اسکا بھائی ہے کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟

اسکے بعد ہٹی تحریر فرماتے ہیں:

Ziyad was Pro-Alid. In a critical moment- Muawiyah acknowledged ziyad as his laegtimate brother. Ziyad proved a great asset to his caliph brother. His unrilanting had weighed heavily over Al-Basrah, a center of ????. After the death of Al-Mughirah he was elevated to the governorship of Al-Kufha, a posidtion which mad e him the absolute rular of the eastern part of the empire, including Arabia and Persia, with a trained body guard 4000 strong who acted aslo as spies and police, he ruled tyrannically and

tracked down mercilessly anyone who dared show to favour to Ali's desendants or revile Muawiyah.

(پہلے تو) زیاد علیؑ کا طرفدار تھا (لیکن علیؑ کی شہادت کے بعد) معاویہ کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ کہیں یہ علیؑ ہی کی محبت میں نہ رہ کر میرے خلاف بھڑک اُٹھے لہٰذا اس نے آنے والے خطرات سے بچنے کیلئے یہ مشتہر کر دیا کہ زیاد میرا قانونی بھائی ہے۔ (یعنی شرعی نقطہ نگاہ کو نظر انداز کر دیا گیا) زیاد جب امیر معاویہ کا بھائی بنا تو اسکے غرور اور نخوت کی انتہا نہ رہی۔ (یہ چونکہ گورنر بصرہ تھا) لہٰذا حکمران کا بھائی بننے پر اس نے غریب بصریوں پر اپنے حاکمانہ ہاتھوں کی گرفت کو اور بھی مضبوط کر دیا۔ یہ بصرہ شیعیان علیؑ کا مرکز تھا۔ مغیرہ ابن شعبہ (جو گورنر کوفہ تھا) کے مرنے کے بعد زیاد دونوں صوبوں کا مطلق العنان حکمران بنا۔ اس طرح یہ عرب، فارس اور مشرقی حصوں کا واحد گورنر بنا۔ اسکے ساتھ ہر وقت ۴۰۰۰ ہزار آدمی بحیثیتِ باڈی گارڈ کے ہوا کرتے تھے (اس تمکنت اور غرور سے) یہ نہایت ہی سفاکانہ طریقے سے حکمرانی کرتا رہا اور ہر اُس شخص کو قتل کرنا اپنا فرض اولین سمجھتا تھا جو حُبّ علیؑ کا دبے لفظوں میں بھی اظہار کرتا تھا یا معاویہ کے خلاف جب بھی کوئی ایک آدھ لفظ کہتا تھا تو یہ نت نئے مظالم کا سہارا لیکر اُس کو قتل کروا دیتا تھا[۲]۔

اس فعل کی اگر شرعی و فقہی جوازیت پر نظر ڈالی جائے تو منجملہ ضروریات دین اسلام پیغمبر خدا کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے: **الولد للفراش وللعاهر الحجر** یعنی لڑکا شوہر کا ہے اور زنا کار کیلئے سنگساری ہے۔ یہ حدیث صحاح ستہ کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں موجود ہے اور مسلمانوں نے اسے نسب کے معاملہ میں بنیادی پتھر قرار دیا ہے۔

پیغمبر خداؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے: **من ادعى ابا فى الاسلام غير ابيه فالجنة عليه الحرام** یعنی مسلمان ہو کر اگر کوئی شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا باپ بنائے، اس پر جنت حرام ہے۔ اسی قسم کی اور سینکڑوں مسلم ثبوت حدیثیں ہیں مگر امیر معاویہ نے زیاد بن سمیہ کو سیاسی مصالح کی بنا پر بھائی بنا کر کھلم کھلا ان تمام ارشادات پیغمبرؐ کی مخالفت کی اور قانونی باپ کو محروم کر کے سارے حقوق زنا کرنے والے کو دلائے۔

زیاد قبیلہ ثقیف کے غلام عبید کا لڑکا تھا۔ پہلے یہ زیاد بن عبید کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جب معاویہ نے اسکو بھائی بنالیا، تو زیاد بن ابی سفیان کے نام سے پکارا جانے لگا اور جب اموی سلطنت ملیامیٹ ہوگئی تو زیاد بن ابیہ اور زیاد بن سمیہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

خود معاویہ نے بھائی بنانے سے پہلے اسے ایک خط میں لکھا تھا: **من امير المومنين معاويه ابن ابى سفيان الى زياد بن عبيد فانک عبد كفرت النعمة واستدعيت النقمه** یعنی معاویہ ابن ابی سفیان کی طرف سے زیاد بن عبید کے نام۔ تم ایک غلام تھے جس نے کفران نعمت کیا اور بربادی و ہلاکت کی خواستگاری کی الخ[۳]۔

زیاد کی ماں سمیہ ایران کے کسی کسان کی کنیز تھی۔ وہ کسان ایک مرتبہ بیمار ہوا، علاج کیلئے حارث بن کلدہ طبیب ثقفی کو بلایا۔ جب اسکے علاج سے اسے صحت ہوئی تو اس نے اظہار شکر گذاری کے طور پر اپنی کنیز سمیہ اسکو عطا

کی۔حارث نے اپنے رومی غلام عبید سے اس سے بیاہ دیا۔عبید ہی کی زوجیت میں سمیہ کے بطن سے زیاد پیدا ہوا۔ جب زیاد بڑا ہوتو اس نے اپنے باپ کوایک ہزار درہم میں خرید کرآزاد کردیا اوراسی زیاد کی ماں سمیہ مشہور بدکار اور بیوہ عورت تھی۔

علامہ ابوعمرو اور ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد حکومت میں زیاد کو یمن کے حالات درست کرنے کیلئے وہاں بھیجا۔ وہاں سے واپس آکراس نے ایک تقریر کی جو بہت پسند کی گئی۔عمروعاص نے کہا:اگر یہ نوجوان قریش ہوتا تو سارے عرب کو اپنی لاٹھی سے ہانکتا۔ابوسفیان نے کہا، میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں جس نے اس کواسکی ماں سمیہ کے پیٹ میں رکھا۔علی ابن ابی طالبؑ نے پوچھا:ابوسفیان وہ کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا میں!علیؑ نے کہا چپ بھی رہو۔

ابن عساکر کی لفظیں یہ ہیں کہ عمروعاص نے کہا ابوسفیان خاموش رہو۔اگر حضرت عمرؓ نے یہ بات سُن لی تو تمہاری گت بنادیں گے۔اس پر ابوسفیان نے چند شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ اگر کسی کا خوف نہ ہوتا تو میں اصل واقعہ کو ظاہر کرتا۔میں نے بنی ثقیف سے بہت دنوں درگذر کی اوران میں نے اپنے میوۂ دل کو چھوڑ رکھا ہے[۴۷]۔

زیاد کے مادری بھائی ابوبکرہ کو جب اسکی خبر ملی کہ معاویہ نے زیاد کو بھائی بنالیا ہے اور زیاد اس پر راضی بھی ہے تو انہوں نے قسم کھائی تھی۔کہ ہم اُس سے کبھی بھی نہیں بولیں گے۔ابوبکرہ نے کہا، زیاد نے اپنے باپ عبید کی ولدیت سے انکار کر کے جیسے خود اپنی ماں سے زنا کیا۔خدا کی قسم میرا یقین تو یہ ہے کہ سمیہ نے کبھی ابوسفیان کی شکل بھی نہ دیکھی ہوگی۔ستیاناس ہوا اسکا یہ ام حبیبہ (ابوسفیان کی بیٹی اور جناب محمد رسول اللہؐ کی زوجہ) کے ساتھ کس طرح پیش آئے گا۔کیا وہ ام حبیبہ کو دیکھنا چاہتا ہے۔اگر ام حبیبہ نے اس سے پردہ کیا تو زیادہ ذلیل ہوجائے گا اور بھائی بننے کا پول کھل جائے گا، اوراگر ام حبیبہ کے سامنے آیا ہمارے لیے تو بڑی بھاری مصیبت اور پیغمبرؐ کی زبردست ہتک حرمت ہوگی۔معاویہ کے زمانہ میں زیاد نے حج کیا۔حج سے فارغ ہوکر مدینہ آیا، چاہا کہ ام حبیبہ کے پاس بھی جائے مگر پھر ابوبکرہ کا قول یاد آگیا، اس لئے پلٹ آیا۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خود ام حبیبہ نے سامنے آنے کی اجازت نہ دی۔

طبری نے ابواسحاق سے روایت کی ہے کہ زیاد جب کوفہ آیا تو اس نے لوگوں سے کہا ''میں تمہارے پاس ایک ایسی غرض سے آیا ہوں جسکا فائدہ تمہیں ہوگا۔لوگوں نے عرض کیا، فرمایئے۔زیاد نے کہا تم میرا نسب نامہ معاویہ سے ملا دو لوگوں نے کہا جھوٹی گواہی سے تو ہم ملانے سے رہے۔وہاں سے چل کر وہ بصرہ آیا جہاں ایک شخص ایسا مل گیا جس نے گواہی دیدی[۴۸]۔

ابن عساکر وابن اثیر لکھتے ہیں کہ ابوسفیان طائف گیا تھا۔وہاں ایک شراب بیچنے والے کے یہاں ٹھہرا جس کا نام ابومریم سلولی تھا۔یہ ابومریم بعد میں مسلمان بھی ہوا اور پیغمبرؐ کی صحبت سے بھی شرفیاب ہوا۔ابوسفیان نے

شراب پینے کے بعد ابو مریم سے عورت کی خواہش ظاہر کی۔ ابو مریم نے کہا حارث بن کلدہ کی کنیز عبید کی بیوی سمیہ موجود ہے۔ کہو تو بلا دوں، ابوسفیان نے کہا اسی کو بلا دو اگرچہ اسکے پستان بہت بڑے اور اسکی بغل بڑی بد بودار ہے، ابو مریم نے بلا لایا۔ ابوسفیان نے منہ کالا کیا، اس سے زیاد پیدا ہوا جسے بعد میں معاویہ نے اپنا بھائی بنالیا۔

ابن عسا کر نے یہ بھی روایت کی ہے کہ زیاد نے اپنے مادری بھائی ابو بکرہ سے کہا: امیر المومنین معاویہ مجھے اپنا بھائی بنانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ پیغمبر خداؐ نے ارشاد فرمایا ہے ''جو شخص اپنے باپ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو باپ بنائے اسکا ٹھکانا جہنم میں ہے''۔ پھر اگلے سال جب زیاد ابو بکرہ سے ملنے آیا تو اس وقت (زیاد) معاویہ کا بھائی بن چکا تھا۔[۶]

جب امیر معاویہ کی بیعت ہوئی تو زیاد اسکے پاس آیا اور دو لاکھ درہم میں آپس میں مصالحت ہوگئی۔ اُنہیں دنوں زیاد کی ملاقات مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی سے ہوئی، زیاد نے وعدہ کیا، میں ۲۰ ہزار درہم تمہیں دوں گا۔ اگر تم معاویہ سے جا کر یہ کہو کہ زیاد نے فارس کی خشکی اور تری دونوں ہڑپ کر لی پھر دو لاکھ درہم پر آپ سے بھی معاملہ طے ہوگیا۔ میرا تو خیال ہے کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے، وہ سچ ہی ہے اور جب معاویہ تم سے پوچھے کہ کیا کہا جا رہا ہے، تو تم کہنا کہ زیاد ابوسفیان کا فرزند ہے۔ مصقلہ بن ہبیرہ نے ایسا ہی کیا۔ معاویہ نے بھی سمجھا کہ زیاد کو بلا لے اور اپنا بھائی بنا کر اسکی سچی محبت حاصل کرلے۔ دونوں اس پر متفق ہوگئے۔ گواہ بلائے گئے۔ جنہوں نے اسکی گواہی بھی دے دی۔ منجملہ اور گواہوں کے ابو مریم سلولی تھا۔ معاویہ نے پوچھا تم کیا گواہی دیتے ہو ابو مریم نے کہا میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ ابوسفیان میرے پاس آیا اور مجھ سے بدکار عورت طلب کی میں نے کہا میرے پاس صرف سمیہ ہے۔ ابو سفیان نے کہا اسی کو لے آؤ۔ اگرچہ وہ بڑی گندی اور واہیات ہے، میں نے بلا لایا۔ ابوسفیان نے اس سے منہ کالا کیا اور سمیہ اسکے پاس سے اس حال میں رخصت ہوئی کہ اسکے سرین کے درمیان سے منی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ زیاد نے ابو مریم سے کہا، ذرا سنبھل کے تمہیں گواہی دینے کیلئے بلایا گیا ہے نہ گالیاں دینے کیلئے۔ اسکے بعد معاویہ نے اسکے بھائی ہونے کا اعلان کردیا۔[۷]

سعید ابن مسیّب کہا کرتے تھے کہ پہلا فیصلہ جس نے رسول اللہؐ کے فیصلے کو علانیہ رد کیا۔ وہ معاویہ کا زیاد کے متعلق فیصلہ تھا۔

ابن یحییٰ کہا کرتے تھے: پہلا حکم رسول اللہؐ کا جو رد کیا گیا وہ زیاد کے متعلق آپ کا حکم تھا۔

ابن نعجہ کہا کرتے تھے: پہلی بیماری جو عرب میں داخل ہوئی وہ حسن مجتبیٰؑ کا قتل اور زیاد کو بھائی بنانا ہے[۸]۔

حسن بصریؒ کا قول ہے: چار باتیں معاویہ کی ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی ہوتی تو اسکی ہلاکت کے لئے کافی تھی۔ زبردستی خلافت پر قابض ہونا، بغیر مسلمانوں کے مشورہ کے اپنے بعد اپنے شراب خوار بیٹے یزید کو خلیفہ

بنانا جوریشم پہنتا اور گا تا بجا تا تھا اور زیاد کو اپنا بھائی بنانا حالانکہ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا ہے **الولد للفراش وللعاھر الحجر** اور حجر بن عدی کو قتل کرنا۔ ہلا کی ہو ان کی حجر اور اصحاب حجر کی جیت سے، یہ جملہ انہوں نے دو مرتبہ کہا[۹]۔
رہ گیا محمود احمد کا یہ کہنا کہ کردار ابن زیاد میں ایسی کوئی خامی نہیں تھی۔ وہ جو کچھ کر رہا تھا اپنے فرائض کی انجام دہی میں کر رہا تھا الخ؟

مندرجہ الصدر تصریح نے عبیداللہ ابن زیاد کے خاندان کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ یعنی اس کے باپ کے زنا زادہ ہونے کے باوجود اسکو امیر معاویہ نے اپنا بھائی بنا دیا۔ ظاہر ہے کہ زیاد کس قدر اور کس حد تک معاویہ کا فدوی بن چکا ہوگا کیونکہ زیاد جانتا تھا کہ الگ رہ کر یا گوشہ نشینی اختیار کر کے بھی دامن کا وہ سیاہ داغ دھل نہیں سکتا ہے جو اسکو ولدیت یا ابنیت کے سلسلے میں لگ چکا ہے۔ لہٰذا امیر وقت کا بھائی گو کہ وقتی ہی سہی کم از کم عام افراد کی زبانوں کو بند کر دے گی۔ لہٰذا اہلاً وسہلاً ومرحباً کہہ کر اس اعزاز کو قبول کر لیا۔ اسکے بعد اس نے جس طرح اپنے گورنری کے عہد میں اسکا ثبوت دیا وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ ہم نے ''علیؑ اور انکا عہد'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے کہ جس میں زیاد ابن ابیہ کے مظالم اور ہیبتناک کارروائیوں کا مفصل ذکر کیا ہے۔ یہاں صرف عبیداللہ کے کارنامے بتانے مقصود ہیں تاکہ حقیقت اصلیہ واشگاف ہو جائے۔

وہ اصحاب کبار جن میں قبل از واقعہ کربلا ابن زیاد نے نت نئے مظالم توڑ کر قتل کر دیئے۔ ملاحظہ ہو:

سلیمان بن زربن: آپ امام حسینؑ کے غلام تھے آپ کو ابن زیاد نے بصرہ میں قتل کروا دیا۔

عبداللہ یقطر: اسکا مفصل ذکر گذر چکا ہے۔

قیس ابن مسہر صیداوی: آپکا تذکرہ گذشتہ اوراق میں کیا جا چکا ہے۔

محمد ابن کثیر اور اسکے فرزنداں: جناب مسلم کے تذکرے میں گذر چکا ہے۔

جناب مسلم ابن عقیل ابن ابی طالب۔

ہانی ابن عروہ مرادی۔

شہادت عبدالاعلی بن یزید کلبی علیمی: آپ کو جناب مسلم کی حمایت کرنے پر کوفہ میں قتل کر دیا گیا۔ آپ کو کثیر ابن شہاب نے گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لایا تھا۔

عمارہ بن صلحب ازدی: آپ کو صرف اس بنا پر شہید کر دیا گیا کہ آپ نے جناب مسلم کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی۔ طبری کی روایت ہے کہ جب آپکو گرفتار کر لیا گیا تو ابن زیاد نے پوچھا کس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے؟ اس نے جواب دیا ازد سے تو آپ کو اپنے قبیلے والوں کے سامنے لے جا کر قتل کروا دیا گیا۔ یعنی اسکا مطلب یہ ہے کہ ابن زیاد لوگوں کو قتل کرنے کے وقت قبائل کا لحاظ بھی نہیں کرتا تھا۔

عبداللہ ابن حارث بن نوفل: آپ کو کوفہ میں ہی قتل کر دیا گیا۔
رشید ہجری: آپ کو ہاتھ پیر کاٹ کٹوا کر سولی پر لٹکایا گیا تھا۔
ابوسالم میثم بن یحیٰی تمار: مندرجہ الصدر صحابہ سب کے سب جناب امیر المومنینؑ کے مخلص اصحاب تھے۔ ان کو صرف اسلئے قتل کر دیا جاتا تھا۔ چونکہ انکو کہا جاتا تھا کہ علیؑ پر لعنت کرو۔ اہلبیتؑ رسولؐ سے برائت کرو۔ ان سے ترک موالات کرو لیکن تاریخ آج تک اس بات کا جواب دینے سے قاصر رہی ہے کہ کسی بھی فرد نے علیؑ یا آل علیؑ کے خلاف ایک آدھ حرف بھی زبان پر لایا ہو، جو قلب و جگر کی گہرائیوں سے علیؑ کی محبت کو تسلیم کر چکے تھے۔ انہوں نے پھانسی پر چڑھنا تسلیم کیا۔ ہاتھ پیر کٹوانا مان لیا۔ زبان گدی سے کھنچوانا تسلیم کیا لیکن منہ سے ایک آدھ آہ بھی نہ نکالے۔ چنانچہ ابوسالم میثم بن یحیٰی تمار کا واقعہ بھی ہمارے بیان کی ایک کڑی ہے ملاحظہ ہو۔

جناب میثم امیر المومنین علیہ السلام کے خرید کردہ غلام تھے۔ آپ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ آزادی کے بعد کوفہ میں خرما فروشی کرتے تھے۔ اس لئے ان کو تمار کہتے ہیں۔ جناب میثم حضرت کے منتخب خانہ اور فدائی تھے بعض روایات میں ہے کہ یہ حضرت کے حواریوں میں داخل تھے۔ بعض میں آیا ہے کہ جناب میثم اصفیاء امیر المومنینؑ میں شامل تھے۔

جناب میثم صفائے نفس و پاکیزگی باطن میں اس حد تک پہنچے ہوئے تھے کہ حضرت امیرؑ کے خاص اصحاب میں شمار کئے جاتے تھے۔[۱۰]

جناب میثم کے کمالات نفسانیہ

جناب میثم کے فضائل و محامد میں بہت سی روایات ہیں۔ جو انکے تزکیۂ نفس کی بھی دلیل ہیں۔ منجملہ ان کے ایک روایت میں ہے کہ جناب میثم کے فرزند صالح بن میثم ابوخالد تمار روایت کرتے ہیں کہ میں فرات میں کشتی پر جمعہ کے دن سفر کر رہا تھا کہ آندھی آئی اور جناب میثم انار کی کشتی میں سوار تھے۔ اپنی کشتی سے اترے ہوا پر نظر کی اور ساتھیوں سے کہنے لگے اپنی اپنی کشتیاں باندھ لو یہ سخت آندھی ہے ابھی ابھی معاویہ مرا ہے۔ جب دوسرا جمعہ آیا تو شام سے قاصد آیا میں نے اس سے ملاقات کر کے حالات دریافت کئے اس نے کہا لوگ تو خیرت سے ہیں، لیکن معاویہ مر گیا اور لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے۔ میں نے دریافت کیا کس دن مرا ہے؟ اس نے کہا جمعہ کے دن[۱۱]

حیرت انگیز پیشن گوئی

ایک دن حضرت علی علیہ السلام بہت سے لوگوں کی موجودگی میں جن میں مشکوک و مخلص دونوں قسم کے افراد موجود تھے۔ میثم بھی حاضر تھے۔ ارشاد فرمایا۔ اے میثم! تم میرے بعد گرفتار کئے جاؤ گے۔ تمہیں سولی دی جائے گی۔

سولی دیئے جانے کے دوسرے دن تمہارے نتھنوں اور منہ سے خون نکلے گا جس سے تمہاری داڑھی خضاب (کی طرح رنگین) ہو جائے گی۔ جب تیسرا دن آئے گا۔ تو تم پر ایک حربہ سے حملہ کیا جائیگا جس سے تمہاری موت واقع ہو گی۔ میثم تم اسکے منتظر رہو۔ میثم جہاں تم کو سولی دی جائیگی وہ جگہ عمرو بن حریث کے دروازہ پر واقع ہے۔ میثم تم سولی دیئے جانے والے دس میں سے ایک ہونگے۔ تمہاری سولی کی لکڑی سب سے چھوٹی اور زمین سے زیادہ قریب ہو گی۔ میثم میں تم کو اس خرما کے درخت کا تنا بھی دکھادوں جس پر سولی دی جائیگی۔ اس ارشاد کے دو دن کے بعد آپ نے وہ درخت خرما جناب میثم کو دکھا بھی دیا۔ جناب میثم اس درخت کے پاس آ کر نماز پڑھا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے۔ اے درخت تجھے برکت دی جائے۔ میں تیرے ہی لیے پیدا کیا گیا ہوں اور تو میرے لئے اُگایا گیا ہے۔

جناب میثم حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد اس درخت خرما کی نگرانی کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ درخت کاٹ دیا گیا تو اسکے تنہ کی دیکھ بھال رکھتے تھے اور آیا جایا کرتے تھے۔ عمرو بن حریث سے ملتے تھے تو کہتے تھے میں تمہارے پڑوس میں آنے والا ہوں۔ مجھ سے اچھا برتاؤ کرنا۔ عمرو یہ نہیں سمجھ پاتا تھا۔ کہ میثم کا مقصد کیا ہے۔ وہ ان سے کہا کرتا تھا کہ کیا تم ابن سعود یا ابن حکیم کا گھر خریدنا چاہتے ہو۔

جناب میثم جس سال شہید کئے گئے حج کیلئے بھی گئے اور مدینہ میں جناب ام المومنین ام سلمہؓ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ جناب ام سلمہؓ نے دریافت کیا تم کون ہو......؟ میثم نے کہا میں ایک مرد عراقی ہوں۔ جناب ام سلمہؓ (زوجہ رسولؐ) نے کہا تم اپنا نسب نامہ بیان کرو۔ میثم نے عرض کیا میں حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا غلام ہوں۔ جناب ام سلمہؓ نے فرمایا سبحان اللہ میں نے جناب رسول خداؐ سے سنا ہے وہ اکثر رات کے وقت تمہارے بارے میں حضرت علیؑ کو وصیت کیا کرتے تھے۔

جناب میثم نے ام المومنین ام سلمہؓ سے امام حسین علیہ السلام کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا وہ باغ میں گئے ہیں۔ میثم نے عرض کیا۔ جب تشریف لائیں تو عرض کر دیجئے گا کہ میں سلام کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اب قیام نہیں کر سکتا۔ آج پلٹ جانا چاہتا ہوں۔ انشاء اللہ بارگاہ رب العزت میں ملاقات ہو گی۔ جناب ام سلمہؓ نے خوشبو منگوائی جس سے ان کی داڑھی معطر کی گئی۔

جناب میثم نے عرض کیا۔ آج یہ خوشبو سے معطر کی گئی ہے تو کل خون سے خضاب ہو گی۔ مدینہ سے کوفہ آئے۔ عبیداللہ بن زیاد نے گرفتار کرالیا۔ اسکے سامنے لائے گئے، اس سے کہا گیا کہ حضرت علیؑ ان کو (میثم کو) بہت دوست رکھتے تھے۔ یہ ان کے (علی کے) مخصوصین میں شامل تھا۔ عبیداللہ نے کہا کیا یہ عجمی ایسا ہے؟ کہا گیا ہاں، عبیداللہ نے (میثم سے) سوال کیا۔

عبیداللہ : ''تمہارا رب کہاں ہے؟''

میثم : ''ہر ظالم کی تاک میں ہے اور تو بھی ظالموں میں سے ایک ظالم ہے!''

عبیداللہ : ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم کو حضرت ابوتراب سے بڑی خصوصیت حاصل تھی؟''

میثم : ''ہاں......'' لیکن تو کیا چاہتا ہے؟''

عبیداللہ : ''میثم یہ بتاو کہ میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا جسکی خبر تم کو تمہارے آقا نے دی ہے۔؟''

میثم : ''آقا نے یہ خبر دی ہے کہ دس اشخاص میں سے ایک شخص میں بھی ہوں گا جسے تو سولی دیگا۔ میری سولی کی لکڑی سب سے چھوٹی ہوگی اور زمین سے زیادہ قریب ہوگی''

عبیداللہ : ''میں اسکی مخالفت کروں گا۔''

''مصنف کے قول کے مطابق دوسری کتابوں میں وارد ہوا ہے کہ میثم سے ابن زیاد نے کہا کہ تم ابوتراب سے بیزاری کرو لیکن اس نے ایسا نہیں کیا''

اسکے بعد آپ کو وہیں پر سولی دی گئی جہاں مولا نے ارشاد فرمایا تھا۔ حسب پیشنگوئی جناب امیرؑ دو دن کے بعد نتھنوں سے خون آیا اور اسکے بعد آپ کو دفنایا گیا[۱]۔

خالد ابن مسعود: آپ کو بھی عبیداللہ ابن زیاد نے حب اہل بیت میں شہید کروا دیا۔

محمد بن ہاشم: آپ کو ابن زیاد ہی نے قتل کروا دیا۔

حجر ابن عدی: آپ کو عبیداللہ نے جُرم حب آل علیؑ میں سولی پر چڑھا دیا۔

کامل: آپ کی زبان پہلے کاٹ لی گئی اسکے بعد آپکو شہید کر دیا گیا۔

ان اصحاب باصفا کے علاوہ ابن زیاد نے جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کے محبان خاص ۴۰۰۰ تک گرفتار کر کے زندان کوفہ میں ڈال دیئے تھے۔ ان ہی میں مالک اشتر کا بیٹا ابراہیم اشتر، مختار ابن عبیدہ ثقفی اور سلیمان بن صرد الخزاعی چوٹی کے سردار بھی تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب علی اور آل علیؑ کے ماننے والوں پر اس قدر زمین کی طنابیں سمیٹ لی گئی ہیں کہ ابن زیاد چاہتا ہی نہیں تھا کہ علیؑ کا کوئی نام لیوا بھی اس صفحہ ہستی پر موجود رہے۔☆

[۱] کیا حسینؑ کو قتل کرنے والے شیعہ تھے؟ تعجب کا مقام ہے کہ آجکل جب کہ علم کا دور دورہ ہے تہذیب وتمدن کا غلغلہ ہے۔ اور اسکے باوجود یہ کہا جاتا ہے کہ جو لوگ حسین پر روتے ہیں، یہی تو انکے قاتل بھی ہیں۔ عجب نہیں کہ اس مہیب اور بے بنیاد سوال کی بنیاد بنوامیہ کے خود ساختہ، جابر، قاہر اور رنگیلے حکمرانوں نے ڈال دی ہو۔ چونکہ لوگوں کا رویہ یہی ہوتا چلا آرہا ہے کہ یہ ہر اُس مسئلے کو سر پر اُٹھانے میں فخر وانبساط محسوس کرتے ہیں کہ جسکی سنگ بنیاد بنوامیہ کے خودسر حکمرانوں نے ڈال دی ہوتی ہے۔ ورنہ حقیقت ہے کہ جب عمار یاسر کو معاویہ نے قتل کروایا، اور محمد رسول اللہ کی یہ پیشنگوئی حرف بحرف ثابت ہوئی، کہ **یا عمار تقتلک فئة الباغیه** اے عمار تجھے باغی گروہ قتل کردے گا۔ تو معاویہ نے اس حدیث سے بچنے کیلئے یہ پروپیگنڈا کر دیا کہ ہم نے عمار کو نہیں مارا۔ مارا اُس نے جس نے اسکو میدان میں لایا۔ لہذا باغی ہم نہیں علیؑ ہے۔ دیکھا آپ نے کہ کس خوش فہمی سے حدیث کی تاویل کر رہا ہے۔

متذکرہ تصریح باپ بیٹے کے کردار کی پوری پوری عکاسی کر رہی ہے۔ ابھی قتل حسینؑ کا مہیب داغ ماتھے پر تو نہیں لگا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کردار کیا رہا ہے، وہ حرف بحرف ہم نے اندراج کر دیا ہے۔ اب محمود احمد عباسی امروہی کا یہ کہنا کہ یہ تو ابن زیاد کی نیک نیتی کا بین ثبوت ہے......!'' سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا یہی کردار اسکی نیک نیتی کا ثبوت بن سکتا ہے؟ یہ خون ناحق جو رہ رہ کر کوفہ، بصرہ اور انکے اردگرد میں بہہ رہا تھا کس قسم کی نیک نیتی کی دلالت کر رہا تھا۔ اگر اسلامی کردار کی جھلکیاں عبیداللہ ابن زیاد کے ان ہی افعال میں سے عیاں ہو جاتی ہیں تو یقیناً ابن زیاد خدمت اسلام میں سرفہرست قرار دیا جا سکتا ہے، اور اگر جواب نفی میں ہے تو پھر ہمیں یہ بتائیں کہ محبان اہلبیتؑ کے ساتھ یہ مسلسل بہیمانہ، سفاکانہ اور معاندانہ رویہ کیوں برتا جا رہا۔ کیا یہ سب کچھ اسلئے تو نہیں تھا کہ علیؑ کا نام لیوا ہی دنیا میں کوئی نہ رہے؟۔

''صرف قتل......!''

حر کے پاس جب ابن زیاد کا قاصد آیا تو اس نے خط کو جواب میں حسینؑ کے نزول اجلال کے متعلق تحریر کیا۔ ابن زیاد نے اب براہ راست امام حسینؑ کو خط لکھا اور تحریر کیا کہ اے حسینؑ! میں بخوبی واقف ہو چکا ہوں کہ آپ کربلا میں اُترے ہیں۔ امیرالمومنین یزید نے مجھے لکھا کہ **ان لا اتوسّد الوثیر ولا اشبع من الخمیر الا الحقک باللطیف الخبیر او ترجع الیٰ حکیم وحکم یزید بن معاویه** ۔یعنی میں فرش نرم پر نہ بیٹھوں کھانا سیر ہو کر نہ کھاؤں جب تک نہ میں آپکو قتل کروں یا یہ کہ آپ میری یا یزید کی بیعت کریں [۱۳]۔

آپؑ نے خط کو پڑھ کر دور پھینکا۔ آپ کے چہرے پر غیض وغضب کے آثار ہویدا ہوئے۔ آپؑ نے فرمایا **لا افلح قوم اشتروا مرضاة المخلوق لِسخَطِ الخالق** ۔یعنی وہ لوگ رستگار نہیں ہونگے کہ جنہوں نے

گذشتہ سے پیوستہ

اس طرح بنوامیہ کے ماتھے پر حسینؑ کی شہادت سے جو داغ تا قیام قیامت عیاں رہے گا لوگ غلط اور بے بنیاد مفروضوں سے اسکو دھونا چاہیں گے۔ کیف یہ ابد تک بنوامیہ کے ماتھے سے نہیں دھلے گا۔ ابن تیمیہ، ابن کثیر اور ابن خلدون نے یقیناً ایسے ناروا حملے خاندان رسالت پر کئے کہ جس سے ان کا وہ دیرینہ مقصد پورا ہو گیا کہ بنوامیہ کا کردار صاف وشفاف بن کر نکھر جائے۔ ان کے جتنے بھی لغویات اور ظالمانہ کردار کی بھرماری وہ مٹ جاے۔ لیکن ایں خیال است ومحال است وجنون نوائے بھوپال نے کتنی خوب بات لکھی ہے۔ ان سب کا بڑا مقصد یہی تھا کہ بنی اُمیہ کی پیشانی سے وہ سیاہ داغ مٹا دیئے جائیں جو کربلا کے المیہ کے بعد خون ناحق بن کر ان کی پیشانی پر جگمگا رہے تھے''

ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ جن جن لوگوں سے خطرہ تھا۔ وہ قتل کروا دیئے گئے۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ یہ گمنام افراد تھے۔ نہیں یہ تمام کے تمام نہ صرف صحابہ کبار ہی تھے بلکہ اہل خاندان اور عشیرے والے بھی تھے۔ انکی آواز لاکھوں کی آواز تھی۔ اگر ایک آدمی نیام سے تلوار نکال لیتا تو ہزاروں تلواروں کی جھنکار سنائی دیتی تھی۔ لیکن معاویہ کے حربے ابن زیاد بھی اپنانا جانتا تھا۔ لہٰذا دہشت گردی، بہیمانہ قتل اور غضبناک سزاؤں سے اس نے یزید کا راستہ صاف کیا۔ ۴۰۰۰ افراد تو گرفتار تھے، اور ان میں ابراہیم اور مختار جیسے محبان کی گرفتاری حسرت ویاس کے ماتھے پر اور گہرے بادلوں کے مترادف تھی لہٰذا اب یہ کہدیا جائے کہ حسینؑ کو قتل کرنے والے شیعہ تھے، کتنا غلط اور بے بنیاد عقیدہ ہے۔

محض لوگوں کی رضا کیلئے خداوندکریم کی رضا کے بدلے خدا کا غیض وغضب حاصل کیا[۱۴]۔ ☆

قاصد نے جواب مانگا آپؑ نے اسکو جواب نہیں دیا۔ قاصد اُلٹے پیر واپس لوٹ آیا اور جو کچھ حسینؑ نے ابن زیاد کے خط کے ساتھ رویہ اختیار فرمایا حرف بحرف بیان کیا[۲]۔ اب کیا تھا۔ ابن زیاد غیض وغضب اور کینہ وحسد کی آگ میں جل کے رہ گیا۔ اب اسکے سامنے صرف ایک راہ تھی کہ حسینؑ سے اسکا بدلہ لیا جائے۔ اسکے لئے فوج کثیر کی ضرورت تھی اور فوج تب تک پراگندہ تھی جب تک نہ کسی کی قیادت میں ہوتی اور مقابلہ حسینؑ کے ساتھ

☆ دوسرے دن صبح کو عمر ابن سعد ابن وقاص چار ہزار آدمیوں کو لئے ہوئے کوفے سے ان کے (حسینؑ کے) مقابلے کو آ پہنچا اسکی روانگی کا یہ سبب ہوا کہ عبیداللہ ابن زیاد نے چار ہزار آدمی دے کر اسکو کوہ سبتیٰ کی طرف روانہ کیا تھا، جس پر دیلم نے حملہ کر کے غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ اور اسکو رے کی حاکمی کا حکمنامہ بھی لکھدیا تھا۔ چنانچہ اس نے حمام ایں میں اپنے لشکر کے ڈیرے بھی ڈال دیئے تھے۔ لیکن جب امام حسینؑ کے ساتھ وہ واقع ہوا جو ہوا تو ابن زیاد نے عمر ابن سعد کو بلا کر کہا کہ تم (فی الحال دیلم کی طرف سے توجہ ہٹا کر) حسینؑ کی طرف جاؤ۔ جب ہم اور وہ آپس میں اپنے معاملے کو ختم کر لیں گے تو تم اپنے جائے عمل کو چلے جانا۔ عمر ابن سعد نے اس سے معافی چاہی۔ ابن زیاد نے کہا وہاں معافی اسطرح دی جا سکتی ہے کہ ہمارا حکمنامہ (یعنی رے کی گورنری کا قبالہ) واپس کر دو۔ اس پر عمر نے کہا مجھے غور کرنے کی ایک دن کی مہلت دو۔ چنانچہ اس نے (یعنی عمر ابن سعد ابن ابی وقاص) اپنے خیرخواہوں سے مشورہ لیا۔ ان سب نے اسکو ایسا کرنے سے روکا۔ بلکہ حمزہ ابن مغیرہ ابن شعبہ نے (یہی مغیرہ ابن شعبہ تھے کہ جس نے معاویہ کو یزید کی بیعت لینے پر آمادہ کیا تھا) نے آکر اس سے کہا اے میرے ماموں میں تم کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ امام حسینؑ کے مقابلے کے لیے نہ جاؤ۔ گناہ میں نہ پڑو اور قطع رحم نہ کرو۔ خدا کی قسم یہ بات کہ تم اپنی دنیا، مال ومتاع اور تمام دنیا کی بادشاہت سے (اگر تم کو مل جائے) خارج کر دیئے جاؤ بہتر ہے بہ نسبت اسکے کہ امام حسینؑ کے خون کے ساتھ خدا سے ملو عمر نے کہا اچھا میں ایسا ہی کروں گا۔ وہ تمام رات اسی امر میں غور کرتا رہا اور سنا ہے کہ یہ اشعار پڑھتا رہا۔ ترجمہ:

''کیا میں رے اور رے کی رغبت کو ترک کر دوں یا حسینؓ کے قتل سے مذموم ہو کر واپس آؤں۔ ان کے قتل کی سزا سے ہو کر آؤں۔ ان کے قتل کی سزا تو ایسی آگ ہے جس سے بچنے کیلئے کوئی حجاب نہیں ہے اور رے کی بادشاہت میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے''۔

عمر ابن سعد کی لشکر کشی: پھر اس نے (عمر ابن سعد نے) ابن زیاد سے جا کر کہا کہ تم نے مجھے اُسی ولایت کا عامل مقرر کیا ہے اور لوگوں نے سن لیا ہے، کہ ایسا کیا گیا ہے۔ اگر تمہاری رائے ہو کہ تم میرے لیے اس کا نفاذ کر دو بہتر ہے اور حسینؑ کے مقابلے کے لئے اہل کوفہ کے اشرف الناس میں سے ایسے شخص کو جو جنگ کا مجھ سے زیادہ تجربہ رکھتا ہو روانہ کر دو اور یہ کہہ کر چند آدمیوں کے نام لئے۔ مگر ابن زیاد نے کہا کہ میں تم سے اس بارے میں کوئی حکم طلب نہیں کر رہا ہوں کہ وہاں کس کو بھیجوں۔ اگر تم ہمارے لشکر کو لے جاتے ہو تو جاؤ۔ ورنہ ہم جو حکم نامہ رے کے عامل کا تم کو دیا ہے اسکو واپس کر دو۔ اس پر عمر ابن سعد نے کہا کہ اچھا میں فوج لیکر جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ فوج لیکر روانہ ہوا۔ اور امام حسینؑ کے پاس اُترا۔ پھر ان کے پاس (یعنی حسینؑ کے پاس) اپنا قاصد بھیج کر دریافت کیا کہ یہاں کس غرض سے آئے ہیں۔ امام حسینؓ نے جواب دیا۔ تمہارے اس شہر (یعنی کوفہ) کے لوگوں نے مجھے لکھا کہ میں ان کے پاس چلا آؤں۔ لیکن اب اگر وہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں تو میں واپس چلا جاؤں گا۔ عمر ابن سعد نے زیاد کو یہی لکھ دیا۔ ابن زیاد نے اسکو پڑھ کر یہ اشعار پڑھے۔

ترجمہ: ''اب ہمارے پنجوں نے اسے (یعنی حسینؑ کو) پکڑ لیا۔ وہ نجات چاہتا ہے۔ حالانکہ اب فرار کا کوئی موقعہ نہیں''

(اسکے بعد عمر ابن سعد کو لکھا) کہ حسینؓ کے سامنے بیعت یزید پیش کرو اگر وہ ایسا کریں گے تو ہم دیکھیں گے کہ ہماری کیا رائے ہوتی ہے (کیا رسوائے عالم محمود احمد امروہی نے ابن زیاد کے اس خط کو پڑھ کر یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا تھا کہ حسینؑ نے بیعت کی ہی نہیں تھی اگر کی ہوتی تو یہ بار بار کا اصرار کیا معنی رکھتا ہے) اور یہ بھی لکھا کہ انہیں اور ان کے ہمراہیوں کو پانی سے روکا جائے۔ چنانچہ عمر ابن سعد نے عمر ابن حجاج کو پانچ سو سوار دیکر روانہ کیا جو پانی کے راستے پر اُتر پڑے اور امام حسینؑ اور پانی کے درمیان حائل ہو گئے۔ یہ امام حسینؓ کی شہادت سے تین دن قبل کا واقع ہے۔ عبداللہ ابن حصین اور ان کی جماعت نے بنو بجیلہ میں کھڑے ہو کر کہا کہ اے حسینؓ کیا تم پانی کی طرف نہیں دیکھتے۔ تم اسکا ایک قطرہ نہ پی سکو گے اور یوں ہی پیاسے مر جاؤ گے۔ امام حسینؓ نے دعا کی ''کہ اے اللہ! اس شخص کو پیاسا مار اور اس شخص کے گناہوں کو نہ بخش'' کہتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد عبداللہ ابن حصین بیمار رہا۔ بے حساب پانی پیتا اور قے کر دیتا۔ پھر پیتا اور غرغر کر کے قے کر دیتا پھر پیتا اور سیر نہ ہوتا۔ اسی طرح ہوتے ہوئے وہ آخر میں مر گیا''

(تاریخ کامل ابن اثیر حصہ اول ص ۱۴۱۔۱۴۲؛ تاریخ طبری ج ۷ ص ۳۰۷)

تھا۔لہٰذا قائد کو اس امر پر آمادہ کرنا بہت مشکل تھا۔اسلئے کہ لوگ بخوبی جانتے تھے کہ حسینؑ کس خانوادہ رسالتؐ کے فرد ہیں۔نہیں چاہتے تھے کہ یزید کی محبت کی خاطر خون حسینؑ کے داغ پیشانیوں پر لگائیں۔ابن زیاد ان حالات سے باخبر ہوتے ہی امیر معاویہ کی پالیسی اپنانے پر اُتر آیا۔لہٰذا اپنے بھیانک اقدام کو عملی جامہ پہنانے کیلئے جامع کوفہ میں الصلوٰۃ جامعہ کا حکم دیدیا۔مسجد کھچا کھچ بھر گئی اور یہ صرف اس لئے کہ حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا تھا کہ حکم سے انحراف ان کا قتل ثابت ہوسکتا تھا۔آہ بھی کرتے تھے تو نت نئے مظالم کا شکار ہونا پڑتا تھا لوگ جانتے تھے کہ ان کا ہر ہر اقدام غلط اور اسلام سے ہٹا ہوا ہے۔لیکن سہاہٹ ہر سو چھائی تھی لہٰذا مسجد میں جمع ہوئے ،ابن زیاد نے کھڑے ہوکر تقریر شروع کی اور تقریر کے الفاظ یہ تھے۔

ایُّھا الناسُ اِنَّکم بلوتم آل ابی سفیان فوجد تموھم کما تُحبون و ھٰذا امیر المومنین یزید قد عرفتموہ حَسَن السیرۃِ محمود الطّریقۃِ محسناً الی الرّعَیۃِ یعطِی العطاءَ فی حقّہ قد اَمنتُ السُبُلُ علیٰ مھد و کذالک کان اُبوہ معاویۃُ فی عصِرہ وھٰذا ابنہُ یزید من بعدہٖ یکرم العباد ویُغنیھم بالاموال و یُکرّمُھم وقد زادکم فی ارزاقکم مِأ ئۃٌ وامرنی ان اُوفِرھَا علیکم واُخرِجَکُم الی حربِ عدوہِ الحسین فاستمعوا لہ واطیعوا.

اے لوگو! تم نے بارہا آل ابوسفیان کا امتحان کیا ہے۔جیسا تم چاہتے ہو ویسا ہی ان کو پایا ہے۔تم لوگوں کو بخوبی معلوم ہے کہ ان کا اپنے احباب کے ساتھ کس قسم کا رویہ رہ چکا ہے۔یزید کی حسن سیرت اور رعیت پروری کو بھی اچھی طرح سے جانتے ہو۔ان کا باپ معاویہ ایسا ہی رعیت پرور تھا۔یزید بھی اپنے باپ کے شانہ بشانہ ہے اور لوگوں سے بااعزاز واکرام پیش آتا ہے۔اپنی رعایا کو داد وعیش سے خوش رکھتا ہے۔میں انعامات اور عطیات کو تم لوگوں کے واسطے دوچند کردیتا ہوں۔صرف اس صورت میں کہ اگر تم لوگوں نے اسکے دشمن حسینؑ سے لڑنے میں ہچکچاہٹ اور سرتابی نہیں کی۔تم لوگوں کا فریضہ ہے کہ یزید کی اطاعت کرو تاکہ عطیات اور نوازشات کا استحقاق تم لوگوں میں پیدا ہوجائے[۱۵]۔

یکرمہ العباد اور **یغنیھم الاموال** صرف یزید پر ہی کیا منحصر ہے۔سابقہ ہی اس قسم کا پڑ چکا تھا کہ کسی نے سرتابی کرنے کی جرأت ہی نہیں کی۔ہم نے تو آج تک یہی رونا رویا تھا کہ بیت المال کا شدت سے غلط تصرف کیا گیا تو یار لوگ بُری طرح بگڑ گئے۔بیت المال تھا عام مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لئے۔بیت المال مسلمانوں کے مشترکہ حقوق کا ایک ناقابل تنسیخ جُز تھا۔اس میں چند گنے چنے افراد کے حصے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔لیکن کیا کریں امراء مومنین کی ستم ظریفی کا۔انہوں نے ان تمام احادیث کو نظر انداز کیا جو نبیؐ آخرزمان نے واضح طور پر ارشاد فرمائی تھیں۔بیت المال کی تمام دولت صرف ان افراد تک محدود ہوکر رہی جو اقتدار شاہی کے ہاتھوں کو مضبوط

کرنے میں ممدو معاون ثابت ہوئے۔ جنہوں نے خلیفہ وقت کے عشرت کدے میں اِن تمام رنگینیوں کو سمیٹ کے رکھ دیا کہ جن سے خلیفہ وقت کسی نادار، کسی غریب، کسی اپاہج، کسی کسمپرس، کسی ستم رسیدہ، کسی لولے لنگڑے، کسی مریض، کسی یتیم اور کسی دردر کی ٹھوکریں کھانے والے کی سسکیوں اور رنج و کرب کی چیخوں کو سننے سے منتشر ہوا۔ اب اگر یزید نے اس پر عمل کیا تو حیرانگی کی کونسی بات ہے۔ یزید تو تکمیلی پرزے کے مترادف تھا اس پر کام پہلے ہی سے شروع ہو چکا تھا۔

حوالہ جات

۱۔ The History of the Arabs,Philp K Hitty P. 196

۲۔ The History of the Arabs,Philp K. Hitty P. 197

۳۔ شرح ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۶۸

۴۔ استیعاب ج ۱ ص ۱۹۵؛ تاریخ ابن عساکر ج ۵ ص ۴۱۰

۵۔ طبری ج ۶ ص ۱۲

۶۔ تاریخ کامل ج ۵ ص ۱۹۱؛ عقد الغرید ج ۳ ص ۲؛ تاریخ ابن عساکر ج ۵ ص ۶۵۶

۷۔ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۹۴؛ تاریخ ابن عساکر ج ۵ ص ۴۰۹؛ مروج الذہب ج ۲ ص ۵۶؛ تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۹۲

۸۔ تاریخ ابن عساکر ج ۵ ص ۴۱۲؛ تاریخ الخلفاء، سیوطی ص ۱۳۱؛ اداخر سیوطی ص ۵۰

۹۔ ابن عساکر ج ۲ ص ۳۸۱؛ تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۵۲؛ تاریخ کامل ج ۲ ص ۲۱۰؛ تاریخ ابن کثیر ج ۸ ص ۱۳؛ محاضرت راغب ج ۳ ص ۲۱۴؛ النجوم للزاہرہ ج ۳ ص ۱۶۱؛ اخوذ از اموی دور خلافت ص ۳۴۱۔۳۴۶

۱۰۔ رجال، علامہ مامقانی ج ص ۲۶۳

۱۱۔ رجال کشتی ص ۵

۱۲۔ مصائب الشیعہ ج ۲ ص ۹۸۔۱۱۶

۱۳۔ مقتل خوارزمی ج ۱ ص ۲۳۹؛ ستارہ درخشان ج ۵ ص ۱۱۲

۱۴۔ مقتل الحسینؑ، خوارزمی ج ۱ ص ۲۳۹

۱۵۔ مقتل الخوارزمی ج ۱ ص ۲۴۲

فصل ۷

آغازِ سفر

انجانے منازل

منزل ذات عرق

جب امام حسینؑ ذات عرق میں پہنچے تو عراق سے ایک آدمی آ رہا تھا جس کا نام بشیر ابن غالب اسدی تھا۔ اس نے جناب امام حسینؑ سے ملاقات کی۔ آپ نے اس سے پوچھا: بشیر! عراق کا کیا حال ہے؟ اس نے عرض کیا عراق والوں کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں لیکن انکی تلواریں بنوامیہ کی طرف۔ حضرت نے اصحاب کی طرف رُخ انور فرما کر ارشاد فرمایا۔ یہ مرد اسدی سچ کہتا ہے۔ ''**ان اللہ یفعل ما یشاء ویحکم مایرید** اللہ جو کچھ چاہتا ہے وہی کچھ کرتا ہے اور جسکا ارادہ کرتا ہے ایسا ہی حکم کرتا ہے''۔ اسکے بعد آپ یہاں سے چلے اور ظہر کے وقت منزل ثعلبیہ میں جا کر اُترے۔ تھکاوٹ دور کرنے کی خاطر آپ نے آرام فرمایا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب آنکھ کھلی تو فرمایا کہ اس وقت میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ہاتف غیبی مجھ سے کہتا ہے کہ آپؑ جانے میں جلدی کرتے ہیں۔ اور موت بسرعت آپکی طرف آ رہی ہے۔ یہ سن کر جناب علیؑ اکبر نے عرض کیا۔ **یاابتِ! السنا علی الحق** ؟ کیا ہم حق پرنہیں ہیں۔ آپؑ نے فرمایا بیشک ہم حق وصداقت کی راہوں پر گامزن ہیں۔ حسینؑ کے حق پسندانہ ولولے کو سنکر بیٹے نے عرض کیا۔ ''**یا ابتِ اذاً لا نبالی بالموت** بابا اگر ایسا ہے تو مرنے اور قتل ہونے کی پھر پروا کیسی۔''[1]

رات بھر آپؑ نے اسی منزل پر قیام فرمایا۔ صبح ہوتے ہی کوفہ سے ایک شخص بنام ابوہرہ آپ کی خدمت اقدس میں آیا۔ اس نے عرض کیا۔ یابن رسول اللہؐ آپ نے حرم خدا اور حرم محمدؐ رسول اللہؐ کو کیوں خیر باد فرمایا جب کہ آپ کو ایسا ہرگز ہرگز نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس پر آپؑ نے اسکو جواب دیا، ''**ویحک یا اباھرۃ ان بنی امیّہ اخذوا مالی فصبرتُ وشتموا عرضی فصبرتُ وطلبوا دمی فخرجت** ۔ اے ابا ہرہ! بنی اُمیہ نے میرا مال چھینا میں نے صبر کیا۔ میری عزت وآبرو کی ہتک کی میں نے صبر کیا۔ جب میرے خون کے درپے ہوئے تو میں نکل پڑا۔''[2]

اسکے بعد آپؑ نے اس سے فرمایا۔ میرے قتل کے بعد رب العزت ایک ایسے شخص[☆] کو ان پر مسلط کرے گا جو انہیں چن چن کر قتل کرے گا۔ صاعقہ کی طرح ان پر ٹوٹ پڑے گا۔ یہ الامان الامان اس وقت ضرور مانگیں گے۔ لیکن زمین کی تنابیں اتنی سمٹی ہوئی ہونگی کہ ان کو کوئی پناہ دینے یا حفظ وامن میں لینے پر تیار نہ ہوگا''۔

☆ غالباً حسینؑ کا اشارہ مختار ابن عبیدہ ثقفی کی طرف رہا ہوگا۔

یہی وہ مقام ہے کہ جہاں طرماح ابن حکیم نے آپ سے مشفقانہ طور پر عرض کیا تھا کہ مولاؑ آپ کوہ اجار (کہ جوایک بلند پہاڑ ہے طرماح اسی جگہ کا رہنے والا تھا) پر تشریف لے آئیں۔ میری قوم آپؑ کی نصرت ویاری کرنا اپنا فریضہ تسلیم کرے گی۔ بخدا یہ وہ مقام ہے کہ جہاں ہمیشہ ہم نے دشمن کے دانت کھٹے کیے ہیں۔لیکن آپؑ نے اس سے فرمایا، نہیں طرماح! میں نے اہل کوفہ سے آنے کا وعدہ کیا ہے۔ میں حجت خدا ہوں۔ وعدہ کر کے پھرا نہیں جاسکتا ہے۔ مجھے صرف اور صرف اصلاح کے لئے جانا ہے۔ اگر اہل کوفہ غداری پر اُتر آئیں تو میں یقیناً شہادت کے درجے پر فائز ہو جاؤں گا۔

طرماح چونکہ اپنے عیال کیلئے غلہ لے رہا تھا، لٰہذا یہ اپنے گھر کی جانب روانہ ہوا۔ واپس جب پلٹ آیا تو راستے میں سماعہ ابن زید سے ملاقات ہوئی۔ طرماح نے اس سے پوچھا۔ کہو کیا خبر ہے۔؟ سماعہ نے گلوگلیر آواز میں کہا۔ طرماح! حسینؑ ابن علیؑ شہید کر دیئے گئے ہیں۔

مورخوں میں اختلاف ہے کہ جناب علی اکبرؑ کا مکالمہ اور ابا ہرہ کا اس منزل پر ملنا صحیح ہے یا نہیں۔ کچھ تو کہتے ہیں کہ حسینؑ کے ساتھ علی اکبرؑ کی بہادرانہ گفتگو مقام ''عذیب'' پر ہوئی ہے۔ ابا ہرہ مقام ہمبیہ میں آپ سے ملے تھے۔ لیکن علی اکبر کی گفتگو اور ابا ہرہ کو خطاب کرنے کا تذکرہ ہر مقاتل اور سیر وتواریخ میں موجود ہے۔

منزل قادسیہ

اللّٰہیت اور عشق حبیب میں سرشار یہ قافلہ جب آگے بڑھا تو گرمی کی شدت اور لق ودق ریگستانوں کی وسعتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے سردار قافلہ نے اس مختصر سے قافلے کو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ یوں تو حسینؑ کے اس اقدام سے یزیدی حکومت بے انتہا خائف ہو چکی تھی۔ پھر بھی یزید نے کوفہ کے گورنر کو فوراً نئے احکام صادر کیے کہ حسینؑ کے جزرومد پر کڑی نگرانی رکھی جائے۔ اس لیے کہ وہ کوفہ کی جانب تیزی کے ساتھ بڑھ رہے ہیں۔ عبیداللہ ابن زیاد نے ایک ہراول دستہ حصین ابن نمیر کی سرکردگی میں حسینؑ کی طرف بھیجا۔ حصین ابن نمیر نے قادسیہ سے قطقطانیہ تک ناکہ بندی کر دی۔ یہی وہ راستہ تھا کہ جہاں سے حسینؑ کا گذر ہوسکتا تھا۔ اب دو ہی صورتیں حسینؑ کے سامنے تھیں۔ یا اُس بے آب وگیاہ صحرا کی طرف سے نکل آئیں کہ جہاں زیست کی تمام شمعیں ٹمٹما کے رہ جاتیں یا وہی راستہ اپنایا جائے کہ جہاں سے لشکر یزید دیوار کی طرح کھڑا تھا۔ اس صورت میں ممکن تھا کہ لڑائی کی ابتداء ہو جائے۔

محمود احمد کا یہ کہنا کہ ''پسران مسلم جوش انتقام سے مغلوب ہو رہے تھے۔ لٰہذا انہوں نے جنگ کی ابتداء کی'' کتنا احمقانہ خیال ہے۔ ابن زیاد کا رویہ ہی واضح کر دیتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح سے اپنے امیر کے حکم کو عملی جامہ پہنانا چاہتا ہے۔ ہراول دستہ حسینؑ نے نہیں، ابن زیاد نے بھیجا ہے۔ دنیائے سیاست کے ماہرین سے سوال کرو کہ ابتدائے جنگ کون کر رہا ہے۔ ابھی تو رزمگاہ کربلا بہت دور ہے۔ مولانا! ہم سے سنئے۔ ابن زیاد کا بس چلتا تو حسینؑ

کو مدینہ میں ہی شہید کروا دیتا۔ کربلا کی نوبت ہی نہ آنے دیتا۔ یہ تو محمد رسولؐ اللہ کے احادیث اور حسینؑ کے بہترین تدبر کا ایک آدھ کرشمہ تھا کہ اتنی اشتعال انگیزی کے باوجود بھی حسینؑ خاموشی سے منازل پر منازل طے کرتے رہے۔ ان کی اس معاندانہ روش کو نظر انداز فرماتے چلے گئے۔ ورنہ حصین ابن نمیر کیا خود تمام امراء بنی اُمیہ بھی اگر آجاتے تو قادسیہ کے میدان ان تمام شاطروں کے خون سے لالہ زار ہوجاتے۔ مگر واہ رے حسینؑ کہ آپؑ راضـــی بــرضــا وتسـلیـماً لامرہ پر ہی کاربند رہے۔ اور ایسا کردار ادا فرمایا کہ حصین ابن نمیر کو ایسی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آئی کہ جس سے یہ جنگ کا آغاز کرتا۔

سفاک قاضی

اس منزل پر پہنچ کر آپؑ نے اپنے رضاعی بھائی کہ جس کا نام عبداللہ ابن یقطر☆ تھا کو قاصد بنا کر کوفہ روانہ فرما دیا۔ جو خط حسینؑ نے اہل کوفہ کو ارسال فرمایا تھا وہ یہ ہے:

بسـم الله الرحمن الرحيم من الحسين بن علی الی اخوانہٖ المومنين والمُسلمين سلامٌ عـليـكـم فـانـی احـمـد اليـكم الله الذی لا اِلٰه الا هو امّا بعد فان كتاب مسلم بن عقيل جائنی يُـخبرفيه بحُسن رأيكم و اجماع ملأكم علیٰ نصرنا والطلب بحقنا فسئلت ُالله ان يحسن لنا الـصـنـع وان يـصيبكم علیٰ ذالک اعظم الاجر وقد شخصت اليكم من مكه يوم الثلث لثمانٍ مـضَيـنَ مـن ذی الـحجَّة يوم الترويه فاذا قدم عليكم رسول فانكمشوا فی امركم و جدُّوا فانیّ قاصد اليكم فی ايّامی هٰذہٖ والسلامُ عليكم ورحمة الله و بركاته۔

حسینؑ ابن علی ابن ابی طالب (علیہم السلام) کی طرف سے مومنین ومسلمان بھائیوں کے نام۔ میں اُس اللہ کی حمد کرتا ہوں کہ جو لاشریک ہے۔ امابعد! مسلم ابن عقیل کا خط مجھے ملا۔ لوگوں نے میری حمایت اور نصرت حق پر اجماع کیا ہے۔ پس میں رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے احسان کو ہم پر تمام کرے، اور تم لوگوں کو حُسن نیت اور کردار کی نیکی کی وجہ سے جزائے خیر عطا کرے۔ آگاہ ہوجاؤ کہ میں بروز منگلوار آٹھویں ذی الحجہ یوم ترویہ کو مکہ معظّمہ سے تم لوگوں کی طرف نکلا ہوں۔ جونہی میرا قاصد تمہارے پاس پہنچے تو نصرت حق پر کمر باندھ لو اور میری حمایت میں کمربستہ رہو۔ میں عنقریب آرہا ہوں والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

عبداللہ یہ خط لیکر جونہی جانب کوفہ روانہ ہوا تو حصین بن نمیر کے پھیلے ہوئے چار ہزار لشکر کی کڑی نگرانی کی وجہ سے پکڑے گئے۔ حصین ابن نمیر نے عبداللہ کو گرفتار کر کے گورنر کوفہ کے پاس بھیج دیا۔ عبداللہ نے راستے میں ہی خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے تا کہ ابن زیاد، حسینؑ کے اقدام سے باخبر نہ ہو اور جن حضرات کے پاس یہ خط لے جانا

☆عبداللہ بن یقطر کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض تواریخ نے قیس ابن مسہر صیداوی کا نام لیا ہے۔ ہم دونوں کی شہادتوں کے نشیب وفراز نقل کریں گے۔!

تھا وہ بھی بچ سکیں۔ یقیناً عبداللہ ابن یقطر کا اقدام کمال تقرب اہلبیتؑ کی صحیح صحیح نشاندہی کرتا ہے۔ احتمال تھا کہ اگر خط ابن زیاد کے ہاتھوں لگ جاتا۔ اس سے نہ صرف ان افراد کی گرفتاری اور قتل عمل میں آجاتی کہ جو کوفہ کے مکین تھے، بلکہ مزید کوئی ایسا اقدام کیا جاتا جس سے حسینؑ کے اولوالعزم مقاصد پر ٹھیس پڑ جاتی۔ عبداللہ ابن یقطر کا یہ انتہائی مدبرانہ قدم تھا کہ جس نے خط کو یکسر تلف کر دیا۔

عبداللہ بن یقطر کا نام چونکہ اکثر تواریخ نے بطور قاصد دنیا کے سامنے پیش کیا ہے لہٰذا ہم نے بھی ان کا ذکر کرنا ضروری سمجھا۔ حصین ابن نمیر کے آدمیوں نے اس مرد مجاہد کو گرفتار پابہ زنجیر کرکے ابن زیاد کے پاس لایا اور وہ تمام واقعہ دہرایا جو عبداللہ نے راستے میں انجام دیا تھا۔ ابن زیاد نے عبیداللہ سے کوفہ آنے کی وجہ دریافت کرنی چاہی لیکن عبداللہ نے ابن زیاد کی کسی بات کا جواب تک بھی نہیں دیا۔ عبیداللہ یہ سنکر غصے میں آیا اور حکم دیا کہ قصر کی چھت پر جا کر معاذ اللہ کذاب ابن کذاب پر (یعنی معاذ اللہ معاذ اللہ حسین ابن علیؑ پر) لعنت کرو۔ اگر تم نے میرا یہ حکم مانا تو اسکے بعد کوئی اور رائے تمہارے متعلق قائم کروں گا۔ یہ سنکر یہ مرد مجاہد قصر پر آیا اور لوگوں سے خطاب کیا، اے اہل کوفہ! مجھے حسینؑ نے تم لوگوں کی طرف قاصد بنا کے بھیج دیا ہے۔ تاکہ تم لوگ پسر مرجانہ کے مقابلے میں انکی نصرت و یاری کرو'۔ یہ سننا تھا کہ آپؑ کو قصر سے نیچے گرا دیا گیا۔ جسے آپ کی ہڈیاں چور چور ہوگئیں۔ کوفہ کا قاضی جسکا نام عبدالملک بن عمر لخمی تھا، چھری لیکر آیا اور آپ کو تڑپتے ہوئے سفاکانہ طریقے سے قتل کر دیا۔ اس پر لوگوں نے اس قاضی کو کافی ساری ملامت کی کہ اس طرح کیوں اسکو قتل کر دیا قاضی صاحب نے جواب دیا، اس طرح تو اس نے تکلیف سے نجات پائی[۳۱]۔

مقام حاجز

حسینؑ جب منزل حاجز سے کوفہ کی جانب روانہ ہونے لگے تو ایک پانی کے چشمہ پر ایک خیمہ نظر آیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ عبداللہ ابن مطیع کا خیمہ ہے۔ عبداللہ کو جب حسینؑ کی آمد کا علم ہوا تو خیمہ سے دیوانہ وار نکلا اور شرف قدمبوسی حاصل کیا اور عرض کیا۔ میرے سید و سردار! آپ اس منزل کی طرف کیوں تشریف لے جا رہے ہیں (یعنی کوفہ)؟ آپ نے فرمایا اے عبداللہ ابن مطیع! مجھے انہوں نے مسلسل خطوط لکھ کر دعوت اس امر کی دی ہے کہ میں انکو جہالت اور ظلمت کے اندھیروں سے نکال کر راہ حق پر گامزن کروں۔ یہ سن کر عبداللہ نے بصد ادب عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہوجائیں! یا بن رسول اللہ! آپ حرمت اسلام، حرمت قریش اور حرمت عرب ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ حرمت آپ کے قتل کے بعد ضائع ہوجائے گی۔ بخدا اگر آپ مملکت بنوامیہ کا ارادہ فرما دیں گے تو یہ آپ کے قتل سے بھی دریغ نہیں کریں گے، اور آپؑ کے قتل کے بعد یہ ہر اُس مسلمان کو قتل کرنا اپنا دھرم سمجھیں گے کہ جس پر ذرا سا بھی شائبہ ہوگا۔ امام حسینؑ نے اسکی تمام باتوں کو نظر انداز فرمایا اور جس جانب ارادہ

فرمایا تھا بدستور قائم رکھا۔

زہیر ابن قین بجلیؓ

قبیلہ خزارہ اور بجلا سے روایت کی گئی ہے کہ جب مکہ معظّمہ سے یہ قبیلے پلٹے تو زہیر ابن قین کی رفاقت میں اپنی منزل کی طرف گامزن تھے۔ راستے میں امام حسینؑ کا قافلہ بھی ہمارا ہمقدم تھا۔ ہم کمال احتیاط سے اُس منزل پر اُترتے تھے کہ جہاں سے حسینؑ کا قافلہ دور ہوتا تھا۔ ہم یہ صرف اس لیے کرتے تھے تاکہ کسی کو یہ پتہ نہ چلے کہ یہ قافلہ بھی حسینؑ کی حمایت میں جا رہا ہے اور یقیناً خزارہ اور بجلا بھی نہیں چاہتے تھے کہ ہم بھی قافلے میں شامل ہو جائیں۔ مگر منازل پر منازل طے کرنے کے بعد ایک منزل ایسی آ گئی کہ جہاں مجبوراً ایک ہی جگہ قیام پذیر ہونا پڑا۔ حسینؑ نے اپنے قاصد کو انکی طرف بھیجا۔ جونہی قاصد انکے پاس پہنچا تو ان کو نوالے چھوٹ گئے۔ حیران و پریشان ہوئے کہ کیا کیا جائے۔ قاصد نے کہا ''**یا زهير بن القين ان ابا عبدالله الحسين بعثني اليك** اے زہیر مجھے حسینؑ نے تیری طرف (بطور قاصد) بھیجا ہے۔ **لتأتيه فطرح كل انسان مناما في يده حتى كان علىٰ رؤوسنا الطير.**'' وہ تجھے (یعنی حسینؑ) بلاتے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ لوگوں کے منہ سے نوالے گر گئے اور اس قدر سراسیمگی (ان میں) چھائی گویا (ان کے) سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ لبوں پر لہر سکوت طاری ہوا۔ یہ دیکھ کر زہیر کی نیک سیرت بیوی جو کہ دیلم بنت عمرو تھی، نے برجستہ کہا۔ **سبحان الله يبعثك اليك ابن رسول الله۔** تجھے ابن رسولؐ بلاتا ہے اور تو کشش و پیچ میں مبتلا ہے۔ جاؤ! دیکھو کیوں بلایا ہے۔ جانے میں حرج ہی کیا ہے۔ یہ سن کر زہیر اُٹھے اور مولائے دو جہاں کی خدمت اقدس میں پہنچے۔ جب زہیر اپنے خیمہ میں واپس پلٹ آئے تو ان کی مرجھائے ہوئے چہرے پر بہار کی شادابی آئی تھی۔ ان کی ڈوبتی ہوئی دھڑکنوں میں نئے عزائم اور نئے حوصلے جنم لے چکے تھے۔ آتے ہی کہا۔ ہمارا خیمہ یہاں سے اُکھاڑ کر ابن رسولؐ کے خیمے کے پاس نصب کیا جائے۔ بیوی سے کہا۔ تمہیں میں آزاد کرتا ہوں۔ تمہارا حق مہر تمہارے چچازاد بھائیوں کو دے رہا ہوں۔ یہ سننا تھا کہ دیلم نے بصد ادب عرض کیا کہ آپ نے تو راہ حق پر اپنی زندگی کے بقیہ ایام گذارنے کا عہد کیا ہے۔ لیکن بروز قیامت مجھے نہ بھولیے گا۔ اسکے بعد زہیر نے اپنے رفقاء سے خطاب کیا، جو شخص میرے ساتھ آنا چاہتا ہو وہ آ جائے۔ حق و صداقت کے حصول میں قید و بند کی صعوبتیں حائل نہیں ہو سکتی ہیں اور جس کو میرا فیصلہ منظور نہ ہو وہ بخوشی مجھ سے الگ ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ مجھ کو ایک گذشتہ واقعہ یاد آیا، تم بھی سن لو۔ ایک دفعہ ہم محمد رسولؐ اللہ کے زمانے میں بعض نواحی دریا پر جنگ میں شریک تھے۔ ہم نے کفار کو عبرت ناک شکست دیدی۔ ہمارے ہاتھ بہت سا مالِ غنیمت آیا۔ مجھ سے اُس وقت سلمان فارسیؓ نے کہا ''زہیر! آج تمہاری مسرتوں کی انتہا نہ رہی۔ لیکن اس سے زیادہ مسرتیں اس وقت تمہیں ملیں گی کہ جب تم فرزند رسول حسینؑ ابن علیؑ کے زیرِ سایہ رہ کر جہاد کرو گے۔ آج کی تمام تر خوشیاں اُس دن کی خوشیوں کے سامنے کچھ بھی

نہیں ہیں'' لہٰذا اب میں نے مصمم عہد کرلیا ہے۔ کہ میں ابن علیؑ کا ساتھ دیدوں گا۔ اسکے بعد زہیر اُس سعادت کی طرف چلے آیے جس نے ان کو ابدی راحتوں سے مالا مال کیا[۴]۔

مقام خزیمہ

غرض حسینؑ اس منزل سے بھی آگے بڑھے اور مقام خزیمہ پر اُترے۔ یہاں آپؑ نے مکمل ۲۴ گھنٹے قیام فرمایا۔ اگلی صبح آپ کی بہن جناب زینبؑ آپکی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ جناب زینبؑ کے چہرے پر حزن و ملال کی موٹی موٹی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ سہاہٹ اور گھبراہٹ چہرۂ اقدس سے نمایاں ہورہا تھا۔ حسینؑ بہن کی یہ حالت دیکھ کر تڑپ اُٹھے۔ آگے بڑھ کے فرمایا۔ زینبؑ! کیا بات ہے۔؟ یہ تمہاری آنکھوں سے غم کے گہرے بادلوں کی آمیزش کیسی ہے......؟ زینبؑ کی نگاہیں چھلک اُٹھیں اور عرض کیا۔ میرے ماںجائے بھائی! رات کے وقت میری آنکھ کھلی۔ خیمہ سے باہر نکل آئی۔ دور سے کوئی نہایت ہی کرب انگیز اور درد بھرے الفاظ میں چند اشعار پڑھ رہا تھا۔ حسینؑ نے فرمایا۔ ذرا میں بھی تو سنوں......! زینبؑ نے عرض کیا بھیا! کوئی کہہ رہا تھا ؎

الا یا عین ! فاحتلفی بجھدٍ — ومن یبکی علی الشھداءِ بعدیٖ؟

علیٰ قوید تسوقھم المنایا — بمقدارٍ الیٰ اِنجازِ وعدٍ

اے آنکھ جتنا تجھ سے ہوسکے اتنا آنسو بہاتی جا کیونکہ ان کی شہادت کے بعد ان پر کون روئے گا۔ یعنی ان کی خاطر کون آنسو کو نذرانۂ عقیدت کے طور پر پیش کرے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو موت ان کی وعدہ گاہ کی طرف لیے جارہی ہے۔ (یعنی شہادت گاہ کربلا پر حسینؑ اور انکے اقرباء و اعزاء کا جانا صرف اور صرف ایفائے وعدہ تھا)۔

یہ اشعار سن کر حسینؑ نے بہن سے فرمایا۔ **یا اُختاہ ! کلُّ الَّذِی قُضِی فھو کائنٌ** اے بہن جو ہونا ہے وہ ہوکر رہے گا۔'' بہن یہ سُن کر خاموش تو ہوئی لیکن کوئی اب زینبؑ سے پوچھے۔ یا زینبؑ! کیا یہ حق وصداقت کی قربان گاہ پر نہیں ہوا کہ آپ نے بھائی پر رونا چاہا لیکن آپؑ کو رونے نہیں دیا گیا''[۵]

منزل زرود

عبداللہ ابن سلیمان اور منذر بن اسمٰعیل سے روایت کی گئی ہے یہ کہتے ہیں کہ حج سے فراغت پانے کے بعد ہم نے قطعی ارادہ کرلیا۔ کہ کچھ بھی ہو ہم امام حسینؑ کے قافلے کے ساتھ شرکت کریں گے۔ ارادہ کرکے ہم تیزی کے ساتھ پلٹ آئے اور مقام زرود پر حضرتؑ سے ملے۔ اسی اثنا میں دیکھا کہ ایک آدمی کوفہ کی جانب سے تیزی کے ساتھ آرہا ہے۔ جب اِس نے حسینؑ اور آپؑ کے قافلے کو دیکھا تو اپنا راستہ تبدیل کرکے دوسری طرف نکلا۔ عبداللہ اور منذر کہتے ہیں کہ ہم تیزی کے ساتھ آگے بڑھے اور اسکا راستہ روک کر کھڑے ہوئے۔ جب یہ قریب پہنچا تو ہم

نے سوال کیا؟

عبداللہ! ''تم کون ہو......!''

آنے والا! ''میں قبیلہ بنی اسد سے تعلق رکھتا ہوں......!''

عبداللہ! ''تمہارا نام......؟''

آنے والا ''میرا نام بکر ہے......!''

عبداللہ!''ہم بھی قبیلہ بنی اسد سے تعلق رکھتے ہیں!'' لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم کہاں سے آ رہے ہو......؟''

کہدیا ''کوفہ سے......!''

عبداللہ! ''کوفہ کے حالات کیسے ہیں......!''

بکر! صرف اتنا جانتا ہوں کہ جب کوفہ سے نکلا تھا تو حضرت مسلم اور ہانی بن عروہ کو نہایت بے دردی سے قتل ہوتے دیکھا......!'' صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے پاؤں میں رسیاں باندھ کر ان کے جنازوں کو بازاروں اور کوچوں میں پھرایا جاتا تھا۔

دونوں صاحب (عبداللہ اور منذر) آبدیدہ ہوئے اور اس سے رخصت لیکر امام حسینؑ کی خدمت میں آئے۔ آپؑ کے ہمرکاب چلتے رہے یہاں تک کہ آپ نے منزل ثعلبیہ میں نزول اجلال فرمایا۔ ہم نے دلوں پر پتھر رکھ کر حسینؑ سے بکر کی خبر سانحہ کا تذکرہ کرنا چاہا اور عرض کیا۔ مولا! اگر گستاخی نہ ہو۔ تو ہم آپؑ سے تخلیہ میں کچھ عرض کریں گے۔ نہیں تو یہیں پر کچھ عرض کیا جا سکے۔ حسینؑ نے اپنے اصحاب کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ ہم نے آج تک کبھی بھی ان کے بغیر گفتگو نہیں کی ہے اور نہ ہی ان سے کوئی بات پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو......! دونوں نے بصد ادب عرض کیا۔ ''مولا! آپ نے اُس سوار کو تو ملاحظہ فرمایا ہے۔ نا۔ آپؑ نے فرمایا ''ہاں ہاں کیا بات ہے''۔ مولا! اس نے کوفہ کی سنسنی خیز خبر سنائی کہ مسلم اور ہانی نہایت ہی بے رحمانہ طریقے سے قتل کر دیئے گئے۔ ان کے پیروں میں رسیاں باندھ کر ہر بازار میں پھیرایا گیا۔ یہ خبر جب حسینؑ نے سُنی تو نہایت غمگین ہوئے اور آپؑ کی زبان سے بے اختیار نکلا **انا للہ و انا الیہ راجعون**۔ عبداللہ اور منذر نے عرض کیا۔ مولا! آپؑ یہیں سے واپس پلٹ جائیں۔ کوفہ پورے کا پورا غدار بن چکا ہے۔ وہاں نہ جایئے، مبادا آپؑ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ لیکن حسینؑ نے انکو جزائے خیر کی دعا کے بغیر اور کوئی جواب نہیں دیا۔ اسکے بعد آپؑ جناب مسلم کی دختر کے پاس تشریف لائے۔ اسکی عمر شریف بقول صاحب عیون العبر ۱۱ سال تھی اور بقول صاحب تاریخ اعثم تقریباً ۱۲ سال تھی۔ اسکو گود میں اُٹھایا، اسے پیار کرنے لگے۔ سر پر ہاتھ پھیرتے رہے۔ جناب مسلم کی بیٹی نے معصومانہ انداز میں عرض کیا۔ بابا جان! کیا بات ہے آج آپ اُسی طرح میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں جیسا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے۔ حضرت حسینؑ

کی آنکھوں سے اس معصوم بچی کی گفتگو سے آنسو بہہ نکلے۔خیام میں کہرام بر پا ہوا۔آپؑ نے اسکو دلاسہ دیتے ہوئے فرمایا۔میری اچھی بچی! آج سے میں تمہارا مشفق ومہربان باپ ہوں۔

غرض جناب حسینؑ حضرت مسلم کی شہادت پر نہایت رنجیدہ ہوئے اور اس بچی سے زیادہ زیادہ والہانہ پیار کرنے لگے[۶]۔

منزل زبالہ

آنسو میں بھیگی ہوئی نگاہیں سردار قافلہ کے حکم کی منتظر ہیں ،حکم ملا۔خیام کو اُکھاڑ کے قدم آگے بڑھائے جائیں۔قافلے میں اب کیا مجال کہ ذرہ برابر سرتابی کرے،فوراً حکم مانا گیا۔آپؑ آگے بڑھے۔اب کیا ہے۔موت آغوش کھولے ہوئے ہے اور یہ قافلہ،نہایت حوصلہ مندی اور جوانمردی سے بڑھتا جارہا ہے۔راستے میں وقت کے بہترین شاعر فرزدق☆ حسینؑ سے ملاقات کرتے ہیں۔اس وقت فرزدق مکہ کی زیارت سے فارغ ہوکر کوفہ کی جانب آرہے تھے۔اس نے عرض کیا!''یابن رسول اللہؐ! آپ کوفہ کے لوگوں کو کیوں معتمد اور قابل بھروسہ خیال فرماتے ہیں حالانکہ آپؑ بخوبی جانتے ہیں کہ انہوں نے آپؑ کے چچازاد بھائی جناب مسلم اور ان کے ماننے والوں کو قتل کردیا'' حسینؑ کے سامنے جب دوبارہ مسلم کی شہادت کا ذکر آیا تو آپؑ کی آنکھوں سے بےاختیار آنسو نکل آئے اور آپؑ نے فرمایا۔

رَحِمَ الله مُسْلماً فَلَقد صٰار اِلی روحِ الله ِو ریحانِہٖ و تحیتّہٖ و رضوانہ اَما اِنَّهُ قد قضیٰ ما عَلَیْہِ و بقِیَ ما عَلَینا۔

''خدا مسلم پر رحم کرے۔وہ فردوس بریں میں رحمت ورضوان الٰہی اور نعمت ابدی پر فائز ہوئے۔جو کچھ ان پر لازم تھا ادا کیا اور جو کچھ ہمارے ذمہ ہے۔وہ ہم ضرور کریں گے''

اسکے بعد امام حسینؑ نے اس شاعر جلیل کے سامنے چند اشعار پڑھے،ملاحظہ ہو۔

فَاِن تَکُن الدُّنیا تُعِدّ نَفیسَةً ۔۔۔ فِدارُثواب الله اعلیٰ وَاَبنَلُ
وَ اِن تَکُنِ الابدان اللموتِ اُنشئتُ ۔۔۔ فَقَتُلُ اُمرءٍ بالسیّف فی الله اَفضلُ
وَاِن تکن الارزاقُ قسمًا مُقدَّراً ۔۔۔ فَقِلَّةُ حِرُص المرءِ فی الرّزق اَجْمَلُ
و اِنُ تکن الاموال للترک جمعها ما ۔۔۔ فما بال متروکٍ بہ العُرُّیَبُخَل

ا۔اگر دنیا کو عیش وعشرت کی جگہ سمجھا جاتا ہے تو ثواب کا گھر (یعنی آخرت کا گھر) اس سے بہتر اور افضل ہے۔

☆فرزدق کا اصل نام ہمام بن غالب اور اسکی کنیت ابوفراس تھی۔کہا جاتا ہے کہ اسلام میں فرزدق۔جریر اور اخطل جیسے شاعر نہیں تھے۔اور یہ بھی کہا جاتا ہے۔کہ **لولا شعر العرزدق لذھب ثلث لفة العرب**۔اگر فرزدق کے اشعار نہ ہوتے تو لغت عرب کا ثلث یعنی تیسرا حصہ ہی ختم ہوا ہوتا۔یہی وہ شاعر جلیل ہیں کہ جس نے ہشام ابن عبدالملک کے زمانے میں اس طرح سید الساجدینؑ کا تعارف ہشام سے کروایا کہ ہشام نے ایک تو اسکا وظیفہ بند کردیا دوسرا اسکو عسفان میں محبوس کروایا۔(تحفۃ الاحباب ص۲۶۴۔۲۶۵)

۲۔اگرابنائے آدم موت کے لئے ہی خلق کیے گئے ہیں تو راہ خدا میں تلوار سے مرنا زیادہ بہتر ہے۔
۳۔اگر رزق کو تقسیم کیا جا چکا ہے تو پھر رزق کے حصول میں حرص کرنا کیا معنی رکھتا ہے، یعنی اگر کم ہی کیوں نہ ملے۔
۴۔اگر اموال دنیا صرف چھوڑنے ہی کے خاطر دیئے جاتے ہیں تو چھوٹ جانے والی چیز پر بخل کیوں کیا جائے۔ [۶]

اسی منزل میں آپکو عبداللہ ابن یقطر کی شہادت کی خبر ملی۔آپؑ یہ خبر سن کراز حد رنجیدہ ہوگئے۔آپ اپنے اصحاب کے پاس تشریف لے آئے اور بلند آواز سے فرمایا۔

بسم الله الرحمن الرحیم: امّا بعد فقد اتانا خبرٌ فظیع "قتل مسلم ابن عقیل و هانی ابن عروه و عبدالله بن یقطر و قد خذلنا شیعتُنا فمن احبَّ منکم الانصراف فلینصرف فی غیر حرج ولیس علیه زمام"

امابعد مجھے ایک غمناک خبر ملی ہے کہ مسلم بن عقیل، ہانی ابن عروہ اور عبداللہ بن یقطر نے درجۂ شہادت پالیا ہے۔اور ہمارا ساتھ ہمارے مددگاروں نے چھوڑ دیا۔پس جو مجھ سے الگ ہوجانا چاہتا ہے وہ چلا جاسکتا ہے۔"

یہ سننا تھا کہ لوگ یکے بعد دیگرے آپ سے الگ ہونے شروع ہوگئے۔صرف وہی باقی رہے جو آپؑ کو صرف اور صرف دنیا وعقبٰی کا امام اور شافع محشر تسلیم کیے ہوئے تھے۔اور آپکے ایک آدھ اشارے پر اپنی جانوں کی بازی لگانا سعادت سمجھتے تھے۔جو آپ کے ساتھ صرف درجہ شہادت پر فائز ہوجانا چاہتے تھے۔جن کے سامنے دنیا وآخرت کی تمام تر مسرتیں صرف آپکے ساتھ رہنے سے مل سکتی تھیں،اور وہ لوگ جو صرف حکومت، اقتدار اور حرص وطمع کی خاطر آپ کا ساتھ دے رہے تھے، آپ سے الگ ہوئے۔اس لیے کہ ان کو معلوم تھا کہ حسینؑ کوفہ کے وسیع و عریض سبزہ زار میں حاکم بننے کے لئے جارہے ہیں ، اور اگر حکومت حاصل ہوئی تو ہمیں بھی نظر انداز نہیں کریں گے۔لیکن حسینؑ کی صاف گوئی اور دوررس بصیرت ہمہ وقت ان کو یہ بتاتی رہی کہ دیکھو" میں اقتدار کے حصول کے لئے نہیں جارہا ہوں۔اگر جارہا ہوں تو صرف شہادت کی خاطر"

منزل عقبہ

یہاں سے حسینؑ اب ان بچے کچھے ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھے۔آپ نے ان کو حکم دیا تھا کہ چھاگلیں بھری جائیں۔پانی وافر مقدار میں ساتھ لیا جائے۔خوفناک ریگستانوں کی خاک چھانتے ہوئے یہ قافلہ منزل عقبہ پر اُترا یہاں ایک آدمی بنی عکرمہ کے قبیلے سے آپ کی خدمت میں آیا۔اس کا نام عمرو بن یوزان تھا۔اس نے آتے ہی عرض کیا۔

عمرو بن یوزان......! ''مولا! آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں''؟

حسین ابن علیؑ......! ''کوفہ......!''

عمرو بن یوزان......! ''آپ کو خدا کی قسم ہے کہ آپ واپس جائیں''

حسین ابن علیؑ......! ''لیکن کیوں......!''

عمرو بن یوزان......! ''یا حضرت! آپ اُس طرف جا رہے ہیں جہاں آپکی ملاقات تیروں کے پھلوں اور زہر میں ڈوبی ہوئی تلواروں سے کی ہوگی''۔

حسین ابن علیؑ......! ''لیکن انہوں نے تو مجھے دعوت اصلاح دی ہے......!''

عمرو بن یوزان......! ''یا حضرت! وہ جماعت اصلاح کی طالب نہیں ہے۔ اگر وہ مدد آپ کی کریں گے بھی لیکن موجودہ حالات ناسازگار ہیں۔ لہٰذا آپؑ ان کی طرف جانے کا ارادہ ملتوی فرما دیجئے......!''

حسین ابن علیؑ......! ''اے شیخ! جو خبر تو مجھے سنا رہا ہے وہ مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے......!''

عمرو بن یوزان......! ''تو پھر کیوں جا رہے ہیں......!''

حسین ابن علیؑ......! ''حکم خدا کی اطاعت واجب ہے اور اس سے انحراف......! سُن اے شیخ! بخدا یہ (یعنی بنوامیہ) مجھ سے تب تک دستبردار نہیں ہونگے جب تک یہ نہ میرا خون بہائیں گے۔ اس کیلئے یہ جگہوں کا تعین نہیں کریں گے اور جب یہ مجھے شہید کریں گے تو اللہ کا بے پناہ غضب ولولے میں آئے گا اور اللہ ان پر ایک ایسے شخص (مختار) کو مسلط کرے گا جو ان کو زمین کے کسی گوشے میں بھی دم نہیں لینے دے گا[۸]۔

سوال کیا حسینؑ ضدی تھے......؟

''کیا ان تمام واقعات سے یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ حسینؑ (معاذ اللہ) ضدی تھے کبھی کسی کی نصیحت نہیں مانتے تھے......!؟

ضد اور ہٹ دھرمی کا سوال تب پیدا ہوسکتا تھا جب حسینؑ کے اس اقدام کا کوئی جواز احادیث نبویہؐ میں نہیں ہوتا۔ کیا آپ حسینؑ اور مشاور کو ایک ہی صف میں لا کر کھڑا کر سکتے ہیں۔ کتاب کے ابتدائی صفحوں پر ہم نے عبداللہ ابن زبیر، عبداللہ ابن عمر کا موقف نہایت واضح طریقے سے نقل کیا ہے۔ مشاور کا خاکہ بھی مدلل کھینچا ہے۔ سوال یہ ہے کہ حسینؑ ان تمام نصائح کو کیوں نظر انداز فرما رہے تھے؟ یا تو اصحاب کی نصائح کو حق بجانب تسلیم کرنا ہے یا حسینؑ کے اقدام کو صحیح ماننا ہے۔ حسینؑ صرف آگے بڑھنے پر مصر ہیں اور اصحاب روکنے پر۔ یہ اجتماع نقیضین ہے اور یہ علم منطق میں محال ہے۔ جب یہ صورت ہے نہیں تو پھر حسینؑ اور اصحاب کے مشورے کو کس طرح سنوارا جا سکے۔ اگلے باب میں چند احادیث ملاحظہ کیجئے تا کہ یہ حقیقت کھل کر سامنے آئے کہ حسینؑ نہ ہی ضدی تھے اور نہ ہی ہٹ دھرم۔

بلکہ جو کچھ بھی کیا جارہا تھا وہ صرف اپنے فرائض کی انجام دہی میں کیا جارہا تھا............

منزل قصہ مقاتل:

منزل عقبہ کے بعد آپؑ اور آپؑ کا قافلہ آگے بڑھا یہاں تک کہ آپؑ منزل قصہ مقاتل میں اُترے۔ یہاں پر عبداللہ حر خیمہ زن تھا۔ آپؑ نے حجاج بن مسروق کو اسکے پاس بھیجا۔ حجاج نے اسکو کہا کہ حسینؑ تجھے بلاتے ہیں۔

عبداللہ حر ''حسینؑ نے مجھے کیوں بلایا ہے؟''۔

حجاج: ''تا کہ تو ان کی نصرت کریگا۔ بشارت ہو تجھے جنت کا اعلیٰ اعزاز ملے گا......!''

عبداللہ حُر: ''اے حجاج! مجھے معلوم ہے کہ حسینؑ جنگ کی خاطر کوفہ تشریف لے جارہے ہیں۔ میں صرف وہاں سے اسلئے نکلا تا کہ وہاں رہ کر میں اسکے خلاف جنگ میں حصہ نہ لے لوں'' اے حُجاج اہل کوفہ نے دنیا کو خیر مقدم کر کے عقبیٰ کی مسرتوں سے انکار کر دیا ہے اور خاندان رسالتؐ کی محبت پر ابن زیاد کے عطیوں کو ترجیح دیدی ہے۔ لہٰذا میں ان لوگوں سے کنارہ کش ہوا اور گوشۂ گمنامی میں آ کر بیٹھا......!''

یہ سنکر حجاج بن مسروق واپس چلے آئے اور حسینؑ سے عبداللہ کی گفتگو نقل کی۔ حسینؑ نے فرمایا بہتر یہی ہے کہ میں بذات خود اس کے پاس جاؤں اور اُسے نصرت حق کی دعوت دیدوں۔ یہ کہہ کر آپؑ عبداللہ حُر کے پاس چلے آئے۔ عبداللہ نے کمال تعظیم سے آپ کا استقبال کیا اور آپؑ کو اپنی جگہ بٹھا کر خود کھڑا رہا۔ امام حسینؑ نے عبداللہ سے فرمایا۔ اے عبداللہ! تمہارے بزرگوں نے مجھے خطوط لکھے کہ میں انکی طرف چلا آؤں اور ان کو جادۂ حق کی طرف گامزن کروں اب مسلسل سنتا آیا ہوں کہ انہوں نے خطوط کی عبارات کو نظرانداز کیا ہے۔ اور اُس عہد و پیمان سے پھر گئے ہیں جو انہوں نے مجھ سے کیا تھا۔ راہ حق سے انحراف کر کے راہ باطل پر چلنے میں عافیت محسوس کی۔ اے عبداللہ! تو اچھی طرح جانتا ہے کہ ہر خیر و شر کی جزا ہے۔ آج میں تمہیں اس امر کی دعوت دے رہا ہوں کہ تو میری نصرت کرے۔ اگر تو لبیک کرے گا تو قیامت میں جناب محمد رسول اللہؐ کے سامنے سرخرو ہو جائے گا۔ یہ سنکر عبداللہ نے عرض کیا، یا حضرت! اس حقیقت سے کس کو مجالِ انکار ہے۔ لیکن یزیدی لشکر انگنت ہے۔ اسباب حرب و ضرب سے لیس ہے۔ وہ یقیناً آپ اور آپکے لشکر پر غلبہ کریں گے۔ اب اگر میں آپ کے لشکر کے ساتھ شامل ہو بھی جاؤں تو اِسے کیا فرق پڑسکتا ہے۔ لہٰذا مجھے معاف فرما دیا جائے۔ آپؑ میرا یہ گھوڑا اور یہ تلوار لے سکتے ہیں۔ لیکن مجھے آپؑ نظرانداز فرما دیجئے۔ یہ سنکر حسینؑ نے فرمایا۔ مجھے تمہارے گھوڑے اور تلوار کی ضرورت نہیں، اور نہ ہی میں نے اس واسطے تم سے ملاقات کی ہے۔ سنو عبداللہ! میں نے اپنے جد جناب محمد رسولؐ اللہ سے سنا ہے کہ جو میرے اہلبیتؑ کی فریاد سنکر ان کی نصرت سے باز رہے گا تو اللہ اسکو جہنم میں ڈال دے گا اور یہ فرما کر آپ نکل آئے اور یہ آیت آپ کی زبان مبارک پر تھی۔

وَما کنُت متَّخِذ المُضلِیّن عَضُداً

کہتے ہیں کہ عبداللہ اسکے بعد (بشارت کے بعد) کافی نادم ہوا۔لیکن اب ندامتِ شرمساری اسکی کیا کرتی۔ جب حق کا بلاوا تھا تو خاموش بیٹھا۔اس وقت نصرت حق سے باز رہا۔اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت[۹]۔

امام جعفرالصادقؑ سے روایت نقل کی گئی ہے کہ منزل عقبہ پر آپؑ نے خواب دیکھا۔جب اصحاب نے عرض کیا وہ کیا خواب ہے تو فرمایا ''**رایت کلاباً تنھشنی اشدھا علیّ کلب ابقع** ۔ایک سیاہ وسفید دھاروں والا کتا مجھے اگلے دانتوں سے کاٹتا ہے[۱۰]۔''

منزل عقبہ

اس سے پہلے بھی اسی نام کی منزل ذکر ہوئی۔ذرا غور کریں یہ اسکی تکرار ہے لیکن مختصر الفاظ میں۔

اللّٰہیت اور شمع رسالت پر پروانہ وار نثار ہونے کیلئے قافلہ آگے بڑھا۔واقعہ (ایک منزل ہے) سے گذر کر حسینؑ کے حکم سے منزل عقبہ پر خیمہ زن ہوگیا۔یہاں ایک آدمی کہ جسکا نام عمرو ابن یوزان تھا۔اور قبیلہ بنی عکرمہ کے شیوخ میں سے تھا۔آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا۔یابن رسول اللہؐ! آپ کو رب العزت کی قسم ہے کہ اس منزل سے آپ واپس پلٹ جائیں۔مجھے اللہ کی قسم ہے کہ آپ اُس طرف جارہے ہیں جہاں آپ کی ملاقات کے لیے تیروں کی سنسناہٹ، نیزوں کی چمکتی ہوئی انیاں اور تیز دھار تلواروں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔جس جماعت نے آپ کی خدمت میں قاصد بھیجے تھے وہ ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک آپ کی مخالف ہوچکی ہے۔یقیناً اگر وہ ایفائے عہد کرتے تو آپ کو وہاں جانا چاہیے تھا لیکن حرص وطمع کے گہرے بادلوں نے ان کی عقلی فضاؤں کو چھپادیا ہے۔یہ سنکر حسینؑ نے فرمایا۔ **یا عبداللہ لیس بخفی علی الرای ولکن اللہ تعالیٰ لا یغلب علیٰ اَمرِہٖ** اے عبداللہ! مجھ سے وہ کچھ پوشیدہ نہیں ہے کہ جسکی خبر تو دے رہا ہے۔لیکن محافظ اللہ ہے وہ مدبر ہے جو کچھ پیش آجائے گا خود جانتا ہے۔اسکے بعد آپؑ نے فرمایا۔**واللہ لا یدعوننی حتیٰ یستخرجوا ھٰذہ العلقۃ من جوفی . فاذا فعلوا سلط اللہ علیھم من یُذلھُم حتیٰ یکونوا اذّل فرق الامم** ۔

بخدا یہ مجھے اس وقت تک قتل سے (یعنی بنوامیہ) باز نہیں آئیں گے۔میرا خون تب تک بہانا نہیں چھوڑیں گے۔جب تک نہ یہ مجھے بڑی بے دردی سے قتل کریں گے اور میرے قتل کے بعد خداوند ایک شخص کو ان پر بُری طرح سے مسلط کرے گا کہ جوان کو ذلیل ورسوا کرے گا (یعنی وہ شخص مختار ہوگا)[۱۱]۔

حسینؑ جانتے ہیں کہ بیعت مانگنا ان کا تو صرف بہانہ ہے۔یہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ خانوادۂ رسالت کے اس چراغ کو بھی گُل کردیں۔تاکہ کھل کر حکومت کی جاسکے اور وہ سب کچھ کیا جائے جو حسینؑ کے جد محمد مصطفیؐ نے حرام

کیا ہے۔

منزل شراف

بے آب و گیاہ ریگستان پیمائی کرنے کے بعد منزل شراف آیا۔ ہم نے تحریر کیا ہے کہ ہر منزل پر پہنچ کر حسینؑ اپنے قافلے کو پانی کی وافر مقدار ساتھ اُٹھانے کا حکم دیا کرتے تھے۔ اس منزل پر پہنچ کر بھی حسینؑ قافلے میں ایسا کوئی نہیں تھا کہ جس کی چھاگلیں، مشکیزے اور کوزے بھرے ہوئے نہ تھے۔ ابھی آپؑ نے منزل نہیں فرمائی تھی کہ آپ کے قافلے سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی۔ حسینؑ نے اس صدا کا جواب اللہ اکبر سے واپس تو دیا لیکن پوچھ بیٹھے کہ صدائے تکبیر بلند کرنے کا کیا مقصد ہے۔؟ جواب ملا۔ مولا! لو کے جھکڑ چل رہے ہیں۔ آسمان آتشیں گولے اور انگارے برسا رہا ہے۔ زمین سے شعلے اُگل رہے ہیں۔ ہر طرف سراب ہی سراب ہے۔ پرندے شدت گرمی کی وجہ سے حواس باختہ ہو چکے ہیں۔ مگر وہ دیکھیں کہ ہم نخلستان کی طرف خوش قسمتی سے پہنچنے والے ہیں۔ لیکن جو اس راستے کی خاک کئی بار چھان چکے تھے انہوں نے فوراً کہا۔ ایسا تو نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ جب بھی ہمارا گذر اس طرف ہوا تو ہر طرف سنسناہٹ آمیز ریگستان سے سابقہ پڑتا تھا۔ پر تعجب ہے کہ یہ نخلستان یہاں کیسے آ گیا۔ قائد لشکر نے پوچھا۔ اچھا تو پھر تمہیں کیا دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ **واللہ نریٰ اسنة الرماح و اٰذان الخیل فقال و انا والله اریٰ ذالک** ۔ بخدا ہم نیزوں کی چمکتی ہوئی انیوں اور گھوڑوں کے کانوں کو دیکھتے ہیں۔ حسینؑ نے فرمایا بخدا میں بھی ایسا ہی کچھ دیکھتا ہوں۔ اسکے بعد آپؑ نے فرمایا، کوئی جگہ ہے کہ جہاں ہم ان سے مامون رہ سکیں گے......؟ یعنی ''اگر آپ کا مقصد جنگ کا ہوتا یا خواہش طلب اقتدار ہوتی تو آپ کو بجائے مامون جگہ دیکھنے کے ان سے نپٹنا چاہیے تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ ثابت ہو رہا ہے کہ حسینؑ کا مقصد نہ ہی جنگ کرنا تھا اور نہ ہی حب جاہ ہی کی خاطر آپ کا یہ اقدام تھا''

آپ ان سے کترا کر نکل گئے۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد گھوڑوں کی گردنیں نظر آئیں۔ یہاں تک کہ وہ فوج بھی حرکت میں آ کر حسینؑ کی طرف بڑھنی شروع ہوئی جو عبیداللہ ابن زیادہ کے حکم سے حصین بن نمیر نے اس مختصر سے قافلے کو روکنے کیلئے بھیج دی تھی۔ اس لشکر کا قائد حُر بن یزید الریاحی تھا۔ اسکی کمان میں ۱۰۰۰ سوار تھے اور یہ سب کے سب اسلحہ سے لیس تھے۔ غرض حسینؑ نے آگے بڑھ کر ذوحسم میں ڈیرے ڈال دیئے۔ حُر کا لشکر ان کے روبرو آ کر کھڑا ہوا۔ اس وقت آفتاب کی تمازت پورے شباب پر تھی۔ چونکہ ظہر کا وقت تھا لہٰذا اس قیامت خیز گرمی میں نہ صرف حُر کا لشکر پسینہ سے شرابور ہوا تھا، بلکہ ان کے گھوڑوں کی سانسیں بھی پھولی ہوئی تھیں۔ ساقی کوثر کا بیٹا ان کی حالت دیکھ کر تڑپ اُٹھا۔ بابا کی سخاوت نگاہوں کے سامنے پھرنے لگی۔ آپؑ نے فوراً اپنے قافلے کو حکم دیا کہ مشکیزے، چھاگلیں اور کوزوں کے دہانے کھول دو، حر اور اسکے لشکر کو سیراب کرو۔ علی ابن تیہان کا کہنا ہے کہ میں بھی

حر کے لشکر میں تھا۔ میں جب بعد میں پہنچا تو امام حسینؑ نے میری اور میرے گھوڑے کی تشنگی ملاحظہ فرمائی تو آپؑ مشکیزہ اُٹھا کر میرے پاس آئے اور فرمایا۔ انــخ الــرّاو یۃ۔ یعنی اپنے شتر آب کش کو بٹھا دے۔ لیکن میں امام کا مطلب نہیں سمجھا۔ اس لئے کہ ''راویہ'' جس طرح حسینؑ نے استعمال کیا تھا اس طرح کا استعمال نہ میں نے سنا تھا اور نہ ہی استعمال کیا تھا۔ کیونکہ راویہ ہم مشک کو کہتے ہیں۔ حضرت میرے تردد کو فوراً بھانپ گئے فرمایا یا بـن الاخ انخ الــجــمــل۔ اے میرے برادرزادہ، اونٹ کو بٹھا دے۔ میں نے اونٹ بٹھا دیا۔ حسینؑ نے مشک بھی دیدی۔ لیکن حالت بری ہونے کی وجہ سے مشک سے پانی نہیں پی سکا۔ آپؑ نے فرمایا۔ میرے برادرزادہ! مشک کو کج کر کے پی لے۔ لیکن میری بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ یہ بھی نہ سمجھ سکا۔ اسکے بعد آپؑ آگے بڑھے اور خود مجھے پانی پلایا۔ اسکے بعد میرے گھوڑے کو بھی سیراب فرمایا☆۔ جب سب لشکر نے پانی پیا تو آپؑ کے حکم سے حجاج ابن مسروق نے اذان پڑھی۔ آپ آگے بڑھے اور دونوں لشکروں کے درمیان ردا اوڑھے ہوئے نعلین پائے مبارک میں پہنے ہوئے کھڑے ہوئے اور فرمایا

۱۔ فـحـمـدالـلـه واثـنیٰ عليه و ذكر جده فصلی عليه ثم قال ايها النا س معذرةٌ الی الله واليـكم حتیٰ اتتنی كتبكم ان اقدم علينا لک مالنا وعليک ما علينا ليس لنا امام سواک فان كنتم لقدومی كارهين رجعت عنكم الی ما شئت من الارض۔ [۱۲]

ايهـاالـنـاس انـی لـم اٰتِكم حتیّٰ اتتمنی كتبكم و قدمت علی رُسُلكم ان اقدم علينا فانه ليس لنا امام لعل الله ان يجمعنا واياكم (بک) علی الُهدیٰ والحق فان كنتم علیٰ ذالک فقد جئتـكـم فـاعطون ما اطمئنّ اليه من عهودكم و مواثيقكم وان لم تفعلو وكنتم لمقدمی كارهين انصرفت عنكم اِلی المكان الذّی جئت عنه اِليكم. [۱۳]

۱۔ پھر خداوندلم یزل کی حمد وثنا فرمائی۔ اپنے جد جناب محمد رسول اللہؐ کا ذکر فرمایا پھر کہا اے لوگو! میں خدا سے اور تم لوگوں سے عذرخواہ ہوں۔ میں اس طرف نہیں آ جاتا۔ اگر آیا تو وہ صرف ان خطوط کی وجہ سے آیا جو تم لوگوں نے مجھے لکھے (تم لوگوں نے لکھا) کہ آیئے، ہم بغیر امام کے ہیں۔ تشریف لے آیئے جو ہمارا نفع ہوگا وہ آپ کا ہوگا۔ جو آپ کا نقصان ہوگا وہ ہمارا نقصان ہوگا۔ آپ کے سوا ہمارا کوئی امام نہیں ہے۔ (ان تمام باتوں کے (باوجود) اگر میرا آنا تم لوگوں کو ناگوار گذرا تو میں اس وسیع وعریض زمین میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔

۲۔ اے لوگو! میں اگر آیا بھی تمہاری طرف تو تم لوگوں کے خطوط کی وجہ سے آیا۔ تم لوگوں کے مسلسل وفود کی وجہ سے آیا۔ تم لوگوں نے لکھا تھا کہ ہمیں امام نہیں ہے۔ اگر آپ آئیں گے تو شاید ہم ہدایت یاب ہو جائیں۔

☆ یہ تھا ایثار اور یہ تھا خُلق...... حالانکہ ان کے عزائم کا بخوبی علم ہے۔ لیکن اسکے باوجود رحم دل باپ کے رحم دل بیٹے نے دشمن کی اس کسمپرسی کو برداشت نہیں کیا۔ واہ رے حسینؑ۔

اگر تم لوگ اس عہد و پیمان پر قائم ہو کہ میں تمہاری طرف آؤں تو مجھے یقین دلاؤ کہ اطاعت مطلقہ سے برگشتہ نہیں ہو جاؤ گے۔ عہد و پیمان پر ثابت قدم رہو گے۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو میں یہیں سے پلٹ جاؤں گا۔

دونوں تقاریر کو زیر نظر رکھ کر انصاف سے بتائیے کہ کیا اس سے حسینؑ کی ذات واضح نہیں ہوتی ہے۔ اگر بنو عقیل بقول محمود احمد عباسی صاحب مشتعل ہو چکے تھے تو وہ حسینؑ کے آخری فقرات پر اعتراض کرنا چاہیے تھے۔ کہ ہم واپس کسی بھی صورت میں نہیں جائیں گے۔ ہمیں مسلم کے قاتلوں سے بدلہ لینا ہے۔ لیکن ان کا تعرض نہ کرنا صاف بتلاتا ہے کہ حسینؑ کے کسی بھی فعل میں مداخلت کرنا حکم عدولی کے مترادف سمجھتے تھے۔ ان کی خاموشی اور انکا پُر اسرار سکوت روز روشن کی طرح حق کی ترجمانی کرتا ہے کہ حسینؑ جہاں بھی جائیں۔ چاہے صحرا کا پیمائی ہی کیوں نہ کریں۔ مجال انکار نہیں اسلئے کہ ان کے بزرگوں کی شان رہی ہے کہ وہ قاتلوں کو نہ صرف معاف کرتے تھے بلکہ ضرورت کے وقت ان کو دودھ بھی پلایا کرتے تھے۔

محمود احمد عباسی کا یہ کہنا کہ فوجی دستہ ہتھیار رکھوانے کی غرض سے آیا تھا......! تاریخ سے تو ہمیں فوج کا رویہ اس قسم کا نہیں ملا۔ ابتداء میں تو مسلسل قتل کرنا، حصین ابن نمیر کا راستوں کی ناکہ بندی کرنا اور حر کا سدِ راہ ہوتا، کیا ہتھیار رکھوانے کی غرض بتلا رہا ہے یا حسینؑ کے محصور کرنے پر۔ عجیب بات ہے کہ جب سے تاریخ نویسی اور وقائع نگاری معرض وجود میں آئی۔ کہیں ایک آدھ مورخ یا ایک آدھ وقائع نگار تصریح کر لیتا کہ اس قسم کی کاروائیوں (یعنی فوج کا اس طرح آجانا جس طرح حسینؑ کی طرف آیا) کو مشفقانہ اور محبانہ رویہ کہتے ہیں۔ انہوں نے تو صرف اتنا لکھا ہے۔ کہ یہ کاروائیاں صرف حریف کو ہراسان اور پریشان کرنے کی خاطر کی جاتی ہیں۔ اسکے سوا ان جیسے مقدمہ الجیش دستوں کا اور کوئی مقصد نہیں ہوتا ہے۔ اسکے بعد نماز کے لئے حسینؑ نے حر سے خطاب فرمایا۔ آیا تجھے میری پیشوائی میں نماز پڑھنی ہے۔ یا الگ پڑھنا چاہتا ہے؟ حُر نے بصد ادب عرض کیا۔ نہیں مولا! میں آپ کے پیچھے نماز پڑھوں گا۔ نماز دونوں لشکروں نے پڑھی۔ نماز کے اختتام پر حسینؑ دونوں لشکروں کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا۔

تمام حمد اور تمام تعریفیں صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں......اے گروہ الناس! **فانکم ان تتقوا الله و تعرِفوا الحق لا هله یکن ارضی ٰلله عنکم و نحن اهل بیت محمدؐ اولیٰ بهذا الامر علیکم من هؤلاءِ المدعین مالیس لهم و السائرین فیکم بالجور و العدوانِ فان بیتم الا الکراهة لنا و الجهل بحقنا رأیکم الان غیر الذی اتتنی بهٖ کُتُبُکم و قدمت علیّ به رُسلکُم اِنصرفت عنکم۔**

''اگر تم اللہ سے ڈرو گے'' حق کو پہچانو گے تو خداوند کریم کی خوشنودی کا باعث ہوگا۔ ہم اہلبیتؑ محمد علم و فضل اور عصمت وجلال سے موصوف ہیں اور موجودہ امر (یعنی خلافت) کے زیادہ سزاوار ہیں ان افراد سے جو ریاست و امارت کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ (وقت کے حکمران)۔ یہ لوگ تو صرف جبر وتشدد سے اپنا تسلط جمائے ہوئے ہیں۔

''اب''اگر تم لوگ کراہیت اور جہالت کے راستوں پر چلنے کے مُصر ہو اوران وعدوں سے پھرتے ہو کہ جو کچھ تم لوگوں نے خطوط کے ذریعے سے لکھا تھا۔اور میرے یہاں آنے میں کراہیت محسوس کرتے ہو تو میں یہیں سے پھرا جاتا ہوں''

یہ تقریر سن کر حُر نے عرض کیا کہ ہمیں تو ان خطوط کا علم ہی نہیں۔ **فقال الحسین یا عقبه بن سمعان اخرج الخرجین الذین فیها کتبهم اِلیَّ** ۔امام حسینؑ نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا۔وہ دونوں کیسے لے آؤ جس میں میرے نام پر آئے ہوئے خطوط رکھے ہوئے ہیں۔'' حکم کی تعمیل کی گئی۔خطوط لا کے حر کے سامنے ڈال دیئے گئے۔اب حر کیا کہتا۔جو کچھ حسینؑ نے تقریر میں فرمایا تھا اسکا عملی ثبوت حُر کی آنکھوں کے سامنے تھا۔حُر کے لبوں پر مہر سکوت لگ گئی۔ چند لمحوں کے بعد حُر نے عرض کیا۔ یاحسینؑ !ان سے تو کس کو مجال انکار ہوسکتا ہے۔لیکن مجھے تو حکم ملا ہے کہ جہاں بھی مجھے آپ سے ملاقات ہوجائے۔وہاں سے تب تک جدا نہ ہوجاؤں یہاں تک کہ آپ کو امیر کوفہ کے پاس لے جاؤں۔ یہ سنکر حسینؑ نے ارشادفرمایا۔اے حُر۔موت مجھے زیادہ محبوب ہے اُس چیز سے کہ میں ابن زیاد کے پاس جاؤں۔اسکے بعد آپ نے اپنے قافلے سے فرمایا،اُٹھو ہم واپس چلتے ہیں۔لیکن لشکر حُر نے آگے بڑھ کر مزاحمت کی۔آپ نے حُر کو مخاطب کر کے فرمایا۔ **ثکلتک اُمک** ''تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے''حُر نے عرض کیا۔حسینؑ !اگر کوئی اور میری ماں کا نام لیتا تو میں بھی اس کی ماں کا نام لیتا۔لیکن آپ کی ماں چونکہ زنان عالم سے افضل وارفع ہے۔لہٰذا میری جرات نہیں ہوسکتی ہے کہ میں آپ کی ماں کا نام لےلوں۔حسینؑ نے فرمایا۔

حسینؑ ! ''تو صحیح صحیح بتادے کہ تیرا مقصد کیا ہے؟''

حُر ! ''اسکے سوا کچھ نہیں کہ میں آپ کو محصور کر کے اپنے امیر کے پاس لے جاؤں۔!''

حسینؑ ! ''اگر میں نے تمہیں ایسا نہیں کرنے دیا......''!

حُر ! ''بخدا میں تب تک آپ سے جدا نہیں ہوجاؤں گا......''!

حسینؑ ! ''کیا تو اس بات پر قدرت رکھتا ہے............''؟

حُر ! ''کچھ کھسیانے ہو کر......''یاحسینؑ ! پھر آپ ایسا اور کوئی راستہ تلاش کیجئے جو نہ کوفہ کی طرف ہو اور نہ ہی مدینہ کی طرف۔تاکہ میں اپنے امیر کو صورتِ حال سے آگاہ کروں۔ میں نہیں چاہتا ہوں کہ مجھے بھی اُس فہرست میں دراج کردیا جائے جس میں آپکے قاتلوں کا نام اندراج ہونے والا ہے......!''

حسینؑ نے راہ قادسیہ اور منزل عذیب سے داہنی طرف یہ سنکر کوچ فرمایا۔لیکن اسکے باوجود حُر آپ کے ساتھ چلتا رہا اور عرض کرنے لگا۔ یاحسینؑ ! آپ کیوں اُس طرف جارہے ہیں۔ جہاں موت اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ آپ کا خیر مقدم کرنے کو تیار کھڑی ہے۔حُر حسینؑ سے شاید چاہتا تھا کہ وہ موت سے خائف ہو کر کوئی اور راہ اختیار

کریں۔لیکن حسینؑ نے غصے کوضبط کرتے ہوئے ارشادفرمایا:-

سامضی وما بالموت عارٌ علی الفتیٰ   اذا ما نویٰ حقّا و جاهد مسلماً
ووا سی الرَّ جال العالحین بنفسه   وفارق مثبوراً وودَّ ع مُجرماً
فان عشتُ لم ز مم وان متُّ لم الم   کفٰی بک ذلا اَن تعیش و ترغا
اقدمه نفس لا اُرید بقائِها   لتلقی خمیساً فی الدعیٰ و عرفها

۱۔ عنقریب میں میداں کارزار میں جاتا ہوں کیونکہ اسلام کی خاطر مرنا ذلت نہیں ہے۔

۲۔ اور اپنی جان دیگر نیک لوگوں کی مدد کرے۔برے لوگوں سے الگ رہےاور مجرموں کی مخالفت کرے

۳۔ اگر (رزمگاہِ حق وصداقت) میں مرگیا تو بری نظروں سے مجھےنہیں دیکھا جائے گا۔اور اگر بچ گیا تب بھی یہی صورت رہے گی۔

۴۔میں اپنے آپ کو جنگ کی ہولنا کیوں میں ڈال دیتا ہوں۔ مجھے بقا کی خواہش نہیں ہے ٹھاٹھیں مارتی ہوئی فوج کے سامنے“

ان اشعار کوغور سے پڑھیے اور دیکھیے کہ جرأت مند باپ کا بیٹا کس جرأت سے اشعار پڑھ رہا ہے۔ان ہی کے باپ تھے کہ جوفرمایا کرتے تھے”**واللّٰه لابن ابی طالب اٰمن بالموت من الطفل بثدی امه**: بخدا علیؑ موت سے اتنا مانوس ہے کہ جتنا بچہ بھی اپنی ماں کی چھاتی سے (دودھ پینے کے وقت) مانوس نہیں ہوتا ہے۔اور ان ہی کے بیٹے کے یہ الفاظ تھے **احلیٰ من العسل** ۔موت کوشہد سے بھی زیادہ شیرین پایا ہے۔

اسکے بعد آپؑ نے اصحاب سے فرمایا۔کوئی ہےتم میں جو اس شاہراہ سے ہٹ کر کسی اور شاہراہ کو جانتا ہو؟ آپ کی جماعت میں ایک آدمی طرماح☆ نامی تھا۔اس نے عرض کیا۔ہاں میرے آقا وسردار! مجھے معلوم ہے۔آپؑ نے طرماح کوحکم دیا اچھا تو پھر ہمارا راہبر بن لے۔طرماح بحیثیت راہبر کے آگے آگے چلا اور اسکے پیچھے حسینؑ کا قافلہ رواں دواں ہوا۔طرماح فخر سے یہ اشعار پڑھنے لگا۔”ترجمہ“

۱۔ ”اے میرے ناقہ! میری ڈانٹ وڈپٹ سے تو بدخو کیوں ہوجاتا ہے۔ہمیں طلوع سے قبل اپنی منزل پر پہونچا دے!“

۲۔ ان بہترین اور نیک ترین جوانوں کے ہمراہ جو اولاد رسولؐ اعظم اور اصحاب فخر ہیں۔

۳۔ ”تو جانتا ہے“ انکے چہرے نورانی اور روشن ہیں۔میدان رزمگاہ میں بہترین نیزہ باز ہیں۔

۴۔ میدان چیخ و پکار میں انکی تلواریں صاعقہ ہیں۔ یہاں تک کہ تو اتار دے اسکو جو کریم النفس اور

☆طرماح کا اصل نام یہی تھا۔اسکے والد کا نام عدی تھا۔یہی جناب امیر المومنینؑ کے عہد میں جناب امیر کا خط لیکر معاویہ کے پاس گیا تھا۔آپؓ کا بھائی حجر بن عدی تھا۔حجر کی شہادت کا ذکر مفصل آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

صاحب افتخار ہے۔

۵۔ اسکا جد نامدار ہے۔اسکا دل وسیع ہے۔اللہ اسکا انجام بخیر کرے۔

۶۔ کائنات کے آخر تک وہ سلامت رہے۔اے مالک نصرت وفتح کر اور تائید کردے۔

۷۔ میرے آقا مولا اور سید وسردار کی ان سرکشوں کے مقابلے میں جو کفر وعصیان میں غرق ہیں۔

۸۔ ان دونوں لعینوں پر جو صخر کی اولاد ہیں،ایک تو ان میں شراب خوار یزید ہے۔

۹۔ دوسرا زنازادہ کا زنازادہ عبیداللہ ابن زیاد ہے۔

اس تمام واقعے کو ہم نے جن کتابوں سے اخذ کیا ہے اُنہیں حوالہ جات میں بیان کیا گیا ہے۔[۱۴]

حر نے جب ان اشعار کو سنا تو وہ حسینؑ سے ہٹ کر چلنے لگا یہاں تک کہ دوسری راہ اختیار کر لی۔منزل غدیب الہیجانات !حسینؑ نے اس منزل پر آرام نہیں فرمایا بلکہ آگے ہی بڑھتے رہے۔عقبہ ابن سمعان کہتا ہے کہ میں بھی حسینؑ کے ہمرکاب تھا۔ناگاہ دیکھا کہ حسینؑ کو گھوڑے پر آنکھ لگ گئی ہے۔میں اس رَجل عظیم کے ماضی پر نظریں دوڑا رہا تھا۔اسکا حال زیرِ نظر تھا۔تضاد ہی تضاد تھا۔حیران اور پریشان تھا کہ اچانک حسینؑ نے بلند آواز سے فرمایا۔ **انا لله وانا اليه راجعون .الحمد لله رب العالمين** ۔ان ہی جملات کو حضرت نے تین مرتبہ دھریا۔علی اکبرؑ آگے بڑھے اور عرض کیا یا ابتاہ ! ان جملات کے مکرّر استرجاع کا کیا مطلب ہے۔آپ نے علیؑ اکبر پر نظریں گاڑھتے ہوئے فرمایا۔**يابنى انى خفقتُ خفقه فعَنَّ لى فارِسٌ على فرسٍ وهو يقول القوم يسيرون والمنايا تسير اليهم فعلمتُ انها انفُسنا نعمت اِلينا**''۔

اے بیٹے میں نے خواب دیکھا،دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہے اور کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ جاتے ہیں اور موت ان کی طرف آرہی ہے۔معلوم ہوتا ہے۔کہ یہ شخص ہمیں موت کی خبر سنا رہا ہے''علیؑ اکبر نے عرض کیا۔**یـا ابتـاه اَلسـنـا عـلى الحق** اے بابا کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔؟ آپ نے فرمایا۔بخدا ہم حق پر ہیں اور ہمارا مدمقابل بغض،ظلم،کینہ،شروفساد اور باطل پر ہے۔علی اکبرؑ نے یہ سنکر عرض کیا بابا جب ہم حق پر ہیں تو موت ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ہم موت سے بالکل نہیں ڈرتے ہیں۔آپ نے اپنے بیٹے کا یہ جراتمندانہ جواب سنکر فرمایا۔خدا تمہیں جزائے خیر دیدے[۱۵]۔

جب صبح ہوئی تو آپ اور آپ کا قافلہ آگے بڑھنا شروع ہوا۔لیکن حر نے آگے بڑھ کر پھر راستہ روک لیا۔حر کا خیال تھا کہ حسینؑ اور آپ کا قافلہ کوفہ چلا آئے۔لیکن حسینؑ اسکے ارادوں کو بھانپ کر ویسا کرنے نہیں دیتے تھے۔لہٰذا اس پر بہت دیر تک کشمکش ہوئی۔دونوں لشکر ساتھ ساتھ چلے۔یہاں تک کہ آپ اُس بے آب وگیاہ صحرا اور لق دق میدان کی طرف نکل آئے۔جہاں کرب وبلا کا پُرہول اور پُراسرار ماحول تھا۔اور یہ محرم کی دوسری تاریخ تھی۔

حوالہ جات

۱۔ مقتل الخوازرمی ج۱ص۲۲۶

۲۔ ایضاً؛اللہوف فی قتل الطفوف ص۲۹

۳۔ ترجمہ ابصارالعین ص۲۵

۴۔ اللہوف فی قتل الطفوف ص۳۰؛العیون العبری ص۶۱؛ریاض القدس ج۱ص۱۸۸

۵۔ ناسخ التواریخ ج۲ص۱۴۳؛ ریاض القدس ج اول ص۱۸۹

۶۔ ناسخ التواریخ ص۱۴۶۔۱۴۵ج دوم۔العیون العبریٰ ص۶۱؛مقتل الحسینؑ للخوارزمی جزءاول ص۲۲۹

۷۔ اللہوف فی قتلی الطفوف ص۳۱؛ ناسخ التواریخ ج دوم ص۱۴۶

۸۔ بحالاانوار حصہ اول۱۹۰۔۱۸۹

۹۔ ناسخ التواریخ ج۲ص۱۳۹۔۱۳۸

۱۰۔ العیون العبریٰ ص۶۵

۱۱۔ ناسخ التواریخ ج۲ص۱۵۱

۱۲۔ مقتل ابومخنف ص۴۲

۱۳۔ العیون العبریٰ ص۶۷

۱۴۔ بحارالانوار حصہ اول ص۱۹۴۔۱۹۶؛ناسخ التواریخ ج۲ص۱۵۰۔۱۶۲؛اللہوف فی قتل الطفوف ص۳۲؛مقتل الخوارزمی الجز الاول ص۲۳۰۔۲۳۴؛العیون العبریٰ ص۶۶۔۶۷

۱۵۔ تاریخ ابن اثیر حصہ اول ص۱۴۰

کربلا

یہ وہ سرزمین ہے کہ جہاں آلِ رسولؐ کے مدفن بنے ہیں۔ یہاں ہی محمد رسولؐ اللہ کی عظیم والشان کمائی خاک وخون میں تڑپائی گئی۔ ہاں یہی وہ بے آب وگیاہ صحرا ہے کہ جہاں فاطمہؑ کے لختِ جگروں کی دردناک تباہی پایۂ تکمیل تک پہنچائی گئی۔ آج یہ سرزمین خون کے آنسو رو رہی ہے۔ آج یہ سرزمین آہ ونالوں کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ زوار سے پوچھو: کہا جاتا ہے تو کہے گا کربلا...... نجف اشرف کا نام نہیں لے گا...... کاظمین شریف کا نام نہیں لے گا...... سامرہ کا نام نہیں گا۔ بس فقط یہی جواب دے گا...... کربلا...... کربلا...... کربلا...... کیوں......؟ اسلئے کہ حسینؑ نے کربلا میں اپنے مدفن کو قبول کر کے دنیا کی تمام عظمتوں کو کربلا میں سمیٹ کے رکھ دیا۔ لہٰذا کربلا اوج رفعت کی تمام تر بلندیوں سے بھی تجاوز کر گیا آج کربلا بھی ہے اور کربلا والے بھی۔ لیکن اس کو مٹانے والے خود مٹ گئے۔ اس لیے کہ جب حسینؑ اس منزل میں پہلی بار اُترے تو ناگاہ دیکھا کہ کوفہ کی طرف سے ایک تیز رفتار سوار آرہا ہے۔ گرد سے اٹا پڑا ہوا سوار سیدھے حر کے پاس پہنچتا ہے۔ سلام کر کے ابن زیاد کا خط حر کو دیدیا۔ حُر نے جب خط کھولا تو لکھا تھا ''اے حر! جس جگہ میرا قاصد تم سے ملے۔ تو بغیر پس وپیش کے ان پر (حسینؑ پر) اور انکے اصحاب پر سختی سے پیش آنا شروع کردے اور انکو ایسی منزل پر روک لے جہاں بے آب وگیاہی نے اپنا تسلط جمالیا ہو۔ اور دور دور تک کسی نفس کا وجود نہ ہو۔ میں نے قاصد کو حکم دیا ہے کہ وہ اس وقت تک تمہارے ساتھ رہے جب تک نہ تو میرے فرمان پر عمل پیرا ہوجائیگا۔ اسکی خبر بذات خود قاصد مجھے دے گا' والسلام' جب یہ خط حسینؑ اور آپ کے اصحاب نے سنا تو ان میں آپؑ کا ایک ساتھی کہ جسکا نام یزید ابن مہاجر کندی تھا، نے قاصد ابن زیادہ کو پہچان کر کہا تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے۔ تو یہ کیا فرمان لایا ہے؟ اس نے جواب دیا، میں نے تو اپنے امام (ابن زیاد) کے احکام کی پیروی کی اور امام کے حکم سے سرتابی کی نہیں جاسکتی ہے۔ مہاجر کندی نے اسکی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ بدبخت زبان کو لگام دے، ابن زیاد کب سے امام بن گیا ہے کہ اسکی اطاعت سے انحراف کرنے کو گناہ سمجھا جائے۔ قاصد مہاجر کندی کا سنکر خاموش ہوا۔[۱]

اسکے بعد حر نے حضرت امام حسینؑ سے عرض کیا: یا حضرت! مجھے بھی اپنے امیر کے احکام کی پیروی کرنی ہے۔ لہٰذا بمطابق خط وہیں آپ کو اُترنا پڑے گا جہاں کا حکم دیا گیا ہے۔ حر کی اس گستاخی پر زہیر ابن قینؓ آگے بڑھے اور حسینؑ

سے عرض کیا مولا! ہمیں اجازت دیدیجئے۔ ہم اس گستاخ کو سبق سکھائیں گے☆۔ لیکن حسینؑ نے اجازت نہیں دی اور فرمایا نہیں زہیر! مجھے اپنی اتمام حجت ان پر قائم کرنے دے۔ میں نہیں چاہتا ہوں کہ میری طرف سے جنگ میں سبقت ہو جائے۔[۲]

اب حسینؑ نے گھوڑے کو آگے بڑھانا چاہا لیکن گھوڑا سر مو جنبش نہیں کرتا ہے۔ دوسرا گھوڑا لایا گیا لیکن یہ گھوڑا بھی آگے بڑھنے کا نام نہیں لیتا ہے یہاں تک کہ سات گھوڑے اسی جگہ رک گئے۔[۳]

فقال یا قوم ما اسم هذه الارض قالوا ارض الغاضریه قال فهل لها اسم غیر هٰذا قالوا تسمیٰ نینویٰ قال هل لها اسم غیر هٰذا قالوا شاطی الفرات قال هل لها اسم غیر هٰذا قالو ا تسمی کربلاء. فعند ذالک تنفس الصعداء و قال ارض کرب و بلا ء ثم قال انزلوا هٰهنا تسفک دما ئنا هٰهنا والله تهتک حریمنا هٰهنا والله تقتل رجالنا هٰهنا واللّٰه تذبح اطفالنا هٰهنا والله تزار قبورنا و بهذه التربة وعدنی جدی رسول اللّٰه و لا خلف لقوله[۴]۔

آپؑ نے اسکے بعد ان سے پوچھا اے قوم! اس زمین☆☆ کا کیا نام ہے۔؟ جواب دیا گیا "غاضریہ"! آپ نے دوبارہ ان سے پوچھا "کیا اس کے علاوہ کوئی اور نام ہے اس سرزمین کا" جواب دیا گیا "نینوا" آپ نے پھر پوچھا "کیا اور بھی کچھ اسکا نام ہے؟" جواب دیا گیا "شاطی الفرات"۔ آپؑ نے پھر ان سے پوچھا کیا شط فرات کے بغیر بھی کوئی اور نام ہے اسکا۔ جواب دیا گیا ہاں ہاں اسکا نام کربلاء بھی ہے۔ اسوقت آپ نے ایک لمبی آہ کھینچی اور فرمایا زمین کربلاء اسکے بعد فرمایا اُترو! اُترو! اس سرزمین پر ہمارا خون بہایا جائے گا۔ اسی زمین پر ہمارے حرم کی تضحیک کی جائیگی۔ اس زمین پر ہمارے نوجوانوں کو قتل کر دیا جائیگا۔ بخدا یہی وہ سرزمین ہے کہ جہاں پر ہمارے اطفال کو ذبح کیا جائیگا۔ بخدا یہی وہ زمین ہے کہ جہاں پر ہماری قبروں کی زیارت کی جائیگی۔ اس زمین کی مٹی کے لئے میرے جد نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ بخدا میرے جد محمد رسولؐ اللہ کے قول میں ذرہ برابر بھی شک کی گنجائش نہیں ہے"

صاحب روضۃ الشہدا کے قول کے مطابق اس زمین کا اور بھی نام کہدیا گیا تھا، وہ ارض مارتھا۔

غرض حسینؑ نے فرمایا:۔

☆علامہ ابن اثیر جزری نے یہاں تک بھی لکھا ہے۔ کہ زہیر نے عرض کیا اے ابن رسولؐ خدا کی قسم اب اسکے بعد جو کچھ آپ دیکھیں گے وہ اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔ اور ہمارے لئے ان لوگوں سے اس وقت لڑنا آسان ہے۔ بہ نسبت اسکے کہ ہم لوگ اُن سے کریں جوانکے بعد آئیں گے۔ مجھے اپنی جان کی قسم ہے کہ ان کے بعد ہمارے مقابلے کیلئے اتنے آدمی آئیں گے کہ ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھے۔ امام حسینؑ نے کہا۔ کہ میں تو ان سے لڑنے میں ابتداء نہیں کروں گا۔ (تاریخ کامل حصہ اول ص ۱۴۰۔۱۴۱) (العیون العبری ص ۲۸)

☆☆یہاں پر اس فریب میں نہ رہنا چاہیئے کہ اگر امام حسینؑ امام تھے تو کیا انکو معلوم نہیں تھا کہ اس زمین کا نام کیا ہے؟: دریافت کرنا ایسا ہی تھا جیسے عالم الغیوب نے جناب موسیٰ سے پوچھا تھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ کیا اللہ نہیں جانتا تھا؟ یہاں جو بھی تبصرہ ہوگا وہی امام حسینؑ کے سلسلے میں بھی ہوگا۔

گرنام ایں زمین بیقین کربلا بود	ایں جانصیب ماہمہ کرب و بلا بود
این جا بود کہ تیغ بر آل نبیؐ کشند	وایں جا بود کہ ماتم آل عبا بود
کار مخدرات من ایں جا تبہ شود	پشت مبارزان من این جا دوتا بود
ریزند درمصیبت من آب چشم خویش	ہر مرغ و ماہی کہ در آب و ہوا بود[۵]

کربلا: ابنیاء کرام کی نظر میں

حضرت آدمؑ

جب حضرت آدمؑ کو اپنے مقام سے اُٹھا کر زمین کی طرف بھیج دیا گیا تو چونکہ حوا کی جدائی بھی تھی۔ لہٰذا اللہ کے حکم سے حضرت حوا کو اس وسیع وعریض زمین پر ڈھونڈ نے لگے۔ جب صحرائے کربلا میں پہنچے تو ان کا بدن کانپ اُٹھا۔ انگ انگ میں غم و یاس کی پر چھائیاں تیرنے لگیں۔ دل خوف، رنج اور گہرے کرب سے تڑپنے لگا۔ آپ آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ اُس جگہ پر پہنچ گئے جو مظلوم کربلا کا مقتل قرار دیا گیا تھا کہ اچانک ایک ٹھوکر لگی اور آپ کے پائے اقدس سے خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ عرض کیا پالنے والے! کیا مجھ سے اور کوئی لغزش ہوگئی؟ جواب ملا اے آدم نہیں۔ بلکہ اس زمین پر میرا برگزیدہ اور مقرب بندہ اور تیرا فرزند نہایت ہی بے دردی سے شہید کیا جائیگا۔ لہٰذا میں نے چاہا کہ تمہیں بھی اس زمین کی لذتوں سے آشنا کروں اور اپنے مقرب بندے کے غم میں شریک کروں۔

حضرت نوحؑ

جس وقت جناب نوحؑ کشتی میں سوار ہو کر زمین کے گرد چکر لگا رہے تھے۔ ناگاہ زمین کربلا پر پہنچ کر کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ ساتھ ہی ایک تند و تیز لہر آگے بڑھی اور کشتی نوحؑ کے ساتھ اس طرح ٹکرائی کہ قریب تھا کہ کشتی غرق ہوجائے۔ یہ دیکھ کر حضرت نوؑح نے عرض کیا پالنے والے کسی زمین پر مجھے ایسا خوف محسوس نہیں ہوا جتنا یہاں آکر، آخر معاملہ کیا ہے۔ جواب ملا اے نوحؑ یہ وہ صحرا ہے کہ جہاں پر میرے حبیب خاتم الانبیاء کا نواسہ بڑی بے دردی سے قتل کردیا جائے گا۔

حضرت ابراہیمؑ

ایک روز جناب ابراہیمؑ گھوڑے پر صحرائے کربلا سے گذر رہے تھے۔ ایک دفعہ گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا اور جناب ابراہیمؑ کے سر مبارک میں چوٹ آگئی۔ رنج و کرب سے آنکھو سے آنسوں نکلے۔ سر اقدس سے خون جاری ہوا۔ جناب ابراہیمؑ کی زبان سے بے اختیار **استغفر اللّٰہ** نکلا اور عرض کیا پالنے والے؟ مجھ سے کون گناہ سرزد ہوا۔ حکم ہوا اے ابراہیمؑ تجھ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ لیکن یہ وہ زمین ہے جس پر نور چشم مصطفیؐ پیغمبر آخر زمان کا

نواسہ ''حضرت حسینؑ'' تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کر دیا جائے گا۔لہٰذا ہم نے چاہا کہ تمہارا خون بھی اس زمین پر اُس عظیم قربانی کی تاٗسی میں بہے۔

حضرت اسماعیلؑ

حضرت اسماعیلؑ کے گوسفند ہمیشہ نہر فرات کے کنارے چرا کرتے تھے۔ایک دن گلہ بان نے جناب اسماعیلؑ کوخبر دیدی کہ گوسفند کئی دنوں سے فرات کا پانی نہیں پیتے ہیں۔ جناب اسماعیلؑ نے گوسفندوں سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ کئی دنوں سے پانی نہیں پیتے ہو۔گوسفندان بحکم الٰہی گویا ہوئے اور عرض کیا۔ یا نبی اللہ اس سرزمین پر آپکا تشنہ لب فرزند کہ جو پیغمبر آخر زمان محمد عربیؐ کا نواسہ جسکا نام حسینؑ ہوگا شہید کر دیا جائیگا۔لہٰذا ہم نے اُن کی پیاس کو مدنظر رکھتے ہوئے پانی نہیں پیا۔

حضرت موسیٰؑ

ایک دن جناب موسیٰؑ اپنے وصی یوشع بن نون کے ساتھ صحرائے کربلا میں داخل ہوئے۔اچانک بند نعلین ٹوٹ گیا۔آپ کا پاؤں زخمی ہوا۔ جناب موسیٰؑ نے درگاہ الٰہی سے اسکی وجہ دریافت کی تو وحی ہوئی اے موسیٰؑ یہاں پیغمبر آخر زمان کا نواسہ قتل کر دیا جائیگا۔لہٰذا اس لہو کی تاسی میں، میں نے چاہا کہ تمہارا خون بھی گرے۔

حضرت سلیمانؑ

ایک دن حضرت سلیمان اپنی بساط پر دوشِ ہوا پر اُڑ رہے تھے۔ جونہی صحرائے کربلا میں پہنچے تو بساط میں زلزلہ پیدا ہوگیا۔قریب تھا کہ بساط اُلٹ جائے۔ جناب سلیمانؑ کو خوف دامنگیر ہوا کہ کہیں گر نہ جائیں۔آپ نے بساط کو صحرائے کربلا پر اُتارا اور آپؑ نے ہوا پر عتاب کرنا شروع کیا۔لیکن ہوا نے عرض کیا۔ یا نبی اللہ! میرے اضطراب کی یہ وجہ تھی کہ یہ وہ سرزمین ہے کہ جہاں پر محمد رسولؐ اللہ کا نواسہ بڑی بے دردی سے قتل کر دیا جائے گا۔

حضرت عیسیٰؑ

ایک دفعہ جناب عیسیٰ اپنے حواریوں کے ساتھ صحرائے کربلا سے گذر رہے تھے۔ ناگاہ ایک شیر سامنے آکر کھڑا ہوا اور کسی طرح سے بھی آپ اور آپ کے ساتھیوں کو آگے بڑھنے نہیں دیتا تھا۔آپؑ نے شیر سے ماجرا پوچھا تو شیر نے عرض کیا۔ یا نبی اللہ یہ صحرائے کربلا ہے۔ یہاں نبی اُمیؐ کا فرزند شہید کر دیا جائیگا۔

حضرت محمد رسول اللہؐ

ایک دن ایک جلیل القدر فرشتہ جناب رسالتمابؐ کی خدمت میں بغرض زیارت آیا۔ جب خدمت اقدس

میں شرفیابی کے لئے پہنچا تو دیکھا کہ جناب رسالتمآبؐ حسینؑ سے پیار کر رہے ہیں۔فرشتہ نے عرض کیا۔یا رسول اللہؐ! کیا آپ اس سے (حسینؑ سے) بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔آپؐ نے جواب دیا۔ہاں ہاں بہت ہی عزیز ہے مجھے یہ فرزند۔فرشتہ نے عرض کیا۔اسکو تو آپ کی اُمت شہید کردیگی۔اگر آپ چاہتے ہوں تو وہ سرزمین بھی دکھادوں گا۔آپؐ نے فرمایا۔ہاں دکھادو۔فرشتہ نے ہاتھ بڑھا کر کربلا کو بلند کر کے دکھادیا اور ایک خاک مٹھی میں بھر کر دکھادی۔آپؐ نے اس فرشتہ سے یہ خاک لیکر ایک شیشی میں رکھدی اور اُم سلمہ سے فرمایا کہ جب یہ خاک سرخ ہوجائے گی تو سمجھنا کہ میرا بیٹا حسینؑ قتل کردیا گیا۔

کربلا: امام علیؑ کی نظر میں

ابن عباس سے روایت نقل کی گئی ہے کہ جب جناب امیرؑ جنگ صفین پر گئے تھے اور زمین کربلا پر پہنچے تو حضرتؑ نے بآواز بلند فرمایا اے ابن عباس! کیا تم اس منزل کو پہچانتے ہو؟ میں نے (ابن عباس نے) عرض کیا، یا امیرالمومنینؑ! نہیں۔جناب امیرؑ نے آنسو بہاتے ہوئے فرمایا۔اے ابن عباس! اگر تم اس زمین کے متعلق وہ جانو جو کچھ میں جانتا ہوں تو تم اس وقت تک یہاں سے حرکت نہیں کرو گے جب تک نہ تمہارے آنسو بہہ نکلیں گے۔
جناب امیرؑ اس قدر گریہ کرتے رہے کہ محاسن شریف بھیگ گئے۔آپ کے رونے سے ہم تمام کے تمام رو دیئے۔
اسکے بعد آپ نے فرمایا **اُوہ اُوہ مالی و لا لی اُبی سفیان مالی و لا لِ حرب حزب الشیطان و اولیاء الکفرۃ صبراً یا ابا عبداللہ فقد لقی ابوک مثل الذی تلقیٰ منهم** آہ آہ آل ابوسفیان و آل حرب مجھے کیا مطلب ہے جو لشکر شیطان اور سرکردہ کفر و عدوان ہے۔اسکے بعد فرمایا اے ابا عبداللہؑ صبر کر۔تیرے باپ کو بھی ان اشقیاء کے ہاتھوں ہی صدمات گذرے ہیں جو تجھے پہنچائے گئے۔

اس کے بعد جناب امیرؑ نے وضو فرمایا اور بہت سی نمازیں پڑھیں۔اسکے بعد بہت سی باتیں کی۔ساتھ ساتھ روتے جاتے تھے یہاں تک کہ آپ کو نیند آ گئی۔جب آپؑ بیدار ہوئے تو فرمایا، اے ابن عباس کہاں ہو، میں نے عرض کیا مولا! حاضر ہوں۔آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو اس خواب کو بیان کروں جو میں نے ابھی دیکھا۔ابن عباس نے عرض کیا، ہاں مولا سنائیں۔آپؑ نے ارشاد فرمایا۔میں نے دیکھا کہ آسمان سے کئی شخص اُترے۔ان کے ہاتھوں میں تلواریں اور سفید پرچم تھے۔انہوں نے اس زمین کے گرد ایک خط کھینچا۔اسکے بعد اس زمین پر جتنے بھی درخت تھے ان کی شاخیں جھک گئیں اور یک بیک خون کا سمندر لہریں مارنے لگا۔میں نے اپنے پارہ جگر حسینؑ کو اس خون کے سمندر میں ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے دیکھا کہ وہ فریاد کر رہا ہے۔کوئی اسکی فریاد کو نہیں پہنچتا۔اسکے بعد کچھ نورانی فرشتے آسمان سے نازل ہوئے ہیں اور وہ حسینؑ سے بآواز بلند کہہ رہے ہیں۔کہ صبر کرو اے آل رسولؐ تم بد ترین لوگوں کے ہاتھوں قتل ہوگئے ہو۔اے ابوعبداللہ اب بہشت تمہاری مشتاق ہے۔اسکے بعد وہ فرشتے میرے

پاس آئے۔اور مجھے پُرسا دیکر کہنے لگے۔اے اباالحسن مبارک ہوخداوند کریم آپ کوشہادت حسینؑ کی وجہ سے قیامت میں آنکھیں روشن کرے گا۔''اے ابن عباس! اس رب العزت کی قسم ہے کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ مجھے میرے مخبرالصادقؐ نے خبر دی ہے کہ یاعلیؑ تم اس زمین پراس وقت گذرو گے کہ جب تم اہل ظلم وستم سے محاربہ کرو گے۔ یہ زمین کربلا ہے۔اُس زمین میں میرا حسینؑ مدفون ہوگا۔......اسکے بعد آپ نے ابن عباس کوحکم دیا کہ اس صحرا میں ہرن کی مینگنیاں ہیں۔ان کو ڈھونڈ لاؤ۔انکا رنگ مثل زعفران کے زرد ہوگا۔ان مینگنیوں کے متعلق مجھے جناب محمد رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے۔ابن عباس یہ حکم سنکر مینگنیوں کی تلاش میں نکلے۔ ناگاہ دیکھا کہ جس طرح جناب امیرؑ نے فرمایا تھا اسی طرح کی مینگنیاں ہیں۔ابن عباس نے بلند آواز سے پکارا یا مولا! میں نے مینگنیاں تلاش کی ہیں آپ نے یہ سنکر کر فرمایا۔سچ فرمایا میرے ابن عم محمد رسولؐ اللہ نے۔اسکے بعد آپؑ ابن عباس کے پاس آئے۔ان مینگنیوں کو اُٹھا کر سونگھا اور فرمایا یہی وہ ہیں کہ جن کو عیسیٰؑ بن مریمؑ نے سونگھا تھا۔ابن عباس نے عرض کیا۔ مولا! ذراوضاحت فرمایئے آپؑ نے فرمایا۔ایک دن حضرت عیسیٰؑ اپنے حواریوں کے ساتھ اس صحرا میں جب وارد ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ یہاں پر آہوں کا ایک گلہ رو رہا ہے۔ یہ حال دیکھ کر حضرت عیسیٰؑ اس سرزمین پر بیٹھ گئے اور رونا شروع کر دیا۔اصحاب عیسیٰؑ بھی عیسیٰؑ کو روتے دیکھ کر رونے لگے۔ حالانکہ اصحاب عیسیٰؑ نہیں جانتے تھے کہ جناب عیسیٰؑ کیوں رو رہے ہیں۔اسکے بعد حضرت عیسیٰؑ نے ان سے فرمایا۔کیا تم اس سرزمین کو جانتے ہو۔حوارین نے عرض کیا نہیں ہم نہیں جانتے ہیں۔آپ نے ارشاد فرمایا یہ وہ سرزمین ہے کہ جس پر فرزند پیغمبر آخرالزمانؐ جسکا نام احمدؐ ہوگا اور جسکی والدہ کا نام طاہرہ بتول ہو میری والدہ ماجدہ حضرت مریمؑ کی شبیہ ہے شہید کر دیا جائیگا اور اسی زمین پاک پر اسکا مدفن بنے گا۔اسکے بعد آپؑ نے ان مینگنیوں کو سونگھا اور دعا فرمایا۔خدایا ان کو اس وقت تک باقی رکھ جب تک نہ اس مظلوم کا باپ ان کو سونگھے گا۔اسکے بعد جناب امیرؑ نے ابن عباس سے فرمایا۔اے ابن عباس یہ وہی مینگنیاں ہیں اور یہ سرزمین کرب وبلا ہے۔الخ [٦]۔

یہ تھا کرب وبلا! کیوں نہ ابنیاء واولیاؑ علیہم السلام حسینؑ مظلوم کی تأسی میں اس سرزمین پر آ کر خون یا آنسو بہاتے؟ حسینؑ نے تو اسلام کو بچا کر تمام انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کے ماتھے پر چار چاند لگائے تھے۔انبیاء جانتے تھے کہ حسینؑ اُس غیر متزلزل قوت کا نام ہے کہ جو اس بے آب وگیاہ صحرا میں دفن ہونا قبول کریگا، لیکن اسلام کو دفن نہیں ہونے دے گا۔ وہ ان تمام تند و تیز آندھیوں کے رخ موڑ کے رکھ دے گا جو فرض اسلام کے لئے تباہ کن ثابت ہوسکتی ہوں اور وہ ان چہروں کو بے نقاب کرے گا جو اسلام کی عظمتوں اور عصمتوں کو کھلے بندوں بے نقاب کرنا اپنا فرض سمجھتے ہونگے۔ لہٰذا اگر اُس وقت نصرت وحمایت کیلئے موجود نہ بھی ہوں کم از کم یہاں چند دقیقوں کے لئے ہی سہی بیٹھ کر اُس رجل عظیم کی بلند وارفع قربانی کی تاسی میں خون اور آنسو بہائے۔

گُستاخ قاصد

عمر سعد نے کربلا میں اترتے ہی عروہ ابن قیس احمسی کو بلایا اور اسکو جانب حسینؑ خط دے کر بھیجنا چاہا۔لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا۔اے عمرو! مجھے اس امر کے لئے مجبور نہ کیا جائے کیونکہ میں نے حسینؑ کو کوفہ آنے کے سلسلے میں خط لکھا ہے۔لہٰذا اب تیری طرف سے وہاں جاتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔عمرو بن سعد نے یکے بعد دیگرے دوسرے سرداروں کو بطور قاصد بھیجنا چاہا۔لیکن انہوں نے انکار کیا۔عمرو ابن سعد اب اسی تردد میں تھا کہ اب کون جائے کہ ایک سردار آگے بڑھا۔اسکا نام کثیر ابن عبداللہ شعبی تھا۔اس نے عمر بن سعد سے کہا۔اے امیر! خط مجھے دیدے۔میں لیتا ہوں حکم ہو تو حسینؑ کا سر بھی جواب کے ساتھ لاؤں۔عمرو نے کہا، بہت اچھا! خط لیجا، لیکن ابھی سر کی ضرورت نہیں ہے۔یہ سنکر کثیر حسینؑ کی طرف آیا۔جب حسینؑ لشکر کے سپاہی کہ جسکا نام ابوثمامہ صیداوی تھا نے دیکھا کہ ایک آدمی لہراتا اور بل کھاتا ہوا ہماری طرف آرہا ہے تو یہ آگے بڑھے اور اسکا راستہ روک کر کہا۔

ابوثمامہ : اے مرد!''کہاں سے آرہے ہو؟''

کثیر : میں عمرو بن سعد کا قاصد ہوں اور حسینؑ کے پاس جانا ہے!''

ابوثمامہ : تجھے صرف اس صورت میں اجازت مل سکتی ہے کہ جب تم اپنی تلوار ہمارے حوالے کروگے!''

کثیر : ''بخدا! ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ہے!''

ابوثمامہ : ''یہ تمہاری سراسر گستاخی ہوگی!''

کثیر : چاہے کچھ بھی ہو۔میں قاصد ہوں۔لہٰذا تمہارا راستہ روک کر کھڑا ہونا بُرے نتائج بھی برآمد کرسکتا ہے۔

ابوثمامہ : کچھ بھی ہو تلوار لیکر تو ہمارے امیر کے پاس قطعی نہیں جاسکتا''!

کثیر : ''اگر تو میرا راستہ روک ہی لینا چاہتا ہے تو میں واپس چلا جاؤں گا!''

ابوثمامہ : ''اگر تجھے ہمارے امیر کے پاس چلنا ہے تو میں تمہاری تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر تمہارے ساتھ چلوں گا''!

کثیر : غصے میں!''ایسا کبھی نہیں میں ہونے دونگا!''

ابوثمامہ : ''تو پھر تم وہ پیغام یہیں پر سنادو جو عمرو بن سعد کی طرف سے لائے ہو'

کثیر : ''تو امیر تو نہیں ہے کہ تجھے میں اپنے امیر کا پیغام سنا سکوں''!

ابوثمامہ : ''یقیناً میں امیر نہیں ہوں۔ لیکن امیر تک پیغام تو پہنچا سکتا ہوں''!

کثیر : (لاجوابی کو چھپاتے ہوئے) اس پر میں راضی نہیں ہوں۔ اسکے بعد سست اور نازیبا کلمات کہہ کر واپس لوٹ آیا اور تمام واقعہ عمرو بن سعد سے بیان کیا۔ عمرو بن سعد نے دوسرے قاصد جسکا نام قرہ بن قیس حنظلی تھا کو بلا کر حسینؑ کے پاس بھیجا۔ جب قرہ حسینؑ کے لشکر کے پاس پہنچا تو حسینؑ نے اپنے اصحاب سے ارشاد فرمایا کیا تم میں سے کوئی اسکو پہچانتا ہے۔ اس پر حبیب ابن مظاہرؓ نے عرض کیا۔ یا مولیٰ! یہ میرا بھانجا اور قبیلہ حنظلہ تمیم سے تعلق رکھتا ہے۔ غرض قرہ نے قاصد کے فرائض انجام دیئے اور جب واپس جانا چاہا تو حبیب ابن مظاہر نے کہا۔ اے قرہ وائے ہو تجھ پر کیا تو نصرت امام سے ہٹ کر حمایت ظلم و جور کر رہا ہے۔ عاقبت برباد کر کے جہنم کے راستوں کو اپنا رہا ہے۔ نجات چاہتے ہو تو امام فاجر و ظالم کی طرف پلٹ کر نہ جاؤ۔ لیکن قرہ کو حبیب کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے یہ کہہ کر اپنی راہ لی کہ میں اس امر میں غور و فکر سے کام لوں گا۔

ادھر سے کرب و بلا میں یہ حال تھا دوسری طرف عمرو ابن سعد کے جوابی خط سے عبیداللہ ابن زیاد کے دماغ میں بھیانک خیالات اُبھرتے چلے گئے۔ جانتا تھا کہ زر و جواہر، خوف و ہراس اور ظلم و دہشت گردی کے باوجود اہل کوفہ کے قلوب پر اہلبیت رسولؐ کی مودت و محبت کا سکہ جما ہوا ہے۔ ظاہری طور پر تو ان کے ابدان خریدے جا سکتے تھے۔ لیکن ان کو مرضی کے رخ پر لانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ کیونکہ اہل کوفہ بخوبی جانتے تھے۔ کہ حسینؑ خانوادہ رسالتؐ کی ناقابل تنسیخ کڑی ہے۔ ان کے ساتھ جنگ کرنا عین رسولؐ کے ساتھ جنگ کرنا ہوگا۔ ان کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونا براہ راست رسالتمابؐ کے ساتھ ٹکراؤ ہوگا۔ یہ خیال ابن زیاد کو بُری طرح ستا رہا تھا۔ اگر یہ جانتا کہ قضائے الٰہی کچھ اور ہی ہے تو حیرانگی کی کوئی وجہ پھر باقی نہیں تھی۔ **فبعزتک لا غوینهم اجمعین**۔ تیری عزت و جلال کی قسم تمام بندوں کو گمراہ کروں گا۔ شیطان کا کھلا ہوا چیلنج تھا۔ لہٰذا ہوا یہی شیطان نے افرادِ کوفہ کو اس جال میں جکڑ لیا کہ جس کے ہر ہر رخ سے خون ٹپکتا تھا۔ ابن زیاد نے واحد سہارا دولت کا لیا۔ یہ وہ آخری حربہ اس کا تھا جو غیر معمولی طور پر کامیاب ہوا۔ اس نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ **من یاتینی راس الحسین فله جائزة العظمیٰ** ''جو حسینؑ کا سر لائے گا اسکو میں بہت بڑا انعام دوں گا''۔ تھا تو یہ ایک بھیانک کام لیکن دولت کس کا ایمان رکھتی ہے۔ لہٰذا ابن زیاد کی یہ مکارانہ پالیسی کارگر ثابت ہوئی۔ کوفہ کے لوگ پوری طرح شیشے میں اُتر گئے۔ یہی وہ واحد سہارا تھا کہ جس نے واقعہ کربلا کو ایک خطرناک موڑ پر لایا۔ تھے تو واقعاً کوفہ کے لوگ تذبذب[☆] میں کہ دولت کو اختیار کیا جائے یا خون حسینؑ کو۔ دو ہی راستے تھے ایک رستگاری، عاقبت اندیشی اور سرخروی، دوسرا مجرمانہ داغ۔ بھیانک انجام اور پشیمانی۔ انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ جب قبائل کے سردار ابن زیاد کے پاس میں

ے تذبذب میں نہ صرف عام افراد کوفہ ہی گرفتار تھے بلکہ عمرو بن سعد کی بھی یہی حالت تھی۔ چنانچہ کربلا جانے سے قبل اس نے چند اشعار بھی پڑھے تھے۔ کہ جن سے اسکی دلی کیفیتوں کا صحیح خاکہ معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

آ گئے تو ان کے ماتحت افراد کا آجانا اب لازمی تھا۔ لہٰذا اپنے اپنے سرداروں کی سرکردگی میں وہ کچھ کیا جس سے انسانیت کے ماتھے پر ایک خوفناک اور بدنما دھبہ لگ گیا۔ یقیناً بعد کے حکمرانوں نے اس دھبہ کو مٹانا چاہا لیکن یہ کلنک کا ٹیکہ تا ابد انکی پیشانیوں پر چمکتا ہی رہا۔

حوالہ جات

۱ تاریخ کامل ابن اثیر حصہ اول ص ۱۴۸؛ مقتل الخوارزمی جزء ا ص ۲۳۴؛ مقتل ابی مخنف ص ۶
۲ مقتل الخوارزمی جزء ا ص ۲۳۴
۳ مقتل ابی مخنف ص ۲۶؛ روضہ الشہد ا ص ۲۵۹
۴ مقتل ابی مخنف ص ۴۶۔۴۷؛ بحارالانوار حصہ اول ص ۱۹۸؛ العیون العبریٰ ص ۷۹؛ روضۃ الشہد ا ص ۲۵۹؛ اللہوف فی قتل الطفوف ص ۳۳؛ تاریخ اعثم کوفی ص ۲۶۴
۵ روضۃ الشہد ا ص ۲۵۹
۶ بحارلانوار حصہ اول ص ۹۶۔۹۵

گذشتہ سے پیوستہ

فوالله ادری وانی لواقف   افکرُ فی فی امری علی خطرین
و اترک مُلک الرّیَ مُنیتی   ام اصبح ما تو ماً بقتل الحسین
فان صدقوا ینا یقولوانا ننی   اتوب الی الرّحمن توبة ندعین
وان کذبوا نزنا بدینا دینة   و ملک عقیم دائم الحجلین
الا انّما الدنیا لغیر معجل   و ما عاقل باع الوجود بدین
فان انا اقتله فقد فازمو عدی   یقیناً واعملوعالم ا لم الحثین
ولکن رب العرش بغفر زکتی   ولو کنت فیها اظلم ثقلین

ترجمہ: بخدا میں حیران ومتفکر ہوں اور دو بڑے امور میں مجھے کچھ سوجھائی نہیں دیتا ہے۔ کہ آیا ملک رَے کو ترک کردوں یا حسینؑ کو قتل کردوں۔ پہلے میں (یعنی حصول ملک رَے میں) اپنے لئے راحت وآرام سے اور دوسرے میں (یعنی قتل حسینؑ میں) آگ، تباہی اور بربادی ہے۔ لیکن اگر یہ حقیقت ہے کہ توبہ قبول ہوجاتی ہے تو پھر میں قتل حسینؑ کرکے توبہ کردوں گا۔ اور اگر یہ حقیقت نہیں ہے کہ توبہ قبول ہوجاتی ہے تو پھر میں حصول دنیا میں یقیناً کامیاب ہوگیا۔ اور ملک عقیم ہے وہ تو کسی کا پاس ولحاظ کرتا ہی نہیں ہے۔ آگاہ ہوجاؤ دنیا تو نقد گاہ ہے اور عاقل کے لئے زیب نہیں دیتا ہے کہ وہ نقد کو نظر انداز کرکے قرض میں اپنے آپ کو پھنسوائے۔ (یہاں قرض کے معنی میں آخرت کی راحتیں ہیں)۔ اگر میں حسینؑ کو قتل کرنے میں کامیاب بھی ہوگیا۔ تو اپنے خیالات میں کم ازکم کامیاب تو ہوگیا۔ (یعنی مملکت رَے کی مسند شاہی) اور اسکے بعد آخرت میں جو کچھ بھی بھگتنا پڑے گا بھگتوں گا۔ آخرکار رب العرش میری خطاؤں کو درگذر فرمائے گا۔ اگرچہ میری خطا یا جن وانس سے بھی زیادہ کیوں نہ ہوں گی۔

(مقتل ابواسحاق اسفرائنی ص ۸۰ مطبوعہ بنارس؛ ناسخ التواریخ معتبر الفاظ ج ۲ ص ۱۸۰؛ ذبح عظیم ص ۱۸۳ طبع جدید)

اس سے یقیناً یہ معلوم ہوچکا ہوگا کہ کس طرح ان دولت، ثروت اور اقتدار طلب افراد نے عاقبت کو بھیانک بنا کر قتل حسینؑ میں شرکت کی ہے۔ عمرو بن سعد کے لفظ لفظ سے صرف حرص ٹپک رہا ہے۔ غرض آخرت کی نعمتوں سے محروم ہوکر دنیا کی نعمتیں ان کو زیادہ مل گئیں۔

فصل ۸

ایفائے عہد

الناس عبیدُ الدّ نیا

''لوگ دنیا کے بندے ہیں؟''

حسین علیہ السلام کا یہ بصیرت افروز ارشاد حرف بحرف صحیح اور مملو بہ حقیقت ہے۔ کبھی دنیا حسن پرست واقع ہو کر بڑے سے بڑا گناہ کرنے سے بھی نہیں کترائی۔ کبھی زر کی لالچ میں آ کر اپنا دین و ایمان بیچ ڈالا۔ زمین پر تو ملکوں کے ملک تباہ و برباد ہوئے۔ یعنی اس طرح دنیائے رنگین پر مر مٹنے والوں نے تاریخ میں وہ بھیانک رول ادا کیا کہ عقلیں حیران و پریشان ہو کر رہیں۔ عبیداللہ ابن زیاد نے ان ہی خطرناک حربوں کا سہارا لیا۔ ملک رَے تو عمرو بن سعد کیلئے بہترین جال ثابت ہوا لوگوں کو قتل حسینؑ پر آمادہ کرنے کیلئے کبھی زر کی لالچ دی اور کبھی زمین وزن کا۔ کیا لوگ دنیا کے بندے بن کے نہیں گئے۔؟ یقیناً گئے اور اس طرح گئے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہؐ ورد زبان بھی تھا۔ اسلام کے دعویدار بھی تھے۔ احادیث فہمی کی خوش فہمی بھی تھی۔ لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود کربلاء کی رزمگاہ میں خوفناک طریقے سے آئے۔ سبوں کا مقصد صرف یزید بن معاویہ کی خوشنودی تھی۔ ابن زیاد کی سلامتی تھی۔ مملکت بنو امیہ کا تحفظ تھا۔ وہ جس طرح بھی اُنکو حاصل ہو جاتا کر گذرتے۔ اس میں منزل کو پہچاننے کی ضرورت نہیں تھی۔ تصادم جس سے ہونے والا تھا۔ اسکی معرفت ضروری نہیں تھی۔ اسلئے کہ بنو اُمیہ کے تنگ نظر حاکموں نے ان کو آل رسولؐ کی معرفت سے عاری رکھا تھا یعنی انکی برین واشنگ کی گئی تھی۔ انکے اذہان میں صرف ایک بات بٹھائی گئی تھی کہ ہمارا مقصد حل ہوتے ہی بیت المال کا منہ کھولا جائے گا۔ تمہارے اجڑے ہوئے گھروں کو آباد کیا جائیگا۔ تمہاری دیرینہ آرزوؤں کو پورا کیا جائیگا۔ کچھ تو عطیات میں ابن زیاد نے اضافہ کیا تھا، اور بھی دینے کے عہد و پیمان کیے تھے، یعنی وقت کے سفاک حاکموں نے ان کی اصلی رگ پکڑ لی تھی۔ لہٰذا وہ وہی کرنا چاہتے تھے کہ جس سے لوگوں کا عام رجحان ان ہی کی طرف مبذول ہو کر رہ جاتا۔ سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟

جب: ''روم و ایران کی قدیم تہذیبیں عرب کے نوخیز تمدن سے ٹکرائیں اور گو مادی فتح عربوں کے ہاتھ رہی مگر غور سے دیکھیے تو عرب اپنی اس سادگی کو ہاتھ سے دے بیٹھے جو برسوں سے انکا سرمایہ افتخار تھی جس پر اسلامی اخوت کی بنیادیں رکھی گئیں تھیں۔ سونے اور چاندی کا امتیاز نہ کرنے والے عرب چند ہی سال کے اندر قیصر و کسریٰ کیلئے باعث رشک بن گئے۔ اور انکے عالیشان محلات، خدم و حشم اور کروفر کے سامنے دربار روم و شام کی داستانیں

فسانہ بن گئیں۔آہ! رسول اللہؐ کی پھٹی ہوئی دستار کے بدلے سلطان وقت کے سر پر زریں تاج نظر آنے لگے اور بوریے کی جگہ سونے اور چاندی کے تختوں نے گھیر لی۔مسلمان مالا مال ہوگئے۔اونٹوں کے چرانے والوں کے ہاتھ میں عنانِ سلطنت آ گئی۔لکڑیاں بیچنے والے مالک الرقاب بن گئے۔ یہ سب کچھ ہوامگر اسلام کی سادگی رخصت ہوگئی۔روحانیت کاوہ جلیل القدر سبق جواللہ کےآخری پیغامبرؐ نے دنیا کو پڑھایاتھاایک مرتبہ پھرفراموش کردیا گیا۔الخ[۱]

ظاہری بات ہے کہ دولت ،ثروت اور جاہ وحشم جب عربوں کی رگ رگ میں سما گیا تو اسکے بغیراورکون سا راستہ ان کے سامنے تھا کہ جس کی تلاش میں نکلنا یہ اپنا فریضہ جان لیتے۔لہٰذا وہی راستے انہوں نے اپنائے جہاں ان چیزوں سے انکومحرومی نہ ہوجاتی۔ چنانچہ جوخط اہل کوفہ نےحسین علیہ السلام کو لکھے تھے۔ان میں اکثر و بیشتر اسی چیز کی طرف اشارہ کرر ہے تھے کہ ہمیں صرف دولت سے غرض ہے۔ وہ چاہے آپ کی قیادت میں رہ کر ہمیں میسر ہوجائے یا ابن زیاد کوامیر تسلیم کر کے حاصل ہوسکے۔عقائد کی پختگی کے ساتھ ہمیں کیا۔ ذیل میں صرف ایک خط درج کر دیا جا تاہے تا کہ ہمارے دعوے کی تصدیق ہوسکے ملاحظہ ہو۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم للحسین بن علی ابن امیرالمومنین من شیعته اما بعد فانّ الناس ینتظرونک لاریٰ لهم غیرک فالجعل فالجعل یابن رسول الله فقد اخضرت الجناب واینعت السماء واعثبت الارض واورقت الاشجار فاتقدم علینا الخ۔

مدد کرنے والوں کی طرف سےحسینؑ ابن علیؑ کی خدمت میں۔اے فرزند رسولؐ لوگ آپ کا شدت سے انتظار کرر ہے ہیں۔آپ کےعلاوہ انکی نظریں کہیں اور کی طرف لگی ہوئی نہیں ہیں۔لہٰذا جلدی آ جایئے۔اے ابن رسولؐ! درخت سرسبز شاداب ہیں۔پھلوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ باغات باردار ہیں۔لہٰذا جتنا جلد ہوسکےتشریف لایئے۔[۲]

اس خط کوبغور پڑھیے کیا یہی اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ صرف دنیاوی امورات کے لئےحسینؑ کی قیادت کے خواہاں ہیں۔جبھی توحسینؑ کوسرزمین کوفہ کانقشہ پیش کرتے ہیں۔غرض یہی دنیاوی بندے تھےجس پرحسینؑ کوالناس عبیدالدنیا جیساحقیقت افروزارشادفرمانا پڑا......!

حوالہ جات

۱ فلسفہ آل محمدص ۱۳۳
۲ الہوف فی قتل الطفوف ص ۱۵

تعداد عساکر

مورخین میں نہ جانے کیوں اس امر میں اختلاف رہا کہ یزیدفوج کی صحیح تعداد کیا تھی۔علمائے اہلسنت میں سے خواجہ محمد بن علی المعروف ہاشم الکوفی کی روایت کے مطابق بائیس[۱] ہزار سوار پر مشتمل یہ لشکر تھا۔

علامہ سبط ابن جوزی کی روایت کے مطابق چھ ہزار[۲]

علامہ ابن صباغ مالکی کی روایت کے مطابق بیس ہزار[۳]

شیخ کمال الدین الطلحہ الشافعی کی روایت کے مطابق ۲۰ ہزار[۴]

ابی المویدالموفق بن احمد المکی اخطب خوارزم کی روایت کے مطابق ۲۲ ہزار[۵]

علمائے شیعہ کے نزدیک کم سے کم ۵۳ ہزاراورزیادہ سے زیادہ ۸۰ ہزار تک فوج تھی۔اس میں السیّد ابراہیم المیانجی[۶] نے ۳۰ ہزاراور مورخ شہیر لسان الملک میرزا محمد تقی[۷] نے ۵۳ ہزار۔شیخ عباس قمی[۸] نے ۳۰ ہزار تسلیم کیا ہے۔ صدرالدین واعظ القزوینی نے ریاض القدس میں ۳۰ ہزار سے لیکر ۴ لاکھ تک لکھا ہے[۹]۔

متذکرہ اقوال اندراج کرنے کا مقصد صرف یہی تھا کہ قارئین کرام بخوبی اندازہ لگائیں کہ حسینیؑ قافلے کے مقابلے میں کتنا بڑا لشکر آیا تھا۔حسینؑ کا قافلہ صرف اور صرف ۷۲ نفوس سے لیکر ۱۰۶ تک پر مشتمل تھا۔ملاحظہ ہو۔

تعداد اصحاب حسینؑ

لشکر حسینیؑ صرف ۳۲ سوار اور چالیس پیادوں پر مشتمل تھا[۱۰]۔

ابی المویدالموفق بن احمد المکی اخطب خوارزم کی روایت کے مطابق **اثنـان و ثـلاثـون فارسا واربعون راجلاً** یعنی ۳۳ سوار اور چالیس پیادے تھے[۱۱]۔

سید ابن طاؤس نے امام محمد باقرؑ سے روایت نقل کی ہے کہ آپؑ کا لشکر ۴۵ سواروں اور ۱۰۰ آدمیوں پر مشتمل تھا[۱۲]۔

علامہ سبط ابن جوزی نے **خمسة و اربعين فارساً و مائة راجل**۔یعنی ۴۵ سوار اور ۱۰۰ پیادے لکھا ہے۔[۱۳]

العیون العبریٰ والے نے لہوف ہی کی روایت کا اندراج کردیا ہے۔

ناسخ تواریخ نے یکے بعد دیگرے تمام اقوال نقل کئے ہیں۔

علامہ مجلسیؒ نے تحریر کیا ہے کہ ۴۰ آدمی پیادہ اور ۳۲ سوار تھے۔ محمد ابن ابی طالب نے ۳۲ سوار اور ۸۲ پیادے لکھا ہے۔ اور محمد بن علی ابن حسین علیہم السلام سے روایت کی گئی ہے کہ لشکر حسین ۴۵ سواروں اور ۱۰۰ پیادوں پر مشتمل تھا۔ اعلام الوریٰ کتاب میں لکھا ہے کہ ۳۳ سوار اور ۴۰ پیادے تھے۔ سبط ابن جوزی نے تذکرہ میں ۷۰ سوار اور ۱۰۰ پیادے لکھا ہے۔ نیز ۳۰ سوار اور ۱۰۰ پیادے بھی کہا گیا ہے۔ شرح شافیہ ابی فراس فی مناقب آل الرسول ومثالب بنی العباس میں لکھا ہے کہ لشکر حسینؑ ۱۰۰ سوار پر مشتمل تھا۔ مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ حسینؑ کے ہمرکاب ۱۰۰۰ آدمیوں نے جہاد کیا ہے۔ عوالم کی ساتویں ج میں ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادے اندراج ہیں۔ عبداللہ بن محمد رضا الحسینی نے جلاء العیون میں ۳۲ سوار ۴۰ پیادے لکھا ہے۔ زبدۃ الفکرۃ فی تاریخ الہجرۃ میں عبوس منصوری نے ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادے تحریر کیا ہے۔ مراۃ الجنان میں یافعی نے سوار و پیادوں کی کل تعداد ۸۲ لکھی ہے۔ تاریخ طبری والے نے ۴۰ سوار ۱۰۰ پیادے تحریر کیا ہے۔ تاریخ معینی میں لکھا ہے کہ سات افراد اولاد علیؑ میں، تین افراد اولاد حسینؑ میں اور حسینؑ کے اصحاب میں سے ۱۸۷ افراد شہید ہو گئے ہیں [۱۴]۔

حقیقت اور اسکا آغاز وانجام

دونوں لشکروں کے ذکر کرنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ ناظرین کرام بخوبی اندازہ لگائیں گے کہ اتنے اختلاف کے باوجود اب فوج کی صحیح پوزیشن کیا ہونی چاہیے۔ جو کچھ ہم نے اندراج کر دیا۔ تاریخی حوالہ جات سے مملو ہے۔ یہاں پر پہلے ہم یزیدی لشکر کی صحیح تعداد پر ایک مورخ جلیل کی حتمی رائے پیش کریں گے۔ اسکے بعد لشکر حسینیؑ کی صحیح تعداد کا اندراج کر دیا جائیگا تا کہ بعد کے انقلاب آمیز تصادم کے صحیح خدوخال واضح ہو سکیں۔

جہاں تک یزیدی فوج کی صحیح تعداد کا تعلق ہے، اسکے لیے صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ نہ ہی ہمارے پس پردہ رکھنے سے انکی قلت و کثرت چھپ سکتی ہے اور نہ ہی کوئی دفاعی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ بہت سر مارا یار لوگوں نے کہ فوج حسینیؑ کے مقابلے میں اتنی ہی فوج کربلا کی رزمگاہ میں پیش کی جائے جتنی تعداد حسینیؑ فوج کی تھی، تا کہ ہیمت کا نظارہ اور نکھر کر سامنے نہ آ سکے۔ لیکن جتنی بھی صلح کاری سے کام لیا گیا اتنا ہی ان کے خواب شرمندۂ تعبیر ہونے سے رہ گئے۔ ان کے ذہن میں صرف ایک ہی سوال کلبلا رہا تھا کہ آخر اتنی فوج آئی کہاں سے؟ حالانکہ سوال کرتے وقت یہ بخوبی جانتے تھے کہ یہ سوال مہمل ہمیشہ رہے گا۔ اس میں وہ دفاعی صورت نہیں رہے گی کہ حق کی بنا پر باطل کے مکروہ چہرے پر لگے ہوئے بھیانک داغ کو چھپایا جا سکے۔ اگر صرف کوفہ ہی کو لیا جائے تو یہ کہنا کتنا حماقت انگیز رہے گا کہ وہاں سے اتنی فوجوں کی دستیابی نہیں ہو سکتی تھی اور صرف ابن زیاد یا یزید کا ظلم وتشدد کوفہ پر ہی نہیں تھا۔ بلکہ جتنے بھی شہر انکی زد میں موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھے، ان شہروں سے بھی فوج کو لایا گیا تھا یہ

اسلئے تھا تا کہ علی علیہ السلام کی مرکزی حکومت کے دارالخلافہ کے رہنے والے اگر حسینؑ کو محصور یا قتل کرنے میں ہچکچاہٹ بھی محسوس کریں گے تو بقیہ شہروں کے رہنے والوں پر کم از کم ہمارا حکم بخوبی عمل میں آ سکتا ہے۔ کیونکہ جتنی کوفہ کے لوگوں میں عقیدت رات دن علی علیہ السلام کے ساتھ رہنے کی وجہ سے جاگزین ہوئی ہے۔ اتنی عقیدت دوسرے شہروں میں شاید نہ تھی۔ پھر یہ حقیقت بھی تھی کہ دولت کا عجیب وغریب پھندہ جو تیار کیا گیا تھا، اس میں زیادہ تر وہ لوگ پھنسنے والے تھے جو حکومت وقت کے دارالخلافہ سے دور تھے، کیونکہ کوفہ اور دمشق کے رہنے والے ہمیشہ سے مرکز خلافت میں رہتے آئے تھے۔ لہٰذا خلیفہ کے نشیب وفراز کا ان کو بخوبی علم تھا اور جو ان مرکزوں سے دور تھے وہ یہ تک بھی نہیں جانتے تھے کہ وقت کی صحیح نزاکت کیا چاہیے۔ ان وجوہات کی بنا پر جتنی فوج ابن زیاد نے یزید کے حکم سے جمع کر لی وہ حسینؑ کی فوج کے مقابلے میں ۱۰۰۰ گنا زیادہ تھی اور جہاں جہاں سے فوج کو لایا گیا تھا وہ ملاحظہ ہوں۔

الذی یظھر من الاخبار والآثار وکتب السیران الجیش عظیم وامرھم فخیم وضابطتھم محکمه و سیاستھم مجسمه وکلمتھم متفقة اما طوعاً واِمّا کرھاً ۔جیسا کہ اخبار آثار اور کتب سیر سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ابن زیاد کی فوج بہت زیادہ تھی۔ ان کے احکام مستحکم، ان کا نظم وضبط محکم، ان کی سیاست ایک جیسی، ان کی بات ہم آہنگ، اب چاہے یہ سب کچھ ان کی رضاء ورغبت سے تھا یا ان پر جبر وتشدد کیا گیا تھا الخ۔

ظاہر ہے کہ دل سے تو راضی کوئی نہیں تھا۔ یا تو دولت سے راضی ہو چکے تھے، زن، زر اور زمین سے برضاو رغبت جنگ میں شرکت کر چکے تھے، یا اس ظلم وتشدد، خوف وہراس اور دہشت واستبداد کی وجہ سے رزمگاہ میں اُتر چکے تھے، کہ جن کا سہارا لیکر بنوامیہ کی حکومت قائم ہوتی رہی۔ دونوں صورتوں میں ان کی شرکت غیر شرعی، غیر قانونی اور غیر عرفی قرار دی جا سکتی ہے۔ یعنی دونوں صورتوں میں یہ مجرم تھے۔ اسکے بعد صدرالدین واعظ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ صحرا سے آئے شہروں سے آئے......قبائل سے آئے......طوائف سے آئے......شاکریہ سے آئے......کندہ سے آئے...... ساباط سے آئے...... مداین سے آئے......عبادہ سے آئے...... ربیعہ سے آئے......سکون سے آئے......حمیر سے آئے......دارم سے آئے......غطفان سے آئے......مذحج سے آئے......یربوع سے آئے...... خزاعہ سے آئے......حلب سے آئے......نبط سے آئے......بصرہ سے آئے......تکریت سے آئے......عسقلان سے آئے......کرد سے آئے......مسجد بنی زہرہ سے آئے......غرض جہاں جہاں سے فوج بلائی تھی بلالائے الخ[۱۵]۔

ظاہر ہے کہ اتنے شہروں سے دو یا تین آدمی نہیں آئے ہونگے۔ لہٰذا اب یہ کہہ دیا جائے کہ فوج اتنی زیادہ نہیں تھی کہ جتنی شیعہ لوگوں نے تعداد بتائی ہے۔ ہم نے عرض کیا ہے کہ ہم ایک معتبر اہلسنت کی رائے کو ہدیہ ناظرین

کریں گے۔ وہ ملاحظہ ہو:

قلت الذّی استفاض فی روایات الشیعه وهم اهل هذا بیت وأدری بما فی البیت ان العسکر الذین احا طوا بالحسینؑ یقربون الی ثلاثین الفاً بل حکی ازید من ذالک الی ماده الف و اکثر الخ۔

روایات شیعہ کو ترجیح صرف اس لئے دی کیونکہ وہ اہلبیتؑ کے ماننے والے ہیں اور وہ زیادہ اس گھر کے بارے میں جانتے ہیں کہ ابن زیاد کے لشکر کی تعداد کو جس نے حسینؑ کا احاطہ کیا تھا قریب قریب ۳۰ ہزار بلکہ زیادہ حکایت کی گئی ہے کہ ایک لاکھ اور اس سے زیادہ تھی[۱۶]۔

یقیناً ہم اہل بیتؑ کے ماننے والے ہیں۔ سبط ابن جوزی صاحب نے تو اپنی روایات کو نظر انداز کر کے حقیقتاً صحیح روایات سے استفادہ فرمایا ہے اور کیوں نہ ہوں شیعوں کی روایات صحیح جبکہ یہ اہلبیتؑ کے دروازوں کی خاک اپنے لئے سرمایہ حیات تسلیم کر چکے ہیں۔ ہم نے خون بہا کر، ہاتھ قلم کروا کے، بے آبرو بن کر ان روایات کو منظر عام پر لایا ہے۔ ہم نے یہی تعداد جب بتائی تو یار لوگ سیخ پا ہو گئے۔

متذکرہ روایت سے معلوم ہوا کہ ابن زیاد کے لشکر کی کل تعداد ایک لاکھ یا اس سے زائد تھی اور جہاں تک تحقیق کا سوال ہے یہ تعداد قطعی صحیح اور مطابق روایات ہے۔

حسینیؑ لشکر کی تعداد

آپ کی فوج کی تعداد کل بہتر تھی۔ یہ تعداد آج تک مسلسل نہ گھٹتی رہی اور نہ ہی اس میں اضافہ کرنے کی جرأت کسی میں پیدا ہوئی۔ لیکن تعجب ہے کہ تاریخ، سیرت اور وقائع نگار حضرات کی ۷۲ تعداد کو بھی آج کل کے لوگوں میں نہ جانے کیوں تحقیق کا جوالا مکھی پھٹ پڑا کہ انہوں نے ۷۲ کی تعداد نہایت ہی کم مان کر ہزاروں کی تعداد ہی کو ترجیح دے دی، اور یہ شاید اس لیے کہ فوج یزید کی کثرت کے مقابلے میں بہتر کا اس طرح ڈٹ جانا حیرت انگیز ہی تھا کہ بنوامیہ کے آخری حکمران تک کے رونگٹے کھڑے ہو کے رہے۔ یار لوگوں نے بہت سر مارا کہ کسی نہ کسی طرح ۷۲ کی تعداد کو ایک انچ آگے بڑھائیں تا کہ موجودہ سیاست میں شرم سے پانی پانی نہ ہو جائیں اور لوگوں کی تجدید ذہنی کے ایک آدھ جھونکے کے سامنے خزاں کے زرد پتوں کی طرح لرزتے ہوئے مسل نہ دیئے جائیں آیئے ذرا دیکھیں کہ کیا واقعی حسینی فوج صرف ۷۲ افراد پر مشتمل تھی یا اس سے زیادہ......

ہم نے اختلافات کا اندراج کر دیا ہے۔ اس میں چند ہی کتابیں ایسی ہیں کہ جن میں ۷۲ کی تعداد کو آگے بڑھایا گیا ہے۔ لیکن حقیقت کیا ہے وہ ملاحظہ ہو۔

عمر ابوالنصر نے 'آل محمد کربلا' میں لکھا ہے کہ آپؑ کی فوج کی تعداد صرف اور صرف ۷۲ تھی۔

ابن اثیر جزری نے تاریخ کامل	۷۲ تھی
ابوالکلام آزاد نے شہادت حسینؑ میں	۷۲ تھی
ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ میں	۷۲ تھی
ابی حنیفہ احمد بن داؤد الدنووی نے اخبار الصلو ال	۷۲ تھی
علامہ مجلسی نے بحار میں	۷۲ تھی
فضل الدین طبرسی نے اعلام الوریٰ	۷۲ تھی
عبداللہ ابن نوراللہ نے عوالم میں	۷۲ تھی
محمد رضا حسین نے جلاء العیون میں	۷۲ تھی
عبوس صفوری نے زبدۃ الفکرۃ فی تاریخ الجہرۃ میں	۷۲ تھی
احمد بن ابی یعقوب نے تاریخ یعقوبی میں	۷۲ تھی۔
شیخ عباس قمی نے منتہی الآمال	۷۲ تھی

متذکرہ کتب کو زیر نظر رکھتے ہوئے کون ذی عقل اب اس حقیقت سے منکر ہوسکتا ہے کہ اصحاب حسینؑ کی تعداد ۷۲ سے سرمو بھی تجاوز کر چکی تھی۔ ہم کو حیرت ہے کہ برادران اہلسنت کی کتابوں کو کیوں نظرانداز کیا جاتا ہے جبکہ انہوں نے رطب و یابس لکھ کر بھی حق بات کہنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔ اب یہ بات حد تحقیق تک پہنچ گئی کہ حسینؑ کی فوج کی کل تعداد صرف اور صرف ۷۲ تھی۔

دونوں فوجوں کا انصاف پسند جائزہ

فوج حسینؑ		فوج یزیدی
صرف ۳۲ سواروں اور ۴۰ پیادوں پر مشتمل تھی۔		یزیدی فوج کم سے کم ایک لاکھ اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ ۳۰ ہزار سواروں پر مشتمل تھی۔ اور سب کے سب سوار تھے۔
آپ کی فوج میں صرف ایک ہی ایسا آدمی تھا کہ جس کو فوجی کہا جاسکتا تھا۔ وہ عباس ابن علیؑ تھے۔		فوج یزید میں بہت سے نوجوان تھے۔ اگر ان کی طاقت عباسؑ جیسی نہ بھی تھی۔ لیکن سن کے اعتبار سے حضرت عباسؑ کے ہم عمر تھے۔

کسی بھی کمک سے مستثنیٰ تھی۔	ان میں فعال تھے۔اسلحہ ساز تھے۔جراح تھے۔سقا تھے۔خیام اکھاڑنے اورنصب کرنے والے تھے۔ اہل صنعت تھے ۔نجا ر تھے۔غرض افواج کی ضرورتوں کو پورا کرنے والے تھے۔

سوال یہ ہے کہ آیا اس بے سر وسامانی کی حالت میں ان دونوں کا ٹکراؤ ہوسکتا تھا یا نہیں......؟ دنیائے سیاست کا نقطۂ نگاہ کبھی بھی ان میں تصادم کی اجازت نہیں دے گا۔تہذیب وتمدن کے گہواروں کی جنگیں ہر دوطرف حرب وضرب سے لیس تھیں۔ ادوار سابقہ میں اگر چہ آتشین تیر ہی کا استعمال ہوا کرتا تھا۔لیکن پھر بھی جانبین میں لڑائی کے سامان کی کمی نہیں ہوتی تھی۔لیکن جہاں جہاں جایئے گا، یہی پائے گا کہ جس کسی کے پاس بھی سامان حرب وضرب کی فراوانی اورفوج کی کثرت تھی اُسی نے فتح وکامرانی کا پرچم نصب کیا۔لیکن جنگ کربلا میں یزیدی افواج اپنی تمام تر طوفان خیزیوں اور بھیانک کاریوں کے باوجود جب اس حسینیؑ فوج کے ساتھ متصادم ہوئیں تو حسینیؑ فوج نے بے سر وسامانی اور سامانِ حرب وضرب کی عدم موجودگی کے باوجود بھی اس طرح یزیدی افواج کو عبرتناک شکست دیدی کہ مدتوں اسکو سر اٹھانے کی جرأت وہمت نہ ہوئی۔اسکی وجہ

Hussain marched with his little company not to glory, not to power or wealth, But to a supreme sacrifice and every member of that ballant band, Male and female, knew tha thte foesaround were implacable, were not only ready to fight, but to kill. Denied even water for the children, they remained parched under a burning sun, Amid scorching sands, yet no one fattered for a moment but bravely faced the greatest odds with out flinching.

آپ ذرا آگے چلئے ذرا ساخا کہ تاریخ کا ملاحظہ کریں گے۔اور یہ معلوم کریں گے کہ یزیدی افواج کے قائدین اور حسینیؑ افواج کے قائدین کون کون تھے۔

افسران عساکر یزید کے اسماء:

۱) عمر بن سعد ابن ابی وقاص	۹ ہزار سوار
۲) محمد ابن اشعث	۴ ہزار سوار
۳) شبث ابن ربعی	۴ ہزار سوار
۴) حصین ابن نمیر	۴ ہزار سوار
۵) شمر ابن ذی الجوشن	۴ ہزار سوار

۶) یزید ابی رکاب الکلبی	۲ ہزار سوار
۷) عامر بن خزیمہ	۴ ہزار سوار
۸) خولی ابن یزید الاصحی	۳ ہزار سوار
۹) سنان ابن انس	۴ ہزار سوار
۱۰) عروہ ابن قیس	۲ ہزار سوار
۱۱) ابوقدا باہلی	۹ ہزار سوار
۱۲) نفیر ابن خرشہ	۳ ہزار سوار
۱۳) حر ابن یزید ریاحی	۳ ہزار سوار
۱۴) حجاز ابن الحرا	ایک ہزار سوار
۱۵) نضائر ابن دینہ	۳ ہزار سوار
۱۶) بکر بن کعب	۳ ہزار سوار
۱۷) بجار ابن ابجر	ایک ہزار سوار
۱۸) نضر ابن فلاں	دو ہزار سوار

مختصر قافلہ اور اتنی فوج؟

۶۵ ہزار سوار عبیداللہ ابن زیاد ابن ابیہ کے حکم سے عمر بن سعد ابن ابی وقاص کے پاس کربلا میں جمع ہوئے۔ تا کہ حسینؑ کے لشکر جو صرف ۷۲ نفوس پر مشتمل تھا کے ساتھ پنجہ آزمائی کرے۔

سوال: کیا یہ ممکن ہے کہ اس اتنے مختصر سے قافلے کیلئے اتنی فوج بھیج دی گئی تھی۔؟

الجواب بعوف اللہ تعالیٰ: کیا تاریخ سے عدم واقفیت کسی ممکن کو ناممکن بنا سکتی ہے......؟ جب ایسا نہیں ہے تو انکار کی کیا صورت رہتی ہے؟ جناب! آپ کا یہ مہمل اعتراض نہ صرف خطۂ کشمیر ہی کی پیداوار ہے بلکہ اسکے لئے تو آپ کے بڑے بڑے زعمائے دین نے سر مارا تھا۔لیکن صف شکن قلمکار نے وقتاً فوقتاً اس اعتراض کے دندان شکن جوابات بھی پیش کیے ہیں۔آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہاشمی گھرانے کے افراد کی قوت کے مقابلے میں عرب کی کوئی قوت لڑ نہیں سکی تو ان مرغزاروں سے دبی دبی سسکیاں اُبھرتی ہیں، جن میں عرب کے شجاع اور بہادر جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کی تلوار نے خاک نشین کئے ہیں۔کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ علیؑ ابن ابی طالب نے یک وتنہا مرحب جیسے سردار اور عبدود جیسے بہادر کے گھمنڈ خاک میں ملا دئے تھے۔خیبر کے دروازے پر آج بھی یہ داستان لکھی ہوئی ہے کہ علیؑ کے ایک ہی جھٹکے نے میری چولیں ہلا کے رکھدی تھیں۔جب بھی کوئی غلطی سے ہل من

مبارز کا نعرہ مارتا ہوا علی کے مقابلے میں آیا اسکی لاش خاک وخون میں تڑپتی، مچلتی اور دم توڑتی ہوئی رہ گئی۔ جمل و صفین کو ذرا دیکھیے۔ کیا لیلۃ الہریر میں علی نے یکہ وتنہا ۱۶۰۰ آدمیوں کو ایک ہی رات میں قتل نہیں کیا۔ آگے بڑھے۔ جناب مسلم کی شجاعت کو دیکھیے۔ خود محمد ابن اشعث کا قول ہے کہ **اتظن انک ارسلتنی الی بقال من بقاقیل الکوفة او الیٰ جرمقان من اجرامقة الحیرة الم تعلم انک وجھتینی الیٰ بطل ضرغام ولیث ھمام وسیف من اسیاف رسول الله** ۔اے ابن زیاد! کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ کوفہ کے کسی بقال یا کسی بنئے کو گرفتار کرنا ہے۔ یہ تو مسلمؑ ہے جو شیر نیستان ہے اور اسکی اُس تلوار سے ٹکرنا جو محمد رسول اللہؐ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے [۷۱]۔

اس وقت ابن زیاد نے محمد ابن اشعث کو ۱۰۰۰ سوار کمک کے لیے بھیجے تھے۔ یعنی خانوادہ ہاشمی کا ایک فرد ایک ہزار پر بھاری تھا۔ اگر محمد ابن اشعث مکاری سے کام نہ لیتا تو کیا مجال تھا کہ ابن زیاد مسلم ابن عقیل کو گرفتار کر لیتا۔ رزمگاہ کربلا میں ایک نہیں پورے بہتر سرفروش تھے۔ اگر مسلم کیلئے ۱۰۰۰ آدمیوں کی ضرورت پڑی تو کربلا میں پورے بہتر ہزار پر تعجب کیوں؟ خون ایک ہی تھا۔ تلواریں ایک ہی مقصد کیلئے بے نیام ہو رہی تھیں۔ عزائم میں یکرنگی تھی۔ مطمع نظر ایک ہی تھا۔ آواز میں وحدت تھی۔ دھڑکنوں میں اتحاد تھا۔ جب یہ حقائق سامنے تھے تو پورے ۲۷ ہزار فوجوں کو چھوڑ کر ایک لاکھ سے زائد افواج ہی کو ترجیح دی جائے تو کونسا فتح لازم آتا ہے۔ اگر ابن زیاد چند سو پر ہی اکتفا کر لیتا تو تاریخ کا بھیانک چہرہ کون بے نقاب کرتا کہ دہشت، جبر اور ظلم کے تیور کیا ہوتے ہیں۔ ابن زیاد نے تو حقیقت کو منظر عام پر لایا کہ آل محمدؐ کے کسی فرد سے ٹکرانے کیلئے وہ حربہ استعمال کرنا چاہیے کہ جس کی مثال تاریخ عالم پیش کرنے سے یکسر قاصر رہے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ پھر حسینؑ کیوں اور کس طرح ظلم کے اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں بے دست و پا ہو کر رہے............

جہاں مقصد عظیم ہو...... مطمع نظر ارفع واعلیٰ ہو...... وہاں سر دھڑ کی بازی بھی اگر لگانی پڑتی ہے تو حقیقی قائدین ذرہ برابر بھی نہیں ہچکچاتے ہیں۔ اپنی تمام تر عظمتوں کو خاک وخون میں غلطان دیکھ کر ان کے مقاصد کی قباؤں میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ یہ بظاہر تڑپتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ تڑپنا حیات قوم کے لئے عمر جاودانی بن جاتا ہے۔ حسینؑ کے سامنے جو منزل تھی وہ اسلام کی منزل تھی۔ حسینؑ نے اپنے اور رفقاء کے خون پاک سے اسلام کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ میں وہ جلا عطا کی کہ ایک تو بذات خود اسلام حسینؑ کا رہین منت رہا، دوسرا کتنی بھی آندھیاں آجائیں لیکن چراغ اسلام کبھی بھی نہیں بُجھ سکے گا۔ اسکی ضیا پاشیاں گہری ظلمتوں میں روشنی تو پھیلائیں گی، لیکن جبر وتشدد، قہر وغلبہ اور ظلم واستبداد کو ہمیشہ ہمیشہ چکا چوند کرتی رہیں گی۔ آخر میں یہ ذکر کرنا نامناسب نہیں ہوگا کہ مقصدِ حسینؑ سمجھنا ہو تو مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ فرماویں ؎

موج پانی کی دلِ تشنہ کو تڑپاتی تھی جب — مجھ کو اُمت کے سفینے کا خیال آتا تھا
ضبط کرتا تھا مقصد ہی میرا تھا کچھ اور — ابن حیدرؑ ہوں مجھے بھی تو جلال آتا تھا
مصلحت تھی کہ بہتر کو نہ بھیجا ایک ساتھ — ورنہ کچھ مجھ کو بھی انداز جدال آتا تھا

یقیناً ایسا ہی ہے۔ ورنہ تاریخ کا نقشہ کچھ اور ہی خطۂ عالم میں اُبھر آتا۔ دنیائے انسانیت پر جتنا عظیم احسان ابن علیؑ نے کیا ہے وہ ہم کیا ارض وسماء کی تمام تر مخلوق بھی اتار نہیں سکتی ہے۔

تاریخی نقاب کُشائی

کربلا کی افواج قریب قریب دو بریگیڈوں پر مشتمل تھی۔ ان کے اسماء یہ تھے۔ عمر بن سعد..... شیعث ابن ربعی...... عروہ ابن قیس...... سنان ابن انس...... حصین ابن نمیر...... شمر ابن ذی الجوشن...... نضائر ابن دینہ المازنی...... یزید ابن رکاب الکلبی...... نصر ابن خرشہ...... محمد ابن اشعث...... عبداللہ ابن الحسین...... خولی ابن یزید الاصبحی...... بکر ابن کعب ابی طلحہ...... حجاز ابن الحر...... عامر بن خزیمہ...... ابوقدار باہلی۔

یہ تمام کے تمام جلاد تھے۔ کُتے تھے۔ ان کے سینے انسانیت سے خالی تھے۔ دشمنی سے پُر تھے اور بغض وفساد اُنکے انگ انگ میں ڈوبا ہوا تھا اور یہ دشمنی اور عناد ان لوگوں کو ان لوگوں سے تھا جو بہترین انسانوں میں سے گنے چنے افراد تھے [۱۸]۔

عباس محمود العقاد اہل علم حضرات کے سامنے عربی دنیا کی مایہ ناز شخصیت ہیں۔ انہوں نے سینکڑوں کتابیں لکھ کر ادبی دنیا میں ایک قابلِ اضافہ کر دیا۔ یعنی یہ گمنام قلمکار نہیں ہیں۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ انہوں نے کس طرح حق بات کہدی۔ واقعاً وہ لوگ جلاد اور کُتے ہی تھے کہ جنہوں نے محمد رسول اللہؐ کے لاڈلے بیٹے کے ساتھ ایسا بے رحمانہ سلوک کیا کہ جسکی مثال تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر رہی۔

میدان کربلا میں جو حسینؑ نے خواب دیکھا وہ ملاحظہ ہو۔

فلما کان وقت السحر خفق الحسین براسه خفقة ثم استیقظ فقال اتعلمون ما رایت فی منامی الساعة قالوا فما رایت یابن رسول الله قال رایت کلابا ًقد شدت علی تنهشنی و فیها کلب ابقع رایتهُ کاشدها علی واظن الذی یتولی قتلی رجلاً ابرص من بین هولاء القوم الخ. ☆

ترجمہ: جب وقت سحر ہوا تو حسینؑ کو اونگھ آ گئی۔ بیدار ہو کر اصحاب باوفا سے فرمایا کچھ جانتے ہو کہ میں نے کیا خواب دیکھا ہے۔ اصحاب نے عرض کیا۔ نہیں مولا ہم کچھ بھی نہیں جانتے ہیں۔ آپؑ نے ان سے فرمایا کہ اس وقت میں نے دیکھا کہ کئی کتوں نے مجھ پر حملہ کیا ہے۔ ان میں ایک کُتا ابلق تھا۔ وہ سب سے زیادہ مجھ پر حملہ کرتا تھا۔ مجھے

☆ س روایت کو آگے چل کر دوبارہ تمام کر کے مندرج کر دیا جائے گا۔

گُمان ہے کہ میرا قاتل مبروص ہوگا۔الخ[۱۹]

عباس محمود العقاد نے غالبًا اپنا نظریہ اس خواب پر قائم کیا ہے۔ بہر حال حقیقت تو واضح ہوگئی کہ جتنے بھی فوج مخالفین میں تھے وہ سب کے سب کُتے تھے۔اُن کا کوئی مذہب نہیں تھا۔کوئی دین نہیں تھا۔اور اگر یہ ظاہری لبادہ اسلام کا اوڑھے ہوئے بھی تھے لیکن اندر بھیانک حقیقتیں تھیں۔جو زمانہ جاہلیت میں ان کا طرہ امتیاز رہ چکی تھیں۔

بے رحم سرداران

تمام فوج کا کمانڈر انچیف عمرو بن سعد تھا۔اسکا وزیر اسکا بیٹا حفص تھا،اسکا غلام کہ جسکا نام درید تھا لشکر کا علمدار تھا۔عمرو بن سعد کے بعد دوسرا جونیئر کمانڈر انچیف ابوالاشرس تھا۔جاسوسی پر ابن ابی جویہ کومقرر کیا گیا تھا۔ بیلداروں کا سردار ابوایوب تھا۔میمنہ پر عمرو بن حجاج مقرر کیا گیا تھا۔میسرہ پر شمر ابن ذی الجوشن بحیثیت کمانڈنگ آفیسر تھا۔حرملہ بن کاہل اسدی تیر اندازوں کا سردار تھا۔پتھر پھینکنے والوں پر ابوالحوق مقرر تھا۔سنان ابن انس نیزہ داروں کا سردار تھا۔

ان گیارہ سرداروں کی قیادت میں فوج کربلا کے تپتے ہوئے بن سے لیکر دروازہ کوفہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسکے علاوہ قطعطانیہ سے لیکر قادسیہ اور قادسیہ سے لیکر عذیب الہجانات تک کے تمام راستے مسدود کردئے گئے تھے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ حسینؑ کی طرف سے یہ اب بھی مطمئن نہیں تھے لہٰذا جتنا ان سے ہوسکا پوری طرح میدان میں اُتر آئے۔

☆

حوالہ جات

۱۔تاریخ اعثم کوفی ص ۲۶۶۔
۲۔تذکرہ خواص الامہ ص ۲۶۱۔
۳۔الفصول المہمہ ص ۱۵۷۔
۴۔مطالب السئول ص ۲۴۵۔
۵۔ مقتل خوارزمی ج ا ص ۲۴۳
۶۔العیون العبریٰ ص ۸۲
۷۔ ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۱۸۳
۸۔ نفس المہموم ص ۹۶
۹۔ ریاض القدس ج ا ص ۲۷۵۔

۱۰ خلافت بنوامیہ حصہ اول ص ۱۴۷؛ آل محمد کربلا میں، عمر ابوالنصر ص ۱۱۱؛ تاریخ ابوالفداء ص ۳۰۵

۱۱ مقتل خوارزمی ج ۲ ص ۴

۱۲ اللہوف فی قتل الطفوف ص ۴۲

۱۳ تذکرہ خواص الامہ ص ۲٦۰

۱۴ ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۱۸۵

۱۵ ریاض القدس ج ۱ ص ۲۷۵

۱٦ تذکرہ خواص ص ۲٦۱

۱۷ مقتل ابی مخنف ص ۳۳

۱۸ ابوالشہداء، عباس محمود العقاد مطبوعہ مصر ص ٦۸

۱۹ مقتل الخوارزمی ج ۱ ص ۲۵۱۔۲۵۲

تصویر کا دوسرا رُخ

امام حسینؑ کے ساتھ جتنے جیالے تھے، مر مٹنے پر تیار تھے۔ یہ نہ ہی فوج کی کثرت دیکھ کر خائف ہوئے اور نہ ہی اپنے دردناک انجام پر حیران و پریشان۔ ان تمام افراد کا مقصد وہی کچھ تھا جو حسینؑ کا مقصد تھا۔ یہ صرف زبانی ہی اسلام کا دعویٰ نہیں کرتے تھے، بلکہ انکے انگ انگ میں اسلام کی عظمتیں بھری ہوئی تھی۔ یہ تلواروں کی چھاؤں میں سونا پسند کرتے تھے، لیکن دامن اسلام کو داغدار دیکھنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ ان کو معلوم تھا کہ دنیا آنی جانی ہے۔ آج کسی کے قدموں پر ڈھیر ہو رہی ہے، کل کسی اور کی باندی بن کر رہے گی۔ ان کے عزائم میں صرف اور صرف ایک چیز کلبلا رہی تھی، وہ تھی ابدی سرمدی۔ وہ ان کو ابن زیاد کے زیر سایہ رہ کر نہیں ملتی تھی اسلئے کہ حسینؑ نے ابن زیاد اور یزید کے بھیانک چہروں سے نقاب☆ اُتار دی تھی۔ اب بھی اگر یہ حسینؑ کی قیادت میں رہ کر دائمی مسرتوں سے ہمکنار نہیں ہوتے تو پھر اور کونسا موقع تھا کہ جس کے یہ منتظر رہتے۔ دوسری بات جو ان کے نزدیک سب سے زیادہ معتبر اور یقین کامل پر پہنچانے والی تھی وہ حسینؑ کی بات تھی۔ حسینؑ نے ان کو دونوں راستے بتا دیئے تھے۔ پہلا یہ کہ میرے ساتھ رہ کر قتل ہو جانا ہے۔ اس صورت میں اعلی علیین میں میرے ساتھ جگہ ہوگی، یعنی جنت ملے گی۔ دوسری

☆ مقام بیضہ پر آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

بعد حمد و ثنا عز و جل: اے گروہ الناس! جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص ایسے بادشاہ کو دیکھے کہ جس نے حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال کر دیا ہو۔ جو ظالم و جابر ہو۔ خداوند کریم کے عہد و پیمان کو توڑنے والا ہو۔ محمد رسولؐ اللہ کی سنت سے روگردانی اور بندگان خدا کے ساتھ دہشت اور جبر کرتا ہو۔ تو انسان پر فرض ہے کہ وہ فعل یا قول سے اسکی ڈٹ کر مخالفت کرے۔ اور اگر ایسا نہیں کرے گا تو خداوند کریم اس شخص کو بھی اسی بادشاہ کے ہمراہ جہنم کی بھیانک آگ میں ڈال دے گا۔ دیکھو یہ لوگ (بنوامیہ) انہوں نے تو ابلیس لعین کی اطاعت کا طوق گلے میں بخوشی ڈال دیا ہے۔ خدائے لم یزل کی اطاعت سے منہ موڑا ہے۔ بنوامیہ نے فساد کی آگ بھڑکائی۔ الٰہی حدود کو معطل کر دیا۔ سلطنت کے خراج کو ذاتی ملکیت قرار دیا ہے۔ اس لئے مجھ پر (خانوادہ رسالتؐ کا اہم فرد ہونے کی وجہ سے) یہ فریضہ عاید ہوتا تھا کہ میں انکے (بنوامیہ) خلاف نعرہ بغاوت بلند کروں۔ یہ صرف اس لئے کہ مجھے رسولؐ اللہ کے ساتھ گہری قرابت ہے۔ تم لوگوں نے تو میری بیعت کی تھی۔ اس سلسلے میں تم لوگوں نے مجھے خطوط لکھے۔ قاصد بھیجے تم لوگوں نے تو وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہاری نصرت و یاری مرتے دم تک کریں گے۔ اور مجھے یک و تنہا نہیں چھوڑو گے۔ اور اگر یہ حقیقت ہے کہ تم لوگ ابھی دائرہ بیعت میں ہی ہو تو یہ تم لوگوں کی خوش قسمتی ہے۔ اس لئے کہ اس میں سعادت دارین تمہارے لئے ہے۔ سنو! میں حسینؑ ہوں۔ علیؑ ابن ابی طالب کا فرزند۔ اور محمد رسولؐ اللہ کی اکلوتی بیٹی کا بیٹا۔ میری جان تمہاری جانوں کے ساتھ ہے۔ میرا اہل و عیال تمہارے اہل و عیال کے ساتھ ہے۔ اسکے باوجود اگر تم لوگوں نے ایسا نہیں کیا اور سابقہ دعوؤں کو جھٹلایا۔ کیونکہ یہ تم لوگوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ کیونکہ یہی سلوک تم لوگوں نے میرے باپ، بھائی، میرے چچا کے بیٹے مسلم ابن عقیل کے ساتھ کر چکے ہو۔ دھوکہ تو وہی کھائے گا جو تم لوگوں پر اعتماد کرے گا۔ اس لئے کہ تم لوگوں نے اپنے حقیقی حصہ سے منہ پھیر لیا۔ مجھے امید ہے کہ عنقریب خداوند کریم مجھے تم لوگوں کی طرف سے بے نیاز کرے گا۔ (مقتل الخوارزمی ج۱ ص۲۳۴ ۔ ۲۳۵)

بات مجھ سے روگردانی کرکے دنیا تو بھرپور ملے گی۔اس صورت میں جہنم کی آگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔لیکن اصحاب ہی کچھ ایسے تھے کہ انہوں نے دنیاوی عشرت کدہ کو مسمار کرکے آپؑ کی رفاقت میں رہ کر شہید ہونا قبول کیا۔کیونکہ یہ بخوبی جانتے تھے کہ شہادت کی لذت دنیاوی لذتوں سے لاکھوں درجے بہتر و افضل ہے۔چنانچہ اسکا اظہار انہوں نے یکے بعد دیگرے بھی کیا۔

ہلال بن نافع بجلی

''یابن رسولؐ اللہ! آپؑ کے جد بزرگوار اپنی محبت دلوں میں مستقر نہ کرسکے۔لوگ انکی اطاعت پر ثابت قدم نہ رہے۔بہت سے منافقین نے بظاہر وعدہ نصرت و یاری کیا،مگر باطن و پوشیدہ موقع کے منتظر رہے۔ہمیشہ آنحضرت منافقوں کے ہاتھ سے محنت و رنج میں مبتلا رہے تا آنکہ دار فانی سے رحلت فرمائی۔یہی حال آپکے پدر بزرگوار کا ہوا۔لشکر کثیر انکی امداد کو جمع ہوتا تھا اور ناکثین و قاسطین نے ان سے قتال کیا۔ہمیشہ آزار میں رہے۔یہاں تک کہ جوار رحمت حق میں پہنچے۔آج آپؑ بھی ان منافقین کے ساتھ مبتلا ہوئے ہیں۔جو شخص نقض عہد اور خلع بیعت کرے اس نے اپنے نفس کو ضرر پہنچایا خدا ہمارے لئے کافی ہے۔پس آپ بُرشد و عافیت ہمیں جہاں جی چاہے خواہ مشرق خواہ مغرب،ہمراہ لے چلیں۔قسم بخدا یہ امر ہمارے لئے مقدر ہوا ہے۔ہم اس سے نہیں ڈرتے اور ملاقاتِ پروردگار کو ناگوار نہیں سمجھتے۔نیت درست اور عزم صحیح سے آپکی متابعت اختیار کی ہے۔آپ کے دوستوں کے دوست دشمنوں کے دشمن ہیں۔جو ہمیں ارشاد ہو بجان و دل قبول کریں گے''

بُریرابن خضیر ہمدانی

یابن رسولؐ اللہ! بخدا حق سبحانہ تعالیٰ نے آپکی وجہ سے ہم پر یہ احسان کیا ہے کہ آپ کے سامنے جہاد کریں۔اعضاء ہمارے پارہ پارہ ہوں۔جد بزرگوار آپکے بروز قیامت ہمارے شفیع ہوں،اور وہ لوگ رستگار نہ ہونگے جو اپنے پیغمبر کے فرزند کی حرمت کو ضائع کریں۔تف ہو ان پر جو آپکی نصرت و یاری نہ کریں۔بروز قیامت ان کیلئے جہنم میں عذاب دردناک و حسرت و ندامت ہے[1]۔

زہیرابن قین

اے فرزند رسول! خدا آپ کا بھلا کرے ہم نے آپکے ارشادات بغور سنے۔یقیناً اگر دنیا دیرپا ثابت ہوتی اور اگر ممکن بھی ہوتا کہ ہمارا قیام بھی ہوتا۔تب بھی ہم زندگی کو صرف اسی ایک بات پر ترجیح دیتے کہ ہم آپکی معیت میں قتل ہو جائیں[2]۔

اگر تمام اصحاب کے تاثرات نقل کردیئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہوگی۔ہم نے اختصار سے

کام لیا ہے۔ مقصد صرف اتنا تھا کہ معلوم ہوجائے کہ دونوں طرف کے لوگوں کا نظریہ کیا کیا تھا۔ ظاہر ہے نظریات میں ہم آہنگی قطعی نہیں تھی۔ ایک طرف دنیاوالے تھے اور دوسری طرف آخرت والے اور یہی ایک عظیم الشان امتیازی فرق ہے کہ جسکوایک دوسرے میں مدغم کرنے کا سوال ہی پیدانہیں ہوتا ہے۔

بہتے آنسوں

یادھر اف لک من خلیل — کم لک بالا شراق والاصیل
من صاحب وطالب قتیل — والدھر لا یقنع بالبدیل
وکل حی سالک سبیلی — ما اقرب الوعد من الرحیل
وانما الامر الی الجلیل — سبحانه جل عن المثیل

ترجمہ: اے دنیا تیری رفاقت اور دوستی پر افسوس ہو۔ کتنے ہی شریف اور ذی حسب لوگ جنہوں نے صرف تیری ہی طلب میں تیرا ساتھ دیا اور پھر قتل ہوئے۔ خدانہ شریف لوگوں کے لئے تو ہوتا نہیں ہے ہر زندہ انسان کو یہی راستہ ملنے والا ہے۔ کوچ کرنے کا وعدہ کس قدر قریب ہے۔ مجھے تو معلوم ہے کہ ہر معاملہ اب جلیل اور پروردگار سبحانہ کے سپرد ہوگا[۳]۔

حسینؑ کے ان اشعار سے واضح ہوتا ہے۔ کہ آپؑ کے سامنے دنیا کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اسکی رفاقت سے آپ اس قدر اکتا چکے تھے کہ آپ نے صرف دنیا کو کمین انسانوں، حاسد افراد اور فضیل اشخاص کی آماجگاہ قرار دیا۔ حقیقتاً دنیا نے نہ ہی انبیاء علیہم السلام کی رفاقت کی ہے اور نہ ہی اوصیاء علیہم السلام کی دوستی کی ہے۔

آہ! رنج وکرب میں ڈوبے ہوئے اور دل کی گہرائیوں میں اُترنے والے یہ اشعار ایسے درد انگیز تھے کہ جب جناب زینبؑ نے سنے تو آپؑ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے، دل ڈوبنے لگا، دنیائے بے وفا پر دبی دبی سسکیوں کے بادل چھائے جا رہے تھے۔ شاید جناب زینبؑ کو اپنے بابا کا کوفہ یاد آیا کہ یہی کوفہ تھا جو پروانہ وار ہم پر نثار ہونے کو تیار تھا۔ لیکن آہ! آج میرے ماںجائے بھائی حسینؑ کا دشمن بن چکا ہے۔ ممکن تھا کہ حالات کا انتظار جناب زینبؑ فرماتیں۔ لیکن بھیا کے بروقت اشعار نے تو واضح کر دیا کہ نہیں نہیں!! دنیا کے بندے خدا کے بندوں کے ساتھ کب رہتے آئے ہیں۔ اس مکار دنیا نے ایسے سنہرے جال پھیلا رکھے ہیں کہ اس میں سبھی پھنستے چلے آئے ہیں۔ یہ ہمارا ساتھ چھوڑ چکی ہے۔ اے زینبؑ! تمہارا بھائی، فاطمہؑ کا راج دلارا یکہ وتنہا ہے۔ اسکا نہ ہی کوئی معین ہے اور نا ہی کوئی ناصر۔ اسکی زندگی بحر مصائب وآلام پر ہچکولے کھا رہی ہے۔ زینبؑ کے یہ تصورات! مردوں کو کیا پگھلا سکتے ہیں۔ ہاں ہاں عورتوں کی سرتاج زینبؑ صرف عورتوں کو بتا رہی ہیں کہ جب کسی کا بھائی اپنی بہن کے سامنے بے بس، مجبور اور بے دست و پا ہو جاتا ہے تو بہن کے دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ زینبؑ بھی تو ایک بہن تھی۔

لہٰذا لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اُٹھی، بھائی کو بلوایا اور عرض کیا۔

میرے مانجائے بھائی! زینبؑ تجھ پر واری ہو جائے...... یہ اشعار آپ نے کیوں پڑھے؟ میرے بھیا! کیا واقعاً تمہیں قتل ہونا ہے؟ ہاں زینبؑ! حسینؑ کا یہ مختصر سا جواب زینبؑ کے خرمن امید پر بجلیاں بن کر گر گیا۔ زینبؑ کو اب کہاں تاب مقادت۔ آنسو تو پہلے ہی سے بہاتی آئی تھی۔ حسینؑ کے جواب سے ذہن پر ایک جھٹکا لگا۔ دھڑام سے فرش پر گر گئیں۔ حسین جھکے...... عباسؑ آئے، علی اکبرؑ آئے، قاسمؑ آئے، ام کلثوم آئی، آئے تو سبھی، لیکن کیا دیکھتے ہیں کہ حسینؑ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ زینبؑ بے ہوش ہیں۔ سب پوچھا، حسینؑ نے ان کو تو کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ ایک سرد آہ کھینچی اور زینبؑ سے فرمایا۔ میری بہن اُٹھو تو سہی دیکھو یہ اکبر ہیں، عباس ہیں، قاسم آئے ہیں، تمہاری بہن ام کلثوم تمہارے سرہانے کھڑی ہے۔ حسینؑ نے کچھ اس انداز سے یہ کلمات ادا فرمائے کہ آنے والوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اس لیے کہ آج زینبؑ کی صرف یہ حالت تھی کہ سب کی آنکھیں تر ہوئیں۔ لیکن آہ! کل یہی زینبؑ ہوگی۔ لیکن نہ ہی قاسم ہونگے، نہ ہی اکبر، نہ ہی عباس ہونگے اور نہ ہی حسینؑ ......۔

زینبؑ ہوش میں آئیں۔ حسینؑ نے تسلی دی کہ زینبؑ حوصلے سے کام لو۔ ہمارے جد محمد رسول اللہؐ کے فرمائے ہوئے میں سرمو فرق نہیں ہوسکتا ہے۔ لیکن زینبؑ کا دل پھٹا جا رہا تھا۔ آنسو پھر بھی بہہ بہہ کے آنچل کو تر کرتے رہے۔

خونین شفق

یوں تو روز ہلال دیکھنے کے متعلق گفت وشنید ہوتی رہتی ہے لیکن مہینہ کے آخر میں ہلال دیکھنے کے لئے اکثر لوگوں کا اجتماع ہوا کرتا ہے۔ اس پر کمیٹیاں بنائی گئی ہیں تاکہ وہ ہلال کے متعلق صحیح رائے قائم کرسکیں۔ ہمارے ہاں صرف دو ہلالوں کو دیکھنے کی زیادہ اہمیت ہے ایک تو ہلال عید اور دوسرا ہلال محرم دونوں ہلال متضاد ہیں۔ ہلال عید فرحت وانبساط لیکر آتا ہے اور ہلال محرم رنج وغم لیکر۔ ہلال عید صرف ایک دن کی خوشیوں کا قائد تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن ہلال محرم پورے ایک ماہ اور بیس دن تک اپنی تمام تر دردانگیزیاں سمیٹ کے لاتا ہے، اور جب ہلال محرم خونین شفق پر اپنی سہمی اور گھبرائی روشنیوں کے ساتھ نمودار ہوتا ہے تو قلب مسلم کے ہر ہر حصے میں صف ماتم بچھ جاتی ہے۔ ہر گھر آہ وبکا کا مرکز بن جاتا ہے، اس لئے کہ اس ہلال کے ماتھے پر کربلا کی بربادی کی خونچکاں داستان لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ تو صرف سب محرم کی ابتدائی گھڑیاں ہوتی ہیں۔ ابھی تو حسینؑ راستے میں ہیں۔

پہلی محرم یہی یادیں لے آتی ہے۔

دوسری محرم حسینؑ کربلا میں اُتر آئے، آتے ہی مالکین زمین کو بُلایا اور ان سے فرمایا کہ میں اس زمین کو خریدنا چاہتا ہوں۔ زمین کے مالکوں نے حیران ہو کر عرض کیا۔ یا ابن رسولؐ اللہ! یہ بے آب وگیاہ صحرا جہاں دور دور تک لو کے جھکڑ چل رہے ہیں۔ جہاں پرندہ پر مارنے کی جرات نہیں کرسکتا ہے کہ خرید کر کیا کریں گے؟ لیکن مالکین

زمین کیا جانتے تھے کہ یہ زمین کتنی عظمتوں کی مالک ہے۔اس پر کیا کچھ ہونے والا ہے۔غرض ۶۰۰۰۰ ہزار درہم میں زمین کربلا خریدی گئی۔زمین کا قبالہ دینے والے اہل غاضریہ اور نینوا کے لوگ تھے[۴]۔

تیسری محرم خیام کے انصاب کا حکم فرزند رسول نے دیا۔خیام نصب ہوئے تو آپؑ نے تمام اصحاب کو ایک کشادہ خیمے میں جمع کیا اور ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

''اے دوستو! دنیا مجھ سے پیٹھ پھیر چکی ہے۔اگر تمہیں خیال ہو کہ مجھے مادی فتح حاصل ہوگی تو معاملہ اس سے گذر چکا ہے۔کشتہ و شہید راہ خدا ہونے کے سوا چارہ نہیں۔میں کسی کو دھوکہ دینا نہیں چاہتا ہوں جو کوئی فتح کی طمع اور دنیا کی لالچ میں آیا ہے میں اس پر سے اپنی بیعت کے حق کو اُٹھاتا ہوں اب وہ خود سمجھ لے''[۵]

''کھل کر سامنے آنے میں جو مزہ ہے وہ چھپ کر کہاں۔یہی مثال حسینؑ نے اپنے اصحاب کے ساتھ پیش کی۔تاکہ کسی کو یہ غلط فہمی نہ پیدا ہو جائے کہ حسینؑ بطمع مسند اقتدار شاہی یہاں آئے ہیں۔لہٰذا جیت کر ہم میں کسی نہ کسی عہدے کے اہل قرار پائیں گے۔حسینؑ نے تو واضح کر دیا کہ دیکھو بہر حال قتل ہونا ہے لہٰذا جو اس صورت میں میرا ساتھ دینا چاہے وہ بخوشی رہ سکتا ہے اور جو صرف فتح و کامرانی کے زعم میں ہمارا ساتھ دے رہا ہے۔وہ چلا جائے۔ظاہر ہے کہ حسینؑ کسی بھی صورت میں حصول اقتدار کی غرض سے نہیں گئے تھے۔یہی کچھ مقصد ہوتا تو اس خطرناک مرحلے کے وقت اس قسم کا اظہار خیال کچھ صحیح نہیں سمجھ میں آتا ہے لہٰذا یار لوگوں کا یہ کہنا کہ حسینؑ صرف اقتدار کی غرض سے جانب کوفہ چلے آئے تھے۔کتنا حماقت انگیز خیال ہے۔آگے چل کر ناظرین کرام وقتاً فوقتاً حسینؑ کے اس قسم کے ارشادات ملاحظہ فرما دیں گے۔

تیسری ہی محرم تھی کہ عمرو بن☆ سعد کا تقرر بحیثیت گورنر جنرل کربلا میں ہوا۔اسی تاریخ کو حصین ابن نمیر بھی فوج لیکر وارد کربلا ہوا۔

☆ جناب محمد لطیف انصاری تحریر فرماتے ہیں کہ ''عمرو بن سعد جیسا کہ غلط طور پر مشہور ہے۔صحابی نہیں تھا،مگر تابعی ضرور تھا اور صحاح ستہ کا کسی نہ کسی سلسلہ میں راوی حدیث ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب کے انتقال کے دن اسکی ولادت ہوئی۔تقریب التہذیب حافظ ابن ہجر (عسقلانی) مطبوعہ دہلی، اسکے سن بلوغ تک بہت سے صحابہ کرام موجود تھے۔اس نے ان کی زبانی یقیناً وہ احادیث سنی ہونگی جو سرکار رسالتؐ نے کفلین رحمت حسنین علیہم السلام کے بارے میں ارشاد فرمائی تھیں۔

۲؎ پھر حضرت علیؑ کے زمانہ سلطنت میں جب کہ وہ کم سنی اور بے شعوری کے دور سے آگے بڑھ چکا تھا،اسے امام حسینؑ کے بلند اوصاف اخلاف کے مشاہدہ کا موقعہ ملا ہوگا۔

۳؎ پھر جناب امام حسینؑ مدینہ تشریف لے گئے ہوں گے تو اس نے اس وقت سے اب تک امام کے تقویٰ وطہارت،عبادت وسخاوت محاسن ذات اور اطوار واخلاق کے واقعات جو زبان زد خواص وعوام تھے یقیناً سُنے ہونگے۔اس لئے وہ امام حسینؑ سے جنگ کو پسند نہیں کرتا تھا اور وہ اسے گناہ عظیم سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے امام حسینؑ کے خلاف مہم پر جانے سے انکار کر دیا۔اور کہدیا۔کہ مجھے معاف کر دیجئے تو بہتر ہے اس پر ابن زیاد نے کہا تو اچھا پھر ہمارا پروانہ حکومت رَے واپس کر دو۔عمر سعد کو حکومت رَے دِل سے عزیز تھی۔اس لیے جاہ طلبی اور حق شناسی میں تصادم ہوا۔اس نے فیصلہ کرنے کے لئے ایک دن کی مہلت طلب کی،مہلت مل گئی۔عمر سعد نے اپنے مخصوص اعزا واصحاب سے مشورے طلب کئے۔سب نے مخالفت کی۔بلکہ اس مہم پر جانے سے پر زور منع کیا۔بلکہ حمزہ ابن مغیرہ بن شعبہ نے

چوتھی محرم کو عمرو بن سعد کے حکم سے ایک وفد امام حسینؑ کے پاس بھیجا گیا تا کہ آپکا موقف معلوم کیا جا سکے۔
پانچویں محرم کو امام حسینؑ اور عمرو بن سعد کے درمیان پُر اسرار گفتگو ہوئی۔ دونوں طرف کے قائدین تیس تیس افراد کو لیکر خیام سے نکلے۔ دونوں ایک جگہ اتر کے محو گفتگو ہوئے۔ لیکن نگراں پوری طرح چوکس تھے کہ دیکھیں گفتگو کیا کچھ ہوتی ہے اور اسکا ماحصل کیا ہوتا ہے۔ عمر ابن سعد نے حسینؑ کی یہ رائے بڑے ٹھنڈے دل سے سنی کہ میں ترک عراق کروں۔ ضرورت پر عرب کے عرب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیر باد کیا جائیگا' عمرو بن سعد تو راضی ہوا لیکن خولی ابن یزید الاصبحی کو عمرو بن سعد اور حسینؑ کی اس طرح کی گفتگو ناگوار گذری اس نے آتش حسد و بغض اہلبیتؑ میں جل کر ابن زیاد کو لکھا کہ۔

''ایھا الامیر ان عمر بن سعد یخرج فی کل لیلة ویدعو الحسین و یتحد ثان حتی یمضی من اللیل ثلثة و قد ادرکته علی الحسین الرحمة والرأفة فأمره ان ینزل عن حکمک و تصییر الامر الی وانا کفیک امره ''

'اے امیر! عمرو بن سعد ہر رات کو نکل کر حسینؑ کے ساتھ مصروف گفتگو ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ رات کے تین حصے ختم ہوتے ہیں۔ اور میں اسکو ہمیشہ حسینؑ کے ساتھ نرمی اور شفقت کے ساتھ برتاؤ کرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ پس اسکو آپ لکھ بھیجیں کہ وہ اپنے عہدے سے دستبردار ہو جائے اور یہ اعزاز مجھے دیا جائے تا کہ آپ کے عزائم کو میں خاطر خواہ عملی جامہ پہناؤں[۹]۔

اب کیا تھا، عمر سعد گو کہ ظاہر بین نگاہوں کی وجہ سے نرمی برت رہا تھا۔ حقیقتاً اسکا بھی وہی بھیانک خیال تھا جو کہ ابن زیاد کا تھا، اور یہ گفتگو تو صرف حسینؑ کے عزائم، مقاصد اور فوجی قوت معلوم کرنے کے لئے ہو رہی تھی۔ اگر یہ بات نہیں تھی تو کربلا آنے کا پھر کیا مقصد تھا؟ عمرو بن سعد کی نرم روی سے تو بہت سے افراد دھوکہ کھا چکے کہ اسکا ارادہ قطعاً جنگ کا نہیں تھا۔ اسکو تو حسینؑ اور آپ کے اہلبیتؑ کے ساتھ بہت محبت تھی اور یہ قطعی غلط ہے اس لئے کہ بعد کے واقعات'' جو آئندہ انشاءاللہ درج کئے جائیں گے''۔ ہمیں کہیں بھی اس قسم کی نشاندھی نہیں کرتے ہیں کہ عمر ابن سعد کو

(گذشتہ سے پیوستہ)
جو اسکا بھانجا تھا حسب ذیل تقریر کی۔
'' آپ حسینؑ کے خلاف جنگ کو نہ جائیں۔ اور گناہ گار ہونے کے ساتھ ساتھ رشتۂ قرابت قطع کرنے کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ خدا کی قسم اگر تمام دنیا کا مال و دولت اور عالم بھر کی سلطنت آپکے قبضہ میں ہو اور پھر وہ نکل جائے تو بہتر ہے اس سے کہ حسینؑ کے خون کا بدلہ اپنی گردن پر لیں۔
(طبری ج ۶ ص ۲۳۳)

سچ مشیروں کے ان مشوروں کے مقابلے میں جاہ طلبی کا جذبہ رہ رہ کر حکومت رَے کا تصور پیش کر رہا تھا۔ وہ دماغی کشمکش میں مبتلا تھا۔ جس سے شب کی تاریک پردے میں آسکے یہ اشعار ظاہر کر رہے تھے۔ (ترجمہ) کیا میں رَے کی حکومت چھوڑ دوں۔ درآں حالیکہ وہ مجھے دل سے پسند ہے یا حسینؑ کو قتل کر کے طوق مذمت میں گرفتار ہوں۔ ان کے قتل کرنے میں دوزخ کی آگ ہے اور رے کا ملک میری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہے۔
(کتاب البلدان، ص ۲۷۱)

ذرہ برابر حسینؑ یا خانوادۂ رسالت کے ساتھ محبت تھی۔اس نے جو بہیمانہ اور سفاکانہ برتاؤ اہل بیت حسینؑ کے ساتھ کیا، یہ بات سمجھانے کے لئے کافی تھا کہ جنگ سے پہلے کی کاروائی محض فریب اور دھوکہ ہے اور اسکے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔غرض خط ابن زیاد کے پاس پہنچا۔عمرو بن سعد کی اس کاروائی سے زخمی ناگن کی طرح پیچ وتاب کھانے لگا۔اس پر شمر ابن ذی الجوشن جیسے فتنہ پرداز نے اور تیل چھڑکا اور دربار میں غصے سے کانپتے ہوئے کھڑا ہوا اور ابن زیاد سے کہا۔

بھیانک مشورہ

''اے امیر! آج حسینؑ ہر طرف پھنسے ہوئے ہیں، اگر وہ آج ہمارے پھندے سے نکل گئے تو دنیا کی کوئی طاقت پھر انکو ہمارے جال میں نہیں لے آسکتی ہے۔اگر ہمیں بھی آپکے دربار میں لب کشائی کرنے کا حق ہے تو ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ حسینؑ کی یہ رائے جو عمرو ابن سعد نے پیش کی ہے کو قطعی منظور نہیں کیا جائے۔اسلئے کہ عمر ابن سعد کا کہنا اگر یہ صحیح تسلیم کیا جائے کہ حسینؑ کہیں اور چلے جانا چاہتے ہیں تو یہ ایک فریب ہے جو حسینؑ ہمیں دے رہے ہیں۔آپ حتمی فیصلہ کر کے عمر ابن سعد کو لکھئیے کہ حسینؑ غیر مشروط طریقے پر ہتھیار رکھیں اور آپ کی بیعت کریں۔اگر یہ مطالبہ انہوں نے مان لیا تو اسکے بعد آپکی مرضی ہے کہ آپ ان کے ساتھ کیا سلوک کریں ہم مطلق دخل اندازی نہیں کریں گے''

ابن زیاد اس مشورے پر فوری عمل کرتا ہے اور ایک تہدید آمیز عمر ابن سعد کے نام لکھتا ہے اور وہ خط یہ تھا۔

''امابعد! یابن سعد قد بلغنی انک فی کل لیلة تخرج و تبسط بساطا و تدعو الحسین وتتحدث معه حتیٰ یمضی من اللیل شطره فاذا قرأت کتابی فامره ان ینزل علی حکمی فان اطاع وان امنعه من شرب الماء فانی حللته علی الیهود والنصاریٰ وحرمته علیه وعلیٰ اهل بیته.''

اے پسر سعد! مجھے اچھی طرح معلوم ہوگیا ہے کہ تم تمام رات اپنی لشکر گاہ سے باہر رہتے ہو اور فرات کے کنارے فرش بچھا کر حسینؑ کو بلوا کر گفتگو کرتے رہتے ہو اور حسینؑ سے نرمی برت رہے ہو۔پس جونہی میرا خط تم تک پہنچے تو ان کو پڑھ کر سنانا۔اگر انہوں نے ہماری رائے تسلیم کی تو ٹھیک، نہیں تو ان کے اور فرات کے پانی کے درمیان اس طرح حائل ہو جاؤ کہ یہ اُس پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پینے پائیں جو میں نے یہود و نصاریٰ کے لیے تو حلال قرار دیا ہے اور حسینؑ ، اسکے اہل اور اسکے اصحاب کیلئے حرام قرار دیا ہے ؎۔

یہ خط عمر ابن سعد کے پاس چھٹی محرم کو پہنچا۔اب اسکے سامنے صرف ایک راستہ تھا کہ ابن زیاد کے فرمان پر عمل کرے۔چنانچہ اس نے عمرو ابن الحجاج کو پانچ سو سوار دیکر دریائے فرات پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا۔عمرو بن سعد نے اسکو تاکید کی کہ خبردار حسینؑ تک ایک گھونٹ پانی کا نہ پہنچے۔عمرو ابن حجاج خانوادہ رسالت کا ازلی دشمن تھا۔اس نے پانچ سو سواروں کو اس طرح گھاٹ پر پھیلا دیا کہ اب ایک آدمی بھی حسینؑ کی طرف کا پانی تک نہیں پہنچ

سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ بحارالانوار ج۱۰ حصہ اول ص۱۹۸
۲۔ اللہوف فی قتلی الطفوف ص۳۳
۳۔ مقتل الخوارزمی ج۱ ص۲۳۷
۴۔ ستارہ درخشان ج۵ ص۱۱۱
۵۔ ماہنامہ سیفنہ سرینگر، محرم الحرام نمبر ج۵ ص۵۰
۶۔ مقتل ابی مخنف ص۵۰
۷۔ مقتل ابی مخنف ص۵۱

فصل ۹

پیاس

بندشِ آب

گرمی پورے شباب پر تھی۔ دور دور تک بے آب و گیاہ صحرا میں صرف لو کے جھکڑ چل رہے تھے۔ زمین شعلے اگل رہی تھی اور آسمان انگارے برسا رہا تھا۔ اصحاب حسینؑ اگرچہ تھوڑا بہت صبر بھی کر سکتے تھے۔ لیکن بچوں کی العطش العطش جگر میں اترنے والی فریادیں، ان کے لئے ناقابل برداشت تھیں۔ اس پر ستم یہ کہ ننھے ننھے بچے خیموں کے دروازوں پر آ کر نہر فرات کی طرف بڑی حسرت و یاس سے دیکھتے بھی تھے۔ عمرو بن حجاج نے فوج کو حکم دیا کہ پانی کی مشکیں اور چھاگلیں بھری جائیں۔ اس کی فوج نے حکم کی تعمیل کی۔ خود پیا اور باقی پانی ان بچوں کے سامنے بہا دیا۔ یہ سفاکی کی وہ بھیانک منزل تھی کہ دنیا بھری ان پر لعنت کرنا اپنا فریضہ جان لیتی ہے۔ عمرو بن حجاج کی فوج میں ایک دوسرا سردار تھا اسکا نام عبداللہ بن حصین الازدی☆ تھا اس بدبخت نے حسینؑ کو خطاب کر کے کہا۔

''یا حسین ! الا تنظرون الی المآءِ کانّه کبد ا لسماء ؟ و الله لا تذوقوا منه قطرةً واحدةً حتیٰ تموتو ا عطشا. فقال الحسین اللهم اقتله عطشاً و لا تغفر له اَبَدًا''

''اے حسینؑ! دیکھو یہ آب فرات جیسا کہ آسمان کا جگر ہے۔ بخدا تجھے اس میں سے ایک قطرہ بھی نہیں ملے گا۔ یہاں تک کہ تم عطشان میں مرجاؤ گے۔ یہ سن کر حسینؑ نے اللہ سے عرض کی۔ خداوندا! اسکو عطشان میں مارنا اور اسکی مغفرت کبھی بھی نہ کرنا''۔[1]

اسکے بعد عمرو بن حجاج نے حسینؑ سے کہا۔

''یا حسین ! هٰذا الماء تلغ فیه الکلاب و تشرب منه خنازیر اهل السواد والحمرٌ والذکاب و لا تذوق منه واللّٰهِ قطرةً حَتیٰ تذوق الحمیم فی نار الجحیم ۔''

اے حسینؑ اس پانی میں کُتے بھی اپنی زبان ڈالتے ہیں۔ اس میں سے سور بھی پیتے ہیں۔ اسمیں سے وحشی درندے بھی پانی پیتے ہیں۔ لیکن تجھے اس میں سے ایک قطرہ بھی نہیں ملے گا۔ یہاں تک کہ (معاذ اللہ) تو جہنم میں سے حمیم پیئے گا۔[2]

☆عبداللہ بن حصین کا انجام: کہتے ہیں کہ بعد از واقع کربلا جب بھی اسکے سامنے پانی لاتے تھے تو اسکی پیاس کسی بھی طرح نہیں بُجھتی تھی اور پیتا تھا لیکن قے کر کے واپس پانی آجاتا تھا اور پیتا تھا لیکن دوبارہ قے کر کے واپس آجاتا تھا۔ غرض یہ پھر تڑپ تڑپ کر واصل بہ جہنم ہوا۔ تاریخ کامل، ابن اثیر حصہ اول ص ۱۴۲

بے بنیاد الزام اور اسکی حقیقت

ابن زیاد نے عمر سعد کو نہ صرف حسینؑ پر موجودہ کارروائی کی وجہ سے پانی بند کرنے کا حکم نامہ نافذ کیا تھا۔ بلکہ ابی الحدید الموفق احمد المکی اخطب خوارزم کی روایت کے مطابق یہ بھی لکھا کہ **یابن سعد بلغنی ان الحسینؑ یحضر الابار و یصیب الماء فیشرب ھو و اصحابہٗ فانظر اذا ورد علیک کتابی ھٰذا فامنعھم من حضر الابار ما استطعت وضیق علیھم ولا تد عھم ان یذوقوا من الماء قطرۃ وافعل بھم کما فعلو ا بالزکی عثمان والسلام.**

اے ابن سعد مجھے خبر ملی ہے کہ حسینؑ کنویں کھودتے ہیں۔ اور اسمیں سے پانی پیتے ہیں اور اسکے اصحاب پیاس بُجھاتے ہیں۔ جس وقت میرا خط تجھے پہنچے۔ تو ان پر کڑی نگرانی رکھے۔ خیال رہے کہ ان کے لبوں تک ایک قطرہ پانی کا نہ پہنچے۔ وہ اسی طرح پیاسے قتل کردیئے جائیں۔ جس طرح عثمانؓ کو قتل کردیا گیا یعنی تشنہ لب [۳]۔

حقیقت کیا ہے؟

مندرجہ ذیل عبارت کو بغور پڑھیے دیکھیے حالات کس طرح بگڑتے جارہے ہیں۔ اپنے عزیزوا قارب کو ان جلیل القدر مناصب پر مقرر کرنا کہ جن کی اہلیت و قابلیت خود علامہ مودودی کے نزدیک کچھ بھی نہیں تھی۔ کیا اکابر صحابہ کو بھڑکانے کے لئے کافی نہیں ہوسکتی تھی۔ اب اگر اکابر صحابہ نے وہ کام انجام دیا جو حضرت عثمانؓ کی غلط پالیسی کی وجہ سے ان کو دنیا چاہیے تھا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ صحابہ بخوبی جانتے تھے کہ اچھا کیا ہے بُرا کیا ہے۔ اس پر مروان کا کردار جو کچھ بعد میں آل رسول کے ساتھ رہا یا بذات خود بنوامیہ کے حکمرانوں کا آل رسولؐ کے ساتھ رہا وہ انتقامی رویہ ضرور رہا ہوگا۔ جس طرح معاویہ نے حضرت عثمان کے قتل کا ذمہ دار حضرت علیؑ کو ٹھہرایا، اور جامع دمشق میں خون آلود پیراہن اور نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کی۔ کیا معاویہ کیلئے یہ ثابت کرنا کچھ مشکل تھا کہ وہ شامی لوگوں یا اپنے حاشیہ نشینوں کو یہ باور کراتا کہ آل محمدؐ ہی نے حضرت عثمان پر پانی بند کردیا تھا۔ یہی وہ عقیدہ تھا کہ جو ابن زیاد نے عمرو بن سعد کو خط میں واضح کرکے لکھا کہ پانی حسینؑ پر اُس طرح بند کرو جس طرح حضرت عثمان پر بند کردیا گیا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا علی ابن ابی طالب یا آپکے محبوں نے اس قسم کی حرکت کی تھی کہ نہیں؟ ظاہر ہے کہ افراد اہل بیتؑ کے لئے سورہ دھر پورے کا پورا نازل ہوا ہے۔ اس میں اللہ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ یہی وہ افراد ہیں جو اپنی پیاس، اپنی بھوک اور اپنے کپڑوں پر مساکین، غربا، اور حاجت مندوں کی پیاس، بھوک اور کپڑوں کو ترجیح دیتے ہیں اور اس پر تو سبھوں کا متفق فیصلہ ہے کہ اہل بیتؑ کے گھرانے سے کوئی سائل خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹا

ہے۔اگر گھر پر سائل نہ بھی آیا تو یہ بذات خود ان کے گھروں تک گئے اور انکی ضرورتوں کو پورا کیا۔

ڈاکٹر طہٰ حسین مصری لکھتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ پر پانی بند کیا گیا تھا تو حضرت علیؑ کی تدبیر سے تھوڑا سا پانی ان کے گھر لیجانے میں کامیاب ہو گئے[۴]۔

جس وقت امیر معاویہ نے باغیانہ خیال کی ترویج کرنے کے بعد صفین کی رزمگاہ میں اپنی بے پناہ فوجوں کو حضرت علیؑ کے مقابلے لا کھڑا کیا۔امیر معاویہ نے فرات کے پانی پر قبضہ کیا اور قابض فوجوں کو یہ حکم دیا کہ علیؑ کا لشکر پانی پینے نہ پائے۔لیکن جب حیدر کرارؑ نے اپنی افواج کو حکم دیا کہ معاویہ کی فوج کو فرات کے گھاٹ سے بے دخل کر دیا جائے۔جب حیدرؑ کرار کی فوجیں آگے بڑھیں تو معاویہ کی فوج بھگوڑوں کی طرح بھاگ کھڑی ہوئی۔معاویہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں علیؑ بھی ہم پر پانی بند نہ کریں لیکن کیا کہنا مولائے عالمؑ کی دریا دلی کا۔آپؑ نے حکم دیا کہ خود بھی پیو اور معاویہ کی فوج کو بھی پانی پینے دو۔خبردار پانی کوئی نہ روکے[۵]۔

کیا خانوادہ رسالت ہی نے حضرت عثمانؓ پر پانی بند کیا تھا؟

تحقیق وتدوین شدہ کتب اگر جواب اثبات میں پیش کریں گے تو ابن زیاد کا یہ من گھڑت مفروضہ تسلیم کیا جائیگا۔خیال تو رہے کہ جس وقت بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ پر حملہ کیا۔علی مرتضیؑ برابر اسی کوشش میں رہے کہ حالات خطرناک صورت اختیار نہ کر جائیں۔بلوائیوں کو مسلسل سمجھانے پر بھی جب کوئی اثر نہیں پڑا تو حالات اسی حکم کے مطابق ہوئے کہ جسکا حضرت عائشہؓ نے حکم دیا تھا۔ بات اصل میں کیا ہے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں علامہ مودودی رقمطراز ہیں:

اس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا ہے کہ اپنے خاندان کے جن لوگوں کو سیدنا عثمانؓ نے حکومت کے یہ مناصب دیئے تو انہوں نے اعلیٰ درجے کی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا ثبوت دیا اور انکے ہاتھوں سے بہت سی فتوحات ہوئیں۔لیکن ظاہر ہے کہ قابلیت صرف انہی لوگوں میں نہیں تھی۔دوسرے لوگ بھی بہترین قابلیتوں کے مالک موجود تھے اور ان سے زیادہ خدمات انجام دے چکے تھے۔محض قابلیت اس بات کے لئے کافی دلیل نہیں تھی کہ خراسان سے لیکر شمالی افریقہ تک کا پورا علاقہ ایک ہی خاندان کے گورنروں کی ماتحتی میں دے دیا جاتا اور مرکزی سیکرٹیریٹ پر بھی اسی خاندان کا آدمی مامور کر دیا جاتا۔یہ بات اول تو بجائے خود قابل اعتراض تھی کہ مملکت کا رئیس اعلیٰ جس خاندان کا ہو مملکت کے تمام عہدے بھی اسی خاندان کے لوگوں کو دے دیئے جائیں۔مگر اسکے علاوہ چند اسباب اور بھی تھے جن کی وجہ سے اس صورت حال نے اور زیادہ بے چینی پیدا کر دی۔

اول یہ کہ اس خاندان کے جو لوگ دور عثمانؓ میں آگے بڑھائے گئے۔وہ سب طلقاء میں سے تھے۔طلقاء سے مراد مکہ کے وہ خاندان ہیں جو آخر وقت تک نبیؐ اور دعوت اسلامی کے مخالف رہے۔فتح مکہ کے بعد حضور نے انکو

معافی دی۔اور وہ اسلام میں داخل ہوئے۔حضرت معاویہ، ولید بن عقبہ، مروان بن الحکم انہی معافی یافتہ خاندانوں کےافراد تھےاور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تو مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو چکے تھے۔رسول اللہؐ نے فتح مکہ کے موقع پر جن لوگوں کے بارے میں یہ حکم دیا تھا۔کہ وہ اگر خانہ کعبہ کے پردوں سے بھی لپٹے ہوئے ہوں تو انہیں قتل کردیا جائے۔یہ ان میں سے ایک تھے۔حضرت عثمانؓ انہیں لے کرا چانک حضورؐ کے سامنے پہنچ گئے۔اور آپ نےؐ محض ان کی خاطر ان کو معاف فرمادیا تھا۔فطری طور پر یہ بات کسی کو پسند نہ آسکتی تھی کہ سابقین اولین، جنہوں نے اسلام کو سر بلند کرنے کے لئے جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا پیچھے ہٹا دیئے جائیں اور ان کی جگہ یہ لوگ امت کے سرخیل ہو جائیں۔

دوسرے یہ کہ اسلامی تحریک کی سربراہی کے لئے یہ لوگ موزوں بھی نہ ہو سکتے تھے کیونکہ وہ ایمان تو ضرور لے آئے تھے۔مگر نبیؐ کی صحبت و تربیت سے انکوا تنا فائدہ اُٹھانے کا موقع نہیں ملا تھا کہ انکے ذہن اور سیرت و کردار کی پوری قلب ماہیت ہو جاتی۔وہ بہترین منتظم اور اعلیٰ درجہ کے فاتح تو ہو سکتے تھے اور فی الواقع وہ ایسے ہی ثابت بھی ہوئے لیکن اسلام محض ملک گیری اور ملک داری کے لئے تو نہیں آیا تھا (اگر یہی مطلب ان کی انتظامی صلاحیتوں کا تھا جو مودودی کا دعویٰ ہے تو پھر اندلس کی آٹھ سو سالہ حکومت چشم زدن میں کیوں نیست و نابود ہو کر رہی۔) وہ تو اولاً اور بالذات ایک دعوت خیر و صلاح تھا۔انتظامی اور جنگی قابلیتوں سے بڑھ کر ذہنی و اخلاقی تربیت کی ضرورت تھی اور اسکے اعتبار سے یہ لوگ صحابہ و تابعین کی اگلی صفوں میں نہیں بلکہ پچھلی صفوں میں آتے تھے۔اس معاملہ میں مثال کے طور پر مروان ابن حکم کی پوزیشن دیکھئے اس کا باپ حکم ابن ابی عاص جو حضرت عثمانؓ کا چچا تھا۔فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوا تھا۔اور مدینہ آکر رہ گیا تھا۔مگر اسکی بعض حرکات کی وجہ سے رسول اللہؐ نے اسے مدینہ سے نکال دیا تھا۔اور طائف میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں اسکی ایک وجہ یہ بیان کی ہے۔کہ رسول اللہؐ نے اپنے اکابر صحابہ کے ساتھ راز میں جو مشورے فرمائے تھے۔کسی نہ کسی طرح سن گن لیکر وہ انہیں افشا کر دیتا تھا۔اور دوسری وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں۔کہ رسول اللہؐ کی نقلیں اتارا کرتا تھا۔حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضور نے خود اسے یہ حرکت کرتے دیکھ لیا[۶]۔

بہر حال سخت قصور ہی ایسا ہو سکتا تھا۔جس کی بناء پر حضورؐ نے مدینہ سے اسکے اخراج کا حکم صادر فرمایا۔مروان اس وقت ۷۔۸ برس کا تھا اور وہ بھی اسکے ساتھ طائف میں رہا۔جب حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے تو ان سے عرض کیا گیا کہ اسے واپسی کی اجازت دیدیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔حضرت عمر کے زمانے میں بھی اسے مدینہ آنے کی اجازت نہ دی گئی۔حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اسکو واپس بُلایا۔اور ایک روایت کے مطابق آپ نے اسکی وجہ یہ بیان کی کہ میں نے رسول اللہؐ سے اسکی سفارش کی تھی (سفارش کو اگر بالفرض تسلیم بھی کیا

جائے گا تو وہ صرف مدینہ آنے کے لئے ہی ہوسکتی تھی نہ کہ مدینہ کا منصب دینے کی بھی رسول اللہؐ نے فرمائش کی تھی)اور حضورؐ نے مجھ سے وعدہ فرمالیا تھا کہ اس سے واپسی کی اجازت دے دیں گے۔اس طرح یہ دونوں باپ بیٹے طائف سے مدینہ آ گئے۔ ےؔ

مروان کے اس پس منظر کو نگاہ میں رکھا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ اسکا سیکرٹیری کے منصب پر مقرر کیا جانا لوگوں کو کسی طرح گوارا نہ ہوسکتا تھا۔لوگ حضرت عثمانؓ کے اعتماد پر تو یہ مان سکتے تھے کہ حضور نے ان کی سفارش قبول کر کے حکم کو واپسی کی اجازت دینے کا وعدہ فرمالیا تھا۔اسلئے اس سے واپس بلا لینا اس بات کا بھی اہل ہے کہ تمام اکابر صحابہ کو چھوڑ کر اسے خلیفہ کا سیکرٹیری بنا دیا جائے۔خصوصاً جبکہ اسکا وہ معتوب باپ زندہ موجود تھا اور اپنے بیٹے کے ذریعے حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہوسکتا تھا۔

تیسرے یہ کہ ان میں سے بعض کا کردار ایسا تھا کہ اس دور کے پاکیزہ ترین اسلامی معاشرے میں ان جیسے لوگوں کو بلند مناصب پر مقرر کرنا کوئی اچھا اثر پیدا نہ کرسکتا تھا مثال کے طور پر ولید ابن عقبہ کے معاملے کو لیجئے۔ یہ صاحب بھی فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں میں سے تھے۔رسولؐ اللہ نے ان کو بنی مصطلق کے صدقات وصول کرنے کیلئے مامور فرمایا۔مگر یہ اس قبیلے کے علاقے میں پہنچ کر کسی وجہ سے ڈر گئے اور ان لوگوں سے ملے بغیر مدینہ واپس جا کر انہوں نے یہ رپورٹ دے دی کہ بنی مطلق نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔اور مجھے مار ڈالنے پر تُل گئے۔ رسول اللہؐ اس پر غضبناک ہوئے اور آپؐ نے انکے خلاف ایک فوجی مہم روانہ کر دی۔قریب تھا کہ ایک سخت حادثہ پیش آ جاتا۔لیکن بنی مصطلق کے سرداروں کو بروقت علم ہوگیا اور انہوں نے مدینہ حاضر ہو کر عرض کیا کہ یہ صاحب تو ہمارے پاس آئے ہی نہیں۔ ہم تو منتظر ہی رہے کہ کوئی آ کے ہم سے زکوٰۃ وصول کرے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔''**یا ایھاالذین اٰمنوا ان جائکم فاسقٌ بنبا فتبیّنوا ان تصیبوا قوماً بجھالۃٍ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین**'' اے لوگوں جو ایمان لائے ہو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق آ کر کوئی خبر دے تو تحقیق کر لو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کے خلاف ناواقفیت میں کوئی کارروائی کر بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ (الحجرات/ ٦)۔

اسکے چند سال بعد حضرت ابو بکر و عمر نے ان کو پھر خدمت کا موقع دیا اور حضرت عمر کے آخری زمانے میں الجزیرہ کے عرب علاقے پر جہاں بنی تغلب رہتے تھے عامل مقرر کئے گئے۔ ۲۵ھ ہجری میں اس چھوٹے سے منصب سے اُٹھا کر حضرت عثمان نے انکو حضرت سعد ابن ابی وقاص کی جگہ کوفہ جیسے بڑے اور اہم صوبہ کا گورنر بنا دیا۔وہاں یہ راز فاش ہوا کہ شراب نوشی کے عادی ہیں۔حتیٰ کہ ایک روز انہوں نے صبح کی نماز چار رکعت پڑھا دی (کیا امام جماعت کے یہی اوصاف جناب محمد رسول اللہؐ نے فرمائے ہیں۔آج کے امام کچھ اس سے کم تو نہیں ۔ ہاں صرف ایک ہی لاثانی عقیدہ ملے وہ شیعوں کے ہاں ہے کہ امام عادل ہو،اور عدالت شرابی کے ہاں تو ہوتی ہی نہیں ہے)۔

پھر پلٹ کر لوگوں سے پوچھا اور پڑھاؤں۔اس واقعہ کی شکایات مدینہ تک پہنچیں اور لوگوں میں اسکا عام چرچا ہونے لگا۔ آخر کار حضرت مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن اسود نے حضرت عثمان کے بھانجے عبیداللہ بن عدی بن خیار سے کہا کہ تم جا کر اپنے ماموں صاحب سے بات کرو اور انہیں بتاؤ کہ ان کے بھائی ولید بن عقبہ کے معاملہ میں لوگ ان کے طرز عمل پر اعتراض کر رہے ہیں۔انہوں نے جب اس معاملہ کی طرف توجہ دلائی اور عرض کیا کہ ولید پر حد جاری کرنا آپ کے لئے ضروری ہے تو حضرت عثمانؓ نے وعدہ فرمایا کہ ہم اس معاملہ میں انشاءاللہ حق کے مطابق فیصلہ کریں گے۔چنانچہ صحابہ کے مجمع عام میں ولید پر مقدمہ قائم کیا گیا۔حضرت عثمانؓ کے اپنے آزاد کردہ غلام حمران نے گواہی دی کہ ولید نے شراب پی تھی۔ایک دوسرے گواہ صعب بن جثاء (یا جثامہ ابن صعب) نے شہادت دی کہ ولید نے انکے سامنے شراب کی قے کی تھی۔(انکے علاوہ چار اور گواہ ابوزینب۔ابومورد ع،جُنبب بن زہیر الازدی اور سعد ابن ملک الاشعری بھی ابن مجر کے بیان کے مطابق پیش ہوئے تھے۔اور انہوں نے بھی جرم کی تصدیق کی تھی) تب حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ولید پر حد قائم کریں۔حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کو اس کام پر مامور کیا انہوں نے ولید کے چالیس کوڑے لگائے۔

یہ تھے وہ وجوہ جن کی بنا پر حضرت عثمانؓ کی یہ پالیسی لوگوں کے لئے اور بھی زیادہ بے اطمینانی کی موجب بن گئی تھی۔خلیفہ وقت کا اپنے خاندان کے آدمیوں کو پے در پے مملکت کے اہم ترین مناصب پر مامور کرنا بجائے خود کافی وجہ اعتراض تھا۔اس پر جب لوگ یہ دیکھتے تھے کہ آگے لائے بھی جا رہے ہیں تو اس طرح کے اشخاص میں تو فطری طور پر بے چینی میں اور بھی اضافہ ہوتا تھا۔اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ دو چیزیں ایسی تھیں جو بڑے دور رس اور خطرناک نتائج کی حامل ثابت ہوئیں۔

ایک یہ کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہ کو مسلسل بڑی طویل مدت تک ایک ہی صوبے کی گورنری پر مامور کئے رکھا۔وہ حضرت عمر کے زمانے میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آرہے تھے۔حضرت عثمانؓ نے ایلہ سے سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحر ابیض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر کے اپنے پورے زمانہ خلافت (۱۲ سال) میں انکو اسی صوبے پر برقرار رکھا۔یہی چیز ہے جسکا خمیازہ آخر کار حضرت علیؓ کو بھگتنا پڑا۔شام کا یہ صوبہ اس وقت اسلامی سلطنت میں بڑی اہم جنگی حیثیت کا علاقہ تھا۔اسکے ایک طرف تمام مشرقی صوبے تھے اور دوسری طرف تمام مغربی صوبے بیچ میں وہ اس طرح حائل تھا کہ اگر اسکا گورنر مرکز سے منحرف ہو جائے تو وہ مشرقی صوبوں کو مغربی صوبوں سے بالکل کاٹ سکتا تھا۔حضرت معاویہؓ اس صوبے کی حکومت پر اتنی طویل مدت تک رکھے گئے کہ انہوں نے یہاں اپنی جڑیں پوری طرح جمالیں اور وہ مرکز کے قابو میں نہ رہے بلکہ مرکز ان کے رحم وکرم پر منحصر ہو گیا۔

دوسری چیز جواس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ کے سیکرٹیری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی ماموریت تھی۔ان صاحب نے حضرت عثمانؓ کی نرم مزاجی اورانکے اعتماد سے فائدہ اُٹھا کر بہت سے کام ایسے کیے جن کی ذمہ داری لامحالہ حضرت عثمانؓ پر پڑتی تھی۔حالانکہ انکی اجازت اورعلم کے بغیر ہی وہ کام کرڈالے جاتے تھے۔علاوہ بریں یہ صاحب حضرت عثمانؓ اوراکابر صحابہ کے باہمی خوشگوار تعلقات کوخراب کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے تاکہ خلیفہ برحق اپنے پرانے رفیقوں کے بجائے ان کواپنا زیادہ خیرخواہ اورحامی سمجھنے لگیں۔یہی نہیں بلکہ متعدد مرتبہ انہوں نے صحابہ کے مجمع میں ایسی تہدید آمیز تقریریں کیں جنہیں طُلقاء کی زبان سے سننا سابقین اولین کے لئے بمشکل ہی قابل برداشت ہوسکتا تھا۔اسی بنا پر دوسرے لوگ تو درکنار خود حضرت عثمانؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ بھی یہ رائے رکھتی تھی۔کہ حضرت عثمانؓ کے لئے مشکلات پیدا کرنے کی بہت بڑی ذمہ داری مروان پر عائد ہوتی ہے۔حتیٰ کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے شوہر محترم سے صاف صاف کہا کہ ’’اگرآپ مروان کے کہنے پر چلیں گے تو یہ آپ کوقتل کرواکے چھوڑے گا۔اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے نہ ہیبت نہ محبت۔

اسکا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ مروان کے کہنے پرعمل کرتے رہے تھے جبھی تو ان کی بیوی کواس کا اظہار کرنا پڑا ورنہ ضرورت نہیں تھی۔

حضرت عثمانؓ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط اور غلط کام بہرحال غلط ہے،خواہ وہ کسی نے کیا ہو۔اس کوسخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل وانصاف کا تقاضا ہےاور نہ دین ہی کا مطالبہ کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے۔[8]

کیا کربلا میں بندش آب کی روایات فرضی ہیں؟

ظاہر ہے کہ تاریخ علیؑ کا پانی بند کروانا کہیں بھی نہیں دکھاتی ہے لیکن کربلا میں اسی علیؑ کے فرزند پر پانی بند کردیا گیا۔اسکے باوجود سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ابن زیاد نے کس بناء پراپنے خط میں حوالہ دیا تھا۔

سوال: کیا کربلا میں بندش آب کی روایات فرضی ہیں؟

محمود احمد امروہی کا یہ عجیب وغریب اورخودساختہ مفروضہ تاریخی حقائق سے قطعی مبرا ہے۔اس لئے کہ پانی کا بند کرنا نہ صرف شیعہ حضرات کے مورخوں نے قلمبند کیا ہے۔ بلکہ علمائے اہلسنت کی معتبر کتابوں میں بھی بندش آب کی روایات بڑی شدومد سے پیش کی گئی ہیں۔[9]

کاش فریب دہندہ امروہی ناقدانہ وقت ہی کا خیال کرتے۔اگر بندش آب کی روایات فرضی ہوتیں تو کیا امروہی صاحب یہ خیال کرتے ہیں کہ اتنے جید اور اولوالعزم محدثین ومورخین غلط روایات کا سہارا لیتے۔ہم نے تو چوٹی کی کتابوں کا تذکرہ کیا۔اگرخوف طوالت نہ ہوتا امروہی یقیناً دیکھتے کہ بندش آب کی غلط روایات کونقل کرنے

میں کون کون سے محدثین پھنس چکے ہیں۔ مولانا! تیری توکل ہی کوئی سیدھی نہیں ہے۔ جن کتابوں کا سہارا لیکر تونے خلافت معاویہ ویزید مرتب کی ہے یقیناً ان کا وجود ربع مسکون پر ضرور موجود ہے۔ لیکن جو روایات تونے نقل فرمائی ہیں۔ ان کا کہیں پتہ ہی نہیں چلتا ہے۔ تو نے تو جان بوجھ کر کبھی ابن تمیہ کا دامن جھنجوڑا اور کبھی غزالی کا۔ لیکن امر واقع یہ ہے کہ دونوں کے پاس جا کر بھی تو حق کو اپنی جلوہٗ نمائی کرنے سے روکنے میں بری طرح ناکام ہوا اس لئے کہ حق چھپتا نہیں ہے۔

وفاءالوفاء

وفا کے بعد وفا کرنا منزل تسلیم اور وفا کے تمام تر تقاضوں کو نبھانا تشکر کی منزل ہے۔ یہی وفا حسینؑ کے اصحاب حسینؑ کے ساتھ کر رہے تھے۔ جب کربلا کی بے آب و گیاہ سرزمین یزیدی افواج سے پُر ہوگئی۔ تو حبیب ابن مظاہرؓ نے آگے بڑھ کر امام حسینؑ سے عرض کیا۔ مولا! قبیلہ بنی اسد یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اگر آپ اجازت مرحمت فرما دیتے تو میں انکے پاس جا کر انہیں آپکی اطاعت، نصرت وحمایت پر آمادہ کر دیتا، شاید پروردگار دوجہاں ہماری دعوت سے انہیں صحیح راستے پر گامزن کرے۔ حسینؑ نے فرمایا جاؤ حبیبؓ! اتمام حجت تو کرنی ہی ہے تاکہ اسکے بعد گلے شکوے کے مواقع کسی کو میسر نہ آسکیں۔ حبیبؓ کو جب اجازت ملی تو یہ قبیلہ بنی اسد میں آیا، جب رات کے گھُپ اندھیرے میں لوگوں نے حبیبؓ کو دیکھا تو پوچھ بیٹھے۔ حبیبؓ کہاں سے آئے ہو؟۔ حبیب ابن مظاہرؓ نے کہا کرب وبلا سے۔ لوگوں نے پوچھا۔ اچھا یہاں آنے کا کیا باعث ہوا؟'' حبیبؓ نے کہا، میں لوگوں کے لئے ایک عظیم خوشخبری لایا ہوں اور وہ خوشخبری یہ ہے کہ فرزند رسولؐ کی طرف سے آرہا ہوں۔ میں تم لوگوں کو ان کی نصرت و یاری کی دعوت دینے آیا ہوں۔ آگاہ ہو جاؤ حضرت اپنے اصحاب باوفا کے ساتھ کربلا میں وارد ہو چکے ہیں۔ ان کے اصحاب شجاعت مردانگی اور بلند منزلت پر فائز ہونے کے ساتھ خطۂ ارض کے سب سے زیادہ مقرب بہ خدا و رسولؐ ہیں۔ انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنی جانوں کو اس وقت تک فرزند رسول پر قربان کرتے رہیں گے۔ جب تک نہ حق حمایت وحق نصرت کی قباؤں کو چار چاند لگ جائیں۔ تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہے کہ عمر ابن سعد نے مملکت رے کی لالچ میں آکر حضرت امام حسینؑ کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔ اگر یہ حقیقت نہیں ہے کہ تم لوگ میرے ہم قبیلہ اور ہم قوم ہو۔ تو میں تم لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ میرے ساتھ آکر فرزند رسولؐ کی حمایت ونصرت کرو۔ اس طرح تم لوگوں کی عاقبت بھی سنور جائے گی اور تم لوگوں کی مرادیں بھی برآئیں گی۔ بخدا! اگر نصرت حسینؑ کرتے کرتے تم لوگوں میں سے کوئی شہید ہوگا تو اس کا مقام محمد رسول اللہؐ کے جان نثاروں اور فدائیوں میں ہوگا''

حبیب ابن مظاہرؓ ایک تو بذات خود حمایت حسینؑ میں وفادار ثابت ہو چکے تھے۔ دوسرا ان لوگوں کو بھی نصرت حسینؑ پر آمادہ کرنا ان کی عظیم وفا کی ترجمانی بھی کر رہا تھا۔ حبیبؓ کی تقریر کے فوراً بعد عبداللہ ابن بشیر نے

کھڑے ہو کر کہا۔ اے حبیبؓ! گواہ رہنا۔ اپنے قبیلہ اور قوم میں سے پہلا جو شخص آپکی دعوت پر لبیک کہہ رہا ہے وہ میں ہوں۔ اسکے بعد بشیر نے اپنے جذبات کا اعلان رجز پڑھ کر کیا۔ رجز جب قبیلہ بنی اسد نے سنے تو ہر شخص نصرت حسینؑ پر آمادہ ہوا۔ حبیبؓ نے قبیلہ بنی اسد کے نوے (۹۰) آدمی اپنے ساتھ لیے تا کہ جلد از جلد مولا حسینؑ کی خدمت میں پہنچ کر نصرت کر سکیں۔

لیکن بُرا ہوا حرص و ہوا کا ان ہی کے قوم و قبیلہ میں ایک آدمی نے عمرو بن سعد کو یہ خبیر پہنچائی کہ حبیبؓ نے بنی اسد کے ۹۰ آدمیوں کو لیکر حمایت حسینؑ میں راہِ کربلا اختیار کی ہے۔ یہ خبر سنی تھی کہ عمرو بن سعد آگ بگولا ہوا۔ اس نے ارزق شامی کی قیادت میں ۴سو سواران کا راستہ روکنے کے لئے روانہ کر دیئے۔ ابھی حبیبؓ اس مختصر سے قافلے کو لیکر حسینؑ کی خدمت میں نہ پہنچے تھے کہ دریائے فرات کے کنارے ارزق شامی محاذ کھولے بیٹھا تھا۔ دونوں اطراف بڑی لے دے ہوئی۔ لیکن بھلا ارزق شامی کیونکر عمرو بن سعد کے حکم سے سرتابی کرتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قبیلہ بنی اسد کے آدمی یہیں سے واپس لوٹ پڑے، اور حبیبؓ یک وتنہا حسینؑ کی خدمت میں پہنچے اور تمام ماجرا بیان کیا۔ آپؑ نے صرف اتنا فرمایا۔ **لاحول و لا قوۃ الا باللہ**۔[۱۰]

چشمہ

چھٹی محرم کا واقعہ ہے۔ فرات کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک یزیدی افواج پہرہ جمائے ہوئی بیٹھی ہے۔ بظاہر چرند و پرند کو بھی پانی پینے کی اجازت نہیں ہے۔ حسینؑ اور اصحاب حسینؑ دن کی جھلتی ہوئی دھوپ اور ریگستان کی تمازت سے تو نکل چکے ہیں گو کہ رات کی سیاہ اور گھمبیر زلفوں کے سائے ٹھنڈی چھاؤں کے مترادف ثابت ہو رہی تھیں تاہم دن بھر تشنہ لب رہنے کی وجہ سے کافی حد تک بے چینی تھی۔ امامؑ عالیمقام نے جب اپنے رفقاء کا یہ حال ملاحظہ فرمایا تو آپ ایک کدال لیکر اپنے خیمہ سے نکل آئے اور اپنے خیمہ کی پشت سے قبلہ کی طرف انیس قدم تشریف لے گئے۔ جونہی کدال بلند کر کے ارض کربلا کی سنگلاخ اور بے آب و گیاہ صحرا کے سینے پر آپؑ نے مارا۔ فوراً آپ کے اعجاز نے رنگ لایا۔ ایک چشمہ جاری ہوا جو میٹھا، شیرین اور برف سے زیادہ ٹھنڈا تھا۔ آپ نے اصحاب کو پانی پینے کا حکم دیا۔ خود بھی پیا اور اصحاب نے بھی سیر ہو کر پیا۔ پانی پینے کے فوراً بعد چشمہ غائب ہو گیا اور اسطرح اسکا نشان مٹ گیا کہ پھر کسی نے بھی کوئی اثر اسکا نہیں دیکھا[۱۱]۔

پیاسے مجاہد

غالباً چھٹی ہی محرم کا واقعہ ہے کہ جب جناب عباسؑ اپنے آقا و مولاؑ کے حکم سے نہر فرات سے پانی لاتے ہیں اس لئے کہ ساتویں محرم سے لیکر عاشورا کی شب تک تو پانی قطعی بند کر دیا گیا تھا۔ ہم نے اس روایت کو تو حد تواتر

تک پہنچا کے لکھدیا ہے کہ پانی ساتویں محرم سے یکسر بند کر دیا گیا تھا۔ اگر اب آٹھویں یا نویں محرم کو پانی خیام تک پہنچنے کے قائل ہو جائیں گے تو اس طرح روایات متواترہ کی بری طرح تردید ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ بات تسلیم کرنے میں ذرہ برابر گنجائش نہیں رہتی ہے کہ جناب عباسؑ نے اُسی دن خیام تک پانی لایا جس رات کو چشمہ کا ظاہر ہونا متعدد مقاتل میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب اصحاب حسینؑ پر پانی بند کر دیا گیا تھا تو امام حسینؑ نے اپنے پشت پناہ بھائی جناب عباسؑ کو بلا کر حکم دیا کہ وہ تیس سوار اور ۲۰ پیادے لیکر فرات کے گھاٹ پر جا کر پانی لائیں'' جناب عباسؑ نے حکم کی تعمیل کی۔ اس وقت عمرو بن سعد کی طرف سے عمر بن حجاج زبیدی کی قیادت میں ۵۰۰ سوار فرات کے کنارے پر موجود تھے۔ ان کو یہی حکم تھا کہ حسینؑ یا اسکے رفقاء پانی نہ پینے پائیں۔ جس وقت جناب عباسؑ دریائے فرات پر پہنچے آپکے ساتھ اس وقت ہلال ابن نافع بجلی تھا۔ عمرو بن حجاج نے پوچھا، کون ہے؟ ہلال نے جواب دیا کہ میں تمہارے چچا کا بیٹا ہوں اور پانی پینے آیا ہوں۔ یہ سنکر عمر بن حجاج نے کہا۔ اچھا اگر یہ بات ہے تو بخوشی پی لو۔ اس پر ہلال ابن نافع نے کہا۔ عمر و وائے ہو تجھ پر مجھے تو تو نے پانی پینے کی اجازت دیدی، لیکن جگر گوشہ رسولؐ اور فرزند بتولؑ مع اہل بیت عظامؑ وذوی الاحترام پیاسے ہیں'' عمرو نے کہا'' مجھے تو تمہاری باتوں کا اعتراف ہے لیکن اپنے امیر کے حکم کی سرتابی کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ لہٰذا اگر تمہارے بغیر کسی ایک نے بھی گھاٹ پر بڑھنے کی کوشش کی تو اسکے نتائج بہت ہی خطرناک ہونگے''۔ ہلال نے اسکی باتوں کو نظر انداز کیا اور اپنے رفقاء کی طرف دیکھ کر کہا'' دیکھتے کیا ہو آگے بڑھو اور پانی بھرلو' جونہی ہلال کے رفقاء آگے بڑھے تو عمر نے فوج کو حکم دیا'' خبردار پانی لینے نہ پائے کوئی'' جنگ چھڑ گئی۔ ایک طرف مٹھی بھر پیاسے مجاہد تھے اور دوسری طرف عمرو کی فوج۔ امام حسینؑ کے اصحاب دو حصوں میں تقسیم ہوئے۔ کچھ تو مشکیزہ بھرنے لگے اور بقیہ مجاہد ۵۰۰ آدمیوں کے سامنے سیسہ پلائی دیوار کی طرح حائل ہوئے۔ عمرو کی فوج بے بس ہو کر رہی۔ لہٰذا جتنے مشکیزے بھر لئے گئے وہ صحیح وسلامتی سے خیام حسینیؑ میں پہنچ گئے[۱۲]۔

بھیانک منصوبہ

رفقاء حسینؑ کے بہادرانہ کارناموں نے عمرو بن سعد کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔ اسکا خیال تھا کہ عمرو بن حجاج زبیدی کی قیادت میں جو فوج ہے وہ اس امر کے لئے کافی ثابت ہوگی کہ حسینؑ یا آپؑ کے رفقاء پانی کی ایک ایک بوند کیلئے ترس جائیں۔ لیکن جب دیکھا کہ اتنی بھاری فوج کے بھی رفقاء حسینیؑ نے چھکے چھڑا دئے تو اس نے فرات کے دونوں گھاٹ فوج کثیر سے مملو کر دیئے۔ تاریخ میں عجیب وغریب واقعات تو بہت سے ہیں۔ لیکن اموی خاندان کا یہ عجیب وغریب منصوبہ جوانہوں نے کبھی صفین کی رزمگاہ میں عمل میں لایا تھا، اور اب رزمگاہِ کربلا میں اپنا رہے تھے۔ اگرچہ مالک اشتر نے ایک آدھ ہی جھٹکے سے امیر معاویہ کے اس منصوبے کو خاک میں ملا دیا تھا۔ لیکن کربلا میں

پہرہ اور فوجوں کی کثرت کے باوجود بے سروسامانی کی حالت میں پہلے پہل یہ منصوبہ ناکام ہو کر رہا لیکن عمرو بن سعد کی معاندانہ روش نے جب فرات کے گھاٹ پر چند سرکردہ افسروں کی قیادت میں فوج متعین کر دی تو اس فوج کا دین وایمان صرف یہ رہا کہ ہم مرمٹیں گے۔ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ ہمارے تنکے اُڑیں گے۔ لیکن کسی طرح بھی عمرو بن سعد کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ مورخین نے ان کی اس کارروائی کو بھیانک منصوبہ کا نام دیکر تاریخ کا عنوان قرار دیا اور یہ سات محرم کا واقعہ ہے۔

محاصرہ

پانی تو قطعی بند کر دیا گیا۔ اب کوفہ کے اطراف واکناف سے فوجیں آنی شروع ہوئیں۔ ۲ محرم سے ۸ محرم الحرام تک بے پناہ فوج کربلا میں جمع ہوئی۔ آٹھویں محرم کو تو حدنگاہ تک ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر معلوم ہو رہا تھا۔ ابن زیاد نے اتنی بھاری جمعیت اسلیئے نہیں بھیجی تھی کہ یہ اس بے آب وگیاہ میدان میں صرف پڑاوَ ڈالنے کی حد تک ہی کارروائی کرے۔ نہیں ابن زیاد کا مقصد صرف یہ تھا کہ فوج کی کثرت وہاں گھاٹ پر قبضہ کرنے میں کسی قسم کی دقت کا سامنا نہ کرے۔ وہاں فوج حسینیؑ کی کمک کے تمام راستوں کو بھی مسدود کر سکے اور اسکے ساتھ ساتھ اصحاب حسینیؑ کا سختی سے محاصرہ بھی کیا جائے۔ ہم نے گذشتہ صفحات میں فوج کی تعداد بتادی ہے۔ یہی تعداد جب فوج حسینیؑ کا محاصرہ کر دیتی ہے تو حدنگاہ تک صرف افواج یزیدی نظر آتی تھی۔ فوج حسینیؑ پر محاصرہ ایسا سخت تھا کہ اب نہ ہی حسینؑ کی مختصر سی جماعت کوئی نقل وحرکت کر سکتی اور نہ ہی بیرونی محبوں کی نقل وحرکت کا علم ہو سکتا تھا۔ اب کیا تھا۔ حسینیؑ فوج صرف اور صرف ایک آسرا لیے ہوئی تھی اور وہ اللہ کا تھا۔ حدنگاہ تک افواج یزید کے علاوہ اب کوئی بھی نظر نہیں آرہا تھا کہ جس سے کسی موہوم امید کا تصور آسکتا تھا۔ یہ محاصرہ تو ساتویں ہی سے وقوع پذیر ہو چکا تھا، لیکن آٹھویں محرم کو اس پر شدت سے عمل کیا گیا......!''

پانی: عاشورا کے بعد

یوں تو ساتویں محرم سے پانی اہلبیتؑ پر بند کر دیا گیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ان اسیروں کو امام حسینؑ کی شہادت کے بعد پانی میسر ہوا کہ نہیں جو کربلا کے واقعہ کے بعد اسیر کیے گئے۔ جہاں تک میری نظریں تاریخ تک گئیں ہیں۔ مجھے اس سوال کا جواب نہیں ملا۔ مثلاً۔

ریاض القدس، ریاض الاحزان، مثیر الاحزان، مقتل ابی مخنف، مقتل الخوارزمی، اللھوف فی قتل الطفوف، بحارالانوار، ریاض الشہادۃ، مقتل عبدالرزاق المقرم، شرمۃ المصائب، انتخاب المصائب، روضۃ الشھادۃ، ناسخ التواریخ، منتخب التواریخ، زبدۃ المصائب، جلاء العیون، العیون العبری، تاریخ طبری، تاریخ کامل، زھرۃ الریاض،

دمعۃ الساکبہ، سیدہؑ کا لال، ستارہ درخشان، شفاء الصدور، مقتل ابن نما وغیرہ اور دوسری کتابیں میرے مکتبہ کی زینت بنی ہوئی ہیں ان پر الگ الگ نظر ڈال کر بھی کہیں مجھے یہ نہ ملا کہ پانی بعد عاشورا ہی اہلبیتؑ کو ملا۔

عصر حاضر کی مایہ ناز تالیف ''پیاس'' میں میرے دوست العلامۃ العصر جناب غلام عسکری صاحبؒ نے اس بحث کی تفصیل کو مدنظر رکھکر گو کہ نہ چھیڑا تاہم تھوڑا بہت تذکرہ فرما کر ایک اچھوتے انداز سے ان کا صحیح جواب دیا ہے۔

لیکن یہ بات کہے بغیر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا ہے کہ مراثی میں جو کچھ سننے میں آیا۔ اسکی حقیقت کہاں تک تاریخی کسوٹی پر اترتی ہے، اس سے قطع نظر کر کے مندرجہ ذیل واقعات جب سامنے آتے ہیں تو انسانی ذہن ان کو فوراً قبول کر لیتا ہے کیونکہ واقعہ کی ابتداء اور انتہا جب حد یقین تک پہنچ جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ انکار کیا جائے۔

پہلا واقعہ:

کوفہ میں گہما گہمی ہے۔ بے ہنگم شور بلند ہے اور دوسری طرف اہلبیت النبیؐ کے ننھے ننھے معصوم العطش العطش کی جگر خراش آوازیں بلند کر رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ کوفہ میں ایک مومنہ رہتی تھی۔ خانوادہ رسالتؐ کے ساتھ نہایت ہی عقیدت و احترام رکھتی تھی۔ اس نے اپنی کنیز سے پوچھا کہ یہ کیسا شور ہے تو اس نے جواب دیا کہ کوئی اسیر قافلہ کوفہ میں وارد ہوا ہے۔ یہ سنکر یہ مومنہ زار و قطار روئی۔ اس نے اپنی شہزادی جناب زینبؑ سے سنا تھا کہ اسیروں کی دلجوئی اور انکی امداد کر کے ایک تو خدا کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے۔ دوسرا دنیا کی تمام مرادیں پوری ہوسکتی ہیں۔ اس نے جب العطش العطش کی جگر سوز آوازیں سنیں۔ تو ہاتھوں میں ایک کاسہ آب لیکر بازار کوفہ میں نکل آئی۔ جب قافلہ اسکے قریب پہنچا۔ تو یہ دوڑ کے ایک خستہ حال بچی کے پاس گئی اور پانی پیش کیا۔ بچی نے نہایت ہی تشکر بھرے جذبات سے اس سے پانی لے لیا۔ جونہی بچی نے پانی پینا چاہا تو اس مومنہ نے بصد ادب عرض کیا۔ ''کہ میں نے سنا ہے کہ یتیموں اور اسیروں کی دعا فوراً قبول ہوتی ہے''۔ بچی کے ساتھ اور ایک عورت تھی لیکن غربت اور مظلومیت کی مکمل تصویر۔ اس نے جب سنا تو تڑپ کے بچی کا اٹھا ہوا ہاتھ روک دیا۔ اور فرمایا نہیں ....! پہلے اسکی دعا پوچھو اور دعا کرو۔ پھر پانی پی لینا''۔ بچی نے اس مومنہ سے پوچھا۔ ''بتاو مومنہ! کس چیز کی خواہش رکھتی ہو تا کہ میں دعا کروں ....! مومنہ نے عرض کیا۔ ''پہلی دعا یہ ہے کہ آپ خدا سے مانگیں کہ میرے بچے آپ لوگوں کی طرح قیدی اور یتیم نہ بنا دیے جائیں۔ دوسری دعا یہ ہے کہ مدینہ میں میری ایک شہزادی ہے کہ جس سے مدتوں ملاقات نہ کر سکی۔ دعا فرمائیں کہ جلد ہی مجھے ان کی زیارت نصیب ہو............! جناب زینب کبریٰ علیہا السلام نے جونہی پہلی دعا سن لی تو آپکے بہتے ہوئے آنسوؤں میں اور شدت پیدا ہوئی۔ وامحمداہ و اعلیاہ کا جگر سوز نعرہ بلند کر لیا اور جب دوسری دعا سن لی تو مومنہ سے نہایت ہی غمگین ہو کر فرمایا۔ اے زن نیک! مدینہ میں کون تمہاری شہزادی ہے کہ جسکے دیدار کی تم مشتاق ہو۔ اس نے عرض کیا ان کا نام زینب بنت زہراؑ ہے............! آپ نے اس

سے فرمایا۔اگر تجھے میں زینبؑ سے ملاقات کرواؤں تو کیا تم اسکو پہچان لوگی۔اس نے جواب دیا،ہاں ہاں کیوں نہیں میں تو انکی خادمہ ہوں۔یہ سننا تھا کہ ایک بار جناب زینبؑ نے اپنے چہرے سے بال ہٹا کر اس سے فرمایا۔اے زن نیک! پہچان لے۔میں ہی وہ بدنصیب زینبؑ ہوں کہ جسکا گھر کربلا میں لٹ چکا ہے۔بھرا خاندان دردناک تباہی کا شکار کر دیا گیا ہےاور یہ حسرت بھرا قافلہ زینبؑ کا قافلہ ہے۔

اب ایک طرف جناب زینبؑ کا قلب مبارک تھا کہ جو پاش پاش ہو گیا تھااور دوسری طرف مومنہ زاروقطار رو کے چیخیں مار رہی تھی۔اس دردناک منظر کو دیکھ کر پانی کا کاسہ جناب سکینہؑ کے ہاتھ سے گر گیا۔

دوسرا واقعہ:

جناب ام کلثومؑ نے افواج یزید سے فرمایا کہ ہماری کسی آواز پر تم لوگوں نے لبیک نہیں کہی۔اب ایک عرض ہے کہ ہمیں اُس راستے سے گذارا جائے کہ جہاں پر لوگ نہ ہوں۔لیکن شقاوت،کینہ اور حسد سے بھرے ہوئے دلوں میں ذرہ برابر بھی رحم کی گنجائش نہیں ہوئی۔انہوں نے ان ہی راستوں سے اہلبیتؑ النبیؐ کا قافلہ گذارا کہ جہاں پر زیادہ لوگ تھے۔

ایک جگہ پر جناب سکینہؑ کو دوسرا کاسہ آب پیش کیا گیا۔آپ نے قبول فرمایا۔جوں ہی آپؑ نے اسکو پینا چاہا۔شمر بن ذی الجوشن کی نظر اسی وقت اس پر پڑی۔یہ شقی ازلی دوڑ کے آیا۔آپؑ کے ہاتھ سے کاسہ آب لیا اور پانی پھینک کے بھیانک انداز سے قہقہہ لگا کر جناب سکینہؑ سے کہا۔کیوں پانی پینا چاہتی تھی..........؟ یہ کہکر کاسہ آپ کے چہرے پر اس زور سے مارا کہ آپ کی پیشانی اسقدر مجروح ہوئی کہ خون کی ایک پھوار پھوٹ پڑی۔

الغرض................قافلہ اشکوں کا سیلاب بہاتے ہوئے،خون بہاتے ہوئے آگے بڑھتا جا رہا ہے ایک مناوی ندا کرتا جا رہا ہے۔**یا اهل الكوفه !هٰذا السبايا من بنات رسول الله** ۔اے کوفہ کے لوگو! آؤ دیکھو یہ رسولؐ اللہ کی لڑکیاں ہیں۔حسینؑ کا سر اطہر نیزے پر بلند ہے۔آپؑ سورہ کہف کی تلاوت فرما رہے ہیں۔اور **لِحْيَتُهُ كَسَوَادِ السَّبَحِ قَدِ اتَّصَلَ بها الخِضَابُ وَوَجْهُهُ دارَةُ قَمَرٍ طَالِعٍ تَلْعَبُ بِها يميناً وَشِمالاً** (آپ کے ریش مبارک پر خون کا خضاب تھااور ریش اطہر ہوا کے ساتھ ساتھ یمین ویسار کی طرف ہلتی جا رہی تھی)۔

بھائی کے اس آنسو بہاتے ہوئے،قرآن پڑھتے ہوئے مظلوم سر پر جب جناب زینبؑ کی نظر پڑی تو آپ نے بے تاب ہو کر اپنا سر چوب محمل سے ٹکرایا۔ضرب اس قدر شدید تھی کہ آپ کا سر پھٹ گیااور آپ کے سر اطہر سے خون پرنالے کی طرح جاری ہوا۔آپ نے خون بہتے ہوئے بھائی کے سر کو مخاطب ہو کر فرمایا۔

یا هلالاً لما استتم کمالاً ۔۔۔ غالَهُ خَسفُهُ فَابدا غُرُوبًا
ما تَوَهَّمتُ یاشَقِیقَ فُؤادی ۔۔۔ کانَ هٰذا مُقَدَّرًا مَکْتُوبًا

یااَخِیُ اِفاطِمَ الصَّغِیرَۃَ کَلَّمھا　　　فَقَدُ کاد قَلبُھا ان یذوبا

''اے بھیا! اے ماہ درخشاں ہنوز کمال کو نہیں پہنچا تھا کہ غروب ہو گیا۔ اے میرے پارہ جگر! مجھے ہرگز گمان نہ تھا کہ میرے مقدر میں یہ لکھا ہے۔ اے بھائی فاطمہ صغریٰ سے کچھ بات تو کرو۔ قریب ہے کہ اسکا نازک دل پگھل جائے۔! کاش تم اسیری کے عالم میں سید سجاد کو دیکھتے کہ دردِ یتیمی اور بیماری کی وجہ سے زمین پر ٹھہر نہیں سکتے ہیں۔ جس وقت یہ ملاعین ان پر کوڑے برساتے تھے تو تمہارے بغیر کسی کو پکارتا نہیں زار زار روتے رہتے ہیں۔ اے میرے مانجائے بھائی! اسکو تسلی تو دو۔ اسکے آنسو پونچھ کر سینے سے لگا دو۔ یتیم کی یہ حالت کتنی دردناک ہے کہ کوئی اسکا پرسان حال نہ ہو۔ اپنے مشفق باپ کو آواز دے اور جواب نہ پائے۔''

جناب زینبؑ کے دردانگیز اشعار کو سن کر اور آپ کے خون بہاتے چہرے کو دیکھ کر سنگلاخ پہاڑوں کے کلیجے بھی شق ہو جاتے لیکن کوفہ کے لوگوں کے دلوں میں ذرہ برابر بھی ہمدردی پیدا نہ ہوئی۔ جوش وخروش کا عالم بڑھتا گیا۔ کان پڑی آوازیں سنائی نہ دینے لگیں۔

تاریخوں کا متفق فیصلہ ہے کہ اس شوروغوغا میں دفعتاً جناب زینبؑ نے خاموش ہو جاؤ............!'' کا ولولہ انگیز نعرہ مارا۔ بشیر بن جریم کہتا ہے کہ جونہی جناب زینبؑ کا یہ نعرہ بلند ہوا۔ کوفہ کے بازاروں میں ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک مہر سکوت طاری ہوا۔ یکلخت ایک سنسنی خیز سکوت طاری ہوا۔ لوگ محوِ حیرت ہوئے کہ یہ لب ولہجہ جس میں وقار، جلال اور جبروت ہے اس بیکسی کے عالم میں اس مظلومہ میں کہاں سے آیا۔ آپؑ نے ہر چار طرف نظر ڈالی اور بلند آواز سے فرمایا۔

ترجمہ خطبہ:- تمام حمد خدائے ذوالجلال کے لیے ہے اور وہی اسکا سزوار ہے اور درود وسلام ہے میرے جد جناب محمد مصطفیؐ اور انکی آل پاک پر کہ جو کائنات کے برگزیدہ بندے ہیں۔ **اما بعد**:۔

اے کوفہ والو! اے مکر و دغا پر پلنے والو! تم آنسوں بہاتے ہو۔ اب تمہارے آنسو کبھی بھی نہ سوکھیں گے اور نہ تمہاری یہ گریہ وزاری ہی کبھی رکے گی۔ تمہاری مثال اس بڑھیا کی سی ہے کہ جو مضبوط دھاگا بٹ کر کھول دے۔ تمہاری قسموں کا انجام غداری تھی۔ تم میں برائیوں، دغابازیوں اور اوچھے پن کے علاوہ رکھا ہی کیا ہے۔ تم کنیزوں کی طرح تملق کرنا جانتے ہو اور دشمنوں کا شعار اپنا طرہ امتیاز رکھتے ہو۔ تم گندگی اور کوڑے پر اُگے ہوئے خس وخاشاک ہو۔ تم قبر پر لگی ہوئی چاندی ہو جو صرف مقبرہ ہی کی زینت ہوتی ہے، کتنا بُرا ذخیرہ تم لوگوں نے متاع دنیا کے حصول کے لیے جمع کر لیا ہے۔ تم لوگوں نے اللہ کے بے پناہ غیض وغضب کو للکارا ہے۔ یاد رکھو! تم اب قیام قیامت تک انگنت طوفانوں میں مبتلا رہو گے۔ کیا تم اب رو رہے ہو.............؟ ہاں قسم بخدا! اب تم ہمیشہ روتے ہی رہو گے، تمہارے ہونٹوں سے اب ہمیشہ ہنسی نوچ لی جائیگی۔ تمہارے مقدر میں اب آہ وبکا کے سوا کچھ بھی نہیں

رہا۔ کیونکہ تم لوگوں نے وقت کی تمام تر مسرتوں کو ٹھکرا کر برائیاں خریدی ہیں۔ یہ آنسو تمہارے ان بدنما داغوں کو نہیں دھو سکتے ہیں جو تمہارے دامنوں پر لگ چکے ہیں۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ فرزند رسولؐ جو سید شباب اہل الجنۃ تھا، کے خون کی وہ چھینٹیں جو تمہاری تلواروں پر اب بھی موجود ہیں تمہارے آنسوؤں سے دھل جائیں گی۔ جو تم لوگوں نے بے آب و گیاہ صحرا میں اپنے آپ لگائیں ہیں تو یہ تم لوگوں کی خوش فہمی ہے۔ دور کرو اس غلط فہمی کو۔ یاد رکھو میرا بھائی تمہارا ملجا و ماویٰ۔ تھا وہ درخت تھا کہ جسکی ٹھنڈی چھاؤں میں تم گناہ کی جھلستی ہوئی دھوپ سے بچ سکتے تھے۔ وہ منارہ تھا کہ جہاں پر تمہیں حقیقی زندگی کی منزل مل جاتی ۔ میرا بھائی سنت رسولؐ کا پیشوا تھا اور اس پر پانی روکنے والے تم ہو۔ اب تمہارے لیے ہلاکت تباہی اور بربادی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ تم ہاتھوں کو آگے بڑھاؤ گے لیکن تمہارے ہاتھ قلم ہو کر رہیں گے۔ تمہاری تجارت برباد ہو کر رہے گی۔ کیونکہ قہر خداوندوی کروٹیں لے رہا ہے۔ تم اب ذلت، رسوائی، پریشانی کا شکار ہو کر رہ جاؤ گے۔ اے کوفہ کے بدکردار انسانو! جانتے ہو کہ تم لوگوں نے کس کے جگر گوشہ کر ذبح کر ڈالا؟ پیغمبرؐ اسلام کی کس ناموس کو تم لوگوں نے سر برہنہ لا کھڑا کیا............؟ کس کا خون تھا کہ جو تم لوگوں نے بڑی بے دردی سے بہایا؟ رسولؐ اسلام کے لڑکے اور لڑکیاں اور انکا بھرا گھر تھا جو تم لوگوں نے اجاڑ دیا۔ کیا اب تم گھبرا رہے ہو کہ آسمان سے خون کیوں برس رہا ہے۔ زمین پر ہیبت ناک زلزلہ کیوں طاری ہوا۔ ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ وقت قریب تر ہے کہ جب تم لوگونں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جائیگا۔ زمین کے کسی گوشے میں تم چھپ جاؤ لیکن زمین بھی تمہیں اُگل اُگل کر عبرتناک موت کی طرف دھکیلے گی۔ ابھی مہلت ہے اس سے کتراتے ہو۔ لیکن اب وہ آندھیاں اُٹھ آئیں گی کہ جو تم اور تمہارے متعلقین کو خس و خاشاک کی طرح صحرا کی وسعتوں میں بکھیر کے رکھدیں گی۔

یہ جراتمندانہ خطبہ جبر و استبداد کے ایوانوں پر زلزلہ طاری کر گیا۔ کلام کی آب و تاب دبدبہ طنطنہ کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت کے چشمے رواں دواں دیکھئے اور ہر دور کے حکمرانوں کے انداز بیان سے ملایئے۔ جس طرح مولائے دو جہاں حضرت علیؑ کے کلام کا انداز ہی اور ہے اسی طرح آپ کی شیر دل دختر کا کلام بھی نرالا ہے۔ دیکھنا یہ نہیں کہ اسکا ردعمل کوفہ والوں پر کیا رہا۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ دردناک آزمائش اور سسکتی، بلکتی اور سر پیٹتی ہوئی زندگی میں یہ انداز بیان کہ جسکا حرف حرف ایک نشتر اور ایک حقیقت ہے کس طرح جناب زینبؑ نے اختیار فرمایا۔

جہاں تک تاریخ کربلا کے اوراق پر میری نظریں گئیں تو میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ زینبؑ کی علی مرتضیٰؑ نے تیار ہی اس لیے کی تھی کہ یہ تکمیل شہادت کی نہ صرف عملی تفسیر ثابت ہو جانی چاہیے بلکہ کردار کی بے پناہ صلاحیت کو بروے کار لا کر مکر و ریا کے بھیانک چہروں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہ نقاب نوچ کے رکھدینی چاہیے کہ جو عامۃ المسلمین کو ہمہ وقت دھوکہ دیتے آئے تھے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ کوفہ کے بازاروں کا ہر سنگریزہ تاریخ کے اوراق

پر گواہ بنکر ابھرا کہ حسینؑ حق تھے اور مدمقابل کی تمام تر قوتیں اسلام کا لبادہ اوڑھ کر کفر وظلمت تھیں۔

اس ولولہ انگیز تقریر کے جناب فاطمہ بنت حسینؑ نے لوگوں کے گہرے سکوت کو دیکھ کر فرمایا۔

اے مکر وغدر اور تکبر کرنے والے کوفہ کے لوگو! تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم ہی اہلبیتؑ رسولؐ ہیں جن کو خداوندلم یزل نے تم لوگوں سے آزمایا اور تم لوگوں کو ہم سے آزمایا۔لیکن یاد رکھو! ہماری آزمائش کو خدائے برتر نے بہتر قرار دیا ہے۔کیونکہ اس نے اپنا علم وفہم ہم کو عطا کیا۔لہٰذا علم کے دروازے ہم ہیں حکمت کے خزانے ہم ہیں۔خدا کے بندوں پر خداوند کریم کی طرف سے ہم حجت ہیں۔ہم کو اپنی بزرگی سے بزرگ کیا۔اپنے نبی جناب محمد مصطفیٰؐ کی وجہ سے ہمیں عام لوگوں پر فوقیت دے دی..........لیکن تم لوگوں نے ہمیں جھٹلایا، ہمارے شرف کا انکار کیا۔ہمارے ساتھ جنگ کی۔ہمارا مال واسباب لوٹ لیا۔اے اہالیان کوفہ! کیا ہم آل رسولؐ نہیں ہیں..........؟ تمہیں اس کے ساتھ کیا کہ کون کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے؟ تم لوگوں نے تو ہمارے جد جناب علی مرتضیٰؑ کو شہید کر دیا۔تم لوگوں نے ہمیں قتل کیا۔ابھی تک تمہاری تلواروں سے ہمارا لہو بہہ رہا ہے۔تم لوگوں نے اپنے پچھلے کینوں کو نکال کر اپنے دِل کو ٹھنڈا کیا۔خدائے برتر کے خلاف اپنی برتری دکھائی۔یاد رکھو! دامن صحرا میں انقلاب پل رہا ہے۔یہ عنقریب بارو بگولہ کی طرح اٹھ کر تم لوگوں کو بیخ وبُن سے اکھاڑ کے رکھ دے گا۔ارض وسماء کی تمام طنابیں تم لوگوں پر سمٹ کے رہ جائیں گی۔تمہاری امیدوں کے چراغ یکلخت بجھ کے رہ جائیں گے۔

اے شیطان کے دامن فریب میں آنے والو! کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ شیطان کی اطاعت کر کے تم قہر خداوندی سے بچ جاؤ گے؟ یاد رکھو! وہ وقت دور نہیں کہ جب تم اپنے تمام تر عزیزوں اور تمام قوتوں کے ساتھ صفحۂ ہستی سے مٹ جاؤ گے..................!''

تاریخ گواہ ہے کہ فاطمہ بنت حسینؑ تقریر بھی کر رہی تھیں اور آنسو بھی بہا رہی تھیں۔لوگوں کا یہ عالم تھا کہ سبھی محو حیرت تھے۔کوفہ کے بازاروں اور در و دیوار پر حزن وملال طاری ہوا تھا۔آپؑ نے تقریر ختم کی۔آپؑ کے بعد ناسخ التواریخ اور بحار الانوار کی روایت کے مطابق جناب ام کلثومؑ نے خطاب فرمایا، آپؑ نے کہا:

اے اہالیان کوفہ! تم لوگوں نے اس ہستی کو از قفا ذبح کیا جو پیغمبر عربیؐ کے بعد صفحۂ ہستی پر معزز ومکرم تھا۔کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم لوگوں نے حسینؑ ابن علیؑ کے ساتھ دغا کی۔اگر تم لوگوں کا یہی نظریہ ہے تو تم لوگوں سے زیادہ جاہل اور کوئی نہیں ہے۔تم لوگوں نے خداوند کریم! اسکے حبیب جناب محمد رسول اللہؐ اور اسلام کے آئین کے ساتھ دغا کی ہے۔کیا تمہیں یہ گمان ہے کہ ہم نے حسینؑ کو قتل کر کے چین کی سانسوں کا حقدار اپنے آپ کو ثابت کیا ہے۔نہیں، قسم بخدا نہیں! تم لوگوں نے ان بجلیوں کو للکارا ہے کہ جو تم لوگوں کے خرمن حیات پر قہر بن کر گریں گی۔یاد رکھو، تم لوگوں نے اس بے آواز نشتر کو پکارا ہے کہ جو تم لوگوں کی شہ رگ حیات منقطع کر کے ہی دم لے گی۔یقیناً ظالم کو مہلت

ہے معافی کا سوال ہی نہیں ۔آتش فشان پہاڑ کے سینے میں لاوا کھول رہا ہے ۔ جو عنقریب جبروت بن کر تمہارے لیے بھیانک پیامِ مرگ ثابت ہوگا ۔ کیوں..........؟اس لیے کہ

قَتَلْتُمْ اَخی صبرا فَوَیلٌ لَّکُم مِّکم — مُسْتجْزَوْنَ نَاراً احرها یَتَوَقَّدُ
سَفَکْتُمْ دِمٰاءً حرم الله سفکها — وَحَرَّمَهَا القُران ثُمَّ محمدُ
اَلَاْ فِاَبْشُروا بالنار انکم غدا — لفی سَقَر حَقا یقینا تُخَلَّدُوْا
وَاِنِیْ لَاَبَکِی فی حَیواتی علیٰ اخی — علیٰ خیر مَنْ بَعْدَ النبیَّ یُوَلَّدُ

یعنی میرے بھائی کو ظلم و بربریت سے شہید کر دیا اور جو خون بہانا خدا اور رسول اللہ نے حرام قرار دیا تھا، وہ بہایا اور گرایا ۔ میں جب تک بقید حیات ہوں بھائی پر آنسو بہاتی رہوں گی اور تم لوگوں کا مسکن ہمیشہ آگ ہے ۔

حوالہ جات

۱۔ ناسخ التواریخ ج ۳ ص ۱۹۳
۲۔ ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۱۹۴
۳۔ مقتل الخوارزمی ج ۲ ص ۲۴۴
۴۔ الفتنہ الکبریٰ ص ۴۷۰
۵۔ تاریخ طبری ج ۳ ص ۵۶۸؛ ابن اثیر جوزی ج ۳ ص ۱۴۵
۶۔ الاستیعاب ج اول ص ۱۱۸۔۱۱۹۔۲۶۳
۷۔ الاصابہ، ابن حجر ج ۲ ص ۳۴۴۔ ۳۴۵؛ الریاض النظرہ ج ۲ ص ۱۴۳
۸۔ خلافت وملکویت، ابوالاعلیٰ مودودی ص ۱۰۸۔۱۱۶
۹۔ سر الشہادتین، شاہ عبدالعزیز دہلوی ص ۵۲؛ وہب الکاتب المعروف بابن واضح الاخباری ص ۲۳۰؛ مقتل ابی مخنف ص ۵۱؛ مطالب السؤل، شیخ کمال الدین طلحہ شافعی ۲۵۸؛ اللہوف فی قتلی الطفوف، سید ابن طاؤس ص ۳۶؛ فصول المہمہ، ابن صباغ المالکی ص ۱۷۳؛ سیر صحابہ ج ۶ ص ۱۸۹؛ الامامۃ و السیاستہ، ابن قتیبہ الدینوری ج ۲ ص ۷؛ تاریخ طبری، محمد ابن جریر طبری ج ۷ ص ۳۱۲؛ تذکرۃ الخواص، سبط ابن جوزی ص ۲۶۲؛ اخبار الطّوال، ابی حنیفہ احمد ابن داؤد الدینوری ص ۲۲۸؛ تاریخ کامل، ابن اثیر جزری حصہ اول ۱۴۲
۱۰۔ مقتل الخوارزمی ج ۱ ص ۲۴۴؛ بحار الانوار حصہ اول ص ۲۶۲؛ جلاء العیون ج ۲ ص ۱۳۲
۱۱۔ مقتل الخوارزمی ج ۲ ص ۲۴۴
۱۲۔ بحار الانوار حصہ اول ص ۲۰۳

فصل ۱۰

تاسوعا

امتحان گاہِ کربلا

بے چین بہن

فرزند رسولؐ نمازِ عصر کے بعد درروازۂ خیمہ پر تلوار کا سہارا لئے ہوئے گھٹنوں پر سر رکھے تشریف فرما تھے۔ اس وقت آپ پر دن کی تھکاوٹ اور موجودہ صورت حال کی وجہ سے کچھ اونگھ سی آ گئی، کہ ایک مرتبہ گھوڑوں کے ہنہانے اور ٹاپوں کی آواز بلند ہوگئی۔ خیام حسینیؑ میں جب جناب زینبؑ نے یہ آوازیں سنیں تو تڑپ کر کھڑی ہوئیں اور عالم بے چینی میں بھائی کے پاس پہنچیں اور عرض کیا بھیا! ''کیا آپ نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سُنیں؟ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ دشمن ہماری طرف بڑھ رہا ہے''حسینؑ نے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا۔ **یا اُختاہ ! اِنی رایتُ الساعة رسول الله جدّی و ابی علیًّا وفاطمه و اخی حَسَناً وهم یقولون یا حسینً ! انک رائح اِلینا من قریبٍ** ۔اے بہن میں نے ابھی ابھی اپنے جد محمد رسول اللہؐ اپنے ابا علی مرتضٰیؑ اور اپنے بھائی حسن مجتبیٰؑ اور اپنی اماں فاطمہ زہراؑ کو خواب میں دیکھا وہ کہہ رہے تھے کہ حسینؑ تو جلد ہی ہمارے پاس آنے والا ہے[1]۔

بھائی کے جواب سے بہن پر کیا گذری ہوگی احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ حسینؑ نے بہن کو اپنے آنے والے واقعہ کا انجام بتلا کر جناب عباسؑ سے فرمایا۔ میرے بھائی! فوج یزید ہماری طرف بڑھ رہی ہے۔ ذرا جاؤ اور ان سے پوچھو، اس وقت آنے کا کیا مقصد ہے؟ جناب عباسؑ بیس سواروں بالخصوص حبیب ابن مظاہر اور زہیر ابن قین کو لیکر چلے۔ اور یزیدی فوج سے دریافت فرمایا۔ تم لوگوں کے عزائم کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہمیں اپنے امیر کی طرف سے حکم ملا ہے کہ تم لوگوں کو امیر یزید کی بیعت پر آمادہ کریں۔ اگر تم لوگوں نے ہمارا مطالبہ مان لیا تو ہم تم لوگوں سے کوئی محاربہ نہیں کریں گے، بصورت دیگر ہم مقابلہ کریں گے۔ جناب عباسؑ نے انکا جواب نہایت ہی بردباری سے سنا اور ارشاد فرمایا کچھ تو توقف کرو میں تم لوگوں کا پیغام اپنے آقا و مولا کے پاس پہنچاؤں گا۔ یہ کہہ کر جناب عباسؑ حسینؑ کی خدمت میں آئے اور تمام گفتگو من وعن نقل کی۔ حسینؑ نے پیام سنکر جناب عباسؑ سے فرمایا۔ میرے بھائی! ان سے جا کے کہدو کہ لڑائی کل دن تک ملتوی کر دی جائے تا کہ ہم دنیا و ما فیہا سے بے نیاز ہو کر ذکر الٰہی سے اپنے قلوب میں اطمینان پیدا کریں۔ فوج اشقیاء نے مہلت تو دیدی لیکن یہ دھمکی دیکر واپس پلٹے کہ ''اگر کل تم لوگوں نے ہمارا مطالبہ بیعت نہیں مان لیا تو میدان کارزار جنگ کی ہولناکیوں کی لپیٹ میں آ جائے گا''

اللہ اللہ.....کس قدر دنیا بگڑ چکی ہے۔جس گھرانے نے عربوں کے مزاج بدل دیئے، جس گھرانے کی رہین منت تمام انسانیت قیام قیامت تک رہ چکی ہے۔جنکی انتھک کوششوں سے عرب نہیں امت محمدؐ یہ قعر مذلت سے اُٹھ کر بام عروج پر پہنچ گئی۔آج اسی گھرانے کا اہم ترین فرد.....محمد رسول اللہؐ کا فرزند......اللہ تعالیٰ کا فرستادہ ہادی امت سے صرف ذکر الٰہی کرنے کی مہلت مانگ رہا ہے۔ یہ ایک ایسا بھرپور طمانچہ ہے جو شبِ عاشورا تاریخ کے ماتھے پر پڑا ہے۔یزید نواز کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں لیکن شب عاشورا کی یہ صدا ہمیشہ گونجتی رہے گی.....''

بھیانک حکم

کیا ابن زیاد کو حسینؑ کے ساتھ ذاتی پرخاش نہیں تھی؟

محمود احمد عباس کا یہ گمراہ کن اور خود ساختہ لبادہ جو اس نے کمال دقت وعرق ریزی سے ابن زیاد کو پہنانا چاہا۔مندرجہ الصدر''بھیانک حکم'' سے تار تار ہوجاتا ہے۔ابن زیاد نے جب بھی چاہا تو اپنے احکام کو عملی جامہ پہنانے میں اسکو ذرا بھی دشواری پیش نہیں آئی۔ظلم تو ظلم ہے۔لیکن تاریخ کربلا کے مظالم سے دنیا کی ظالمانہ آنکھوں سے بھی آنسوں بہہ نکلتے ہیں۔ ۷محرم الحرام سے لیکر نویں محرم تک تو عمرو بن سعد صرف فوج کا منتظر تھا۔ نویں محرم الحرام تک اس نے جس طرح بھی چاہا رزمگاہ کربلا پر فوجیں بٹھادیں لیکن نویں محرم الحرام کو دربار کوفہ سے ایک بھیانک حکمنامہ شمر ابن ذی الجوشن کے ہاتھوں اس تک پہنچا۔یہ ابن زیاد کا خط تھا،لکھا تھا۔

''امابعد! میں نے تم کو حسینؑ کی طرف اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تم حسینؑ سے الگ رہو یا اسکو امیدیں دلاؤ یا اس پر مہربانی کرو یا مجھ سے اسکی سفارش کرو۔دیکھو اگر حسینؑ اور اسکے ہمراہی میرے حکم کو بجالائیں اور صلح کریں تو انکو میرے پاس صلح وصفائی کے ساتھ بھیج دو۔لیکن اگر وہ انکار کریں تو اس پر حملہ کرکے قتل کردو۔اور انکو اوروں کے لیے مثال بنادو، وہ اسی سلوک کے مستحق ہیں۔جب حسینؑ قتل ہوجائے تو گھوڑوں سے اسکے سینے اور پشت کو روند ڈالو، کیونکہ وہ (معاذ اللہ) عاق،شاق، قاطع اور ظالم ہے۔اگر تم نے میرے حکم کے مطابق عمل کیا تو ہم تم کو مطیع اور فرمانبردار کی جزا دیں گے۔لیکن اگر تم نے ہمارے حکم کی سرتابی کی تو بہتر ہے کہ ہماری فوج سے علیحدہ ہوجاؤ اور اسے شمر کے حوالے کردو والسلام''۔[۲]

یہ بھیانک حکم......جسکو تاریخ کے اوراق اپنے سینے میں جگہ دے چکے ہیں۔محمود احمد امروہی کے لئے جواب آخر ہے۔خط کشیدہ عبارت کو غور سے پڑھیں۔اسمیں چند احکام خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔

۱۔ ''ان کو قتل کردو......''

۲۔ ''بعد از قتل انکے بدن ہائے نازنین کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالو......!''

۳۔ ''حسینؑ معاذ اللہ عاق،شاق،قاطع اور ظالم ہیں......!''

کیاان صریح جرائم کا مرتکب ابن زیاد یا اسکا عملہ نہیں ہوا......؟'' امروہی صاحب وہی کچھ فاتح قادسیہ کے کے بیٹے نے کر کے دکھایا جس کا حکم مل چکا تھا۔ اس میں نا ہی ابن زیاد بری الذمہ ہوسکتا ہے۔ اور نہ ہی عمرو بن سعد۔ یہ تو تمہاری خود فریبی ہے کہ ابن زیاد کے دامن کو اپنے ناپاک ہاتھوں سے دھونے کی کوشش کر رہے ہو............ رہ گیا عمرو ابن سعد کا کردار............ اگر اسکو ذرہ برابر اسلام یا بانیٔ اسلام کا لحاظ ہوتا تو حسینؑ کو صرف اور صرف نماز پڑھنے کیلئے مہلت نہیں مانگی تھی۔ تمہارا یہ کہنا کہ حسینؑ معاذ اللہ اس خوش فہمی میں تھے کہ کہیں نہ کہیں سے فوجی امداد پہنچ ہی جائیگی، لہٰذا ان سے وقت مانگ کر فوج کا منتظر رہنا ضروری ہے۔ مگر تمہاری یہ کتنی تاریخ ناشناسی ہے کہ تاریخ کے حقائق تو جھٹلا رہا ہے۔ ہم سے سنیئے کہ حسینؑ نے کیوں مہلت مانگی تھی اور اسکا جواب صرف یہی ہے کہ وہ جانتے تھے کہ میرے جد جناب محمد رسولؐ اللہ نے عاشورا کی عصر کو میری شہادت کی پیشنگوئی فرمائی ہے اور دسویں شب میری آخری رات ہے۔ لہٰذا کیوں نہ یادالٰہی میں اسکو صرف کیا جائے۔ چنانچہ لکھا جاتا ہے۔

واعلم العباس اخاه ابا عبدالله بما عليه القوم .فقالً ارجع اليهم واستمهلهم هذه العشية الى غد لعلنا نصلى لربنا الليلة و ندعوه و نستغفره فهويعلم انى احب الصلوٰة له وتلاوة كتابه و كثرة الدعا والا ستغفار ۔

حسینؑ نے جب اپنے بھائی جناب عباسؑ سے مخالف فوج کی آمد کا مقصد سن لیا تو آپؑ نے جناب عباسؑ سے فرمایا۔ میرے بھائی کے پاس جاؤ اور ان سے کہدو کہ ہمیں آج رات کی صرف اسلئے مہلت دی جائے تا کہ ہم اللہ کی عبادت کریں، استغفار کریں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں عبادت، تلاوت، کثرت دعا اور استغفار کو کس قدر دوست رکھتا ہوں[۳]۔

'' کیا امروہی کے قول کی تصدیق کرنے کیلئے متذکرہ کتب کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے جبکہ امروہی نے اپنے دعوے کو صرف انفرادی رائے تک ہی محدود رکھا............!''

اصحاب کی وفاشعاری

علامہ ابن اثیر جزری کے قول کے مطابق امام حسینؑ نے عمر ابن سعد کی واپسی کے بعد اپنے اصحاب کو جمع کیا اور کہا:

میں خدائے تعالیٰ کی حمد وثنا کرتا ہوں اور خوش حالی اور تنگی میں اسکی حمد بجالاتا ہوں۔ یا اللہ میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے ہم کو نبوت دے کر ہم کو مکرّم کیا۔ ہم کو آنکھیں کان اور دل دیئے، ہم کو قرآن سکھلایا اور دین کو سمجھنے کی طاقت دی۔ ہم کو اپنے شاکرین میں داخل فرما۔

امابعد: میں اپنے اصحاب سے بڑھ کر کسی کو زیادہ وفادار، صاحب خیر اور اپنے اہل بیتؑ سے بڑھ

کسی کو نیک اور صلہ رحم کا خواہاں نہیں سمجھتا۔خدا تم سب کو میری طرف سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔ خبردار ہو جاؤ! میرے خیال میں کل کا دن ان دشمنوں سے مقابلے کا ہے۔ میں تم سب کو اجازت دیتا ہوں کہ تم حرم سے چلے جاؤ۔اب تم پر میرے عہد کی تعمیل ضروری نہیں ۔اب رات ہوگئی ہے،اس کو اپنی سواری بنالو اور تمہارا ایک ایک مرد میرے اہل بیت کے ایک ایک مرد کا ہاتھ پکڑے۔خدا تم سب کو جزائے خیر دے۔اسکے بعد تم لوگ اپنے ملکوں اور شہروں میں متفرق ہو جانا یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ کشائش نصیب کرے۔ یہ لوگ تو مجھ کو طلب کر رہے ہیں۔ جب مجھے پالیں گے تو دوسرے کی طلب سے درگذر کریں گے۔''

اس پر انکے بھائیوں ، بیٹوں ، بھتیجوں اور عبداللہ ابن جعفر کے بیٹوں نے کہا۔ہم ایسا کریں گے ہی کیوں کہ آپؑ کے بعد زندہ رہیں؟ خدا کبھی ہمیں وہ دن نہ دکھلائے ۔امام حسینؑ نے کہا کہ اے بنو عقیل ،مسلم کی شہادت تمہارے لئے کافی ہے۔تم چلے جاؤ۔ میں نے تم کو اجازت دی۔وہ کہنے لگے ہم لوگوں سے جا کر کیا کہیں۔کیا یہ کہیں کہ ہم نے اپنے شیخ ،اپنے سردار اور اپنے چچاؤں کی اولاد کو (ان چچاؤں کی اولاد کو جو بہترین امام ہیں) چھوڑ دیا ہے۔ہم نے ان کے ساتھ مل کر نہ تبر چلایا نہ نیزہ زنی کی اور نہ تلوار چلائی ۔ہم نہیں جانتے انہوں نے کیا کیا۔ ہرگز نہیں،خدا کی قسم !ہم ایسا نہیں کریں گے، بلکہ اپنے نفوس واموال اور اہل عیال کو آپ پر قربان کر دیں گے،اور آپ کے ساتھ مل کر لڑیں گے جب تک نہ اسی انجام کو پہنچ جائیں کہ جسکو آپ پہنچیں گے۔خدا اس زندگی کو بری کردے جو آپ کے بعد ہو۔ مسلم ابن عوسجہ الاسدی نے کھڑے ہو کر کہا۔کیا ہم آپ سے جُدا ہو سکتے ہیں جب تک آپ کا حق ادا کرنے میں خدا کے پاس قابل عذر نہ ہو جائیں۔خدا کی قسم میں آپ سے جُدا نہ ہوں گا، جب تک ان لوگوں کے سینوں میں اپنے نیزے کو نہ توڑ دوں اور جب تک میرے ہاتھ میں تلوار کا قبضہ ہے ان میں شمشیر زنی نہ کرلوں۔ واللہ اگر میرے پاس اسلحہ بھی نہ ہوں گے تب بھی آپؑ کی حفاظت کیلئے ان پر پتھروں کی بوچھاڑ کر دوں گا۔آپؑ ہی کے ہمراہ میں بھی مر جاؤں۔ان کے اصحاب نے بھی اسی قسم کی باتیں کیں۔ **جزا ھم اللہ خیر االجزاء**[۴]۔

مورخ شہیر لسان الملک مرزا محمد تقی سپہر نے ناسخ التواریخ میں لکھا ہے۔کہ جب حسینؑ نے اصحاب کی دھڑکنوں کا نشیب وفراز دیکھا تو زہیر ابن قین نے اُٹھ کر عرض کیا۔

واللّٰہ لوددت انی قتلت تونشرت ثُم قُتلت حتیٰ اُقتل ھٰکذا أَلف مَرَّۃٍ وَانّ اللّٰہ یدفعُ بذالک القتل عن نفسک و عن انفس ھٰولآءِ الفِتیان من اھل بیتک ۔

یا مولائی........... بخدا میں دوست رکھتا ہوں اس چیز کو کہ میں قتل ہو جاؤں اسکے بعد دوبارہ زندہ کیا جاؤں پھر قتل کر دیا جاؤں یہاں تک کہ ہزار مرتبہ بھی قتل ہونا پڑے۔ پھر بھی آپ سے منہ نہیں موڑوں گا۔ میری ذات کیا

ایسی ہی ہزار ذاتیں آپ اور آپکے اہلبیتؑ پر قربان کروں تا کہ میرے قتل سے آپ اور آپکے اہل بیتؑ قتل سے محفوظ رہ سکیں[۵]۔

اللہ اکبر یہ ایثار اور جانفشانی......آپ نے یقیناً اندازہ لگایا ہوگا کہ اصحاب نہ صرف قولی اعتبار سے حسینؑ کا ساتھ دے رہے تھے بلکہ جب قتل ہوجانے کی منزل آئی تو قول کو عملاً کر کے بھی دکھایا۔ یقیناً حسینؑ کا ساتھ اور حسینؑ کی حمایت میں قتل ہوجانا انکے لئے سعادت دارین تھا۔

سرحد کا قیدی

حسینؑ کے اصحاب کی جاںنثاری لاثانی تھی۔ یقیناً ان اصحاب کی بے پناہ عقیدت اور جذبۂ شہادت ومودت کا مقابلہ کسی کے ساتھ بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ آپؑ کے اصحاب میں ایک آدمی ہے کہ جسکا نام محمد ابن بشر الحضرمی ہے۔ حسینؑ اصحاب کا کس بل دیکھ رہے تھے کہ اچانک ایک آدمی نے محمد ابن بشر الحضرمی کو اسکے جوان بیٹے کی گرفتاری کی خبر سنائی۔ فطری تقاضا تھا کہ محمد ابن بشر کے پائے ثبات میں لغزش پیدا ہوجاتی۔ لیکن مملکت رے کی سرحد کی ایک جگہ کہ جسکا نام ثغر تھا پر بیٹے کی گرفتاری کی خبر سن کر شوق شہادت میں اور بھی ولولہ انگیزی پیدا ہوئی اور حسینؑ سے عرض کیا۔ میرے آقا ومولا! بیٹے کی گرفتاری نے مجھے اور بھی آپ کی قیادت میں شہادت پانے میں مدد دی ہے۔ آپ کے رکاب میں رہ کر اب مجھے صرف اور صرف درجہ شہادت پر ہی فائز ہونا پڑے گا۔ حسینؑ نے جب اس صحابی کے الفاظ سنے تو آپؑ نے فرمایا۔

''رحمک الله انت فی حلٍ من بیعتی فاعمل فی فکاک ابنک''

''خداوند کریم تم پر اپنی رحمت نازل کرے۔ جاؤ اے محمد ابن بشر میں نے بیعت کا قلادہ تم سے اُتار دیا اپنے فرزند کو قید وبند کی صعوبتوں سے نجات دلاؤ''

یہ سننا تھا کہ محمد ابن بشر تڑپ اُٹھے اور عرض کیا۔ اکلتنی السباع حیًا ان فارقتک۔ میرے جسم کو درندوں سے اگر پارہ پارہ بھی کردیا جائے۔ میری بوٹیاں بھی اگر نوچ لی جائیں تب بھی آپؑ سے جُدا نہیں ہوجاؤں گا۔

حسینؑ نے اتنے سخت امتحان میں جب اپنے اس جاںنثار صحابی کا حوصلہ اور عزم دیکھا تو آپؑ نے اس سے فرمایا۔ **فاعط ابنک هٰذہ الا ثواب البرود یستعین بها فی فدء اخیه فاعطاہ خمسة اثواب قیمتها الف دینار** ۔ اچھا اے محمد! یہ بردیمانی کے جامے اپنے بیٹے کے لئے رکھ چھوڑ تا کہ وہ اپنے بھائی کا فدیہ کر سکے اور اسکو قید وبند سے نکال سکے۔ اسکے بعد پانچ عدد جامے آپؑ نے اسکو عطا فرمائے کہ جنکی قیمت ایک ہزار دینار تھی[٦]۔

امان کا بے بنیاد مفروضہ

کیا ابوالفضل عباسؑ کی والدہ ماجدہ حضرت ام البنین کو شمر سے کوئی قرابت تھی؟ ایک عقیدہ اور ایک جائزہ تاریخ اور مقاتل کا سطحی مطالعہ کرنے والے اسی عقیدے پر مرمٹے ہیں کہ ام البنین کو شمر کے ساتھ گہری قرابت تھی وہ شمر کی بہن تھی۔ اگر یہ خود ساختہ مفروضہ قابل قبول ہے تو آدمؑ وحوا کے ماں باپ ہونے کی وجہ سے تو تمام نوع بشر آپس میں بہن بھائی ہیں۔ پھر امت محمد یہ بہنوں کے ساتھ رشتہ ازدواج کرنے میں کیوں اس طرح جرم یا گناہ کے مرتکب کیوں ہوئے جاتے ہیں۔ جبکہ بہن بھائی پر حرام اور بھائی بہن پر حرام ہے۔ لیکن یہ یادرہے کہ جس طرح ہندہ جگرہ خوار کو معاذ اللہ محمد رسولؐ کی ہمشیرہ کہنا عقلی، شرعی، تاریخی اور سماعی اعتبار سے قطعی بے بنیاد ہے اسی طرح شمر کا ام البنین کے بھائی ہونے میں یہ مفروضہ بھی غلط ہے۔ حقیقت حال جو کچھ بھی ہے وہ محمد ابن جریر طبری کی زبانی سنئے۔

عبداللہ بن ابی المحل بن حزام ابن خالد حضرت ام البنین کا بھتیجا تھا۔ انکا مقام دیار کوفہ میں ایک امتیازی شان لئے ہوئے تھا۔ وہ ایک غیر معمولی شخصیت کے مالک تھے۔ جب ابن زیاد نے شمر کو کربلا جانے کے کاغذات دیئے تو (عبداللہ ابن ابی المحل بن خرام بھی) بھانپ گیا کہ اب شمر کے جانے سے صورت حال قطعی بگڑنے والی ہے لہٰذا اس نے) عبیداللہ ابن زیاد سے کہا میرے خاندان کی ایک خاتون کے فرزند حسینؑ کے ساتھ ہیں، اس لیے ان کے لئے امان نامہ لکھ دو۔ (عبداللہ بن ابی المحل چونکہ بااثر آدمی تھے لہٰذا) ابن زیاد نے فرزندان ام البنین کیلئے امان نامہ لکھ دیا اور یہ امان نامہ ایک غلام کے ہاتھ روانہ کیا۔ جب اولاد ام البنین نے امان نامہ دیکھا تو انہوں نے کہا: ہمارے ماموں زاد بھائی کو ہمارا سلام کہنا اور کہنا کہ ہمیں اس امان کی ضرورت نہیں ہے، اللہ کی امان ابن زیاد کی اماں سے بدرجہا بہتر و افضل ہے [۷]۔

اس مفروضے پر دوسری چوٹ:

ابن اثیر جزری کے قول کے مطابق عبداللہ ابن ابی المحل بن حزام ابن زیاد کے پاس بیٹھا تھا۔ ان کی پھوپھی ام البنین بنت حزام ہے۔ جو حضرت علیؑ کی زوجہ تھیں جن سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ کے صاحبزادے عباس، عبداللہ جعفر اور عثمان پیدا ہوئے تھے۔ آپ نے عبداللہ ابن زیاد سے کہا، کہ اگر تمہاری رائے ہو تو ہمارے بھانجوں کو امان نامہ لکھ دو۔ چنانچہ ابن زیاد نے لکھ دیا اور اپنے غلام کے ہاتھ ان کے ہاں بھیج دیا۔ جسے دیکھ کر ان حضرات نے کہا کہ ہمیں تمہاری امان کی ضرورت نہیں۔ خدائے تعالیٰ کی امان سمیہ کے بچے کی امان سے بہتر ہے [۸]۔

ان روایتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی بھی حق پسند اور محقق تاریخ اصلی حقیقتوں پر پردہ نہیں ڈال سکتا ہے۔ اگر عبداللہ ابن ابی المحل بن حزام ابن خالد کے اثر ورسوخ میں آ کر عبیداللہ ابن زیاد نے فرزندان ام البنینؓ کیلئے کسی

☆ام البنین وحید ابن کعب وکلاب بن ربیعہ کے خاندان سے تھیں چنانچہ مرزا محمد تقی سپہر لکھتے ہیں۔ جب شمر کو ابن زیاد نے لشکر سمیت کربلا روانہ کر دیا

ایک غلام کے ہاتھ امان نامہ بھیجا تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ شمر کوام البنین کے خاندان سے کوئی قرابت تھی یا شمر انہیں کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔

علامہ ابن اثیر نے تو واضح کر دیا کہ یہ رشتہ ہی مشکوک ہے۔ چنانچہ سکے الفاظ ہیں:

لئن کُنت خالی۔ اگر تو (اپنے دعوئے کے مطابق) ہمارا ماموں ہے[9]۔

لـئـن کو عربی زبان میں وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں شک کی منزل آجاتی ہے۔ کیا جناب عباسؑ نہیں جانتے تھے کہ شمر میرا رشتہ دار ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر شک کی منزل کیوں پیدا ہوئی......!

حوالہ جات

۱. مقتل الحسین، خوارزمی ج ۲ ص ۲۴۹؛ ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۲۱۷

۲. خلافت بنوامیہ حصہ اول ص ۱۴۴

۳. مقتل الحسین، عبدالرزاق ص ۲۳۲؛ مقتل الحسین، خوارزمی ص ۲۵۰؛ شہادت حسینؑ، ابوالکلام آزاد ص ۱۹؛ خلافت بنوامیہ، ابن اثیر جزری حصہ اول ص ۱۴۵؛ روضۃ الشہداء، ملا حسین کاشفی ص ۲۶۷

۴. خلافت بنوامیہ حصہ اول ص ۱۴۶۔۱۴۵؛ آل محمد کربلا میں ص ۱۰۸۔۱۰۷؛ نفس المہموم ص ۱۰۱۔۱۰۷؛ اللہوف فی قتلی الطفوف ص ۳۹؛ روضۃ الشہداء ص ۲۷۰

۵. ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۱۰۸

۶. ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۲۰۵

۷. تاریخ الامم والملوک، طبری ج ۶ ص ۲۳

۸. تاریخ خلافت بنوامیہ حصہ اول ص ۱۴۴

۹. تاریخ الکامل ج ۲ ص ۲۸۴

(گذشتہ سے پیوستہ)

تو جریدابن عبداللہ بخط مخلد کلابی اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا اے امیر! مجھے کچھ کہنا ہے۔ اگر حکم ہو تو کہہ دوں۔ ابن زیاد نے جواباً کہا کہو ہم سن رہے ہیں۔ جرید ابن عبداللہ نے کہا کہ جب علی ابن ابی طالبؑ نے کوفہ میں سکونت اختیار فرمائی تو انہوں نے میری پھوپھی زاد بہن کو اپنے حبالہ عقد میں لایا، اور میری پھوپھی زاد بہن کا نام ام البنین تھا۔ ان سے چار فرزند پیدا ہوئے۔ عبداللہ، جعفر، عباس اور عثمان۔ اس اعتبار سے یہ چاروں فرزند میرے برادران عم ہو گئے۔ اگر تو اجازت دے گا تو میں ان کے لئے امان نامہ لکھتا ہوں اور یہ تمہاری بہت بڑی مہربانی ہوگی مجھ پر۔ ابن زیاد نے کہا اگر یہ بات صحیح ہے تو جاؤ میں نے انکو امان دیدی۔ ان کو صورت حال سے آگاہ کر دو تا کہ یہ جنگ کی ہولنا کیوں سے بچ سکیں۔ جرید نے ایک امان نامہ لکھ کے اپنے ایک غلام کہ جسکا نام عرفان تھا کے ہاتھ کربلا بھیجا۔ اور اسکو تاکید کی کہ جتنی جلد ہو سکے کربلا جا کے امان نامہ عبداللہ، جعفر، عباس وعثمان کو دیدینا۔ مگر خیال رہے کوئی دوسرا اس امان نامے سے آگاہ نہ ہونے پائے۔ عرفان نے اپنے مولیٰ کے کہنے کے مطابق عمل کیا اور کربلا جا کے جناب عباسؑ کو جرید کا امان نامہ دیدیا۔ جناب عباسؑ نے جب امان نامہ پڑھا تو عرفان سے فرمایا۔ واپس جاؤ اور میری طرف سے عبداللہ کے بیٹے کو کہہ دو کہ ہم ان میں سے نہیں ہیں کہ ہم ذلیل سے بدتر ابن زیاد کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ کر امان میں آجائیں۔ ہمارے لئے صرف اللہ کی امان بہتر اور افضل ہے۔ ہم وہی چاہتے ہیں جو اللہ چاہتا ہے۔ عرفان نے جناب عباسؑ کا جواب کوفہ واپس آکر جرید کو سنایا۔ جرید سخت غمگین ہوا۔ ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۲۰۹۔

فصل ۱۱

صُبح عاشورا

لرزتی سحر

وہ سحر جس سے لرزتی ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندہ مومن کی اذان سے پیدا
اقبالؒ

رات کا سناٹا تسبیح و تہلیل کی صداؤں سے کچھ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی سوگوار کسی جوان بیٹے کی قبر کے سرہانے بیٹھے بین کر رہی ہو۔ دشت کربلا پر غمناک بادل چھائے ہوئے تھے۔ ایک عجیب کیفیت طاری تھی خیام حسینؑ میں۔ رات جب بیتی چلی گئی اور ستاروں اور سہاروں کے قافلے شرق و غرب کی طرف بڑھتے گئے تو آسمان کربلا پر ستارہ صبح طلوع ہوا۔ جھلسی ہوئی ریت پر اب رات کی ٹھنڈی ہواؤں سے غنودگی سی طاری ہوگئی تھی۔ ''حسینؑ''، جنکو ہونے والی جنگ کے آغاز و انجام پر بھرپور نظر تھی۔ خیمے کے سامنے اپنے جد کی امت کے کردار کا جائزہ لے رہے تھے۔ کئی دن کی بھوک، پیاس اور تھکاوٹ سے حسینؑ پر کچھ نیند سی طاری ہوگئی۔ جب بیدار ہوئے تو ایک گہری سانس لیکر اصحاب سے فرمایا..... ''**اتعلمون مارأیت فی منامی الساعۃ**'' ..... کچھ جانتے ہو اس وقت میں نے کیا خواب دیکھا؟ **قال رأیت کلابا قد شدت علی لتنهشنی و فیها کلب الابقع رایته کاشدها علی و اظن الذی یتولیٰ قتلی رجلا ابرص من بین هؤلاء القوم ثم اِنیّ رایت بعد ذالک جدی رسول اللہؐ ومعه جماعة من اصحابه وهو یقول لی یابنی انت شهید اٰل محمد و قد استبشر بک اهل السمٰوٰت و اهل الصفیح الاعلی فلیکن افطارک عندی اللیلة عجل یا بنی فلا تاخر فهذا ملک نزل من السماء لیا خذ دمک فی قارورة خضراء فهذا مارایت وقد ازف الامر و اقترب الرحیل من هٰذا الدنیا۔**

''اسوقت میں نے دیکھا کہ کئی کتوں نے مجھ پر حملہ کیا۔ ان میں ایک کتا ابلق تھا وہ سب سے زیادہ مجھ پر حملہ کرتا تھا۔ مجھے گمان ہے کہ میرا قاتل مبروص ہوگا۔ اسکے بعد میں نے دیکھا کہ جناب رسالتمآبؐ بہت سی ارواح مقدسہ (اصحاب) کے ہمراہ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔ اے فرزند تو شہید آل محمدؐ ہے۔ اہل آسمان اور مقدسان ملاءِ اعلیٰ تیری روح پاک کے منتظر ہیں۔ اے حسینؑ جلدی کرو اور آج کی شب ہمارے پاس افطار کرو۔ اور

یہ فرشتہ آسمان سے اُترا ہے اور شیشہ سبز لایا۔ جب تو شہید ہوگا تیرا خون اس شیشہ میں بھر کر آسمان پر لے لیا جائیگا۔

پس یہ خواب میرا سچا ہے۔ اور عنقریب میرے کوچ کا وقت شروع ہو رہا ہے۔[۱]

ناظرین کرام کو آگے چل کر حسینؑ کے قاتل کا مفصل حال ملے گا۔ یہاں درج کر دینا تسلسل کے اعتبار سے صحیح نہیں رہے گا۔

پُر اسرار آواز

دنیا میں جتنی سحریں آئیں وہ فرحت و انبساط لیکر آئیں۔ لیکن کربلا والوں کی یہ سحر آخری سحر ثابت ہوئی۔ ستارے اور سیارے بڑی تیزی کے ساتھ ڈوبتے جا رہے تھے، یہاں تک کہ صرف ایک ستارا اس نیلگوں فلک کے شامیانے پر سہمی ہوئی آرزوؤں کے ساتھ نمودار ہوا، اور یہ ستارا صبح کا ستارا تھا...... خدایا یہ مختصر سا قافلہ...... یہ چند خیمے اور یہ چراغ کی جھلملاتی لو کہ جو سر پٹختی ہوئی بجھنے پر آمادہ ہو رہی ہے آخر کیوں......؟ کیا اسلئے تو نہیں کہ حسینؑ کے بیکس چہرے پر اپنی نظریں نہیں ڈالنا چاہتی ہے؟ یا اسلئے کہ اس مختصر سے قافلے کو میرے بجھنے سے دشمنان حرم کی نظریں نہ پڑیں؟ یہ ماحول اور یہ سماں بڑا ہی دردانگیز تھا۔ ہوا کے سرسراتے جھونکے سر پٹتے معلوم ہوتے تھے۔ کھجور کے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ مرثیہ خواں معلوم ہوتی تھی۔ غرض کربلا کی فضاؤں میں غم و الم، رنج و کرب اور حزن و ملال کی دبی دبی سسکیاں چھائی ہوئی تھیں کہ اچانک درد میں ڈوبی ہوئی آواز گونج گئی............

یا خلیل الله ارکبوا[۲] ''اے خدائے ذوالجلال کی فوج اُٹھو اور سوار ہو جاؤ''۔

آواز کا آنا تھا کہ ام کلثومؑ بے تابانہ خیمے سے نکل آئی اور اپنے ماں جائے بھائی سے آنسو بہاتے ہوئے عرض کیا۔ بھیا کیا تم نے یہ پُر اسرار آواز سُنی۔ حسینؑ جانتے تھے کہ بہن کو کس قدر مجھ سے محبت ہے، آگے بڑھے، بہن کے آنسو پونچھے اور فرمایا۔ ہاں بہن میں نے بھی ہاتف کی یہ آواز سنی۔ صبر کرنا آج تمہارا بھیا تمہارے سامنے ہے۔ یقیناً کل بھی تمہارے ساتھ ہی ہوگا۔ لیکن بہن جانتی ہو کس طرح سر نیزے پر سوار اور بدن کربلا کی جھلستی ہوئی ریت پر اور تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہونگی۔ بہن صبر کرنا یہ تمہارے بھائی کی آخری نصیحت ہے۔

حوالہ جات

۱۔ روضۃ الشہداء ص ۲۷۲؛ مقتل الخوارزمی ج ا ص ۲۵۱۔۲۵۲؛ مقتل عبدالرزاق ص ۲۴۲؛ نفس المہموم ص ۱۲۵؛ بحار الانوار حصہ اول ص ۲۱۰

۲۔ روضۃ الشہداء ص ۲۷۱

صبحِ انقلاب

شب کی گھمبیر زلفیں آفتاب عالمتاب کے حسینؑ چہرے سے آہستہ آہستہ سمٹتی جا رہی تھیں۔صبح کے دھند لکے بڑی تیزی کے ساتھ ہٹتے جا رہے تھے۔دور اور بہت دور مشرقی سمت سے شبنم سے بھیگی ہوئی پلکیں آہستہ آہستہ اٹھنی شروع ہوئیں۔حدنگاہ تک زہرہ گداز کرنوں کا ساجال بچھ گیا۔وسیع وعریض ریگستان کے ذرات چمکنے لگے۔ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں میں سانسیں اکھڑنے لگیں۔رات کے تھکے ماندے پرندے اب تازہ دم ہوکر بڑی تیزی کے ساتھ دانہ پانی کی تلاش میں آزاد فضاؤں میں تیرنے لگے۔ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی اور یہ خاموشی پراُسرار اور سنسنی خیز معلوم ہو رہی تھی۔صحرا کے ایک طرف چند خیام نصب تھے۔ان کے درمیان دنیا کا مظلوم ترین انسان بارگاہ ایزدی میں سر بہ سجود تھا۔اسکی طرف اشقیاء کی بھری نظریں تڑپ تڑپ کر اٹھ رہی تھیں ایک بار اس مظلوم نے سجدے سے سر اٹھا کر دعا مانگی۔

''اے خالق دوجہاں! تو جانتا ہے کہ روئے زمین میں تیرے حبیبؐ کو مجھ سے زیادہ محبت کسی سے نہ تھی یہ تمہارے حبیب کی امت ہے۔ان کی تلواریں میرے قتل کے لئے تڑپ رہی ہیں۔تو جانتا ہے کہ میں نہ ہی مملکت کا خواہاں ہوں اور نہ ہی ریاست کا۔میرے ساتھ چند مٹھی بر ساتھی ہیں۔ہمارا مشترکہ مقصد تیرے حبیبؐ کے نام کی عظمت اور تیرے بھیجے ہوئے دین کی حفاظت ہے۔ہمیں استقامت اور صبر دیدے تاکہ ہم خندہ پیشانی سے مصائب وابتلا کی تندوتیز لہروں میں کھود جائیں......! حسینؑ نے دل کے بوجھ کو ہلکا کر کے اصحاب پر نظر ڈالی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔اسکے بعد اپنی فوج کو منظم کرنا شروع کیا۔فوج کیا تھی ۳۲ سوار اور چالیس پیادے۔

تاریخوں کا مشترکہ بیان ہے کہ پہلے آپ گھوڑے پر سوار ہوئے۔اسکے بعد آپ نے فوج کو مرتب کرنا شروع کر دیا۔چنانچہ ایک آدھ روایت کا ذکر کرنا نامناسب نہیں ہوگا۔

He pressed his friends to consult their saty by a timely flight, they unanimousty refused to desert or serive their beloved master and their courage was fortilied by a fervent praver and the assurance of parsalise.

On the morning of fatal day he mounted on the horse back with his sword in one hand and the Quran in the other. his generous land of

mantyss consisted only of thirty two horse and fourty foot.[1]

امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کوحکم دیا کہ وہ اپنی جانوں کی حفاظت کرتے ہوئے میدان سے ہٹ جائیں۔لیکن تمام اصحاب جواپنی جان سے زیادہ امامؑ کی جان کا خیال رکھے ہوئے تھے، نے گوارنہیں کیا کہ اپنی جانوں کا تحفظ کریں اور امامؑ کونرغہ اعداء میں تن وتنہا چھوڑ دیں۔امام حسینؑ ان کو جنت کی بشارت دیکرانکے لئے دعا ئے خیرفرمائی۔روز عاشورا کی مہیب صبح کو امام حسینؑ گھوڑے پرسوار ہوئے جب کہ آپکے ایک ہاتھ میں تلوار اوردوسرے ہاتھ میں قرآن تھا۔آپ کے ساتھ صرف بتیس سوار اور چالیس پیادے تھے۔یہ سب کے سب نبرد آزما،ن غیوراور جوانمرد تھے۔انکا انگ انگ شجاعت میں ڈھلا ہوا تھا۔

ترتیب لشکر حسینیؑ

اب اس مختصرسی فوج کومندرجہ ذیل طریقے سے ترتیب دیا گیا(ترتیب افواج)

C.N.C کمانڈرانچیف حسین ابن علی ابی طالب علیہم السلام

Right wing میمنہ کمانڈر زہیرابن قینؓ

Left wing میسرہ کمانڈر حبیب ابن مظاہراراسدیؓ

انکےعلاوہ جناب عباس ابن علیؑ علمبردار بنادیے گئے تھے۔

کل فوج کی تعداد۷۲تھی

حسینؑ کی فوج میں چندتلواریں اور چندتیروں کےعلاوہ چندگھوڑے بھی تھے۔یعنی سب کےسب گھوڑا سوار نہیں تھے کچھ ایسے بھی تھے کہ جنکے پاس ناہی تیروتلواریں تھیں اور نہ ہی گھوڑے تھے۔تاریخ کے بیان مطابق کل گھوڑوں کی تعداد۳۲تھی باقی سب کےسب پیارے تھے۔

سرداران قبیلہ

۱۔حرابن یزیدریاحی	۲۔جابرابن حجاج تیمی
۳۔جوین مالک بن قیس بن ثعلبہ تیمی	۴۔حارث ابن امرالقیس بن عابس
۵۔حلاس بن عمروازدی راسمی	۶۔زھیرابن سلیم بن عمروازدی
۷۔ضرغام بن مالک	۸۔عبداللہ بن بشرخشعمی
۹۔عمروبن ضبیعہ بن قیس بن ثعلبہ	۱۰۔قاسم بن جیب بن ابی بشرازدی
۱۱۔مسعودابن حجاج تیمی	۱۲۔نعمان بن عمروازدی

۱۳۔ بکر بن حمی تیمی ۱۴۔ زھیر بن قین بن قیس بجلی[۲]

مندرجہ الصدر سرداران قبائل موت سے بے پرواہ تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ہم حق وصداقت پر قائم ہیں۔ یہ اپنی زندگی میں امام حسینؑ کی خدمت میں بار بار عرض کررہے تھے کہ ہم زندہ رہیں تو صرف اور صرف آپکے لئے اور اگر مریں تو آپ کے لئے ہمیں اپنی ذاتی خواہش پر زندگی کی نا ہی مسرتیں ضرورت ہیں اور نہ ہی انجام کی تلخ نوائی درکار ہے۔[۳]

حسینؑ کے لشکر کا ہر سپاہی شہادت کا متمنی تھا۔ نیکی اور اچھائی کا خواہاں تھا اور ہر ایک اپنے آپ کو حق وصداقت پر بھینٹ چڑھانے کا خواہاں تھا۔ جہاد کی آرزوں میں گھلا جا رہا تھا۔[۴]

لشکر کیا تھا۔ صرف چالیس پیادے اور بتیس سوار لیکن اللہیّت کے پروانے شمع رسالتؐ کے تحفظ کی خاطر جان دینے والے، حسینیؑ مشن پر مرمٹنے والے، حق وصداقت کا بول وبالا کرنے والے، موت سے بے نیاز اور شہادت سے سرشار، زندگی کی تلخ حقیقتوں کے چہروں پر سے بھیانک نقاب اتارنے والے متقی صحابی تھے۔ حسینؑ کا ساتھ دینے سے توانھوں نے بھی یہ ثابت کردیا کہ یہ دنیاوی اغراض ومقاصد سے بے نیاز تھے۔ انکا مطمع نظر، انکا موقف، انکا مدعا، انکا پیش خیمہ وہی کچھ تھا جو حسینؑ کا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حسینؑ نے فخر سے فرمایا کہ میرے جیسے صحابہ نہ ہی جناب محمد رسول اللہؐ کو دستیاب ہوئے نہ ہی میرے بابا علی مرتضیٰؑ کو ملے اور نا ہی میرے بھائی مجتبیٰؑ کو۔ اسلئے کہ

جذبہ عشق سے سرشار تھے اصحاب حسینؑ   دین وایمان کے پرستار تھے اصحاب حسینؑ
کیسے جانباز و وفادار تھے اصحاب حسینؑ   سربسر پیکر انوار تھے اصحاب حسینؑ

شان اعجاز براہیم دکھانے والے
وقت کی آتش غرور بجھانے والے

گوہر کان وفا سرو گلستان وفا   حُسن عنوان وفاء مطلع دیوان وفا
مرتبہ دان وفا آن وفا شان وفا   مخزن سیر وفا روح وفا جان وفا

باعمل صاحب کردار تھے اصحاب حسینؑ
عزم کی آہنی دیوار تھے اصحاب حسینؑ

غیرفرار تھے جرار تھے انصار حسینؑ   کتنے باعزم تھے اے نور فداکار حسینؑ
ایک سے ایک فزوں تر تھے مددگار حسینؑ   حُسن شہکار کا شہکار تھے شہکار حسینؑ

بے خطر لوٹ گئے ظلم انگاروں پر
سرفروشوں نے گلے رکھ دیے تلواروں پر

حضرت نور لدھیانوی

ترتیب افواج یزید

کل فوج ۵۶ ہزار

کمانڈر انچیف	عمرو بن سعد ابن ابی وقاص
میمنہ کمانڈر	عمرو بن حجاج زبیدی
میسرہ کمانڈر	شمر ابن ذی الجوشن) بری افواج
علمبر دار	درید یہ عمرو بن سعد کا غلام
سواروں کا سردار	عروہ بن قیس اسکے علاوہ شبث ابن ربعی بھی تھا

یہ سب کے سب دنیاوی اغراض و مقاصد اور دولت و ثرت کی حریص دیوی کے قدموں پر سر رکھنے والے، انسانیت کے دشمن، آدمیت کے جلاد اور نسل انسانی کے قاتل تھے۔۵

حسینؑ کے خواب کی روشنی میں یہ سب کے سب کُتے تھے۔۶

یزیدی افواج کے قلوب انسانیت سے قطعی خالی تھے۔ یہ تمام کے تمام انسانیت کے بے داغ دامن پر بھیانک داغ بنکر نمودار ہوئے۔ یہ جلاد تھے، کُتے تھے، رحم کی ایک آدھ رمق ان کے دلوں میں نہیں تھی۔ یہ ننگ آدمیت، ننگ انسانیت اور ننگ مذھب تھے۔ بغض وعناد ان کے رگ وریشہ میں سمایا ہوا تھا۔ یہ دشمنی اور عناد سے سرشار تھے اور یہ دشمنی اور یہ عناد انکا ان لوگوں سے تھا جو بہترین انسانوں میں گنے چنے افراد تھے (یعنی بنی ھاشم بالخصوص حسینؑ)۔۷

تو یہ تھی افواج یزید کی صحیح پوزیشن............ اب محاربہ ہونے والا تھا۔ یہ محاربہ کفر واسلام کے درمیان، حق وباطل کے درمیان سرزمین کربلا پر ہوا۔

تاریخ کا متفق بیان ہے کہ آغاز جنگ سے پہلے حسینؑ نے جو خندق کھدوائی تھی اسمیں آگ بھر دی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ اس طرح مقابل کی فوج کو آگے بڑھنے میں کم از کم مزاحمت ہوگی۔

بے رحم چرواہا

طبل جنگ بج چکا، میدان کربلا گردوغبار کے بھیانک بادلوں میں روپوش ہوگیا، دونوں فوجیں آمنے سامنے موجود ہوئیں۔ حکم کے منتظر ہی تھے کہ شمر ابن ذی الجوشن نے گھوڑے کو مہمیز کیا اور آگے آ گیا۔ حسینیؑ خیام کے عقبی حصے کی خندق سے آگ کے شعلے اٹھتے ہوئے دیکھکر بلند آواز سے حسینؑ کو مخاطب کیا..................

اے حسینؑ! قیامت کی منزلوں سے ہمکنار ہونے سے پہلے ہی تم نے (معاذ اللہ) اپنے لئے آگ روشن

کی۔تمہارا تو (معاذ اللہ) انجام یہی کچھ تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم اتنی جلدی سے آگ روشن کر رہے ہو۔“

یہ سنناتھا کہ حسینؑ نے نہایت ہی پرسکون انداز میں مُسکرا کے فرمایا۔اے چرواہے کے بیٹے! تو مجھے آگ کی سوز وتپش میں جلنے کو کہہ رہا ہے حالانکہ تو آگ کا ایندھن بننے کے لئے خود تیار تھا اور تیار ہو رہا ہے۔آگ کی لپٹیں تجھے بھسم کر ڈالیں گی تجھے آگ کی ہولنا کیوں میں یقیناً پڑنا ہے۔لہٰذا اب بھی تم کو چاہیے کہ اس بھیانک منظر سے بلبلا اٹھو کہ جسکے تم مستحق ہو۔

تاریخ بتلاتی ہے کہ شمر کی گستاخی پر حسینؑ کے ایک صحابی کہ جسکا نام مسلم ابن عوسجہ تھا نے حسینؑ سے عرض کی۔مولا! مجھے اجازت دیدیجئے۔میں اس چرواہے کی گستاخ بات کا جواب تیر سے دیدوں تاکہ یہ جہنمی جہنم پہنچنے سے قبل ہی واصل نار ہوجائے۔

حسینؑ نے اپنے بے مثال صحابی کی گفتگو سنکر فرمایا۔نہیں نہیں مسلم میں جنگ کی ابتداء نہیں کروں گا۔

مسلم جواب سنکر خاموش تو ہوگئے لیکن شمر کی گستاخ گفتگو پر اندر ہی اندر پیچ وتاب کھاتے رہے۔[۸]

حوالہ جات

[۱] Decline and fall of Roman Empire, Gibbon P 187

[۲] اخبار الطّوال ص ۲۵۳

[۳] ابوالشہداء، عباس محمود العقاد ص ۱۲۱

[۴] ابوالشہداء ص ۷۳

[۵] ابوالشہداء، عباس محمود العقاد ص ۷۳

[۶] مقتل الخوارزمی ج ۱ ص ۲۵۱

[۷] ابوالشہداء ص ۶۸

[۸] تاریخ ابن اثیر ج ۴ ص ۵۰

آخری حجت

اپنی مختصر سی فوج کو آنے والے واقعات کی نشاندہی فرما کر یزیدی افواج میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ طبل جنگ پر چوٹ پڑی، میدان کربلا کا سکوت زوردار سناٹے کے ساتھ ٹوٹ گیا، کمانیں تن گیں، نیزے لہرانے لگے تلواریں بے نیام ہوئیں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے کربلا کی فضائیں عرب گرد آلود ہونی شروع ہوئیں۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ فوج یزید حسینؑ کی طرف بڑھنے لگی حسینؑ ......عرب کے بہترین شجاع......عرب کے بے باک نڈر......اور عرب کے جیالے شہسوار کے فرزند گھوڑے پر سوار ہو کر انکے مقابل میں آئے اور بلند آواز سے فرمایا......۔

''تمہارا بُرا ہو، اگر تم خاموش رہو گے تو تمہارا کیا بگڑ سکتا ہے، میری باتوں کو سن لو، مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی عار نہیں کہ تم لوگوں کے بطون بغیر کسی شک وشبہ کے مال حرام سے بھرے پڑے ہیں۔''

حسینؑ کے یہ فقرات غور سے پڑھیے کہ کس طرح حق کی ترجمانی فرمارہے ہیں، لشکر مخالف حسینؑ کی بے باک اور واضح تقریر کو سنکر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ ہمیں حرج ہی کیا ہے کہ ہم حسینؑ کی تقریر کو سنیں۔ اسکے بعد ان تمام پر مکمل سکوت کی چادریں تن گیں۔ ہر آدمی گوش بر آواز ہوا۔ حسینؑ نے انکے رد عمل کو دیکھکر دوبارہ ارشاد فرمایا۔

اے لوگو! ہلاکت و بربادی ہو تمہارے لئے ہم ہی تو ہو کہ جنہوں نے ہمیں اس وقت پکارا جب تم لوگ پریشان، حیران اور روح سوز حالات میں ہاتھ پیر مار رہے تھے۔ ہماری طرف تو دیکھو ہم کس طرح انجام سے بے پروا ہو کر تلقین حق کے لئے تمہارے پاس چلے آئے۔ لیکن جب آئے تو یہاں تم لوگوں نے ہمارا خیر مقدم تیر وسنان اور تلوار و تبر سے کیا۔ وہ آگ جو مشرک کے خرمن حیات کے لئے بھڑکائی جاتی تھی تم نے ہمارے لئے بھڑکائی۔ دشمن اسلام کے لئے تم دشمن تھے۔ لیکن عجیب زمانہ آیا کہ اب تم دشمنان اسلام کے حلیف اور وفادار بن گئے۔ حالانکہ تم لوگ بخوبی جانتے ہو کہ نہ وہ تمہارے محسن ہیں اور نہ ہی نجات دھندہ۔ ہاں یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے حلال شدہ چیزوں کو حرام اور حرام شدہ چیزوں کو حلال کر رکھا ہے۔ نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے کرتے گھناؤنے افعال بجالائے۔ ہماری طرف تو دیکھو ہم نہ ہی تمہارے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور نا ہی کوئی معمولی سی سازش تم لوگوں کے خلاف کی۔ لیکن ہمیں چھوڑ کر ہم سے بے وفائی کر کے اور دغا کر کے تم لوگ موت کے بھیانک پنجوں کے

قابل نہیں ہو......؟اس کے باوجود ہماری تلواریں بے نیام نہیں ہوئیں۔ہم بدلے نہیں ہم وہی ہیں جو طلب کرنے کے وقت تھے ہمارے قلوب للّٰہیت کی ڈھڑکنوں کے مصداق ہیں۔ مجھے تو فرض یہاں تک لایا۔لیکن تم لوگ مجھ پر مکھیوں اور ٹڈیوں کی طرح ٹوٹ پڑے افسوس ہو تمہارا......!سن لو......تم امت کے سرکش، امت کے باغی......جماعت میں انتشار ڈالنے والے......کتاب الٰہی سے انحراف کرنے والے......شیطان کے حلیف بن جانے والے گناہ کی وادیوں میں بھٹکنے والے......کتاب یزدان میں تحریف کرنے والے......سنت محمدؐ یہ کو مٹانے والے اولاد انبیاءؑ کو قتل کرنے والے......اوصیاء کے فرزندوں کو ذبح کرنے والے......ولدالزنا کو زمرۂ حلال میں شامل کرنے والے......مومنین کی عزتوں سے کھیلنے والے......قرآن مجید سے تمسخر اڑانے والے......دین اسلام کی بیخ کنی کرنے والے......ناموس اسلام کو پامال کرنے والے ہو اسکے علاوہ ابن حرب اور اسکے حاشیہ نشینوں کے مددگار بن گئے۔اورحق وصداقت کے حامیوں سے بھڑنے اور لڑنے پر آمادہ ہو چکے ہو۔بخدا......تم لوگوں کی بنیادیں ہی دغابازی......مکاری اور بے وفائی پر کھڑی ہوگئی ہیں۔اسوقت بھی تم لوگوں کے قلوب تمہارے سینوں سیمت جل رہے ہیں تم لوگ ناصب کے بدترین دشمن اور غاصب کے لئے بہترین مددگار اور دوست ہو۔خداوند کریم کی لعنت ہو اس پر جو عہد و پیچان کی زنجیروں کو توڑ دے اور یہ لعنت صرف تم لوگوں کے لئے ہے۔

غور سے سن لو! یہ ابن حرام (ابن زیاد) میرے متعلق صرف دو باتوں میں اڑ گیا

(۱) گرفتاری یا (۲) قتل

ا۔گرفتاری کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔کیا گرفتار ہو کر میں جیل یا ذلت کی زندگی کو ترجیح دیدوں۔ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ہے اسے لئے کہ عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔

۲۔قتل سے تو بزدل ڈرتا ہے۔ہم خاندان رسالت ہیں۔کیا تم لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ قتل ہونا ہمارا زیور ہے۔میرے قتل ہوجانے سے ظلم واستبداد کی دیواریں ہل جائیں گی،اور مجھے حیات ملے گی۔میں نے اب دوسرا راستہ یعنی قتل ہونا پسند کیا ہے۔

یادرکھو! یہ آخری حجت تھی کہ جو میں نے پوری کی۔اب میں نے مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ میں اپنے مختصر سی فوج لیکر تم پر ٹوٹ پڑوں۔یقیناً میرے ساتھیوں کی تعداد قلیل ہے۔لیکن مجھے خداوند کریم کی بے پناہ طاقت پر پورا بھروسہ ہے۔

اس کے بعد آپؑ نے ہاتھ بلند فرمایا اور مخالفین حق وصداقت کے لئے یہ بددعا فرمائی۔خدایا باران رحمت سے ان کو مایوس کر۔ان پر قبیلہ بنی ثقیف کے آدمی کو مسلط کرلے تا کہ یہ موت کے تلخ جاموں کو پہچان سکیں۔خدایا ان کو ایسے قحط میں مبتلا کردے کہ ان کے دم گھٹنے پر آجائیں۔یہ ایک آدھ روٹی کے لئے ترسیں لیکن ان کو ہر طرف سے

بری طرح محرومی کا سامنا کرنا پڑے☆۔ **انت ربنا وعلیک توکلنا والیک المصیر** ۔تو ہی ہمارا پرودگار۔تجھ پر ہی ہمارا بھروسہ اور تیری ہی طرف ہماری بازگشت ہونے والی ہے۔۱

حوالہ جات

۱۔ریاض القدس ج ۱ص ۳۳۳؛ بحارالانوار ج ۱۰ ص ۱۹۴؛ اللہوف فی قتل الطفوف ص ۴۲

☆ زیاد ابن ابیہ پر فالج تو گر چکا تھا، اب اسکے لاڈلے بیٹے عبیداللہ ابن زیاد کو اپنے بے پناہ مظالم کی وجہ سے کوڑھ کے مرض میں تڑپ تڑپ کر جان دینی پڑی۔

۲۔مختار ابن عبیدہ ثقفی ایک طوفان تھا کہ جسنے کوفے اور بصرے کی بنیادوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔

۳۔حجاج ابن یوسف کے پیٹ میں سانپ پیدا ہو گئے۔

۳۔حجاج اب مصبیرہ مبروص ہو کر مر گیا۔

۴۔قالد قسری نے جیل کی تاریکوں میں دم توڑا۔

۵۔مصعب ابن زبیر اور اور یزید ابن مہیب تیغ و سنان کے بھینٹ چڑھا دیے گئے۔

اسکے بعد عراق پر ایک ایسا ہیبتناک طوفان آیا کہ جس نے عراق کے خس وخاشاک کو بہا کے لے لیا۔ یہ طوفان چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کے ساتھ آیا۔اب وہ مساکن تباہ اور خستہ حال ہو گئے جہاں اولاد رسولؐ کے خلاف سازشیں کی جاتی تھیں۔

حسینؑ نے اپنی دعا میں جس قحط کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔شاید یہ وہ زمانہ رہا ہوگا کہ جب قائم بامراشہ اور قادر بامراثیہ کے دور میں شدید طوفان آیا۔ابن ابی الحدید کے قول کے مطابق صرف مسجدوں کے کنگرے نظر آرہے تھے۔بقیہ زمیں زیر آب تھی۔اسکے بعد قحط اپنی تمام تباہ کاریوں کے ساتھ رونما ہوا۔

آخری دعا

دونوں فوجیں آمنے سامنے ہیں۔اپنے اپنے جرنلوں کے احکام کے منتظر ہیں۔ایک طرف آل محمدؐ کا مختصر سا قافلہ ہے اور دوسری طرف آل امیہ کا۔ دونوں کے نظریات الگ الگ ہیں۔ایک قافلہ اللہ کے سہارے کھڑا ہے اور دوسرا شیطان کے سہارے۔کتنا فرق ہوگا اب دونوں میں یقیناً یہ ٹکراو آدمؑ سے شروع ہوا تھا۔خیر وشر کی آوازیں خلقت کے وقت سی ہی رونما ہوئی تھی۔ یہاں اب کربلا کا ریگزار ہے۔آل محمدؐ کے مختصر قافلے کا سردار حسینؑ ہے۔جو وقت کا مظلوم ترین انسان ہے۔کیا کہنے فاطمہؑ کے لال کے انتہائی نامساعد حالات میں بھی رب کائنات سے منہ نہیں موڑا۔دنیا کے کئی تیور ہیں۔کبھی بھی یکرنگی نہیں پائی گئی دنیا میں۔لیکن کربلا کے بھیانک سنسنی خیز اور پراسرار ماحول میں ذرا دیکھئے تو سہی، یہ درد میں ڈوبی ہوئی آواز کیسی ہے۔

اللھم انت ثقتی فی کل کرب وانت رجائی فی کل شدة وانت لی فی کل امرٍ نزل بی ثقة وعدة کم من کرب یضعف فیه الفوٴاد وتقل فیه الحیلة ویخذل فیه الصدیق ویشمت فیه العدو، انزلته بک وشکوته الیک رغبة منی الیک عمن سواک ففرجته عنی وکشفته فانت ولیّ کل نعمة وصاحب کل حسنة ومنتھی کل رغبة.

پالنے والے! تجھ پر مجھے ہر رنج واندوہ میں بھروسہ ہے تو ہی میری امیدوں کا مرکز ہے۔جب بھی مجھ پر کوئی مصیبت پڑی تو ہی میرا آسرا اور (اس مصیبت سے بچنے کا) سامان رہا ہے، نہ جانے کتنے مصائب وآرام تھے جن میں دل کمزور، راہ چارہ وتدبیر مسدود ہوگئی۔دوستوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔دشمنوں نے خوشیاں منائیں۔میں نے ان مصائب وآلام میں رگر کر تیری طرف رجوع کیا تجھ سے اپنا غم بیان کیا۔تو اُن کے گھیرے سے مجھے باہر نکال لایا۔تو ہر نعمت کا مالک اور ہر نیکوں والا ہے،تو ہی قبلہ حاجات ہے۔[1]

ہاں ہاں یہ خانوادہ رسالت کے چشم و چراغ حسینؑ ابن علیؑ کی آواز ہے......صدا ہے، دعا ہے۔لفظ لفظ عقیدت، عبودیت اور گہری قرابتوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ یقیناً کرب وبلا کے بے آب وگیاہ صحرا میں حسینؑ کو اگر کسی کا سہارا تھا تو وہ اللہ تھا، اور کیوں نہ ہوتا سہارا آسرا اور بھروسہ اللہ کا آپؑ ہی کے نانؐا نے تو اقوام وملل کی جبینوں کو ہاتھوں کے تراشے ہوئے بتوں سے اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے جھکا دیا تھا۔ یہ تو حسینؑ تھے............

بریرؓ کی تقریر:

دعاختم کرتے ہی حسینؑ آگے بڑھے، آپکے ساتھ آپکا ایک مدبرصحاب بریر بن خضیرؓ تھا۔ آپؑ نے بریر کوحکم دیا کہ آگے جا کرفوج مخالفین کے سامنے ہمارے مقاصداورانکی دھوکہ دہی کے حقائق بیان کرو۔ بریرؓ نے حکم پاتے ہی فوج کے سامنے آکرتقریر کی آپؑ نے ان سے کہا۔

یا هولاء اتقو الله فان ثقل محمد قد اصبح بين اظهركم ما هولاء ذريته وعترته وبناته و حرمه فهاتو ماعندكم وما الذى تريدون ان تصنعوا بهم فقالوا نُريدُ ان نمكن منهم الامير عبيد الله بن زياد فيرى رايه فيهم فقال برير افلا ترضون منهم ان يرجعواالى المكان الذى اتبلوا فسه ويلكم يا اهل الكوفه أنسيتم كتبكم اليه وعهودكم التى اعطيتموها من انفسكم واشهد تم الله عليها وكفىٰ بالله شهيدا ويلكم دعوتم اهل بيت نبيّكم وزعمتم انكم تقتلون انفسكم من دونهم حتىٰ اذا اتكم اسلموهم عبيد الله وملاتموهم عن ماء الفرات الجارى وهو مبذول يشرب منه اليهود والنصارىٰ والمجوس وترده الكلاب الخنازير بئسماخلفتم محمدا فى ذريته مالكم لاوسقاكم الله يوم القيامه.

اے گروہ بے حیا خدا سے ڈرو۔ اہلبیت رسول اللہ تمھارے شہر میں تشریف لائے ہیں اورتمہارے مہمان ہیں۔ان سے تم لوگوں کا کیا قصد ہے۔یہ جُملات سنکر فوج مخالفین نے کیا۔ہم صرف اتنا چاہتے ہیں کہ یہ ابن زیاد کے ہاتھ میں ہاتھ دیں جومناسب سمجھیں وہ برتاؤ ان سے (یعنی حسینؑ سے) کریں۔یہ سنکر بریر نے کیا............کیاتم اس بات پرراضی نہیں ہو کہ حضرت اپنے وطن واپس چلے جائیں وائے ہوتم پراے اہل کوفہ!تم نے اپنے عہدو پیمان کے بندھنوں کوتوڑا۔وفا کے ستون منہدم کردیئے جوخطوط تم لوگوں نے قسمیں کھا کھا کر لکھے تھے اور جو بیعت تم لوگوں نے ان کے ساتھ کی تھی اس سے تم منحرف ہوگئے اوراب یہ چاہتے ہو کرابن زیاد کی امیرانہ وحاکمانہ گرفت ان پرمسلط ہوجائے۔ان کوفرات کے پانی سے منع کررہے ہو۔تم پروائے اورتُف ہو۔تم لوگوں نے اپنے نبیؐ کے اہلبیتؑ کو دعوت دی اوراس کے قتل کے درپے ہوئے۔تم لوگوں نے فرزندرسولؐ کوچھوڑ کرعبیداللہ ابن زیادکوترجیح دی۔فرات کے پانی کوتم لوگوں نے مجوس،نصاریٰ،کتوں اورخنزیروں کے لئے تو حلال کررکھا ہے لیکن فرزندرسولؐ پر حرام قراردیا۔خداتم لوگوں کوروز قیامت سیراب نہ کرے۔

یہ تقریر دلپذیر سنکرایک آدمی نے بریرؓ سے کہا: **یا هٰذا ما ندرى ما تقول** ۔اے بریر!ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے کہ تم کیا کہتے ہو۔بریرفوجِ مخالف کا یہ جواب سنکر غیض وغضب میں آگئے۔آپ کا انگ انگ کھڑا ہوا۔چہرہ انگارہ بن گیا تھا۔آپ نے اپنے غصہ پرقابو پا کراس کا جواب دیا:

الحمد الله الذی زادنی فیکم بصیرة اللهم انی ابراء الیک فعال هولاء القوم اللهم الق باسهم بینهم حتیٰ یلقوک وانت علیهم غضبان

الحمد اللہ میری بصیرت تمہارے کفر وضلالت کی وجہ سے زیادہ ہوئی ۔اے خداوندلم یزل! میں پناہ مانگتا ہوں ان کے بدترین افعال اور گھناؤنے کردار سے، خدائے کریم! یہ منافق آپس میں ہی لڑمریں اور تیرا غیض وغضب ان پر بجلیاں بنکر کوند پڑے ۔[۲]

بریرابن خضیر الہمد انی

یہ بریر کون تھا............ ۔کیا رتبہ پایا؟ یہاں اندراج کر دیا جا تا ہے اسلئے کہ کربلا کا ایک المناک واقعہ اسکی زندگی سے وابستہ ہے، لہٰذا ناظرین کرام کی ضیافت طبع کے لئے پیش کیا جا تا ہے ۔ملاحظ ہو:

آپ کا پورا نام بریرابن خضیر الہمد انی المشر قی تھا۔ آپ قبیلہ ہمدانی کی شاخ بنی مشرق کی ایک عظیم شخصیت تھے۔ آپ کافی عمر رسیدہ اور تابعی ہونے کے ساتھ نہایت عابد وزاہد، قاری قرآن بلکہ استادالقراء تھے۔ آپ کا شمار امیرالمومنین علیہ السلام کے اصحاب اور شرفاء کوفہ میں ہوتا تھا آپ نے کوفہ سے مکہ جا کر امام حسینؑ کی ہمراہی اور معیت اختیار کی تھی ۔آپ نے امام حسینؑ اور انکے اہل بیت کی جیسی خدمت کی ،اسکی مثال نظر نہیں آتی ۔شب عاشورا پانی کی جدوجہد میں آپ نے جو کارنامہ کیا ہے وہ صفحات تاریخ میں سونے کے حروف سے لکھنے کے قابل ہے............اہل بیت رسولؐ اسلام پر ساتویں سے پانی نبد ہے ۔سعی آپکی ہر سبیل غیر مفید ثابت ہوچکی ہے ۔تگ ودو کی گئی ۔کنویں کھودے گئے مگر پانی دستیاب نہ ہوسکا۔ عاشور کی رات آ گئی ہے۔ پیاسوں کی آنکھوں میں موت کا نقشہ نظر آ رہا ہے ۔اضطراب اہل بیتؑ کی کوئی حدنہیں حضرت سکینہؑ بنت الحسینؑ فرماتی ہیں کہ نویں محرم کا دن گذرنے کے بعد جب رات آئی تو پانی کی نایابی نے ھم لوگوں کو قریب بہ ہلاکت پہنچا دیا۔ خشک برتنوں اور مشکیزوں کی طرح ہماری زبان اور لب بھی خشک ہوگئے اور ایسی حالت پیدا ہوگئی جو برداشت نہ ہوسکی بالآخر میں بچوں سمیت اپنی پھوپھی جناب زینبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی تا کہ ہم انہیں اپنی حالت سے آگاہ کر کے پانی کی خواہش کریں ۔ شاید وہ کوئی سبیل پیدا کرسکیں ۔میں نے انہیں اپنے خیمہ میں پایا۔ وہ آغوش محبت میں میرے بھائی علی اصغرؑ کو لئے ہوئے تھیں اور انکی یہ حالت تھی کہ کبھی کھڑی ہوتی تھیں اور کبھی بیٹھ جاتی تھیں اور میرا بھائی انکی آغوش میں تڑپتا تھا جس طرح چھوٹی مچھلی پانی میں تڑپتی ہے، اور وہ تڑپتے بھی ہیں اور چلاتے بھی ہیں اور میری پھوپھی انہیں تسلی دیتے ہوئے فرماتی ہیں، میرے برادرزادے! صبر کرو اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرماتی ہیں ۔''**وانّی لک الصبر**'' اور تجھے صبر کیونکر آ سکتا ہے جبکہ تیری یہ حالت ہے، اے بیٹا! کیا کروں اس بات سے سخت تکلیف ہے کہ میں تیری حالت دیکھتی ہوں اور تیرا بیان سنتی ہوں اور کچھ نہیں کرسکتی ۔ جناب سکینہؑ فرماتی ہیں کہ جب میں نے پھوپھی اماں کا

یہ بیان سنا اور علی اصغرؑ کی یہ حالت دیکھی تو میں بھی رونے لگی پھوپھی اماں نے پوچھا کون ہے؟ سکینہؑ میں نے عرض کیا، ہاں پھوپھی جان۔ میں ہوں۔ انہوں نے پوچھا کیوں رورہی ہو؟ میں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ میں نے اگر اپنی پیاس کا ذکر کیا تو وہ اور پریشان ہوجائینگی۔ میں نے کہا اے پھوپھی جان! اگر آپ انصار کے عیال کے پاس کسی کو بھیجیں تو شاید کچھ پانی کہیں سے دستیاب ہوسکے۔ یہ سنکر حضرتؑ نے شیرخوار بھائی کو آغوش میں اٹھایا اور خود میری دیگر پھوپھیوں کے خیمہ میں گئیں لیکن کہیں پانی کی سبیل نظر نہ آئی۔ پھر جب وہ واپس جا کر بعض فرزندان امام حسنؑ کے خیمہ میں پہونچیں تو آپ کے ساتھ اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے ہوگئے اور سب کو یہ امید تھی کہ حضرت زینبؑ کہیں سے پانی کی سبیل نکالیں گی۔ غرض کہ آخر میں میری پھوپھی زینبؑ نے اصحاب کے خیموں میں پانی کا پتہ لگایا۔ مگر مایوس رہی۔ جب پانی ملنے سے ناامید ہوئیں تو اپنے خیمہ میں پلٹ آئیں۔ اب آپؐ کے پاس بیس لڑکے لڑکیاں جمع ہوگئے تھے جو سب کے سب حد سے زیادہ پیاسے تھے۔

حضرت سکینہؑ فرماتی ہیں کہ ہم سب اطفال حسینؑ خیموں میں روپیٹ رہے تھے کہ ناگاہ ہمارے خیمے کی طرف سے بریرھمدانی گذرے۔ انہوں نے جب ہماری حالت کا مطالعہ کیا تو بیساختہ رونے لگے اور سر پر خاک ڈالتے ہوئے دیگر اصحاب سے ملے اور ان سے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ہاتھوں میں تلوار ہونے کے باوجود خاندانِ رسالتؐ کے بچے پیاس سے مررہے ہیں۔ میرے دوستو! اگر ہم انہیں سیراب نہ کرسکے اور وہ پیاس سے مرجائیں تو اس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم لوگ موت کی آغوش میں چلے جائیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ہم لوگ ان بچوں کے ہاتھ پکڑ لیں اور نہر پر لے چلیں اور انہیں سیراب کرنے کی سعی کریں۔

یہ سنکر یحیٰی مازنی بولے! میرے خیال میں بچوں کا لے جانا درست نہیں کیونکہ دشمن حملہ کرینگے اور اگر اس حملہ میں خدانخواستہ کوئی بچہ شہید ہوگیا تو ہم اسکا سبب قرار پائیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ مشکیزے لے لیں اور نہر پر چل کر پانی حاصل کریں۔ پانی دستیاب ہونے پر ان پیاسوں کو سیراب کریں۔ جناب یحیٰی مازنی کی رائے سب نے پسند کی اور چار اصحاب مشکیزے لے کر نہر فرات کی طرف روانہ ہوگئے۔ جن کے قائد بریر ہمدانی تھے۔ یہ لوگ فرات کے قریب پہنچے محافظین نہر نے ان کی آمد محسوس کرلی پوچھا من ھو لاء القوم یہ کون لوگ ہیں۔ یعنی تم کون لوگ ہو؟ اور کیوں آئے ہو؟ کیا غرض ہے؟ فرمایا، پانی پینے اور لے جانے کے لیے آئے ہیں اس نے کہا ٹھہرو میں اپنے سردار سے دریافت کرلوں۔ اگر اجازت ملے گی تو پانی لے جانے کا امکان ہوگا ورنہ ناممکن ہے۔ ایک شخص محافظین نہر کے سردار اسحٰق ابن جثوہ کے پاس گیا۔ وہ جناب بریر کا رشتہ دار تھا اور کہا بریر پانی پینے اور پانی خیام حسینؑ تک لے جانے کے لیے آئے ہیں۔ اس نے کہا، پانی پینے کے لئے راستہ دیدو۔ جتنا چاہیے پی لیں۔ لیکن لے جانے کی اجازت نہیں۔ اجازت ملی۔ پانی میں اُترنے کی ٹھنڈک نے دل پگھلا دیا بریر نے پانی پیئے بغیر اپنے ساتھیوں سے کہا

مشکیزے جلدی بھرواور چل کھڑے ہو، کیونکہ فرزندان رسولؐ کے دل پیاس سے پگھلے جارہے ہیں۔ بریر کی آواز ایک دشمن نے سن لی اور پکار کر کہا۔تمہیں پانی پینے کی اجازت دی گئی ہے۔تم پانی لے جانہیں سکتے۔میں فوراً اسحاق کو باخبر کرتا ہوں لیکن یہ بھی سن لو،اگراس نے بہ پاس قرابت پانی لے جانے کی اجازت بھی دیدی تو میں پانی نہیں لے جانے دوں گا۔

بریر نے اپنا لہجہ کمال سیاست کی بنا پر نرم کر کے اُسنے گرفتار کرنا چاہا مگر وہ گرفت میں نہ آیا اوراس نے اسحٰق کو خبر دی۔اسحاق نے حکم دیا کہ پانی لے جانے سے روکو اور اگر نہ مانے تو گرفتار کر کے میرے پاس لے آو۔وہ آیا اور مشکیزے خالی کر دینے کا مطالبہ کیا۔حضرت بریر نے فرمایا۔خدا کی قسم میں پانی بہانے سے اپنا خون بہانا بہتر سمجھتا ہوں۔میں نے ایک قطرہ بھی پانی نہ پیا۔ہماری پوری غرض خیام حسینؑ تک پانی پہنچانا ہے، جب تک دم میں دم ہے ہمارے مشکیزوں کو کوئی نظر بھر کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔

ان لوگوں کے ارادے معلوم کرنے کے بعد دشمنوں نے چاروں طرف گھیر لیا۔ان حسینیؑ بہادروں نے مشکیزے زمین پر رکھدیئے اوران کے گرداگرد گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہوگئے۔تیر بارانی کا حکم ہوا اور تیر برسنے لگے، ایک بہادر نے مشکیزہ اُٹھا کر کندھے پر رکھ لیا اور چاہا کہ جلد سے نکل کر خیامگاہ تک پہنچ جائیں۔اتنے میں ایک تیر کندھے پر آ کر لگا تسمہ کٹ گیا اور خون جاری ہوگیا اور قدم تک پہونچ گیا۔اسنے بڑی خوشی کے ساتھ کہا، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے میری گردن کو مشکیزے کے لئے سپر بنایا۔یعنی میری گردن چھدی تو چھدی مشکیزہ تو بچ گیا۔ابھی تک ان بہادروں کی تلواریں نیام میں تھیں مگر حضرت بریرؓ اب سمجھ چکے کہ یہ پانی روکنے میں اپنی ساری کوشش ختم کر دیں گے۔اتمام حجت کے لیے کہا کہ دیکھو فرزندان رسولؐ پیاسے ہیں اور انکے اطفال وعورتیں بھی پیاسے ہیں۔ہمیں پانی لے جانے دو۔ان لوگوں نے جواب دیا۔حسینؑ اور انکے بچوں کے لیے ہم نے فرات کا پانی حرام کر دیا۔یہ ناممکن ہے کہ تم پانی لے جاسکو۔بریرؓ نے کہا، دیکھو! ہماری تلواریں ابھی تک نیام میں سورہی ہیں۔انہیں بیداری کا موقع نہ دو ورنہ بڑی خونریزی ہوگی۔

دشمن پانی روکنے میں مبالغہ کررہا تھا، اور یہ پانی لے جانے پر اصرار۔بات بڑھنی آواز بلند ہوئی۔امام حسینؑ کے گوش گذار ہوئی۔آپ نے ارشاد فرمایا **الحقوا بہ** اے عباسؑ۔کچھ لوگوں کو لیکر بریر کی کمک میں پہنچو وہ دشمنوں میں گھر گئے ہیں۔حضرت عباسؑ چند اصحاب کو لیکر بریرؓ کی مدد کو چلے اور انکے ہمراہ بعض محافظین خیمہ بھی ہوئے۔عمرو بن حجاج نے جب دیکھا تواس نے لشکریوں کو حکم دیا کہ اگر چہ رات ہے لیکن تیر باران شروع کردو۔حکم پاتے ہی دشمنوں نے تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔بریرؓ نے بڑھ کر ایک مشکیزہ اُٹھایا لیا اوراپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم میرے اردگرد جمع ہو جاؤ تاکہ تیر مشکیزہ تک نہ پہونچ سکے اور پانی بہنے سے بچ جائے۔بریرؓ مشک لئے ہوئے اپنے ساتھیوں کے درمیان ہیں اور ساتھی اردگرد ہیں۔جسقدر تیر آتے ہیں یہ بہادر اپنے سینوں پر لیتے ہیں اور مشکیزہ

تک کسی تیر کی رسائی نہیں ہونے دیتے۔ بریر ہمدانی کو بھی سات تیر لگ چکے ہیں۔لیکن مشکیزہ ابھی تک محفوظ ہے۔قضاراایک تیر بڑی تیزی کے ساتھ اُڑتا ہوا آیا اور ایک بہادر کے سینے پر لگا۔لوگ گھبرا گئے اور یہ سمجھے کہ تیر مشکیزہ پر لگ گیا ہے حضرت بریرؓ سے پوچھا۔ذرا بتاؤ تو سہی کہ یہ تیر کہاں لگا؟ بریرؓ نے کمال عقیدت سے جواب دیا کہ مشکیزہ بچ گیا۔الحمد اللہ! یہ تیر میری گردن پر لگا ہے۔الغرض کمک پہنچ گئی۔دشمنوں کے دل چھوٹ گئے۔یہ حضرات دشمنوں کو ہٹا کر بریر وغیرہ کو ہمراہ لے آئے۔

حضرت بریرؓ مشکیزہ لئے ہوئے خیمہ کے قریب پہونچے اور پکار کر کہا اے رسول اکرمؐ کے چھوٹے چھوٹے بچو! آو پانی آ گیا۔خوشی سے پیو۔بچوں میں شور مچ گیا۔ایک دوسرے کو پکارنے لگے۔آؤ، بریرؓ پانی لائے ہیں تمام بچے دوڑ پڑے اور انہوں نے اپنے کو مشکیزے پر گرا دیا۔مشکیزے کو کوئی آنکھوں سے اور کوئی رخسار سے اور کوئی پہلو سے لگانے لگا۔مشکیزہ پر دباو پڑا اور اسکا دہانہ بند الٹ گیا،منہ کھل گیا اور سارے کا سارا پانی زمین پر بہہ گیا۔بچے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور سب نے مل کر آواز دی، بریرؓ! پانی بہہ گیا۔

بریرؓ اس آواز کو سنتے ہی منہ پیٹنے لگے اور بڑی مایوسی اور زبردست افسوس کے ساتھ رو کر کہا ہائے کس عرقریزی سے پانی دستیاب ہوا تھا مگر افسوس کہ پیغمبرؐ اسلام کی اولاد سیراب نہ ہو سکی۔.................

شب عاشورہ کے بعد صبح عاشورہ آپ نے زبردست نبرد آزمائی کی۔بڑھاپے کے باوجود آپ نے ایسی جنگ کی کہ دشمنوں کے دانت کھٹے ہو گئے۔آپ جس پر بھی حملہ کرتے تھے اُسے فنا کے گھاٹ اُتار دیتے تھے سب سے پہلے آپ نے جس سے مقابلہ کیا، وہ یزید ابن معقل تھا۔آپ نے اسے چند واروں میں فنا کر دیا۔اسی طرح آپ نے تیس دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔آخر میں رضی بن منقذ سامنے آیا آپ نے اُسے زمین پر دے مارا اور اسکے سینہ سوار ہو گئے۔اتنے میں کعب بن ازدی نے آپکی پشت مبارک پر نیزہ کا گہرا وار کیا۔آپ نے غصہ میں آ کر رضی جس کے سینہ پر سوار تھے اسکی دانتوں سے ناک کاٹ لی۔کعب کا تیرہ جناب بریر کی پشت پر رہ گیا۔اسکے بعد کعب نے نیزہ اور تلوار سے متعدد وار کر کے جناب بریر کو سخت زخمی کر دیا اور بالآخر آپ کو بجیر ابن اوس الضبی نے شہید کر ڈالا۔شہادت کے وقت آپ نے حضرت امام حسینؑ کو آواز دی آپ انکی لاش پر پہونچے اور آپ نے نہایت درد آگیں لہجہ میں فرمایا، ان **بریرا من عباد الله الصالحين** ۔ہائے بریر ہم سے جدا ہو گئے جو خدا کے بہترین بندوں میں سے ایک تھے۔[۳]

حوالہ جات

[۱] ابلاغت الحسین ص ۱۷۶ [۲] مقتل الحسینؑ، خوارزمی جزء الاول ص ۲۵۲؛ بحار الانوار حصہ اول ص ۲۱۲

[۳] ھفت روز شیعہ ص ۶۶-۶۹

آغاز جنگ

بعد از حمد ثنائے پروردگار اور درود وسلام اپنے جد محمدؐ رسول اللہ اور انبیاء کرامؑ پر بھیجنے کے بعد امام حسینؑ نے ارشاد فرمایا:

ہلاکت ومصیبت ہو تمہارے لئے۔ اے لوگو! ارے جب تم لوگوں نے خود ہی بدحواس ہو کر ہم سے فریاد کی اور ہم پوری تیاری کے ساتھ دوڑتے ہوئے تمہاری فریاد کو پہنچے۔ تو کل جو تلواریں تمہارے ہاتھوں میں ہماری حمایت کے لئے بلند تھیں، آج انہیں تلواروں کو تم نے ہم پر کھینچا ہے اور کل جو آگ ہم نے اور تم نے مل کر اپنے مشترکہ دشمن کے لئے بھڑکائی تھی وہی آگ آج تم میرے لئے بھڑکا رہے ہو۔ دشمن کے دست وبازو بن کر آج تم اپنے ہی دوستوں پر ٹوٹ پڑے حالانکہ تمہارے دشمنوں نے تمہارے ساتھ کوئی انصاف نہیں برتا اور نہ تم کو اُن سے کسی منفعت ہی کی امید ہے سوائے اسکے کہ دنیا کی حرام چیزیں تم نے ان سے حاصل کی ہیں اور ذلیل عشرت کے سامان کی اُن سے لالچ ہے، حالانکہ ہم سے تمہارے خلاف کوئی بات بھی رونما نہیں ہوئی اور نہ ہمارے متعلق تمہارا عقیدہ غلط ثابت ہوا ہے کیوں نہ تمہارے لئے بربادی وہلاکت ہو کہ تم نے ہمیں ناپسند کیا، ہمیں چھوڑ دیا، جنگ کی تیاریاں کیں۔ حالانکہ ہماری تلواریں نیام میں تھیں، دل تمہاری طرف سے مطمئن تھے، تمہارے متعلق رائے بھی بدلی نہ تھی۔ لیکن تم جنگ کے لئے یوں اُمنڈ پڑے جس طرح ٹڈیوں کے دل کے دل اُمنڈ پڑتے ہیں، اور یوں ٹوٹ پڑے جس طرح پروانے (شمع پر) ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اے لوگو! ہلاکت وبربادی ہو تمہاری تم امت کے سرکش لوگوں میں سے ہو۔ جماعت سے علیحدہ رہنے والے اور کتاب خدا کو چھوڑ دینے والے، شیطان کے سحر کا شکار، گنہگاروں کی ٹولی۔ کتاب خدا میں تحریف کرنے والے۔ سنتوں کو مٹانے والے اولاد انبیاء کو قتل کرنے والے، اوصیاء کی نسل کو ہلاک کرنے والے اور آیات الٰہی کے ساتھ تمسخر کرنے والی ٹولی کے سرغنہ کی مدد کرنے والے ہو، جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ بہت ہی بری چیز اُن کے نفسوں نے اُن کے سامنے پیش کی ہے اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ تم حرب کے بیٹے اور اُسکے پیروکاروں کی مدد کر رہے ہو اور ہمارے ساتھ بے وفائی کر رہے ہو۔ ہاں کیوں نہ ہو؟ تمہارا بے وفائی کرنا دنیا جانتی ہے۔ اس پر تمہاری جڑوں نے جگہ پکڑی اسی سے تمہاری شاخیں بارآور ہوئیں۔ اسی پر تمہارے دل قائم اور اسی کو تمہارے سینے چھپائے ہوئے ہیں۔ تم بدترین پھل ہو، دیکھنے والوں کے لئے رنج

واندوہ اور غاصب کے لئے لقمہ ہو۔خدا کی لعنت ہو عہد و پیمان توڑنے والوں پر، جو عہد و پیمان استوار کر کے توڑا ڈالتے ہیں، حالانکہ اپنے عہد و پیمان پر خدا کو ضامن بھی بنا چکے تھے۔تم لوگ خدا کی قسم وہی ہو۔دیکھو! یہ حرامی لڑکا (ابن زیاد) دو باتوں کے درمیان جم گیا ہے یا تو مجھ پر تلوار کھینچے یا مطیع بنا کر مجھے ذلیل کرے اطاعت کی ذلت وخواری برداشت کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے، خداوند عالم، اس کا رسول، پاکیزہ گود۔طیب وطاہر آغوش، اونچی ناک، غیرت مند نفس، ہمیں قطعا اجازت نہیں دیتے کہ ہم شریفانہ موت کو چھوڑ کر کمینوں کی اطاعت اختیار کریں۔دیکھو! میں نے اپنا عذر بیان کر دیا۔تمہیں خدا کا خوف بھی دلایا۔میں اپنے لوگوں کے ساتھ درآں حالیکہ یہ تعداد میں بہت تھوڑے ہیں اور دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، دوستوں نے منہ چرالیا ہے، احباب نے مدد سے دست کشی کر لی ہے (مگر ان سب کے باوجود) مقابلہ کر کے رہوں گا۔اسکے بعد آپ نے مثالاً فردہ بن میک کے یہ اشعار پڑھے۔

اگر آج ہم شکست کھا جائیں تو خیر، پہلے تو ہم شکست دیتے رہے ہیں۔
اور اگر آج مغلوب ہو جائیں تو ہمیشہ ایسا نہیں ہوا ہے کہ مغلوب ہی ہوتے رہے ہوں۔
ہم کوئی بزدل نہیں پیدا ہوئے ہیں، مگر ہماری موت کا وقت آ گیا ہے۔
اور دوسروں کی قسمت میں اقتدار حاصل کرنا ہے۔
اگر موت کچھ لوگوں سے اپنا سینہ ہٹالے، تو دوسروں پر مسلط ہو کر رہے گی۔
اسی موت نے ہماری قوم کے سرداروں کو فنا کیا، جس طرح اگلے زمانے کے لوگوں کو فنا کیا۔
اگر بادشاہ ہمیشہ زندہ رہے ہوتے تو ہم بھی زندہ رہتے۔
اگر شریف وعزت والے انسان ہمیشہ باقی رہے ہوتے تو ہم بھی باقی رہتے۔
جو ہماری موت پر خوش ہوتے ہیں اُن سے کہہ دو کہ ہوش میں آؤ۔
ہماری موت پر خوش ہونے والے بھی اسی موت کا سامنا کریں گے جسکا ہم نے سامنا کیا ہے۔

اسکے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے بعد خدا کی قسم! تم بس اتنی ہی دیر ٹکنے پاؤ گے جتنی دیر گھوڑے پر سوار ہونے میں لگتی ہے۔یہاں تک فوراً ہی چکی کی گردش تمہیں گردش دے گی اور چرخی کی طرح چکر میں ڈالے گی۔ میرے پدر بزرگوارؑ، میرے نانا سرور کائناتؐ سے سن کر مجھ سے اسکا وعدہ فرما چکے ہیں تو تم اور تمہارے شریک سب کے سب ملکر اپنا کام ٹھیک کر لو۔پھر تمہاری بات تم میں سے کسی پر مخفی نہ رہے۔پھر تمہارا جو جی چاہے میرے ساتھ کر گزرو اور مجھے دم مارنے کی بھی مہلت نہ دو، میں تو صرف خدا ہی پر بھروسہ رکھتا ہوں جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی، اور روئے زمین پر جتنے چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اُسی کے ہاتھ میں ہے۔اس میں تو شک ہی نہیں کہ میرا

پروردگار انصاف کی سیدھی راہ پر ہے۔

بار الٰہا! ان سے بارش کے قطرات روک لے۔ ویسے ہی قحط سے انکا سامنا کر جیسی قحط سالی حضرت یوسفؑ کے زمانے میں ہوئی تھی۔ ان پر ثقیف☆ کے نوجوانوں کو مسلط کردے جو انہیں کڑوا جام پلادے اور اس وقت تک انہیں نہ چھوڑے جب تک نہ اُن سے قتل کا بدلہ قتل کی صورت میں وار کا بدلہ وار کر کے نہ لے لے۔ میرا اور میرے انصار میرے اہلبیتؑ، میرے شیعوں کا ان سے انتقام لے کیونکہ انہوں نے ہمیں دھوکہ دیا۔ ہمیں جُھٹلایا۔ ہماری مدد سے گریز کیا۔ تو ہی ہمارا پروردگار ہے اور تجھ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف ہماری بازگشت ہے۔[1]

سنسنی خیز حادثات

خندق میں آگ بھڑک چکی تھی، حسینیؑ افواج قدرے مطمئن تھی کہ اچانک فوج یزید سے حملہ نہیں ہوسکتا ہے۔ دوسری طرف فوج یزید عمر و بن سعد کے حکم سے حرکت میں آگئی جب قریب خندق یزیدی افواج پہنچ گئی تو آگ راستے کی دیوار بنکے حائل ہوگئی۔

یہ دیکھ کر شمر ذی الجوشن نے بلند آواز سے صدادی۔ **یا حسینؑ !اتعجلت بالنار قبل یوم القیامة**

اے حسینؑ! (معاذ اللہ) قیامت میں پہنچنے سے پہلے ہی آگ کی خواہش میں جلدی کر دی۔ حسینؑ نے یہ گستاخانہ کلام سنکر فرمایا کون ہے............؟ عرض کیا گیا: شمر ہے۔

آپ نے فرمایا۔ **یابن راعیة المعزیٰ انت اولیٰ بها صلیا**

اے بکریاں چرانے والے کے بچے! آگ کا مستحق تو ہے۔

مسلم بن عوسجہ نے چاہا کہ شمر کی طرف نیزہ پھینکے۔ لیکن امام حسینؑ نے اجازت نہیں دی۔ مسلم نے دوبارہ عرض کیا مولا! مجھے اجازت دیدیجئے تاکہ اس بدبخت کو تیر کا نشانہ بناؤں، کیونکہ یہ شقی خدا کے دشمنوں میں سے ہے اور ظالموں کا رأس و رئیس ہے یقیناً خدا مجھے اجر مرحمت فرمائے گا۔

فقال له الحسین!لا ترمهِ فانی اکره ان ابدئهُم بقتال آپ نے فرمایا۔ نہیں مسلم نہیں تیر مت مارنا میں نہیں چاہتا ہوں کہ میری طرف سے جنگ کی ابتداء ہوجائے۔

اسی وقت افواج یزید میں دوسرا شخص کہ جسکا نام اب ابی جویرہ المزنی تھا، گھوڑے پر سوار ہوکر خیام حسینؑ کے قریب آیا۔ جب دیکھا کہ خندق میں آگ روشن ہے تعجب کر کے حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کی طرف صدادی۔ یــا

☆ قبیلہ ثقیف:۔ حضرت حسینؑ کا صریحی اشارہ مختار بن عبیدہ ثقفی کی طرف ہے۔ یہ دعا ہی کا تو اثر تھا کہ مختار نے حسینؑ پیشگوئی کے مطابق دشمنان اہلبیتؑ کی اینٹ سے اینٹ بجا کے رکھ دی۔ مصطفیٰ

حسینؑ و اصحاب الحسین!بشرو بالنار فقد تعجلتموھا فی الدنیا اے حسینؑ واصحاب حسینؑ !بشارت ہو کہ تم لوگوں نے آخرت کی آگ سے قبل ہی آگ اختیار کر لی ہے۔حسینؑ نے جب یہ گستاخانہ کلام سنا فرمایا کون ہے۔...........؟ عرض کیا گیا ابن ابی جویرہ یہ سنکر حسینؑ نے فرمایا۔

فقال الحسین اتُغیرنی بالنار وانا قادم علی رب کریم

کیا تو مجھے آگ کی سرزنش کرتا ہے حالانکہ میں خداوند کریم کے سامنے معزز و مکرم ہوں

اس کے بعد آپؑ نے آہ بھر کر فرمایا۔**اللھم اذقه عذاب النار فی الدنیا**، بارالٰہا اسکو دنیا میں ہی آگ کا مزہ چکھا دے۔حسینؑ کی دعا کے آخری الفاظ کے ساتھ ہی ابن ابی جویرہ کا گھوڑا ابدک گیا۔ابن ابی جویرہ نے لاکھ سنبھالا گھوڑے کو لیکن قضا نے مہلت ہی نہ دی،ایک پاؤں رکاب میں سے نکل کر لٹک گیا،اور گھوڑے نے ایک ہی جھٹکے سے اسکو کھولتی ہوئی آگ میں گرادیا اصحاب حسینؑ نے جب دیکھا تو نعرہ تکبیر بلند کر کے فرمایا۔**یـــا الھــا مـن دعوۃ مااسرع اجابتھا** دیکھا! کتنی جلدی دعا کا اثر ہوا۔اسکے بعد آسمان نداء کربلا کی وسعتوں میں گونج اُٹھی۔

تھنئک الاجابة یاابن بنت رسولِ الله

اے بنت رسولؐ کے فرزند۔تہنیت ہو تمہاری اس اجابت پر

عمرو بن سعد کے لشکر میں مروان بن وائل کہتا ہے کہ جب میں نے یہ صورت حال دیکھی تو میں نے عہد کیا کہ اب میں حضرت حسینؑ سے مقاتلہ نہیں کروں گا۔ابن سعد نے جب میرے ارادے کو بھانپا تو پوچھا، تجھے کس چیز نے روکا اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے مروان بن وائل نے جواب دیا۔بخدا! جس چیز کو میں نے حسینؑ اور اسکے اہلبیتؑ کے متعلق دیکھا تو نے نہیں دیکھا،واللہ میں اب حسینؑ کے مقابلے میں نہیں آؤں گا۔

اس کے بعد تمیم بن حصین الفرازی نے حسینؑ اور اصحاب حسینؑ سے کہا

یـاحسیـن ویـا اصـحـاب الـحسین !اما ترون الیٰ ماء الفرات یلوح کانه بطون الحیات والله لانه لا ذقتم منه قطرة حتیٰ تذوقوا الموت جرعا

اے حسینؑ واصحاب حسینؑ ! کیا تم لوگ آب فرات کی طرف نہیں دیکھتے ہو کہ کس طرح سانپ کے پیٹ کی طرح روشن اور بل کھاتا ہوا ہے۔بخدا اسمیں سے تب تک ایک قطرہ بھی نہیں ملے گا جب تک نہ جام مرگ پیو گے۔

حسینؑ نے فرمایا: یہ کون ہے؟ عرض کیا گیا،تمیم بن حصین ہے۔**فـقـال الـحسیـن ھٰـذا وابوہ من اھل الـنار .اللھم اقتل ھٰذا عطشا فی ھٰذا الیوم**۔تمیم اور اس کا باپ اھل جہنم سے ہیں۔خداوند! اسکو آج ہی پیاسا قتل کر دے۔کہا جاتا ہے کہ اس طرح تمیم پر پیاس کا غلبہ پڑا کہ نڈھال ہو کر گھوڑے سے گر پڑا اور گھوڑ سواروں نے اسکو روند ڈالا۔

اس کے بعد محمد بن اشعث بن قیس کندی آگے آیا اور حسینؑ سے کہنے لگا۔اے حسینؑ !فاطمہؑ کے بیٹے !رسول خداؐ سے تیری کونسی حرمت اور حشمت ایسی ہے کہ جو دوسروں کو نہیں ہے؟حسینؑ نے اسکا احمقانہ سوال سنکر آیت تلاوت فرمائی۔

انّ الله اصطفی ادم و نوحاً و اٰل ابراهیم و اٰل عمران علی العالمین

خدا نے آدم،نوح ابراہیمؑ اور آل عمران کو تمام عالمین میں مصطفیٰ کیا یعنی برگزیدہ کیا۔

ثُمَّ قال وَ الله اِنَّ مَحَمداً لمن آل ابراهیم و ان العِترة الهادیة لمن آل محمدٍ

بخدا محمد رسول اللہ آل ابراہیمؑ میں سے ہیں اور عترت ہادیہ آل محمدؐ ہیں۔

حسینؑ نے اسکے بعد آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا۔**اللهم ارمحمد بن الاشعث ذُلاً فی هٰذا الیوم لا تعرهُ بعد هٰذا الیوم ابدا** ۔خدائے کریم !محمد بن اشعث کو لباس ذلت پہناؤ،آج کے بعد اسکو کبھی لباس عزت میسر نہ ہو۔کہتے ہیں اس کے بعد محمد بن اشعث ایک دن پیشاب کرنے کی غرض سے بیٹھ گیا ایک خطرناک قسم کا سانپ آیا اور اسنے اسکے حشفہ کو ڈس لیا اور اسکی موت بڑی بھیانک ثابت ہوئی۔[۲]

کشمکش:

رات گہری اندھیری تھی۔ہر طرف سنسنی خیز تاریکی چھائی ہوئی تھی۔حدنگاہ تک صحرا کی تاریکیوں میں بھیانک سائے منڈلاتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔کل کیا ہوگا............؟ہر ایک کے ذھن پر چھایا ہوا تھا۔افواج یزید کے خیام میں ایک جنرل عالم اضطراب میں ،سوچ رہا ہے کہ دنیاوی عیش وعشرت کو ترجیح دوں یا آخرت کے بھیانک منازل کو استوار کروں۔یہ جنرل کل ہی راہ کی رکاوٹ بن چکا تھا۔آج جنت وجہنم کی عجیب وغریب کشمکش میں مبتلا ہے،صبح سویرے جب دونوں طرف کی افواج اپنے اپنے کمانڈر انچیف کے حکم کی منتظر تھیں،ناگاہ افواج یزید کا ایک بہادر جنرل حر بن یزید الریاحی اپنے کمانڈر انچیف کے پاس آیا اور کہا۔

ای عمر اتقاتل هٰذا لرجل ؟قال ای و الله !قتالا شدیداً اسِره ان تسقط الرووس وتطیع الایدی ۔اے عمر!کیا تو واقعاً حسینؑ کے ساتھ لڑے گا!عمرو بن سعد نے جواب دیا۔ہاں بخدا اسطرح شدید جنگ کروں گا کہ سروں اور ہاتھوں کا انبار لگ جائے گا۔عمرو بن سعد کا بے باکانہ کلام سنکر حر نے دوبارہ پوچھا،کیا اب کوئی بھی مصالحت نہیں رہ گئی......؟عمرو بن سعد نے کہا!اسمیں میرا کیا دوش،تیرا امیر تو یہی چاہتا ہے۔جنگ سے دستبرداری میرے بس کی بات نہیں ہے۔

حر یہ سنکر عمرو بن سعد سے الگ ہٹ کر کھڑا ہوا،صرف دو ہی الفاظ ذہن پر ہتھوڑے برسا رہے تھے۔جنت یا

جہنم! آخر کار حر کے دل نے انگڑائی لی اور جنت کا فیصلہ کیا۔ حر کی پراُسرار خاموشی اور عقابی نظریں دور اور بہت دور خلا میں گھور رہی تھیں۔ حرؑ کی یہ حالت دیکھ کر حرؑ ہی کی قوم کے ایک آدمی نے کہ جس کا قرہ بن قیس تھا، حر سے پوچھا۔ حرؑ! کیا بات ہے............؟ حر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوبارہ سوال کرنے پر حر نے قرہ سے کہا اے قرہ! کیا تو نے اپنے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا ہے......؟ قرہ نے جواب دیا۔ ''نہیں......!'' حر نے دوبارہ کہا پھر کیوں نہیں پلاتا ہے؟ قرہ حر کی باتیں نہ سمجھ کر حیران ہوگیا۔ قرہ کہتا ہے کہ بخدا اگر مجھے حرؑ کے عزائم کا پتہ چل جاتا کہ یہ افواج یزید سے الگ ہونا چاہتا ہے اور جنگ میں شرکت نہیں کرنا چاہتا ہے تو عین ممکن تھا کہ میں بھی حرؑ کی منزل کا ساتھ دیتا۔ لیکن حرؑ سے قرہ نے صرف اتنا کہا۔ نہیں ابھی تو گھوڑے کو پانی نہیں پلایا، میں اسی وقت جا کے پلاتا ہوں۔ حرؑ نے قرہ کا جواب کا خاموشی سے سنا اور الگ ہٹ آیا۔ قرہ کا بیان ہے کہ اچانک میری نگاہیں حرؑ کے گھوڑے پر اُٹھیں جو آہستہ آہستہ افواج حسینؑ کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اچانک مہاجر بن اوس حرؑ کے سامنے آیا اور پوچھا، اے حُر تیرا کیا ارادہ ہے؟ کیا حسینؑ سے لڑنے جا رہا ہے......؟ حُرؑ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ مہاجر کا سوال یہ سنکر حُر کا انگ انگ کانپ اُٹھا۔ حُر کی یہ حالت دیکھکر مہاجر نے اس سے کہا اے حُر! کیا بات ہے تو تو شجاعان کوفہ سے شجاع تر تھا۔ یہ کیا حالت ہو رہی ہے تمہاری؟ حُر نے جواب دیا مہاجر! ایسی بات نہیں ہے البتہ اپنے آپ کو مابین جہنم اور جنت پاتا ہوں۔ لیکن مہاجر! میں نے عزم کرلیا ہے کہ کسی بھی صورت میں جہنم کو بہشت پر ترجیح نہیں دوں گا اگر چہ مجھے تنکے تنکے کر کے بھی اُڑا دیا جائے۔

صرف ناسخ التواریخ نے شرح شافیہ کی روایت نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسکے بعد حُر نے بیٹے کو کہ جس کا نام علی تھا مخاطب کیا اور کہا۔

یابنی !لا صبرلی علی النار فسر بنا الی الحسین لننصره ونقاتل بین یدیه فلعل الله تعالیٰ یرزقنا الشهادة التی لاا نقطاع لها.

''اے میرے بیٹے! مجھے آگ کی ہولناکیوں میں کودنے کی طاقت نہیں ہے۔ آو! ہم حضرت حسینؑ کی خدمت میں جا کر اُنکی نصرت کریں گے اور انکے دشمنوں کے ساتھ پنجہ آزمائی کریں گے۔ شاید ہمیں بھی اللہ تعالیٰ شہادت کے زرین تاج سے نوازے۔

بیٹے نے باپ کا حتمی فیصلہ سنکر کہا۔ اے میرے بابا! جب آپ نے یہی فیصلہ کیا تو مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ میں آپکی رائے کے ساتھ ہوں۔ اسکے بعد حُر کا بیٹا حُر کے ہمرکاب ہو کر لشکر حسینؑ کی طرف چلا، اس حالت میں کہ حُر کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے۔

اللھم !الیک انبتُ فتب علی فقد ارعبتُ قلوب اولیائک و اولاد نبیک: ۔ اے پالنے والے میں اصلی منزل کی طرف لوٹ آیا میری توبہ قبول فرما۔ کیونکہ میں نے تیرے فرستادہ اولیاء اور تیرے نبیؐ کی

اولاد کے قلوب کو ڈرایا خوف زدہ کیا۔

اسکے بعد گھوڑوں کو سرپٹ چھوڑ کر حسینؑ کی خدمت میں پہنچے اور پہنچتے ہی زمین پر کود کے حسینؑ کی قدموں پر سر رکھ دیا۔ **فقال لہ الحسین من تکون؟ارفع راسک** ۔حسینؑ نے پوچھا،کون ہو؟ سر اُٹھاوٗ۔حُرؒ نے سر اُٹھایا۔بھیگی ہوئی پلکوں کو بمشکل اُٹھا کر حسینؑ سے نہایت ہی شرم وندامت سے عرض کیا مولا! میں حُر ہوں......میں نے ہی آپ کا راستہ روک لیا تھا۔میں نے آپکو بے آب وگیاہ صحرا میں اُتارا تھا۔بخدا مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ شقی اس طرح آپ کے ساتھ پیش آئیں گے۔اللہ قسم اگر ذرہ برابر بھی مجھے اسکا علم ہوتا تو میں اس قسم کے گناہ کا ارتکاب کبھی نہیں کرتا۔مولا! اب میں سابقہ افعال مذمومہ سے توبہ کرتا ہوں کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے......؟ کیا کہنا مولائے کریم کے بندہ کریم کا اور کیا کہنا علی کے لاڈلے کا فرمایا۔ہاں حُر! تیری توبہ قبول ہو جائیگی،آوٗ چند لمحوں کے لیے آرام کرو۔حُر نے بصد ادب عرض کیا،نہیں مولا! ایسا اب ہرگز نہیں ہو سکتا ہے اب میرے لیے پل بھر کا آرام حرام ہے۔میں اسی آن محاربہ کرنا چاہتا ہوں صرف اجازت مرحمت فرمادیں۔میں ان سے پہلے سوار ہو کر لڑوں گا،جب یہ اشقیاء میرے گھوڑے کو پے کریں گے تو پھر پیادہ ان سے لڑوں گا یہاں تک کہ مارا جاوٗں۔یہ سنکر حسینؑ نے حُر سے فرمایا۔اے حُر خدا تجھ پر رحم کرے جاوٗ تجھے میں نے اذن جہاد دے دیا۔اب کیا تھا حُرؒ نے ایک ہی جُست میں گھوڑے پر چھلانگ ماری اور فوج اشقیاء کے سامنے آئے اور بلند آواز سے انکو مخاطب کیا۔

فقال یا اھل الکوفة !لا ؔتکم الھبل العبر دعوتم ھٰذا العبد الصالح حتیٰ اذاجائکم اسلمتوہ وزعمتم انکم قاتلوا نفسکم دونہ ثم غدر تم علیہ یتقتلوہ امسکتم بنفسہٖ واخذتم بکللتہٖ واحطتم بہٖ من کل جانب لتمنعوہ التوجہ الیٰ بلاد اللہ العریضة فصار کالاسیر فی ایدیکم لا یملک لنفسہٖ نفعا ولا یدفع عنھا ضرا وحلاتموہ ونسائہ وصبیةُ واھلہ من ماء الفرات الجاری تشربہ الیھود والنصاریٰ والمجوس وتمرغ فیہٖ خنازیر السواء وکلابھم وھاھم قد صرعھم العطش !بئسما خلفتم محمد فی ذریتہٖ لا سقاٰکم اللہ یوما الظماء۔

اے اہل کوفہ:۔تمہاری مائیں تم لوگوں پر عبرت کریں ۔تم لوگوں نے اس مرد صالح(یعنی حسینؑ) کو جھوٹے وعدے دیکر یہاں بلایا اور یہ آئے،اور انکو نصرت واعانت کا وعدہ کیا۔اب جب انہوں نے یہاں تشریف لائی تو تم لوگوں نے ان پر تلواریں کھینچیں۔ان کا ساتھ چھوڑ دیا،ہر طرف سے ان کا گھیراوٗ کیا۔نکلنے کی راہیں مسدود کر دیں۔اب تم لوگوں کو یہ بھی گوارا نہیں کہ یہ اپنے وطن ہی کو واپس لوٹیں۔ان کو قیدیوں کی طرح گرفتار کر رکھا ہے کہ یہ اپنے نفس کے نفع اور نقصان پر قادر بھی نہ رہے۔یہ فرات کا پانی جو ٹھٹھیں مار رہا ہے،یہود ونصاریٰ اور مجوس تک کے لئے کھلا ہے۔اس سے کتے اور سور بھی سیراب ہوتے ہیں لیکن فرزند رسولؐ اور اسکے اطفال واہلبیتؑ پیاس سے جان

بلب ہو گئے ہیں۔ یہ کیا بدترین سلوک تم لوگوں نے محمد رسول اللہ کی ذریت سے کیا۔ خداوندلم یزل تم لوگوں کو آخرت میں سیراب نہ کرے۔

یہ تقریر دل پذیر حیرت انگیز طور پر قلوب کی وسعتوں میں اترتی گئی۔ افواج یزید حُر کے بدلتے ہوئے تیور دیکھکر سہم گئے ممکن تھا کہ معاملہ اور ہی کچھ رنگ اختیار کر لیتا کہ عمر بن سعد نے اپنے علمبردار کو فوراً حکم دیا............یا
درید! اَدنِ رایتک اے درید! اپنا پرچم مجھے دیدے۔ درید نے اپنے امیر کے حکم کی فوراً تعمیل کی۔

وضع سهما فی کبد قوسه ثم رمیٰ فقال اشهد ماانیٰ اول من رمیٰ

اس کے بعد عمر بن سعد نے تیر کمان میں جوڑا اور حسینؑ لشکر کی طرف پھینکا اور بلند آواز سے فخر یہ کہا گواہ رہو سب سے پہلے تیر میں نے پھینکا ہے۔[۳]

جنگی جنون

اب تک حسینؑ بن علی علیہما السلام تقاریر صبر اور تحمل کے ذریعے سے چاہتے تھے کہ مقابلے کی افواج محاربہ کرنے سے پہلے اچھی طرح اپنے حرکات وافعال کا جائزہ لے۔ مگر جب فرعونیت نے اپنا حقیقی روپ بے نقاب کر دیا اور تیر چلہ میں جوڑ کر پھینکا تو حسینؑ کے لیے اب کوئی چارہ نہیں رہا کہ مدافعانہ کاروائی عمل میں لائی جائے۔ ابھی حسینؑ نے اپنی مختصر سی فوج کو مدافعانہ کاروائی کے لئے ---ترتیب بھی نہیں دیا کہ بیک وقت ۸۰ ہزار تیر مینہ کی طرح حسینیؑ فوج پر پڑ گئے۔ دشمن کا یہ مکارانہ حربہ کارگر ہوا حسینؑ کے بہتر جاں نثاروں میں پچاس آدمی درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور اکثر زخمی ہوئے۔[۴]

عمرو بن سعد کا یہ جنگی جنون نہیں تھا تو پھر اور کیا تھا............؟ تاریخ اس قسم کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے کہ بائیس (۲۲) افراد پورے ۸۰ ہزار کے مقابلے میں اس طرح سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنکر کھڑے ہیں کہ دشمن کے چہروں پر کئی رنگ آکر گذرتے ہیں۔ عبدالرزاق المقرم کہتے ہیں کہ حسینؑ نے اصحاب کی بے دردانہ شہادت دیکھکر فرمایا: **قوموا رحمکم الله الی الموت الذی لابد منه فان هذه السهام رسل القوم الیکم**

اُٹھو! خداوندلم یزل تم پر اپنی رحمت نازل کرے۔ آخرت کیلئے رخت سفر باندھو کیونکہ یہ تیر پیام مرگ ہیں۔
اب کیا تھا اذن جہاد تو مل چکا جسکے لئے اصحاب پہلے ہی سے تڑپ رہے تھے۔

حوالہ جات

۱۔ بلاغت الحسین (مترجمہ) ص ۱۶۷۔۱۷۳

۲۔ ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۲۲۶۔۲۲۹

۳۔ مقتل الحسین، خوارزمی ج ۲ ص ۹۔۱۰؛ ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۲۵۳۔۲۵۷؛ بحار حصہ اول ص ۲۱۸۔۲۱۹؛ نفس المہموم ص ۱۱۴۔۱۱۵؛ خلافت بنوامیہ، ابن اثیر جزری ص ۱۵۰۔۱۵۱؛ الھوف فی قتل الطّوف ص ۴۳

۴۔ بحارالانوار حصہ اول ص ۲۱۹؛ جلاء العیون ج ۲ ص ۱۵۸؛ مقتل الحسینؑ، عبدالرزاق ص ۲۶۸؛ نفس المہموم ص ۱۱۶

فصل ۱۲

شہادت گہہ الفت کے راہرو

بازیٔ خاک وخون

طبل جنگ بج چکا تھا۔ابن زیاد کا غلام یسار اور عبیداللہ سالم آگے بڑھے اور میدان میں پہونچ کر مدمقابل کو پکارنے لگے۔ان کے جواب میں عبداللہ بن عمیر الکلبیؓ آگے بڑھے۔دونوں غلاموں نے عمیر سے کہا: تم کون ہو......؟ عبداللہ بن عمیر نے اپنا حسب ونسب بتادیا لیکن غلاموں نے کہا کہ نہیں ہم تمہیں جانتے ہیں۔تم جاؤ ہمارے مقابلے میں زہیر بن قینؓ یا حبیب بن مظاہرؓ یا بریر بن خضیرؓ کو بھیجدو۔یہ سنکر عمیر کے تیوریوں کے بل پڑ گئے۔اس نے بے باکانہ جواب دیا۔اے زانیہ کے بیٹے! تیری حیثیت بھی ہے کہ تو کسی سے لڑنے میں عار کرے۔یہ کہکر عمیر نے یسار پر حملہ کیا۔چنانچہ یسار ایک ہی وار میں ٹھنڈا پڑ گیا۔ابھی تلوار اسکے سر سے نکلنے بھی نہ پائی تھی کہ سالم نے عمیر پر وار کیا، عمیر نے یہ وار ہاتھ پر روکنا چاہا لیکن روکتے ہی عمیر کی انگلیاں کٹ گئیں۔اب کیا تھا عمیر بھی بپھر گئے اور ایک ایسا جچا تلا تلوار کا ہاتھ سالم پر مارا کہ سالم کٹے ہوئے شہتیر کی طرح خاک وخون میں تڑپنے لگا۔[1]

بحارالانوار کی روایت کے مطابق عمیر اس وقت یہ اشعار پڑھ رہے تھے

ان تنکرونی فانا ابن کلب　　　　انی امرء ذومرة وعضب

ولست بلخوار عندالسلب

''اے قوم اشقیاء اگر میرے حسب ونسب سے واقفیت چاہتے ہو تو سنو میں قبیلہ بنی کلب کا جنگ باز اور مرد ہوں جو انتہائی خستگی کی حالت میں دامن فریاد وانہیں کرتا ہے''۔

عمیر کی مردانہ وار للکار کا یہ اثر ہوا کہ فوج یزید پوری طرح حرکت میں آگئی۔عمر بن حجاج نے اپنا لشکر لیکر حسینؑ کے میمنہ پر یلغار کی۔حسینؑ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو آپ نے میمنہ کے جیالوں کو زانو ٹیکنے کے ساتھ ساتھ نیزے جھکانے کا حکم دیا۔اس جنگی تدبیر کا یہ اثر ہوا کہ عمرو بن حجاج کا لشکر ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ سکا۔ابھی یہ لشکر واپس پلٹ بھی نہ پایا تھا کہ حسینؑ کے بہادروں نے تیر پھینکے۔اکثر آدمی مجروح اور موت وحیات کی کشمکش میں خاک وخون میں تڑپنے لگے۔اسی اثنا میں فوج یزید سے قبیلہ تیم کا ایک آدمی عبداللہ ابن جوزہ، حضرت حسینؑ کے لشکر کی طرف آیا۔پوچھنے والوں نے پوچھا تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے، کہاں سے آیا ہے......؟ اسنے جواب دیا انـی

اقدم علیٰ رب رحیم و شفیع مطاع میں خدائے رحیم اور پیغمبر شفاعت کنندہ کے پاس وارد ہوتا ہوں۔'' یعنی مطلب یہ ہے کہ تم سے لڑکر میں خدا کا تقرب حاصل کرنا چاھتا ہوں'' حسینؑ نے اصحاب سے پوچھا یہ کون ہے......؟ جواب دیا گیا عبداللہ بن جوزہ ہے............!'' آپؑ کی زبان سے نکلا **اللھم !جرہ الی النار** اے پالنے والے اسکو جہنم کی طرف کھینچ لے'' دعا کا اثر دیکھیں کہ اسکا گھوڑا بدک اُٹھا اور ایک ہی جُست میں خندق کی دہکتی ہوئی آگ میں گرا، عبداللہ بن جوزہ تیمی کا پاؤں رکاب میں اُلجھا اور دوسرا پاؤں ہوا میں بلند ہوا زہیر بن قین آگے بڑھے اور ایسا بھر پور......گھوڑا آگ سے واپس تو نکلا لیکن اس حالت میں کہ گھوڑا آدھ جلا ہوا تھا۔ لہٰذا بدحواس ہوکر صحرا کی وسعتوں کی طرف سرپٹ بھاگا۔ عبداللہ تو الجھا ہوا ہی تھا مگر گھوڑے کی بدحواسی سے اسکا سر خاردار جھاڑیوں اور خطرناک چٹانوں سے ٹکرا کر جدا ہوا۔[۲]

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں کہ پھر ان میں سے ایک شخص ابن جوزہ نامی نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ کیا تم میں حسینؑ بھی ہیں؟ کسی نے جواب نہیں دیا۔ اسنے تین مرتبہ یہ سوال کیا تو جواب دیا گیا، ہاں ہیں۔ تم کیا چاہتے ہو۔ اب ابن جوزہ نے کہا' اے حسینؑ (معاذ اللہ) دوزخ کی خبر سن لو، امام حسینؑ نے فرمایا نہیں تو جھوٹ کہتا ہے بلکہ میں رب رحیم اور رسول شفیق و مطاع کے پاس جاؤں گا۔ تو کون ہے؟ کہا ابن جوزہ امام حسینؑ نے اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ یا خدا اسے آگ میں جھونک دے۔ ابن جوزہ نے اس بات سے بگڑ کر چاہا کہ گھوڑا اس کھائی سے اُڑائے جو فریقین کے مابین واقع تھا۔ اسکے پاؤں رکاب میں اٹک گئے۔ گھوڑے نے جولان کرنا شروع کر دیا اور ابن حوزہ اسپر بدستور رکاب ہی سے چمٹا ہوا رہ گیا۔ جو ہر شجر و حجر سے ٹکراتا پھرتا گیا آخر کار وہ مر گیا۔ مسروق ابن زائل الحضرمی بھی ان لوگوں کے ہمراہ لڑنے کے لئے آیا تھا۔ اسنے کہا ممکن ہے کہ میں حسینؑ کا سر کاٹ لوں اور اسکے ذریعے ابن زیاد کے ہاں مرتبہ و منزلت پاؤں گا۔ مگر جب اسنے دیکھا کہ خدائے تعالیٰ نے امام حسینؑ کی دعا پر ابن جوزہ کے ساتھ کیا کچھ کیا تو وہ واپس چلا گیا اور کہنے لگا کہ میں نے اس خاندان کے لوگوں سے ایسی بات دیکھی جس کے بعد میں ان سے ابد تک نہ لڑوں گا۔[۳]

یزید بن معقل کا حملہ:

جنگ اب پورے شباب پر آچکی تھی۔ سر دھڑ کی بازی جاری تھی، حسینؑ لشکر عقاب کی طرح پر تول رہے تھے۔ اس وقت تک جو بھی میدان کارزار میں پنجہ آزمائی کی غرض سے آیا تھا موت کے بھیانک پنجوں کے سپردُ ہوا۔ اب بنو عبدالقیس کے ایک حلیف یزید بن معقل نے میدان میں نکل کر حسینیؑ مجاھد بریر بن خضیر الھمدانی کو للکار کر کہا۔ اے بریر ذرا سوچ تو سہی کہ خداوند کریم نے تمہارے ساتھ کیسا برتاو کیا ہے......؟ بریر نے ایک قدم آگے بڑھ کر جواب دیا، اے معقل! میرے ساتھ تو بہترین سلوک کیا ہے البتہ تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کوئی اچھائی نہیں

کی ہے۔معقل نے یہ سنکر بریر سے کہا۔نہیں بریر تم یہ سراسر غلط کہہ رہے ہو، حالانکہ اس سے پہلے تم غلط باتیں نہیں کرتے تھے۔سنو بریر! میں بتلائے دیتا ہوں کہ تم جماعت گمراہ سے تعلق رکھنے والے ہو۔ بریر تڑپ گئے اور فرمایا۔ اے معقل! آؤ اسی ایک بات پر مباہلہ کر دیا جائے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے اور اگر یہ منظور نہیں ہے تو آو مرد بن کر ہاتھ ملائیں۔اب کیا تھا، دونوں میدان میں کود پڑے۔اب قدرتی بات ہے کہ حق و باطل اور صدق و کذب کے مابین آخری فیصلہ ہو جائیگا۔دونوں ایک دوسرے پر وار کرنے لگے بریر نے ایک بچا تلا تلوار کا ہاتھ معقل پر مارا کہ تلوار خود کو کاٹتی ہوئی کاسہ سر میں اٹک کر رہ گئی۔معقل کے گرتے ہی افواج یزید میں سے رضی بن منقذ العبدی دیوانہ دار بریر پر حملہ آور ہوا۔ بریر کی تلوار تو معقل کے سر میں ہی اٹک چکی تھی لہٰذا بریر نے مردانہ دار رضی کی گردن پر ہاتھ ڈال دیا۔اور دوسرے ہاتھ کے ایک ہی جھٹکے سے اسکی تلوار دور پھینک دی دونوں اب نہتے تھے۔لہٰذا دونوں میں کشتی شروع ہوئی۔ بریر نے رضی کی کمر بند پر ہاتھ ڈال دیا اور ایک ہی جھٹکے سے سر سے بلند کرتے ہوئے زمین پر دے مارا اور ایک دم اسکے سینے پر چڑھ بیٹھے۔افواج جانبین میں تحسین کے نعرے بلند ہوئے لیکن اسکے باوجود کعب ابن جابر الازدی غصہ سے پیچ و تاب کھا کر طوفان کی طرح نیزہ سنبھالے ہوئے بریر کی پشت سے آیا اور ایک بھرپور نیزے کا وار بریر کی پشت پر کیا۔ نیزہ بریر کی پشت میں اندر بیک وقت گھس گیا۔ بریر نیزے کی وار سے جب جھک گئے تو رضی نے جو پہلے سے ان کے نیچے تھا ان کی ناک دانتوں سے پکڑ کر کاٹ لی۔اب کیا تھا بریر دو طرف سے زخمی ہو چکے تھے لیکن اسکے بعد بھی کیا کہنا غیرت اور جوانمردی کا، ایک ہی جھٹکے سے کھڑے ہوئے چاہا کہ کعب کا مقابلہ کیا جائے کعب نے بریر سے ڈرتے ہوئے دوبارہ جلدی سے نیزہ سنبھالا اور بریر پر مارا۔ بریر تاب نہ لاکر ریگ زار پر گرے اور گرتے ہی شہید ہو گئے۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون.**

کہتے ہیں کہ جب کعب اپنی زوجہ کے پاس واپس آیا تو اسنے اسکو دھتکار کر جواب دیا، دور ہو جاؤ تو نے ابن فاطمہؑ کے برخلاف اعانت کی ہے اور قاریوں کے سردار بریر کو شہید کر ڈالا اسلئے میں تم سے کبھی بھی کلام نہ کروں گی۔[۲]

عمرو بن قرظہ انصاری

اسکے بعد امام حسینؑ کی خدمت میں عمرو بن قرظہ آئے اور اذن جہاد طلب کر کے مشغول جہاد ہوئے۔آپ کا پورا نام یہ تھا عمرو بن قرظہ بن کعب بن عمر بن عائذ زید مناۃ بن ثعلبہ بن کعب الخزرج الانصاری الکوفی الخزرجی۔

آپ کے والد ماجد جناب رسالتمابؐ کے صحابی تھے۔آپ سے کئی روایتیں مروی ہیں، جناب رسالتماب کی وفات حسرت کے بعد آپ جناب امیرؑ کے صحابی بنے رہے۔معرکہ صفین اور جنگ جمل و نہروان میں آپ نے جناب امیرؑ کے ہمراہ جنگیں لڑیں۔آپ کو امیرالمومنینؑ نے فارس کا گورنر بنا دیا۔ ۵۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔آپ کی اگرچہ بہت سی اولادیں تھی لیکن ان میں مشہور عمرو بن قرظہ ہی تھے۔

کربلا میں عمرو بن سعد کی ناکہ بندی کرنے سے پہلے ہی امام حسینؑ کے ساتھ شامل ہوگئے۔ آپ ہی کو امام حسینؑ نے پیغامبر بنایا تھا۔

یوم عاشورا! اذن جہاد ملتے ہی جب آپ مشغول جہاد ہوئے تو آپ بے انتہا زخمی ہوئے۔ اسکے بعد امام حسینؑ کی زیارت کی غرض سے آئے۔ امام حسینؑ نے جب آپ کی یہ حالت دیکھی تو آپؑ تڑپ اٹھے اور دشمن پر عقاب کی طرح ٹوٹ پڑے عمرو بن قرطہ نے جب یہ دیکھا تو زخمی حالت میں ہی وہ تمام تیر اپنے سینے پر روکنے شروع کئے جو امام حسینؑ پر برسائے جارہے تھے اس طرح آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ ۵

حر بن یزید ریاحی

متعدد روایات میں وارد ہوا ہے کہ حر نے جب افواج کفار کی خون آشامی دیکھی تو غیظ وغضب سے بھپر گیا۔ آنکھوں میں خون اُتر آیا، اپنے کو ملامت کرنے کے بعد حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ مولا! جب ابن زیاد نے مجھے آپکے ساتھ جنگ کرنے کے لئے حکمنامہ صادر کیا میں نے خاموشی سے دارالاماہ سے نکل کر آپ کی طرف راہ لی تو دارالامارہ سے باہر ایک پُر اسرار آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ **ابشر یاحُر بخیر** اے حر تجھے خیر کی بشارت ہو، میں نے صدا دینے والے کی طرف بہیترا ے (بہت) دیکھا لیکن کوئی نظر نہیں آیا۔ لیکن دل میں سوچا بخدا یہ شاید بشارت نہیں ہے کہ میں پیغمبرؐ خدا کے ساتھ جنگ کی غرض سے جارہا ہوں۔ مولا! مدت تک یہ بشارت میری سمجھ میں نہیں آئی لیکن آج اس بشارت کا لفظ لفظ میرے ذہن میں آرہا ہے اور اچھی طرح سمجھ رہا ہوں کہ اس بشارت کا کیا مطلب تھا۔ لہٰذا...... اب مجھے اجازت مرحمت فرمادیں تا کہ میں بھی اپنی جان آپ پر قربان کر سکوں تا کہ روز قیامت سب سے پہلے میں ہی آپ کے جدامجد محمد رسولؐ اللہ سے مصافحہ کروں چنانچہ حُرؓ کو اجازت ملی حر میدان میں آئے اور بلند آواز سے فوج مخالفین کے سامنے تقریر کی اور فرمایا۔

اے دشمنان اسلام شرم کرو! تم نے حمایت ونصرت سے بھرپور خطوط ابن رسولؐ اللہ کو لکھدیے اور ایسی باتیں خطوط میں تحریر کیں کہ محمد رسول اللہ کے فرزندار جمند کو تعمیل کرنی واجب ہوئی۔ اور جب وہ تم لوگوں کی دعوت پر یہاں تشریف لائے تو تم لوگوں نے ان پر مظالم کے پہاڑ توڑ دیے۔ ان کا گھیراؤ کر کے ان پر آب ودانہ بند کردیا۔''

فوج مخالفین اپنے بگڑے ہوئے جرنیل کے تیور دیکھکر گھبرا گئی، جانتے تھے کہ حر کوفہ کا شہسوار ہونے کے ساتھ ساتھ بلا کا تلوار باز بھی ہے ''لیکن مرتا کیا نہ کرتا'' کے مصداق عمرو بن سعد کے حکم کے تحت کمانیں کھینچی گئیں اور انگنت تیروں سے حر کا جواب دیا گیا۔ حر...... حسینؑ کے پاس پلٹ آئے اس حالت میں کہ سرتاپا زخمی ہو چکے تھے۔ عرض کیا مولا! کیا اب آپ مجھ سے خوش ہوگئے......؟ آپ نے فرمایا ہاں حر جاؤ تم دوزخ کی ہولنا کیوں سے مامون ہو۔ حر مژدہ جانفزا سنکر دوبارہ میدان میں آئے حدنگاہ تک افواج یزید پر گہری نظر ڈال کر گھوڑے کو مہمیز کیا۔ آپ

اس حالت میں آگے بڑھتے جاتے تھے کہ ایک ہاتھ میں نیزے اور دوسرے ہاتھ میں تلوار نے قیامت صغریٰ برپا کردی تھی۔ آپ کی زبان پر یہ اشعار تھے۔

آلیت لا اقتل حتیٰ اقتلا　　　　اضربهم بالسیف ضربا معضلا

لاناقلا عنهم و لا معللاً　　　　لا حاجزاً عنهم و لا مبلاً

احمی الحسین الماجد المؤملاً

قسم کھا کے کہتا ہوں کہ تب تک قتل نہ ہو جاؤں جب تک نہ قتل کردوں، پلٹ کے نہیں آؤں جب تک نہ خطرناک تلوار کے وار نہ ماروں، جب تک نہ حسینؑ کی نصرت و یاری کروں تب تک نہ ہی دفاع کرنے سے گریز کروں نہ ہی اپنی جگہ سے جنبش کروں نہ ہی پلٹ کے آجاؤں اور نہ ہی گھبرا کے اپنی جگہ کسی اور کو دے دوں۔

اسلئے کہ

انی انا الحر و نجل الحر	میں حر اور زادۂ حر ہوں
اشجع من ذی لبد هزبر	میں شیر سے زیادہ دلاور ہوں
و لست بالجبان عندالکر	لڑائی میں حیران و ترسان ہونے والا نہیں ہوں
لکنني الوقاف عندالفر	بلکہ حیران اور مفرور افواج کا تعاقب کرنے والا ہوں

اسکے بعد حر مردانہ وار پچاس ادمیوں کو تہہ تیغ کر کے بڑی جانفشانی سے مصروف جہاد ہوئے ناگاہ ایوب بن مشرح نے آپ کے گھورے پر نیزے سے وار کیا۔ آپ نے گھوڑے سے چھلانگ لگائی اور پیادہ ہو کر لڑنے لگے۔ نیزہ ٹوٹ گیا، آپ نے آدھے حصے کو پھینک کر تلوار سنبھالی۔ آپ کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ آپ اس طرح آگے بڑھے کہ یہ یزیدی افواج کا علمدار زد میں آیا۔ آپ نے اسپر بھرپور تلوار کا وار چاہا تو فوجوں کے غول کے غول آپ پر امنڈ پڑے۔ اس اژدھام میں قسور بن کنانہ نے آپ کے سینے پر نیزہ پھینک مارا۔ آپ بلبلا کر تڑپ گئے اور زمین پر نڈھال ہو کر گر گئے۔ گرنے میں آپ نے حسینؑ کو آواز دی **یا مولائی ادرکنی** ۔حسینؑ آگے بڑھے حر کے سر کو آغوش میں رکھا۔ حرؓ نے ایک بار آنکھیں کھول کر حسینؑ کے چہرے کی زیارت کی اور اسکے بعد راہی سفر ہو گئے۔

اناللہ و انا الیہ راجعون

ابی المویداخطب خوارزم کے کہنے کے مطابق حر نے چالیس گھوڑ سواروں کو قتل کیا اور تب تک حر درجہ شہادت پر فائز نہیں ہوئے جب تک نہ رہوار نے آپکا ساتھ نہیں چھوڑا۔ آخری آواز پر جب حسینؑ حرؓ کے سرہانے پر پہنچے تو اسکے چہرے سے گرد و غبارہ صاف کر کے فرمایا: "**انت الحر کما سمتک به امک انت الحر فی الدنیا والاخرة**"[٦]

حُر کی اولاد

یوں تو آپکی کئی اولاد تھیں ان میں مشہور حسب ذیل ہیں:

ا۔علی بن حر (۲)۔حجر بن حر (۳)۔عبیداللہ بن حر

باپ کی شہادت کے بعد محبت پدری نے جوش مارا۔جذبہ شہادت اُبھر آیا۔حسینؑ کی بے بسی اور بے کسی نے ایک طلاطم انگیز انقلاب آپ کے دل ودماغ پر طاری کر دیا۔گھوڑے کو پانی پلانے کے بہانے سے فوج یزید سے نکلے اور لشکر حسینؑ میں شامل ہوئے۔باپ کی شہادت کے بعد علی بن حر نے قدموں پر سر رکھا۔اسکے بعد حسینؑ کی قدمبوسی کر کے اذن جہاد طلب کیا۔آپ نے کمال وارشجاعت دیکر راہ جنت اختیار کر لی۔

حضرت حر کے ساتھ ساتھ حجر بن حر لشکر حسینؑ میں آکر شامل ہوئے بعد از اذن جہاد مصروف پیکار ہوئے۔بعض کتب میں مندرج ہے کہ ۱۲۰ مخالفین کو قتل کر کے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ے

حسینؑ نے جب انکی لاش کو خیمہ کی طرف لانا چاہا تو دشمن نے مزاحمت کی لیکن حسینؑ نے تلوار نیام سے نکال کر دشمن کو مزاحمت میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔

عبیداللہ بن حر

آپ کا شمار شجاعان عرب میں ہوا کرتا تھا۔اول اوائل آپ نے امیر معاویہ کی فوج میں شمولیت کر کے جناب امیرؑ سے جنگ صفین میں مقابلہ کیا تھا،لیکن جب جناب امیر کی شہادت ہوئی تو عبیداللہ بن حر نے کوفہ میں سکونت اختیار کر لی۔واقعہ کربلا کے موقعہ پر عمداً کہیں چلے گئے۔ایک دن ابن زیاد سے ملنے گیا تو ابن زیاد نے آپ کو مخاطب کیا،ابن زیاد! تو کہاں چلا گیا تھا......؟

ابن حر! میں گیا تو کہیں نہیں تھا البتہ علیل تھا......!

ابن زیاد! کیا یہ غلط ہے کہ تو ہمارے دشمنوں کے ساتھ کربلا میں موجود تھا......؟

ابن حر! قطعی غلط ہے اگر ایسا ہوتا تو یقیناً کچھ اثرات ظاہر ہوتے۔

تمقام کی روایت کے مطابق ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ابن زیاد کسی اور طرف متوجہ ہوا۔ابن حر نے موقعہ پاتے ہی گھوڑے کی سمند کو مہمیز کیا اور دوسری طرف نکل گئے۔ابن زیاد نے بہت تلاش کروایا۔جب لوگوں نے ابن حر کو ابن زیاد کی تلاش وجستجو کا ذکر کیا اور کہا چلئے ابن زیاد کے پاس تو آپ نے کہا۔نہیں میں اپنے اختیار سے اسکے پاس جانے سے رہا۔اسکے بعد اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کربلا میں اُترے۔وہاں پہنچ کر از حد گریہ کیا اور سات شعروں پر مشتمل ایک مرثیہ جس کا ایک بند یہ بھی ہے۔

ولوانی اواسیہ بنفسی　　　لکنت کرامۃ یوم التلاق

اسمیں شک ہی کیا ہے کہ اگر میں بھی حسینؑ کے ہمراہ کربلا میں موجود ہوتا تو قیامت میں ضرور سرفراز ہوتا۔ لیکن ہائے نہ میں نے حسینؑ کی آواز پر لبیک ہی کہی اور نہ ہی اس شرف کے حصول میں کچھ کر سکا

حراورمیدان جنگ

روضۃ الاحباب میں جمال الدین محدث تحریر فرماتے ہیں کہ جب حر میدان کارزار میں آکر رجز خوانی میں منہمک تھے تو حر کے بھائی مصعب کا انگ انگ کانپ گیا۔ اسنے اپنے بھائی حر کو بلند آواز سے صدا دی اے بھائی! تو نے مجھے مطمورۂ غوایت سے نکال کر شاہراہ ھدایت پر لا کھڑا کیا۔ میں نے اپنی تمام بھیانک کوتاہیوں سے توبہ کر لی ہے۔ یہ کہکر مصعب لشکر یزید سے نکل کر اپنے بھائی حر کے پاس آیا۔ حر نے اسکو حسینؑ کی خدمت میں لایا۔ آپؑ نے اسکو توبہ قبول ہونے کی بشارت دی اور اپنے اصحاب میں شامل کیا۔ اسکے بعد حر میدان قتال میں آیا۔

اِنِیْ اَنا اَلْحر وَ مَا وٰی الضّیف　　　اَضْرِبُ فِیْ اَعْنَاقِکُمْ باالسَّیْف

عَنْ خَیْرِ مَنْ حَلَّ بِاَرْضِ الْخَیْف　　　اَضْرِبُ کُمْ وَلَا اَریٰ مِنْ حَیْف

میں حر ہوں اور مہانوں کا پناہ دہندہ ہوں۔ مکہ کے بہترین شخص کی وفاع کے لئے تمہاری گردنوں کو جدا کروں گا۔ اسطرح ماردوں گا کہ ذرہ برابر بھی حیران یا ترسان نہ ہو جاؤں گا۔

یہ رجز پڑھنے کے بعد مد مقابل کا انتظار کرنے لگا۔ کہتے ہیں کہ حر کے رجز کے بند سن کر ابن سعد کا بند بند کانپ گیا۔ اس نے صفوان بن حنظلہ کو بلایا اور کہا اے صفوان! تو بہترین شجاع اور نبرد آزما ہے۔ حر میدان قتال میں للکار رہا ہے۔ تم میدان میں جاؤ، پہلے اسکو سمجھاؤ تا کہ یہ حسینؑ کی نصرت سے دستبردار ہو کر ہماری طرف چلا آئے۔ نہیں تو اسکا سر تن سے جدا کر کے کامیاب وکامران ہو کر واپس لوٹو۔ صفوان میدان میں اس طرح آیا کہ شاکی السلاح بن چکا تھا یعنی سرتا پا لباس پہنے ہوئے تھا۔ جب حر کے پاس آکھڑا ہوا تو حر سے کہنے لگا۔ اے حر! تم نے بہت بُرا کیا۔ تم کو نہیں چاہیے تھا خلیفہ یزید جو خلیفہ امان تھا کے دائرہ اطاعت سے نکلنا اور حسینؑ کے اصحاب میں شامل ہونا۔ یہ سننا تھا کہ حر کا رواں رواں پھڑک اُٹھا اس نے کہا، اے صفوان! مجھے تو خیال تھا شجاعان عرب میں نہ صرف سرفہرست ہی ہو بلکہ تدبیر وفراست میں بھی تجھے کمال حاصل ہے۔ لیکن میرا یہ سب کچھ وہم ہی نکلا۔ کیا یہ تم کہہ رہے ہو کہ حسینؑ جیسے باوفا اور عالی قدر کو چھوڑ کر ایک زانی، شراب خوار اور بھیانک جرائم میں ملوث فرد کی اطاعت بہتر رہے گی۔......! حر سے اس قسم کی بے باک گفتگو سے صفوان جواز لی بدبختی لیے ہوئے تھا، غصے میں آ گیا اور حر پر حملہ آور ہوا۔ اب لازمی تھا کہ حر بھی دفاعی کاروائی پر اُتر آتا۔ لہٰذا! حر نے صفوان پر نیزے کا ایک وار کیا۔ نیزہ سینہ پر لگا اور پشت کی طرف سے نکل گیا۔ نتیجتہً صفوان خاک وخون میں تڑپ کے راہی بدار لبوار ہوا۔ صفوان کی یہ کر بناک

حالت دیکھکر اسکے تین بھائی بیک وقت میدان میں آئے اور حر پر حملہ آور ہوئے۔ ان میں سے ایک کو تو حر نے کمر بند سے پکڑ کر ایک ہی جھٹکے سے گھوڑے پر سے اُٹھا کر زمین پر اس طرح دے مارا کہ زمین پر پڑتے ہی اس نے زندگی کی آخری چیخ پوری کر دی۔ دوسرا حملہ آور ہوا لیکن حر نے تلوار کا جچا تلا ہاتھ اسپر اسطرح مارا کہ اسکی رگ حیات یکدم منقطع ہوگئی۔ تیسرے نے صورت حال دیکھی تو سر پر پیر رکھکر بھاگ کھڑا ہوا۔ لیکن حر نے دور ہی سے اسپر نیزہ کھینچ مارا تو یہ بھی اپنے بھائیوں سے مل گیا۔

اس کے بعد حر لشکر یزید پر عقاب کی طرح ٹوٹ پڑے۔ فوج میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ جس طرف بھی جاتے تھے کشتوں کے پشتے لگ جاتے تھے۔ سر دھڑ کی اس ہولناک بازی میں حر کا پلڑا اسقدر بھاری ہوا کہ آپ نے ۱۸۰ آدمیوں کو تہہ و تیغ کیا۔ افواج یزید کے برگزیدہ جنرل عمرو نے جب حُر کے تلوار کے جوہر دیکھے تو فوراً حکم دیا۔ کہ کمانوں میں تیر اور ہاتھوں میں نیزے سنبھال کر حر پر آخری ضرب لگا دی جائے۔ اب کیا تھا۔ کمانیں کڑکیں۔ نیزے چمکے، حر اسقدر زخمی ہوئے کہ گھوڑے کی زین سے الگ ہو کر درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

دوسری خبر میں ہے کہ یزید بن سفیان قبیلہ بنی تمیم سے ایک بہترین شجاع گردانا جاتا تھا۔ لیکن جب پُر غرور انداز میں حر کے مقابلے میں آیا تو اسکا غرور بھی حر نے خاک و خون میں ملا دیا۔

غرض حر پر جب سکرات موت طاری ہوا تو حسینؑ سرہانے پہنچے۔ چہرے سے گرد و غبار صاف کیا اور فرمایا:

والله مااخطات امک حیث سمتک حرا والله انک حر فی الدنیا والآخرة.

بخدا تیری ماں نے تیرا نام رکھنے میں کوئی خطا نہیں کی ہے بخدا تو یقیناً دنیا اور آخرت میں آزاد ہے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

اسکے بعد حر کا بھائی میدان میں آیا اور درجہ شہادت پر فائز ہوا۔

عروہ

حر کا ایک غلام تھا جسکا نام عروہ تھا۔ اپنے آقاؤں کی شہادت دیکھکر دیوانہ ہو گیا اور بغیر اذن جہاد کے فوج یزید پر ٹوٹ پڑا۔ دوران جہاد اپنے موجودہ رویہ پر نظر پڑتے ہی حسینؑ کو صدا دی۔ مولا!

بغیر اجازت کے مقاتلہ کر رہا ہوں مجھے اجازت مرحمت فرمایئے تاکہ دین و مذہب کے دشمنوں سے جنگ کروں اور شہادت کی سعادت سے بہرہ ور ہو سکوں۔ حسینؑ نے عروہ کو اجازت دیدی۔ عروہ مصروف جہاد ہوئے اور آخر کار درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[۸]

مرغزارِ حُر پر شاہ اسماعیل صفوی

حر کا قبیلہ چونکہ موجود تھا لہٰذ حر کی لاش کو تلواروں کی چھاؤں میں بعزت و احترام اٹھا کر مرقد حسینؑ سے ایک فرسخ دور دفنایا گیا۔ مرحوم جزائری نے انوار میں علامہ مامقانی نے رجال میں، خیابانی نے وقائع محرم میں تحریر فرمایا ہے کہ جب شاہ اسماعیل صفوی عثمانیوں کی سرکوبی کے لئے بغداد میں داخل ہوا تو پہلے اس نے کربلا کی زیارت سے شرف حاصل کیا۔ شاہ شہیداں حسینؑ ابن علیؑ کی زیارت سے فارغ ہو کر اب بادشاہ نے حر کی زیارت کا قصد کیا چند فتنہ پرواز اور قلیل ایمان والے ان سے کہنے لگے۔ معلوم نہیں حر کی توبہ قبول ہوئی کہ نہیں، بادشاہ نے جواب دیا۔ حرج ہی کیا ہے کہ اگر ہم اسکی آزمائش کریں۔ مرقد حر پر پہنچتے ہی بادشاہ نے حر کی قبر کو کھودنے کا حکم دیا اور یہ صرف اسلئے کہ اگر حر کی لاش بوسیدہ ہو چکی ہوگی تو ظاہر ہے تو بہ حر قبول نہ ہوئی ہوگی، اور اگر جوں کی توں ہی ہوگی تو توبہ حر شرف قبولیت حاصل کر چکی ہے۔ جب حر کی قبر کھودی گئی تو دیکھ کر ایک طرف تو بادشہ کو حر کے قبول توبہ کا اطمینان ہوا۔ لیکن ایمان قلیل رکھنے والے حیران و پریشان ہو گئے۔ آقائی محمد باقر ملبوبی **فرسان الھیجا** جلد اول سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حر کی پیشانی پر ایک رومال بندھا ہوا تھا۔ شاہ اسماعیل صفوی کے دل نے کروٹ لی اور خود سے کہنے لگا۔ یہ رومال تو میرے جد کی ہوگی۔ لہٰذا اسکو بابت تبرک اپنے پاس رکھنا سعادت دنیا و آخرت سے لاکھ گنا زیادہ ہے لہٰذا اس رومال کو حر کی پیشانی سے کھول دیا گیا۔ رومال کا جدا ہونا ہی تھا کہ حر کی پیشانی سے خون کا فوارہ ابل پڑا اور آہستہ آہستہ قبر میں پھیلتا گیا۔ لاکھ جتن کئے کہ خون بند ہو جائے لیکن خون بند نہیں ہوا۔ انگنت رومال باندھے گئے لیکن خون تھا کہ رکنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ ناچار ہو کر دوبارہ وہی رومال باندھا۔ خون یکدم رک گیا۔ شاہ اسماعیل نے دوبارہ قبر کو بند کروانے حکم دیدیا۔ اسکے بعد ایک خادم حُر کی قبر پر بحیثیتِ مُجاور کے رکھ دیا۔ 9

وہب بن عبداللہ

آپکا نام وہب بن عبداللہ حباب الکلبی تھا۔ آپ بنی کلب سے تعلق رکھتے تھے آپ بے حد حسین اور شباب کی پہلی منزلوں سے ہمکنار ہو چکے تھے۔

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ جب حسینؑ منزل ثعلبہ پر اُترے تھے تو وہاں آپ نے بہ اعجاز ایک چشمہ کو ظاہر کیا تھا۔ وہب کا گذر جب اس چشمہ کی طرف سے ہوا تو حیران ہو کر ماں سے پوچھا...... امی جان! پہلے ہم اسطرف گذرے تھے تو یہ چشمہ نہیں تھا۔ اب کہاں سے ظاہر ہوا۔ ماں نے جواب دیا۔ میرے نورِ نظر! کوئی بزرگوار ادھر سے گذرا ہوگا۔ اسی نے یہ چشمہ ظاہر کر دیا ہوگا۔ بیٹا! کیا تمہیں معلوم ہے کہ امام عالی مقامؑ نے فرمایا ہے کہ وہب میرے محبوں سے ہوگا وھب نے ماں کا یہ کلام سنا تو نور ایمان میں جلا ہوئی۔ ماں، بیوی کے ہمراہ کربلا آیا۔ اسوقت وہب کی

شادی کو صرف ۱۷ روز ہی گذرے تھے حسینؑ کی خدمت میں پہنچ کر سب سے پہلے دین مسیحی کو ترک کر کے دین محمدی کو قبول کر دیا۔

ابھی وہب اپنی نئی نویلی دلہن سے زفاف بھی نہ کر پائے تھے، کہتے ہیں کہ جب اسکی ماں جسکا نام قمر تھا نے حسینؑ کا استغاثہ روز عاشورا سنا تو بیٹے کے پاس آئی اور کہنے لگی۔ بیٹے! تمہیں معلوم ہے کہ مجھے تجھ سے کسقدر محبت ہے۔ بخدا تیرے بنا میری زندگی ویران ہو جائیگی۔ میرے آنکھوں کے نور اور میرے بڑھاپے کے سہارے! تو میری زندگی کا کل ماحصل ہے۔ کیا یہ جناب فاطمہ زہراؑ کی محبت سے بڑھ کر سرمایہ ہے؟ نہیں بیٹے نہیں ہرگز نہیں! ہوسکتا۔ میں تجھ جیسے لاکھوں بیٹے جناب فاطمہ زہراؑ پر قربان کرنے پر تیار ہوں۔ بیٹے! یہ دیکھو فاطمہؑ کا لال کس طرح نرغہ اعداء میں یکہ وتنہا مدداور نصرت کے لئے پکار رہا ہے، کوئی نہیں ہے کہ جو انکی آواز پر لبیک کہتا۔ میرے لخت جگر! کیا تو میری خدمات کے عوض خون کا ایک گھونٹ دے سکو گے......؟ کہو! میں تمہارا تمام دودھ بخش دوں گی۔ بیٹے مجھے یقین ہے کہ تیرے خون کے ایک گھونٹ کے بدلے میں میدان محشر میں سرخرو ہو جاؤں گی۔ وہب یہ سنکر خاموش ہو گیا...... ماں تڑپ اُٹھی دوبارہ پوچھا! بیٹے تیری خاموشی میرے دل کو ٹکڑے کر دیتی ہے بیٹے مجھے جواب دو۔ ناظرین کرام! ماں کا اکلوتا بیٹا جب ماں کے سامنے ہوتا ہے تو ماں کے پاس دنیا کی تمام مسرتیں اور خوشیاں ہوتی ہیں۔ کیا سننے اور دیکھنے میں آیا ہے کہ اس طرح کوئی ماں جوان بیٹے کا گرم گرم لہو مانگ رہی ہو؟ آہ! آہ! یہ کربلا ہے، کربلا والے دنیا سے قطعی الگ ہیں۔ کربلا کی ماؤں نے وہ سنہری کردار ادا کیا کہ حقیقت پسند طبقہ تا قیام قیامت ان کی عظمتوں کو دہراتا رہے گا۔

غرض وہب نے نہایت ہی پُر سکون طریقے سے ماں کو جواب دیا۔ امی جان! آپکے بن کہے بھی میں تیار تھا امام عالی مقام پر جان فدا کرنے کو لیکن ماں! میرے بعد میری نئی نویلی دلہن کا کیا بنے گا؟ یہ در در کی ٹھوکریں کھائے گی۔ اس کا کوئی پُرسان حال نہیں ہوگا۔ ایک میں ہی ہوں کہ جس نے اس کا ہاتھ تھام کر سنسار کی وسعتوں میں چلنے کا عہد کرلیا ہے۔ کیا آپ اجازت دیں گی کہ ایک بار اس کو دیکھوں......؟ ماں نے یہ سنکر جواب دیا بیٹے جاؤ۔ لیکن خیال رہے کہ دنیاوی محبت مذہبی فرض پر غالب نہ آنے پائے۔ ایسا نہ ہو کہ بیوی کی محبت تمہیں حق کی حمایت سے باز رکھے۔ وھب یہ سنکر اپنی بیوی کے پاس آئے دل تڑپ اُٹھا رواں دواں حسرت و یاس میں ڈوب گیا۔ جب دیکھا کہ بیوی ایک کونے میں سر زانو پر رکھے ہوئے رو رہی ہے۔ ماحول اب بن چکا ہے کہ در و دیوار بھی آنسو آ ہیں اور سسکیاں لیتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ وھب نے ہمت کر کے بیوی سے پوچھا۔ بیگم! مجھے معلوم ہے) وقت کتنی تیزی سے بدل گیا، لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم نے یہ حالت کیسی بنا رکھی ہے؟ وھب کی بیوی نے سر اُٹھا کر بھیگی ہوئی پلکوں پر تھرتھراتے ہوئے قطروں کو پونچھ کر جواب دیا۔ میرے سرتاج! فرزند فاطمہؑ بے پناہ مصائب اور آرام

میں گھیرا ہوا ہے۔کوئی ہے نہیں کہ جوان کی مدد کرتا ہر صدا......صدا بصحرا ہوجاتی ہے۔میں ان کی غربت اور بے کسی پرآنسو نہ بہاؤں تو اور کیا کروں۔وہب بیوی کا ایمان افروز جواب سنکر بہایت ہی مسرور ہوا اور بیوی سے پوچھا، اب تمہاری رائے کیا ہے......؟ بیوی نے جواب دیا جاؤ اور اپنی جان فرزند رسولؐ پر قربان کرو۔ **ولکن سمعت ان من یقتل من الشهدآء فتاخذون الحور فی فجورهم ولکنی ارجو منک العهد ان لا یدخل الجنة بغیری وتتعهد عند الحسین فجآء عندهُ فبکی وبکي الحاضرون وهی تقول سقطت الجهاد عن النسآء** ۔لیکن میرے سرتاج! میں نے سنا ہے کہ جو آج قتل ہوجائیگا شہداء کے ساتھ جنت کی حوریں اس کو آغوش میں لے لیتی ہیں۔لہٰذا اب میں امیدوار ہوں کہ آپ حسینؑ کے سامنے عہد کرلیں کہ تب تک آپ جنت میں داخل نہیں ہوجائینگے جب تک نہ میں بھی آپکے ہمراہ ہونگی۔اسکے بعد دونوں حسینؑ کی خدمت میں آئے اور اپنا عہد دہرایا۔حسینؑ سنکر روئے اور جتنے بھی حاضرین تھے وہ بھی روئے۔وہب کی بیوی نے کہا کاش! عورتوں پر جہاد ساقط نہیں ہوتا تو میں بھی آج کے دن اپنی جان حسینؑ پر قربان کردیتی۔

اذن جہاد پانے کے بعد وھب میدان میں آئے، تلوار سنبھال کر افواج یزید پر ٹوٹ پڑے۔دَل کے دل منتشر ہونے شروع ہوئے۔وہب بھی زخمی اور نڈھال ہوگئے۔ **فرجع الیٰ ابته و امر به فوقف علیهما فقال یا اماهُ ارضیت** ۔وھب ماں اور بیوی کے پاس پلٹ آئے اور کہا امی جان! اب تو آپ خوش ہوگئیں۔لیکن کیا کہنا ماں کا فوراً بیٹے کو جواب دیا، بیٹے! ابھی تو نے کیا ہی کیا ہے۔ **مارضیت او تقتل بین یدی الحسینؑ** ۔نہیں بیٹے تب تک میں تم سے قطعی راضی نہیں ہوں جب تک نہ تو اپنی جان حسینؑ کی نصرت ویاری میں قربان نہیں کرے گا۔وھب دوبارہ میدان میں آیا۔١٢ آدمیوں کو قتل اور ١٩ سواروں کو تہہ وتیغ کردیا۔اچانک آپ کا ہاتھ قطع کردیا گیا۔آپکی بیوی یہ منظر دیکھ کر چوب خیمہ سے دیوانہ وار میدان کارزار میں نکل آئی۔اسوقت تک وھب بے انتہا زخمی ہوچکے تھے اب وھب موت وحیات کی آخری کشمکش میں مبتلا تھا۔بیوی جب شوہر کے سرہانے پہنچی تو وھب نے آنکھیں کھول کر بیوی کے شاداب چہرے پر نظریں ڈال دیں اور پوچھا، کیا سبب بنا اب تیرا میدان میں آنے کا، تو تو کہا کرتی تھی کہ میدان قتال میں نہ جاؤ، تمہاری جدائی میرے لئے صبر آزما ثابت ہوگی۔بیوی جھکی اور شوہر کے قریب آکے کہا، میرے سرتاج! میں جب خیمہ میں تھی، میں نے ایک دردانگیز صدا سنی، وہ صدا میرے اور آپکے آقا اور مولا حسینؑ کی صدا تھی آپ کہہ رہے تھے

واغربتا! واقلة ناصراه وا وحدتاه !اما من ذاب یذبُ عنا......؟اما من مجیر یجیرنا......؟

یہ سنکر میں تڑپ اُٹھی اور عہد کیا اب میں بھی اپنی جان حسینؑ پر قربان کردوں گی تاکہ کل قیامت میں مجھے فاطمہ زہراؑ کے پاس شرمسار نہ ہونا پڑے‘‘ وھب نے اپنی بیوی کا ایمان افروز جواب سنکر کہا۔نہیں! تم واپس

جاؤ۔تمہارے جہاد کرنے سے مولاحسینؑ کبھی بھی راضی نہیں ہونگے۔ بیوی نے جواب دیانہیں میرے سرتاج!نہیں میں اب واپس نہیں جاؤں گی میں نے مصمم ارادہ کرلیا کہ میں بھی آپکے خون کے ساتھ اپنا خون ملا کے رکھدوں گی۔وھب نے جب دیکھا کہ بیوی کا اصرار بڑھ رہاہےتوحسینؑ کی طرف رخ کرکے استغاثہ بلند کیاحسینؑ آگے بڑھےاوراسکی بیوی کومخاطب ہوکرفرما۔

جزیتم من اهل بیت خیرا ارجعی الیٰ النساء بارک الله فیک فانه لیس علیکن قتال

جاو!عورتوں میں شامل ہوجاءالبتہ تمہیں جزائے خیرمیرےاہلبیتؑ میں سے دےتم لوگوں پر جہادساقط ہے۔

زن مومنہ نے جواب دیا:مولا!مجھے قتال کی اجازت مرحمت فرمایئے میں قتل ہونا بنی امیہ کے ہاتھوں اسیر ہونے سے افضل اور بہتر جانتی ہوں۔حسینؑ نے اسکوخیمہ میں واپس تو لیالیکن اسکی بے چینیاں بڑھتی گئیں۔ادھر سے وہب مردانہ وار مقابلہ کرنے میں مصروف کارزار تھے جونہی وھب کا دوسرا ہاتھ بھی قلم کردیا گیا۔وھب گھوڑے سے گرکرزمین پرآئے،چہرہ خاک وخون میں ڈوب گیا۔وھب کی بیوی دوڑ کے آئی،ایک اضطراب اورالم انگیز کیفیت اسپرطاری ہوچکی تھی۔اس نے وہب کاسراپنی آغوش میں رکھا،چہرےاورآنکھوں سے خون صاف کیا۔آنکھوں سے دریائے اشک بہہ نکلا،بےاختیار زبان سے دلفگاراورغم انگیزصدائیں نکلنی شروع ہوئیں۔شمر نے جونہی یہ منظر دیکھا ایک گرزلیکرآگے بڑھااوروھب کی بیوی کےسرپراس زور سے مارا کہ نہ یہ تڑپ سکی اور نہ ہی اس نے آخری چیخ ہی پوری کرسکی☆۔ریاض القدس کے بیان کےمطابق اسوقت اسکاسراپنے شوہر کے سینے پرتھاتو ناظرین جب گرز کا بھرپور وار ہوا ہوگا،وہب سینےکی کیا حالت ہوئی ہوگی............؟اس کے بعدوھب کا سرکاٹ لیا گیااورخیمہ کی طرف پھینکا گیا۔قمرجووھب کی ماں تھی نے بیٹے کا سر دیکھا،اٹھایابوسہ دیااور دوبارہ یزیدی لشکرکی طرف پھینک کرکہا۔**الحمد الله الذی بیض وجهی بشهادتک بین یدی ابی عبدالله ثم قالت الحکم لله یا امة السوء اشهد ان النصاریٰ فی بیعها والمجوس فی کناسها خیر منکم**۔شکراس خداکا کہ جس نےخون شہادت سےمیراچہرہ رنگین بنادیاحسینؑ کےسامنے۔اسکےبعدلشکریزیدکی طرف رخ کرکے کہا۔حکم توصرف اللہ کا ہےاے بدکارانِ وسیاہ کاران امت۔میں گواہی دیتی ہوں نصاریٰ اپنے کلیساؤں میں اورمجوس اپنے کنیسوں میں تم لوگوں سے بہتراورافضل ہیں۔''

جوسر مادر وھب نے میدان میں تیزی سے پھینکا تھا۔ناسخ کی روایت کے مطابق یہ سر قاتل وھب کو اسطرح لگا کہ یہی اسکی موت کا سبب بنا۔اسکے بعدعمود خیمہ لیکر میدان قتال میں نکل آئی اور دوآدمیوں کوقتل کردیا۔حسینؑ نے جونہی اسکومصروف پیکار دیکھا تو اسکاہاتھ تھام کرخیمہ میں لےآئےاورفرمایا۔**اجلسی فقد**

☆دوسری روایت کےمطابق شمر کےحکم سے یہ کام غلام جسکا نام رستم تھا،نے انجام دیا ہے۔

وضع الجهاد من النسآء فانک و ابنک مع جدی محمد فی الجنته ۔خیمہ میں بیٹھی رہو۔عورتوں کے لئے جہادنہیں ہے بتحقیق تم اورتمہارابیٹامیرے جد جناب محمدؐ رسول اللہ کے ساتھ جنت میں جگہ حاصل کر چکے ہو۔ ١٠ ١
واضح رہے وہبؓ کی بیوی پہلی عورت ہے جوکربلا کی قربان گاہ پرحق وصداقت کی بھینٹ چڑھ گئی۔
انا للہ و انا الیہ راجعون.

شہیدانِ حق

وھب کی شہادت کے بعدعمروبن خالدالازدی میدان میں اذن جہادلیکرآئے اوردرجہ شہادت پرفائز ہوئے۔
عمروبن خالدکابیٹادرخیمہ میں یہ منظردیکھ رہاتھاباپ کی شہادت کے بعدحسینؑ سے اذن جہادلیکرمیدان میں نکل آئے اوردرجہ شہادت پرفائز ہوئے اسکانام خالدبن عمروتھا۔
خالدبن عمروکی شہادت کے بعدسعدبن حنظلہ التمیمی میدان شہادت میں آکردرجہ شہادت پرفائز ہوئے۔
انکی شہادت کے بعدعمیرابن عبداللہ المذحجی میدان میں نکل آئے آپکودشمنوں نے چاروں طرف سے گھیرلیا۔اسکے باوجودآپ نہایت بےجگری سے جنگ کرتے رہےمسلم انصابی اورعبداللہ البجلی نے مل کرآپ کوشہیدکردیا۔

مسلم بن عوسجہ الاسدی

آپکاپورانام ونسب یہ ہے: مسلم بن عوسجہ ثعلبہ بن دوران بن اسدبن حزیجہ ابوجحل اسدی سعدی؟ آپکاتذکرہ تفصیل سے پیش کرنے کامقصدیہ ہے کہ آپ صحابی رسولؐ تھے۔آپ کریم النفس اورشریف القوم تھے،عابداورزاہد بھی آپ تھے۔آپ ہی وہ فردواحد ہیں کہ جس نے جنگ آذربائجان میں حذیفہ یمانی کے ہمراہ کارہائے نمایاں انجام دئے تھے۔
جناب مسلم کوجوخطوط کوفہ سے لکھے گئے تھے۔آپ بھی ان خطوط لکھنے والوں میں سے تھے جب جناب مسلم کوفہ میں تھےتو آپ ہی کی آواز کی صداقت پر لبیک کہنے پرقبیلہ بنی تمیم،قبیلہ بنی ربیعہ اورقبیلہ کندہ نے مل کر دارالامارہ کامحاصرہ کیاتھا۔
جناب مسلم کی شہادت کے بعدآپ بال بچوں سمیت روپوش ہوگئے اورجب امام حسینؑ واردکربلا ہوئے تو آپ اپنے اہل کے ہمراہ ان سے مل گئے۔
مسلم بن عوسجہ کے کارہائے نمایاں جوآپ نے کربلامیں انجام دیےذکرکردیے گئے ہیں۔صبح عاشورہ آپ نے میدان کارزارمیں نکل کراسقدرمعرکہ آرائی کی کہ دشمن ہراساں ہوگیا۔آپ اسقدربےجگری سےلڑنے میں محوتھے کہ صرف آگے کاخیال رہا۔مسلم بن عبداللہ ضبیانی اورعبداللہ بن خشکارہ بلخی نے موقعہ کی نزاکت کو بھانپتے

ہوئے آپ پر حملہ کر دیا آپ پلٹ پڑے۔گرد وغبار اسقدر اُٹھ گیا کہ آپ اسمیں تھوڑی دیر کے لئے روپوش ہو گئے جب گرد وغبار چُھٹ گیا تو امام حسینؑ نے آپ کو خاک وخون میں گرا ہوا دیکھا۔آپ اسکے سر ہانے آئے اور دلجوئی فرمائی۔آپکی شہادت پر فوج یزید میں خوشیاں منائی گیں۔مگر شبث بن ربعی جو یزیدی فوج کا ایک عہدہ وار تھا،نے کہلوائے ہوتم پر کہ تم اس مرد میدان کے قتل ہونے پر خوشیاں مناتے ہو کہ جنہوں نے ٢٤ھ جنگ آذر بائجان میں دشمنان اسلام کی کمر توڑ دی تھی۔

ناسخ کا بیان ہے کہ حسینؑ جب مسلم کے سرہانے پر پہنچے تو حبیب بن مظاہر بھی حسینؑ کے ساتھ آئے۔ایک بار مسلم نے دونوں کے چہروں پر نظریں ڈال دیں حبیب نے پوچھا مسلم! کوئی وصیت اگر کرنی ہو تو کر دو تا کہ میں اسکو انجام دے دوں مسلم نے جواب دیا۔ہاں حبیب ایک وصیت ضرور ہے اور وہ یہ کہ اس شخص کی (یعنی حسینؑ) اطاعت سے منہ نہ موڑنا۔اپنی جان ان پر قربان کر دینا حبیب نے جواب دیا۔مسلم! میں نے تو عہد کر ہی لیا تھا اس قسم کا۔پھر بھی تمہیں شرمسار نہ کروں گا۔اسکے بعد مسلم بن عوسجہ کی روح قفس عنصری سے جانب جنت پرواز کر گئی۔

مسلم ابن عوسجہ کے بعد اسکا جوان بیٹا میدان قتال میں آیا امام حسینؑ نے جونہی دیکھا تو فرمایا۔اے فرزند مسلم! تم واپس جاؤ۔تمہارے باپ کی شہادت کافی ہے۔اگر تم بھی شہید ہو گئے تو تمہاری ماں کا پرسان حال اس دشت وبلا میں کون ہوگا؟ مسلم کی بیوی نے جب دیکھا کہ مولا حسینؑ کے کلمات سے اسکے بیٹے پر گہرا اثر ہوا تو فوراً درخیمہ سے صدا دی،میرے لال! آگے بڑھواور اپنی جان فرزند رسولؐ پر قربان کرو۔اسی میں تمہاری ماں تم سے راضی ہوسکتی ہے اب کیا تھا فرزند مسلم آگے بڑھے حسینؑ کے قدموں پر سر رکھ کر اذن جہاد حاصل کیا۔میدان خاک وخون میں آکر ١٣٠ افراد کو قتل کر کے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

ہلال بن نافع بجلی

آپ کی جناب امیرؑ نے پرورش کی تھی۔بہادر،دوررس اور شریف النسل تھے۔کشمیری مراثی میں اکثر آپ کا ذکر کر گیا ہے۔ان مراثی میں بالخصوص مرثیہ دماغ میں ایک حیرت انگیز اور جگر سوز واقعہ نقل کیا گیا ہے ملاحظ ہو

شب عاشور کی گھمبیر فضاؤں میں موت کا سا سکون چھایا ہوا تھا۔حسینؑ نے آپ کو پہرہ دینے پر مقرر فرمایا تھا۔رات بیتتی گئی ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔کربل کی وسیع وعریض پہنائیوں میں دور،رنج اور غم بھرا ہوا تھا ہلال مستعدی سے اپنے فرائض انجام دے رہا تھا ناگاہ دیکھا کہ حسینؑ کے خیمہ کا پردہ اُٹھا اور سرتا پا سیاہ نقاب اوڑھے ہوئے ایک شخص برآمد ہوا۔ہلال سہم اُٹھے دل سینے میں زور سے دھڑکنے لگا،آرزؤں کا جنازہ اُٹھتا ہوا معلوم ہوا۔صرف ایک خیال بے چین کئے ہوئے تھا کہ مبادا کوئی دشمن نہ آیا ہواور اپنا کام کر کے واپس جانا چاہتا ہو ہلال نے تعاقب شروع کر دیا۔تھوڑی دور جا کر نقاب پوش پلٹ پڑا اور ہلال سے کہا۔ہلال کیا وجہ ہے کہ تم میرا تعاقب

کرر ہے ہو......؟ آواز جانی پہچانی تھی، ہلال لرز اُٹھے عرض کیا مولا! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں۔ یہ رات کی تاریکی اور بطرف دشمن جانا میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ یہ کہکر ہلال نے امام حسینؑ کے قدموں پر سر رکھا اور عرض کیا مولا! آپ کو خالق ذوالجلال کی قسم ہے مجھے اب تاب انتظار نہیں مجھے فرمایئے کہ آپ کہاں کا ارادہ لئے ہوئے رات کی تاریکی میں نکل آئے فرمایا ہلال اب تم قسم دے چکے ہو آو میرے ساتھ! یہ کہکر آپؑ نے ہلال کو خیام اہلبیتؑ کی پشت پر لیا اور دو انگلیاں اٹھا کر فرمایا ایک خاتون پریشان حال جامہ چاک اور خاک سر پر ڈالے ہوئے بین کر رہی ہیں۔ ہلال تڑپ اٹھے بے اختیار آنسو بہہ نکلے عرض کیا مولا! مجھے حقیقت حال سے آگاہ فرمایئے نہیں تو میرا دل پھٹا جا رہا ہے۔ حسینؑ نے لمبی آہ کھینچ کر فرمایا جانتے ہو ہلال یہ کون......؟ سنو ہلال یہ میری ماں فاطمہ زہراؑ ہے جو میری بے کسی اور غربت کو دیکھکر جنت سے نکل آئی ہے تمہیں بتاؤں جس ماں نے بڑے ناز و نعم سے بیٹے کو پالا ہو۔ وہ کیسے بیٹے کی مصیبت دیکھکر قرار میں رہے۔ ہلال میری ماں اب ہمیشہ صحرا نوردی کرے۔

الغرض ہلال بلا کے تیرانداز تھے، آپکا ہمیشہ یہ شعار رہتا تھا کہ تیروں پر اپنا نام لکھوایا کرتے تھے۔ ناسخ کی روایت کے مطابق ہلال نے شادی کی تھی لیکن ابھی بیوی سے ہمبستری نہیں کی تھی۔ بکمال وقت آپکو اذن جہاد ملا تھا۔ آپکے ترکش میں ۸۰ تیر تھے ان میں صرف ۱۰ تیر خطا ہوئے تھے۔ بقیہ ۷۰ تیروں سے ۷۰ آدمیوں کو قتل کر دیا۔ جب ترکش کا آخری تیر بھی ختم ہوا تو تلوار سنبھال کر مزید ۱۳ آدمیوں کو فنا کے گھاٹ اُتارا۔ دوران جنگ آپکی زبان پر یہ رجز تھا۔

انا ابن ھلال البجلی　　انا علیٰ دین علی　　و دینه دین النبی

لشکر ابن سعد میں سب سے پہلا مقابلہ آپ نے قیس سے کیا۔ قیس کے مرنے کے بعد مزاحم بن حریث میدان میں آیا جب دیکھا کہ ہلال علی الاعلان دین علی ابن ابی طالبؑ پر ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے تو مزاحم نے جواباً کہا میں تو دین عثمان پر ہوں۔ اس پر ہلال نے کہا نہیں تو دین شیطان پر ہے۔ اسکے بعد تلواریں چلیں مزاحم تھوڑی سی مزاحمت کے بعد فی النار ہوا عمرو بن حجاج فوج یزید میں یہ منظر دیکھ کر چلایا۔ اگر اسی طرح تم لوگ ان سے لڑو گے تو کبھی بھی غالب نہیں آؤ گے۔ ان کا علاج صرف ایک ہی ہے کہ ان پر فوج کثیر لیکر ٹوٹ پڑو۔ اب کیا تھا فوج حرکت میں آگئی۔ ہلال چاروں طرف سے گھیرے گئے۔ آپ کے دونوں باز و قلم ہو گئے آپکو گرفتار کر کے شمر کے پاس لایا گیا اور اس نے فوراً آپ کو شہید کر دیا۔

شعلے بھڑک اٹھے

ابھی تو اسکا حملہ ہو رہا تھا۔ اسوقت تک حسینؑ کی افواج کا پلڑا بھاری تھا لیکن یہ صورت حال زیادہ دیر تک نہ رہی۔ عمرو بن حجاج کی تجویز نے یزیدی افواج کے کمانڈر کی آنکھیں کھول دیں۔ عمرو بن سعد ابھی ہم آہنگ ہو کر

حملے کی سوچ ہی رہا تھا کہ عمرو بن حجاج حسینؑ فوج کے سامنے آیا اور ان سے کہا۔اے مردم کوفہ!حق کی راہوں سے انحراف نہ کرو۔

اتحاد میں تفرقہ نہ ڈالو اور اسکے ہمراہ قتال نہ کرو جس نے امام امت یزید بن معاویہ کی اطاعت سے روگردانی کی اور اسکا ساتھ نہ دو جو دین سے خارج ہوا۔"

فقال الحسینؑ یا ابن الحجاج !علیّ تحرض الناس؟انحن مرقنا من الدین و انتم تبتم علیه؟ والله لتعلمن اینا المارق من الدین و من هو اولیٰ بصلی النار

یہ سنکر حسینؑ نے فرمایا اے ابن حجاج!لوگوں کو مجھ سے روگردان کر رہے ہو؟ کیا تم لوگ دین میں ہو اور میں خارج ہوا۔بخدا تجھے یقیناً معلوم ہے کہ دین سے کون نکلا اور کس نے آگ کو اپنا مسکن بنایا۔

عمرو بن حجاج نے ان سنی کردی۔اسکا خیال تھا کہ میرے دام تزویر میں آ کر فوج حسینؑ ،حسینؑ کا ساتھ چھوڑ کر ہماری طرف آ جائے گی لیکن جب دیکھا کہ یہ سب کے سب سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جمے ہوئے ہیں تو فوج کی قیادت سنبھال کر حسینؑ فوج کے میمنہ پر حملہ آور ہوا۔شمر بن ذی الجوشن نے میسرہ پر حملہ کر دیا۔اب کیا تھا، شعلے تھے جو بھڑک اُٹھے میدان کارزار گرم ہوا۔ہر طرف چیخ و پکار بلند ہوئی فرات کا پانی لالہ زار ہونا شروع ہوا۔حسینؑ فوج شہادت کی تمنائیں لیکر موت وحیات کی ہولناکیوں میں دیوانہ وار کود پڑی۔ان کو معلوم تھا شہادت کی حجلۂ عروسی صرف اور صرف اُسی کے نصیب میں ہے جو محمد رسول اللہ کے فرزند دلبند کے ہمراہ ہو کر لڑے۔لہٰذا موت کے خطرناک پنجوں سے بے پرواہ ہو کر جس طرف بھی نکلے پرے کے پرے الٹ کے رکھدیئے فوج یزید آہستہ آہستہ سمٹتی گئی یہاں تک کہ میسرہ منتشر ہو گیا۔عمرو بن سعد نے حسینؑ مجاہدوں کی دیدہ دلیری دیکھکر حصین بن نمیر کو بلا کر کہا، دیکھتے ہو چند پیادوں اور گھوڑ سواروں نے ہماری کتنی بڑی جمعیت کو تتر بتر کر کے رکھدیا جاؤ اور جلدی سے پانچ سو تیر اندازوں کو لیکر آؤ۔اب کیا تھا چند پیادے اور چند گھوڑ سوار فوج کثرت کے خطرناک گھیرے میں آ گئے۔لیکن واہ رے ہمت اور شجاعت اصحاب حسینؑ !اسکے باوجود بھی جبین شہادت پر شکن تک نہ لائی۔

ناظرین کرام!دونوں افواج کا موازنہ کریں،ایک فوج تو وہ ہے کہ جس کو مزید کمک کی توقع ہے اور دوسری وہ ہے کہ جو اللہ کے آسرے کے بغیر اور کسی پر بھی تکیہ نہیں کی ہوئی۔ظاہر ہے جنگ میں ایک دوسرے کی جمعیت گھٹتی جاتی ہے لیکن کربلا کی جنگ مورخین کو یہ احساس ہی نہیں ہونے دیتی تھی کہ ہمارا ابھی کوئی قتل ہوا۔اسلئے کہ چند آدمیوں کے قتل کے بعد فوراً ان کی جگہ دوسرے لیتے تھے۔مگر دوسری طرف حسینؑی افواج میں اگر کوئی درجہ شہادت پر فائز ہوتا بھی تھا تو اسکی جگہ جوں کی توں خالی ہی رہتی تھی۔اسکی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ قلت کے ساتھ ساتھ ناموس ابن رسولؐ کا خیال انکو زیادہ تھا،لہٰذا جس جگہ جسکو بھی حسینؑ نے پہلے ہی سے مقرر کیا ہوا تھا۔وہ شہادت اُسی جگہ پالیتا

تھا۔مثلاً اگر کوئی میمنہ کی قیادت پر مامور کر دیا گیا ہوتا تو اسکی شہادت کے بعد میمنہ کی قیادت بغیر سردار رہتی تھی کیونکہ افراد آٹے میں نمک کے برابر تھے۔

یہ تھا سرسری جائزہ.....کربلا میں عاشور کے روز شعلے بھڑک رہے تھے۔عمرو بن سعد نے جونہی دیکھا کہ اتنی فوج میدان میں لانے سے بھی جنگ کی بازی ہمارے ہاتھ میں نہیں آسکتی ہے تو اسنے فورا لشکریوں کو حکم دیا کہ حسینؑ خیام کے گرداگرد جو خندق پر از حطب ہے اسکو آگ لگادی جائے۔حکم کی تعمیل کی گئی حسینؑ نے دیکھ کر فرمایا۔اے بد کار و کیا خیال ہے؟ کیا مردوں سے پنجہ آزمائی کرنے میں شکست کھا کر خیام کی طرف بڑھ گئے۔شیث بن ربعی نے یہ دیکھکر عمرو بن سعد سے کیا۔اے عمرو! وائے ہو تم پر اور تمہاری ماں تمہارے ماتم میں بیٹھے! کیا تجھے عورتوں اور بچوں پر ہاتھ اُٹھائے ہوئے شرم بھی نہیں آتی ہے شیث بن ربعی چونکہ یزیدی افواج کا ہی ایک عہدہ دار تھا لہٰذا اسکے الفاظ کارگر ہوئے ، بڑھتا ہوا لشکر رک گیا اور جنگ ایک ہی طرف ہونے لگی، زھیر بن قین......حسینؑ کی فوج کا جری بہادر تلوار سنبھال کر آگے بڑھا اور یزیدی افواج کے بہادر جرنیل ابوغدرہ ضبابی کا سر تن سے جدا کر کے شمر کی طرف بڑھتا گیا شمر صورت حال کو بھانپتے ہی اپنے فوجوں کے درمیان آگیا اور بچ گیا۔

صاحب المناقب نے کتاب بستان الطرف میں حسن بصریؒ سے روایت نقل کی ہے کہ اس ہولناک ترین جنگ میں انگنت افراد فوج یزید میں سے قتل کر دیے گئے اور حسینیؑ فوج میں مندرجہ ذیل افراد درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

نعیم بن عجلان الانصاری	**عبدالرحمٰن بن عبدالله الکدری الار حبی**
عمران بن کعب بن حارث الاشجعی	**عمروالجندعی**
حنظله بن عمرو الشیبانی	**حلاسی بن عمرو الراسبی**
قاسط بن زهیر	**سوار بن ابی عمیر الفهمی الهمدانی**
کنانه بن عتیق	**ابی عمارة بن ابی سلامه الدالابی**
عمروبن ضبیه بن الضبعی	**نعمان بن عمر الراسبی**
ضرغامه بن مالک	**زاهربن عمرو**
عامربن مسلم	**عبیدالله بن عروة غفاری**
سیف بن مالک النمیری	**جبله بن علی الشیبانی**
مسعود بن الحجاج	**زهیر بن بشر الخشعی**
الحجاجٍ	**عبدالله بن عمیر**

عمار بن حسان بن شهر الطائی — **اسلم بن کثیر الازدی الاعرج**
زھیر بن سلیم الازدی — **عبدالله بن یزید بن ثبیت القیسی**
(غلام) عمرو بن الحمق الخزاعی

دس افراد امام حسینؑ کے موالیوں میں سے تھے اور دو افراد امیر المومنین علی علیہ السلام کے موالی تھے یہ سب کے سب روز عاشورہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔[۱]

ابوثمامہ الصیداوی

نام ونسب:۔ عمر بن کعب شر بن سُراحیل بن عمرو بن حبسم بن حیزون بن عوف ہمدان الصائدی

آپ کی کنیت:۔ ابوثمامہ۔

آپ جناب امیر المومنینؑ علی ابن ابی طالبؑ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے تھے۔ آپ چونکہ عربی دنیا کے مایہ ناز شہسوار تھے، اسلئے جناب امیر کی جتنی بھی جنگیں ہوئیں آپ ان میں برابر شریک رہے۔ امیرؑ کے بعد آپ امام حسنؑ کے ساتھ رہے۔ جب امام حسنؑ نے بطرف مدینہ مراجعت فرمائی تو آپ کوفہ میں ہی قیام پذیر ہوئے۔

سابقہ صفحات میں گذر چکا ہے کہ جناب مسلم بن عقیل جب بحیثیت سفیر کوفہ تشریف لائے تھے تو آپ نے ابوثمامہ کو جمع شدہ رقم کا محافظ اور اسلحہ جنگ خریدنے پر مامور فرمایا تھا۔ چنانچہ ابن زیاد کے جاسوس نے ۳ ھزار کی رقم جو مسلم بن عوسجہ کو فریباً دی تھی وہ جناب مسلم نے بعد میں ابوثمامہ ہی کے سپرد فرمائی تھی۔ ابوثمامہ بلاد عرب میں مانے ہوئے بہادر اور دوررس شخص تھے۔ ان کے خرید کردہ اسلحہ جات ہر جگہ سراہے جاتے تھے۔ یہی سب سے بڑی وجہ تھی کہ جناب مسلم کی نظر انتخاب ابوثمامہ پر پڑی تھی۔

ہانی بن عروہ کی گرفتاری کے بعد جب جناب مسلم نے دارالامارہ کا محاصرہ کرنا چاہا تو مسلم بن عوسجہ کو قبیلہ مذحج اور قبیلہ اسد کا سردار، عبیداللہ بن عمرو کو کندہ اور قبیلہ ربیعہ کا سردار اور ابوثمامہ کو قبائل تمیم اور ہمدان کا سردار بنایا تھا۔

جناب مسلمؑ بن عقیل کی شہادت کے بعد جب کوفہ کے حالات بھیانک ہوتے گئے اور محبان علیؑ پر عرصہ حیات تنگ تر ہوتا گیا تو جناب ابوثمامہ ہلال بن نافع کے ساتھ کوفہ سے فرار ہوئے اور راستے میں ہی جناب امام حسینؑ کے ساتھ ملاقات کر کے کربلا آئے۔

ابتدائی صفحات میں یہ بات ذکر کردی گئی ہے کہ جب کثیر بن عبداللہ شعبی کو عمرو بن سعد نے حسینؑ کی طرف بھیجا تھا تو کثیر نے جانے سے پہلے اپنی تمام تر سفا کی اور درندگی کو زیر نظر رکھکر عمرو بن سعد سے کہا۔ میں جاؤں گا تو ضرور اور اگر حکم ہو تو حسینؑ کو قتل کر کے واپس آجاؤں گا۔

جب یہ شقی بن شقی جانب حسینؑ آیا تو ابوثمامہ کی نظر اس پر پڑی اس نے امام حسینؑ سے بصد ادب عرض کیا۔ مولا! دنیا کا ذلیل ترین اور سفاک وظالم شخص آ رہا ہے۔'' یہ عرض کر کے ابوثمامہ آگے بڑھے اور کثیر بن عبداللہ سے فرمایا۔

کثیر! تلوار'' یہیں رکھ کر ملاقات کر سکو گے!

کثیر! نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ہے.............!

ثمامہ! تو ملاقات نہیں مل سکے گی.............!

کثیر! ''سنو! میں صرف پیغامبر ہوں۔ پیغام سننا نہیں چاہتے ہو تو واپس پلٹ جاؤں''

ثمامہ! ''میں تیری تلوا پر ہاتھ رکھ کر تمہارے ساتھ چلوں گا''

کثیر! ''نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا.............!''

ثمامہ! ''اگر تجھے یہ منظور نہیں ہے تو ادھر ہی وہ پیغام سنا دو جو تم لیکر آئے ہو!''

کثیر! ''غصے سے بے قابو ہو کر'' نہیں مجھے یہ بھی گوارا نہیں ہے''

ثمامہ! ''تو تم واپس جا سکتے ہو

کثیر! ''میں واپس جاؤں گا اور عنقریب ملاقات ہو سکے گی''

اسکے جانے کے بعد دوسرا قاصد آیا اور پیغام رسانی کے فرائض انجام دیے۔

آپ ہی وہ مرد عابد تھے جو کربلا کے خونریز معرکہ میں امام حسینؑ کے پاس آ کر نماز جماعت کی تمنا کرتے ہیں۔ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی جسکا نام قیس بن عبداللہ الصائدی تھا نے ہی شہید کر دیا۔[۱۲]

اس مرحلے پر ان کے علاوہ مندرجہ ذیل اصحاب بھی درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

کردوس بن زهیر التغلبی

مجمع بن عبدالله العائذی

حیان بن حارث السلمانی

حجاج بن بدر التمیمی السعدی

مسلم بن کثیر لازدی

بشر بن عمر الکندی

ان شہداء کی مدلل فہرست اکثر تاریخوں میں مندرج کر دی گئی ہے۔ میں بخوف طوالت چند ایک کا مختصر تذکرہ کروں گا۔

سعید بن عبداللہ الحنفی

آپ بھی ان افراد میں شامل تھے جو امام حسینؑ کو خطوط لکھ چکے تھے۔ آپ کا مقام کوفہ میں ایک ممتاز حیثیت کا تھا۔ جناب حسینؑ کی طرف بحیثیت قاصد آپ ہی جناب مسلم کا خط لیکر گئے تھے۔ خط حسینؑ تک پہنچا کر آپ حسینؑ ہی کے ساتھ میدان کربلا آئے۔ نماز ظہرین کے وقت آپ ہی وہ مرد مجاھد تھے کہ جسنے اپنے بدن کے اگلے حصے پر دشمن کے تمام تیر روک لئے اور یہی آپکی شہادت کا باعث بنا۔

آپ کے بعد عبدالرحمان بن عبداللہ المزنی میدان قتال میں آ کر شہید ہوئے۔

نافع بن ہلال الجمل

آپ جناب امیرؑ کے صحابی تھے۔ آپ بلا کے تیر انداز تھے، قاری قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کا زہد مشہور تھا۔ آپ نے جناب عباس کے ہمراہ پانی لانے کی کوشش فرمائی تھی۔ بالآخر بارہ دشمنوں کو قتل کر کے درجہ شہادت پر فائز ہوئے تھے۔

امام حسینؑ نے آپکو ہی قاصد بنا دیا تھا آپ حسینؑ کے پیغامات عمرو بن سعد کے پاس لیا کرتے تھے۔

روز عاشورا آپ نے سینے پر حق وصداقت کی خاطر بہت سارے تیر کھا کر جام شہادت نوش فرمایا۔

غلام باوفا کا باوفا غلام

جون بن حوی مولیٰ ابی ذر الغفاریؓ: آپ حبشی تھے اور فضل بن عباس بن المطلب (جد جناب محمد رسول اللہؐ) کی ملکیت میں تھے۔ اسکے بعد مولائے دو جہاں حضرت علی علیہ السلام نے آپکو ڈیڑھ سو اشرفی میں خرید کر جناب ابو ذر غفاریؓ کو بخش دیا۔ جب حالات نے کروٹ بدلی اور ابوذر بجانب ربذہ جلاوطن کر دیئے گئے تو غلام باوفا بھی آقا کی سختیوں میں حصہ داری کیلئے ربذہ چلے گئے۔ جناب ابوذر کی شہادت کے بعد آپ دوبارہ مدینہ چلے آئے اور جناب امیر المومنینؑ کے پاس رہنے لگے۔ جب جناب جون کے سر سے مشکلکشائے دو جہاں کا آسرا بھی اُٹھ گیا تو آپ جناب حسنؑ کے پاس رہنے لگے اور جب جناب حسن مجتبیٰؑ بھی داغ مفارقت دے کر چلے گئے تو جناب جون امام حسینؑ کی خدمت میں آئے۔

جنگ کے شعلے بھڑک چکے تھے۔ حسینؑ میدان جنگ پر ٹکٹکی باندھے ہوئے تھے۔ سر دھڑ کی بازی لگ چکی تھی۔ جون غلام ابی ذر غفاری آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے امام حسینؑ کی خدمت میں آئے اور مختصراً عرض کی۔ مولا! اذن جہاد عطا فرماویں۔

فقال الحسينُ "اَنْتَ فی اِذنٍ مِنّی. فَاِنَّمَا تَبِعْتَنَا طَلَبًا لِلعَافِيةِ قَد قَتَلِ بطُرِيقَناً

''حسینؑ نے جون کا جذبہ شہادت سنکر جون سے فرمایا۔ جون! جاؤ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہیں اور نکلنے کا۔ اسلئے کہ آج تک تم نے ہم سے صرف ہنسی خوشی ہی دیکھی تھی لہٰذا اب اس امر کی ضرورت نہیں ہے کہ تم ہماری وجہ سے رنج وغم اور مصائب وآلام میں مبتلا ہو جاؤ''

اب کیا ہے جون کو تو حسینؑ بصدق دل اجازت مرحمت فرما رہے ہیں۔ اب تو جون کو جانا چاہے تھا لیکن کیا کہنا غلام باوفا کا تڑپ کے عرض کیا۔

یابن رسول الله ! اَنَا فِی الرّخادِ الَحسُ قِطاعَکُمُ وَفِیُ شِدَّۃ اَخُذُ لَکُم وَاللّٰہِ اَنَّ رَیُحِیُ لمُنُتَنِ وَاِنَّ حَسبِیُ لَلَئِیمُ ولَونِیُ لَاسَوَدُ فَتَنَفَس عَلَیَّ بِالجَنۃِ فَتَطیبَ رَیُحیِ وَیَشُرَفُ حَسَبِیُ وَیُبَیَّضَ وَجُھِیُ لَاوَالله لَا اُفاٰرِقکُم حتّٰی یَخُتَلِطَ ھٰذا الدَّمُ الا سَوُدُ مع دمَآئِکُمُ.

اے فرزند رسولؐ! راحت کی گھڑیاں آپ کے ساتھ گذاریں اور مصیبت کے ایام میں آپ کو چھوڑ کر کہیں اور چلا جاؤں۔ یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے! نہیں مولا نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ہے۔ بخدا یقیناً میرے جسم کے انگ انگ سے بدبو آتی ہے۔ حسب ونسب گھٹیا اور رنگ وروپ کالا ہے۔ مولا! ان تمام حقائق کو نظر انداز فرما کر مجھے جنت کا مستحق بناڈالیے تاکہ خون کی بدبو خوشبو سے، حسب ونسب کا گھٹیا پن شریف اور رنگ وروپ بدل سکے۔ مولا! یہ میرے بس کی بات نہیں ہے کہ میں آپ کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کروں۔ میں نے عہد کرلیا ہے کہ میں تب تک آپ سے الگ نہ ہو جاؤں گا جب تک اپنا سیاہ خون آپ اور آپکے اصحاب واقربا کے خون کے ساتھ نہ ملاؤں''

حسینؑ جون کی وفاداری کا گہرا جائزہ لے رہے تھے۔ لفظ لفظ سے وفا کی بو آرہی تھی۔ حسینؑ آگے بڑھے۔ جون کے کندھے پر ہاتھ رکھکر فرمایا جاؤ جون! میں نے تمہیں جہاد کی اجازت دیدی۔ ۱۳

جون میدان میں آئے۔ زبان پر مندرجہ ذیل رجز تھے۔

کَیف یَری الفُجار ضرب الاسود   بالمشرق القاطع المھند
بالشیف صلتاً عن بن محمدؐ   اذت عنھم باللسان والبلا
ارجوا بذاک الفوز عندالمورد   من الاالٰہ الواحد المُوَحَدِ
انی لا شفیع عِندَہُ کاحمدٍ

کسطرح گنہگار یہ دیکھ سکیں گے کہ کسطرح ایک سیاہ غلام آل رسولؐ کی محبت میں شمشیر سے گنہگار لوگوں کو قتل کر رہا ہے۔ میں ہاتھ وزبان سے فرزندان پیغمبرؐ کیلئے دفاع کروں گا اور شفاعت کی امید رکھتا ہوں۔ کہ قیامت کی ہولنا کیوں میں قطعی بچ جاؤں گا۔

اسکے بعد آپ مصروف جہاد ہوکر درجہ شہادت پر فائز ہوئے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ

جب دفن شہداء کربلا کے سلسلے میں لوگ جمع ہوئے اور حضرت جون کے جسم کو اس روز کے بعد پایا گیا۔ اسکے بدن سے خوشبو آ رہی تھی۔[١٤]

اسکے بعد عمرو بن خالد میدان میں آ کر درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

اسکے بعد سوید بن عمرو درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

اسی طرح اس مرحلے پر مندرجہ ذیل اصحاب و انصار درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

قرہ ابن قرہ — **مالک بن انس**

عمرو بن مطاع — **جنادہ بن حارث**

عمرو بن جنادہ

حوالہ جات

١۔ تاریخ کامل، ابن اثیر جزری حصہ اول ص ١٥١۔١٥٢
٢۔ ناسخ التواریخ ج ٢ ص ٢٥٩؛ بحار الانوار حصہ اول ص ٢٢١؛ نفس المہموم ص ١١٧
٣۔ خلافت بنی امیہ حصہ اول ص ١٥٢
٤۔ مقتل الخوارزمی جز ٢ ص ١١۔١٢؛ الھوف فی قتل الطفوف ص ٤٤؛ خلافت بنوامیہ حصہ اول ص ١٥٣
٥۔ تحفۃ الاحباب بتردو الفاظ ص ٢٧٩؛ خلافت بنوامیہ حصہ اول ص ١٥٣
٦۔ مقتل الخوازمی ج ٣ ص ١١؛ ناسخ التواریخ ج ٢ ص ٢٦١
٧۔ مائتین ص ٣٥١
٨۔ ناسخ التواریخ ج ٢ ص ٢٦١۔٢٦٦
٩۔ الوقائع والحوادث ج ٢ ص ٣٠٤۔٣٠٥
١٠۔ ناسخ التواریخ ج ٢ ص ٢٦٩۔٢٧٣؛ ریاض القدس ج ١ ص ٣٦٠۔٣٦٣؛ زیدۃ المصائب ص ٦٢٢۔٦٢٧
١١۔ مقتل الخوارزمی جزء ٢ ص ١٦۔١٧؛ ناسخ التواریخ ج ٢ ص ٢٧٨۔٢٨٢؛ جلاء العیون ج ٢ ص ١٨٨
١٢۔ تاریخ طبری جلد ٦ ص ٢٠٤، ٢٠٧، ٢٣٣؛ تنقیح المقال ج ٢ ص ٣٣٣؛ ابصار العین ص ٦٩۔٧٠
١٣۔ ناسخ التواریخ ج ٦ ص ٢٩٦؛ تنقیح المقال ج ١ ص ٢٣٥
١٤۔ ناسخ التواریخ ج ٦ ص ٢٩٧۔٢٩٨؛ تنقیح المقال ج ١ ص ٢٣٨؛ منتھی الآمال ج ١ ص ٢٦٨

الصلوٰۃ

نماز ہے تو واجب عینی اور جہاد یہ بھی تو واجب ہے۔ دونوں واجب جب ٹکرائیں تو عبودیت میں جلا ملتی ہے۔ اب دیکھئے میدان جنگ میں ہر طرف آہ و نالے اور چیخ و پکار ہے، فوج مخالفین انسانیت کا پردہ تک نوچنے پر تیار ہے، سنگ و آلہ سے لیس انسانی لباس میں درندہ صفت بھیڑیئے پر تول رہے ہیں۔ تلواریں آہستہ آہستہ بے نیام ہوتی جا رہی ہیں۔ میدان کربلا میں رجاء و بیم کی مہیب پنجہ آزمائی ہے، ابھی اگلے اقدام کو صرف چند دقیقوں کی دیر ہے کہ حسینؑ کا ایک صحابی☆ آگے بڑھا اور بصد ادب عرض کیا

یا اباعبداللہ انفسی لنفسک الفداء ھٰولاء امربو امنک ولا اللہ لا تقتل حتی اقتل دونک واُحب ان القیٰ اللہ ربی وقد صلیت ھٰذا الصلوۃ

اے اباعبداللہ! میری جان آپ پر قربان ہو جائے لشکر مخالف قریب آرہا ہے، ہم آپ کے شہید ہونے سے پہلے خود شہید ہو جانا چاہتے ہیں۔ میں دوست صرف اسی بات کو رکھتا ہوں کہ بعد از نماز میں اللہ سے ملاقات کروں۔

حسینؑ نے بے مثال صحابی کی آرزو سنکر جانب آسمان نگاہ کی اور ایک آہ سرد کھینچی اور فرمایا۔ ہاں ہاں یہ ظہر کا وقت ہے۔

ذکرت الصلوٰۃ جعلک اللہ من المصلین نعم ھٰذا اول وقتھٰا

تم نے نماز کا ذکر کر دیا خداوند کریم تجھے نمازیوں میں شامل کرے، ہاں صیداوی یہ نماز کا اول وقت ہے۔

صیداوی:۔ ایک کام تو کرو...... اس فوج اشقیاء سے کہو کہ جنگ اسوقت تک روکیں جب تک ہم نماز پڑھ لیں۔

فوج یزید میں سے حصین بن نمیر نے جونہی اصحاب کی فہمائش اور امام حسینؑ کے جواب کو سنا تو اُدھر سے ہی کہا۔ نماز کیا کرے گی تم لوگوں کو، وہ تو قبول ہونے سے رہی......

حبیب بن مظاہر الاسدی نے جونہی اس شقی اوازلی کا یہ گستاخانہ کلام سنا تو تڑپ کے کہا **لا تقبل الصلوٰۃ من ابن رسول اللہ تقبل منک؟یا ختار !**

کہا ابن رسولؐ کی نماز قبول نہیں ہوگی اور تمہاری ہوگی۔ اے غدار منافق

☆ان کا نام عمرو بن عبداللہ الانصاری تھا۔ یہ معروف و مشہور ابوثمامہ صیداوی کے نام سے ہو گئے ہیں۔

یہ سنکر حصین غصہ سے بے قابو ہوکر حبیب پر حملہ آور ہوا۔ حبیب بھی شیر نیسان بن کر اسپر ٹوٹ پڑے۔ وار کچھ اس قسم کا بچا تُلا تھا کہ حصین بلبلا کر گھوڑے سے گر پڑا حبیب نے گھوڑے پر سے چھلانگ لگا کر اسکو قتل کرنا چاہا اسی اثنا میں حصین کو بچانے کے لئے یزیدی فوج آگے بڑھی ادھر سے زہیر قین اور سعید بن عبداللہ حنفی بھی میدان میں نکل آئے، حصین بچ گیا اور اسکو یزیدی فوج واپس اپنے لشکر میں لے گئی۔

امامت

جماعت پڑھنے کے لئے حسینیؑ فوج جمع ہوئی، آگے حسینؑ امامت کے فرائض انجام دینے کے لئے کھڑے ہوئے، زہیر بن قین اور سعید بن عبداللہ حسینؑ کے آگے تلوار اور نیزہ سنبھالے ہوئے بحثیت محافظ کے پہرہ دینے پر مامور کردیے گئے۔ اب جو بھی تیر یا نیزہ یزیدی افواج کی طرف سے آتا تھا دونوں پہرہ دار روکتے جارہے تھے۔ سعید کے جسم میں اسقدر تیر پیوست ہوگئے کہ بہت چاہا کہ سنبھل جائے لیکن موت وحیات کی کشمکش اتنی کچھ دردانگیز اور رنج وکرب دہ ثابت ہوئی کہ گر گئے۔ ہر وہ تیر یا نیزہ دوبارہ روکنے کی کوشش کرنے لگے جو حسینؑ کی طرف پھینکا جاتا تھا یہاں تک کہ حسینؑ اور آپ کے مٹھی بھر جانثاروں نے نماز خوف ادا فرمائی۔ اسوقت سعید کے ہونٹوں پر جو آخری کلمات ابھرے وہ یہ تھے

اللهم !العنهم لعن عادٍ ثمود اللهم !ابلغ نبیک عنی السلام و ابلغه مابقیت من الم الجراح فانی اردت بذٰلک نصرة ذرّیّة نبیک.

خدائے کریم! ان شقیوں کو عاد وثمود کی طرح لعنت میں مبتلا کردے خداوند رحیم! میرا سلام اپنے پیارے حبیب کو پہنچا اور انکے فرزند کے لئے جو میں نے دکھ درد اور مصائب اُٹھائے ان کی ان کو خبر دے اسکے بعد آپ شہید ہوگئے۔ **اناالله و انا الیه راجعون**

روایت میں ہے کہ سعید دوران نماز ہی درجہ شہادت پر فائز ہوئے تھے لہٰذا حسینؑ اور آپکے اصحاب باوفا نے فرادیٰ ہی نماز کو پڑھ لیا تھا۔[۱]

حوالہ جات

۱ جلاء العیون ج ۲ص ۱۸۹؛ ناسخ التواریخ ج ۲ص ۲۸۷؛ مقتل الخوارزمی ج ۲ص ۱۷

بوڑھا مجاھد

تاریخ کے وسیع دامن پر لاکھ ڈھونڈ ولیکن کربلا کے اس بوڑھے مجاہد کے بغیر اور کوئی نہیں ملے گا۔ کربلا کی جنگ میں اس بوڑھے مجاہد کا نام حبیب بن مظاہر تھا۔

نام ونسب: حبیب بن مظاہر بن رئاب بن اشتر بن خجوان بن نقعس بن فریف بن عمرو بن قیس بن حارث بن ثعلبہ بن دوران بن اسد۔

کنیت: ابوالقاسم اور قبیلہ کے لحاظ سے اسدی کہلاتے تھے اور عرب کے مشہور شہسوار شاعر ربیعہ بن حوط بن رئاب کے چچازاد بھائی تھے۔[1]

آپ بعد از نماز مغربین قرآن کریم کی تلاوت شروع کرتے تھے اور اذان صبح سے پہلے ہی ایک قرآن ختم کرتے تھے۔[2]

آپ صحابی رسولؐ تھے۔[3]

آپ حسب ترتیب جناب علی مرتضیٰؑ اسکے بعد حسن مجتبیٰؑ کے بھی صحابی رہ چکے تھے۔[4]

جب جناب مسلم بن عقیلؑ کی تحریک کوفہ میں ابھرنی شروع ہوئی تو سب سے پہلا اجتماع اس تحریک کے کار کنوں کا مختار بن عبیدہ ثقفی کے مکان میں ہوا۔ جب جناب مسلم نے حسین علیہ السلام کا خط پڑھ کر سنایا تو سب سے پہلی تقریر عابس بن شاکری نے کی۔ اسمیں عابس نے کہا تھا جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے تو میں اپنا خون آخری دم تک آواز حق وانصاف کے لئے بہانا سعادت دنیوی اور دینوی سمجھتا ہوں لیکن دوسروں کے جذبات کی ترجمانی مجھ سے نہیں ہوسکے گی۔ یہ مختصر اور بامعنی تقریر سنکر جناب حبیب نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ میں عابس کے الفاظ کی تائید کر کے کہتا ہوں کہ انہوں نے یقیناً اپنے اور دوسروں کے جذبات کا حقیقی آئینہ پیش کیا۔ بخدا میں بھی عابس ہی کے الفاظ کا آئینہ ہوں، میں بھی مرتے دم تک اسی عہد و پیمان پر سختی سے قائم ہوں۔[5]

مروی ہے کہ حبیب ایک روز ایک عطار کی دکان پر خضاب مول لے رہے تھے کہ اسی اثنا میں مسلم بن عوسجہ سے ملاقات ہوئی، حبیب نے بعد رسم سلام کے پوچھا کہ اے بھائی مسلم! میں آجکل دیکھتا ہوں کہ زمانہ کا عجیب ہی رنگ ہے کہ اہل کوفہ فوجیں جمع کر رہے ہیں اور ہتھیار بندی ہورہی ہے، تلواروں پر صیقل ہورہی ہے نیزوں کو زہر میں

بجھاتے ہیں، اسکا کیا باعث ہے؟ یہ سنکر مسلم بن عوسجہ رونے لگے اور کہنے لگے کہ اے بھائی تم نہیں واقف کہ یہ سامان کس کے قتل کیلئے جمع کیا جا رہا ہے؟ یہ سب کچھ فرزند رسول ؐ حسینؑ کے قتل کیلئے کیا جا رہا ہے حبیب نے یہ جب سُنا ''**بکی بُکاء شدیداً**'' نہایت شدت سے رونے لگے اور ہاتھ سے خضاب کو پھینک دیا اور فرمایا کہ قسم بخدا یہ ریش سفید میرے سر کے خون سے خضاب ہوگی اور بعد اُسکے محزون و مغموم اپنے گھر پر تشریف لائے اسی اثنا میں عزیز و اقارب حبیب کے گھر آئے اور کہنے لگے کہ اے حبیب! ہم نے سنا ہے کہ تم نصرت حسینؑ کو جانا چاہتے ہو ہمارے نزدیک مناسب یہ ہے کہ امور سلاطین میں دخل مت دو۔ اپنے ارادے سے باز رہو۔ حبیب نے مصلحت وقت کے مطابق ویسا ہی جواب دیا لیکن جو حال قلب حبیب کا تھا اسکو تو حبیب ہی جانتے تھے۔ ایک روز حبیب مع اپنی زوجہ کے کھانا کھا رہے تھے کہ یکا یک اونکی زوجہ کے گلے میں لقمہ اٹک گیا۔ اُس مومنہ نے کہا کہ اللہ اکبر اس وقت کسکا خط آیا چاہتا ہے ابھی یہ ہم کلام ہو رہے تھے کہ کسی نے دق الباب کیا۔ حبیب باہر نکلے اور پوچھا کون ہے جواب **ملا انا بـريد الحسين** میں حسینؑ کا قاصد ہوں حبیب کی زبان سے بے اختیار نکلا سچ کہا میری بیوی نے، اسکے بعد خط کے بوسے دیے، آنکھوں سے لگایا۔ کھول کے پڑھنے لگے لکھا تھا۔

حسینؑ بن علی کی طرف سے مرد فقیہ حبیب بن مظاہر کو بعد حمد ہ صلوٰۃ کے اے حبیب! تم خواب واقف ہو ہماری قرابت سے جو رسالتمابؐ کے ساتھ تھی اور کوئی اتنا واقف نہ ہوگا جتنا کہ تم واقف ہو۔ اے بھائی ان دنوں ایسا زمانہ ہمارا مخالف ہوگیا کہ سب دشمن ہوگئے، راہیں ہر طرف سے مسدود ہوگئیں اور میں تم کو صاحب غیرت اور مروت جانتا ہوں، پس ہرگز بخل نہ کرنا ہماری نصرت میں اپنی جان فدا کرنے سے اور اسکی جزا دینگے تمکو نانا رسالت مآبؐ بروز قیامت اور میں نے اپنا دوست سمجھ کر اور بچپنے کا رفیق جانکر لکھا ہے پس شرف وفاداری اور قدیمی محبت کا حق یہ ہے کہ ایسے وقت میں اپنی جان کو ہم سے عزیز نہ کرنا والسلام۔

اس مضمون خط کو ملاحظہ فرما کر حبیب رونے لگے۔ زوجہ حبیب نے جب حبیب کو روتے پایا تو کہنے لگی کہ میں ان دنوں تم کو سخت پریشان دیکھتی ہوں اور اکثر روتے ہوئے پاتی ہوں، اسکا کیا سبب ہے۔ حبیب نے کل حال بیان کیا۔ وہ مومنہ بولی: پھر کیا قصد ہے؟ حبیب نے جواب دیا کہ عزیز و اقربا منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں: امور مملکت خویش خسروان دانند۔

فقالته يا حبيب كانک كاره للخروج لنصرة الحسين۔

بیوی نے کہا: اے حبیب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ انکار ہے مرنے سے، جی چھپاتے ہو نصرت سے

حبیب نے مقتضائے وقت ویسا ہی جواب دیا۔ یہ سننا تھا کہ وہ مومنہ بے قرار ہوگئی اور کہنے لگی اے حبیب میرا مقنعہ و چادر اوڑھ کر گھر میں بیٹھو۔ وائے ہو تم پر کہ فرزند رسولؐ پر ایسا وقت مصیبت پڑے اور وہ جناب خود طلب

فرماویں اورتم دعوائے محبت بھی کرتے ہو بایں ہمہ اپنی جانثاری کرنے سے دریغ کرتے ہو؟ حبیب نے کہا کہ مجھے تمہارا خیال آتا ہے کہ بعد میرے تم پر کیا گذرے گی، کیونکر بسر ہوگی۔ وہ بولی کہ اے حبیب برائے خدا تم نصرت حسینؑ کو جاؤ اور میری محبت کو اپنے دل سے بُھلا دو میں خاک پھانک کر بسر کردوں گی۔ لیکن نصرت حسینؑ کو جاؤ جب حبیب نے بیوی کو ایسا راسخ العقیدہ پایا تو کہنے لگے کہ تو خاطر جمع رکھ ممکن ہے کہ آقا پر مصیبت کا وقت ہو اور میں اس ضعیفی میں جان دینے سے بھی چراؤں؟ فقط تیرا میں امتحان کرتا تھا۔ بعد اسکے حبیب نے اپنے غلام سے کہا کہ فلاں باغ میں گھوڑا لے جا اور میرا منتظر رہنا اور خود موقعہ پا کر زوجہ سے رخصت ہو کر اُس مقام پر پہنچے۔ عجب قیامت دیکھی گھوڑا گھاس کی طرف رخ نہیں کرتا سر اُٹھائے آنکھوں سے آنسو جاری خاموش کھڑا ہے غلام اس گھوڑے سے کہتا ہے کہ رہوار آقا نے آنے میں دیر کردی اگر وہ نہیں آیا تو میں تجھ پر سوار ہو کر حسینؑ کی نصرت کو جاؤں گا۔ یہ سنکر حبیب زار زار رونے لگے، اور کہنے لگے یابن رسول اللہ! ماں باپ میرے آپ پر فدا عجب مصیبت آن پڑی کہ غلام تک اپنی زندگی سے تنگ ہو چکے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنی جان آپ پر نثار کریں۔ حیف ہے دوستوں پر کہ مصیبت میں نصرت سے کوتاہی کریں گھوڑے پر سوار ہو کر کہا اے بندہ خدا جا میں نے تجھے آزاد کردیا راہ خدا میں اس نے عرض کیا، سبحان اللہ کیا فرزند رسولؐ کا حق آپ ہی پر ہے غلام پر نہیں کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت ایسی بلا میں مبتلا ہوں اور میں بند غلامی سے رہا ہو کر گوشہ عافیت میں بیٹھوں واللہ میں بھی آپ کے ساتھ چل کر امام حسینؑ پر فدا ہوں گا حبیب نے فرمایا **جزاک اللہ**۔ اسکے بعد دونوں بطرف کربلا روانہ ہوئے۔

ادھر سے حسینؑ رفقاء میں اسلحہ تقسیم فرما رہے تھے ایک نیزہ علیحدہ رکھا، لوگوں نے عرض کیا یابن رسول اللہ اس نیزے کو بھی ہم میں کسی کو مرحمت فرمایئے نہیں آپ نے جواب دیا۔ نہیں یہ میرے بڑے دوست کا حصہ ہے۔ گو کہ وہ اسوقت یہاں موجود نہیں لیکن ابھی آرہا ہوگا۔ ناگاہ جانب کوفہ سے گرد نمایاں ہوئی، آپ نے فرمایا میرا وہ دوست جسکے لئے میں نے نیزہ رکھا ہے آرہا ہے اور خود بنفس نفیس چند رفقاء کے ہمراہ حبیب کے استقبال کے لئے تشریف لے گئے۔

حبیب کی نظر جونہی امام حسینؑ پر پڑی تو گھوڑے سے کود کر اور موافق دستور قدیمانہ آپ کے سامنے خاک پر بوسہ دیا اور اصل اسکی وجہ یہ ہے کہ عہد جناب رسالتمآب میں حبیب اپنے ایام طفلی میں بچوں کے ساتھ خاک سے کھیل رہے تھے کہ جناب رسالتمآبؐ کا اُس طرف سے گذر ہوا پس حبیب کو حبیبؐ خدا نے گود میں اُٹھایا اور شفقت فرماتے تھے۔ اصحاب نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ اس لڑکے سے مجھکو بوئے وفا آتی ہے اور یہ میرے فرزند حسینؑ سے کمال محبت رکھتا ہے دیکھا۔ میں نے کہ خاک پائے حسینؑ کو یہ اپنے منہ پر ملتا ہے اور یہ لڑکا ایک روز انصار حسینؑ میں سے ہوگا۔

راوی کہتا ہے کہ جب خیمہ حرم محترم میں خبر پہنچی کہ کوئی ایسا بچپنے کا رفیق واسطے نصرت کے آیا ہے بنام حبیب بن مظاہر جسکے استقبال کو حضرت خود گئے ہیں یہ سنتے ہی جناب زینبؑ خود در خیمہ تک تشریف لائیں اور فضہ کی زبانی کہلا بھیجا کہ حبیب کو میری جانب سے سلام کہہ دو جب یہ خبر حبیب کو معلوم ہوئی کہ دختر زہرا، ثانی زہراؑ سلام ارشاد فرماتی ہیں اور ادائے شکر فرماتی ہیں پس یہ کلمہ حبیب سنکر بے تاب ہو گئے اور زارزار رونے لگے اور منہ پر طمانچہ لگانے لگے اور کہنے لگے اللہ اکبر میرا بھی یہ مرتبہ کہ دختر زہراؑ مجھ کو سلام ارشاد فرمائیں الخ ٦

شمر کی گستاخی کا دندان شکن جواب

جس وقت امام حسینؑ نے روز عاشورا خطبہ ارشاد فرمایا تو شمر نے بے انتہا شرمناک اور کینہ توز فطرت سے مجبور ہو کر کہا کہ میں منافق ہوں اور خدا کی عبادت صرف ایک حرف پر کرتا ہوں، اگر میری سمجھ میں وہ بات آجاتی جو حسینؑ کہہ رہے ہیں یہ سننا تھا کہ حبیب کی قوت ایمانی نے جوش مارا آپ نے شمر کی گستاخی کا دندان شکن جواب اسطرح دیا۔

واللہ انی راک تعبد اللہ علی سبعین حرفا وانا اشھد انک صادق ما تدری ما یقول قد طبع اللہ علی قلبک

بخدا میں بخوبی سمجھتا ہوں کہ تو خدائے لم یزل کی عبادت ستر حرفوں پر کرتا ہے (یعنی انگنت روپ ہیں تیری عبادت کے چولے کو) اور میں اس بات کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ تو سچ کہتا ہے کہ تیرے پلے کچھ پڑتا ہی نہیں ہے کہ امام حسینؑ کیا کچھ فرماتے ہیں، اسکی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ تیرے دل پر مہر لگ چکی ہے۔ ٧

کمانڈنگ آفیسر

عاشور کے روز تپتے ہوئے صحرائے کربلا میں امام حسینؑ نے اپنی مختصر سی فوج کے میسرہ (Left wing) پر آپکو بحیثیت کمانڈنگ آفیسر مقرر فرمایا اور آپ نے اس منصب کا خیر مقدم کر کے اعلیٰ صلاحتیوں کا مظاہرہ کیا۔ ٨

جانفشانی

عاشور کی رات حد نگاہ تک گھمبیر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کرب وبلا کے ڈر سے خوف وہراس پھیلا ہوا تھا ناگاہ افواج حسینؑ میں ایک گھوڑ سوار کہ جسکی بھنویں تک سفید ہو چکی تھی چہرہ انگنت شکنوں کی آماجگاہ بن چکا تھا، ہولے ہولے گھوڑے کو بڑھاتا ہوا خیمہ حسینؑ کے قریب آ کر گھوڑے پر سے کود گیا۔ حسینؑ خیمہ سے باہر تشریف لے آئے سامنے اپنے بچپنے کے دوست حبیب کو دیکھکر فرمایا

امام حسینؑ: حبیب کیا بات ہے......؟

حبیب: مولا! کربل کے وسیع وعریض حصے پر افواج یزید پھیلی ہوئی ہے مجھے اسپر پورا ایمان ہے کہ اتنی جمعیت ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی ہے۔ تاہم اتمام حجت کی خاطر اپنے قبیلے کو دعوت جہاد دینا چاہتا ہوں

امام حسینؑ: حبیب! راستوں کی ناکہ بندی کر دی گئی ہے......!

حبیب: مولا! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ حبیب کے بازوؤں میں ابھی اتنی طاقت موجود ہے کہ ان سے نپٹ سکوں......!

امام حسینؑ: کیا لڑائی کی پہل کرنا چاہتے ہو......؟

حبیب: نہیں مولا! صرف وقت ضرورت دفاع کروں گا......!

امام حسینؑ: جاؤ میرے دوست! لیکن تاریخ کربلا لکھنے والوں کے ہاتھوں کا خاص خیال رکھنا......!

حبیب اذن ملتے ہی جانب قبیلہ بنی اسد روانہ ہوئے۔ تمام افراد قبیلہ کو جمع کر کے ان کو نصرت حسینؑ کی ترغیب دی۔ سب سے پہلے عبداللہ بن بشیر اسد نے لبیک کہی اسکے بعد قبیلہ کے بقیہ افراد نے بھی حبیب کی دعوت پر لبیک کہی اب حبیب نہایت ہی خوش وخرم جانب کربلا روانہ ہوئے عمرو بن سعد کے ہر کاروں نے جب عمرو بن سعد کو صورت حال سے آگاہ کر دیا، اسنے فوراً ۵۰۰ جری فوجی ان کا راستہ روکنے کے لئے بھیجد یے اب کیا تھا مقابلہ شروع ہوا، حبیب کے ساتھی نہتے تھے۔ ان کی امیدوں کے دامن آہستہ آہستہ سمیٹے گئے یہاں تک کہ افواج یزید ان پر غالب آ گئی اور حبیب نہایت ہی غمگین اور آنسو بہاتے ہوئے حسینؑ کی خدمت میں آئے۔ 9

جسوقت حصین بن نمیر کی گستاخ کلامی کا جواب حبیب بن مظاہر نے دیا تو حصین غصے سے بے قابو ہو کر حبیب پر حملہ آور ہوا۔ حبیب نے بڑھ کر اسکے گھوڑے کے چہرے پر تلوار ماری، گھوڑا پہلے تو بیخ پا ہوا۔ آخر کار راکب سمیت لڑکھڑا کر گر پڑا حبیب نے جونہی چاہا کہ اس ملعون کا کام تمام کرے۔ بروقت حصین کے ہمراہیوں نے اسکو بچا لیا حبیب نہایت جانفشانی سے لڑتے ہوئے قبیلہ بنو تمیم کے بدیل بن صریم نامی سردار کو خاک وخون میں اسطرح گرا دیا کہ گرتے ہی اسکی رگ حیات منقطع ہو گئی۔

انـا حبیـب و ابـی مظهـر فـارس هیجاء وحرب تسعر

فـانتم عندالله العدید اکثر ونـحن اوفیٰ منکم و اصبر

و انتـم عـنـد الهیـا ج غدر ونـحن اعلیٰ حجة و اظهر

میں حبیب بن مظاہر ہوں میدان جنگ اور شعلہ جیسی لپکتی اور بھڑکتی ہوئی لڑائی ہی میں میدان کارزار کا شہسوار ہوں۔ گو کہ تمہاری جمعیت ہم سے زیادہ اور اسلحہ بھی فراوان ہے مگر اسکے باوجود ہم اپنی بات کے زیادہ پکے اور حوصلہ شکن مشکلوں میں صبر کرنے والے ہیں۔ اسکے علاوہ ہماری حجتیں تم لوگوں سے مافوق ہیں حقیقت عیاں فرائض

کی پابندی زیادہ اور ہمارے دامن بے داغ ہیں۔

حبیب......مرد غازی بنکر جسطرف بھی نکلے خوف و ہراس پھیلتا گیا آخر کار قبیلہ تمیم کے ایک آدمی نے آپ پر اوچھا وار کیا کہ جس سے آپ زمین پر گر گئے آپ نے جونہی اُٹھنا چاہا تو حصین بن نمیر نے آگے بڑھ کر آپ کے سر پر اسقدر زور سے تلوار ماری کہ آپ دوبارہ زمین پر گر گئے۔ جس تمیمی نے آپ پر نیزہ سے وار کیا تھا وہ آگے بڑھا اور سر کاٹنا چاہا لیکن حصین نے یہ کہہ کر روکا کہ اس کو میں نے گرایا ہے لہٰذا اس کا سر مجھے کاٹنا چاہئے تمیم نے کہا نہیں اصل میں اسکا گرنا میرے نیزے کے وار کا سبب بنا ہے، آخر حصین نے اس سے کہا۔ اچھا اتنا تو کر دو کہ اسکا سر کاٹ کر مجھے دیدو تا کہ میں اسکو اپنے گھوڑے کی گردن سے باندھ کر لشکر میں پھراؤں اسکے بعد واپس کر دوں گا۔ تم جب اسکے عوض میں ابن زیاد سے انعام حاصل کر و گئے تو میں انعام میں سے کچھ بھی نہیں مانگوں گا۔ تمیمی نے نہیں مانا۔ بعد میں لوگوں کے اصرار پر تمیمی راضی ہوا۔ حصین نے سر لیکر تمام افواج یزید میں پھرایا۔ ۱۰

جوش انتقام

حصین بن نمیر نے حبیب بن مظاہر کا سر جب اپنے گھوڑے کی گردن سے باندھا تو اسی صورت میں ابن زیاد سے ملنے کے لئے کوفہ چلا آیا۔ جب جانب قصر روانہ ہوا تو حبیب بن مظاہر کا ایک فرزند تھا جو ابھی شباب کی منزلوں سے ہمکنار نہ ہوا تھا۔ جب اس نے باپ کا سر دیکھا تو پہچان لیا۔ لہٰذا حصین کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ جدھر حصین نکلتا تھا بچہ اسکے عقب میں آہستہ آہستہ اور سر جُھکائے ہوئے چلتا تھا۔ ایک مرتبہ حصین پوچھ ہی بیٹھا اے صاحب زادے کیا بات ہے کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلتے ہو؟ بچہ کہ جسکا نام قاسم تھا، نے جواب دیا یہ میرے باپ کا سر ہے، کیا ہوسکتا ہے کہ تم مجھے دیدو اور میں اسکو دفن کر دوں......؟ حصین نے جواب دیا، نہیں ہرگز نہیں مجھے تو یہ ابن زیاد کے پاس لینا ہے، وہاں مجھے انعام ملے گا۔ قاسم حصین کا جواب سنکر مایوس ہوا، اور زار زار رونے لگا اور اس سے الگ ہوا، لیکن دل کی وسعتوں میں حصین کا نقش بٹھا دیا۔ وقت گذرتا گیا خیالات جوان ہوتے گئے بچپنے کا واقعہ قاسم کے ذہن پر چھایا ہوا تھا جب مصعب بن زبیر کو ابن زبیر نے اپنے بھائی عبیدہ بن زبیر معزولی کے وقت مدینہ کا عامل مقرر کر دیا تو قاسم جوانی کی بھرپور منزلوں میں آ کر اسکی فوج میں شامل ہوا۔ مصعب نے باجمیرا میں جا کر عبدالملک بن مروان سے لڑائی کے سلسلہ میں اپنی چھاؤنی قرار دی تو قاسم بن حبیب نے اپنے باپ کے قاتل (کہ جسکا نام حصین تھا) کو دیکھا۔ ماضی کے تمام واقعات آنکھوں کے سامنے پھڑ پھڑانے لگے، مٹھیاں بھینچ کر کھڑا ہوا اب موقعہ کا منتظر تھا کہ اس کو قتل کر ڈالوں، آخر ایک روز دوپہر کے وقت حصین اپنے خیمے میں سو رہا تھا تو قاسم اسکے خیمے میں داخل ہوا اور ایک ہی دار میں اسکا کام تمام کر دیا۔ ۱۱

ملاحسینؒ واعظ کاشفی تحریر کرتے ہیں:

بذیل بن حریم نے حبیب کو شہید کرڈالا اور اسکا سر محفوظ رکھا بعد از واقعہ کربلا اس نے حبیب کے سر کو گھوڑے کی گردن سے باندھ کر اپنے اُس دوست کو دکھانے کے لئے مکہ لیا جو حبیب کا دشمن تھا جب مکہ پہنچا تو وہاں قاسم بن حبیب نے سر دیکھ کر بذیل سے پوچھا یہ کسکا سر ہے بذیل چونکہ حبیب بن مظاہر کے بیٹے کو جانتا نہیں تھا۔لہٰذا صاف صاف جواب دیا کہ حبیب کا سر ہے اسکو میں نے کربلا میں قتل کرڈالا ہے۔ جب فرزند حبیب نے یہ سُنا تو انگ انگ کانپ اُٹھا حالانکہ ابھی قاسم حد بلوغ کو نہیں پہنچا تھا، اس نے ایک پتھر اٹھا کر اس زور سے بذیل کی پیشانی پر کھینچ مارا کہ اسکا سر پھٹ گیا۔مغز سر نکل آیا اور لڑکھڑا کر گھوڑے سے گر پڑا قاسم نے دوڑ کر اپنے باپ کا سر اٹھایا اور اسکو قبرستان معلیٰ میں دفن کردیا اسوقت بھی وہاں ایک موضع مشہور ہے کہ جو رأس الحبیب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔۱۲

لیکن یہ روایت چندوجوہ سے غلط ہے:

پہلا﴾ جس کا تذکرہ مندرجہ الصدر عبارت میں بحثیت قاتل کے کیا گیا وہ قاتل نہیں مقتول ہے اور اسکو حبیب ہی نے قتل کردیا تھا جیسا کہ گذر چکا ہے۔

دوسرا﴾ قاسم نے اپنے باپ کا سر مکہ میں نہیں کوفہ میں دیکھا ہے لہٰذا مکہ میں پہلے باپ کے سر کو دیکھنے کی روایت غلط ہے۔

تیسرا﴾ واعظ کاشفی نے بغیر تحقیق وتدقیق کے اپنے بیان کی عمارت کھڑی کردی ہے۔اسطرح کسی کا دعویٰ ثابت نہیں ہوسکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شہدائے کربلا حصہ اول ص۹۲ ۲۔ تحفۃ الاحباب ص۵۳
۳۔ ابصار العین ص۵۶ ۴۔ تنقیح المقال ج۱ ص۲۵۲
۵۔ تاریخ طبری ج۱ ص۱۹۹ ۶۔ انتخاب المصائب ص۸۔۱۲
۷۔ تاریخ طبری ج۶ ص۲۴۳ ۸۔ تاریخ طبری ج۶ ص۲۴۰
۹۔ ابصار العین ص۵۷۔۵۸
۱۰۔ تاریخ طبری ج۶ ص۲۵۲۔۲۵۱؛ خلافت بنوامیہ، ابن جزری حصہ اول ص۱۵۶؛ روضۃ الشہد ا ص۳۰۴؛ ناسخ التواریخ ج۲ ص۸۴۔۲۸۳
۱۱۔ خلافت بنوامیہ حصہ اول ص۱۵۶؛ طبری ج۶ ص۲۵۲ ۱۲۔ روضہ الشہد ا ص۳۰۵

فتیان الصباح

قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ تھی کہ جو بنی شاکر کے نام سے مشہور تھے۔ بنی شاکر بلاد عرب میں وہ واحد قبیلہ تھا جن کی بہادری، بزرگی اور پاکیزگی تمام قبائل میں مشہور تھی۔ اس قبیلہ کے تمام افراد بہترین تلوار باز، شہسوار اور نیزہ وتیر انداز تھے۔ اسی وجہ سے ان کو فتیان الصباح کہا جاتا تھا۔ مطلب یقین صبح کے جوانمرد:۔ اسی قبیلہ کی ایک مختار شخصیت تھی کہ جسکا نام عابس شاکری تھا۔ جناب عابس کا نام ونسب یہ ہے۔

عابس بن ابی شبیب بن مالک بن صعب بن سعد بن کثیر بن مالک بن جشم بن حاشد ہمدانی شاکری

شاکری قبیلہ میں آپ بلند پایہ شخص تھے۔ آپ جناب امیرالمومنینؑ کے صحابہ میں سے تھے۔ آپ کی کار کردگی اور پاکیزگی نفس دیکھکر جناب امیرؑ نے فرمایا تھا۔ کہ اگر ان جیسی تعداد صرف اور صرف ایک ہی ہزار ہو جائے تو خداوند لم یزل کی عبادت اس طرح ہو جائے جس طرح اسکی عبادت کی جانی چاہیے۔

جناب عابس نے جناب امیرؑ کے ہمرکاب بہت سی لڑائیوں میں حصہ لے لیا۔ آپ کی دہشت شجاعان عرب کے دلوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ صائم النہار اور قائم الیل تھے۔ شیعیان کوفہ میں بااثر آدمی تھے۔

جب جناب مسلم بن عقیل وارد کوفہ ہوئے تھے اور جناب مختار علیہ الرحمہ کے گھر میں قیام پذیر ہوئے تھے اور امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سنایا تھا۔ تو سب سے پہلے جناب عابس نے مندرجہ ذیل تقریر دلپذیر کی تھی۔

امابعد فانی لا اخبرک الناس ولا اعلم ما فی انفسهم وما اغرک سنهم والله احدثک عما انا موطن نفسی علیه والله لاجیبنّکم ان ادعوتم ولا قاتلن معکم عدوکم ولاضربن بنفسی دونکم حتیٰ القیٰ الله لا ارید بذالک الا ما عند الله.

امابعد دوسرے لوگوں پر (اس خط کا ردعمل کیا رہا (میں قیاس آرائی نہیں کروں گا، اور نہ مجھے یہ معلوم ہی ہے کہ ان کے دلوں میں کیا کچھ ہے، اور نہ ہی ان لوگوں کے متعلق بتا کر آپ کو دھوکہ میں رکھنا چاہتا ہوں۔ البتہ بخدا آپ کو وہ کچھ عرض کروں گا جس کا میں نے مصمم ارادہ کرلیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب آپ آواز دیں گے تو میں اس پر بغیر کسی پس وپیش کے لبیک کہوں گا چاہے اسکا نتیجہ کتنا ہی بھیانک ہو۔ میں آپ کے ساتھ رہ کر آپ کے دشمنوں کے ساتھ پنجہ آزمائی کروں گا، اور اپنی تلوار لیکر آپ کا دفاع کروں گا یہاں تک کہ پروردگار دو جہاں سے ملاقات کروں

گا۔ بخدا اسمیں مجھے صرف اورصرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے بغیر اور کوئی لالچ یا طمع نہیں ہے۔

خط کی سطر سطر سے یہی انداز ہ تو ہوتا ہے کہ جناب عابس کو گہری عقیدت اور موٗدت تھی آل رسولؐ کے ساتھ ورنہ عام افراد میں سبقت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی جناب عابس کی جراٗتمندانہ تقریر نے اوروں کے دلوں پر بھی گہرا اثر کیا۔ اسکے بعد بقیہ افراد بھی باری باری اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے جذبات کی ترجمانی کی۔

جب جناب مسلم کے دست مبارک پر مقتل ابی مخنف کی روایت کے مطابق ۸۰ ہزار آدمیوں نے بیعت کی تو آپ نے حالات حاضرہ کا جائزہ لیکر اپنے آقا ومولا حضرت امام حسینؑ کو خط لکھا اور یہ خط آپ نے جناب عابس ہی کے ہاتھ امام حسینؑ کی خدمت میں روانہ فرمایا۔ جناب عابس جب خط لیکر مدینہ پہونچے تو آپ نے امام حسینؑ ہی کے ساتھ رہ کر راہ کربلا اختیار فرمائی جناب عابس کے ساتھ ایک غلام تھا جسکا نام شوذب بن عبداللہ تھا۔ یہ غلام بھی اپنے آقا کے ساتھ رہ کر حسینؑ کے ساتھ کربلا میں اُترا۔

عاشور کے جنگی نشیب وفراز میں جناب عابس نے اپنے غلام شوذب سے پوچھا کیوں شوذب! تمہارا کیا ارادہ ہے......؟ شوذب نے اپنے آقا کا سوال سنکر نہایت اطمئنان سے جواب دیا۔ آقا! ارادہ کیا ہوتا میں نے تو عہد کرلیا ہے کہ آپ کے ساتھ رہ کر امام حسینؑ کی نصرت کرتے کرتے جام شہادت نوش کرلوں، شاباش شوذب! مجھے تم سے یہی امید تھی۔ عابس نے یہ کہکر شوذب سے دوبارہ کہا سنوشوذب! آج کا دن عظیم ترین دن ہے۔ آج کے دن اگر کوئی شخص حسینؑ کی نصرت کرتے کرتے درجہ شہادت پر فائز ہوجائے تو اسکو تمام راحتیں اور مسرتیں نصیب ہوجائیں گی۔ اسکے بعد جناب عابس شوذب کو لیکر امام حسینؑ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا۔

یاابا عبدالله !ما والله امسیٰ علیٰ وجه الارض قربت ولا بعید اعز علی ولا احب الی منک ولو قدرت علیٰ ان ادفع عنک الضیم او القتل بشئی اعز علی من نفسی ودمی لفعلت السلام علیک یا ابا عبدالله اشهد انا علیٰ هداک وهدا ابیک

اے اباعبداللہ! ہرخلق شدہ چیز چاہے وہ دور ہوجائے، وہ اپنی ہو یا بیگانی آپؑ سے زیادہ عزیز مجھے نہیں ہے اور نہ ہی مجھے محبوب ہوسکتی ہے اگر مجھے قدرت ہوتی تو ظلم وستم کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کے مقابلے میں آکر آپ کا دفاع کرتا بخدا مجھے اپنے نفس اور جسم کے چلے جانے اور تلف ہوجانے کا قطعی احساس نہ ہوتا۔ چاہے مجھے حق وصداقت کے خاطر کتنا ہی خون بہانا پڑتا۔ میرا اسلام ہو آپ پر اے اباعبداللہ۔ گواہ رہیے میں آپ کے دین اور آپکے والد ماجد کے دین پر ہوں۔

یہ کہکر عابس شعلہ جوالا بنکر میدان کارزار میں آگئے اور بلند آواز سے صدادی الا رجل . الارجل ہے کوئی میرا مدّ مقابل......؟ عمرو بن سعد کی فوج میں ربیع بن تمیم نے عابس کو دیکھکر کہا۔ ارے یہ تو عابس بن شبیب

ہے میدان کارزار کا مایہ ناز پنجہ آزما۔ایھاالناس !ھٰذا اسد الاسود .ھذٰا ابن شبیب ۔اے لوگو! یہ شیر ہے۔ یہ ابن شبیب ہے جو بھی کوئی اسکے مقابلے میں گیا نیست کی امیدوں سے محروم ہو کر آئے گا سرتاپا خون میں غرق گا۔

عابس میدان کارزار میں مخالف فوج کی کیفیت دیکھکر کچھ سنبھلے اور دوبارہ مدمقابل کو صدا دینے لگے، عمرو بن سعد نے جب فوج کی کیفیت کو دیکھا تو فوراً حکم دیا کہ عابس کے مقابلے میں کوئی نہ جائے البتہ اس پر مل کر سنگباری کر دی جائے۔اب کیا تھا ہر طرف پتھر ہی پتھر برسنے لگے۔عابس نے جونہی پتھروں کو بارش کی طرح اپنے آپ پر گرتے دیکھا تو فوراًاپنے آپ سے زرہ جدا کر دی اور سپر سر پر رکھ کر افواج یزید میں شیر نیستان بنکر گھس گئے۔جس طرف بھی نکلے فوج یزید میں سے بھی واہ واہ بلند ہونے لگی۔سردھڑ کی بازی اب عابس کے ہاتھوں کا مقدر بن چکی تھی۔عابس کی تلوار برق جہندہ کی طرح سروں کو اڑاتی ہوئی آگے بڑھتی جارہی تھی۔ہر طرف چیخ وپکار بلند تھی ادھر سے عابس بھی زخموں سے چور چور ہو چکے تھے۔ایک دفعہ عابس کو قضا نے سنبھلنے کے مواقع فراہم نہیں کیئے، عابس گھوڑے سے گر پڑے۔فوج یزید ایک ریلے کی طرح آگے بڑھی اور آپ کا سرتن سے جدا کر دیا گیا۔اب ہر ایک آپ کے سر کاٹنے کا دعویدار تھا کہ میں نے ہی عابس جیسے بہادر کا سر جدا کر دیا۔ممکن تھا کہ آپس میں تلوارئیں ٹکراتیں عمرو بن سعد نے یہ کہہ کر اٹھا ہوا فتنہ روک لیا کہ عابس کو کسی نے بھی تنہا قتل نہیں کیا بلکہ اسکی قاتل تمام فوج یزید ہے واضح رہے کہ عابس نے دوسو آدمیوں کو تہہ تیغ کیا تھا۔[1]

مجمع بن عبداللہ العائذی

آپکا پورا نام مجمع بن عبداللہ بن مجمع بن مالک بن ایاس بن عبدمناۃ بن عبیداللہ بن سعد العشیر ہ المذحجی تھا۔

قبیلہ:۔مذحج

آپکے والد جناب رسالتمآب کے صحابی تھے۔اسکے علاوہ اپنے قبیلہ میں آپ نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔بذات خود جناب مجمع کا شمار تابعین میں ہوتا تھا۔اسلئے کہ آپ نہ صرف جناب امیرؑ کے صحابی تھے بلکہ امام حسنؑ کی فیض صحبت میں بھی رہ چکے تھے۔امام حسینؑ کی خدمت میں آپ عذیب الھیجانات میں حربن یزید ریاحی کے ساتھ آئے۔حر کی غرض وغایت صرف یہی تھی کہ آپ کا راستہ روک لیا جائے۔اس وقت مجمع بھی کوفہ سے حر ہی کی فوج میں آئے تھے۔مجمع کو جونہی امام حسینؑ نے دیکھا تو فرمایا،مجمع! کوفہ کے حالات کیسے ہیں؟ مجمع نے افواج یزید کی پروا کیئے بغیر جواب دیا۔مولا! جتنے بھی روسائے کوفہ تھے تو وہ ڈرا دھمکا کر آپ کی نصرت سے باز رکھے گئے۔یہ زر اور زمین کی لالچ میں آ کر آپ کے خلاف اُکسائے گئے۔غرباء کے قلوب آپ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تمام تر تلواریں آپ کے خلاف بے نیام ہونے کو مچل رہی ہیں۔یہ سنکر امام حسینؑ نے دوبارہ پوچھا! اچھا یہ تو بتاؤ میرے قاصد قیس بن سہر الصید اوی کا کیا حال ہے؟ میں نے تو انکو خط اہل کوفہ کے نام دیا تھا......؟ مجمع نے آنسو بہاتے

ہوئے عرض کیا، مولا۔ انہیں یزید کی فوج کے ایک جنرل جسکا نام حصین بن نمیر ہے نے گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لیا۔ اور ابن زیاد نے انکو گرفتار کر لیا۔

اسکے بعد مجمع امام حسینؑ کے ساتھ رہے اور روز عاشور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

حیان بن حارث السلمانی

یہ دوسرے محبِّ اہل بیتؑ تھے آپ بھی یوم عاشورا شہید ہوئے، آپ کمال جان نثاری سے امام حسینؑ کی خدمت میں مصروف رہتے تھے آپ نے کبھی بھی امام حسینؑ کو بحیثیت دوست کے نہیں سمجھا آپ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ امام حسینؑ میرے آقا ہیں اور میں انکا ادنیٰ غلام ہوں اور یہ میرے لئے مقام فخر ہے۔

حجاج بن بدر التیمی السعدی

آپ قبیلہ بنی سعد سے تعلق رکھتے تھے اور بصرہ کے رہنے والے تھے۔

مورخین کا مشترکہ بیان ہے کہ جب امام حسینؑ نے بصرہ کے رئیس کہ جسکا نام سعود بن عمر تھا کو دعوت نصرت کے سلسلے میں خط بھیجا تو مسعود نے خط کی عبارت سے آگاہ ہوتے ہی قبیلہ بنی سعد قبیلہ حنظلہ بنی تمیم کو جمع کر کے کہا۔

معاویہ بن ابی سفیان کی موت سے ظلم وتشدد کی دیواروں پر رعشہ طاری ہوگیا ہے۔ اب ضرورت ہے کہ عدل وانصاف کی میزان قائم کی جائے! میرے دوستو اور عزیزو! اگر یزید کے ہاتھ میں اقتدار کی بساط آگئی تو اسلام کی عظمتیں خاک میں مل جائیں گی یعنی کُلی طور پر اسلام تباہ وخستہ حال ہوکر رہے گا۔ اسوقت فرزند رسول حسینؑ ہمیں حق وصداقت کی طرف بلا رہے ہیں ان کی امداد کرنا عین اسلام کی امداد ہے اور یہ ہم سب کا مشترکہ فریضہ ہے کہ ھم انکی صدا پر کسی پس پیش کے بغیر ہی لبیک کہیں۔ آپ کی پُر مغز تقریر نے حاضرین کے دل موہ لئے سبوں نے حمایت اور نصرت کا دعویٰ کیا۔

مسعود نے ایک خط تیار کیا جس میں تینوں قبائل کی حمایت کا ذکر کر دیا اور حجاج بن بدر کے ہاتھ حسینؑ کی خدمت میں ارسال کیا۔ حجاج تو چاہتے ہی تھے کہ کسی نہ کسی طریقے سے حسینؑ کی خدمت پہنچ جاؤں، اب تو موقع فراہم ہوہی گیا۔ آپ خط لیکر حسینؑ کی خدمت میں پہنچے۔ پھر دوبارہ واپس بصرہ نہیں آئے اور روز عاشور حسینؑ اور حق کی نصرت کرتے کرتے جام شہادت نوش فرمایا۔

ان شہداء کے علاوہ مندرجہ ذیل اصحاب باوفا بھی اس موقعہ پر عروس شہادت سے بصدق دل ہمکنار ہوئے:

ادھم بن امیہ العبدی	امیہ بن سعد الطائی
سوید بن عمر الاغاری	یحیٰ بن سلیم المازنی

زیاد بن غریب الصائدی	**عمر بن مطالع الجعفی**
حجاج بن مسروق المذحجی	**انیس بن معقل الاصبحی**
جابر بن عروہ الغفاری	**سالم مولی عامر العبدی**
جنادہ بن کعب الخزرجی	**جنادہ بن حرث السلمانی**
حرث بن امرئو القیس الکندی	**یزید بن زیاد الھدلی**
ابو عمرو النھشلی	**جندب بن حجیر الخولانی الکندی**
سلمان بن مضارب الاغاری	**مامک بن عبداللہ الجابری**

مندرجہ بالا اصحاب نہ صرف حسینؑ ہی کے عہد میں حق وصداقت کو پہچان چکے تھے بلکہ جناب رسالتمابؐ کے عہدِ زرین کا اعلائے کلمۃ الحق ان کے دل کی گہرائیوں میں گھر چکا تھا اور ساتھ ساتھ امیر المومنینؑ کی فیض صحبت میں بھی رہنے کے علاوہ زاہد بھی تھے ان کی پیشانیاں سجدوں کے گہرے نشانات کی آئینہ دار تھیں۔ ان میں کچھ تو کوفہ کے تھے اور کچھ تو بلاد بصرہ کے رہنے والے، آگے چل کر ہم ان اصحاب باوفا کی وہ فہرست درج کردیں گے جس سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جناب رسالتمابؐ کے اصحاب کتنے تھے اور جناب امیر کے کتنے اور کون کس جگہ سے تعلق رکھتا تھا۔

مقاتلہ اصحابِ حسینؑ

مقتل ابی مخنف کی تحقیق کے مطابق اصحاب وانصار حسینؑ نے مندرجہ ذیل تعداد میں یزیدی افواج کے دوران محاربہ وقتال کیا۔

حبیب بن مظاہرؓ نے	پینتیس سواروں کو قتل کردیا	
زہیر بن قین نے	پچاس	اسکے بعد نماز تمام کر کے ستر ۷۰ سواروں
یزید بن مظاھر الاسدی نے	پچاس	
ہلال بن نافع بجلی نے	ستر	
ابراھیم بن الحسین نے	پچاس	
علی بن مظاھر الاسدی	ستر	
المعلا	پچاس	
جون مولی ابی ذوالفقاری	ستر آدمیوں	
عمیر بن مطاع نے	تیس	

اسکے غلام نے	چالیس
الطرماح نے	ستر
عبداللہ بن مسلم	نوے
عون بن عبداللہ	اسی
جابر بن عروہ الغفاری	اسی
مالک بن دادوَد	ساٹھ
موسیٰ بن عقیل	ستر

ایک ضروری جائزہ

یہ روایت حدتواتر تک پہنچ چکی ہے کہ امام حسینؑ کی فوج کی تعداد صرف ۷۲ نفوس پر مشتمل تھی۔ان میں اپنے اعزہ بھی شامل تھے اوراعوان وانصار بھی اور یہ بھی کہ سب کربلا میں شہید کردیے گئے۔

صرف امام زین العابدینؑ ،امام محمد باقرؑ اورامام حسن مجتبیٰؑ کے فرزند جسکا نام بھی حسن تھا بچ گئے۔جوشہیدوں کی فہرست گذشتہ صفحات میں دی گئی ہے انکی تعداد زیادہ ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم نے بالترتیب شہیدوں کا اندراج کردیا ہے کیونکہ اسلامی کتب میں مختلف انداز سے انکے نام درج کردیے گئے ہیں اگر کسی کتاب میں کسی شہید کا نام ہے تو دوسری میں دوسرے کا یہ کیفیت کم وپیش متعدد تاریخوں میں نظر آئی میں حیران ہوا کہ کس کا نام لکھوں اور کس کا ترک کروں درج کرنے سے کم ازکم یہ اطمنان ضرور رہتا تھا کہ اندراج تو ہوا اور اگر ترک کردیا تو یہ کسک رہتی تھی کہ ممکن ہے جس کو میں نے درج نہیں کیا وہی درج کرنا ضروری تھا۔اس طرح میں اس اہم سعادت سے محروم رہ جاتا۔یقیناً ان تمام شہداء کواندراج کرنے سے کتاب کی ضخامت بڑھ جاتی تھی لیکن مجبوری نے پراندوختہ کرنے پر آمادہ کرلیا۔البتہ اسکا خیال ضرور رکھا کہ جہاں کوئی روایت تقریباً تواتر کے معیار پر اُتر رہی تھی اسکو قدرے تفصیل کے ساتھ لکھا اور جو معیار پر نہ اُتری وہاں صرف نام لکھنے پر اکتفا کی۔ہر شہید کے حالات کے بعد ماخذات کے اسماء بھی درج کیئے ہیں تاکہ قاری کو ڈھونڈنے میں آسانی ہو یہ کہے بغیر بھی چارہ نہیں کہ ممکن ہے کہ کچھ نام ایسے بھی اور رہ گئے ہوں کہ جو قارئین کے ذہن میں ہوں اسکے لئے میں اسلئے معذرت خواہ ہوں کہ جتنی کتابیں میرے کُتب خانے میں موجود ہیں ان میں سے چھان چھان کر میں اسماءِ شہداء کو اندراج نہ کرسکا۔کتابیں لااحصیٰ ہیں اوران کے صفحات انگنت ہیں،ان سب تک رسائی میرے لئے ناممکن تھی۔

حوالہ جات

۱؎ مقتل الحسینؑ ،عبدالرزاق ص ۲۸۷۔۲۸۸؛ ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۳۰۳۔۳۰۵؛ مقتل الحسینؑ ،خوارزمی ص ۲۲۔۲۳؛ روضہ الشہدا ۱ ص ۳۰۶۔۳۰۷

شہیدان بنی ہاشم

آپ نے اصحاب حسینؑ کی شہادت کا تذکرہ تفصیلی طور پر پڑھا۔اب خانوادہ حسینؑ کی شہادت کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت علی اکبرؑ ☆

حسینؑ خاندان میں سے پہلے شہید حضرت علی اکبرؑ ہیں۔اس سلسلے میں سید ابن طاؤس کی وہ زیارت شاہد ہے کہ جو امام زمان عجؔ تک منتہی ہوتی ہے۔اسمیں امام زمان عجؔ فرماتے ہیں۔

السلام علیک یا اول قتیل من نَسل خیر سلیلٍ من سلالۃِ ابراھیم الخلیل .صلی الله علیک وعلیٰ ابیک اذ قال فیک قتل اللہ قومًا قتلوک یا بنی .ما اجراھم علی الرحمٰن وعلی انتھاک حُرمۃ الرسول علی الدنیا بعدک العفا الخ زیارت۔[1]

(۲) عبداللہ بن مسلم بن عقیل

والدہ گرامی:۔ رقیہ بنت علی بن ابی طالبؑ

آپ کے دو بیٹے تھے۔ایک کا نام عبداللہ تھا اور دوسرے کا نام محمد تھا دونوں فرزند کربلا میں شہید ہوئے۔ اسیران کربلا کے ساتھ آپ بھی اسیر کر دی گئی تھیں۔[2]

محمد ابن جریر طبری کہتے ہیں کہ جب جناب مسلمؑ کی شہادت کی خبر حسینؑ نے سنی تو آپ بہت غمگین ہوگئے۔ یہ تازہ واقعہ شب عاشور کے روز ان الفاظ میں حسینؑ نے اصحاب بالخصوص فرزندان مسلم کے سامنے اظہار فرمایا کہ تم لوگوں کے لئے باپ کی شہادت کافی ہے۔لہٰذا تم لوگ چلے جاؤ۔لیکن جوش جہاد اور تمنائے شہادت عبداللہ اور محمد میں اسقدر تھا کہ انہوں نے بصد ادب عرض کیا، نہیں! ایسا نہیں ہوسکتا، ہمیں آپ کے قدموں میں جام شہادت نوش کرنے کی سعادت سے محروم نہیں ہونا چاہیے۔کیا مدینہ جا کر لوگوں سے یہ کہدیں گے کہ ہم نے اپنے آقا و مولا کو نرغۂ اعداد میں چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی؟ ان کو تلواروں تیروں اور نیزوں کے حوالے کر کے اپنی جان بچائی؟ نہیں ہمارے سید و آقا! ہم اپنے اہل وعیال سمیت آپ کے قدموں میں جان دیں گے۔ [3]

☆ حضرت علی اکبرؑ کی مکمل سوانح میری تالیف شدہ کتاب بعنوان 'ارمان' میں ملاحظ فرمائیں۔

علامہ مامقانی نے عبداللہ کی عمر وقت شہادت چودہ برس کی لکھی ہے۔۴

یوم عاشورا آپ نے تین حملے کئے۔ تقریباً نوے آدمیوں کو تہہ تیغ کیا۔ طبری کی روایت ہے کہ عمرو بن صبیح صیداوی نے اس کمسن بچے پر جب تیر چلایا تو کمسن نے گھبرا کر اپنا ہاتھ پیشانی کی طرف لیا۔ تیر اس زور کا آ رہا تھا کہ ہاتھ اور پیشانی کو بیک وقت چھید گیا۔ اسکے بعد دوسرا تیر آیا جو عبداللہ کے سینہ میں پیوست ہوا۔۵

جس وقت آپ مصروف کارزار تھے تو آپکی زبان پر یہ رجز تھے:

الیوم القیٰ مسلما وھو ابی	وفتیة بادو اعلیٰ دین النبی
لیسو ابقومٍ عرفوا بالکذب	لٰکن خیارً و کرام النسب

من ھاشم السادات اھل الحسب

اے قوم شرار! میں چاہتا ہوں کہ آج والد گرامی مسلم بن عقیل سے ملاقات کروں اور ان جوانوں سے کہ جنہوں نے دین پیغمبرؐ پر وفات پائی اور کسی نے ان سے جھوٹ اور باطل نہیں سنا، وہ بہترین مردم تھے، شرافت نسب میں اور سادات ہاشمی اور صاحبان حسب تھے۔۶

(۳) محمد بن مسلم

بھائی کو حق وصداقت کی قربان گاہ پر خاک وخون میں تڑپتا دیکھ کر بھائی میں تاب نہ رہی، اذن جہاد لے کر میدان قتال میں آئے "اس وقت علامہ مامقانی کی روایت کے مطابق محمد کی عمر بارہ یا تیرہ سال کی تھی اور بحار کی روایت کے مطابق آپ کی والدہ ام ولد تھی" اور مصروف کارزار ہوئے۔ آخر کار درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ آپ کے قاتلین کے نام ابو جرہم ازری اور لقیط بن یاسر جہنی تھا۔۷

(۴) جعفر بن عقیل

روضہ الشہداء، بحار الانوار، ناسخ التواریخ، مقتل الخوارزمی کی روایات کا جہاں تک تعلق ہے، وہ یہ ہے کہ محمد بن مسلم کے بعد اولاد عقیل یکے بعد دیگرے میدان میں نکلنی شروع ہوئی اور اولاد عقیل میں سب سے پہلے جعفر میدان قتال میں نکلے۔ تقریباً پندرہ آدمیوں کو قتل کیا۔ وقت جنگ آپ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

اناالغلام الا بطحی الطّالبیّ	من معشرفی ھاشم وغالب
ونحن حقاً سارة الذوانب	ھذا حسین اطیب الا طالب

من عترة البر التقی العاقب

میں مکہ کا رہنے والا ہوں۔ طالب کے خاندان کا، ہاشم کی نسل سے اور غالب کے گھرانے سے ہوں۔ یقیناً

ہم تمام قبائل کے سردار ہیں اور یہ حسینؑ تمام پاکیزہ اشخاص میں سب سے زیادہ پاکیزہ ہیں۔
آپ کے قاتل کا نام بشر بن خوط ہمدانی ہے۔ ۸ے

(۵) عبدالرحمٰن بن عقیل

روایات کے مطابق جعفر کے بعد عبدالرحمٰن میدان میں آئے اور یہ رجز پڑھے:

ابی عقیل فاعر فوا مکانی　　من ھاشمٍ وھاشمٌ اخوانی
کھول صدق سادۃ الاقران　　ھذاحسین شامخ البنیان
سیدُ الشیب مع الشبان

میں عبدالرحمٰن بن عقیل ہاشمی ہوں میرے بھائی اولا دھاشم سے باصفا اپنے ہمسروں کے سردار ہیں عم عالی شان میرے امام حسینؑ ہر پیر و جوان کے پیشوا ہیں۔

اسکے بعد سترہ سواروں کو تہہ تیغ کر کے درجہ شہادت پر فائز ہوئے آپکے قاتل کا نام عثمان بن خالد بن اسیر جہنی تھا۔ یہ تو بحار کی روایت ہے لیکن طبری نے آپکے قاتل کا نام بشر بن خوط ہمدانی لکھا ہے، ممکن ہو کہ دونوں نے مل کر یہ فعل بجالایا ہو۔ ۹ے

(۶) عبداللہ بن عقیل

ناسخ التواریخ اور بحار کی روایات کے مطابق اسکے بعد عبداللہ میدان میں آجاتے ہیں اور درجہ شہادت پر فائز ہوتے ہیں۔ آپ کے قاتل کا نام عثمان بن خالد بن اشیم الجہنی تھا، لیکن ناسخ کی روایت کے مطابق بشر بن خوط الفایضی بھی آپ کو شہید کرنے میں شریک تھا۔ ۱۰ے

(۷) موسیٰ بن عقیل

صاحب ناسخ کی روایت ہے کہ یوم عاشورا موسیٰ، حسینؑ کی خدمت میں آئے۔ اذن جہاد ملنے پر جب میدان میں آئے تو یہ رجز پڑھے:

یا معشر الکھول والشبان　　اضربکم بالسَّیف والسنان
احمی عن الفتیۃ والنسوان　　وعن امام الانس ثُم الجان
ارضیٰ بذاک خالق الانسان　　ثُم رسول الملک المنان

اے گروہ پیر و جوان! میں نیزہ اور شمشیر لیکر تم سے مقاتلہ کروں گا اور جن وانس کے پیشوا کی طرف سے دفاع کروں گا تا کہ خدا اور اسکے رسولؐ کی خوشنودی حاصل کروں۔

اسکے بعد آپ نے ۷۰ آدمیوں کو قتل کیا اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔علامہ مامقانی نے لکھا کہ آپ کی ماں کا نام ام البنین بنت ابی بکر بن کلاب العامری تھا۔ ۱۱

(۸) عون بن عقیل

مناقب ابن شہر آشوب میں لکھا ہے کہ اہلبیتؑ میں جو لوگ کربلا میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے، ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔اکثر کا قول ہے کہ وہ ستائیس تھے کہ جن میں سے اولادِ عقیل نو تھے۔ان میں سے ایک عون بھی تھے۔علامہ سید محسن العاملی نے بھی عون کو اولادِ عقیل میں ہی شمار کیا ہے اور آپ بھی یوم عاشورا کربلا میں شہید ہوئے۔

صاحب ناسخ نے سبط ابن جوزی کی کتاب تذکرہ الخواص سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن جوزی نے بھی عون کو اولادِ عقیل میں شمار کیا ہے اور روز عاشور ان کی شہادت بھی لکھی ہے۔ ۱۲

(۹) علی بن عقیل

محمد بن علی حمزہ نے عقیل بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ علی بن عقیل بھی صحرائے کربلا میں شہید ہوئے اور آپ کی ماں بھی کنیز تھی۔اسکا تذکرہ صاحب ناسخ نے بھی کیا ہے۔ ۱۳

(۱۰) احمد بن محمد بن عقیل

صاحب ناسخ اور علامہ مامقانی نے بھی ان کو شہدائے کربلا کی فہرست میں لکھا ہے اور جب آپ میدان قتال میں نکلے تو یہ رجز پڑھے:

''آج میں اپنے بلند حسب ونسب کو سامنے رکھ کر قبضہ تلوار پر ہاتھ رکھ کر بہترین انسان یعنی امام حسینؑ کی طرف سے دشمنوں سے مقابلہ کروں گا''۔اسکے بعد ۸۰ آدمیوں کو قتل کیا۔زخموں کی کثرت سے گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور زمین پر گر پڑے۔جس سے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ ۱۴

قارئین کرام! یہ اولادِ عقیل کے کارنامے تھے۔آپ نے ان کے رجزوں میں بخوبی پڑھا ہوگا کہ ان کا مطمح نظر صرف نصرت حسینؑ تھا۔ذاتی پرخاش یا جذبہ انتقام کارفرما نہ تھا۔حسینؑ نے ان کو یقیناً کہا تھا کہ تم لوگوں کیلئے جناب مسلم کی شہادت ہی کافی ہے۔لیکن جواب کیا دیا......! ایک غیرت منداور خانوادہ ہاشمی ہی کا کمال ہے کہ یکے بعد دیگرے بغیر ڈر اور خوف کے میدان قتال میں نکلتے گئے اور درجہ شہادت پر فائز ہوگئے۔

میں نے انہیں کے تذکرے میں تحریر کیا ہے کہ اولادِ عقیل کی تعداد ۹ تھی اور یہ میرا ذاتی خیال نہیں ہے بلکہ ابن شہر آشوب کی روایت نقل کی ہے۔ناسخ التواریخ میں ایک طویل مرثیہ درج ہے جو صاحب ناسخ نے سراقہ باہلی کے مرثیہ سے لیا ہے اس کا پہلا بند ھ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

یاعینُ بَکی بعبرۃ وعویل　　واندبی ان ندبت آل الرسول

تسعۃ منھم یصلب علی　　قد ابیدو وتسعۃ لعقیل

اے آنکھ فریادونالہ کے ساتھ ساتھ آنسو بھی بہائی جا اور اگر نوحہ کرنا ہے تو آل رسولؐ پر نوحہ کر۔

نواِن میں سے علیؑ کے صلب سے اور نو عقیل کی اولاد سے تھے۔اس طرح اولادِ عقیل کی تعدا یقیناً ۹ ہی ہے۔لیکن جناب مسلم اوران کے فرزندان کو ملا کرا گر دیکھا جائے تو ۱۲ بن جاتی ہے۔صحیح کیا ہے وہ ابصارالعین کے مصنف نے اس طرح لکھی ہے، کہ مرثیہ کے آخری بند میں **تسعۃ** کے بجائے **سبعۃ** لکھا ہے یعنی کل ۷ اور یہی میرے نزدیک بھی صحیح ہے۔

(۱۱) محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب

بطلۃ کربلا جناب زینبؑ کے دو بیٹے تھے۔ایک کا نام محمد تھا اور دوسرے کا عون تھا۔

جب حسینؑ بطرف کوفہ روانہ ہوئے تو اس وقت عبداللہ بن جعفر مدینہ میں ہی تھے۔اس وقت مدینہ کی سیاسی فضا مخدوش ہو چکی تھی۔شام کی طرف سے کچھ لوگ حاجیوں کے لباس میں مکہ آئے تھے۔ان کا کام یہ تھا کہ طواف کعبہ کرتے کرتے حسینؑ کو قتل کر دیا جائے۔ان کے علاوہ یزید کی طرف سے حاکم مدینہ کو جو خط آیا تھا اس میں یا تو بیعت کا مطالبہ تھا۔''یا سر'' جواب کے ساتھ بھیجنے کو لکھا گیا تھا۔عبداللہ بن جعفر گمنام شخص تو تھے نہیں، اثر ورسوخ کے مالک تھے جب ان کو حسینؑ کے کوچ کا علم ہوا تو فوراً حاکم مدینہ عمرو بن سعید بن العاص کے پاس آئے اور اپنے اس خدشہ'' کہ (کہیں راستے میں ہی حکمران جماعت کے سپاہیوں میں سے امام حسینؑ کی ٹکر نہ ہو جائے اور خدشات صحیح'' ثابت نہ ہوں) کو دور کیا کہ حاکم سے ایک امان کا پروانہ حسینؑ کے لئے مانگا لیکن اس نے دینے سے انکار کیا۔اسکے بعد آپ نے ایک خط تحریر کیا کہ اپنے دونوں بیٹوں کو یہ دے کر حسینؑ کی طرف روانہ کیا۔اس وقت امام حسینؑ منزل ذات عرق پہنچ چکے تھے۔دونوں بھائی یہ خط لے کر حسینؑ کے پاس آئے اور خط دیا عبارت یہ تھی۔

امـا بـعـد فانّی اسئلک باللہ لما انصرفت حین تنظر فی کتابی فانّی مشفق علیک من الـوجہِ الذی توجہ لہ ان یکون فیہ ھلاکک و استعئصال اھل بیتک ان ھلکت الیوم طفی نور الارض فانک علم المھتدین ورجاء المومنین فلا تعجل بالسیر فانی اثرالکتاب والسلام

امابعد! میں آپکو خدا کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ جہاں بھی آپ میرا خط ملاحظ کریں گے پلٹ آیئے کیونکہ اُس طرف جسطرف آپ کا ارادہ ہے مجھے آپ اور آپکے اھلبیتؑ کی ھلاکت اور تباہی کا خوف ہے۔اگر آپ روئے زمین سے اُٹھ گئے تو وہ نور بھی بُجھ جائے گا کہ جس سے زمین منور ہے۔کیونکہ آپ طالبان ھدایت کے لئے سنگ میل اور مومنین کی امیدوں کے مرکز ہیں۔سفر میں جلدی نہ فرمایئے میں خود بھی اسی خط کے عقب میں آرہا ہوں۔

والسلام ۱۵؎

اسطرح یہ دونوں امام حسینؑ سے ملحق ہوئے۔

آپ دونوں بھائیوں میں سے پہلے محمد میدان قتال میں نکلے

علامہ نستوری نے اپنی تالیف مائتین فی مقتل الحسین میں تحریر کیا ہے:

قد شرح الجهادفی واقعة علی الصبیان مثل عون ومحمد وغیرهم بل علی الاصاغر کعبد الله بن الحسن روحی له الفداء

اس واقعہ میں جہاد بچوں پر بھی واجب تھا۔ جیسے عون ومحمد وغیرہ بلکہ ان سے کم سن بچوں پر جیسے عبداللہ بن حسن۔ ۱۶؎

وہ واقعہ کربلا ہے، اس میں رسولؐ اسلام کا فرزند امامؑ تھا۔ اور امام کی معیت میں نہ صرف بڑوں نے جہاد کیا بلکہ بوڑھوں اور بچوں تک نے بھی جہاد میں شرکت کی اور یہی کیا کم دلیل کربلا کے حق ہونے میں۔

تاریخ کا بیان ہے کہ کم سن بچہ جب میدان میں آیا تو بہادروں کی طرح یہ رجز پڑھا۔

نشکواالی الله من العدوان قِتال قومٍ فی الرَّدیٰ عُمیان

قد ترکوا معالم القران ومحکم التنزیل وتبیان

واظهرواالکفر مع الطغیان

میں ان اشقیاء کے ظلم وستم کی خدا سے شکایت کرتا ہوں کہ جو گمراہی کی وجہ سے کور باطن ہیں۔ معالم قران، محکم تنزیل وتبیان کو جنہوں نے ترک کیا اور جنہوں نے کفر کو طغیانیوں کے ساتھ ظاہر کیا۔

لڑائی عروج پر پہنچی تو عامر بن نہشل تمیمی نے آپ کو شہید کیا۔ آپ نے فوج یزید کے ۱۰ افراد کو واصل نار کیا۔ ۱۷؎

(۱۲) عون بن عبداللہ بن جعفر

بھائی کی شہادت دیکھ کر عون میں تاب نہ رہی، زندگی کی لذتیں پھیکی معلوم ہونے لگیں، امام حسینؑ سے اجازت لیکر میدان میں نکل آئے۔ دوران جنگ آپ کی زبان پر تھا

ان تنکرونی فانا ابن جعفر شهید صدق فی الجنان الازهر

یطیر فیها بجناح اخضر کفیٰ بهذا شرفاً فی المحشر

اے قوم گمراہ! اگر تم لوگ مجھ سے ناواقف ہو تو سنو کہ میں کون ہوں؟ میں ابن جعفرؑ کا فرزند ہوں، وہ جعفرؑ میرے جد ہیں جو جنت کی وسعتوں میں پر لگائے فرشتوں کے ساتھ محو سیر ہیں۔ یہ شرف بروز محشر میرے لئے کافی ہے۔

اس کے بعد آپکو عبداللہ بن قطبہ النبہانی نے درجہ شہادت پر فائز کیا

(۱۳) عبیداللہ بن عبداللہ بن جعفر

علامہ ابن شہرآشوب تحریر فرماتے ہیں کہ جعفرؑ کے تین فرزند تھے: محمد بن عبداللہ بن جعفر، عون الاکبر بن عبداللہ اور عبید اللہ بن عبداللہ جعفر۔ ان میں دو تو درجہ شہادت پر فائز ہوئے لیکن دونوں بھائیوں کی ماؤں میں اختلاف ہے۔۱۸

اختلاف کرنے والے حضرات ہیں: علامہ نستوری، ابوالفرج اصفہانی، علامہ مامقانی، علامہ سید محسن عاملی۔

چنانچہ علامہ نستوری لکھتے ہیں کہ

امّا عون وجعفر فهما ليسا من ابناء زينب بل فوفهما ابوهما وهو عبدالله بن جعفر زوج زينب ليفد يهما علىٰ اخيها كماعليه الاصحاب واّما على الزينبى فلست ادرى الى يومى هذٰ انه ما عاقه عن المسير معهما فى سفرالعراق ۱۹

اما عون وجعفر☆ یہ دونوں جناب زینبؑ کے فرزند نہیں ہیں بلکہ اُن کے والد بزرگوار اور وہ عبداللہ بن جعفر جناب زینبؑ کے شوہر تھے، سپرد کیا تھا تاکہ وہ ان کے بھائی پر فدا ہوں جیسا کہ ہمارے علماء کا خیال ہے۔ رہ گئے علی زینبی تو اب تک میں نہیں سمجھ سکا ہوں کہ وہ کس وجہ سے جناب زینبؑ کے ساتھ اس سفر میں نہ جاسکتے تھے۔

واضح رہے علی زینبیؑ یہ جناب زینب کے بطن سے تھے۔۲۰

لیکن نستوری صاحب نے لفظ دونوں لکھکر کوئی صحیح انداز قائم نہیں کیا۔ کیونکہ اس لفظ سے تو دونوں بھائی جناب زینبؑ کے قرار نہیں پاتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ عون تو حقیقتاً جناب زینبؑ کے فرزند تھے چنانچہ عون کے متعلق چند تاریخی ماخذ ملاحظ فرمائیں۔

عون بن عبداللہ بن جعفر ابیطالب وامہ زینب العقیلۃ بنت علی بن ابی طالب الخ (مقاتل الطالبین)

علامہ مامقانی تنقیح المقال میں فرماتے ہیں:

ان بعض الفضلاء زعم ان محمد امه زينب بنت على اميرالمومنينؑ وهو مما يائبى عنه التاريخ انما ابنها عون

بعض فضلاء نے گمان کیا ہے کہ محمد جناب زینبؑ کے فرزند تھے یہ صحیح نہیں ہے آپ کے فرزند تو بس عون تھے۔۲۱

ابوالفرج گفتہ (محمد بن عبداللہ جعفر) کہ مادرش خوصا بنت حفص از بکر بن وائل است۔۲۲

☆ناظرین کرام! علامہ نستوری نے عون کے بعد جعفر کا نام لکھا ہے۔ جعفر صحیح نہیں ہے بلکہ ان کو محمد لکھنا چاہیے تھا، کیونکہ اپنی کتاب میں انہوں نے خود دونوں بھائیوں کا نام عون ومحمد ہی لکھا ہے۔ یہاں شاید کتاب کی غلطی رہ گئی ہے۔ مائتین فی مقتل حسین ج ۱ ص ۲۲۲

رحمة للعالمین میں بھی محمد کی والدہ کا نام خوصا بنت حفص لکھا ہے۔۲۳

اعیان الشیعہ اور ابصار العین کی روایت سے بھی مندرجہ بالا روایت کی تائید ہوتی ہے۔۲۴

میرے خیال میں اتنی کتابیں نظر انداز نہیں کی جا سکتی اب رہ گیا ہمارے ہاں کے علماء کا تعلق تو اسکے لئے اتنا عرض ہے چونکہ عون و محمد کے والد کا نام عبداللہ بن جعفر تھا۔ لہٰذا انکی ماں کی طرف توجہ کبھی مبذول کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ یہ نہ سمجھیے کہ میں کسی شخص کے بیانات یا مصنفین مراثیہ کے کلام کی تردید کر رہا ہوں، نہیں یہ بات نہیں ہے۔ البتہ اتنا ضرور عرض ہے کہ ان کی مائیں الگ الگ تھیں۔ عون کی والدہ جناب زینبؑ تھیں اور محمد کی والدہ خوصا بنت حفص تھیں۔ اب رہ گئے عبیداللہ بن عبداللہ، انکی والدہ کا نام خوصا بنت حفصہ بن ثقف تھا اور آپ قبیلہ بنی بکر بن وائل سے تھیں۔۲۵

اس طرح محمد اور عبیداللہ ایک دوسرے کے پدری اور مادری بھائی تھے یہ ناسخ التواریخ کی روایت ہے۔

دیگر عبداللہ بن عبداللہ بن جعفر جماعتی گولیند در یوم طف ملازمت خدمت حسینؑ راداشت ودر آن واقعہ شہادت یافت۔ آپ کربلا میں حسینؑ سے ملے اور وہیں پر درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔۲۶

کتاب رحمۃ للعالمین، مولف قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری نے اولاد جعفر طیار کا شجرہ نسب لکھتے ہوئے یہ باور کرنا چاہا ہے کہ عون کی والدہ جمانہ بنت مسیب (از بنی فزادہ) تھی لیکن یہ قاضی صاحب کا ذاتی خیال ہے۔ مقاتل یا سیر کی کسی ایک بھی کتاب سے اسکی تائید وتوثیق نہیں ہوتی ہے۔

عبداللہ بن حسنؑ

ابن شہر آشوب کی روایت کے مطابق اولاد عقیل واولاد جعفر طیار کی شہادت کے بعد عبداللہ بن حسن کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ کی کنیت ابی بکر تھی۔ عبداللہ کی عمر جناب قاسم سے زیادہ تھی آپ نے بعد از رجز ۱۶ آدمیوں کو قتل کر دیا۔ آپ کا قاتل ہانی بن اشبث حضرمی تھا۔ آپ کے قاتل کا منہ کالا ہو گیا تھا۔۲۷

ابوبکر بن الحسنؑ

آپ کی والدہ کا نام اسحٰق بنت طلحہ التیمی تھا

آپ کے قاتل کا نام عبداللہ بن عقبہ غنوی تھا۲۸

فرزندان علی علیہ السلام

اولاد امام حسنؑ کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے فرزند آگے بڑھے اور جہاد کی اجازت مانگی۔

جناب امیرالمومنین علیہ السلام کے بیٹے میدان قتال کو دیکھ کر بار بار اذن طلب کرتے تھے۔لیکن حسینؑ وقت مقررہ کا انتظار فرمار ہے تھے۔آخر کار وہ وقت بھی آیا کہ جب ان کے بھائی یکے بعد دیگرے نکلتے گئے۔واضح رہے ان تمام کی مائیں مختلف تھیں۔

آپ انکے کردار کو ان ہی کے اشعار میں سنکر اندازہ لگائیں گے کہ انکو حسین کے ساتھ کس قدر گہرا لگاؤ تھا۔ لہٰذا میں نے مناسب سمجھا کہ ان کی شہادت کا الگ الگ ذکر کروں۔

(۱)عمر بن علی

والدہ:صہباء بنت عباد بن ربیعہ

آپ نے میدان کارزار میں آکر یہ رجز پڑھا۔

اضربکم ولا اریٰ فیکم زجَرَ ذات الشقی بالنّبی مدکفر

یا زَجُرَ یا زَجُرَتدان من عمر لعلّک الیوم تَبوءُ من سقر

شتر مکان فی حریق وسعر لانک الجاحدُ یا شتر البشر

اےقوم ناہنجارا! میں تم لوگوں کو قتل کردوں گا۔کہاں ہے میرے بھائی کا وہ قاتل جوز جر ملعون اور پیغمبر عربیؐ کی رسالت کا منکر ہے۔اے زجرا! اے زجرا! تو عمر سعد کے پاس کیوں جا چھپا ہے۔اے بدترین مردم! تو کافر اور منکر حق ہے''۔

اس کے بعد آپ نے اپنے بھائی کے قاتل کو واصل جہنم کیا۔مصروف جہاد ہونے پر آپ کی زبان پر یہ اشعار تھے۔

ترجمہ:اے دشمنان خدا! غضبناک چیتے سے دور ہوجاؤ وہ تم کو اپنی شمشیر سے ٹکڑوں میں تقسیم کردیگا، مرد افراد کی طرح فرار نہیں کرے گا۔

اسکے بعد آپ کا گھوڑا جب مجروح ہوکر گر پڑا آپ بھی زمین پر منہ کے بل آئے۔دشمنوں نے موقع دیکھتے ہی آپ کو شہید کردیا۔

(۲)عبداللہ اصغر بن علی

والدہ گرامی:لیلیٰ بنت مسعود۔۲۹؎

میدان کارزار میں آکر یہ رجز پڑھا:

شیخی علی ذوالفخار الاطول من هاشم الصدق الكريم المفضل

هذا حسین ابن النبی المرسَل عنه غامی بالحسام المصقل

نفدیه نفسی من اخ مبجل

آ گاہ ہو جاؤ! میرے والد علی بن ابی طالب ہیں جو صاحب فخر و بزرگی اور عترت طاھرہ بنی ہاشم ہیں اور جو صاحب صدق وکرم ہیں۔ یہ فرزند رسولؐ ہیں پس میں اپنی شمشیر آبدار سے ان کی حمایت کروں گا اور اپنی جان کو اپنے بھائی پر فدا کر دوں گا۔

اسکے بعد مصروف کارزار ہو کر زجرا بن بدر نخعی کے بے رحم ہاتھوں سے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ یہی وہ زجر تھا کہ جو عمر بن علی کے ہاتھوں سے درجہ جہنم میں جگہ پا گیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے ابوبکر بن علی ہی میدان کارزار میں اپنے بھائیوں سے پہلے نکلے۔[۳۰]

(۳) عون بن علی علیہ السلام

والدہ ماجدہ:۔ اسماء بنت عمیس

آپ نے اذن حاصل کر کے میدان قتال میں نکل کر داد شجاعت دی۔ آپ کا پلڑا اسقدر فوج یزید پر بھاری رہا کہ جسکے جدھر سینگ سمائے بھاگ کھڑا ہوا۔عون کے گھوڑے کو اسقدر زخم آئے کہ نڈھال سا ہو گیا لیکن علیؑ کے بیٹے کی شہسواری نے اسکو سنبھال کے حسینؑ کی طرف لیا۔امام حسینؑ نے عون کی پیشانی چومی۔ دوسرا گھوڑا دیا اور فرمایا جا بھائی جا! اپنے بابا کے ہاتھوں سے حوض کوثر پی لے۔عون نے عرض کیا، میرے آقا و مولا! میں صرف آپکی زیارت کا خواہاں تھا۔لہٰذا میدان سے پلٹ آیا۔ آج دیکھیے کہ آپ کا بھائی کس طرح کشتوں کے پشتے لگا دیتا ہے۔ یہ کہکر دوبارہ میدان کارزار میں نکلے۔

صاحب ناسخ کا کہنا ہے کہ جناب امیرالمومنینؑ کے عہد میں ایک آدمی کہ جس کا نام صالح بن یسار تھا، نے شراب پی لی تھی۔ جناب امیرؑ نے عون ہی کو اس پر حد جاری کرنے کا حکم دیا اور یہی صالح اپنا بغض وکینہ لیکر فوج یزید میں جب عون کو مصروف جنگ دیکھتا ہے تو رگ عصبیت پھڑک اُٹھتی ہے۔ بدلہ اتارنے کے لئے جب عون پر حملہ کر دیتا ہے تو عون تلوار کا ایک ایسا بچا تُلا وار اس پر کرتے ہیں کہ جس سے نہ صرف صالح ہی خاک وخون میں گر جاتا ہے بلکہ اسکا گھوڑا بھی زخمی ہو کر دم توڑ دیتا ہے۔صالح کے بھائی کہ جسکا نام بدر بن یسار تھا، نے جب اپنے بھائی کو خون اور ریگ پر مچلتے دیکھا تو غصہ سے بپھر کر عون پر وار کیا لیکن عون کی حیدریؑ تربیت کچھ اس انداز سے تھی کہ بدر بھی بھائی کے ساتھ جا ملا۔ آپ دونوں کے انجام کو دیکھ ہی رہے تھے کہ خالد بن طلحہ نے آپ کی بے خبری کا فائدہ اُٹھایا اور آپ کو شہید کر دیا۔[۳۱]

(۴) عثمان بن علیؑ

آپ کی والدہ: ام البنین بنت حزام کلابیہ تھیں۔

آپ نے حسینؑ سے اجازت حاصل کر کے جو رجز پڑھے ان کا فارسی ترجمہ کچھ اسطرح ہے:

آمدہ عثمان بجنگ تیغ یمان در یمین — خوردہ بقتل شما پیش برادر یمین

شامی دربر چرا تیغ کشد بر حسینؑ — نیست دلش رامگر دیدہ انصاف بین

صبح شہادت دمید وقت صبوح منست — مست شدم دمبدم ازمدح حور وعین

اس کے بعد آپ مصروف کارزار ہوئے، آپ کو یزید الطبحی نے اس وقت شہید کیا کہ جب آپ زخموں کی کثرت سے نڈھال ہو کر گھوڑے سے گرنے والے تھے۔[۳۲]

(۵) ابراھیم بن علیؑ

آپ کی والدہ ام ولد تھیں

صاحب ناسخ کا قول ہے، محمد بن علی حمزہ روایت کرتے ہیں کہ جناب امیرؑ کو ام ولد سے ایک لڑکا ہوا تھا، کہ جس کا نام ابراہیمؑ تھا۔ یہ امام حسینؑ کے ساتھ کربلا آئے اور وہاں پر شہید ہوئے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ابراہیم کی کربلا میں موجودگی کی خبر متفرد ہے اور اس خبر کو اس روایت کے بغیر اور کہیں نہیں پایا گیا۔

لیکن مندرجہ الصدر قول کے علاوہ علامہ ابن شہر آشوب نے ابراہیم کو شہدائے کربلا کی فہرست میں شامل کیا ہے۔[۳۳]

(۶) محمد الاوسط ابن علیؑ

والدہ:۔ امامہ بنت ابی العاص

جناب فاطمہؑ زہرا علیہا السلام کی وصیت کے مطابق جناب امیرؑ نے امامہ سے عقد فرمایا۔ ان سے محمد الاوسط ہوئے۔ علیؑ کا یہ لعل پہلے حسن علیہ السلام کے ساتھ رہا، ان کے بعد حسینؑ کے ہمرکاب ہوا یہاں تک کہ حسینؑ کے ساتھ ہی مدینہ سے کربلا آیا۔ روز عاشورا شدت کی جنگ کر کے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

علامہ محمد ابن جریر طبری کی روایت کے مطابق آپ کا قاتل قبیلہ بنی ابان بن دارم کا ایک شخص ہے اس نے آپ کو تیر سے شہید کر دیا۔[۳۴]

(۷) عبید اللہ بن علیؑ

آپ کی والدہ کا نام لیلیٰ بنت مسعود تمیمی تھا۔

آپ بھی کربلا میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے، زیارت شہداء میں آپ پر سلام موجود ہے۔ ۳۵؎

(۸) عبداللہ بن علیؑ

والدہ ماجدہ: ۔ام البنین بنت حزام کلابیہ

آپ نے اذن جہاد حاصل کر کے جب فوج اشقیاء کا رخ کیا تو آپ کی زبان پر یہ اشعار تھے

انا ابن ذی النجدة والا فضالِ ذاک علی الخیر ذو الفعالِ

سیف رسولِ الله ذو النِکالِ فی کل قومٍ ظاھِرِ الاحوالِ

آ گاہ ہو جاؤ! میں صاحب فضیلت وشجاعت کا فرزند ہوں، میرے والد کا اسم گرامی علی ابن ابی طالب ہے جو صاحب افعال پسندیدہ شیر خدا اور تلوار رسولؐ اور قاتل فجار وکفار تھے۔

اس کے بعد آپ عقاب کے مانندان پر ٹوٹ پڑے، بہت سے افراد کو واصل نار کیا۔آخر کار ہانی بن شبث حضرمی کے اوچھے وار سے آپ کی شہادت ہوئی۔ ۳٦؎

(۹) جعفر بن علیؑ

والدہ گرامی: ۔ام البنین بنت حزام کلابیہ

میدان قتال کی طرف گامزن ہوتے ہی آپ نے یہ رجز پڑھے

انی انا جعفر ذو المعالیِ ابن علی الخیر ذی النوالیِ

حسبی بعمی شرفاً وخالیِ احمی حسیناً ذاالندیٰ المفضالِ

اے قوم جفا کار! آ گاہ ہو جاؤ میں جعفر بن علی صاحب مراتب وبزرگی ہوں اور میرے والد گرامی نیک انسان اور صاحب بخشش وعطا ہیں۔ میرے لئے عم کی شرافت کافی ہے۔ میں اُس حسینؑ کی حمایت کرتا ہوں جو صاحب فضل وعطا ہیں۔

اس کے بعد مصروف پیکار ہوئے خولی ابن یزید اصبحی نے آپ کی آنکھ پر اس زور سے تیر مارا کہ جس سے آپکی شہادت واقع ہوئی۔ ۳۷؎

ان تمام فرزندوں کے علاوہ اور ایک فرزند کہ جن کا اسم مبارک حضرت عباس علیہ السلام ہے۔آپ کا تذکرہ مندرجہ ذیل تبصرہ کے بعد تفصیل سے لکھا جائیگا۔

اکثر افراد کے قول کے تحت کربلا میں جناب امیرؑ کے فرزندوں کی تعداد اٹھارہ بتلائی جاتی ہے۔ چنانچہ مراثی اور نوحہ جات میں بھی اٹھارہ کا تذکرہ موجود ہے۔میرے سامنے ایک مستند بیاض اور چند نوحوں کے مجموعے ہیں۔

ان کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں کہیں بھی جناب زینبؑ کے مصائب کا ذکر موجود ہے وہاں ان کے اٹھارہ بھائیوں کی شہادت کا ذکر ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب حقیقت پر مبنی ہے......؟ بیاض میں مندرج مراثی کے مصنفین یقیناً ایک عجیب سا روحانی تعلق ائمہ معصومینؑ کے ساتھ رکھتے تھے ورنہ اس حسن وخوبی اوراس انداز سے نہ صرف وزن مرثیہ جو مرثیہ کی روح سمجھی جاتی ہے بلکہ معاجز،فضائل،مصائب اور قافیہ کی ہم آہنگی انسانی حد اختیار میں مشکل ہی نظر آتی ہے۔لیکن اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود ہم ان کڑیوں کو تاریخ،تفسیر،سیرت،مقاتل اور علم رجال کے آئینہ میں کیونکر نظر انداز کرسکیں گے کہ جن کا ان جیسی کتابوں کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہ رہا ہے۔خدانخواستہ یہ نہ خیال فرمائیں کہ میں ان مصنفین کا سرے سے ہی انکار کررہا ہوں۔نہیں ایسی بات نہیں ہے بلکہ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آخر یہ مصنفین بھی ہم جیسے بشر تھے اور بشر سے لغزش کا ہونا قابل احتمال ہے لہٰذا جہاں کہیں بھی تاریخی نقطہ نگاہ کو سہواً نظر انداز کیا گیا ہو وہاں ہمارا فرض ہی نہیں بلکہ اسلام کے آئین کے تحت واجب ہے کہ ہم عوام الناس کو آگاہ کریں کہ یہ عقیدہ اور تاریخ کیلئے ایک کھلا چیلنج ہے۔اب یہ الگ بات ہے کہ ہماری تقریر یا تحریر سے عوام پر کیا رد عمل ظاہر ہوگا۔

میں اپنے ہمعصر مفکرین سے اپیل کروں گا کہ قرآنی آئین کے مطابق آپ لوگ عوام کو بتائیں عوام مانے یا نہ مانے۔یہ آپ لوگوں کا کام نہیں ہے۔آپ کے سامنے حکم الٰہی ہے:**انا ھدیناہ السبیل اما شاکرً واما کفورا**۔ہدایت کا راستہ بتانا آپ کا فرض ہے،یہ اس پر چلیں یا نہ چلیں۔صرف اتنا سمجھ لیجئے کہ وہ جملات کہ جن سے نہ صرف عقیدہ ہی مجروح ہوتا ہو بلکہ مذہبی دامن بھی داغدار ہورہا ہو۔آپ کسطرح سنیں گے؟ کیا آپ کا فرض نہیں ہے کہ آپ سنانے والے کو روکیں؟ خود راستہ نہ بتاسکتے ہوں تو کسی پڑھے لکھے مذہبی عالم کے پاس لیجائیں تاکہ آپ کی بھی صحیح رہبری ہوسکے اور سنانے والے کی بھی تصحیح ہوسکے۔

آخر میں اولاد علیؑ کے بارے میں ایک تحقیقی تبصرہ پیش کیا جاتا ہے۔ممکن ہے ناظرین ملاحظہ فرما کر صحیح راستے خود تعیین کرسکیں۔

جناب امیر علیہ السلام کے فرزندوں کی تعداد اٹھارہ تھی ان کے اسماء یہ ہیں۔۳۸؎

	نام	والدہ گرامی	محل شہادت
۱	اماحسن مجتبیٰؑ	فاطمہ زہرا علیہا السلام	مدینہ
۲	امام حسینؑ	فاطمہ زہرا علیہا السلام	کربلا
۳	محمد حنفیہ	خولہ حنفیہ	
۴	عباس الاکبر	اُم البنین	کربلا

۵	عبداللہ اکبر	اُم البنین	کربلا
۶	جعفر الاکبر	اُم البنین	کربلا
۷	عثمان الاکبر	اُم البنین	کربلا
۸	محمد الاصغر	اُم ولد	کربلا
۹	عبداللہ الاصغر	لیلیٰ بنت مسعود	کربلا
۱۰	عبداللہ	نامعلوم	بصرہ
۱۱	عون	اسماء بنت عمیس	کربلا
۱۲	یحییٰ	اسماء بنت عمیس	وفات در عہد طفلی
۱۳	محمد الاوسط	امامہ بنت ابی العاص	کربلا
۱۴	عثمان الاصغر	نامعلوم	نامعلوم
۱۵	عباس الاصغر	نامعلوم	نامعلوم
۱۶	جعفر الاصغر	نامعلوم	نامعلوم
۱۷	عمر الاکبر	صہبا بنت عباد	کربلا
۱۸	عمر الاصغر	ام حبیبہ	نامعلوم

ان تمام فرزندوں کے علاوہ جناب امیرؑ کو اور ایک فرزند بھی تھا۔ جس کا نام حضرت محسنؑ تھا۔ وقت کے تیور جب خطرناک حد تک بگڑ گئے، آل محمدؐ پر عرصہ حیات تنگ کیا گیا تو آپ بطن جناب سیدہؑ میں ہی درجہ شہادت پر فائز کر دیئے گئے۔۳۹؎

یہ تھا اولادعلیؑ کا صحیح جائزہ۔ آپ نے ان اسماء کیساتھ ساتھ یہ بھی دیکھا کہ ان میں وہ افراد کون تھے جو حسینؑ کے ہمرکاب ہو کر کربلا میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کی تعداد بھی معلوم ہوئی۔ آپ یہ اندازہ نہ لگائیں کہ ناسخ التواریخ اور سابقہ اولادعلیؑ کی شہادت میں بعض اسماء ہیں اور بعض نہیں۔ یہ بات نہیں ہے میں نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ زیارت ناحیہ میں امام زمانؑ نے جن افراد پر درود و سلام بھیجا ہے۔ ان کا ذکر آ جانا چاہیے۔ لہٰذا زیارت ناحیہ کے نامزد شہداء کی فہرست تیار کرنے میں مجھے دانتوں پسینہ آ گیا۔ پھر بھی میں درجہ ذیل مؤلفین و مصنفین کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں کہ جن کی کتابوں کی رہنمائی سے میری کوششیں بار آور ثابت ہوئیں۔ وہ مصنفین یہ ہیں:

۱۔ السید ابراہیم المیانجی مؤلف العیون العبریٰ مقتل سید الشہداء

۲۔ آقائے شیخ عباس قمی مؤلف نفس المہموم۔

۳۔احمد بن علی بن حسین مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب ال ابی طالب۔

۴۔میرزا ابوالقاسم مؤلف نفائس الاخبار۔

۵۔عبدالرزاق المقرم مؤلف مقتل الحسینؑ۔

۶۔اخطب خوارزمی مؤلف مقتل الحسینؑ۔

۷۔سید العلماء نقی صاحب مؤلف شہدائے کربلا۔

۸۔صدرالدین واعظ مؤلف ریاض القدس۔

۹۔مرحوم ملا حسین کاشفی مؤلف روضۃ الشہداء۔

رہ گیا بعض افراد کا یہ خیال کہ اٹھارہ بھائی مراد نہیں ہیں بلکہ ان سے بنی ہاشم مراد ہیں۔مگر جتنا یہ خیال لغو ہے اتنا ہی من ہمی کا سہارا لیکر دروغ بیانی کی بھی آخری حد ہے۔عرض ہے کہ اگر یہی مفروضہ مثال کے طور پر تسلیم کیا جائے تو کربلا میں بنی ہاشم کی تعداد ۱۸ اٹھارہ سے کہیں تین گنی تھی۔اگر یہ صورت حال ہے تو خوانخواہ کی سخن سازیوں کا کیا معنیٰ۔اسطرح ترتیب شدہ مفروضہ ثابت نہیں ہوسکتا ہے۔تاریخ سے چشم پوشی کرنا مذہب کے دعویداروں کے لئے گناہ ہے۔رہ گئی لسانی لغزش، یہ درگذر اسی وقت کی جاسکتی ہے جب دوبارہ اسکے صادر کرنے میں اصرار نہ ہو۔مگر اسکے باوجود ہٹ دھرمی............!

حوالہ جات

۱۔ناسخ التواریخ ج ص ۱۷ — ۲۔ریاحین الشریعہ ج ۴ ص ۱۵۵

۳۔طبری ج ۶ ص ۲۳۹ — ۴۔تنقیح المقال ج ۲ ص ۲۱۸

۵۔تاریخ طبری ج ۷ ص ۱۷۹

۶۔بحارالانوار حصہ اول ص ۲۴۲؛ ناسخ التوایخ ج ۲ ص ۳۱۷؛ مقتل الحسینؑ، عبدالرزاق ص ۳۰۳

۷۔تنقیح المقال ج ۳ ص ۱۸۳؛ بحارالانوار حصہ اول ص ۲۷۲

۸۔مقتل خوارزمی جزء ۲ ص ۲۶؛ بحارالانوار حصہ اول ص ۲۴۲؛ روضۃ الشہداء ص ۳۱۴؛ ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۳۱۸

۹۔بحاراالانوار حصہ اول ص ۲۴۳ — ۱۰۔ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۳۱۹

۱۱۔تنقیح المقال ج ۳ ص ۲۵۷؛ ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۳۲۰

۱۲۔اعیان الشیعہ ج ۴ ص ۲۵۱؛ ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۳۲۰؛ مناقب ابن شہرآشوب ج ۴ ص ۹۸

۱۳۔بحارالانوار حصہ اول ص ۲۴۳ — ۱۴۔ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۳۱۲

۱۵۔تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۱۹ — ۱۶۔ابصار العین فی مقتل الحسین، نستوری ج ۱ ص ۲۲۲

۱۷۔ بحار الانوار حصہ اول ص ۲۴۴؛ ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۳۲۱

۱۸۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۹۶

۱۹۔ امائتین فی مقتل الحسین، نستوری ج ا ص ۶۲۳

۲۰۔ عمدۃ الطالب فی انساب آل طالب ص ۲۱

۲۱۔ منتہی الامال، شیخ عباس قمی ج ا ص ۲۷۳

۲۲۔ نفس المہموم ص ۱۴۶

۲۳۔ رحمۃ للعالمین ج ۲ ص ۲۷

۲۴۔ شہداء کربلا حصہ ۳ ص ۶۴

۲۵۔ تنقیح المقال ج ۲ ص ۲۳۹

۲۶۔ ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۳۲۲

۲۷۔ بحار الانوار حصہ اول ص ۲۴۶؛ ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۳۳۰

۲۸۔ مناقب ج ۴ ص ۹۹؛ بحار حصہ ا ص ۲۴۶

۲۹۔ تنقیح المقال ج ۲ ص ۳۴۵

۳۰۔ روضۃ الشہداء ص ۳۲۹

۳۱۔ ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۲۳۹۔۲۴۰؛ روضۃ الشہداء ص ۳۳۱

۳۲۔ روضۃ الشہداء ص ۳۳۰

۳۳۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۹۹

۳۴۔ تاریخ طبری ج ۷ ص ۲۵۷

۳۵۔ تنقیح المقال ج ۲ ص ۲۴۱

۳۶۔ بحار الانوار حصہ اول ص ۲۴۸

۳۷۔ العیون العبریٰ ص ۱۶۳

۳۸۔ ناسخ التواریخ ج ۳ ص ۶۵۳۔۶۶۵

۳۹۔ الملل والنحل، علامہ شہرستانی ج ا ص ۲۵۱ طبع بمبی

سہرا

قاسم بن حسنؑ بن علی بن ابیطالب علیہ السلام

ولادت:۔ ۴۷ھ بمقام مدینہ بروایتی

حضرت قاسم کی عمر مبارک کے بارے میں صاحب ناسخ التواریخ نے لکھا ہے:

قاسم باتفاق علمائے سیر حدود تکلیف را مالك ومشرف نبود اگر چه من بنده این خبر را استوارنمی دارم لکن در تقویت خردسالی قاسم می نگارم که در تذکره الائمه مسطوراست که قاسم در یوم طف نه ساله بود۔

فبرز القاسم وله من العمر اربعة عشر سنة

اس کے بعد قاسم میدان نکلے اسوقت آپکی عمر ۱۴ سال تھی۔[۱]

فبرز كان وجهه شقة قمر وبيده السيف وعليه قميص وازار وفي رجليه نعلان فمشى يضرب بسيفه فانقطع شح نعه اليسرىٰ

و كان يوم عاشورا عمر القاسم ثلاثه عشر سنة یعنی عاشورا کے دن تیرہ سال کے تھے۔[۲]

پھر ایک لڑکا میدان میں نکلا گویا اسکا چہرہ چاند کا ٹکڑا تھا۔ اسکے ہاتھ میں تلوار تھی۔ وہ ایک قمیض، ایک پائجامہ اور دو جوتیاں پہنے تھا جن میں ایک کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا اور مجھے خوب یاد ہے کہ وہ بائیں طرف کا ہی تھا۔[۳]

قاسمؑ کا اس انداز سے میدان کارزار کو نکلنا اس بات کی عین دلیل ہے کہ ابھی آپ سن بلوغیت کو نہیں پہنچے تھے۔ ورنہ کم از کم ذرہ بکتر، تلوار، نیزہ اور گھوڑے کا ہونا تو ضروری تھا لیکن روایات میں مجھے کہیں نہیں ملا۔ ہاں اگر اسلحہ جنگ میں سے جناب قاسم کے ساتھ کچھ تھا تو وہ صرف تلوار تھی۔

آپ کی والدہ ماجدہ:۔

علامہ ابن شہر آشوب کے قول کے مطابق آپ کی والدہ ام ولد تھی۔[۴]

عبدالله و عمر و القاسم امهم ام ولد[۵]

مؤلف ابصار العین کی روایت کے مطابق ابوبکر بن الحسن اور جناب قاسم ایک ہی ماں سے تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کی والدہ کا نام ام فروہ تھا۔٦

لیکن اصلی حقیقت اور صحیح نام کیا ہے ثابت نہیں ہوتا ہے۔تقریباً تمام مقاتل اور سیر میں صرف ام ولد کہہ کر ماں کے نام کو اُجاگر کیا گیا ہے۔رہ گیا پھر رملہ کسطرح لکھا گیا۔آپ ابصار العین کی روایت کو بغور دیکھیں انہوں نے بھی لکھا ہے کہ ''کہا جاتا ہے'' اسطرح انہوں نے بھی صحیح پوزیشن نہیں بتائی۔

تعویز

قاسم کی عمر تین، دو یا ایک سال کی تھی کہ جب امام حسن مجتبیٰ نے شہادت پائی۔قبل شہادت امام حسن مجتبیٰؑ کے سامنے میدان کربلا کا پورا منظر تھا۔اسمیں حسینؑ کو بے یار و مددگار دیکھ رہے تھے۔آنسو بہہ رہے تھے۔خواہش صرف اتنی تھی کہ میں بھی ہوتا تو بھائی کے دوش بدوش محاربہ کر لیتا لیکن وقت وصال آچکا تھا۔چند وصیتیں بھائی کو کیں۔کچھ باقی رہ گیں یقیناً زوجہ کو آگاہ کیا ہوگا کہ بھیانک حالات میں تمہارا کیا کردار رہنا چاہیے۔اب بیٹا تھا، لیکن کم سن تھا۔لہٰذا آپ نے تحریری طور پر ایک وصیت نامہ مرتب فرما کر بیٹے کے بازو پر باندھ دیا۔زوجہ کو سمجھایا کہ دیکھو جب میرے بھائی پر کوئی مصیبت آجائے تو قاسم کے بازو سے تعویز اتار کر قاسم کو اس پر عمل کروانا۔

وقت کا طائر اپنے بھیانک پنجوں کے ساتھ نہایت ہی تیزی کے ساتھ گذرتا گیا۔کربلا کی فضا میں رنج و کرب کی داستانیں بنتی جارہی تھیں یہاں تک کہ عشرہ محرم آگیا، جناب قاسم کے سامنے میدان قتال تھا۔اسکے نشیب و فراز دیکھ لئے تھے۔معلوم تھا کہ جو کوئی بھی گیا واپس نہیں آیا دشمنان آل النبیؐ کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بھیانک سے بھیانک تر بنتا جارہا تھا۔لیکن جناب قاسم کا عزم و ہمت...... کہ ایک بار رنگ شہادت چہرے پر آکر گذر گیا۔دھڑکنیں شوق شہادت میں ابھرتی جارہی تھیں۔قدم اُٹھائے اور مظلوم کربلا کے سامنے آکر ذرا دیر کے لئے خم ہو کر خاموش رہے۔حسینؑ تڑپ اُٹھے، سمجھے کہ قاسم کیوں آیا ہے۔فرمایا! بیٹا کیا بات ہے......؟ قاسم نے سر اُٹھا کر ایک بار جو اپنے مشفق چچا کی طرف دیکھا تو حسینؑ فرط مسرت سے آگے بڑھے، جناب قاسم کو گلے لگایا کیونکہ حسینؑ نے جناب قاسم کے چہرے پر امنگ شہادت کی بجلیاں سی تڑپتی دیکھیں۔لیکن اذن جہاد مانگنے پر بھی حسینؑ نے تامل فرمایا اور کہا نہیں بیٹا! اب تو صرف تو ہی میرے بھائی کی نشانی ہے۔جناب قاسم نے لاکھ معذرت کی لیکن حسینؑ برابر ٹالتے رہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جسوقت شہزادہ علی اکبر نے اذن جہاد مانگا تھا تو حسینؑ نے کوئی پس و پیش نہیں فرمائی تھی۔لیکن جناب قاسم کے بار بار اصرار کو نظر انداز فرماتے گئے۔اذن جہاد نہ ملنے پر جناب قاسم نہایت ہی محزون و مغموم ہوئے، آہستہ آہستہ خیمہ میں آئے اور ایک گوشہ میں زانو پر سر رکھکر اگلے اقدام کے بارے میں غور کرنے لگے۔ناگاہ ماں کی وصیت یاد آگئی کہ بیٹا جب ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جاؤ گے۔کوئی گتھی سلجھنے والی نہ ہو تو یہ تعویز کھول

لینا۔قاسم نے تعویز کھولا،لکھا تھا:

''بیٹا!اپنی جان کو اپنے چچا کی جان پر فوقیت نہ دینا۔جب میرے بھائی حسینؑ پر کوئی مصیبت آن پڑے تو اپنی جان کو اس پر فدا کرنا یہ میری طرف سے تمہیں وصیت ہے۔تمہارا باپ حسن بن علی ابن ابیطالب''

اب کیا تھا،تیزی اور تندی کے ساتھ چلتے ہوئے امامؑ کی خدمت میں آ گئے اور تعویز دکھا کر جواب کے منتظر رہے۔حسینؑ نے تعویز کو پڑھ کر ایک سرد آہ کھینچی۔

عقد!؟

امام حسنؑ نے حسینؑ کو چند وصیتیں کی تھیں ان میں ایک دو بذیل ذکر کی جاتی ہیں:

وصیت ۱: امام حسینؑ اپنی ایک لڑکی کا عقد امام حسنؑ کے بیٹے کہ جن کا نام حسن مثنیٰ ہے، سے کریں گے۔

وصیت ۲: امام حسینؑ اپنی دوسری لڑکی کا عقد امام حسنؑ کے بیٹے کہ جن کا نام قاسمؑ ہے، سے کریں گے۔

پہلی وصیت پر تو امام حسینؑ نے مدینہ ہی میں عمل فرمایا۔حسینؑ نے اپنی بیٹی فاطمہ کا عقد حسن مثنیٰ سے کیا۔ان کے تین بیٹے ہوئے۔انکے نام یہ تھے۔عبداللہ محض۔ابراہیم غمر اور حسن مثلث۔[۷]

رہ گئی دوسری وصیت،اسکے متعلق عرض ہے کہ جب قاسم نے تعویز دکھا کر میدان قتال میں نکلنے کی راہیں استوار کیں تو حسینؑ نے جناب قاسم سے فرمایا، بیٹا! تم نے تو بابا کا وصیت نامہ دکھایا اور اب اس پر عمل کرنے جا رہے ہو۔مجھے بھی تو انہوں نے وصیت کی تھی۔مجھے بھی اس پر عمل کرنے دو۔یہ فرما کر اپنے ساتھ خیمہ میں لایا۔جناب عباسؑ اور مادر قاسمؑ کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ نئے کپڑے قاسم کو پہنائے جائیں اور جناب زینبؑ سے بھی فرمایا کہ جناب حسنؑ کے تبرکات کا صندوق لایا جائے،انہوں نے حاضر کیا۔آپ نے صندوق میں ایک قیمتی جامہ نکال کے جناب قاسم کو پہنایا۔اور اپنے ہاتھوں سے ایک خوبصورت عمامہ جناب قاسم کے سر پر باندھا۔اسکے بعد اپنی لڑکی کا ہاتھ جناب قاسمؑ کے ہاتھ میں دیکر فرمایا کہ یہ میرے بھائی کی وصیت تھی۔یہ تمہاری بیوی اور تمہاری امانت ہے۔[۸]

وہ افراد جو کربلا کے اس طلاطم خیز ماحول میں عقد قاسم ماننے سے منکر ہیں، یقیناً غلط فہمی کے شکار ہیں۔یاد رکھنا چاہیے شادی بیاہ رسوم سے نہیں بلکہ شرعی حدود سے طے کی جاتی ہے۔حسن مثنیٰؑ کی شادی کے وقت مدینہ کے پرسکون ماحول میں جو کچھ بھی کیا گیا ہو، وہ قطعی کربلا میں نافذ العمل نہیں ہوا ہے۔کیونکہ دونوں جگہوں کے ماحول کا فرق واضح ہے۔آپ یاد رکھئے کہ عقد اسلام کے دستور میں ایک آئینی رشتہ ہے جو بہر صورت بمطابق وصیت حسینؑ کو پورا کرنا تھا۔ممکن تھا کہ اس سے پہلے ہی یہ فرض انجام دیا گیا ہوتا لیکن قاسم کی عمر قطعی اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ اس سے پہلے یہ فرض انجام دیا جاتا۔دوسرا اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ حسینؑ کی تو صرف دو لڑکیاں تھیں۔

ایک تو بیمار تھیں اور وہ مدینہ میں ام سلمہ کے پاس تھیں اور دوسری جناب سکینہ۔ اگر قاسم کا عقد جناب سکینہ سے ہوا ہے تو وہ کربلا میں صرف تین سال کی تھیں اور اتنی کمسن بچی کو عقد کی بھول بھلیوں میں باندھنا خلاف عقل ہے۔

میرے خیال میں یہ سوال جتنا لغو اور احمقانہ ہے۔ اتنا ہی تاریخ ناشناسی کی بین دلیل بھی۔ حسینؑ کی چار بیٹیاں تھیں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل روایت سے پتہ چلتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

کمال الدین کہتے ہیں کہ حسینؑ کے بیٹے اور بیٹیوں کی کل تعداد دس تھیں۔ ان میں سے چھ بیٹے تھے اور چار بیٹیاں۔ ۹

علامہ جزائری نے صرف تین لڑکیوں کا تذکرہ کیا ہے ان میں ایک سکینہؑ، دوسری فاطمہ صغریٰ اور تیسری رقیہؑ ہے۔ ۱۰

اسی شمارے کے صفحہ ۶۷ پر ادارہ کی طرف سے (جدول حالات حضرت امام حسینؑ) کے عنوان سے ایک مضمون چھپا ہے، اسمیں ان چار لڑکیوں کے نام مندرج کردئے گئے ہیں: حضرت سکینہؑ فاطمہؑ صغریٰ۔ فاطمہ کبریٰ اور رقیہ۔

آقائے شیخ ذبیح محلاتی تحریر فرماتے ہیں کہ آپکی کل چار لڑکیاں تھیں۔ ان کے نام یہ تھے:

(۱) علیا مخدرہ سکینہ بنت الحسین علیہا السلام
(۲) علیا مخدرہ فاطمہ بنت الحسین علیہا السلام
(۳) علیا مخدرہ رقیہ بنت الحسین علیہا السلام
(۴) علیا مخدرہ فاطمہ صغریٰ بنت الحسین علیہا السلام ۱۱

علامہ جزائری نے صرف فاطمہ کبریٰ کا نام نہیں لکھا ہے۔ اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ انکا وجود سرے ہی سے نہ تھا، نہیں، ان کا وجود تھا اور ان ہی کا عقد حسن مثنیٰ سے ہوا تھا اب رہ گیا کہ آیا کربلا میں جناب قاسم کا عقد ہوا تھا کہ نہیں۔ اس امر کو واضح کرنے میں ہر سیر تاریخ اور مقتل نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ان تمام افراد کے اقوال سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انکار کی ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں رہتی ہے آپ ان کتابوں کو کس طرح نظرانداز فرمائیں گے۔

یقیناً یہ عقد آئین اسلام کے دائرے میں تھا۔ وہ تصور جو افراد عامہ کو عقد و نکاح کے بارے میں ہے۔ اس سے یہ عقد بری ہے۔ یہ ایک غم انگیز اور رقت آمیز عقد تھا اس میں ہمارے ہاں کے غیر شرعی افعال و اقوال کا کیا دخل ۱۲

اگر صرف اتنا ہی تصور کیا جائے کہ جناب قاسم کی شادی کربلا میں اسلامی منشور کے تحت قرار دی گئی تھی تو یہ عقدہ خود بخود کھلتا جائے گا۔ کیا حسینؑ ابن علیؑ جو تاویل قران ہی کے خاطر قربان گاہ پر سر رکھتے ہیں، ان جیسے افعال کو اپناتے۔ میں نے اسی عنوان کے تحت لکھا ہے کہ یہ ایک آئینی رشتہ ہے جو بموجب وصیت حسینؑ نے اپنایا اور آئین

اٹل ہوتا ہے۔ وہ رسم ورسوم کی تاویلات کا محتاج نہیں کہ جب تک رسوم نہ اپنائے جائیں آئین مکمل نہیں ہوگا۔

اب رہ گیا وصیت کا سوال۔ ظاہر ہے کہ وصیت اگر حد اختیار میں ہوتو عمل کرنا واجب ہے اور یہ فقہی مسئلہ ہے جسکو تقریباً تمام مجتہدین عظام نے اپنے اپنے رسائل میں ذکر کیا ہے۔

امام حسنؑ وصیت کر رہے ہیں کہ ان کے لڑکوں کی شادیاں حسینؑ کی لڑکیوں سے کی جانی چاہیے۔ حسینؑ بھائی کی وصیت سن رہے ہیں یعنی بوقت وصیت حسینؑ موجود ہیں۔ ہاں اگر موجود نہ ہوتے تو کہہ دیا جاتا کہ یہ غلط ہے لیکن معاملہ اسکے برعکس ہے۔ اب دیکھئے جن جن کتابوں میں عقد کا کیا جانا دکھایا گیا ہے۔ ہاں عقد کے آگے پیچھے وصیت کا بھی ذکر موجود ہے۔ اب یہ کس طرح ممکن تھا کہ ایک بیٹی کا نکاح مطابق وصیت حسن مثنیٰ سے کیا گیا اور دوسری وصیت کو نظر انداز کیا گیا۔

مجتہد العصر سرکار سید العلماء مولانا السید علی نقی نقوی نے وقت کے جلیلُ القدر مولفین اور مفکرین کا اس بارے میں کیا خیال ہے کے بارے میں لکھا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جناب قاسم کا عقد کربلا میں ہوا تھا۔ ۱۳

اب بھلا آپ کے کہنے یا کسی اور کے اعتراض سے حقیقت پر پردہ کیسے ڈال دیا جاسکتا ہے۔

طلب رخصت اور جنگ

ریاض القدس نے جناب قاسم اور آپکی بیوی کے طویل مقالہ کے بعد لکھا ہے کہ جب جناب قاسم میدان قتال کی طرف نکلے تو بیوی نے دامن پکڑا اور عرض کیا کہ قیامت کی ہولنا کیوں میں مجھے ضرور تلاش کرنا۔ میرے خیال میں یہ فقرات صحیح ہیں کیونکہ جو رشتہ دائمی بن رہا تھا موت کے بے رحم ہاتھوں نے جلدی منقطع کر دیا۔ چند لمحوں کے رشتہ سے کیا کچھ ان دونوں پر گذری، ایک دردناک داستان ہے۔ سہرا جو ابھی ابھی باندھا گیا تھا خاک وخون میں غلطان ہوتے دیکھکر بیوی میں تاب مقاومت نہیں رہی ہوگی لیکن جناب قاسم کے شوق شہادت کا یہ عالم تھا کہ بار بار آگے بڑھ رہے تھے۔ حسینؑ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے سر پر عمامہ باندھا۔ اسکے دونوں گوشے سینہ پر لٹکائے۔ آپ کے پیراہن کو بصورت کفن چاک کر دیا اور فرمایا ''بیٹا جا! اب عروس شہادت سے ہمکنار ہو جا......!''

جناب قاسم میدان میں آئے......آپ کا چہرہ ماہ تابان کی طرح دمکتا تھا۔ چہرے پر شہادت کی سرخی عود کر آئی تھی۔ میدان قتال میں نکلتے ہی آپ نے یہ رجز پڑھے:

ان تنکرونی فانا ابن الحسن   سبط النبی المصطفیٰ المئوتمن

ھٰذاحسین کالا سیر المرتھن   بین اناس لا سقوا صوب المزن

اے قومِ بدکردار! اگر میرے حسب ونسب سے جاہل ہوتو آگاہ ہو کہ میں قاسم بن حسن ہوں اور یہ حسین میرے عم بزرگوار ہیں جو اس دشت غربت میں قیدیوں کے مانند اس گروہ جفاء کار میں گرفتار ہیں۔ یاد رکھو! خدا تجھے

کبھی بھی ابر رحمت سے سیراب نہیں کرے گا۔

اسکے بعد آپ بیک وقت میمنہ اور میسرہ پر ٹوٹ پڑے۔ ناسخ التواریخ نے شرح شافیہ کی روایت کا سہارا لیکر لکھا ہے کہ فوج یزید میں سے ایک آدمی بہادر، نڈر اور سور ما نکلا۔ یہ آدمی ایک ہزار سواروں پر بھی بھاری تھا۔ جب جناب قاسم کے مقابلے میں آیا تو آپ نے صرصر عاصف (تندوتیز) بنکر اس پر ایسا تلوار کا بھر پور ضرب مارا کہ اس کو گھوڑے سمیت دوٹکڑے ہوگئے اس حملہ میں آپ نے تقریباً اسی ٨٠ آدمیوں کو قتل کیا۔

عمر سعد ازدی نے یہ دیکھکر لشکر سے کہا، بخدا! میں اس لڑکے کو قتل کر دوں گا۔ لوگوں نے کہا سبحان اللہ! تو کیا سنگدل ہے۔ دیکھو عمرو! یہ لوگ جو اسکو گھیرے میں لائے ہیں کافی ہیں۔ لیکن اس نے نہیں مانا اور آگے بڑھ کر جناب قاسم کی بےخودی کا فائدہ اُٹھا کر آپ نے تلوار سے حملہ کیا ضرب کارگر ہوگئی۔ زخموں کی شدت تو پہلے سے تھی۔ اس پر تلوار کے کاری ضرب نے آپ کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا اور آپ ریگزار کربلا پر گر پڑے۔ آپ نے اپنے چچا کو بے اختیار ہوکر آواز دی۔ یا عماہ! ادرکنی! حسینؑ عقاب کے مانند آئے اور جناب قاسم کے قاتل پر تلوار کی ضرب ماری کہ جس سے قاتل کا بازو کہنی سے جدا ہوا۔ اس نے درد و کرب کی وجہ سے ایک وحشتناک چیخ ماری۔ فوج کوفہ اسکو بچانے کے لئے آگے بڑھی۔ ادھر سے علیؑ کا شیر دل فرزند تلوار لیے ہوئے آگے بڑھے، گھمسان کا رن پڑا۔ بہت سے لوگ قتل ہوئے۔ لیکن جنگ اور فرار کی افراتفری سے زمین پر پڑے ہوئے جسم اطہر کو گھوڑوں کی ٹاپوں نے کچل کے رکھدیا۔ حسینؑ نے فوج کے فرار کو دیکھکر جب جناب قاسم کی طرف توجہ کی تو ایک آہ سرد بھری، آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب پھوٹ پڑا۔ آگے بڑھے، جناب قاسم کا سر اپنے زانو پر رکھا اور نہایت ہی دردناک لہجے میں فرمایا! بیٹا! بخدا! تیرے چچا کے لئے یہ دشوار ہے کہ تو اسکو مدد کے لئے پکارے اور وہ مدد نہ کر سکے۔ اسکے بعد آپ نے لاش کو اٹھایا، تاریخ گواہ ہے کہ بے رحم افواج نے جناب قاسم کی لاش کو اس قدر دردناک بنا دیا تھا کہ حسینؑ نے جب چاہا کہ جسم قاسم کو خیمہ تک لیجاؤں تو حالت یہ تھی کہ سینہ کو سینہ سے لگایا اور پاؤں اس معصوم کے زمین پر خط دیتے جاتے تھے یہاں تک کہ عروس شہادت سے ہمکنار ہونے والے دُولہے کو باقی شہداء کے ساتھ سجا کے رکھ دیا۔ [۳،۲،۱]

آپ کا قاتل عمرو بن سعد ازدی تھا۔

حوالہ جات

۱۔ مقتل ابی مخنف ص ۲۵
۲۔ العیون العبریٰ ص ۱۶۱
۳۔ تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۵۶؛ اعلام الوریٰ ص ۱۴۶

۴؎ مناقب ج۳ص۵۸

۵؎ اعیان الشیعہ ج۳ص۲۴۰؛طبری ج۶ص۲۶۹؛مقتل ابی الفرج ص۳۴

۶؎ ابصارالعین ص۳۶

۷؎ ناسخ التواریخ ج۲ص۳۲۳

۸؎ روضۃ الشہد ا ص۲۲۱۔۲۲۲

۹؎ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ ج۲ص۲۱۴

۱۰؎ ماہنامہ سفینہ، سرینگر محرم الحرام جلد۵ سال ۱۳۸۵ھ صفحہ۱۸۲

۱۱؎ ریاحین الشریعہ، ذبیح محلاتی ج۳ صفحات ۲۵۶، ۲۸۱، ۳۰۹ اور ۳۱۶

۱۲؎ انفائس الاخبار ص۲۹۲؛ روضۃ الشہد ا ص۳۲۲؛ شہدائے کربلا حصہ۳ص۸۷؛ ریاض القدس ج۲ص۴۳۔۴۵؛
انوارالمجالس ج ا ص ۸۷؛ انتخاب المصائب ص۷۰

۱۳؎ مجاہدہ کربلا، سید علی نقی نقوی ص۲۷۹۔۲۸۶

۱۴؎ ذخیرۃ الدارین ص۱۵۲؛ ابصارالعین ص۳۸؛ العیون العبریٰ ص۱۶۱؛ نفس الہموم ص۱۴۸؛ بحارالانوار حصہ اول ص۲۴۵

شیرِ غاضریہ

حضرت عباس بن علی بن ابیطالب علیہ السلام

کالجبل العظیم وقلبه کا لطور الجسیم لانه کان فارسًا هماما وبطلا ضرغاماً و کان جسوراً اعلی الطعن والضرب فی میدان الکفار والحرب

جناب عباس بن علی بن ابیطالبؑ ایک کوہ بزرگ کے مانند تھے دل ان کا پہاڑ جیسا تھا اس لیے کہ وہ شہسوار اور شیر دل جوان تھے، اور کفار کے مقابلے میں تیر و شمشیر چلانے میں بڑے دلیر تھے۔

ابوالفرج اصفہانی

ولادت:۔ ٢٦ھ بمقام مدینہ منورہ

والد ماجد: علی ابن ابی طالبؑ

جناب عباس نے چودہ برس جناب امیرؑ کے ساتھ گذارے۔ اپنے مشفق بابا کی شہادت کے بعد دس برس اپنے بھائی امام حسنؑ کی زیر تربیت میں رہے۔ آپ کی شہادت کے بعد دوسرے بھائی امام حسینؑ کے سایہ عاطفیت میں آئے۔ اس طرح آپ کی عمر وقت شہادت ۳۴ بن جاتی ہے اور یہی میرے نزدیک بھی صحیح ہے چنانچہ اسکا تذکرہ آگے آئے گا۔

والدہ ماجدہ: ام البنین

ام البنین فاطمہ بنت حزام بن خالد بن ربیعہ عامر المعروف بالوحید ابن کلاب بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن صعصہ۔[1]

تاریخ اور مقاتل دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ امامہ اور خولہ کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد جناب امیرؑ نے اپنے بھائی عقیل کو بلا کر فرمایا۔ اے بھائی! تو انساب عرب میں ماہر ہے۔ میری دلی تمنا ہے کہ تو عرب میں کوئی ایسی لڑکی تلاش کر لے جو خاندانی حسب و نسب کے اعتبار سے بھی اچھی ہو اور شجاعت و بے خوفی کی آئینہ دار بھی ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ اس طرح مجھے ایسا بچہ پیدا ہو جائے جو نڈر، جوانمرد، بے خوف، شہسوار اور بہادر ہو۔ جناب عقیل نے عرض کیا بھیا! وحید بن کعب اور کلاب بن ربیعہ خاندان میں یہ تمام اوصاف بدرجہ اتم موجود ہیں لہٰذا ان ہی کے

خاندان میں سے کوئی لڑکی موزون اور مناسب رہے گی۔ چنانچہ عقیل کے مشورے پر جناب امیرؑ نے ام البنین سے عقد فرمایا۔۲

امام البنین کے کل چار فرزند تھے:

۱۔حضرت عباس	وقت شہادت عمر ۳۴ سال
۲۔عبداللہ	وقت شہادت عمر ۲۵ سال
۳۔عثمان	وقت شہادت عمر ۲۳ سال
۴۔جعفر	وقت شہادت عمر ۲۱ سال

یہ چاروں بھائی کربلا میں حق کی حمایت میں شہید کر دیئے گئے۔۳

اسم:

عباس:۔ یہ اسم آپ کو جناب امیرؑ نے بروزن فعال رکھا ہے۔

عبّاس:۔(ب کو تشدید دیکر) بمعنی شیر۔۴

عباس:۔ترش رو۔شیر۵

منتہی الادب لغت میں عباس بفتح وتشدید ثانی کا معنی شیر درندہ ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جناب امیرؑ بخوبی امر امامت سے اس کا علم رکھتے تھے کہ جناب عباس کی شجاعت بے نظیر ہوگی۔لہٰذا عباس نام رکھکر واضح کر دیا کہ حق وصداقت کی جب جلوہ نمائی کی جائیگی تو بنی امیہ میرے شیر کے مقابلے میں لومڑیوں کی طرح بھاگ جائیں گے۔

کنیتیں

ابوالقربه: آپ بچپن ہی سے پیاسوں کو سیراب کیا کرتے تھے لہٰذا خانوادہ بنی ہاشم میں ابوالقربہ کے نام سے پکارے جانے لگے۔

اطلس: شجاع، درندگی وغیرہ۔اسکا مطلب یہ ہے کہ بچپن ہی سے آپ دین حق کی مخالفت کرنے والوں کیلئے اطلس قرار پائے تھے۔جسکا زندہ ثبوت کرب وبلا میں تاریخ اور احادیث جانبین سے ملتا ہے۔

قمر بنی هاشم: آپ کا چہرہ کالی راتوں میں ایسے لگتا تھا کہ جیسے بدلیوں میں سے چاند نکل آیا ہو۔ آپ حسن اور خوبصورتی کے ماتھے پر ایک تابندہ ہیرا تھے۔

ابوالفضل: آپکے ایک بیٹے کا نام فضل تھا۔اسی وجہ سے آپ کی کنیت ابوالفضل قرار پائی۔

علمبردار: گبن کہتا ہے: جب میں افواج حسینیؑ پر نظر کرتا ہوں تو مجھے ایسا کوئی نہیں نظر آتا ہے جو فوجی کہلا سکتا۔البتہ ایک ہستی ایسی ضرور تھی جو فوج کے لئے ہر طریقے سے موزون تھی اور وہ تھے عباس بن علیؑ۔امام حسینؑ

نے انکو علم عطا کر کے علمبر داری کا عظیم شرف عطا کیا تھا۔٦؎

حضرت علی اور حضرت عباسؑ

جس طرح جناب امیر کی تربیت بنفس نفیس جناب رسالتمآبؐ نے فرمائی تھی اسی طرح جناب عباسؑ کی تربیت بھی جناب امیرؑ کے ہاتھوں ہوئی تھی ظاہر ہے۔علی علیہ السلام شجاعت کے مرکز،فصاحت کے منبع اور بلاغت کا بہتا چشمہ تھے۔لہٰذا قدرتی بات ہے کہ جناب عباسؑ نے بھی وہی کچھ سیکھا ہوگا جو اپنے والد کے اصول تھے۔میدان کارزار کا سورما،فصاحت کا شہسوار اور بلاغت کا تیرانداز سامنے ہوتو عباس کیونکر نہ اپنی تمام تر توجہ ان ہی خصائل کی طرف مرکوز کریں۔جب مدینہ کی حالت جناب امیرؑ کے خلاف روز بروز بگڑتی گئی تو جناب عباس کمسنی کے عالم میں یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔۹ برس تک جناب عباس کی نگاہوں میں جناب امیرؑ کی گوشہ نشینی تھی۔پھر جب جناب امیر ظاہری تخت خلافت پر جلوہ فگن ہوئے،اسوقت سے لیکر جمل،صفین اور نہروان کی بھیانک منزلوں تک جناب عباس سن بلوغیت تقریباً پار کر چکے تھے۔یعنی ۹ برس کی عمر شریف سے لیکر ۱۴ برس کی عمر شریف تک جناب عباس اپنے مشفق بابا پر پڑنے والے مصائب کو خندہ پیشانی سے دیکھ رہے تھے۔جناب امیرؑ درجہ شہادت پر فائز ہوئے تو جناب عباس ۱۴ برس کے تھے۔شاید یہ وجہ رہی ہو کہ جناب امیر نے جس مقصد کے لئے جناب عباس کو پالا تھا،آپ کو اسکا احساس تھا لہٰذا وقت کے منتظر رہے۔

حضرت امام حسنؑ اور حضرت عباسؑ

وقت نزع حضرت علیؑ نے اپنے بیٹے جناب عباس کو بلایا اور فرمایا بیٹا! تمہیں تمہارا مقصد اپنے سے زیادہ عزیز ہونا چاہیے،بھائیوں کے لئے اپنی ہر تمنا قربان کر دینی چاہیے۔

صلح امام حسن مجتبیٰؑ سے جو لوگ برگشتہ ہو چکے تھے،ان کا کام ہی یہ رہ چکا تھا کہ وہ آپ پر طعن و تشنیع کریں جناب عباسؑ کو اپنے بھائی امام حسنؑ نے سپہ سالار مقرر کیا تھا۔معاویہ کی مکارانہ پالسی سے حالت بد سے بدتر ہو چکے تھے۔آل رسولؐ اور آپ کے ماننے والوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جارہا تھا ہر وقت خطرات منڈلاتے رہتے تھے۔لہٰذا جناب عباسؑ ہمہ وقت تلوار لئے ہوئے امام حسنؑ کے سامنے رہا کرتے تھے کہ مبادا کسی دشمن دین سے امام کو گزند پہنچے۔آپ کی شجاعت کی یہ بین دلیل ہے کہ دشمن نے آپ کو محافظ مقرر ہوتے جب دیکھا تو کسی میں یہ ہمت ہی نہ پڑتی تھی کہ وہ امام حسنؑ تک پہنچ جاتا۔

امام حسنؑ کو جب امیر معاویہ نے جعدہ بنت اشعث کے ہاتھوں زہر دلوایا تو بمطابق وصیت امام حسینؑ نے آپ کے جنازے کو جنت البقیع میں دفن کرنے کے لئے لیا۔حالات اس حد تک اہلبیت رسولؐ کے خلاف بنا دیئے

گئے تھے کہ آپ کے جنازے پر تیر باران کیا گیا یہ جگر خراش منظر دیکھ کر جناب عباسؑ نے غیظ وغضب کے عالم میں تلوار کو نیام سے کھینچا اور چاہا کہ اس انسانیت سوز حرکت کا بدلہ لیا جائے کہ حسینؑ نے جناب عباسؑ کو ایسا کرنے سے منع کیا۔ بھائی نے بھائی کا حکم جب سنا تو خاموشی سے تلوار کو دوبارہ نیام میں ڈال دیا۔

حضرت امام حسنؑ کے دور میں جناب عباسؑ یتیموں، ناداروں، اپاہجوں، اندھوں اور کسمپرسوں کی ہمہ وقت خبر گیری کیا کرتے تھے، ان کے ساتھ اُسی طرح پیش آتے تھے جس طرح جناب امیرؑ پیش آیا کرتے تھے۔

جس شخص کی کوئی بھی حاجت ہوتی تھی وہ جناب عباس ہی کے ذریعہ امام حسن تک پہنچائی جاتی تھی۔ براہ راست کوئی نہیں آسکتا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کا لقب باب الحوائج پڑ گیا۔

امام حسنؑ جب حسینؑ اور عباسؑ کو داغ مفارقت دے گئے اسوقت جناب عباسؑ کی عمر شریف ۲۴ سال کی تھی۔

حضرت امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ

حسینؑ نے بھائی کے صلح نامے کو برقرار رکھا۔ گو کہ آپ کو بخوبی علم تھا کہ معاویہ نے صلح نامہ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا لیکن اسکے باوجود آپ نے امام حسنؑ کے صلح نامے پر برقرار رہنے کا عزم فرمایا اور جب آسمان جبر وظلم کا منحوس ستارہ غروب ہوا تو یزید برسر اقتدار آیا۔ بیعت کے سلسلے میں جب اس شقی الازلی نے حاکم مدینہ کو لکھا تو حسینؑ حاکم مدینہ کے دربار میں گئے اور آواز جب بلند ہوئی تو جناب عباس مردانہ وار بنی ھاشم کو لیکر گھُس آئے۔ چنانچہ یہ واقعہ تفصیل سے اسی کتاب میں ذکر کر چکا ہوں۔

مدینہ سے جب حسینیؑ قافلہ بطرف کربلا عازم سفر ہوا تو یہ عباسؑ ہی تھے کہ جس نے جناب زینبؑ کو سوار کیا، کربلا میں جب اُترے تو عباسؑ ہی نے اتارا۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب شمر نے جناب عباسؑ سے یہ کہا کہ خیمے جولب فرات نصب کر دیئے گئے ہیں انکو اکھاڑ دو تو جناب عباسؑ غصہ میں آئے۔ تلوار نیام سے فوراً کھینچ لی۔ ایک خط زمین کربلا پر کھینچا اور کڑے تیوروں سے فرمایا بخدا شمر! اگر تو اس لکیر سے ایک آدھ قدم بھی آگے بڑھا تو تیری گردن اڑا دوں گا۔ حسینؑ نے جناب عباسؑ کو جب پیچ وتاب کھاتے دیکھا تو فوراً جناب زینبؑ کے پاس آئے۔ ماجرا بیان فرما کر ارشاد کیا کہ میں نہیں چاہتا ہوں کہ میری طرف سے جنگ میں پہل ہو جائے۔ لہٰذا ایسا کرو کہ کسی کو بھیج کر جناب عباسؑ کو بلاؤ۔ جناب زینبؑ نے اپنی ماں کی کنیز جناب فضہ کو ارشاد فرمایا کہ عباسؑ کو کہدو کہ تمھیں بہن بلا رہی ہے۔ فضہ نے جناب زینبؑ کا فرمان جناب عباسؑ تک پہنچایا لیکن شمر کی گستاخی کو مدنظر رکھتے ہوئے جناب عباسؑ نہیں آئے۔ دوسری مرتبہ جناب زینبؑ نے جناب فضہ کے ذریعہ جناب عباسؑ کو کہلوایا کہ اگر اب کی بار میرے بھائی عباسؑ نہیں آئے تو میں میدان میں نکل کر خود آؤں گی۔ جناب عباس نے جناب فضہ سے جب بہن کا کلام سنا

تو تڑپ اُٹھے۔آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب امنڈ پڑا۔خیمہ میں آئے جناب زینبؑ کے قدموں پر تلوار رکھی اور عرض کیا۔بہن!عباس کے ہوتے ہوئے تمہیں خیمہ سے نکلنا نہیں ہو گا۔

جناب عباسؑ کا عقد نکاح

آپ کی بیوی کا نام لبابہ تھا۔آپ عبداللہ بن عباس بن عبداللہ المطلب کی صاجزادی تھیں اغلب گمان یہ کیا جاتا ہے کہ جب جناب عباسؑ کی شادی کر دی گئی تو اس وقت آپ کی عمر شریف تقریباً بیس سال کی تھی اور میرے نزدیک بھی یہی صحیح ہے اس طرح آپ کی شادی حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد قرار پائی ہے۔

اولاد

مورخ مسعودی نے تحریر کیا ہے کہ آپ کی کل پانچ اولادیں تھیں: عبیداللہ،فضل،حسن،قاسم اور ایک لڑکی جسکا نام حدائق الانس تھا۔ے

علامہ سید محسن عاملی صاحب تحریر فرماتے ہیں: محمد بن العباس بن علی اور عبیداللہ بن العباس بن علی یہ دونوں جناب عباس کے فرزند تھے۔۸

الحاج عماد الدین اصفہانی اپنی مایہ ناز تالیف زندگانی قمر بنی ھاشم میں **تحفة الجلالیه** صفحہ ۱۰ تا ۱۱ کی روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جناب عباسؑ کی شہادت کے بعد آپکے دو فرزند تھے ایک عبداللہ اور دوسرے فضل۔فضل ہی کی وجہ سے جناب عباس کی کنیت ابوالفضل قرار پائی ہے۔۹

فضل لاولد فوت ہوئے لیکن عبیداللہ کے جو کمالات اور جمالات معروف تھے۔آپ پچپن سال کی عمر میں فوت ہوئے آپ کے دولڑکے تھے ایک کا نام عبداللہ اور دوسرے کا نام جعفر تھا۔

بعض مورخین نے جناب عباس کی چار اولادیں لکھی ہیں جن میں سے ایک قاسم بھی ہیں اور آپ کی شہادت کربلا میں ہوئی۔

اب چند واقعات تاریخ طبری سے ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں:

پہلا واقعہ

جب امام حسینؑ پر پانی کی ایک آدھ بوند بھی بند کر دی گئی تو آپ نے جناب عباسؑ سے فرمایا۔بھیا!اگر ممکن ہو سکے تو ان پیاسے اطفال کے لئے پانی کا بندوبست کرلو۔جناب عباسؑ نے چند مجاہدین کو مع مشکیزے لیکر فرات کی راہ لی۔پانی بھر کے فوج حرکت میں آ گئی۔لیکن ان مجاہدین کی قیادت حضرت علیؑ جیسے ماہر جنگ کے فرزند کے سُپرد تھی۔لہٰذا فوج کی کوئی چال کارگر نہ ہوئی اور پانی خیمہ تک صحیح وسالم پہنچ گیا۔

دوسرا واقعہ

عمرو بن سعد کے حکم پر فوج قتل حسینؑ کے لئے آگے بڑھی۔ یہ دسویں محرم کی شب تھی۔ حسینؑ نے اپنے بھائی جناب عباس کو ان کی طرف صرف اس غرض سے بھیجا کہ آج کی شب عبادت کے لئے کھلی چھوڑ دی جائے۔ خطیب اعظم کا خطیب بیٹا فوج کے پاس آیا۔ تھوڑی سی ردوکد کے بعد ایک شب کی مہلت مانگ کر کامیاب وکامران لوٹ آئے۔

تیسرا واقعہ

شمع گل کر دی گئی۔ حسینؑ فرمانے لگے۔ تم لوگوں کو اب بخوبی علم ہو گیا کہ دشمن کے ارادے ہمارے متعلق کیا ہیں۔ لہٰذا میرے مشورے کے مطابق آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں۔ غیرت مند باپؑ کا غیرت مند بیٹا عباسؑ کھڑا ہوا اور عرض کیا۔ میرے سید وسردار! ہمارے لئے آپ کا صرف اتنا ہی ارشاد تازیانہ ہے۔ خاک ہے اُس زندگی پر جو آپ کے سایہ کے بغیر گذرے۔

چوتھا واقعہ

یکہ وتنہا شیر غاضریہ فرات میں نرغہ اعداء کو چیر پھاڑ کر داخل ہوا، گھوڑے کی لگام صرف اس لئے ڈھیلی چھوڑ دی تا کہ یہ پانی پیئے۔ لیکن راکب باوفا کا مرکب منہ اٹھائے ہوئے فرات کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ شاید زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ جب میرا راکب پانی نہیں پیتا ہے تو مجھے حق ہی کہاں پہنچتا ہے۔ جناب عباسؑ نے گھوڑے کا حال جب دیکھا چلو میں پانی بھرا جونہی منہ کے قریب لے آئے تو آنکھیں ان بچوں کی تصویریں نظر آئیں جو تین دن سے العطش العطش کی صدائیں بلند کئے ہوئے تھے۔ غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ اپنی پیاس کو بجھائیں اور بچے پیاسے رہیں۔ پانی کو دوبارہ فرات کی طرف اچھال دیا اور پیاسے ہی نکل آئے۔

پانچواں واقعہ

شمر کے ہاتھ ام البنین کے قبیلے کے ایک بااثر آدمی کی طرف سے جناب عباس کو امان نامہ آجاتا ہے۔ لیکن کیا کہنے وفا کے آپ نے نہ صرف شمر کو ہی نصرت امام نہ کرنے کی تحریک میں مایوس کر دیا۔ بلکہ امان نامہ کو یہ کہہ کر بھی ٹھکرا دیا کہ میں اُس امان کو لیکر کیا کروں کہ جسمیں میری سلامتی تو ہو لیکن فرزند رسولؐ کیلئے نہیں۔[١]

جناب عباس کا اجمالی تعارف

وهو كان رَجُلاً وسيماً جميلاً يقالُ له قمربنى هاشم لحسنه وبهائهٖ وبطلاً ضرغاماً جَورُاً علىٰ طعن الرماح والضرب فى ميدان الكفار.

جناب عباس ایسے حسین وسیمن بدن اور ماہ طلعت تھے کہ بسبب کمال حسن و جمال کے اہل مدینہ اس نوجوان عدیم المثال بدرِ کمال کو قمر بنی ہاشم کہہ کے پکارتے تھے۔اورفنون سپہ گری مثل شمشیر زنی وتیر انگنی ونیزہ بازی میں اپنا مثل ونظیر نہ رکھتے تھے۔

سقائی

ایک دفعہ امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ مسجد کوفہ میں خطبہ فرمارہے تھے۔امام حسینؑ اور جناب عباسؑ بھی خطبہ سننے میں ہمہ تن گوش تھے۔جناب امیرؑ کا ایک خادم کہ جسکا نام قنبرؓ تھاان کے ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے۔حسین نے قنبرؓ سے پانی مانگا،قنبرؓ اسقدر خطبہ سننے میں مستغرق تھے کہ اس نے جناب حسینؑ کی آواز ہی نہیں سنی۔جناب عباسؑ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور مسجد سے باہر کہیں سے پانی اس حالت میں لایا کہ چہرہ اقدس سے اپنے آقا ومولا کی تشنگی کی وجہ سے اضطراب ہویدا ہورہا تھا بلکہ تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ ساغر سے پانی چھلک چھلک کر چہرہ مبارک کو تر کرتا جارہا تھا۔جب جناب امیر المومنینؑ نے جناب عباسؑ کی یہ حالت دیکھی تو بےاختیار آنسو بہہ نکلے۔

شیر غاضریہ

فخر الواعظین حضرت مولانا مولوی محمد عباس صاحب نے جناب عباسؑ کی شہادت کا نقشہ اپنے ایک مضمون میں یوں کھینچا ہے:

جناب عباسؑ نے اپنی آنکھوں سے بھائیوں کو تڑپتے ہوئے دیکھا۔تو خود بھی حسینؑ کے پاس آئے۔عرض کیا۔آقا!اب آپکی بیکسی دیکھی نہیں جاتی۔اذن جہاد چاہتا ہوں......!حسینؑ نے فرمایا بھیا عباسؑ !تم تو میری جان ہو۔میرے لشکر کے نشان ہو۔تم علمدار ہو۔کیونکر تمہیں مرنے کی اجازت دوں۔ابھی دونوں بھائیوں میں باتیں ہو رہی تھیں کہ خیمہ سے العطش العطش کا شور بلند ہوا حسینؑ کو موقعہ ملا،فرمایا، بھیا عباسؑ !بچے پیاسے ہیں جاؤ انکے لئے پانی لاؤ۔عباسؑ خیمہ میں آئے۔صاحب ریاض القدس لکھتے ہیں جب بیبیوں نے سنا عباسؑ میدان جدال کی طرف جارہے ہیں تو زینبؑ بے ہوش ہوگئیں تمام بیبیاں عباسؑ سے لپٹ گئیں۔جناب عباسؑ نے انکو سمجھایا۔اذن حاصل کرکے مشک سنبھالی اور فرات کی طرف چل دیئے۔اشقیاء نے دیکھا۔عباسؑ علمدار فوج حسینیؑ آرہا ہے۔سب سامنے سے ہٹ گئے۔عباسؑ بڑھتے گئے نہر میں گھوڑا ڈال دیا۔جُھک کے چلو میں پانی بھر دیا۔چاہا کہ پیئیں لیکن حسینؑ اور اطفال حسینؑ کی پیاس یاد آ گئی۔پانی فرات کی جانب اچھال دیا اور فرمایا۔حسینؑ اور حسینؑ کے بچے پیاسے ہیں اور میں پانی پیوں۔مشک کو بھر لیا اور خیمہ کا رخ کیا۔عمر سعد نے جب دیکھا کہ عباس اب پانی لے ہی رہے ہیں تو گھبرا کے چلا کے کہا۔اے اہل کوفہ وشام اگر حسینؑ تک پانی پہنچ گیا تو انکا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہو جائیگا،لہٰذا کسی

طریقے سے بھی یہ پانی حسینؑ کے خیمہ تک نہیں پہنچنا چاہیے۔ یہ حکم سُن کر چار ہزار موکلین فرات نے جناب عباس کو گھیرے میں لیا۔[۱۱]

جنگ جاری ہوئی۔ شیر غاضریہ کی گھن گرج سے دشمنوں کے حوصلے پست ہوتے گئے۔ جس طرف بھی بڑھتے جاتے تھے کشتوں کے پشتے لگ جاتے تھے، جو بھی سامنے آیا قتل ہوتا گیا، یہاں تک کہ دشمنوں کی کثیر تعداد قتل ہوگئی۔ عباس بن علیؑ کی جنگ اور بیباک پن نے فوج یزید پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہیبت طاری کردی تھی۔ چیخ و پکار کی صداؤں میں اگر کوئی آواز بلند ہوتی تھی تو وہ نعرہ توحید تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ محمد رسولؐ کا شیر علیؑ بنفس نفیس رزمگاہ میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرا رہا ہے۔ حالانکہ یہ صرف دفاعی کاروائی تھی۔ ورنہ اگر حقیقتاً اذن جنگ حاصل ہوا ہوتا تو نقشہ کربلا پر اور ہی رنگ ابھرتا۔ دفاع بھی اس قدر آہنی دیوار ثابت ہورہا تھا کہ جو ریلہ بھی آگے بڑھا خاک وخون میں تڑپتا گیا۔ آج یزید کے ہمنوا دیکھ رہے تھے کہ جنگ کربلا میں ظاہری فتح حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ عباسؑ کے پاس تلوار یا گرز تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ صرف ایک نیزہ تھا اور یہ نیزہ اگر ایک طرف افواج یزید کے لئے پیام مرگ ثابت ہورہا تھا تو دوسری طرف ایک تو جناب عباسؑ کی محافظت بھی کررہا تھا اور اسکے ساتھ ساتھ مشک اور علم کی بھی حفاظت کررہا تھا۔

ابن سعد...... فاتح قادسیہ کا بیٹا...... یزید ابن معاویہ کی طرف سے افواج کربلا کا کمانڈر انچیف جناب عباسؑ کو مصروف جنگ دیکھ رہا تھا۔ دھڑکنیں ڈوب رہی ہیں نگاہوں کے سامنے حسرت ناامیدی اور نامرادی کی دھند چھاتی جارہی ہے۔ حیران و پریشان ہے۔ جناب عباسؑ کے کڑے تیور سامنے ہیں، حد نگاہ تک جنگ کا نقشہ سامنے ہے۔ اپنے مایہ ناز بہادروں کا حشر دیکھ رہا ہے۔ کیا کرے اور کیا نہ کرے'' کے مخمصے میں پھنسا ہوا ہے۔ جنگ جیتنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے۔ کچھ سوچ کر اور کچھ سمجھ کر تیراندازوں کو حکم دیا کہ عباسؑ پر تیر برسائے جائیں۔ اب کیا تھا کمانیں کڑکیں اور تیر چلے۔ مقتل ابی مخنف کی روایت کے مطابق جناب عباس کے بدن پر اسقدر تیر آئے کہ جوذرہ میں اٹک گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ساھی کے بدن پر انگنت کانٹے ہوں۔ لیکن اسکے باوجود شیر غاضریہ کی جبین شجاعت پر ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا، برابر لڑتے رہے اور زبان پر یہ رجز تھے۔

غن الفوا خر النسل الھاشمیات
لسفک دمائگم لحد المشر فیات
یا آل اللام وابناء التراعیات
یا جدنا بو تریٰ ھذیٰ الرّزیات

ہم نسل ہاشمی کی تلواریں ہیں۔ جن کی تیز باڑ ہیں تمہارا خون بہانے کے لئے ہیں۔ اے کمینوں کی اولاد! اور اے

بکریاں چرانے والوں کے بیٹو! کاش ہمارے جد ہماری مصیبت کو دیکھ لیتے جوان کی ذریت پر اسوقت پڑ رہی ہے۔

ماروابن صدیف

افواج یزید کا نڈر، بے باک اور بلا کا تلوار باز جب جناب عباسؑ کی ہولناک جنگ دیکھتا ہے، تو ہاتھ پر ہاتھ مار کے کہتا ہے۔ وائے ہو تجھ پر کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ امیر یزید کو ہم لوگوں پر اعتماد ہے۔ اسی لئے ہمیں عرب کے مانے ہوئے ہاشمی گھرانے کے ساتھ لڑنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ نہیں نہیں! یہ صحیح نہیں ہے۔ اگر یقیناً یہ نظریہ درست ہوتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ تم لوگ عباس کو قتل نہ کرتے۔ اگر صرف تم ایک ایک مشت خاک ان پر پھینک دیتے تو یہ کب کے قتل ہوئے ہوتے لیکن مجھے معلوم ہے کہ تم لوگوں کی ہمتیں پست اور حوصلے ڈھیلے پڑ گئے ہیں۔ ہٹ جاؤ میدان سے...... ہماری روایات پر خاک نہ اُڑاؤ۔ یہ کہکر اس نے اپنے کپڑے پھاڑے اور جناب عباس کے مقابلے میں آیا۔ شمر ابن ذی الجوشن نے جب مارو کو میدان میں نکلتے دیکھا تو افواج کو ایک طرف ہٹ جانے کا حکم دیا۔ مارو کے بدن پر زرہ تھی۔ سر پر ایک آہنی خود تھا۔ اشقر نامی گھورے پر سوار تھا اور ایک طویل نیزہ لئے ہوئے جناب عباس کے مقابلے میں آ کر مغرورانہ انداز میں چلایا۔ اے نوجوان!" اپنے نیزے کو پھینک دے اور اپنے آپ کو مقتول سمجھو، کیونکہ تیرے مقابلے میں وہ شخص آ گیا جسکے دل سے رحم کو نکال دیا گیا ہے۔ میری حقیقت یہ ہے کہ جب میں اپنے بڑے کے ساتھ جنگ کرتا ہوں تو اسکو حقیر تنکے کی طرح اُڑاتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا ہوں کہ میری بے رحم تلوار سے تو قتل ہو جائے۔ تیری نوجوانی اور خوبصورتی کو دیکھکر میں سوچتا ہوں کہ تجھے معاف کر دوں جا میدان سے نکل جا قبل اسکے کہ میری تلوار تیرے سر پر کوندے"۔

جناب عباسؑ نے اسی طرح اسکی لاف زنی سنی جس طرح جناب امیرؑ نے خیبر کے میدان میں مرحب کی سنی تھی۔ اسکے بعد فرمایا، کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں میدان سے نکل کر یزید کی اطاعت میں آ جاؤں۔ اگر تیرا یہ گمان ہے تو تجھ جیسا احمق کوئی نہیں ہے۔ میری نوجوانی اور خوبصورتی میرے ارادوں پر کوئی اثر نہیں کر سکتی ہے۔ میں شرافت نسل اور ذکاوت عقل کو اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ مرد جب میدان امتحان میں اترتے ہیں تو وہ تلواروں، نیزوں، تیروں اور شہسواروں سے خائف نہیں ہوا کرتے ہیں۔ اے دشمن خدا! میں شجر رسولؐ کی ایک شاخ ہوں۔ لہٰذا ڈر، خوف اور ہیبت زدہ ہونے کا سوال ہی نہیں۔ میں ایسا نوجوان ہوں ہی نہیں جو جبر و استبداد کی آندھیوں میں حوصلے کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں لہٰذا امید و ہم کے حوصلہ شکن تھپیڑوں میں مجھے نہ لا۔ اگر مرد ہے تو آ۔ آج فیصلہ ہو جائیگا"

مارو جب یہ کلام سن رہا تھا تو اسکا انگ انگ تو تھرا رہا تھا۔ غصہ میں پیچ و تاب کھا کر نیزہ کو سنبھالتے ہوئے بھیانک انداز میں آگے بڑھا اور جناب عباس پر وار کیا۔ جناب عباسؑ نے مارو کے نیزے کو درمیان سے پکڑا اور ایک ہی جھٹکے سے نیزے کو اس سے چھین لیا اور بجلی کی تیزی کے ساتھ یہ نیزہ اسکے گھوڑے کی گردن میں گاڑ دیا۔ گھوڑا

تیخ پا ہوا،تھوڑی دیر سنبھلا اور زمین پر گرا۔ مارو چونکہ بہت موٹا تھا،لہٰذا توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے یہ بھی گھوڑے ہی کے ساتھ زمین پر گرا۔اب مارو میں طاقت نہ رہی کہ پیدل ہی جناب عباس کے ساتھ لڑے۔افواج یزید نے جب جناب عباس کی جنگی استعداد کو دیکھا تو ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک کھلبلی مچ گئی۔شمر نے فوراً مارو کے رسالے کو پکارا کہ جاؤ اپنے سردار کو بچاؤ۔

مارو کا ایک غلام کہ جسکا نام صادقہ تھا ایک برق رفتار طاویہ کو لیکر مارو کے پاس آیا۔لیکن کیا کہنے شیر غاضریہ کے آپ نہایت تیزی کے ساتھ آگے بڑھے اور اپنے نیزے کو تولتے ہوئے دور ہی سے صادقہ کا نشانہ لیا۔نیزہ اُڑتا ہوا صادقہ کی گردن میں پیوست ہوا۔صادقہ کی آخری چیخ بڑی دلدوز تھی۔ جناب عباس نے گھوڑے کی کمر سے ہی ایک جست کی۔دوسرے لمحے آپ طاویہ پر سوار ہو چکے تھے۔افواج یزید اگر ایکطرف جناب عباس کی جنگ دیکھ کر انگشت بدندان تھی تو اب ان پر یہ دیکھ کر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے کہ کسطرح تیز رفتار گھوڑے کی کمر سے نکل کر اُڑتے ہوئے جناب عباسؑ دوسرے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوئے۔

ادھر مارو بھی یہ منظر دیکھ رہا تھا۔اسکی عقل حیران و پریشان ہو رہی تھی۔اسکے چہرے کا رنگ فق ہو چکا تھا اور صرف اتنا کہہ سکا کہ ہائے یہ میرا گھورا بھی اُڑا کے لے گیا۔آواز اتنی بلند تھی کہ مارو کے طرفدار نے سنی۔شمر، سنان بن انس نخعی، خولی بن یزید اصبحی اور جمیل بن مالک محاربی فوراً گھوڑوں کی بھاگیں چھوڑ کر مارو کی مدد کو آئے۔قبل اسکے مارو کی کوئی مدد کرے جناب عباس نے برق رفتاری سے گھوڑے کو مارو کی طرف چھوڑ دیا اور مارو کے قریب پہنچ کر فرمایا۔کمک آنے سے پہلے میں تجھ کو تمہارے ہی نیزے سے قتل کر دوں گا۔آپ نے جونہی نیزہ بلند کیا تو مارو نے چلا کے کہا یا عباسؑ مجھے نہ ماریئے میں آپکی غلامی میں آجاتا ہوں آپ نے فرمایا میں تجھ جیسے غلام کو لیکر کیا کروں گا۔یہ فرما کر نیزہ مارو پر پھینک دیا۔وار کارگر ہوا۔نیزہ ایک کان میں تیزی سے گھس کے دوسری طرف نکل گیا۔مارو تھوڑی دیر تڑپا اور اسکے ساتھ قید و بند سے آزاد ہو گیا۔

فوج یزید کے مانے ہوئے سردار جو تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے گھبرائے۔عافیت اسی میں سمجھی کہ دور ہی سے عباس کے خطرناک تیور کا نظارہ کریں۔عباس ابن علیؑ نے جب دیکھا کہ بڑھتا ہی کوئی نہیں ہے تو بذات خود فوج یزید میں شیر کی طرح گھس آئے ایک ہی حملے میں پانچ سو بیس آدمیوں کو قتل کیا۔

امام حسینؑ نے نہتے بھائی کو مصروف جنگ دیکھ کر فرمایا:

اے بھائی !خبر دار رہنا میں تمہاری مدد کو آرہا ہوں ۔لیکن قبل اسکے کہ حسینؑ جناب عباس کے پاس آجاتے۔جناب عباس خود ہی حسینؑ کے پاس آئے ۔شمر نے جب جناب عباس کو طاویہ پر سوار ہوتے ہوئے حسینؑ کی جانب بڑھتے دیکھا تو کہا۔اے پسر علی !تم طاویہ پر غالب تو آگئے،لیکن جس طاویہ پر سوار ہو یہ وہی گھوڑا ہے جو

سبط المدائن کے روز جب تمہارے بھائی حسن نے چاہا کہ اس پر سوار ہوں بھاگ گیا تھا۔ جناب عباسؑ نے اپنے آقا ومولا کے پاس جا کر شمر کی گفتگو دہرائی۔ آپ نے فرمایا، ہاں یہ حقیقت ہے۔ یہ طاویہ کے بادشاہ کی ملکیت ہے۔ جب ہمارے والد نے اس کو قتل کر دیا تو فرمایا، اس پر حسن سوار ہوا کریں گے۔ اسکے بعد یہ گھوڑا سبط المدائن کے دن بھاگ گیا۔ نہ جانے اس کم بخت نے کہاں سے اسکو ڈھونڈ نکالا تھا۔ اسکے بعد آپ نے اپنی رومال سے گھوڑے کی عرق آلود پیشانی سے گرد وغبار کو صاف کیا۔ یہ گھوڑا منہ اٹھا کے حسینؑ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ برسوں سے حسینؑ کو جانتا تھا۔ ۱۲؎

آخری معرکہ

احق الناس ان یبکی علیہ   فتیٰ ابکی الحسین بکربلاء
اخوہ وابن والدہ علی   ابو الفضل المضرج بالدماء
ومن واساہ لا یثنیہ شئی   وجاء لہ علیٰ عطش بماء

لوگوں کو اس نوجوان پر گریہ کرنا چاہیے جسکی شہادت نے امام حسینؑ کو بھی رُلایا۔ وہ امام حسینؑ کا بھائی اور آپ کے پدر بزرگوار کا بیٹا ابوالفضل ہے جو اپنے خون میں لوٹ رہا ہے۔ اس کو امام حسینؑ کی نصرت ویاری میں کوئی چیز نہ روک سکی۔ پانی کے نزدیک پیاس کی حالت میں لڑتے لڑتے شہادت پائی۔ جناب عباسؑ باادب اپنے آقا ومولا کے سامنے کھڑے ہیں۔ خیام اہلبیتؑ میں سے چھوٹے چھوٹے بچوں کی صدائے العطش کی جگر سوز آوازیں آرہی ہیں۔ حسینؑ کبھی عباس کے چہرے پر نظر کرتے ہیں اور کبھی بسوئے خیام دیکھتے ہیں۔ آخر کار ضبط کا بند ٹوٹ گیا۔ عباسؑ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے بصد ادب عرض کیا میرے آقا و سردار! مجھ سے بچوں کی یہ آوازیں نہیں سنی جاسکتی ہیں۔ آہ! میرے ہوتے ہوئے ان کو پانی کی ایک آدھ بوند بھی میسر نہیں ہوگی۔ میرے آقا ومولا! مجھے اجازت دیدیجئے میں ان بچوں کے سوکھے ہوئے ہونٹوں کو تر کرنے کے لئے پانی لے آؤں۔ ''حسینؑ نے ایک آہ سرد کھینچی اور فرمایا میرے بھائی تم میرے علمدار ہو۔ میری پشت پناہ ہو تمہیں کیسے اجازت دیدوں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جناب عباس نے یمین وشمال کی طرف نظریں اٹھائیں اور نہایت ہی درد بھرے لہجے میں فرمایا، مولا! اب تو لشکر بھی نہ رہا اور............آواز اسقدر دردناک تھی کہ عباس اسکے آگے کچھ نہیں کہہ سکے۔ حسینؑ اپنے باوفا عباس بھائی کی طرف نگاہ حسرت سے دیکھ رہے تھے۔ جب دیکھا کہ اب اجازت جہاد کے بغیر اور کوئی صورت نہ رہی تو فرمایا بھیا! مجھ سے تو اجازت لے لی کم از کم اپنی بہنوں سے اجازت تو حاصل کرو۔ عباسؑ کے چہرے پر خوشی اور مسرت کی بھرپور لکیریں اُبھر آئیں، خیمہ میں آئے۔ مخدرات عصمت کا یہ حال تھا کہ الگ الگ بین کر رہی تھیں جناب زینبؑ نے آگے بڑھ کے بھائی کو گلے سے لگایا اور فرمایا بھیا! مجھے امید تھی کہ تیرے ہوتے ہوئے کس کی مجال ہے جو ہماری

طرف دیکھے۔لیکن میرے بھائی! تیرے بعد زینبؑ کے بازوں پر رسی ضرور باندھی جائیگی۔زینبؑ کوشہر بشہر اور دیار بہ دیار ضرور پھرایا جائیگا۔ ہروہ ظلم وستم ہم پرروا رکھا جائیگا کہ جسکی پیشنگوئی ہماری ماں نے ہم سے کی ہے۔میرے بھائی! تمہارے مرنے سے زینبؑ کے سر چادراتر جائیگی۔ ننگے سرو پیر مصائب وآلام جھیلنے پڑیں گے۔

کیا حال ہوا ہوگا جناب عباسؑ کا، ناظرین دل پر ہاتھ رکھ کرغور کریں۔مقاتل شاہد ہیں کہ عباسؑ کے بدن پر رعشہ اورلرزہ طاری ہوا۔اگر ایک طرف جناب زینبؑ کے جملے تیرونشتر کا کام کررہے تھےتو دوسری طرف جناب سکینہ کے مسلسل آنسو جناب عباسؑ کے ہچکے کو دھواں کررہے تھے۔مختصر یہ کہ جناب عباسؑ لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے خیمہ سے باہر نکلے۔حال یہ تھا کہ جناب سکینہ نے سوکھی مشک دی تھی۔اسکو کندھے پر لٹکاتے ہوئے بسوئے قتلگاہ روانہ ہوئے۔

شہادت عباس کی کہانی عبداللہ اہوازی کی زبانی

شیخ محمد عراقی (متوفی ۱۲۴ہجری) نے جو تہران کے مسلم مجتہدوں میں سے تھے اپنی کتاب ''دارالسلام'' میں ''**من فاز بسلام الامام**'' کے ذیل میں تحریر کیا ہے کہ اصحاب کی ایک جماعت نے عبداللہ اہوازی سے ایک ایسے جان سوز واقعہ کے متعلق جو انکے باپ کو پیش آیا تھا روایت نقل کی ہے۔

وہ ایک روز بازار میں جارہے تھے کہ ناگاہ ان کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جسکا حلیہ بدل گیا تھا اوراسکی زبان خشک ہوگئی تھی۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جہنم سے ابھی ابھی باہر آیا ہے۔اسکے ہاتھ میں عصا تھا اور وہ بازار میں بھیک مانگ رہا تھا۔راوی کہتا ہے کہ اسکو دیکھ کر میرا بدن کانپنے لگا۔میں نے اُس سے پوچھا کہ تم کس شہر کے رہنے والے ہو۔اسنے میری طرف کچھ توجہ نہ کی۔ میں نے اسکو قسم دی۔اُس نے کہا اے بھائی! تم کو میرے کام سے کیا کام۔میں نے عرض کیا میری دلی خواہش ہے کہ میں تم سے تمہاری سرگذشت سنوں۔اس نے کہا اگر تو مجھ کو کھانا کھلوائے گا تو میں اپنی آپ بیتی حرف بحرف سناؤں گا۔میں نے اسکو اپنے مکان پر لیا اور کھانا کھلایا۔اس نے مجھے کہا۔

عرب! ''کیا تم روز عاشورا موجود تھے......!''

سائل! نہیں! لیکن کیوں......؟

عرب! اچھا! کیا آپ کو ان مصائب کا علم ہے جو حسینؑ پر پڑے......؟

سائل! ہاں میں نے سنا ہے......!

عرب! کیا آپ نے عمرابن سعد کا نام سنا ہے......؟

سائل! ہاں ہاں سنا ہے لیکن تمہارے موجودہ رویہ اور موجودہ صورت سے واقعہ کربلا کا کیا ربط ہے......؟

عرب! بہت گہرا ربط ہے..................!

سائل! کیاتم عمرو بن سعد کے قبیلے سے ہو......؟

عرب! قبیلہ سے تو نہیں ہوں۔لیکن میں اسکی فوج کا علمدار تھا......!

سائل! کیا تو نے بھی عملی حیثیت سے واقعہ کربلا میں حصہ لیا تھا......؟

عرب! ہاں لیا ہے اور اس حد تک کہ جسکا زندہ ثبوت میری موجودہ صورت سے عیاں ہے......!

سائل! تمہارا نام کیا ہے......؟

عرب! میرا نام اسحٰق بن خویہ ہے......!''

سائل!''تم سے ایسا کون سا فعل سرزد ہوا ہے کہ جسکی وجہ سے تمہارے بدن سے اس طرح بدبو آرہی ہے جیسے کہ آگ سے گرم ہو گئے ہوئے تارکول سے آتی ہے......؟

اسحٰق بن خویہ نے جو کچھ کہا تفصیل سے کہا اور وہ تفصیل یہ ہے۔

''عمرابن سعد نے مجھ کو تیراندازوں کی ایک جماعت کے ساتھ نہر فرات پر تعینات کر دیا تھا اور تاکید کر دی تھی کہ حسینؑ کے کسی ساتھی کو پانی نہ لے جانے دوں۔ہم نے اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کا انتظام کر لیا۔راتوں کو ہم نہیں سوتے اور دن میں بھی نہایت ہی چوکس رہا کرتے تھے۔فرات کی کڑی نگرانی کا یہ عالم ہم نے کیا تھا کہ چرندے تو چرندے پرندے بھی پر نہیں مار سکتے تھے۔میرا دل اسقدر سخت اور بے رحم ہو چکا تھا کہ میں نے اپنے ساتھیوں کو بھی پانی کا ذخیرہ نہ کرنے کا حکم دیا کیونکہ مجھے یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں میرے زیر کمان سپاہیوں میں سے کسی کا دل خانوادہ حسینؑ کی پیاس دیکھکر پسیج نہ جائے اور ان تک پانی پہنچ جائے۔

ایک رات پر ہول سناٹا چھایا تھا۔ ہر طرف سرسراتی ہوائیں سر پیٹتی معلوم ہو رہی تھیں۔میں آہستہ آہستہ حسینیؑ خیمہ کے پاس آیا۔اندر سے آوازیں آرہی تھیں۔میں نے جب کان لگا کر سنا تو وہاں سے حضرت عباسؑ اور حسینؑ کی آوازیں آرہی تھیں۔میں نے ذرا سا خیمہ کا پردہ اٹھا کر دیکھا،تو دیکھا حضرت عباسؑ حسینؑ کے مضطرب چہرے کو دیکھ کر گھبرا کر آگے بڑھے۔بصد ادب عرض کیا میرے مولا و سردار! کیا سبب ہے کہ آپ کا چہرہ کچھ اترا ہوا ہے۔آپ نے فرمایا، بھائی عباس! بچے پیاس کی وجہ سے جان بلب ہوئے ہیں۔کیا کوئی صورت پانی کی نکل نہیں سکتی ہے۔آپ نے جواب دیا۔مولا! کل صبح پو پھٹتے ہی میں پانی کا بندوبست ضرور کروں گا اگر چہ وہ ایک ہی مشک کیوں نہ ہو۔

دھندلکہ ہٹتے ہی جناب عباسؑ مشک کاندھے پر اٹھائے ہوئے جانب فرات بڑھنا شروع ہوئے۔میں نے رات ہی کو حسینؑ اور عباسؑ کی گفتگو سے اپنے امیر کو آگاہ کیا تھا،اس نے فوراً اسی وقت خولی بن یزید اصحی کی قیادت میں مزید پانچ ہزار آدمی فرات پر بھیج دیئے مجھے یہ دیکھ کر تسلی ہوئی کہ اب تو یقیناً ناممکن ہے کہ عباسؑ اپنے ارادے کو

عملی جامہ پہنا سکیں۔ ہر فوجی یا تو تلوار لئے ہوئے منتظر تھا یا تیر کمانوں میں جوڑے ہوئے عباسؑ کے مقابلے کے لئے ماہی بے آب تھا۔ ناگاہ جناب عباسؑ غیض وغضب کے عالم میں گھوڑے کو مہمیز کر کے برق رفتاری سے آگے بڑھے۔ نیزے چمکے، تیر چلے اور تلواروں کی جھنکار ایک بھیانک ماحول پیدا کر گئیں۔ ہر طرف یکہ وتنہا عباسؑ پر حملہ ہو رہا تھا۔ مگر جو بھی آگے بڑھا قتل ہوا۔ جس نے بھی مزاحمت کی کوشش کی خاک وخون میں تڑپا گیا۔ ہم نے مل کر پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ جناب عباسؑ شدید مجروح ہوئے لیکن زخموں کی کثرت جناب عباس کے ماتھے پر شکن تک نہ لا سکے۔ آپ برابر مزاحمت کی ہر دیوار کو مسمار کرتے ہوئے فرات کی طرف بڑھتے گئے یہاں تک تقریباً ۹ ہزار کی فوج یہ دیکھ کر حیران وششدر رہ گئی کہ جناب عباس نے اتنی فوج کی کثرت کے باوجود بھی کسطرح فرات میں گھوڑا ڈال دیا☆۔ مشک بھری اور اسکا منہ مضبوطی سے باندھا۔ پانی پیئے بغیر فرات سے نکل آئے۔

یہ دیکھ کر میرے اوسان خطا ہوئے۔ میں نے اپنے ماتحت سپاہیوں کو حکم دیا۔ یاد رکھو! اگر یہ مشک حسینؑ تک پہنچ گئی تو ہم مدتوں تک ان سے لڑ کر بھی نہیں جیتیں گے۔ ایسا کرو کہ کسی طرح بھی یہ پانی عباسؑ سے چھین لو۔ میرا حکم آندھی کی طرح پھیل گیا۔ نو ہزار سپاہیوں نے یکبار عباس پر حملہ کیا طائفہ ازد کے ایک آدمی کہ جسکا نام حکیم بن طفیل طائی تھا، نے ایک جگہ چھپ کر جناب عباس کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر آپ کے داہنے ہاتھ پر اس زور سے تلوار کا وار کیا کہ آپ کا ہاتھ قطع ہوا۔ جناب عباس نے فوراً مشک کو بائیں ہاتھ میں لیا اور فرمایا۔

بخدا! اگر تم لوگوں نے میرے ہاتھ کو قطع بھی کیا تو کیا اس طرح میں حق کی حمایت ونصرت سے باز آؤں۔ نہیں ہرگز نہیں میں آخری دم تک حق وصداقت کی حمایت میں لڑتا رہوں گا۔

اسکے ساتھ ساتھ نہ صرف آپ نے مشک کو گرنے سے بچایا بلکہ تلوار کو بھی الٹے ہاتھ میں لیکر شیر نیستان کی طرح ہم پر حملہ آور ہوئے، ہمارے نامور سردار کام آئے۔ غیض وغضب کا یہ عالم تھا کہ جو بھی عباسؑ کے قریب آیا وہ بُری طرح سے قتل ہوا۔ میں نے سوچا عباسؑ صرف مشک کو بچانے کے لئے لڑ رہے ہیں اور جب تک مشک ان سے نہ لے لی جائے تب تک عباسؑ پر قابو پانا ہمارے لئے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ یہ کام میں خود انجام دینے کے لئے آگے بڑھا۔ میں نے عباس کے انہماک سے فائدہ اٹھا کر ان کے شانے پر وار کیا۔ کہ جس سے عباسؑ کا دوسرا بازو بھی قطع ہوا۔ توبہ! آپ نے تلوار کے گرنے کی کوئی فکر نہیں کی آپ نے سینے کو زین پر جھکا کر ایک تو علم کو گرنے سے بچایا۔ دوسرا آپ نے مشک کا تسمہ دانتوں میں دبا کر اسکو ان بے شمار تیروں کی زد سے بچایا جو کم سے کم پانچ ہزار سپاہی چلا رہے تھے۔ لازمی نتیجہ تھا کہ بدن مبارک بے شمار گھاؤ سہتا گیا۔ آپ اس حالت میں بھی اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح پانی حسینؑ تک پہنچ جائے۔ لہٰذا گھوڑے کی رفتار میں کمی نہ آنے دی۔ قبیلہ تمیم کے ایک آدمی نے یہ

☆ جب جناب عباسؑ دشمنوں کی آہنی صفوں کو چیرتے ہوئے فرات پر پہنچے تو پانی اُچھال اُچھال کر کہہ رہے تھے کہ اب تو فرات پر میرا قبضہ ہو گیا۔ کہاں ہیں یزیدی درندے۔ لیکن وہ سب گیدڑوں کی طرح بھاگ چکے تھے

دیکھکر آپ کے سر پر گرز کا وار کیا۔ وار کارگر ہوا۔ عباسؑ گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور زمین پر تشریف لے آئے۔ پھر بھی لرزتی ہوئی پلکوں کو اٹھا کر نگاہ حسرت سے مشک کی طرف دیکھا۔ یہ دیکھ کر ایک عجیب سی مسکراہٹ لبوں پر دوڑ گئی کہ مشک ابھی صحیح وسالم ہے۔ لیکن اب بچاؤ کی کوئی صورت نہ رہی۔ کیونکہ کمانیں کڑک رہی تھیں، نیزے چل رہے تھے، تلواریں جھنکار رہی تھیں کہ ایک تیر مشک پر آ کر پیوست ہوا۔ پانی ایک ریلے کی طرح بہہ گیا اور عباسؑ کی آس ٹوٹ گئی۔''

''صاحب ریاض القدس ص ۸۴ پر تحریر ہے۔ ایک تیر آیا، مشک پر پڑا، پانی بہہ گیا اب عباسؑ کی آس ٹوٹ گئی، دوسرا تیر آیا سینہ میں پیوست ہو گیا اور بعض روایتوں میں ہے داہنی آنکھ میں وہ تیر آ کے پیوست ہو گیا۔ جو تیر آتا تھا مشک کی حفاظت کے لئے عباس اپنے جسم پر روکتے تھے جسکی وجہ سے اس قدر تیر جسم پر پیوست ہو گئے تھے کہ جیسے ساہی کے جسم پر کانٹے ہوتے ہیں۔

ہائے عباس کے ہاتھ نہیں کہ تیروں کو نکال سکیں۔ مجبور و بے بس ہو گئے۔ ایک شقی بڑھا، اس نے سر مطہر پر ایک گرز مارا کہ عباس سے گھوڑے پر سنبھلا نہ گیا۔ حسینؑ کو آواز دی یا مولائی ادرکنی، حسین نے جب یہ آواز سنی کمر کو تھام لیا اور فرمایا الآن اِنــکَســرَ ظھــری بھیا عباس اب میری کمر ٹوٹ گئی۔ حسینؑ جب چلے تو پہلے ایک بازو ملا۔ اُس کو اٹھا کر سینے سے لگایا۔ دوسرا بازو ملا اسکو بھی اٹھا کر سینہ سے لگایا۔

لیکن سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ عباس کا رُخ خیمہ کی طرف تھا۔ بازو پہلے کٹ چکے تھے تب عباس گھوڑے سے زمین پر تشریف لے آئے۔ قاعدہ تو یہ بتا رہا ہے کہ پہلے عباس ملتے اسکے بعد بازو لیکن یہاں پہلے بازو ملتے ہیں اسکے بعد عباس کیا وجہ ہے......؟ میری سمجھ میں آتا ہے کہ جب بازو کٹ چکے تب مشک سکینہؑ پر تیر لگا اور جب پانی بہہ گیا تو عباسؑ کی غیرت نے یہ گوارہ نہ کیا کہ بغیر پانی خیمہ کی طرف جائیں۔ لہٰذا گھوڑے کا رُخ دریا کی طرف موڑ دیا۔

الغرض حسینؑ بھائی کی لاش پر پہنچے۔ بھائی پر نظر پڑی بیساختہ چیخ اُٹھے **واعباساہ و اقلة ناصراہ**۔ ریاض جلد ۲ ص ۸۹ میں ہے کہ جب حضرت حسینؑ لاش عباس پر پہنچے تو عجیب منظر دیکھا چار سو ۴۰۰ نیزہ بردار عباسؑ کو گھیرے ہوئے ہیں (اور نوک) ہائے نیزہ سے عباسؑ کے جسم کا پارہ پارہ کر رہے ہیں۔ یہی وجہ تھی جب حسین نے چاہا کہ عباس کے لاشہ کو خیمہ کی طرف لے چلیں تو اسقدر جسم عباس سے گوشت ٹکڑوں کی صورت میں الگ ہوا تھا کہ حسین ایک حصہ کو اٹھاتے تھے۔ دوسرا حصہ زمین پر رہا جاتا تھا۔ دوسرے کو اٹھاتے تھے تو تیسرا زمین پر ہی پڑا رہتا تھا لہٰذا آپ نے جناب عباس کو اسی طرح سے رہنے دیا............ دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرتؑ نے چاہا کہ عباسؑ کو خیمہ میں لے چلیں تو عباسؑ نے کہا آقا! میری لاش خیمہ میں نہ لے جائے اس لئے کہ میں آپکی بیٹی سے نہایت شرمندہ ہوں۔ میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ پانی لے آؤں گا لیکن لا نہیں سکا۔ (ریاض القدس ج ۲ ص ۸۶۔۸۹) ☆

کتاب الانسان میں ہے روز عاشورہ جب جناب عباسؑ میدان کارزار میں جانے لگے تو اس وقت حسینؑ کے پاس دو علم تھے۔ایک عباس کو دیا۔دوسرا خیمہ کے سامنے نصب کیا اور اہل حرم کو بتایا۔جب تک یہ علم نصب ہے تب تک سمجھ لینا کہ ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے اور جب یہ علم سرنگوں ہو جائے گا تو سمجھ لینا کہ خطرہ لاحق ہو گیا۔جب جناب عباس کی شہادت واقع ہوئی تو حسینؑ وہ علم لیکر واپس آئے جو جناب عباس کو دیا تھا۔سیدھے اُس جگہ تشریف لے گئے جہاں دوسرا علم نصب تھا۔اسکو سرنگوں کیا، گویا اہل حرم کو بتلا رہے تھے۔جو کچھ کہا گیا تھا اب وہ شروع ہو گیا۔اسکے بعد خیمہ کا رخ کیا۔یہاں جناب سکینہؑ بے تابی سے اپنے چچا کا انتظار کر رہی تھی۔جب اپنے بابا کو کمر خمیدہ دیکھا تو ایک چیخ سی نکل گئی۔درد بھری آواز میں عرض کیا۔بابا! آپ کی یہ کیا حالت ہوگئی ہے۔آپ نے فرمایا۔بیٹا تمہارے ابا کے بھائی کے مرنے سے کمر خم ہوگئی۔جناب سکینہؑ یہ سنکر بے ہوش ہوگئی۔آپ نے آگے بڑھ کر خیمہ کے اندر جانا چاہا۔خیمہ کے اندر سے جناب زینبؑ بے تاب ہو کر نکل آئی۔اب صورت یہ رہی کہ حسینؑ کا ایک پاؤں خیمہ کے اندر ہے۔اور زینبؑ کا ایک پاؤں خیمہ کے باہر ہے۔

آخر زینب نے حسینؑ کو دیکھا۔حسینؑ نے زینب کو دیکھا۔دونوں نے سر جھکایا کچھ دیر تک ہی کیفیت رہی۔آخر ضبط وصبر کے بند ٹوٹ پڑے، جناب زینبؑ نے سر اُٹھایا، نگاہیں حسینؑ پر مرکوز کیں۔رکے ہوئے آنسو رہ کے بہنے شروع ہوئے رنج وکرب میں ڈوبی ہوئی آواز سے بھائی سے مخاطب ہوئی۔بھیا! سچ فرمایا بابا نے کہ زینبؑ تمہارے بازؤں پر رسی باندھی جائیگی۔سر برہنہ اور پا برہنہ شہر بہ شہر اور دیار بہ دیار پھرایا جائیگا۔لیکن مجھے یقین نہیں آتا تھا میں خیال کرتی تھی کہ جس کا عباسؑ جیسا بھائی ہو کیا مجال کسی کو زینبؑ کے بازؤں پر رسی باندھے۔لیکن بھیا! اب یقین ہو گیا۔''۱۳ ؎

اب سابقہ واقعہ کا اگلا حصہ جو عبداللہ اہوازی کا نقل ہو رہا تھا کی طرف رخ کیا جاتا ہے۔ملاحظہ ہو۔

جب جناب عباسؑ کی آس ٹوٹ گئی تو آپ نے حسینؑ کو مدد کیلئے پکارا، حسینؑ اُس باز کی طرح تیزی سے ہماری طرف آئے جس طرح کسی شکار پر باز ٹوٹ پڑتا ہے۔ہم پر نہایت ہی بجچے تلے انداز سے حملہ کیا، ہمارے ستر نامور بہادروں کو تہہ وتیغ کیا آپ کبھی میمنہ پر ٹوٹ پڑتے تھے اور کبھی میسر پر۔ہر طرف چیخ وپکار کی آوازیں بلند ہونی شروع ہوئیں۔یہاں تک کہ صفوں کی صفیں پلٹ گئیں آپ اپنے بھائی کی لاش پر پہنچے اور گریہ کیا۔حسینؑ کا گریہ سن کر اہل حرم میں بھی نوحہ وبکا بلند ہوئی۔ہم کو پورا یقین ہوا کہ فرشتے ان کے ہمراہ گریہ وزاری میں شامل ہو گئے۔ان کے بلند گریہ سے ہمیں ایسا لگا کہ صحرائے کربلا کو کوئی زور زور سے ہلا رہا ہے اس کے بعد حسینؑ ہماری طرف آئے۔آپ کے خراماں قدم اور پروقار چہرہ دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علی ابن ابی طالبؑ بنفس نفیس تشریف لا رہے ہیں۔

۱؎۔ایک اور روایت ہے کہ جب جناب حسینؑ عباسؑ کی لاش پر پہنچے تو سر زانو پر رکھ کر نہایت ہی گلو گیر آواز میں فرمایا۔میرے بھیا! اب تو مجھ سے بچھڑ رہے ہو۔ایک دفعہ مجھے بھائی کہکر پکارو، کیونکہ جب تک جناب عباس زندہ ہے حسینؑ کو صرف آقا کہتے تھے۔

ہم پر مثل عقاب کے ٹوٹ پڑے ہم سے پردہ قوت سلب ہوگیا کہ جس سے ہم اپنا دفاع کرتے۔ لہٰذا جسکے جدھر سینگ سمائے وہ اسطرح بھاگ گیا آپ نے نہایت ہی اطمینان سے فرات میں گھوڑا ڈال دیا۔ گھوڑے کی بھاگ ڈھیل چھوڑ دی تا کہ یہ بے زبان اپنی پیاس کو بُجھائے۔ ہم دور سے حسینؑ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ لیکن ابھی تک حسینؑ نے پانی کو چُھوا تک نہیں۔ آپ کی سیرت اور آپ کا ایثار دیکھکر ہماری توجہ قرآن مجید کی اُس آیہ کی طرف مبذول ہوئی۔ جیسی آپکے پدر بزرگوار کی مدح میں ان الفاظ میں کی گئی تھی۔

یوثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصہ

اگر چہ انکو اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ مسلط ہو لیکن دوسروں کی ترجیح اپنے آپ پر مقدم رکھتے ہیں۔''

پس میں نے تعجب کیا اور یقین سے کہا، بخدا یہ خانوادہ رسالت ہی کا فرد ہے۔ کیونکہ اپنے اوپر تشنگی کے غلبہ کو تو رہنے دیا۔ گھوڑے کو اشارۃ و کنایتؒ سمجھا رہے ہیں کہ تم پانی پیو۔ لیکن اتنا سب کچھ سمجھنے کے باوجود بھی مجھ پر سنگدلی کا بھرپور غلبہ ہوا۔ میں نے حالت کی نزاکت کو بھانپتے ہی اپنے ماتحت فوجیوں سے چلا کے کہا خبردار! حسینؑ پانی نہ پینے پائیں۔ لیکن میرے حکم کی ان سنی کر دی گئی۔ کسی میں ہمت و جرات نہیں ہوئی کہ کوئی بڑھ کے حسینؑ کو اپنے ارادے سے باز رکھتا۔ میں یہ خیال کر کے بہت ہی پریشان ہوا کہ اگر حسینؑ پانی پینے میں کامیاب ہو گئے تو ہمارا انجام بہت بھیانک ہوگا۔ میں نے دوسری چال چلی۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کو تھام کر حسینؑ کے قریب آ کر حسینؑ سے کہا۔ اے حسینؑ! بچوں کی خبر لے لو۔ یزید کا لشکر برق رفتاری سے انکی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہاں لوٹ مار کا بازار گرم ہے۔ حسینؑ تڑپ اُٹھے فرات سے نکل آئے۔ میں اپنی اس تدبیر پر بہت ہی خوش ہوا۔ اے عرب! بس یہ ہے میرے افعال کی سزا جو تم دیکھ رہے ہو۔

عبداللہ اہوازی کہتے ہیں کہ یہ قصہ سنکر میرے دل میں آگ لگ گئی۔ اس شخص کے خلاف نفرت غصہ اور حقارت کا لاوا دل میں اُبل پڑا۔ اور اس سے کہا تم نے اپنی داستان سنائی تم اب غضب کے لائق ہو۔ تھوڑی دیر ذرا صبر کرو میں تمہارے کھانے کا بندوبست کئے دیتا ہوں۔ گھر کے اندر داخل ہوا تلوار کو اُٹھا کے صیقل کیا۔ جب باہر آیا تو یہ شخص فوراً کھڑا ہوا اسکے بدن پر رعشہ طاری ہوا۔ گھبراتے ہوئے اس نے مجھے کہا کیا مہمان کی خاطر تواضع اسی طرح کی جاتی ہے۔ میں نے کہا ہاں! حسینؑ کے قاتلوں کی تواضع اگر اسطرح نہ کی جائے تو تم ہی بتاؤ پھر کسطرح کی جائے۔ اسکے بعد ایک بھرپور وار تلوار کا اس پر کیا کہ جس سے یہ بد بخت واصل نار ہوا۔[۱۴]

بھیانک انجام

الحاج عماد الدین اصفہانی دمعۃ الساکبہ ص۳۰۲ اور مقاتل الطالبین ص۶۰ کی روایت کا اندراج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قاسم بن اصغر بن نباتہ نے مقاتل الطالبین میں روایت کی ہے کہ میں نے قبیلہ بنی ابان بن راوم کے ایک شخص کو جب دیکھا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کیونکہ اسکی صورت بھیانک حد تک سیاہ ہو چکی تھی۔ مجھے یاد آرہا تھا کہ میں نے شاید اسکو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔لیکن پوری طور پر یاد نہیں آرہا تھا۔کیونکہ میرے خیال کے مطابق یہ خوش شکل اور خوش وضع تھا تاہم میں نے اپنے یقین کی خاطر اس سے پوچھ ہی لیا

قاسم: اے بھائی! کیا تم مجھ کو اپنی اس صورت کے متعلق کچھ بتانا پسند کرو گے؟

عرب: سن کر کیا کرو گے بھائی......!

قاسم: کم از کم واقفیت حاصل ہو جائے......!''

عرب: اے بھائی! میری داستان خوفناک ہے۔میں یزیدی فوج میں تھا، حسینؑ کی فوج میں ایک شخص تھا (یعنی جناب عباسؑ) اسکے چہرے پر تقدس اور پاکیزگی کہیں دور ہی سے دیکھی جاسکتی تھی۔اسکی پیشانی پر سجدے کا ایک گہرا نشان تھا، میں نے کربلا میں اسکو قتل کر دیا......!''

قاسم: اچھا (تعجب خیز لہجے میں کہا گیا) پھر کیا ہوا

عرب: (ندامت سے) اسکے بعد میری زندگی کا ہر لمحہ مجھ پر گراں گزرتا گیا۔شب و روز بے چینی اور اضطراب میں گزرتا ہے۔

قاسم: لیکن تمہاری موجودہ صورت کسطرح ہو گئی ہے......؟

عرب: بھائی! کیا کہوں شرم آتی ہے جب سوچتا ہوں۔تو دو آدمی میرا گریبان پکڑ کر مجھے دھکیلتے ہوئے انگاروں پر ڈال دیتے ہیں۔میں درد اور اذیت سے اسقدر چلاتا ہوں کہ میرے پڑوسی اور قبیلے والے مجھ سے تنگ آگئے ہیں......!''

قاسم: جس شخص کو تم نے قتل کیا اسکا کیا نام تھا......؟

عرب: عباسؑ ابن علی......!

حقارت و نفرت کے جلے جذبات جب ابھر آتے ہیں تو اپنوں کی تمیز بھی مشکل ہو جاتی ہے چہ جائیکہ دشمن اور وہ دشمن کہ جس نے خطرناک حد تک ناقابل تلافی جرم کیا ہو۔قاسم کی بھی یہ حالت ہوئی اس نے عرب کو دھتکار کر اپنے سے دور کر دیا۔[۱۵]

کہتے ہیں کہ قاتل عباسؑ کو اسکے بعد پیاس کا غلبہ ہوتا تھا، کہ جتنا پیتا تھا۔بجھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔اسکے بعد اسکا پیٹ پھٹ گیا کہ جس سے اسکا بھیانک انجام دنیا میں ہی ہوا۔

اجزاءجسم کی تدفین

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے بخوبی علم ہوتا ہے کہ جس بھیمیت اور بربریت سے واقعہ کربلا میں بنی امیہ نے مظالم توڑے ہیں اہلبیتؑ رسول پر اس طرح کہیں اور نہیں ملتے ہیں۔ ہر وہ انسانیت سوز سلوک کہ جس سے عرش وفرش بھی تھرا اٹھے، کربلا میں اہلبیت النبیؐ پر روا کھا گیا۔

آپ نے جناب عباسؑ کی شہادت کا حال بغور پڑھ لیا ہوگا۔

تاریخ اسلام اور مقاتل سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے۔ کہ جناب عباسؑ کے جسم اطہر کے کئی ٹکڑے ہوگئے تھے۔ میں یہاں صرف متین حصوں کی تدفین کا ذکر کردوں گا۔

یکم......بدن اطہر

دوم......سر نازنین

سیوم......دایاں بازو

چہارم......بائیاں بازو

جنگ کربلا میں امام حسینؑ نے ایک الگ خیمہ نصب فرمایا تھا، ہر وہ شہید جو حق وصداقت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ گیا۔ امام حسینؑ نے اسکو میدان قتلگاہ سے اُٹھا کر متذکرہ خیمہ میں لاکر رکھ دیا۔ اب یا تو جسد ہائے نازنین خود اُٹھا کر لاتے تھے یا کسی اور کے سہارے اٹھا کر لاتے تھے جیسا کہ حر بن یزید ریاحی کی لاش علی اکبرؑ کی مدد سے اٹھا کر لائی تھی۔ تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عباسؑ کی لاش کو حسینؑ نے میدان قتلگاہ سے نہیں اٹھایا۔ اسکے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ امام حسینؑ کی بصارت تو اسوقت ختم ہو چکی تھی جب شہزادہ علی اکبرؑ داغ مفارقت دے کر چلے گئے تھے۔

۲۔ اہل بیتؑ اور انصار یکے بعد دیگرے درجہ شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔

۳۔ جب امام حسینؑ نے بھائی عباسؑ کی یہ آواز سنی تھی کہ مولا! غلام کی خبر لیجئے تو حسینؑ کی کمر خم ہوگئی۔

۴۔ جناب عباس کی لاش پر جب آپ پہنچے تو بدن نازنین کا کوئی ایسا گوشہ نہیں تھا کہ جس پر تیر دسنان کے گہرے گھاؤ نہ تھے بازو دونوں قطع ہو چکے تھے اور سر مبارک گرز کی ضرب سے شگافتہ ہو چکا تھا اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اگر ایک حصہ حسینؑ اٹھاتے تھے تو دوسرا زمین پر ہی پڑا رہتا تھا۔

۵۔ جب امام حسینؑ بھائی کی لاش پر پہنچے تو دیکھا کہ ابھی زندہ ہیں۔ آپ نے بھیا سے فرمایا۔ بھائی! کوئی وصیت ہو تو کرلو۔ آپ نے خون بھری آنکھوں کو کھولا عرض کیا۔ ہاں مولا! میری بس صرف اتنی وصیت ہے کہ مجھے خیمہ میں نہ لے جائیں کیونکہ وہاں سکینہؑ میری منتظر ہوگی۔ میں اسکو کیا جواب دوں گا۔

۶۔آخری وجہ اہم بھی ہے اور یقینی بھی ہے کہ حسینؑ میں جناب عباسؑ کی لاش اٹھانے کی طاقت ہی نہیں رہی ہوگی۔[۱۶]

لہٰذا آپؑ نے نہر علقمہ پر ہی عباسؑ کو رہنے دیا تا کہ ایک تو جناب عباسؑ کی اہمیت اور منزلت سے روشناس ہوسکیں دوسرا باب الحوائج بن کر زائرین کی حاجت روائی کرتے رہیں۔اگر ایک ہی حائر میں دفن کر دیے تو لوگوں کی نظروں میں گنج شہداء خالی رہ جاتی۔

یہ خیال نہ فرمادیں کہ حسینؑ معاذ اللہ بے بس تھے! نہیں حسینؑ امام تھے اور امامت کا عہدہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض ہوا تھا۔آپ میں یہ قوت اور ہمت ضرور تھی کہ آپ جناب عباسؑ کے جسد مبارک کو اٹھا کر خیمہ شہداء میں لاتے لیکن جو مقصد آپ کے زیر نظر تھا وہ جناب عباس کی لاش کو نہ اُٹھا کر پورا ہوتا تھا۔

آج جب زائرین عظام مظلوم کربلا کی زیارت کو جاتے ہیں تو کربلا پہنچنے پر سب سے پہلے جس روضہ اطہر پر نظر پڑتی ہے وہ جناب عباسؑ کا روضہ ہے۔آپ کے روضہ پر نظر پڑتے ہی آنکھوں کے سامنے وہ مناظر گھومتے ہیں جو کربلا میں آپ سے متعلق ہیں لہٰذا بے اختیار آنسو کی ندیاں بہنی شروع ہو جاتی ہیں۔

جناب ابوحمزہ ثمالیؒ نے صادق آل محمدؑ سے روایت کی ہے کہ امامؑ فرماتے ہیں کہ زائر فرات کے کنارے باب القصیہ پر جناب عباس کی زیارت پڑھے اور یہ وہی مقام ہے کہ جہاں پر آج علمدار کربلا خلد نشین ہیں۔[۱۷]

سر مبارک

دمشق کے باب الصغیر میں ایک مقبرہ ہے۔زائر جب وہاں پہنچتا ہے تو وہاں دروازے پر یہ عبارت اسکو ملتی ہے : **هذا مدفن راس العباس بن علی و راس علی اکبر بن الحسینؑ و راس جیب ابن مظاهر**

یہ جناب عباسؑ کے سر، حضرت علی اکبرؑ کے سر اور حبیب ابن مظاہر کے سر کا جائے مدفن ہے۔[۱۸]

لیکن یہ چند وجوہ سے غلط ہے۔

اول: یزید جب اپنے کئے پر یہ یقین کر بیٹھا کہ انجام جہنم کی ہولناکیاں خطرناک ہیں تو اس نے تمام سرہائے شہداء امام زین العابدینؑ کے سپرد کر دیئے۔آپ نے ان کو اپنے اپنے جسم کے ساتھ کربلا میں دفنایا۔

دوم: سرہائے اطہار جہاں جہاں سے گذارد ئے گئے وہاں محبین آل رسولؐ نے ان کا مقبرہ تعمیر کیا تا کہ مرور زمانہ کی تند و تیز آندھیوں کے باوجود ان کی یاد تازہ رہے۔

سوم: علامہ سید محسن الامین العاملی ہی وہ ایک مورخ ہیں کہ جنہوں نے یہ لکھا کہ سر مبارک دمشق میں دفن ہے۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اسکی تائید ہو جاتی، لیکن ایسا نہیں ہے۔

چهارم: ایک قول یہ ہے کہ آپ کا سر امام زین العابدین نے یزید سے لیکر وہیں دفن کر دیا جہاں پر آپکا جسم

مبارک دفن ہے اور یہی صحیح ہے۔ ۱۹

دایاں بازو!

جنگ کربلا ایک وسیع وعریض صحرا میں لڑی گئی۔ کوئی خاص مقام اس صحرا میں نہیں تھا۔ ہاں ضرور کہہ دیا جاسکتا ہے کہ یزید نے کوئی حد مقرر تو ضرور کردی ہوگی میں نے شہادت عباسؑ میں تفصیل سے ذکر کردیا ہے کہ آپ کے دونوں بازو الگ الگ قطع ہوگئے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان کا مدفن کہاں ہے۔

آج تک جہاں آپ کے بازو کی زیارت کی جاتی ہے وہ باب قبیلہ، باب بغداد اور محلّہ باب الجنان کے شمال مشرق میں تھوڑے سے فیصلے پر ایک کھڑکی کہ جس پر جال لگی ہوئی ہے۔

یہ کھڑکی اب اُس مقام پر کھڑی کردی گئی ہے جہاں آس پاس مکانات تعمیر ہوچکے ہیں۔ اگر یہ نشان نہ رکھدیا جاتا تو ممکن تھا کہ آج تک ہماری نظر میں یہ مقام ہی نہ آجاتا۔

بایاں بازو!

کربلا میں وارد ہوتے ہی زائر کو چاہے کہ وہ باب الصغیر کو ڈھونڈ نکالے معلوم ہونے پر ایک بازار شروع ہوجاتا ہے یہ بازار بازار صغیر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہاں پر بھی ایک کھڑکی جالی دار لگی ہوئی ہے۔ یہاں پر جناب عباسؑ کا دوسرا بازو دفن ہے۔

دونوں جگہوں پر زیارت پڑھی جاتی ہے جو وہاں پر یا تو خدام پڑھاتے ہیں یا خود اُس تختی پر سے پڑھے جو وہاں آویزاں ہے۔

آخری آس

جناب عباس شہید ہوئے۔ دشمن کے حوصلے خطرناک حد تک بڑھ گئے۔ حسینؑ یک وتنہا آنے والے طوفان کا خیر مقدم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آپ نے یمین ویسار کی طرف دیکھا۔ ایک طرف گنج شہیدان میں اعزہ واقارب دائمی نیند سوتے ہوئے ملے اور دوسری طرف جبر واستبداد کے حامیوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر۔ آپ نے حسرت ویاس سے آسمان کی طرف دیکھا اور نہایت ہی دردناک انداز میں فرمایا۔ ''ہے کوئی جو ہماری مدد کرے......؟'' آپ کی آواز سنکر عرش وفرش تھرا اُٹھے۔ جناب عباسؑ کے فرزند میں تاب نہ رہی آپ گو کہ صرف چودہ سال کا سن رکھتے تھے۔ لیکن قلب وجگر میں چیتے کی سی جرات وبیبا کی تھی۔ آپ آگے بڑھے۔ اور عرض کیا۔ مولا! غلام ابھی حاضر ہے۔ اجازت مرحمت فرمادیں......! آپ نے جناب عباسؑ کی اس آخری نشانی کی طرف دیکھا۔ آپ کو علم تھا کہ اب یہ آخری آس ہے جو چند لمحوں کے اندر اندر ٹوٹ جائیگی۔ بصد اصرار بھائی کے

بیٹے کو رخصت ملی۔ آپ میدان قتلگاہ میں عقاب کے مانند آئے اور چشم زدن میں پچیس آدمیوں کو واصل جہنم کیا فوج یزید کا ایک سپہ سالار کہ جسکا نام ''مسلم خولانی'' تھا۔ اپنی سفا کی اور بربریت میں مشہور تھا۔ اسنے جناب عباسؑ کے فرزند کو مصروف کارزار دیکھکر چلا کے کہا۔ نہیں! اگر میں اسکے مقابلے میں نہ جاؤں تو یہ اپنے باپ کی طرح قیامت ڈھائے گا۔ میں اسکو ضرور قتل کردوں گا جب قریب آیا۔ تو جناب عباسؑ کے فرزند☆ نے اتمام حجت کے کیلئے اسکو کہا۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہمیں کونسی قرابت حضرت مصطفیٰؐ کے ساتھ ہے......؟ اس شقی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور تلوار کا بھرپور وار آپ پر کیا۔ آپ نے اپنے چچا کو مدد کے لیے پکارا۔ لیکن جب تک حسینؑ آپ کی مدد کے لیے آئے آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرچکی تھی۔ ۲۰

حوالہ جات

۱۔ ابصار العین ص ۲۶
۲۔ الاصابہ ج ۱ ص ۳۷۵
۳۔ ریاحین الشریعہ ج ۳ ص ۲۹۳
۴۔ بیان اللسان ص ۴۵۸
۵۔ مصباح الغات ص ۵۲۸
۶۔ تاریخ امم والملوک ج ۶ ص ۲۴۱
۷۔ مروج الذهب، مسعودی ج ۲ ص ۶۶
۸۔ اعیان الشیعہ، سید محسن عاملی ج ۳ ص ۲۵۰
۹۔ زندگانی قمر بنی هاشم، عمادالدین اصفهانی ص ۵۸
۱۰۔ یہ واقعات طبری نے اپنی تاریخ میں مندرجہ ذیل صفحات پر نقل کئے ہیں: جلد ۶ ص ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۲۸، ۲۲۹
۱۱۔ ریاض القدس ج ۲ ص ۸۳۔۸۴
۱۲۔ زندگانی قمر بنی هاشم ص ۱۴۱
۱۳۔ نسخۂ غیر مطبوعہ ازاخ المعظم مولانا محمد عباس صاحب انصاری
۱۴۔ زندگانی قمر بنی ہاش ص ۱۸۷۔۱۹۰
۱۵۔ زندگانی قمر بنی ہاشم، عمادالدین اصفهانی ص ۱۸۳
۱۶۔ دمعۃ الساکبہ ص ۳۲۷؛ کبریت احمر ص ۱۵۸
۱۷۔ کامل الزیارات، ابن قولویہؒ ص ۲۵۶
۱۸۔ اعیان الشعیہ ج ۴ ص ۲۷۰
۱۹۔ حبیب السیر ص ۲۰۳؛ نفس المہموم ص ۲۵۳؛ مقتل الحسین ص ۲۴۵
۲۰۔ نور العین فی مشهد الحسینؑ، ابواسحٰق اسفراینی ص ۵۲

☆ غالباً آپ کا نام قاسم تھا۔

شیرخوار مجاہد

بے زبان مجاہد کا حوصلہ نرالا ہے
تیر کی اذیت کو مُسکرا کے ٹالا ہے
بے زبان سپاہی کی جنگ بے تشدد تھی
صرف اک تبسم سے معرکہ سنبھالا ہے

ساجد رضوی

مدینۃ النبیؐ میں قافلہ کربلا تیار کھڑا ہے۔محبوں اور دوستوں کی آنکھ تر ہے۔کیوں......؟اس لیے کہ حسینؑ جو رسول اللہ کی نشانی ہیں۔مدینہ کو خیر باد کہہ رہے ہیں۔وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہوتی جاتی ہیں۔رخصت کی باری آئی۔سبھوں سے رخصت حاصل کی گئی۔لیکن بیمار فاطمہؑ کا عجیب عالم ہے۔کبھی اپنی تنہائی کی یاد ستارہی ہے اور کبھی بھرے گھر کی جدائی سوہان روح بنتی جارہی ہے۔آگے بڑھی، بوجھل قدموں سے اس حالت پر کہ گرتی پڑتی اور اُٹھتی قریب قافلہ آئی۔نگاہ حسرت سے بھرے گھر کو دیکھا۔حسینؑ بیٹی کا یہ حال دیکھکر تڑپ اُٹھے قریب تشریف لائے۔فرمایا بیٹا''!گھبرانا نہیں......میں نے تمہیں امہ سلمہ کے سپرد کردیا ہے۔حالات جونہی سازگار ہوجائیں گے، بلالوں گا......!''بابا!مجھ سے جدائی کا غم سہا نہیں جائیگا مجھے بھی ساتھ لے چلو......!''صغریٰ نے دردناک انداز ایسا اختیار کیا کہ قافلے کا کوئی مرد ایسا نہیں تھا کہ جسکی آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب نہ پھوٹا ہو۔بیٹا!بخار اور تپ کی شدت، سفر کے لیے موزون نہیں ہے جاؤ بیٹا!ضد نہ کرو اللہ تمہارا حامی ومددگار ہے......!''حسینؑ نے یہ فرما کر جوں ہی قدم بڑھایا۔بیٹی نے رکاب تھام کر عرض کیا۔بابا!میں ذرا ایک بار اپنے گھر والوں سے تو مل لوں بیمار بیٹی کی حسرت ویاس میں ڈوبی ہوئی خواہش کو حسینؑ رد نہ کرسکے فرمایا اچھا!خوب مل لو تا کہ تمہارے بیمار دل کو تسکین ہوجائے۔

صغریٰ ہر ایک سے ملتی گئی۔جوں ہی علی اصغر کی باری آئی۔بہن کے اشتیاق کو دیکھکر خود ہی ہمک کے آغوش میں آئے۔صغریٰ نے سینے سے بھینچا چوما، سر پر ہاتھ پھیرا اور بابا سے عرض کیا۔بابا!اس ننھی سی نشانی کو میرے ہی

پاس رکھ دو میں دایہ کو لا کر اسکی پرورش کر دوں گی بابا! یہ میرے غموں کا مداوا کرے گا۔ میری تنہائی کا مونس ہوگا۔ میں اسی کو دیکھ کر زندگی کی گھڑیاں گذاروں گی......! حسینؑ بیٹی کی التجا سنکر تڑپ اُٹھے۔ محضر شہادت کی اُس خلا کو دیکھ رہے تھے جو شہزادہ علی اصغر سے ہی پُر ہو سکتی تھی۔ اب بیٹی کو کیوں کر سمجھاتے اور کسطرح کہتے کہ بیٹی اسکو قتل ہونا ہے۔ یہ یہاں رُک نہیں سکتا ہے لہٰذا خاموشی سے آگے بڑھے اور علی اصغرؑ کی طرف باہیں پھیلا دیں۔ لیکن بھائی بہن کی محبت میں اسقدر محو تھا کہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ حسینؑ نے سر کو ذرا سا خم کیا۔ گوش مبارک میں کیا راز و نیاز کی باتیں بتائیں۔ تاریخ سے پتہ نہیں چلتی ہیں، البتہ یہ ضرور ملتا ہے کہ علی اصغرؑ نے بابا کا حکم سنتے ہی صغریٰؑ کی آغوش کو چھوڑ دیا اور بابا کی آغوش میں چلے آئے۔

والد ماجد:۔ حسینؑ ابن ابی طالب

والدہ ماجد:۔ رباب بنت امرالقیس بن عدی بن روس بن جابر بن کعب الخ

ولادت:۔ ١٠ ار جب ٦٠ھ بمقام مدینہ منورہ

شیر خوار کی والدہ کے متعلق مورخ کبیر غلام ابن اثیر جزوی فرماتے ہیں:

کانت الرباب من خیرات النساء و افضلھن ۔ جناب رباب متجد روزگار اور افضل ترین خواتین میں سے تھیں۔[١]

اسم مبارک:۔ علی اصغر یا عبداللہ الرضیع ☆

مورخین اور صاحبان مقاتل کا اسمیں شدید اختلاف ہے کہ طفل شیر خوار کا اصلی نام کیا تھا۔ کچھ تو عبداللہ الرضیع کے نام پر زور دے رہے ہیں اور باقی علی اصغرؑ کے نام کو ثابت کر رہے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ آیا دونوں نام ایک ہی وجود رکھتے تھے یا الگ الگ۔ اگر وجود ایک ہی ہے تو خیر وہ ثابت ہو ہی جائے اور اگر ایسا نہیں ہے تو سن مبارک کی نشاندہی کیونکر کی جائے۔ تو آیئے پہلے تاریخ اور مقاتل سے معلوم کریں کہ علی اصغرؑ نام کے کہنے والے کتنے ہیں اور انہوں نے اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کیلئے کون سے ذرائع استعمال کئے۔ وہ صاحبان مقاتل اور مورخین کہ جنھوں نے علی اصغرؑ کا نام اندراج کیا ہے حسب ذیل ہیں۔

١۔ معالی السبطین جلد دوم ص ٢٥٨	٢۔ مطالب السؤل ص ٧٢
٣۔ واقعہ کربلا ص ١٨	٤۔ اسرار الشہادۃ ص ٤٧٤

☆ شیر خوار مجاہد کی سوانح حیات مرتب کرنے کیلئے میں نے مندرجہ ذیل کتابوں و رسائل کی مدد لی ہے۔ تاریخ طبری جلد ٦ ص ٢٢٠ ص ٢٥٧؛ ارشاد ص ٢٦٩ ص ٢٥٤؛ ریاض القدس جلد دوم ص ١٠٤؛ اسرار الشہادۃ ص ٣٩٧؛ زندگان قمر بن ہاشم ص ٤١٦ تا ٢٢٥؛ مطالب السؤل ص ١٨٣؛ احتجاج طبری ص ١٥٣؛ لہوف ص ٥٠؛ مقتل صغیر ص ٨٣؛ مقاتل الطالبین ص ٩٠؛ مقتل ابی مخنف ص ٨٣؛ منتخب ص ٣٢٢؛ مشیر الاحزان ص ٥٢؛ رضا کار لاہور محرم نمبر؛ شیعہ لاہور محرم نمبر؛ اسد لاہور محرم نمبر؛ اخبار جنگ لاہور محرم ایڈیشن۔

۵۔زندگانی قمر بن ہاشم ص۴۱۶   ۶۔روضۃ الصفاء جلد۳ص۷۱

۷۔ارشاد، جلد۳ص۲۶۹ مع دوسرا نام

وہ صاحبان مقاتل اور مورخین کہ جنہوں نے عبداللہ الرضیع کا نام لکھا ہے، مندرج کر دئے جاتے ہیں:

۱۔مناقب ابن شہر آشوب جلد۴ص۸۲   ۲۔مثیر الاحزان ص۴۲

۳۔بحار الانوار جلد۱۰ص۸۶   ۴۔تذکرہ خواص ارامہ ص۲۶۵

۵۔مقاتل الطالبین ص۸۹   ۶۔ارشاد ص۲۵۵

۷۔منتخب التواریخ   ۸۔احتجاج، طبرسی

انکے علاوہ حضرت حجت **عج الله فرجه** نے زیارت ناحیہ میں ان الفاظ میں سلام بھیجا ہے:

السلام علیٰ عبداللّٰه الرضیع

متذکرہ نام پر قریب قریب اجماع ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ امام غائبؑ نے مہر تصدیق بھی فرمادی کیونکہ زیارت ناحیہ علماء امامیہ کے نزدیک ایک مستند زیارت ہے۔

ان دونوں صراحتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ذہن انسانی میں یقیناً یہ سوال ابھرتے ہیں کہ

اگر حقیقتاً عبداللہ الرضیع کا وجود ہے تو انکی ماں کا کیا نام ہے......؟

انکی ولادت کب اور کہاں پر ہوئی......؟

وقت شہادت ان کا سن کیا تھا......؟

ظاہر ہے یہ ایسے سوالات تو ہیں نہیں کہ جن کو نظر انداز کیا جا سکے۔لیکن تاریخ یا مقاتل میں مجھے ان سوالات کا جواب نہیں ملا، ہاں یہ ضرور ہے کہ شہادت واقعہ مندرج ہے لیکن پھر بھی یہ عرض کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ صرف واقعہ شہادت کا اندراج کسی واقعہ کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہوتا ہے۔اب رہ گیا زیارت ناحیہ کا محل وقوع یہ قطعاً صحیح ہے کیونکہ اسمیں دو لفظ قابل غور ہیں۔ایک عبداللہ اور دوسرا رضیع۔عبداللہ تو خدا کے بندے کو کہا جاتا ہے۔اور رضیع دودھ پیتے بچے کو، اور علی اصغرؑ میں یہ دونوں چیزیں تھی۔عمر بھی اس امر کی متقاضی تھی آپ دودھ پیتے اور اسمیں کوئی قبح بھی نہیں ہے کہ ہم اس منزل پر پہنچ کر عبداللہ کو علی اصغرؑ نہ مانیں۔ممکن ہے کہ میرے اس نتیجہ سے میرے دماغی فتور پر شک کریں اگر یہی بات ہے تو میرے مندرجہ ذیل سوالات کا جواب مجھے ملنا چاہیے۔

۱۔سوالات اسی مضمون میں میں نے مرتب کئے ہیں انکا جواب......؟

۲۔طفل رضیع کو بالعموم پانی کی احتیاج اتنی نہیں ہوتی ہے کہ وہ روئے۔

۳۔رونے کی تاویل آپ شاید یہ کریں گے چونکہ ماں کا دودھ نہیں تھا۔لہذا پانی کی شدت سے بلکنے لگا۔کیا

اس طرح آپ کا پانی والا دعویٰ ثابت ہوسکتا ہے......؟

۴۔اگر عبداللہ رضیع کوشہزادہ علی اصغرؑ سے بڑا تسلیم کیا جائے ساتھ ساتھ اسکوطفل شیر خوار بھی کہا جائے تو اسکی عمر کا تعین کیا کریں گے......؟

۵۔کیا آپکی قبر کی نشاندہی کردی گئی ہے......؟ یا آپ بھی گنج شہیدان میں دفنا دئے گئے......؟

مندرجہ الصدر سوالات کا کیا جواب مل جاتا ہے۔ہدیہ ناظرین کردئے جائیں گے۔

سوال: کیا کربلا کی جنگ رقابت کی وجہ سے تھی......؟

مذہبی لٹیروں کا یہ خودساختہ فریب کس قدر جعل ودغا سے مملو ہے۔تاریخ کی صحیح نقاب کشائی اگر کی جاتی تو اس حد تک حالات نہ بگڑتے کہ عام افراد بھی حقیقت کو سمجھنے میں پس وپیش کررہے ہیں۔وہ ملا کیا جانیں اُس حقیقت کو کہ جس نے حامیان جبر واستبداد کی گردنیں مروڑیں۔کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ معماران جبر واستبداد مذہبی چوغہ پہنے ہوئے ریفری بنے ہوئے ہیں۔لہٰذا وقت کے مذہبی مہاشے وہ جرائت اور بے باکی کہاں سے لائیں کہ وہ حق وباطل کوتمیز کرنے میں عوام الناس کی رہبری کریں۔میں بیروت میں چھپی ہوئی ایک کتاب کی یہ عبارت نہیں لکھنا چاہتا ہوں کہ ایک ہاشمی سے سوال کیا گیا کہ امام کب قتل کردیئے گئے،تو اس نے جواب دیا کہ وہ تو درحقیقت سقیفہ بنی ساعدہ ہی کے دن قتل کردیئے گئے۔[۲]

آپ کربلا کی جنگ کے آغاز وانجام کو دیکھیں۔آغاز کا ہلکا سا اشارہ مندرجہ الصدر روایت میں کردیا گیا انجام......اس انقلاب کا پیشہ خیمہ بن گیا کہ جس نے بنی امیہ سے لیکر بنی عباسیہ تک کی مسندوں کو اٹھا کر قعر مذمت میں ٹپک دیا۔ورنہ کوئی ضرورت نہیں تھی یہ لکھنے کی کہ حسینؑ اور یزید کی جنگ رقابت کی وجہ سے تھی۔

مجھے علم ہے کہ عصر حاضرہ کے بعض معترضین یہ کہتے ہیں کہ یہ جنگ دو بادشاہوں کی جنگ تھی۔انکو کیا یہ اپنے ہی زاویے سے ہر لحہ کودیکھنے کا خوگر ہے۔اسکو یہ تک نہیں معلوم کہ مغرب کی نماز میں اگر شک ہوجائے تو اسکے لیے کیا حکم...... مجھے اگر افسوس ہے تو صرف اس بات کا کہ دعویداران مذہب کسطرح حق کوسمجھ کر باطل بنا کر پیش کرتے ہیں کیا ان کی نظروں میں یزید کا فعل حق تھا......؟ کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ یزیدی افعال کواقوال رسولؐ سے تائید تھی......؟ یا کیا کہ اس چیز کوحقیقت سمجھتے ہیں کہ حسینؑ کی یہ آخری نشانی کہ جسکی عمر صرف اور صرف چھ ماہ کی تھی یقیناً قتل ہوجانے کے قابل تھی......؟ مذہب رسولؐ کی دھجیاں اُڑانے والو! مجھے کوئی مذہب کوئی ملت یا کوئی قوم دکھاؤ کہ جہاں ۶ ماہ کے بچے کا قتل واجب گردانا گیا ہو......؟ حسینؑ......امامت کے اہل تھے......قیادت کے لائق تھے اور رہبری کرنے کے لیے موزوں تھے۔یزید کو یہ سب کچھ علم تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ حکمرانی کے لیے حسینؑ میدان میں کود پڑے لیکن اے حامیان یزید! کیا یزید نہیں جانتا تھا کہ علی اصغرؑ ابھی بن کھلا غنچہ ہے۔ایک ایسی کلی ہے جو ابھی

کونپل سے باہر بھی نہیں آئی ہے۔ابھی جوانی کی سرحد تک انگنت منازل طے کرنے ہیں۔لیکن اسکے باوجود اسکا قتل کروادینا اور وہ بھی بے ایمانہ انداز سے، بے رحمانہ طریقے سے، کیا درندہ پن کی آخری مثال نہیں ہے۔اے حامیان ظلم وجبر! یہ ہاشمی اور اموی شہنشاہیت کا مقابلہ تھا۔یہ حق وباطل ،صدق وکذب اور انصاف وظلم کا مقابلہ تھا ایک طرف حق ،صدق وانصاف کے حامی محمد رسولؐ اللہ کے پیروکار تھے اور دوسری طرف باطل، کذب اور ظلم کے حامی ابوسفیان کے پیروکار۔اگر اب بھی رقابت کا نام دیا جائے تو آئین اسلام کو کس خانے میں فٹ کروگے۔مجھ سے سنو! حسینؑ نے یہ ایک ایسا احسان اسلام پر کیا، اسلام کی پوری خداوندی بھی آجائے تو بدلہ نہیں مل سکتا ہے۔خون علی اصغرؑ ہی وہ آخری سطر تھی جو کرب وبلا کے صحیفہ پر نقش ہو کر حق وصداقت اور عدل وانصاف کا بول بالا بنکر رہی۔یہ جنگ جو کربلا میں لڑی گئی، بھیڑیا نما انسانوں نے ایک معصوم غازی کے مقابلے میں لڑی، فتح کس کی ہوئی؟ یہ تم بخوبی جانتے ہو۔اس کا نام کہ جس نے تمام عالم اسلام پر اپنی آخری مسکراہٹ سے ایک احسان عظیم کیا۔

آخری تبسم

حسینؑ میدان کارزار میں یک وتنہا کھڑے ہیں۔ہر طرف حسرت ویاس میدان کرب وبلا پر چھائی ہے، رنج وکرب کی دبی دبی سسکیاں دل وجگر میں ایک غم انگیز ارتعاش پیدا کرتی جارہی ہیں ،خیام حسینیؑ میں اضطراب سے بیمار بخار کی شدت سے ایڑیاں رگڑ رہے ہیں، جو کوئی بھی تھا وہ اپنی اپنی راہ لے چکا ہے۔زینب کا ارماں لٹ چکا ہے۔ام لیلیٰ کے سینے پر ایک گہرا گھاؤ ہے۔بھائی، بھتیجے، بھانجے اور انصار واصحاب داغ مفارقت دے کر چل بسے ہیں۔آہ وبکا کی صدائیں بلند ہیں، جزع وفزع ہر سو طاری ہے، لیکن اس دردانگیز ماحول میں اگر کوئی بے چینی سے نہل رہی ہے تو وہ رباب بنت امرالقیس ہے کیا میں جناب سیدہؑ سے شرمسار ہو جاؤں......؟ یہ سوال رباب کے ذہن پر ہتھوڑے برسا رہا ہے ایک بیٹا تو ہے ضرور لیکن عمر کی کمی کیا اسکو نصرت حسینؑ پر امادہ کرسکتی ہے۔کاش! چلنے پھرنے ہی کے قابل ہوتے تو یقیناً بن سنور کے میدان وقتلگاہ میں بھیج دیتی مگر آہ! ٦ ماہ کا لال کیا کرے......؟ رباب یہی کچھ سوچ رہی تھی اور دوسری طرف دنیا کے مظلوم ترین امام میدان محاربہ میں تنہا ہیں یمین وشمال خالی ہے۔اصحاب وانصار دم توڑ چکے ہیں۔ہر وہ آس جس سے امید کے دیے جلا دیے جاتے ٹوٹ چکی ہے۔ایک عجیب کیفیت ہر دو طرف چھائی ہوئی ہے کہ ایک بار حسینؑ نے ''**ھل من ناصرٍ ینصرنا ھل من مغیث یغیثنا** ہے کوئی جو میری مدد کرے، ہے کوئی جو میرے استغاثہ پر لبیک کہے'' بلند آواز اسقدر ہوا کے دوش پر میدان کربلا میں پھیلتی گئی کہ رباب نے خیمہ میں سن لی ایک نظر اُس لعل پر کی جو جھولے میں پڑا تھا۔مگر آہ! حسرت اور ناامیدی چھائی، قریب سے گذر کر خیمہ کے دروازے پر آئی۔تاکہ اپنے سرتاج کو بھرپور نظروں سے دیکھوں کہ ایک بار خیمہ میں شور بلند ہوا۔ربابؑ پلٹی، کیا ہوا......؟ کیا ہوا؟ زبان پر تھا۔زینبؑ نے آگے بڑھ کے کہا۔ربابؑ! بھائی کی صدا سن کر اس ننھی

سی جان نے اپنے آپ کو جھولے سے گرادیا۔ اگر یہ راز و نیاز اور روحانی سلسلہ نہیں تھا تو اور کیا نام دیا جائے اسکو کہ جونہیں خیمہ میں **واعلیاہ وامحمداہ واعباساہ** بلند ہوا تو حسینؑ فوراً خیمہ میں آئے۔ بہن سے پوچھا! بہن خیریت تو ہے......؟ ہاں بھیا خیریت ہی تو ہے۔ لیکن تمہاری صدا سن کر علی اصغرؑ نے اپنے آپ کو جھولے سے گرادیا۔ آپ آگے بڑھے۔ علی اصغرؑ کو گود میں اٹھایا اور میدان قتلگاہ کی طرف چل دیئے۔

آپ نے چونکہ اس ننھی سے جان پر اپنی عبا کا سایہ کیا تھا۔ لہٰذا دشمن یہ سمجھ بیٹھے کہ حسینؑ نے عبا کے نیچے کیا کچھ لایا۔ ایک بلندی پر آ کر ایک ہاتھ میں قران اٹھایا اور دوسرے ہاتھ میں علی اصغر کو اٹھایا اور خطاب فرمایا۔

اے وحشیو اور ظالمو! اگر میں تم لوگوں کی نظروں میں قصوروار ہوں تو اس ننھی سی جان نے کوئی قصور نہ کیا۔ تین دن پانی بند ہوجانے کی وجہ سے اسکی ماں کا دودھ خشک ہو چکا ہے اسکو پانی کی ایک آدھ بوند دیدو میں اس قرآن کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ قیامت کے روز تمہیں اس بوند کے عوض سیراب کروں گا......!

لیکن دشمن پر کوئی اثر نہیں ہوا

اسکے بعد آپ نے ان کو دوبارہ مخاطب فرمایا

اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ حسین اس بچے کے ذریعے سے خود پانی پیئے گا تو لو میں اسکو ریگزار کربلا پر ڈالتا ہوں۔ تم خود ہی اسکو پانی پلاؤ......!

لیکن اسکے باوجود یزیدی افواج پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

آپ نے اب علی اصغرؑ کی طرف خطاب فرمایا۔ بیٹا! تم بھی ان پر اپنی پیاس کو ظاہر کرو......؟

تاریخ گواہ ہے کہ جونہی شیرخوار نے بابا کا حکم سنا۔ ننھے منے ہونٹوں پر زبان پھیری اور ایک تبسم دلفگار سے بابا کے حکم کا جواب دیا۔

تبسم کیا تھا......ایک ایسا نشتر جو علی اصغر نے وقت کے بے رحم کلیجوں میں گھونپ دیا۔ فوج کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک ہلچل مچ گئی۔ اضطراب کی لہریں اُٹھ اُٹھ کر انقلاب کا پیش خیمہ بنتی گئی۔ عجیب طرح کی اداسی چھائی، کوئی نہیں تھا جو اپنے کیئے کو غلط رنگ نہیں دے رہا تھا۔ قریب تھا کہ فوج یزید پلٹ کے دمشق کے ایوانوں تک آگ اور خون کا پیام بن کر جاتی کہ ایک بار عمرو بن سعد نے فوج کے بگڑتے تیور دیکھے، فوراً اپنے فوج کے جری نڈر اور قوی بہادر حرملہ کو حکم دیا۔

''کیا دیکھتا ہے اس بچہ کا کام تمام کردو ذرا سی دیر اور ہوئی تو ان آندھیوں کو روکنا ہمارے بس میں نہیں رہے گا جو اس تبسم سے اٹھی ہیں......!''

درندہ

حسینؑ نے علی اصغر کو ہاتھوں پر اٹھایا ادھر سے عمرو بن سعد کے حکم پر حرملہ بن کاہل اسدی نے تیر کمان میں جوڑا۔لیکن ہاتھوں پر رعشہ طاری ہوا۔ٹانگ پر لرزہ اور بدن پر کپکپی چھائی ،لہٰذا تیر نے خطا کی دوسری مرتبہ جوڑا تو ٹوٹ پڑی۔عمرو بن سعد نے یہ دیکھ کر حرملہ سے چلا کے کہا۔حرملہ! تمہاری بہادری کے گیت عربی دوشیزاؤں میں مشہور تھے۔آج تمہیں کیا ہو گیا کہ ۶ ماہ کے بچے پر وار نہیں کر سکتے ہو۔حرملہ کی درندگی ایک بار سمٹ کے آئی۔اس نے گھٹنے بھر ٹیکے اور تیر چھوڑا۔تیر برق رفتاری سے کمان میں سے نکل کر جناب علی اصغرؑ کے گلے میں پیوست ہو گیا۔تیر کیا تھا کہ لگتے ہی جناب علی اصغرؑ نے آخری ہچکی لی اور باپ کی آغوش میں دم توڑ دیا۔

کیا اس جیسا درندہ پن تاریخ پیش کر سکتی ہے، یہ فاتحہ قادسیہ کے بیٹے کا وہ کارنامہ ہے کہ جس کو قادسیہ کی فتح کا سہرا کہہ دینا زیادہ موزون ہوگا۔الغرض علی اصغر کی ننھی سی میت باپ کے ہاتھوں میں بنی امیہ کی درندگی کی ایک لازوال مثال پیش کر رہی تھی۔شہزادہ علی اصغرؑ سے وہ آندھیاں یکلخت تھم گئیں کہ جن کے اٹھنے سے بنوامیہ کی فلک بوس عمارتیں مسمار ہی ہو جاتیں۔

تیر کہاں پر لگ گیا......؟ چند اقوال ملاحظ فرمائیں:

۱۔ایک کان پر پڑا اور دسرے کان سے نکل گیا۔

۲۔تیر گردن پر لگا۔

۳۔ایک شہہ رگ کو کاٹ کر دوسری شہہ رگ کو کاٹ کر نکل گیا۔

۴۔تیر گلے پر آ لگا۔

ناظرین! ہر چار صورتوں میں تیر لگنے کا مقام سر و گردن ہی بتلایا گیا ہے۔تیر کیسا تھا......؟ اسکے متعلق بھی چند اقوال مندرج کئے گئے ہیں:

۱۔ تیر تین شاخوں والا تھا۔

۲۔ یہ تیر ابھی تک غیر مستعمل تھا۔

۳۔ غیر معمولی تیر تھا۔

۴۔ عام تیروں جیسا تھا۔

۵۔ زہر میں بجھا ہوا تھا۔

بہرصورت تیر خطرناک تھا۔یوں تو بڑے بڑے بہاروں کے کلیجے تیر لگنے سے دونیم ہو جاتے ہیں چہ جائیکہ ۶ ماہ کی ننھی سی جان ہو۔اور یہ ضروری بھی نہیں کہ تیر کا کوئی مقام مخصوص ہوتا ہے۔تیر جہاں پر آ کر لگے۔ذرا سا

تڑپنے کا موقعہ دیکر ہمیشہ کیلئے موت کی نیند سلاتا ہے۔لیکن مجھے تعجب اگر ہے تو صرف اس بات پر کہ کیا یزیدی درندوں کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ تیر کو زہر میں بجھے ہوئے تیر کو استعمال کریں اور کیا اس تیر کے بغیر شہزادہ علی اصغر کی شہادت نہیں ہوسکتی تھی......؟ اگر یہ ظلم واستبداد کی زندہ مثال نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اب بھی کہدو کہ اس ننھی سی جان کو یزیدی افواج کے ساتھ رقابت تھی، یاللحسرت مختصر یہ ہے کہ تیر لگتے ہی علی اصغرؑ باپ کے ہاتھوں میں تڑپ اُٹھے۔آپ نے شہزادہ کے گلے سے تیر نکالنا چاہا لیکن چونکہ تین پھالی والا تھا گردن کے اگلے حصہ سے نہ نکلا۔حسینؑ نے گردن کی جانب سے تیر کو نکالا۔تیر کے نکلتے ہی خون پرنالے کی طرح بہہ نکلا۔چلو میں آپ نے خون بھر لیا تو چاہا کہ زمین پر پھینک دوں تو زمین سے آواز آئی۔اے حسینؑ! اگر اس خون ناحق کا ایک آدھ قطرہ بھی اس زمین پر پڑا تو قیامت تک اسکی تروتازگی ختم ہوجائیگی۔یہ زمین مشرق وغرب اور جنوب وشمال تک بنجر بن کے رہے گی۔آپ نے زمین کی صدا سنی۔اب جانب آسمان پھینکنا چاہا۔آسمان نے آواز دی یاحسینؑ! یہاں بھی نہ پھینکئے۔بخدا! قیامت تک ایک آدھ قطرہ پانی کا میرے دامن سے نہیں بہے گا۔کیا کہنے علیؑ کے بیٹے کا! تڑپ اُٹھے۔سوچا کیا اسطرح سخاوت کے دامن پر قیل وقال کے دھبے نہیں پڑیں گے۔لہٰذا آپ نے اپنے بیٹے کا خون اپنے چہرے مل لیا اور فرمایا، اب اسی طرح اپنے نانا جناب محمد رسولؐ خدا سے ملاقات کروں گا۔

امِ کلثومؑ کے تاثرات

ادھر مقتل میں علی اصغر کی شہادت ہوئی تو خیمہ سے ایک عورت اس حالت میں نکلی کہ کبھی گرتی اور کبھی اٹھتی ہوئی چلتی تھی لڑکھڑائے ہوئے قدموں کے ساتھ **وامحمداہ واعلیاہ وااصغراہ** کے نعرے بلند کرتی ہوئی وہاں پہنچی جہاں حسینؑ کی آغوش میں علی اصغرؑ موت کی ابدی نیند سورہے تھے۔یزیدی راوی......حمید بن مسلم کہتا ہے کہ یہ مخدرہ اکیلی نہیں تھی بلکہ اسکے پیچھے پیچھے کچھ لڑکیاں اور کچھ عورتیں بھی تھیں۔ان کے لبوں سے یہ آوازیں نکل رہی تھیں، ہائے میرے فرزند! ہائے کشتہ جفا، یزیدی لشکران کی گریہ وزاری دیکھکر بہت رویا۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آواز کی غم انگیزی کے ساتھ ساتھ تیر ونشتر بھی تھا کہ جو بے رحم سپاہیوں کے حلق میں اُترتا جارہا۔تھا امامؑ نے جب عورتوں کو بے اختیار خیمہ سے نکلتے ہوئے میدان میں آتے دیکھا، آپ نے اپنی ردا اتاری اور ایک عورت کے سر پر ڈال دی اور اس سے فرمایا کہ جاؤ خیمہ میں ان کو تسلی دو اور انہیں خیمہ کی طرف روانہ کردیا۔میں نے اپنے مصاحبوں سے پوچھا، یہ بتاؤ کہ یہ عورت کون ہے......؟ انہوں نے جواب دیا یہ علیؑ کی بیٹی ام کلثومؑ ہے میں نے پوچھا اور ان کے پیچھے پیچھے کون ہیں۔انہوں نے جواب دیا۔ایک تو فاطمہؑ اور دوسری سکینہ، یہ سنکر میری آنکھوں سے اشکوں کا ریلا نکل پڑا۔

حسینؑ کا اضطراب

ربابؑ جو علی اصغرؑ کی والدہ تھی، منتظر تھی کہ علی اصغرؑ ابھی آ جائے گا۔ ادھر حسینؑ مضطرب تھے کہ کس طرح علی اصغرؑ کو ماں کے پاس لے جاؤں جب کوئی صورت نظر نہیں آئی تو آپؑ نے اس حالت میں خیمہ کی طرف قدم بڑھایا کہ شہزادہ کا معصوم خون آپؑ کے سینہ اور کپڑوں کو تر کئے جا رہا تھا۔ دروازہ خیمہ پر جب پہنچے تو دیکھا، ماں درِ خیمہ پر انتظار کر رہی ہے۔ حسینؑ مارے شرم کے پلٹ آئے۔ دل و دماغ میں ہلچل مچ گئی۔ اضطراب رگ و ریشہ پر طاری ہوا۔ اب کبھی درِ خیمہ پر آتے اور کبھی پلٹ جاتے تھے۔ یہ عمل آپ نے سات مرتبہ دہرایا۔ ناظرین کرام! دل پر ہاتھ رکھ کر بتلا دیجئے۔ کہ کیا کسی شہید کے وقت حسینؑ کی یہ کیفیت ہوئی تھی۔ نہیں ہرگز نہیں............ حسینؑ نے علی اصغرؑ کی والدہ سے یہ تو کہا تھا کہ میں اس کو پانی پلا آؤں۔ لیکن بخوبی جانتے تھے کہ اب علی اصغرؑ کبھی واپس آ کر ماں کو اپنا مُرجھایا ہوا چہرہ نہیں دکھائے گا۔ اب اگر رباب شہزادہ کو اس حالت میں دیکھتی تو کیا اس دردناک منظر کی متحمل ہو سکتی؟ آہ! مظلوم باپ اور مظلومہ کے دل کی کیفیت کوئی رباب سے پوچھے۔

حسینؑ کے تاثرات

جناب علی اصغرؑ حق و صداقت کی آغوش میں ظلم و استبداد کے خلاف بھینٹ چڑھا دیے گئے۔ حسینؑ کبھی شیر خوار کو دیکھ رہے ہیں اور کبھی ڈبڈبائی آنکھوں سے بسوئے عرش۔ ایک سرآہ کھینچی اور رنج و کرب میں ڈوبی ہوئی صداؤں سے کہا۔

یارب ان تک حلبت عنا النصر من السماء فاجعل ذالک لما ھو خیر منه و انتقم لنا من القوم الظالمین

میرے پالنے والے! اگر تم نے سماوی امداد کو ہمارے لئے روک رکھا ہے۔ تو اس سے ہماری بہتری کیلئے اُٹھا کر اور ظالم قوم سے ہمارا انتقام لے لے۔

اللھم لا یکون اھون علیک من فصیل

اے ارحم الراحمین! میرا فدیہ تیرے نزدیک ناقہ صالحؑ سے سبک نہیں ہوگا۔

اللھم انت الشاھد علیٰ قوم اشبه الخلق نبیک و حبیبک رسولک

اے عرش و فرش کے پروردگار! تو شاہد ہے کہ اس قوم نے ایسے بچے کو ذبح کر دیا جو تیرے نبی، حبیب اور رسولؐ کے ساتھ مشابہت تامہ رکھتا تھا۔

یا نفس اصبری و احتسبی فیما اصابک الٰھی تری ماحل نبانی العاجل

اے نفس صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس مصیبت کی وجہ سے امیدوار رہو۔ خدا ہم پر ان مصیبتوں کے بدلے اجر عطا کرے جو تجھ پر ڈھائے گئے، وہ تو بذات خود دیکھ رہا ہے۔ خدایا! ہمیں ان آلام ومصائب کے بدلے آخرت میں درجہ عطا کر دے۔

اللّھم انی اشھدک علی ھٰولآء القوم فانھم نذروا ان لا من ذریة نبیک

اے دو جہاں کے والی! میں تجھے اس قوم پر حاضر وناظر جانتا ہوں کہ جنہوں نے اس بات کی نذر مانی ہے کہ صفحۂ ہستی پر تیرے نبی کی ذریت کا وجود ہی باقی نہ رہے۔

یہ بصیرت افروز کلام سنئے اور دیکھئے کہ حسینؑ بن علیؑ دنیا کی بے ثباتی اور دشمنان دین کے استبداد کی زندہ تصویر پیش ہیں۔ واقعاً یہ حقیقت ہے کہ اولا د رسولؐ کی زندگیاں دشمنان اسلام کی آنکھوں میں کھٹک رہی تھیں۔ ہمہ وقت ان کی یہی کوشش رہی کہ کسی طرح سے نبی کی ذریتؐ کا وجود ختم کیا جائے۔ اسکے لئے انہوں نے کیا حربے استعمال کئے۔ ایک طویل وعریض دردناک داستان ہے۔ جناب کی آنکھیں بند ہوتے ہی آل محمدؐ پر عرصہ حیات تنگ کیا گیا۔ ان پر طرح طرح کے مصائب وآلام کے پہاڑ توڑ دئے گئے۔ کبھی ان کو آرام کی سانس لینے نہیں دی گئی۔ اسپر مستزاد یہ کہ آل محمدؐ کے ماننے والوں کے ساتھ بھی وہی سلوک اور برتاؤ کیا گیا جو آل محمدؐ کے ساتھ روا رکھا گیا تھا کبھی ان کو سولی دی گئی۔ کبھی یہ قتل کر دیے گئے۔ کبھی زندان کی تاریکیوں میں ان کی زندگی کی طنابوں کو سمیٹ دیا گیا۔ یہ صرف ایک دور میں نہیں ہوا۔ ہر وہ شخص اپنا دین و مذہب یہی بنا تا گیا کہ آل محمدؐ کو صفحۂ ہستی سے ناپید کرو جو مسند اقتدار پر آیا۔ اسمیں قلمرو میں بیٹھنے والے حکمران سے لے کر معاشرے کے ہر ہر فرد نے حصہ لیا۔ میں نے کئی جگہ اسکی تفصیل لکھ دی ہے۔ حالت یہ رہی کہ لوگ اب علی یا آل علی کے ناموں میں سے کسی بچہ کو نام تک رکھنا گناہ سمجھتے تھے۔ اب جو حقیقی محبین تھے۔ ان کا کیا حال رہا۔ ابن ابی الحدید معتزلی سے سنئے۔

فقد علمت انہ استولی بنو امیه علیٰ سلطان الاسلام فی شرق الارض وفی غربها واجتهدوا لکل حیلة فی اطفاء نوره والتحریف علیه ووضع المعائب ومنالب له ولعنوه علیٰ جمیع المنا بر و توعدوا ما وحیه بل جسوهم وقتلوهم ومنعوا من روایت حدیث یتضمن له فضیله او یُرفع له ذکرا حتیٰ حضروا ان یسمیٰ احد باسمه.

تم بخوبی جانتے ہو کہ بنو امیہ جو شرق وغرب میں اسلام پر حکمران تھے، انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر جناب امیر المومنینؑ حضرت علیؑ کے نور کو بجھانا چاہا تھا۔ ان کی فضیلتوں کی تحریف کی۔ آپ پر جھوٹے معائب ومثاب باندھے۔ تمام شرق وغرب کے منبروں پر آپؑ پر لعنت کی گئی۔ اب جس پر آپ کی محبت کا شک ہوا۔ ان کو یا تو جیل میں بند کر دیا گیا یا ان کو قتل کر دیا گیا لوگوں کو منع کیا گیا کہ وہ حضرت علیؑ کے متعلق وہ باتیں زبان تک پر نہ لائیں کہ

جن سے حضرت علیؑ کی فضیلت کا اظہار ہو رہا ہے، یا جن سے آپ کا نام بلند ہوتا ہو۔ اس دہشت انگیزی اور بربریت کا یہ طوفان ہو کہ لوگ بھیانک حد تک ڈرتے تھے کہ ہم اپنے بچوں کا نام علیؑ یا آل علیؑ کے ناموں میں سے رکھ دیں۔[۳]

یہ تھا حسینؑ کے کلمات کا مقصد۔ آپ نے مندرجہ الصدر روایت میں بخوبی پڑھ لیا کہ حالات کس قدر تباہ کن بن چکے تھے۔ مجھے تعجب ہے کہ اتنی واضح حقیقت کے باوجود ''حضرت'' کا لفظ لگانے سے کیونکر کسی آدمی کو جنت کی سرٹفکیٹ دی جاتی ہے۔ اگر یہ تعصب جہالت اور گمراہی کی آخری حد نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ کاش اب بھی سنبھلا جاتا اور عوام الناس کی صحیح راہبری کی جاتی تو اسلام اسلام ہی رہتا۔ بلائے بے درمان نہیں رہتا۔

وحشتناک منظر

امام حسینؑ کب تک جسم علی اصغرؑ کو لیکر کھڑے رہے............؟ تاریخ سے گو کہ چند لمحوں کا علم ہو جاتا ہے۔ لیکن دل نہیں مانتا ہے کہ اتنی ہی مدت جسم علی اصغرؑ حسینؑ کی آغوش میں رہا ہوگا۔ کیونکہ حسینؑ جانتے تھے کہ اب نہ ہی اس کو رباب کے سپرد کرنا ہے اور نہ ہی گنج شہیدان میں اسکو رکھنا ہے۔ لہٰذا کیوں نہ اسکی آخری زیارت دل کھول کر کی جائے لہٰذا بہت مدت تک سینے سے چمٹائے رکھا۔ ادھر سے جھلستی دھوپ اور اس پر ریگزار کرب و بلا کی شعلے اگلتی ہوئی قہر بھری آغوش۔ آخر جناب حسینؑ نے ایک جگہ جا کر اس ننھی سی میت کو زمین کربلا پر کر رکھ دیا۔ تلوار نیام سے نکالی اور آہستہ آہستہ ایک ننھی سی قبر کھودی۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب شہزادہ علی اصغرؑ کی لاش اطہر کو قبر میں لٹا دیا تو قبر سے گریہ کی صدائیں بلند ہوئیں۔ حسینؑ بے تاب ہو کر کھڑے ہوئے۔ سمجھے شاید اصغرؑ کی ماں خیمہ سے نکل آئی ہو۔ لیکن ہر چارطرف ایک عجیب سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ لو کے جھکڑ سر پیٹتے ہوئے معلوم ہوئے۔ ماحول اور وہ بھی عاشور کا ماحول نوحہ و کناں نظر آیا۔ دوبارہ جھُکے۔ کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ واقعاً کوئی بین کر رہا ہے۔ وہ کون رو رہا ہے............؟ ایک ایسا سوال جو حسینؑ کے ذہن میں اُبھر آیا۔ لیکن ہوتا کوئی جو جواب دیتا۔ آخر خود سوال کر بیٹھے! اے رونے والے! قسم ہے تجھے اپنے خالق حقیقی کی۔ تو مجھے اس رونے سے آگاہ کر دے۔ ناگاہ وہ تلوار نہایت ہی دردناک آواز میں مخاطب ہوگئی جو قبر کے سرہانے زمین پر پڑی تھی۔ اس نے جواباً کہا۔

اے دین و دنیا کے سید و سردار! آپ کو علم ہے کہ میں وہی تلوار ہوں جو آپ کے بابا علی مرتضیٰؑ کے ہاتھوں میں رہ کر اعدائے زمین پر بجلی بن کر کوندتی تھی۔ ایک دفعہ آپ کے ابا نے اپنی بیٹی سے فرمایا۔ دیکھو بیٹی! اس تلوار پر ہمیشہ صیقل کرتی رہنا۔ بیٹی نے بہت پوچھا کہ بابا کیوں؟ لیکن آپ کے ابا نے ان کو اتنا کہہ کر خاموش کر دیا کہ اس سے ایک اہم کام لیا جائے گا۔ آپ کے ابا کی شہادت پر آپ کی بہن مجھے ہر وقت صیقل کر کے کہا کرتی تھی کہ اے بے زبان تلوار میں تو بابا کی وصیت پال رہی ہوں لیکن مجھے علم نہیں ہے کہ تمہاری تیز دھار کس کام آئے گی؟ مولا!

ایک دفعہ جناب ام کلثومؑ مجھ پر صیقل کرنا فراموش کر گئی جب وہ اُس کمرے میں آئی جس میں میں لٹک رہی تھی تو میں نے انکو دیکھ کر ہلنا شروع کر دیا صرف اسلئے کہ وہ مجھ پر صیقل کرے۔ میرے ہلنے پر انہوں نے بابا کی وصیت یاد کر کے فوراً مجھ پر صیقل کر دی۔اے سید و سردار! آج مجھے معلوم ہوا کہ مظہر العجائب علی ابن ابی طالبؑ نے یہ وصیت کیوں کی تھی............ حسینؑ نے تلوار کی زبان سنکر فوراً سوال کیا۔اچھا آج تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ آج ہی کے دن کیلئے وصیت فرما گئے تھے۔تلوار! تڑپ اُٹھی اس نے عرض کیا۔مولا! یہ ننھی سی قبر کھودنے میں آپ کو اسلئے زحمت نہیں اُٹھانی پڑی کہ مجھ پر آپ کی بہن ہمیشہ صیقل کرتی تھیں۔شاید جناب امیرؑ کی نظروں میں یہی منظر رہا ہوگا کہ جب میرے مظلوم بیٹے کو قبر کھودنی پڑے گی تو تلوار کی دھار اگر کند ہوگی تو اسکے ہاتھوں کو تکلیف پہنچے حسینؑ اس بے زبان کا یہ قصہ سنکر اس قدر روئے کہ جب قبر علی اصغرؑ پر مٹی ڈال کر کھڑے ہوئے تو کمر کو خم کر کے اپنے آنسوؤں سے قبر کو تر کیا۔تلوار نے جب حسینؑ کو قبر پر آنسو بہاتے دیکھا تو عرض کیا۔میرے آقا و مولا! یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔آپ نے فرمایا اے بے زبان! تجھے علم نہیں ہے کہ یہ دستور دنیا ہے کہ جب کسی میت کو دفن کرتے ہیں تو اسکی قبر پر پانی چھڑکتے ہیں۔مجھے پانی میسر نہیں ہے،لہٰذا میں نے اپنے آنسوں سے اپنے بیٹے کی قبر کو تر کیا۔

آخری سر

تپتے ہوئے بن میں شہداء محو استراحت ہیں۔حسینؑ جو خانوادہ عصمت کے آخری چراغ تھے،بنوامیہ کے استبداد نے بجھا دیا،خیام لوٹے گئے،چادریں سروں سے اتاری گئیں۔آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ہر طرف اجسام مطہرہ پر گھوڑے دوڑائے جاتے ہیں کہ ایک بار فوج یزید کے سپریم کمانڈر کی طرف سے یہ حکم ملا کہ تمام مقتولین کا سر اتار دیا جائے۔یزید کے بھیڑیئے حکم سنتے ہی ابدان طاہرہ سے سر جدا کرنے لگے۔سر نیزوں پر سوار کئے گئے۔کیا تمام سر کاٹے گئے گیا؟ دوسرا حکم معنی خیز تھا۔سر گننے پر معلوم ہوا کہ کل اکہتر سر ہیں۔بہترواں سر کہاں گیا............؟ ہر ایک کی زبان پر یہی سوال تھا۔زمین کربلا کا چپہ چپہ دیکھا۔جلے ہوئے خیمے دیکھے،بی بیوں کی بے حرمتی کی گئی،سید سجاد سے پوچھا،لیکن ایک سر غائب ہے۔نیزہ برداروں کو حکم دیا گیا کہ وہ سر ڈھونڈ لائیں،نیزہ بردار اس طرح نکلے کہ زمین کے سینے میں نیزوں کو جگہ جگہ پیوست کرتے گئے۔آخر دردناک لمحہ بھی آیا کہ ایک شقی ابن شقی اور لعین ابن لعین کا نیزہ اس جگہ پیوست ہوا کہ جہاں یہ ششماھہ دفنا دیا گیا تھا۔نیزہ بڑی بے دردی سے کھینچا گیا۔نیزہ جونہی زمین سے نکلا اسکے ساتھ ساتھ شیر خوار کی ننھی سے لاش بھی نکل آئی۔ظالموں نے یہ تک نہیں دیکھا کہ اسکا سر اُتارنے سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں ملے گا۔آپ کا سر بڑی بے رحمی سے تن سے جدا کر دیا گیا۔اس کے سمیت کل ۷۲ سر شمار کئے گئے اور یہی وہ آخری سر اطہر تھا جو عمرو بن سعد کے سامنے پیش کیا گیا۔

آنسو!

کرب و بلا کی جنگ ختم ہوئی۔اسیران اہلبیتؑ شہر بشہر اور دیار بہ دیار پھرائے گئے۔کوئی نہیں تھا کہ جوان کی مصیبتوں پر آنسو بہاتا۔کوفہ اور شام میں بجائے آنسو کے شادیانے بجتے تھے۔ان شہروں اوران دیاروں میں اہلبیتؑ النبیؐ پر کیا کچھ گذری تفصیل کے ساتھ آگے آئے گا۔

اب جب اپنے جد کا مدینہ آیا۔مدینہ وہی تھا،لیکن رونق ختم ہو چکی تھی۔اسکے مکین ریگزار کرب و بلا میں قتل کر دیئے گئے تھے جب نکلے تو عجب شان تھی اور جب واپس آئے کوئی نہیں تھا۔نہ حسینؑ تھے نہ عباسؑ ،نہ قاسمؑ تھے نہ اکبر، نہ انصار تھے اور نہ احباب ،ہر ایک کر بلا میں خُلد نشین تھا۔روضہ النبیؐ مدینہ کے کنگرو جونہی نظر آئے آنسو کا ایک تار بندھ گیا۔حوصلہ شکنی اور صبر آزما آہیں ہر بی بی بھرتی جاری تھیں۔اتنے میں ایک بیمار ضعیفہ اور دکھی فاطمہ آئی۔یہ فاطمہ کون تھی............؟ یہ حسینؑ کی لڑکی۔اکبر و اصغر کی بہن تھی۔علیل تھی،لہٰذا گرتی پڑتی اُٹھتی بیٹھتی قریب قافلہ آئی، تاریخ اُٹھا کر دیکھئے...... جونہی اسکی نظر سیدانیوں پر پڑی،ایک وحشتناک چیخ مار کر بے ہوش ہو گئیں۔زینب نے آگے بڑھ کے سہارا،ام لیلیٰ تو کربلا سے پہلے ہی اس دنیا سے وفات کر گئی تھی اور باب نے تسلی دی۔ہوش میں جونہی آئیں پھراتی ہوئی آنکھوں سے ہر ایک کو دیکھتی جا رہی ہیں۔بوجھل قدموں سے اپنے آپ کو سہارا دیا، کھڑی ہوئیں۔آہستہ آہستہ ہر بی بی کی آغوش دیکھتی گئیں۔زینب سمجھیں کہ کیا تلاش کر رہی ہے۔پھر بھی پوچھا بیٹی! کیا تلاش کر رہی ہو۔جواب دیا۔پھوپھی اماں اصغر کو کہاں چھوڑا............؟ یہ سننا تھا کہ کہرام بر پا ہو گیا۔نوحہ و مرثیہ اس قدر تیز ہوتا گیا کہ مدینہ پر لرزہ طاری ہوا۔آخر زینبؑ نے دل پر پتھر رکھ کر جواب دیا۔بیٹی وہ بھی ہم نے کربلا کی آغوش کے حوالے کر دیا، وہ یہاں کس منہ سے آتے۔کیا تو اس سے نہ پوچھتی کہ بھیا! بابا کہاں ہیں............ بھائی کہاں ہیں......؟ بہن سکینہ کو کہاں چھوڑا؟ فاطمہ صغریٰ کی کیفیت یہ سنکر کیا ہوئی ہوگی۔دل والے بخوبی جانتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ تاریخ ابن اثیر ج۴ص۲۰۱

۲۔ الفاظ الکتابیہ ص۱۴۳

۳۔ شرح نہج البلاغہ،ابن ابی الحدید ج۱ص۶

آخری پیشکش

عبداللہ بن حسنؑ ،امام حسن مجتبیٰ کے چودہ سالہ فرزند جو حضرت قاسم سے چھوٹے تھے،درخیمہ پر میدان جنگ میں اپنے مشفق چچا کو دیکھ رہے تھے۔وہ وقت بھی تھا کہ جب اس کمسن بچے کے چہرے پر شگفتگی چھا جاتی تھی اوراب چچا کی اندوھناک حالت دیکھکر سراسیمگی کی موٹی موٹی تہیں چہرے پر چھائی جارہی ہیں۔

امام حسینؑ انگنت زخموں کی وجہ سے نڈھال ہوکر گھوڑے پر لڑکھڑا رہے ہیں بدن نازنین کے ہر ہر حصے سے خون بہے جارہا ہے۔سر اقدس پر تلوار پڑنے کی وجہ سے چہرہ مبارک رنگین ہو چکا ہے۔ہر طرف اضطراب اور رنج وکرب ہے بی بیاں الگ الگ بین کررہی ہیں۔اور معصوم بچے دم بخود ہیں

عبداللہ ....امام حسنؑ کا کمسن بیٹا............اور حسینؑ کی طرف سے بارگاہ خداوندی میں آخری پیشکش۔درخیمہ پر بار بار اضطراب سے ٹہل رہا ہے اور جس وقت حسینؑ زخموں کی کثرت سے نڈھال ہوکر زمین پر تشریف لائے۔عبداللہ ابن حسنؑ کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔بے تاب ہوکر خیمہ سے نکلے،جناب زینبؑ نے ہر چند چاہا کہ اس کمسن بچے کو قتلگاہ جانے نہ دیا جائے۔لیکن بچے نے یہ کہہ کر قتلگاہ کا راستہ لے لیا کہ نہیں۔بخدا! میں اپنے عم بزرگوار کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔میں اپنی جان کو ان پر ضرور قربان کردوں گا............!کمسن بچا میدان میں اُسوقت پہنچا جب ابحر بن کعب اور بروایت دیگر حرملہ بن کاہل اسدی چاہتا تھا کہ حسینؑ ابن علیؑ پر آخری وار کیا جائے۔عبداللہ بن حسن نے جونہی ان کے ارادے کو بھانپا۔فوراً چلا کے کہا۔خبردار اے ملعون! میرے چچا کو اکیلے مت سمجھنا۔اب میں انکی مدد کے لیے آگیا ہوں............لیکن ان پر بچے کی باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ انہوں نے تلوار بلند کی اور جونہی امام حسینؑ پر وار کیا عبداللہ نے اپنے دونوں ہاتھ آگے کی طرف پھیلا دیئے جس سے تلوار کی ضرب کی وجہ سے عبداللہ کے ہاتھ قطع ہوکر لٹک گئے کیونکہ بازو لٹکنے کا یہ سبب تھا۔کہ جلدا بھی قطع نہیں ہوئی تھی۔عبداللہ کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔حسینؑ نے لیٹے لیٹے ہی دونوں باہیں پھیلا دیں اور عبداللہ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔حرملہ بن کاہل اسدی نے تلوار پھینک کر کمان میں تیر جوڑا اور بڑی بے رحمی سے عبداللہ کا نشانہ لیا۔اسطرح امام حسینؑ نے بھائی حسنؑ کی آخری پیشکش کو بارگاہ ایزدی میں پیش کیا۔[1]

اسطرح قاسمؑ کے بھائی اپنے عم بزرگوار کی حمایت میں درجہ شہادرت فائز ہوئے۔آپ کے قتل میں دو آدمی

مشہور ہیں ایک وہ کہ جسکا نام بحر ابن کعب ہے اور دوسرا حرملہ ابن کاھل اسدی۔ اول الذکر نے آپکے بازو قلم کئے اور موخر الذکر نے آپ کو تیر ستم کا نشانہ بنایا۔[۲]

حوالہ جات

[۱] کتاب الارشاد ص ۲۵۶؛ ابواشہداء ص ۲۰۶؛ اللہوف ص ۵۱؛ بحار الانوار حصہ اول ص ۲۶۴
[۲] العیون العبری ص ۱۸۳

فصل ۱۳

گلوئے امامت اور شمشیر سیاست

گلُوئے امامت اور شمشیر سیاست

قال الحسین علیه الصلاة و السلام

تــرکــت الــخــلــق طُــراً فــی هــواکــا
وایتــمــت الــعیــال لــکــی اراکــا
فــلــو قــطــعــنــی فِــلْــحُــبّ اربًــا اربــا
لــمــا هــنّ الــفــؤاد اِلّا ســوا کــا

عشق ومحبت کے حصول کیلئے عاشق اور حبیب نے کیا کچھ نہیں کیا کبھی عاشق کو آرے سے چیرا گیا اور کبھی حبیب کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لوٹا دیا گیا۔ کسی عاشق کو سولی دی گئی اور کسی کو رود نیل کی طوفانی لہروں کو عبور کرنا پڑا۔ یہ عاشق وحبیب ہی تھے کہ محراب میں فرق اقدس پر تلوار کا بھر پور وار پڑا تو فزت برب الکعبہ بے اختیار زبان سے نکلا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ زہر کے تلخ جام کو حلق میں انڈیل کر بھی اف تک زبان پر حبیب نے نہیں لایا۔ ہاں ہاں عاشق اور عشق ہی کا یہ کمال تھا کہ جب محضر شہادت پر دستخط کرنے پڑے تو **رضاً بقضا ئه وتسلیمًا لا مره** کہہ کر ہاتھ بڑھا دیا۔ آخر کیوں......؟ بس انکا مقصد صرف معبود کی خوشنودی اور خالق کا قرب تھا۔ اتنے کڑے امتحانات اور اتنے سخت مشکلات کو جھیلنے کا مطمح نظر اگر انکے سامنے تھا بھی کوئی تو وہ صرف حق، صداقت، عدل اور انصاف کی بلندی، دوام اور عروج تھا۔ کیونکہ یہی وہ حقیقی عاشق ہیں جنکو خدائے لم یزل نے طرح طرح کی آزمائشیں کر کے دینوی اور دینوی مدارج کے اعلیٰ زینوں تک پہنچا دیا۔ اور وہ آزمائشیں کیا تھیں وہ قرآن سے سُنئے ۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشیءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْا مَوالِ والْانْفُسِ والثَّمرٰت وبَشِّرِ الصَّابرین٥الّذین اذآ اصابتهم مُصیبةً قالوا اِنا للّٰهِ وانا الیه راجعون٥اولٰئک علیهم صلواةٌ من ربهم ورحمةٌ واولٰئک هم المُهتدون. **سورة البقره آیات ۱۵۵.۱۵۷**

اور ہم تمہیں کچھ خوف سے اور کچھ بھوک سے اور مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی سے آزمائیں گے، اور اے رسولؐ ایسے صبر کرنے والوں کو جب ان پر کوئی مصیبت آ پڑی تو وہ بے ساختہ بول اُٹھے کہ ہم تو خدا ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں خوشخبری دو کہ انہیں لوگوں پر ان کے پروردگار کی طرف عنایتیں رہیں اور رحمت اور

یہی لوگ ھدایت یافتہ ہیں۔

معیارِ صبر ۔خوف، بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کی تلفی بتائی جا رہی ہے۔اور صبر کے بعد اجر بھی مل رہا ہے۔ایک تو ہدایت یافتہ ہیں اور دوسرا ان پر اللہ کی رحمتیں اور عنایتیں ہیں۔

اب دیکھیے میدان کربلا کے صابرین کو۔صبر کے جتنے معیار قائم کئے گئے ہیں ان پر یہ لوگ پورے پورے اُتر رہے ہیں۔

۱۔**خــــوف**:-ہر وہ چیز جو آزمائش کے طور پر رکھی گئی ہے وہ حسینؑ اور حسینیؑ قافلہ کے نشیب و فراز میں مل جاتی ہے۔افواج کی کثرت، بے آب و گیاہ صحرا اور امت محمدؐ یہ کا بھیانک سلوک تو خوف کی انتہا ہے۔یہ صحیح ہے کہ **اَلا اِنّ اولیاء الله لا خوف علیهم ولا هم یحزنون** ۔لیکن موسیٰ علیہ السلام کے تذکرے میں جس انداز سے رب کریم نے لفظ خوف کا استعمال کیا ہے وہی انداز کربلا والوں کے لئے بھی اپنایا جا رہا ہے۔''**لا تــــخف**'' اور خائف کے جو معنی حقیقت پسند مفسرین نے بیان کئے ہیں وہی معنی اس آیت کے خوف میں بھی استعمال کر دیے گئے ہیں۔یہ پہلا اصول جو منعم حقیقی نے مقرر کر رکھا ہے حسینؑ نے اپنا کر حاصل کر لیا۔

۲۔**بھــوک**:-یہ تو تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ تین دن بھوک اور پیاس سے خانوادہ رسالت کے گُلچین پژمردہ ہو چکے تھے۔چنانچہ اسکا تذکرہ تفصیلی طور پر گذر چکا ہے۔

۳۔**مال**:-اسکا تذکرہ اسی کتاب کے آخری اوراق میں ملاحظ فرمائیں۔

۴۔**جان**:-کچھ تو اس موضوع پر لکھ چکا ہوں باقی جو کچھ رہ گیا ہے۔تفصیلی طور پر تحریر کر رہا ہوں۔

سلامِ آخر

بچوں سے لیکر بوڑھوں تک نے بھی دین حق کی بقاودوام کے خاطر حسینؑ کے سامنے راہ خدا میں اپنی اپنی جانیں قربان کیں۔دشمنان دین ان خوشیوں کی تیاریوں کے منتظر تھے جو حسینؑ کی شہادت کے فوراًبعد یہ منانے والے تھے۔

کربلا کا میدان دوحصوں میں بٹ چکا ہے۔ایک طرف شہداء کربلا کی آرامگاہ اور چند خیام نصب ہیں اور دوسری طرف افواج یزید خیمہ زن ہے دونوں اطراف کا ماحول متضاد ہے اگر ایک طرف ویرانی پریشانی اور بے سرو سامانی ہے تو دوسری طرف ہنسی، مذاق اور خوشیوں کے گیت گائے جاتے ہیں۔

اور اب..........کائنات کی سانسوں میں سوز وگداز ہے۔عرش وفرش کی نبضوں میں طلاطم ہے۔آنے والے وقت میں کیا ہوگا......؟ ہر ایک کے ذھن میں یہ سوال بار باراُبھر رہا ہے۔لیکن وقت اس کا جواب دینے سے قاصر ہے کیونکہ گھڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھتی جارہی ہے کہ جسکا انتظار سبھی کو تھا۔تلواریں تیز کی جارہی ہیں ،تیروں کی انیوں کو زہر میں بجھایا جارہا ہے اور یہ سب کچھ حفظ ماتقدم کے خاطر ہورہا تھا۔جانتے تھے وقت کم ہے اور کام زیادہ۔کم وقت میں شاید یہی موقعہ ملے کہ نیام تک سے تلوار نکل آئے کیونکہ مقابلہ اب تک جتنا کیا گیا یہ سب ملا کر بھی ایک ہی فرد کے وجود میں اس سے کئی گنا بڑھ کر مقابلہ کرنا پڑے گا۔

"**یا ابطال الصفا ویا فرسان الهیجا مالی انادیکم فلا تجیبونی** ......!اُے میرے شیرو!اے میرے بہادر!تم لوگوں کو کیا ہوا کہ میں بار بار تم لوگوں کو پکارتا ہوں اور تم جواب نہیں دیتے ہو......!

یہ صدا!حسینؑ کی صدا تھی اس مظلوم کی صدا تھی کہ جسکا دنیا میں کوئی نہیں تھا۔پونجی جو کچھ تھی امت محمدیہ کی وجہ سے لُٹ چکی تھی۔انصار واصحاب اور عزیز واقارب تین دن کے بھوکے پیاسے قتل کردیے گئے تھے۔کمک کی راہوں پر جبر واستبداد کے پہرے بیٹھ چکے تھے۔حدنگاہ تک آل محمدؐ کی دردناک داستان کے اوراق خون میں ڈوب کر بکھر چکے تھے۔ہاں وہ جو سامنے خیام ہیں ان میں سے بھی رنج وکرب کی سسکیاں ابھر رہی ہیں۔کوئی عباسؑ پر رو رہا ہے تو کوئی قاسم پر کوئی علی اکبر پر نوحہ کناں ہے تو کوئی علی اصغر پر۔عجیب غم والم کے بادل چھائے ہوئے ہیں،گرم ہواؤں کی تپش میں بھی سوز وگداز اگر ہے تو وہ بھی دردکرب کے پالنے والے کے لیے"!تیرے سوا میرا کوئی نہیں

ہے......!

یہ حسینؑ کے کلمات ہیں جو عابدؑ بیمار نے خیمہ میں سن لیے۔ پھوپھی جان! ذرا مجھے عصا تو دیدو......؟ زینبؑ کا دل پھٹنے کو آیا۔ بے آسرا تھی بے سہارا تھی بے سروسامانی میں الجھی ہوئی تھی۔ کیا کرتی آنسو بہا کے پوچھ لیا۔ بیٹا کیا کروگے عصا کو......؟'' پھوپھی جان! مجھ سے بابا کی یہ دردناک حالت دیکھی نہیں جاتی۔ جی چاہتا ہے کہ میں اپنی علیل جان بابا پر نثار کروں......؟

عجیب تاثر تھا بیمار کے کہنے کا، ہر طرف آہ و بکا بلند ہوا۔ کوئی نہیں تھا جو بیمار کے دل کو تسلی دیتا۔ کوئی نہیں تھا جو بی بیوں کے آنسو پونچھ لیتا۔ آخر زینبؑ جو تھی......کاروان اُسرا کی سردار۔ لٹے ہوئے قافلے کی قائد......دربدر اور شہر بشہر پھرنے والے خاندان کی رکھوالی آگے بڑھی، فرمایا! بیٹا سجادؑ! تم تو حجت خدا ہو......کیا تمہیں میدان میں بھیج کر اپنے ہی ہاتھوں سے شمع امامت گُل کر دوں......نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔''

خداوندا! کسی بہن کا بھائی جدا نہ ہو جائے۔ کسی ماں کا جوان بیٹا نہ مرجائے۔ وقت سے اس جملے کو دیکھیں اور کسی کا بھرا گھر اس طرح برباد نہ ہو جائے جسطرح آل محمدؐ کا گھر برباد ہو گیا''

یہ زینبؑ کے کلمات ہیں کتنے زخم خوردہ اور غم انگیز ہیں......؟ احصاء نہیں کیا جا سکتا۔ حسینؑ یہ شاید سن رہے تھے، لہٰذا آہستہ آہستہ خیمہ کی طرف آئے۔ ایسا لگتا تھا کہ کربلا کی خونین داستان آپ کے چہرے سے ہویدا ہے۔ رہ رہ کے یہی خیال ذہن کے حصوں پر چھاتا جا رہا ہے کہ کیا دشمن حسینؑ کو قتل کر دے گا......؟ حالانکہ بھرے گھر کی بربادی سے دشمن کا دل بھر آنا چاہیے تھا۔ اصغرؑ و اکبرؑ کی اندوہناک شہادت سے ان کو اب بس کرنا چاہیے تھا۔ العطش العطش کی صبر آزما صداؤں سے ان کے کلیجے منہ کو آنے چاہیے تھے۔ لیکن......حسینؑ کا خراماں خراماں چلنا اور اس انداز سے پتہ چلتا ہے کہ جیسے بنفس نفیس جناب رسالتمآبؐ کفن پھاڑ کر ریگزار کربلا پر چل رہے ہوں۔ اس بات کی عین دلیل ہے کہ دشمن دین حسینؑ کو قتل کر کے ہی دم لیں گے۔

تمنا

مختصر یہ کہ حسینؑ درخیمہ پر آئے اور بلند آواز سے فرمایا...... **یا سکینا یا فاطمه یا زینبؑ یا ام کلثوم علیکن مِنِی السلامؑ** یہ آخری سلام کس قدر دردناک ہے۔ خود اندازہ لگائیں۔ یہ حسینؑ ہی نہیں جا رہے ہیں، زینبؑ کا بھائی۔ رباب کا شوہر سکینہؑ و فاطمہؑ کا باپ بیمار و تیماردار اور بیکسوں کا ملجاء و ماویٰ جا رہا ہے۔ سبھی تڑپ اُٹھے۔ سکینہؑ نے آگے بڑھ کے بابا کا دامن تھاما روتے ہوئے عرض کیا۔ **یا ابه! اُستَسلَمتَ لِلموت**؟ بابا! کیا موت کو تسلیم کیا......؟ حسینؑ نے دل پر پتھر رکھ کر بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا۔ ہاں بیٹی! اسکے سوا اب چارہ ہی نہیں رہا۔ تم خود ہی بتاؤ کہ جس کا نہ کوئی معین ہوگا اور نا ہی ناصر، وہ کیونکر نہ موت کو تسلیم کرے۔ یہ سن کر سکینہؑ کے

ننھے دل پر چھریاں جیسی چل گئیں آنسو اس قدر بہہ رہے تھے کہ حسینؑ کے لباس کو بھی تر کرتے گئے۔ نہایت دردناک لہجے میں عرض کیا۔ **یا ابة ردنا الیٰ حرم جدنا** ۔اے بابا! ہمیں اپنے جد کے حرم میں بھیج دیجئے......!'' ننھی بچی کا مطالبہ آہ آہ! کس قدر آسان اور سہل تھا۔لیکن دریائے جود وعطا کے مالک کی بے بسی اور بے کسی۔ آپ بیٹی کی اس فہمائش پر کانپ اُٹھے۔فرمایا! بیٹی! تیرے بابا سے یہ ممکن نہیں ہے، ہر سو ظالم اور ظلم ہے۔کوئی یار و یاور نہیں ہے کون آئے یا کون ہے جو تجھے مدینہ لے لے۔[1]

تیاریاں

اسکے بعد آپؑ نے اہل حرم کو مخاطب فرمایا: **استعدالبلاء واعلما ان الله حامیکم وحافظکم سینجیکم من شر الاعداء ویجعل عاقبة امرکم الی خیر ویعذب عدوکم بانواع العذاب ویعوضُکم عن هٰذہٖ البلیة بانواع النعم والکرامة فلا تشکوا ولا تقولوا بالسنتکم ما ینقص عن قدرکم۔**

مصائب وآلام کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔اللہ کے بغیر اب کوئی بھی آسرا تم لوگوں کا نہیں ہے کیونکہ وہی تمہارے انجام کو بخیر کرے گا اور تم لوگوں کو اشرار کے شر سے محفوظ رکھے گا اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے دشمنوں کو انگنت مصائب میں گرفتار کرے گا، اور تمہارے رنج والم کے عوض میں اپنے انعام واکرام کی آغوش تم لوگوں کے لیے کھولے وا کرے گا۔لہٰذا یاد رکھنا شکوہ وشکایت کا ایک آدھ لفظ بھی زبان پر نہ لانا اور نہ ہی زبان پر ایسی بات لانا کہ جس سے قدر و منزلت میں فرق آجائے۔[2]

جناب زینبؑ جو پاس ہی کھڑی تھیں، بھائی کا بصیرت افروز کلام سن رہی تھیں نہ جانے تصورات کہاں تھے۔کبھی اپنے جدؐ کے روضے پر آ کر گریہ کرتی تھی اور کبھی ماں کے مزار پر، کبھی نجف کی بستیاں یاد آ رہی تھیں اور کبھی بھیا حسنؑ کی قبر اور سامنے بھائی کھڑا تھا۔دکھی اور مظلوم بھائی، بے آسرا اور غریب بھائی، یہ المناک سکوت جو حسینؑ کی تقریر سے خیمہ میں چھایا تھا، آخر کار حسینؑ ہی نے یہ کہہ کر توڑ دیا۔

یا زینبؑ اتینی بثوب عتیق لایرغب فیه احد من القوم اے بہن زینبؑ! کوئی ایسا بوسیدہ اور پرانا لباس لا دو تا کہ پرانا اور بوسیدہ دیکھ کر یہ اشقیاء میرے بدن سے نہ اتاریں۔

واقعاً حسینؑ کے ظاہری لباس میں تبرکات تھے، لیکن ان تبرکات کے نیچے آپ نے جو بوسیدہ اور پرانا کپڑا پہنا، اسکو بھی جگہ جگہ سے تار تار کر دیا۔کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اعدائے دین اس پھٹے اور پرانے لباس تک کو بھی میرے جسم پر نہ رہنے دیں گے، تاہم احتیاط کے خاطر آپ نے پہن ہی لیا۔

حسینؑ کی عجیب وغریب فہمائش پر جناب زینبؑ نے چند پھٹے پرانے کپڑے لائے آپ نے انکو نگاہ حسرت

دیکھ کر جگہ جگہ چاک کیا اور پہن لیا۔

اسکے بعد تبرکات کا صندوق منگوایا گیا۔

عمامہ رسولؐ فرق اقدس پر رکھا عبائے امیرالمومنینؑ زیب تن فرمائی اپنے مسموم بھائی کا پٹکا کمر میں باندھا۔حمزہؑ کی سپر ہاتھ میں لی۔اپنے بابا کی ذوالفقار دوسرے ہاتھ میں تھامی اور ذوالجناح پر سوار ہوئے۔[۴۳]

مجبور

اس وقت تک امام حسینؑ بذات خود مجاہدین کو سوار کرتے رہے۔لیکن جب اپنی باری آئی تو **فنظر یمیناً و شمالاً**۔اپنے دائیں بائیں دیکھا۔**فلم یر احداً** لیکن کوئی نہیں دیکھا...... ہاں دیکھا ضرور لیکن کس طرح......؟ **من صافح التراب جبینهُ و من قطع الحمام انینه** ہر ایک خاک وخون میں جبین رکھے ہوئے تھا۔اب کیا کرے صدادی **یا مسلم بن عقیل ویاھانی بن عروۃ ویا حبیب بن مظاھرہ و یازھیربن القین ویایزیدبن مظاھر ......یا ابطال الصفا ویا فرسان الھیجا مالی انا دیکم فلا تجیبونی ادعوکم فلا تسمعون**

اے مسلم بن عقیل، اے ھانی بن عمروہ، اے حبیب بن مظاھر، اے زہیر بن قین، اے یزید بن مظاہر، اے میرے شیر و اے میرے بہادرو! تمہیں کیا ہوگیا، میں تم لوگوں کو پکارتا ہوں اور تم لوگ جواب بھی نہیں دیتے ہو میں تم لوگوں کو بلاتا ہوں اور تم سنتے ہی نہیں ہو......![۴۴]

یقیناً حسینؑ جانتے تھے کہ جن کو صدا دے رہا ہوں ان میں سے جواب کوئی نہیں دے گا لیکن خدارا یہ خیال نہ کیجئے کہ آپکی صدا فضول سی ہورہی تھی۔نہیں یہ بات نہیں ہے، آپ اتمام حجت کے خاطر کرب وبلا کے ریگزاروں پر یہ صدا اس کے بلند کر رہے تا کہ کل یہ نہ کہا جائے کہ اگر حسینؑ امداد کے لئے کسی کو پکارتے تو دشمن سنگدل نہیں تھا کہ ان میں سے ایک آدھ حسینؑ آواز پر لبیک نہ کہتا لیکن سنگدل افواج کا یہ عالم تھا کہ کوئی ٹس سے مس نہ ہوا۔

اسکے بعد آپ نے ہر ایک بی بی سے الگ الگ رخصت لینا شروع کی۔جب جناب سکینہؑ کی باری آئی تو آپ نے غمزدہ آنکھوں سے بیٹی کی طرف دیکھا اور فرمایا:

سیطول بعدی یا سکینه فا علمی　　منک البُکاء اذالحمام وھافی

لاتحرقی قلبی بدمعک حسرة　　مادام من الروح فی جسمانی

بیٹی! میرے ماتم میں تیری مصیبت طول کھینچے گی۔جلد ہی وہ وقت تم پر آپڑے گا۔لہٰذا اسوقت اپنے رونے سے میرے کلیجہ کو شق نہ کرنا، ہاں میرے بعد جتنا چاہو رو لینا کیونکہ میرے بعد تمہیں منع کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔

جناب سکینہؑ کو دلاسہ دیکر آپ نے اپنے بیمار بیٹے کے خیمہ کا رخ کیا۔دیکھا، آپ کی حالت دگرگوں ہوچکی

ہے۔ بیماری نے اس قدر آپ پر غلبہ طاری کر دیا ہے کہ آپ کا انگ انگ کانپ رہا ہے۔ چہرہ اقدس پیلا پڑ چکا ہے، بیمار نے جونہی اپنے مظلوم باپ کو دیکھا کھڑا ہونا چاہا۔لیکن نقاہت اس قسم کی تھی کہ سنبھل نہ سکے دوبارہ بستر پر گر پڑے۔ آپ ان کے قریب گئے اور بیٹے کے سرہانے بیٹھ گئے۔ دیکھا کہ بیٹا بے ہوش ہے آپ نے بیٹے کا سر اپنی آغوش میں رکھا۔ آہستہ آہستہ سر پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا، بیمار ہوش میں آئے۔ آپ نے نہایت ہی گلوگیر آواز میں بیٹے سے فرمایا، بیٹا! تیرا مظلوم باپ تجھ سے آخری رخصت مانگ رہا ہے......! بیمار یہ سنکر کانپ اُٹھے، آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب پھوٹ پڑا، پتھرائی ہوئی آنکھوں سے بابا کی طرف دیکھ رہے تھے۔ بیٹا! نانا کی پیشنگوئیاں آج ہی کے دن پوری ہو رہی ہیں۔ اب خندہ پیشانی سے اپنے بابا کو رخصت کر دو......!

پیغام

حسینؑ نے یہ کہہ کر بیٹے سے خطاب فرمایا: بیٹا! میرے بعد تم حجت خدا ہو۔ میرے بیکس کسمپرس اور بے آسرا قافلے کے سردار ہو۔ بیٹا! جاگرتی کا زمانہ ابھی نہیں آیا۔ گھٹاٹوپ اندھیرا خط ارض پر ہر سُو چھایا ہوا ہے۔ وحشت و بربریت کی طغیانیاں رُبع سکون کو گھیرے میں لے چکی ہیں ابتداد اور جبر کی آندھیاں چاروں طرف تسلط جمائی ہوئی ہیں۔ میرے لال! یاد رکھنا! مایوسی اور تھکن زندگی کی تصویر کا وہ رُخ ہے کہ جو نہ صرف تاریک ہے بلکہ اس میں ایسا اندھیرا ہی اندھیرا ہے جس میں اجالے کا دھندلکا سا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تمہیں میرے نانا کے دین کا تحفظ کرنا ہے۔ یہ مذہب جو اسلام کہلاتا ہے، یہ بین الاقوامی برادری، اخوت اور مساوات کا درس حیات ہے بیٹا! یہ ہمیں آشا دیتا ہے نراشا نہیں۔ اس میں ہر سو امید اور یقین کے نغمے اُبھرتے رہتے ہیں یاد رکھنا! یہ دین .... مسرت انگیز لمحات سے ہمیں اُس وقت ہمکنار کرتا ہے جب ہم تند و تیز آندھی کے مقابلے میں آہنی عزم لیکر ڈٹ جائیں غیر متزلزل بن جائیں۔ اگر ہم شکست خوردوں کے احساس میں مبتلا ہو جائیں تو ہم وحشتناک آندھیوں میں تنکے کی طرح فضا کی لامحدود وسعتوں میں اُڑ جائیں گے کہ جس سے ہماری زندگی کی نبض بھی ڈوب کے رہ جائی گی۔ بیٹا! میرے نانا نے بتایا ہے کہ زندگی وہ سُراب ہے جو پانی معلوم ہونے پر بھی ریگستان نہیں رہتا ہے اس میں انسان کی زندگی بہتے پانی کی سی ہے۔ جس میں زندگی تر ہو سکتی ہے، پانی کو پکڑ نہیں سکتی۔ لیکن انسان اس میں ڈوب کر جان دے کر انتہائی خوش قسمتی تصور کرتا ہے اور یہی انسان کے عروج کی زندہ مثال ہے۔ اس طرح مقصد کو جتنا بلند دار رفع بنانا چاہتا ہو بن جائے گا۔ نانا نے فرمایا ہے............! زندگی وہ ہستی ہے جسکی تابنا کی روپ بہ روپ بدلتی رہتی ہے جو ہمیشہ موت کے بہاؤ میں چلتی پھرتی اور ڈوبتی اُبھرتی ہے۔ جسکی روح ہر آن خطرے میں ہوتی ہے جو اپنے دوستوں اور دشمنوں کے درمیان طوفان کی گولیاں نگلا کرتی ہے جو اہم ترین فرائض کی انجام دہی کے لئے اپنے خون کی چھینٹوں سے ہر رخ کو ایک سہرہ عطا کرتی ہے اور اسکے بعد اسکی موت انانیت کے بلند سر بسطہ رازوں کیلئے

ایک اہم راز ہوتا ہے۔اسکی کاوشیں بلندی کا تختہ اُلٹا سکتی ہیں لیکن بیٹا یہ تب ہی ممکن ہے کہ جب یہ موت سے آنکھ مچولی کھیلے۔اسکے مہیب پنجوں میں پنجے ڈال کر مسکرائے اور اگر ایسا اس سے ہوسکا تو پھر یہ خطرناک ڈھلوانوں پر چل کر ایک ابدی راحت اور سرمدی لطف حاصل کرسکتا ہے۔حوصلہ شکن طوفانوں میں تیر کر صبر آزما صحراؤں کو طے کرتے ہوئے اس میں کیف اور سرور حاصل ہوتا ہے۔میرے بیٹے! مصائب وآلام انسان کے بلند مقاصد کا ماحصل ہے اور انسان کو انسانیت کے بقاودوام کے خاطر اسکی عقابی گرفت سے خوفزدہ ہوکر گریز نہیں کرنا چاہیے کامل انسان کے صفات ہی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ صبر شکن مصائب اور بھیانک اِلام میں نیم بسمل بننے کے بجائے شاہین کا تجسس اور چیتے کا جگر لئے ہوئے مسکراتا ہے۔فتح مندی اُس بھیڑیے کے حصے میں بھی آجاتی ہے جو انصاف وعدل اور انسانیت سے یکسر عاری ہوتا ہے لیکن اسکو فتح مندی نہیں کہتے ہیں۔تشدد سے ظاہری ابدان پر حکومت تو کی جاسکتی ہے لیکن قلوب بس سے باہر ہوتے ہیں

میرے بیٹے! سرفراز چراغ جلانا کسی سوگوار بیوہ کا کام ہے۔اس طرح دبی دبی سسکیوں کو دبایا تو نہیں جاسکتا ہے اس طرح کرنے سے تو چیخ وپکار کے اندیشہ حقیقت بن جاتے ہیں ہاں یہ صحیح ہے کہ اچانک جب انسان پر غم والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں انسان میں اس وقت مردنی چھاجاتی ہے وہ اپنے آپ کو سوالیہ نظروں سے دیکھتا ہے جیسے یہ اپنے آپ سے پوچھتا ہو کہ یہ کیا ہوا............؟ اور کیا یہ حقیقت ہے یا خواب۔زبان گنگ ہوتی ہے اور آنکھیں نم، اسکی حالت اندوہناک ہوتی ہے ہوا کے سرسراتے جھونکے سر پیٹتے معلوم ہوتے ہیں۔پتوں کی کھڑ کھڑاھٹ مرثیہ خواں معلوم ہوتی ہے۔ماحول کی اُداسی پوری زندگی کی نفسیات پر حزن وملال کی موٹی موٹی تہیں جماتی ہے۔لیکن میرے لال! یہ رجاء وبیم کے وہ تھپیڑے ہیں کہ جن کے خلاف اسلام ہے۔اسلام ہمیں بڑے بڑے ٹھوس حقائق سے منہ پھیر دینے کا سبق سکھاتا ہے۔سنگلاخ پہاڑوں سے ٹکر لینا سکھاتا ہے۔پھر اس عزم واستقلال کا پُتلا کہ جو اسلام وایمان کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہو۔اپنی ولولہ انگیز خوداعتمادی کا سہارا لیکر مصیبت کی تاریکیوں میں بھی وحشت بن کر چھاجاتا ہے۔حسرت ویاس میں رخنہ پیدا کردیتا ہے۔زخمی خیالوں کا تیماردار ہوکر خطاپوش بننے کے بجائے مسلک انسانی کی منہ بولتی تصویر اور صبر وتحمل کا جیتا جاگتا ثبوت بن جاتا ہے۔

بیٹے! تمہیں عالم انسانیت کی قیادت کرنی ہے۔تمہیں اسیری اور کسمپرس قافلے کی رہبری کرنی ہے۔دامن صبر کو کھولے رکھنا اور اتنا جان لینا کہ اب تمہارے بغیر ان کا نہ کوئی والی ہے اور نا ہی ناخدا۔اچھا مجھے اجازت دیدو............؟ یہ فرما کر حسینؑ کھڑے ہوئے اور درخیمہ پر جونہی پہنچے تو بہن زینبؑ پر نظر پڑی۔عالم غربت میں بہن کے چہرے پر آخری بار بھرپور نظریں کیں اور ہولے ہولے قدم بڑھاتے ہوئے بہن کے قریب سے گذرے۔

انکشاف

جناب زینبؑ پر حسینؑ کی تقریر سے ایک سکتہ ہوا تھا۔ آنسو بار بار پونچھ رہی تھیں۔ امام حسینؑ ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ جناب زینبؑ نے آواز دی۔ بھیا! اب تو جا ہی رہے ہو۔ ایک عرض تو سنتے جاؤ۔ حسینؑ بہن کی اس خواہش کو رد نہیں کر سکے پلٹ آئے اور سوالیہ نظروں سے بہن کی طرف دیکھا ''بھیا! آپ کو معلوم ہے کہ ہماری ماں نے بھی کوئی راحت نہیں دیکھی۔ اُس دکھیاری نے مرتے وقت مجھے ایک وصیت کی تھی۔ مجھے اسکو پورا کرنے دو!'' آپ نے فرمایا کیوں نہیں وہ وصیت کیا ہے...........؟'' جناب زینبؑ نے عرض کیا'' بھیا! ذرا گردن پر سے کپڑا اہٹالو......! حسینؑ نے بہن کی فرمائش پوری، کی جونہی آپ نے کپڑا اہٹایا تو جناب زینبؑ نے قریب جا کر بھائی کے گلے کا بوسہ لیا۔ آپ نے بہن سے پوچھ لیا۔ بہن! میرے گلے کا بوسہ کیوں لیا...........؟ جناب زینبؑ نے جواب دیا بھیا! ماں نے فرمایا تھا کہ جب بھائی آخری رخصت کے لئے تمہارے پاس آئے گا تو اسکے گلے کا بوسہ لے لینا کیونکہ اسکے گلے کو کند چھری سے کاٹا جائے گا۔ حسینؑ نے یہ سن کر فرمایا، بہن مجھے بھی ماں نے وصیت کی تھی، وہ مجھے پورا کرنے دو۔ یہ فرما کر آپ نے جناب زینبؑ سے بازوں کا کپڑا اہٹانے کو کہا، جونہی جناب زینبؑ نے بازوں کا کپڑا اہٹایا، حسینؑ نے آگے بڑھ کر بہن کے دونوں بازوؤں پر بوسہ لیے اور فرمایا بہن! ماں نے فرمایا تھا کہ زینبؑ کے بازوں پر رسی باندھی جائیگی لہٰذا تم اسکے بازوؤں کا بوسہ لینا۔۵؎

حسینؑ خیمہ سے رخصت حاصل کر کے میدان کارزار میں اعدائے دین کے تیور دیکھ رہے ہیں۔ ہر شخص کا چہرہ بھیانک لگ رہا ہے۔ تلواریں تڑپ رہی ہیں، کمانیں کڑک رہی ہیں، ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا درندوں کا سمندر حسین ابن علیؑ کی نگاہ میں ہے۔ یہ وہ منزل ہے کہ جہاں نڈر سے نڈر افراد اور بہادر سے بہادر جانباز بھی حوصلہ ہار بیٹھتے ہیں۔ لیکن اتنے زخم سہنے اور اتنے گھاؤ برداشت کرنے کے باوجود حسینؑ ابن علیؑ کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری ہے حالانکہ جناب عباسؑ کی شہادت سے کمر ٹوٹ چکی ہے۔ علی اکبرؑ کے سینے پر برچھی دیکھ کر آنکھوں کی بصارت ختم ہو چکی ہے اور حالات اس قدر دردناک بن چکی ہے کہ جب گھوڑے پر سوار ہونے کا وقت آیا تو اتنی سکت بھی نہ تھی کہ خود ہی گھوڑے پر سوار ہو جاتے بہنؑ نے سہارا دے کر سوار کیا۔۶؎

آخری حجت

اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حسینؑ وہ تمام دکھ اور غم بھول گئے ہیں جو تھوڑی دیر قبل آپ پر پڑے تھے۔ بس آپ کی نظریں عقاب کی طرح ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک پرواز کرتی جارہی تھیں۔ فوج حیران ہے کہ ابھی حسینؑ نے کوئی کاروائی کیوں نہیں کی، آخر حسینؑ نے فوج کے قریب آ کر بلند آواز سے فرمایا:

ایہ یا منتحلة دین الاسلام ویا اتباع شر الانام هذا اٰخر مقام اقرع بہٖ اسماعکم واجتح بہ علیکم زعمتم انکم بعد قتلی تتنعمون فی دنیاکم وتستظلون قصورکم هیهات هیهات ستحاطون عن قریب بما ترتعد بہٖ فرائضکم وترجف منه افئدتکم حتیٰ لالوٴ یکم مکان ولا یظلکم امان وحتیٰ تکونوا ذل من فرام الامامة وکیف لاتکونو کذالک وقد اٰلیتم علیٰ انفسکم ان تسفکوا دم رسولؐ الله وتقتلوا ذریته وتظماء واصبیته وتوسروا نسوٴته ولقد خیرتکم بین خلال ثلاثه فابیتم ومنتکم وشوکتکم انی انقاد لطاغیتکم الملحد معاذالله نفوس ابیة واتوف حمیة تتعدنا عن الدنیه وتنهض بنانی العزالی ورود حیاض المنیة وما اشوقنی الیٰ اللحوق بهذا الفتیة والوفاء بعهدی لربی فخزواحذرکم ثم کیدونی جمیعا ولا تنظرون

اپنی طرف دین اسلام کو جھوٹی نسبت دینے والواورا ے بدترین خلائق کی پیروی کرنے والو۔ یہ تم لوگوں کو متنبہ کرنے کا آخری موقعہ ہے......میں احتجاجی طور پر تم سے کہتا ہوں کہ کیا تم لوگ میرے قتل کے بعد دنیا کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو جاؤ گے؟ فلک بوس محلوں میں رہو گے؟ یاد رکھو یہ صرف تم لوگوں کا گمان ہے، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ہے، عنقریب تم ایسی بلاؤں میں گرفتار ہو جاؤ گے جس سے تمہارے بند بند لرز اٹھیں گے۔ تمہارے قلوب تھرا اٹھیں گے اورتم لوگوں کی یہ حالت ہو جائے گی کہ جائے پناہ☆ ڈھونڈو گے، نہیں ملے گی۔ اور نہ ہی کہیں ٹھکانا میسر ہوگا، تم لوگ امت کے ذلیل ترین انسانوں میں سے ہو جاؤ گے اور کیوں نہ ایسا ہو تم لوگ گرفتار ہو جاؤ گے۔ تم لوگوں نے پیغمبرؐ کے خون کو بہانے کی قسم کھائی ہے۔ ان کی اولاد کو قتل کیا ہے، ان کے بچوں کو پیاسا رکھ کر اور انکی عورتوں کو اسیر بنا کر اپنا گڑھا خود کھود دیا حالانکہ میں نے تم لوگوں کے سامنے تین باتیں رکھ دی تھیں تا کہ ان میں کوئی ایک معاہدہ بن سکے لیکن تم ہو کہ ان کو ٹھکرایا اور طاقت کے زعم میں مغرور بن گئے۔ بلا یہ ممکن ہے کہ میں تمہارے بے دین امیر (یزید) کو اپنا حاکم تسلیم کروں، خدا کی پناہ......عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔ مجھے اپنے ان جوانوں (جو شہید کر دیے گئے تھے اشارہ ان کی طرف ہے) اور اپنے خالق سے ملنے کا شوق ہے لہٰذا مل کر آؤ ذرہ برابر بھی مہلت نہ دو“ ے

تاریخ بتلاتی ہے کہ آپ نے عمرو بن سعد کو بلا کر مندرجہ ذیل شرائط پیش کئے۔

ا۔ مجھے نانا کی قبر پر جانے دو......!

۲۔ پانی کا ایک گھونٹ مجھے دیدو......!

۳۔ ایک ایک کر کے مقابلے میں آجاؤ......!

ظاہر ہے پہلی شرط اس لئے نامنظور کر دی گئی کہ یزید صرف امام حسینؑ کے سر کا خواہاں تھا۔ اگر آپ مدینہ میں ہوتے تب بھی یزید یہ کام انجام دلوا سکتا تھا اور اب امامؑ یک و تنہا ایک دُور افتادہ صحرا میں کھڑے ہیں لہٰذا یزیدی

☆اور کربلا کے واقعہ کے کہ فوراً بعد حضرت مختارؒ آندھی اور طوفان کی طرح اُٹھے، حالت یہ بنی کہ بنوامیہ کو سر چھپانے کی جگہ بھی نہیں ملی۔

بھیڑیے اس شرط کو کیوں کر منظور کر لیتے جبکہ مدینہ کی نسبت یہاں امام کا سر کاٹنا آسان تھا۔

اور دوسری شرط......اسکے متعلق یزیدی فوج بخوبی جانتی تھی کہ اگر یہ شرط منظور کر لی گئی تو ہم کیا اگر پوری اسلامی سلطنت کی افواج بھی مقابلے میں آ جائے گی تو عہدہ برآ نہیں ہو سکتی، کم از کم مسلسل تین دن کی بھوک پیاس سے افواج کو یہ خیال تھا کہ ہم مقابلہ اچھی طرح سے کر سکیں گے۔ لہٰذا یہ شرط بھی رد کر دی گئی۔

رہ گئی تیسری شرط یہ منظور کر لی گئی۔

آخری شرط

حسین ابن علیؑ کا مقابلہ سب سے پہلے یزید ابطحی سے ہوا، یہ بہادر جونہی حسینؑ کے پاس آیا بجائے اسکے کہ اپنی بہادری کے کارنامے بیان کرتا اس نے آپ کو برے الفاظ سے مخاطب کیا لیکن آپ خانوادہ رسالت کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کا نام معلم تھا۔ آپ نے اسکی بری باتوں کو اسی طرح نظر انداز فرمایا جسطرح آپ کے نانا نظر انداز فرماتے تھے۔ آپ نے تلوار کا ایک بھرپور وار اس پر کیا جس سے یہ دو ٹکڑے ہوا۔

حالانکہ شرط یہ تھی کہ صرف ایک ایک مقابلے میں آ جائے، لیکن یہ تو وہ قوم تھی کہ جس کی سربراہی معاویہ جیسے عہد شکن نے کی تھی، لہٰذا انہوں نے اپنی اس شرط کو بالائے طاق رکھا۔ اکٹھے دو آدمی مخالف سمت سے آئے لیکن حسینؑ نے انکی عہد شکنی کو نظر انداز کر کے انکو بھی قتل کیا۔ اسکے بعد چار آدمی آئے، یہ بھی واصل نار ہوئے۔ اسکے بعد دس دس آدمی مقابلے پر آئے۔ علیؑ کے لال کے چہرے پر ہلکی سی شکن تک نہیں آئی۔ آپ نے بدر و احد کی رزمگاہوں کو یاد کرتے ہوئے ان کا کام بھی تمام کیا۔ یہاں تک کہ آپ نے ۹۵۰ آدمی موت کے گھاٹ اتارے۔ جو بھی سامنے آیا قید و بند کی صعوبتوں سے آزاد ہوتا گیا۔ ۸؎

نامور سرداروں کو قتل ہوتے دیکھ کر عمرو بن سعد نے چلا کے فوج کو مخاطب کیا، کیا دیکھتے ہو؟ اسطرح یہ قابو میں آنے سے رہے، یہ علیؑ کا فرزند ہے کمانیں کڑکاو، تیر چلاو، تلواریں سونت لو، نیزے سنبھالو، گھوڑوں کی بھاگیں اٹھاؤ جس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس کو لیکر آگے بڑھو اور جو خالی ہاتھ ہے وہ کم از کم پتھر اٹھا کر حملہ آور ہو جاؤ ورنہ قیامت کے آخری دم تک تم لوگ ابن علیؑ پر قابو نہیں پا سکو گے............!''

افواج کو جونہی حکم ملا، ریلے کی طرح آگے بڑھتے گئے۔ اب پوزیشن یہ رہی کہ ہر چار طرف سے فوج یلغار کرتی ہوئی بڑھتی گئی۔ حسینؑ ابن علیؑ کی جبیں پر ایک بار جناب شیر خداؑ کا جلال سا آ گیا، بازوں کی مچھلیاں پھڑکنے لگیں۔ گھوڑے کی رکاب میں پاؤں کو جما کر چیتے کا جگر اور عقاب کی سی پھرتی لئے ہوئے برق رفتاری سے بکریوں کے ریوڑ میں گھس گئے اس وقت آپ کی زبان پر یہ رجز تھے۔

ا۔ کفر القوم قدما وقد رغبو — عن ثواب الله ربّ الثقلین

۲.	قتل القوم علیا وابنه	حسن الخیر کریم الالوبینِ
۳.	حنقًا سنهم وقالوا اجمعوا	احشروالناس الی حربِ الحسینِ
۴.	یا لِقَوْمٍ من اَنَامٍ رذلٍ	جمعواالجمع لاهل الحرفینِ
۵.	ثم صاواداوتواصَواکلهم	باقیاحیِ ورضاء الملحدینِ
۶.	لم یخافو الله فی مسفک دمی	لعبید الله نسل ابکافرینِ
۷.	وابن سعد قدرمانی عنوةً	بجنور کوکوفٍ الهاطلینِ
۸.	لا لشئیٍ کان منی قبل ذا	غیرفخری بضیاء الفرقدینِ
۹.	بعلی الخیر من بعد النبی	والنبی القریشی الوالدینِ
۱۰.	خیرة الله من الخلق ابی	ثم اُمی فانا ابن الخیرتنِ
۱۱.	فضة قد خلصت من ذهب	فانا لفضة وابن الذهبینِ
۱۲.	من له جد کجدیِ فی الوریٰ	اوکشیخی فانا ابن العلمینِ
۱۳.	فاطمه الزهراء امی وابی	قاصم الکفرة ببدرٍ وحنینِ
۱۴.	عبدالله غلاماً یافعاً	وقریش یعبدون الوثنینِ
۱۵.	اللاتُ والعزی معًا	وعلی کان صلی التقبلتینِ
۱۶.	فابی شمس امی قمر	فانا الکواکب ابن القمرینِ
۱۷.	وله یوم احدٍ رفعةً	شفت الغل بغض المعسکرینِ
۱۸.	ثم فی الاحزاب والفتح معا	کان فیها حتف اهل الفلیقینِ
۱۹.	فی سبیل الله ماذاصنعت	امة السوء معًا بالعترتینِ
۲۰.	عترة البر النبی المصطفیٰ	وعلی الورد یوم الحجفلینِ۹

اب الگ الگ ان اشعار کا ترجمہ ناظرین کی خدمت میں بطور ہدیہ عرض ہے۔

۱۔ یہ قوم کافر ہوگئی ہے اور ثواب الٰہی سے پہلے ہی روگردان ہوگئی ہے

۲۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جنہوں علیؑ اور حسنؑ کو مارڈالا جو مجسمہ خیر و برکت والدین کے فرزند تھے

۳۔ ایسا انہوں نے پرانے☆ کینہ کی وجہ سے کیا اور اب یہ نعرہ لگا رہے ہیں کہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ حسینؑ کے خلاف لڑنے پر جمع کرو۔

☆ یہ کینہ کونسا تھا تفصیل کے ساتھ آگے آجائے گا۔

۴۔یہ کیسے ذلیل لوگ ہیں کہ جنہوں نے حرمین (مکہ ومدینہ) کے وارث سے لڑنے کے لئے لشکر اکٹھا کیا۔

۵۔اور ایک دوسرے کو میرے خلاف اُکسار ہے ہیں تا کہ دو ملحد (عمرو بن سعد اور عبیداللہ ابن زیاد) کو راضی کرسکیں

۶۔میرا خون بہانے میں انکو پروردگار دو جہاں کا کوئی خوف نہیں ہے، یہ تو صرف اُس ابن زیاد کو راضی رکھنا چاہتے ہیں جو دو☆ کافروں کی نسل سے ہے

۷۔ابن زیاد جبر وظلم اور تشدد واستبداء کی طرح ٹھاٹھیں مارتے ہوئے درندوں کے ذریعہ مجھ پر حملہ آور ہوا ہے۔

۸۔حالانکہ میرا قصور سوائے اسکے کچھ بھی نہیں کہ مجھے نبوت وامامت پر فخر ہے۔

۹۔ایک ان میں علی ابنؑ ابی طالب ہیں جن کا مرتبہ بعد النبیؐ ہے اور دوسرے قریشی والدین کے فرزند جناب محمد رسولؐ اللہ ہیں

۱۰۔میں ان کا فرزند ہوں جو خلق خدا میں برگزیدہ ہیں اور مصطفیٰ ہیں (یعنی چنے ہوئے)

۱۱۔اس چاندی کا کیا کہنا کہ جو طلائے خالص سے نکھار کر بنائی گئی ہو اور میں وہی نکھر شدہ چاندی ہوں جو دوسونوں سے حاصل ہوتی ہیں

۱۳۔میری والدہ فاطمہ زہراؑ اور باپ بدر وحنین میں کافروں کی گردنیں مروڑنے والے ہیں

۱۴۔جنہوں نے اُس وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کی کہ جب قریش دو بتوں کی پرستش کرتے تھے (لات وعزیٰ)

۱۵۔دو بت لات وعزیٰ ہیں اور علی ابن ابی طالبؑ نے اسوقت بھی دونوں قبلوں (بیت المقدس اور کعبہ) کی طرف نماز پڑھی۔

۱۶۔میرا باپ آفتاب ہے اور ماں وہ تو ماہتاب ہے اور میں دونوں کا درخشندہ ستارا ہوں۔

۱۷۔میرے باپ کے بلند اقبال نے جنگ احد میں دشمنوں کے لشکر کی کمر توڑ کر مسلمانوں کو اطمینان دلایا۔

۱۸۔اسکے بعد احزاب اور مکہ بھی ان ہی کی کوششوں سے فتح ہوئے۔

۱۹۔خدا کے لئے اے امت! کہ ان بزرگواروں کی عترت

۲۰۔یعنی جناب رسالتمابؐ اور شیر خدا کے ساتھ لوگوں نے کیا سلوک اور برتاو کیا۔

اسکے بعد درّانہ وار آپؑ افواج کوفہ پر ٹوٹ پڑے جسکے جدھر سینگ سمائے جان بچانے کی غرض سے بھاگتا

☆اسکا تذکرہ کتاب کے ابتداء میں گذر چکا ہے۔وہاں ملاحظ فرمادیں

گیا۔ آپ نے ان کی اس بھاگ دوڑ کو دیکھ کر دوبارہ چند رجز ارشاد فرمائے جن کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے:

میں ہوں حیدر کرار کا فرزند جو ہاشمی اولاد میں سے بہترین فرزند ہیں اور یہ فخر میرے لئے کافی ہے۔ میرے بزرگوار محمد مصطفیؐ خلق خدا میں اللہ تعالیٰ کو عزیز ترین ہیں اور ہم ارض کائنات پر الٰہی نور ہیں فاطمہ زہراؑ میری والدہ اور احمد مختارؐ سلالہ وخلاصہ ہیں۔ میرے عم بزرگوار حضرت جعفر طیار ہیں جنہیں رب العزت نے دو پر عطا کئے ہیں اور آپ جنت کی وسعتوں میں ملائکہ مقربین کے ساتھ محو پرواز ہیں۔ قرآن ہماری پاکیزگی، بلندی اور سچائی کے لئے نازل ہوا ہے۔ ہمارے ہی ذریعے سے وحی الٰہی اور ہدایت ہوا کرتی ہے۔ ہمیں ہی خداوند کریم نے امان قرار دیا ہے۔ ہم خدا کی مخلوق میں ذکر خیر سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ہم مالک کوثر ہیں، اپنے دوستوں کو سیراب کریں گے۔ ہمارے دشمن اس وقت نعمت سے محروم ہیں۔

اشعار بغور پڑھیئے اندازہ لگایئے کہ کس پیرا ہے پر حسینؑ دشمن کے سامنے اپنا مقام واضح کر رہے ہیں۔ کیا اسکے بعد بھی اتمام حجت کے لئے کوئی اور بات رہی......؟ کیا اب بھی یزید کے ہمنوا یہ کہیں گے کہ افواج یزید میں بہت سارے ایسے تھے کہ جن کو یہ تک نہیں معلوم تھا کہ مدمقابل کون ہے......؟ حسینؑ اس سے زیادہ اور کیا حقیقت بیان کر سکتے تھے؟ یہ کوفہ اور شام کے بازاروں میں کہہ دینا کہ ایک باغی نے امیر یزید پر خروج کیا تھا، وہی قتل کر دیا گیا رقابت نہیں تو اور کیا یہ رقابت تھی؟ یہ حقائق کا برملا اظہار ڈھکی چھپی بات تو ہے نہیں لیکن آہ! اب بھی حقیقت پر پردہ ڈال دیا جائے تو اس سے زیادہ اور کیا خنجر اسلام کے کلیجے پر لگا دیا جائے۔

مختصر یہ کہ بقول عمر ابن سعد، یہ علیؑ کا بیٹا ہے، اسطرح فوج یزید میں گُھس گئے۔ کہ ہر طرف چیخ وپکار بلند ہوئی۔ گھوڑوں کی نہایت ہنسناہٹ تلواروں کی جھنکار اور تیروں کا ٹکراؤ بڑا بھیانک ماحول پیدا کرتا گیا۔ شیر خداؑ کا لال جس طرف بھی فوج میں گھس آیا، کشتوں کے پشتے لگتے گئے۔ سر دھڑ کی بازی لگ چکی تھی، فوج نے واقعاً اس سے پہلے بھی لڑائی کی تھی لیکن حسین کی لڑائی سابقہ لڑائی سے منفرد تھی، آپ بازوؤں میں حیدر کرار کا جلال لئے ہوئے، چہرے پر جناب محمد رسولؐ اللہ کے نقوش لئے ہوئے اور عزم میں حمزہ کا کمال لئے ہوئے ان کی صفوں کو چیرتے رہے۔ گرد وغبار کا یہ عالم تھا کہ آسمان پر چمکنے والا شعلے برساتا ہوا سورج روپوش ہو گیا۔ ریگزار کربلا رفتہ رفتہ خون کا نقاب اوڑھتی گئی۔ حسینؑ کی تلوار جو بار بار صاعقہ بنکر اعدائے دین پر گرتی تھی خون میں ڈوبی ہوئی تھی۔ خون کے چھینٹے بار بار آپ کے لباس کا بوسہ لے رہے تھے۔ آپ کی تلوار بجلی بن کر ہر اُس شخص کا خرمن حیات بھسم کرتی گئی جو برے ارادے سے آپ کی طرف بڑھتا گیا۔ راوی کہتا ہے......بخدا! میں نے اتنا غیور، بہادر اور ثابت قدم کوئی نہیں دیکھا جتنا حسینؑ ابن علیؑ کو کربلا میں دیکھا۔ ہر طرف حسرت ویاس کی ہوائیں تھیں۔ فضا میں رنج وکرب کی سسکیاں تھیں، بوڑھے رفیق سے لیکر ششماہہ فرزند کے گھاؤ لگنے کے باوجود بھی آپ اس قدر برق رفتاری اور

چابکدستی سے حملے کررہے تھے کہ نبرد آزماؤں کے پتے بھی پانی ہو چکے تھے۔۱۰؎

فرات کا قبضہ

حضرت امام حسینؑ نے کہا..... معلوم ہوتا ہے کہ تم میں تاب مقابلہ نہیں ہے، میری بچی پیاس سے جاں بلب ہے، اب میں اسکے لئے پانی لینے جاتا ہوں، اگر تم میں جرات ہے تو روکو، یہ کہتے ہی حضرت امام حسینؑ دریائے فرات کی طرف چلے، عمر سعد اور شمر گھبرا گئے، وہ جانتے تھے کہ امامؑ نے پانی پی لیا تو نہ معلوم کیا حشر برپا کریں گے۔ عمر سعد نے اپنے سپاہیوں کو للکارا کہ خبردار! حسین پانی تک پہنچنے نہ پائیں۔ یہ حکم سنتے ہی کوفی تیار ہوئے تیر اور تلواریں ہاتھوں میں لے لیں ہتھیار دھوپ میں جگمگانے لگے۔

حضرت امام حسینؑ نے اپنا گھوڑا نہر فرات کی طرف موڑا۔ انہوں نے اس بات کا مطلق بھی خیال نہ کیا کہ بے شمار عراقی اور کوفی میدان جنگ سے نہر فرات تک پھیلے ہوئے ہیں، عمر سعد نے اپنا لشکر اس طرح سے صف بستہ کیا تھا کہ ایک طرف تو قافلہ نے امام کے خیام کا محاصرہ کر لیا تھا۔ دوسری طرف میدان رزم سے دریائے فرات اور وہاں سے نہر فرات تک پلٹنیں اور رسالے پھیلا دیے تھے اور چونکہ سب صف بستہ تھے۔ اسلئے ان کے ہتھیار جگمگا رہے تھے زرہ خود اور گھوڑوں کی لگامیں چمک رہی تھیں۔ دھوپ اس قدر سخت پڑ رہی تھی کہ دھوپ میں کھڑے ہونے والے چوٹی سے ایڑی تک پسینہ آرہا تھا۔ ایسی تیز و تند ہوا چل رہی تھی کہ جسم سے شعلے اُٹھ رہے تھے، میدان میں ریت کے سفید ذرے جگمگا رہے تھے، کہیں کہیں کوفیوں کی لاشیں پڑی ہوئی سڑ رہی تھیں۔

حضرت امام حسینؑ نے گھوڑے کو مہمیز لگا کر بڑھایا ذوالجناح کی تیز دوڑ سے معلوم ہوتا تھا، اس کے پَر لگ گئے ہیں اور وہ ہوا میں تیرتا ہوا اڑا چلا جارہا ہے۔ کوفیوں نے آپ پر تیروں کی بارش شروع کر دی لیکن آپ کا گھوڑا ان رسالوں اور پلٹنوں کی صفوں کے سامنے جو آپ پر تیر برساتے تھے بجلی کی طرح نکل جاتا تھا۔ کوئی ایک تیر بھی آپ کو یا آپ کے گھوڑے کو نہیں لگا۔ آخر کار امام حسینؑ نہر فرات کے کنارے پہنچ گئے وہاں جو عراقی اور کوفی پانی کی حفاظت پر متعین تھے انہوں نے آپ پر یورش کی، آپ نے ذوالفقار علیؑ کو بلند کر کے اس سختی سے حملہ کیا کہ دشمن پیچھے چلے گئے۔ کسی کو بھی آپ کے سامنے بڑھنے کی جرات نہ ہوئی۔

عمرو بن احجاج نے یہ کیفیت دیکھ کر اپنے سپاھیوں سے للکار کر کہا بہادرو! یہ کیا بزدلی ہے صرف ایک تن زاد باقی رہ گیا ہے جسے غموں، بھوک اور پیاس نے بے حال کر دیا ہے، ان کے قتل پر اس معرکہ میں ہماری فتح ہوگی، ان کے چاروں طرف گھیرا کر کے قتل کر ڈالو یزید تم سے خوش ہوگا اور تمہیں انعام دے گا، ان کی یہ ہمت افزا آواز سنکر سواروں کا ایک بڑا دستہ بڑھا۔

حضرت امام حسینؑ نے ان پر حملہ کر دیا اور ایسا سخت حملہ کیا کہ جو کوئی آگے بڑھتا تھا ان سب کے سر اُڑا دیئے یہ حالت دیکھ کر سواروں پر ان کی ہیبت چھا گئی۔ وہ گھبرا کر اسطرح پیچھے ہٹے کہ جیسے وہ بھاگ رہے ہوں حضرت امام حسینؑ نے کہا بدبختو! میں شیر خدا حضرت علیؑ کا بیٹا ہوں، جو میرے مقابلہ میں آئے گا اسکی جان کی خبر نہیں ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے گھوڑے کو آگے بڑھایا، دشمنوں کو یہ جرائت نہ ہوئی کہ آپ کو روک سکیں جسطرف آپ گذرتے تھے دشمنوں کے رسالے پیچھے ہٹتے چلے جاتے تھے۔ عمر سعد اور شمر لعین دور سے کھڑے دیکھ رہے تھے۔ عمر سعد نے کہا خدا کی قسم! یہ شیر خدا کے بیٹے ہیں ان کی ہیبت بھی علی مرتضیٰ سے کم نہیں۔''

شمر! یہی بات ہے لیکن ان کوفی بزدلوں کو تو دیکھو اس طرح بھاگ رہے ہیں جیسے شیر ان پر حملہ کر رہا ہے جی چاہتا ہے کہ ان سب کے سر اڑا دوں۔''

عمر سعد! مجھے ان کم بختوں پر غصہ آرہا ہے۔ یہ لوگ کس قدر بزدل ہیں......!

شمر! بزدل، کم ہمت اور غیر مستقل مزاج ابن زیاد ان کی رگ سے واقف ہے اسی لئے وہ ان پر حاوی ہے

عمر سعد!''مگر یہ وقت باتیں کرنے کا نہیں ہے، مجھے خوف ہے کہ اگر حسینؑ نے پانی پی لیا تو پھر ہرگز قابو میں نہ آئیں گے......!

شمر!''وہ تو بالکل نہر کے کنارے پہنچ گئے، اب کیا ہوگا......!

عمر سعد! ایک لمحہ توقف نہ کرو فوراً رسالے لو اور بڑھو......!

شمر نے جلد سے اپنے رسالے کو نہر فرات کی طرف بڑھایا اور عمر سعد نے چیخ کر کہا''بزدل کوفیو! کیا کرتے ہو، اگر تم نے حسینؑ کو پانی پینے دیا تو میں تم سے ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑ دوں گا......!''

اس تہدید کو سنکر کوفیوں نے حملہ کیا لیکن ان کے حملہ میں نہ جوش تھا نہ جرات البتہ وہ تلواریں تول تول کر حملہ آور ہوئے اور حضرت امام حسینؑ اور نہر فرات کے درمیان دیوار کی طرح حائل ہو گئے۔ حضرت امام حسینؑ نے جوش میں آ کر بطور رجز کے کہا ؎

اس فوج کے انبوہ کو کب مانتے ہیں ہم — پشہ بھی کمزور تھیں جانتے ہیں ہم
ہلتے ہیں جبل نیزے کو جب تانتے ہیں ہم — ان نیزوں سے لوہے کے جگر چھانتے ہیں ہم
رکتی ہے کہیں ضرب گر انباری ہماری
فولاد کو کھا جاتی ہے تلوار ہماری

آپ کا حملہ حقیقت میں ایسا تھا کہ جس شخص پر آپ تلوار مارتے تھے وہ ٹکڑے کی طرح دو ہو جاتا تھا۔ جس پر تلوار پڑتی تھی سینہ تک اُتر جاتی تھی خودوں اور ڈھالوں کو پھاڑ ڈالتی تھی یہ کیفیت تھی کہ ؎

چمکی جو خود پر تو سر سے نکل گئی　　مثل قرار سب کے جگرے سے نکل گئی
سینہ میں دم لیا تو کمر سے نکل گئی　　حیران تھا خود بدن کہ کدھر سے نکل گئی
اونچی ہوئی تو فرق عدو کو فرو کیا
گر کر اٹھی تو راکب و مرکب کو دو کیا

لیکن عمر سعد کے خوف اور شمر کے ڈر سے کوئی بھی ڈٹے ہوئے تھے۔قدم قدم پر آپ کو روک رہے تھے۔ کنارہ نہر کی ایک ایک انچ زمین پر اپنی لاشیں بچھاتے جاتے تھے۔جب حضرت حسینؑ ان پر حملہ کرتے تھے تو وہ اپنی ہمت و جرات کے موافق روکتے تھے۔لیکن امام حسینؑ کی تلوار سامنے آجانے والوں کو کاٹ کر رکھ دیتی تھی۔حضرت امام حسینؑ بڑے جوش و خروش سے،نہایت پھرتی سے حملہ کرکے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔کوئی قتل ہو ہو کر ،گر رہے تھے۔ان کے خون سے نہر کا کنارہ سُرخ ہو رہا تھا۔لاشوں کے ڈھیر لگ گئے تھے۔کوفیوں کے گھوڑے اپنے ہی آدمیوں کی لاشیں روندتے اور کچلتے پھر رہے تھے۔ایک طرف حضرت امام حسینؑ تھے اور دوسری طرف بے شمار فوجیں تھیں۔لیکن ان اکیلے کا یہ رعب وخوف تھا کہ ان پر جاکر حملہ کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی اور حضرت امام حسینؑ کا یہ عالم تھا کہ گھوڑے کو دوڑا کر اور اِدھر اُدھر سامنے جاکر دشمنوں کو قتل کرتے تھے۔کچھ دیر تو کوئی جمے رہے آخران کے قدم اکھڑ گئے۔وہ بدحواس ہو کر چپ و راست کی طرف بھاگے۔یہاں تک کہ نہر کے کنارے سے سارے شقی ہٹ گئے۔اب حضرت امام حسینؑ نے گھوڑے کو اشارہ کیا وہ جست لگا کر نہر میں کود گیا۔[۱]

اعتراف

فرات کے کنارے جو دیوار یزیدی فوج کی وجہ سے کھڑی ہوئی تھی وہ مسمار ہوئی۔تاریخ دہراتی ہے کہ لاشوں کو روندتے ہوئے اور انگنت چیخ و پکار کو نظر انداز کرتے ہوئے حسینؑ دلاورانہ انداز میں آگے بڑھے حالانکہ عمرو بن سعد نے صرف اس غرض سے اپنی تمام فوج فرات پر متعین کی تھی کہیں حسینؑ پانی نہ پئیں۔اسکو یہ خدشہ بری طرح ستا رہا تھا کہ اگر حسینؑ نے پانی کا ایک آدھ گھونٹ ہی پی لیا تو ہمارا ایک سپاہی بھی نہیں بچ سکتا ہے۔

ابن حجر مکی کے الفاظ ہیں: **ولـو ما كادوا به من انهم حالوا بينه وبين الماء لم يقدروا عليه وهو الشجاع القوم الذى لا يزول ولا يتحول فلما فنى اصحابه وبقى بمفرده حمل عليهم وقتل كثيراً من شجعانهم فحمل عليه كثيرون**

اگر یزیدی لشکر یہ دھوکہ نہ دیتا کہ امام حسینؑ اور یزید کے درمیان حائل ہو گیا تو کبھی امام حسینؑ پر قابو نہ پاتا کیونکہ آپ وہ بہادر اور دلاور سردار تھے جو نہ کبھی اپنی جگہ سے ہٹتے تھے اور نہ ہی کبھی اپنی منزل سے ٹلتے تھے۔جب آپ کے رفیق قتل ہوئے تو آپ تنہا رہ گئے لیکن اسکے باوجود لشکر یزید پر شدید حملہ کیا اور یہ حملہ اس قدر سخت تھا کہ

بڑے سے بڑے بہادروں کوتہہ وتیغ کر دیا۔ یہ دیکھ کر بہت سے دستوں نے آپ پر یکبار حملہ کر دیا۔۱۲؎

دنیا میں رستم کی بہادری مشہور ہے لیکن ایسے لوگ بھی گذرے ہیں کہ جن کے سامنے رستم کچھ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ اول درجہ حسینؑ کا ہے کیونکہ میدان کربلا میں تشنگی اور گرسنگی کے باوجود حسینؑ کی بہادری سے دنیا کے نامور بادشاہوں کی بہادری ماند پڑ جاتی ہے۔ بیس ہزار ۲۰،۰۰۰ دشمن کا مقابلہ آپ نے اس بے جگری سے کیا کہ تاریخ شجاعت بھی تھرا اُٹھی۔۱۳؎

ابن ابی الحدید معتزل کہتے ہیں: **قالوا یوم الطف ما رأینا مکثوراً قد افترق منه اخوته واهله وانصاره اشجع منه کاللیث المجرب یحطم الفرسان حطمًا.**

یزید کے لشکر والے کہتے ہیں کہ ہم نے حسینؑ سے زیادہ بہادر کوئی نہیں دیکھا۔ باوجود اسکے شکستہ حال تھے زخمی تھے، اصحاب وانصار قتل ہو چکے تھے لیکن جب حملہ کرتے تھے تو تجربہ کار شیر کی طرح لشکر شام پر ٹوٹ پڑتے تھے۔۱۴؎

قتل الحسینؑ من عسکر ابن زیاد کثیراً. حضرت امام حسینؑ نے ابن زیاد کے لشکر کے بہت سے سپاہی قتل کر دیئے۔۱۵؎

امام حسینؑ نے بہت سے آدمیوں کو قتل کیا۔ پھر واپس صحیح وسالم خیمہ میں آئے، پھر جنگ کی اور بہت سے بہادروں کو قتل کیا۔ پھر خیمہ میں پلٹ آئے دوبارہ جا کر نامور سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔۱۶؎

حسینؑ فرماتے تھے۔

دل سام کا سیماب ہوگر سامنے آئے — اور زال بھی بیتاب ہوگر سامنے آئے
رستم کا بدن آب ہوگر سامنے آئے — ھیبت زدہ سیراب ہوگر سامنے آئے
ہم فضل خدا سے بنی آدم پہ ہیں غالب
کیسے بنی آدم کہ دو عالم پہ ہیں غالب

صادق حسین سردھنوی

فریب

مختصر یہ کہ حسینؑ نے فرات پر قبضہ کر لیا۔

اگر حسینؑ پانی پینے میں کامیاب ہوگئے تو سمجھ لینا کہ صحرائے کربلا ہمارا مقبرہ ثابت ہو جائیگا......! یہ شمر نے اپنے سپہ سالار سے کہا۔ سپہ سالار جو عمرو بن سعد تھا، یہ بھی اپنی فوج کو کٹ کٹ کے گرتے دیکھ رہا تھا۔ سراسیمہ تھا، سوچ رہا تھا کہ اگر ابن علیؑ نے اسی طرح پنجہ آزمائی کی تو اس بھیانک صحرا کی پہنائیوں میں ہمارا وجود ختم ہو کر رہ جائیگا، اور اب شمر...... جو کربلا کی افواج میں عمرو بن سعد کے بعد دوسرا درجہ رکھتا تھا کی بر وقت مداخلت سے تھوڑی دیر

کیلئے خاموش ہوا۔اور کہا۔ کیاتم بتا سکو گے کہ اب کیا صورت ہمارے بچنے کی رہی.....؟ہاں !شمر نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہنا شروع کیا۔''ہم حسینؑ کو یہ چکمہ دیں گے کہ فوج نے خیام پرحملہ کردیا ہے.....؟ یہ میرااندازہ ہے جو شاید ہی کبھی غلط نکلا ہو.....!تو اسطرح کرو کہ خود ہی حسینؑ کو اسکی خبر دیدو اور اسکے ساتھ ایک فوجی دستہ خیام کی طرف بڑھاؤ تا کہ حسینؑ کوفوراًیقین آجائے کہ خیام پرحملہ کردیا گیا ہے۔عمر بن سعد نے شمر کی بات سنکر کہا۔

شمر نے اپنی فوج کے دس چیدہ افراد کو ساتھ لیکر حسینؑ خیام تک ایک بھیانک دوڑ لگائی۔واضح یہی کردیا گیا خیام کو لوٹنا ہے۔فوج میں ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک یہ خبر آندھی اور طوفان کی طرح پھیل گئی

اس سنسنی خیز ماحول میں عمرو بن سعد ایک دستہ کو لیکر فرات کی جانب بڑھا وہاں پہنچ کر حسینؑ سے کہا۔حسین!اب جنگ تمہارے لئے فضول ہے کیونکہ میری فوج تمہارے خیام لوٹنے کیلئے بڑھ چکی ہے.....!آپ عمرو کا یہ کلام سن کر بپھرے ہوئے شیر کی طرح فرات سے نکل آئے۔مزاحمت کی ہر دیوار کو توڑتے گئے آپ نیزے کو تول تول کرحملہ آور پر وار کرتے گئے جو بھی سامنے آیا موت کے گھاٹ اتر تا گیا۔جسکے سینے پر پڑا پار ہوا،جسکے سر پر پڑا اسکو جسم سمیت اٹھا کر صحرائے کربلا پر پھینک دیا۔تقریباً آپ کے اس حملے سے ساٹھ کوفی تہہ نیزہ ہوئے۔

افواج یزید یہ دیکھ کر سہم گئی،اب جدھر سینگ سمائے بھاگ اُٹھے۔میلوں تک پھیلے ہوئے لشکر میں خوف وہراس پھیل گیا۔اپنی اپنی جگہ سبھی لرزاں وحیران تھے۔کسی میں یہ ہمت اور جرائت نہ تھی کہ وہ آپ کے مقابلے میں ڈٹ جاتا۔

ایک طرف عمر بن سعد،عمرو بن حجاج سنان بن انس،خولی بن یزید قشم بن جعفی،صالح بن وھید؟ اور دیگر سرداران فوج اپنے اپنے رسالے کولڑنے کی ترغیب دے رہے تھے اور دوسری طرف شمر کے ہمراہ سردار اپنے اپنے دستوں کو للکار للکار کے کہہ رہے تھے کہ بزدلو! یہ آخری وقت ہے۔جیت ہماری ہے،جنگ کے فوراً بعد تم لوگوں کو انعام واکرام سے مالا مال کردیا جائیگا.....!لیکن سپاہیوں کے کلیجے حسینؑ نعرہ سے کانپ رہے تھے۔ان کو بخوبی علم ہو چکا تھا کہ موت کے بھیانک پنجے جو حسینؑ کے پنجے بن چکے تھے۔ان کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکتا ہے لہٰذا لالچ اور طمع میں آکر موت کو کیونکر قبول کیا جائے۔

یہ معمولی سپاہی تک جانتا تھا اور عمر بن سعد خود پریشان تھا سوچ رہا تھا علیؑ کا فرزند واقعاً آج پدر علیؑ کی یاد تازہ دلا رہا ہے حالانکہ زخموں دکھوں،آنسوؤں اور آہوں سے نڈھال ہو چکا ہے لیکن تو بہ!اسقدر عزم وہمت اور اس قدر استقلال وجرات کہ ابھی ایک آدھ زخم بھی حسینؑ کو نہیں لگ سکا مختصر یہ کہ جنگ کربلا میں بے پناہ فوج کے ساتھ اکیلا لڑنے والا جانباز ہیرو اس قدر محو جنگ تھا کہ حالات تشویش ناک بنتے جارہے تھے۔

شمر لعین کا حربہ کارگر ہوا.....فیصلہ حق میں نظر آتا گیا.....عمر بن سعد کے چہرے پر درندہ پن کی تمام تر

خصلتیں ہویدا ہوئیں۔

حسینؑ نے شمر کی آواز سنکر گھوڑے کی پیٹھ پر ہی سے اپنے خیام کی طرف دیکھا فوج کو بڑھتے دیکھ کر ایک بار آنکھوں میں خون اُتر آیا آپ فرات سے نکل آئے اور صفوں کی صفیں الٹتے ہوئے دوبارہ میدان کارزار میں آئے۔ یزیدی لشکر کا ہر سردار اسی خواہش میں لڑ رہا تھا کہ ایک تو انعام ملے گا اور دوسرا منظور نظر بنیں گے۔لہٰذا فوج کو بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ایک بار جب حسینؑ کے دوبارہ سدراہ ہوئے تو آپ نہایت غضبناک ہوئے آپ نے گھوڑے کو مہمیز کیا اور لشکر میں گھس گئے۔تاریخ کا بیان ہے کہ افواج یزید کوفہ کی دیواروں سے بھاگ بھاگ کر ٹکرا رہی تھیں۔حسینؑ یک وتنہا ان کے عقب میں شاہین کا تجسس اور چیتے کا جگر لئے ہوئے آرہے تھے یہاں تک کہ آپ نے مقام ذالکفل پر اپنا علم نصب فرمایا جو کربلا سے تقریباً بیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔اس معرکہ عظیم میں بقول علامہ ابن شہر آشوب آپ نے ایک ہزار نوسو پچاس آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

علامہ محمد ابن جریر طبری تحریر کرتے ہیں کہ جنگ جب پورے شباب پر آئی دشمن کٹ کٹ کر گرتے گئے لیکن جہاں ایک گرتا تھا وہاں دس دس آدمی اس جگہ کو پُر کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔حسینؑ سمجھ گئے کہ ان کا مقصد قتل اور صرف قتل ہے لہٰذا ان کو ایک بار پھر سے باز رکھا جائے۔آپؑ نے فرمایا۔

اے اہالیان کوفہ! پروردگار عالم میرے قتل سے انتہائی ناراض ہے۔قسم بخدا! جتنی تم مجھے زحمت دیتے جاؤ گے۔اللہ تعالیٰ اتنی ہی عزت مجھے عطا کرتا جائے گا اور اسکے بعد میرے قتل کا بدلہ اسطرح تم سے لیا جائیگا جس کے تصور سے بھی تمہارے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔اسوقت کا اتحاد انتشار میں تبدیل ہوگا۔تم لوگوں میں خانہ جنگیاں بپا ہوں۔تمہارا خون بہادیا جائیگا اور یہ تو دنیاوی ہتھکنڈے ہیں۔لیکن آخرت کی سزا کو اس سے بھی زیادہ ھولناک پاؤ گے۔۷۲ے

وفاداری

حسینؑ......شیر نینویٰ کا روپ دھار کر غیض وغضب کے عالم میں دوبارہ مصروف کارزار ہوئے۔فوج یزید کے دو نامور افسر اور مغرور درندے اعور سلمی اور عمر بن حجاج چار ہزار فوج لئے ہوئے فرات پر پھیل گئے۔آپس میں عہد کیا کہ مٹ جائیں گے لیکن حسینؑ کو ایک قطرہ بھی پانی میں سے لینے نہیں دیں گے۔اور دوسری طرف حسینؑ نے کنکھیوں سے ان کی طرف دیکھا آپ نے ذوالجناح کی باگ پکڑی، گھوڑا اڑتا ہوا مزاحمت کی دیواروں کو روندتا ہوا فرات میں داخل ہوا۔آپ نے گھوڑے کی لگام کو ڈھیلا چھوڑا تا کہ گھوڑا تین دن کی مسلسل پیاس کو بُجھا سکے۔لیکن کیا کہیں وفاداری کا، گھوڑے نے پانی کو چھُوا تک نہیں۔حسینؑ نے گھوڑے کو خطاب فرمایا۔پی لے میرے وفادار ساتھی۔بخدا تب تک تمہارا آقا پانی کو ہاتھ تک نہیں لگائے گا جب تک نہ تو پیاس بجھائے گا۔مگر گھوڑے نے اپنی

پیاس کو بارِ خاطر میں نہیں لایا۔ کیونکہ آقا سے پہلے پانی پی لینا وفاداری کے خلاف تھا۔ منہ اٹھائے ہوئے کھڑا رہا۔ ہر چند حسینؑ نے اصرار کیا کہ پانی پی لے لیکن گھوڑا تھا کہ نہ پینے پر اڑا رہا۔

حضرت حسینؑ نے گھوڑے کی دل تسلی کے خاطر چلو میں پانی اٹھایا، دشمن یہ سمجھ بیٹھا کہ حسینؑ خود پانی پینا چاہتا ہے لہٰذا چلا کے آواز دی۔ اے علیؑ کے بیٹے! تم خود تو پانی پی رہے ہو لیکن اہل حرم کو لوٹا جا رہا ہے.....؟ امام حسینؑ فرات سے نکل آئے، تیروں کا مینہ آگے سے برستا تھا، آپ طوفان کو نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ انگنت تیر آپ کے بدن کے اگلے حصے پر ساحی کے کانٹوں کے مانند پیوست تھے۔ خستہ حالی اور شکستہ دلی کا یہ عالم ہو چکا تھا کہ آپ گھوڑے پر سنبھل بھی نہ سکتے تھے۔ بدن اطہر پر انگنت زخموں کے خون کی وجہ سے دوسرا رنگ چڑھ گیا تھا۔ کچھ زخم ابھی تازہ تھے اور باقیوں سے رس نکل رہا تھا اور اب حسینؑ کو قتل کرنے میں کونسا امر مانع ہوتا......؟ شاید سبھی سوچ رہے ہونگے کہ اس جرم عظیم کا ارتکاب کون کرے۔ شمر فوج کی کیفیت اور حسینؑ پر برسنے والے تیروں، نیزوں اور تلواروں کے زخموں کا اندازہ لگا رہا تھا۔ جب یقین ہوا کہ اب حسینؑ میں مدافعت کی تمام قوتیں ختم ہو چکی ہیں، اپنے بہادروں کو حکم دیا کہ وہ آگے بڑھیں اور حسینؑ کو قتل کریں۔

مالک بن نسر عبدی نے آپ کے سر پر اس زور سے تلوار ماری جو کاسۂ سر تک پہونچ گئی۔ ۱۸

حسینؑ اس ضرب سے سنبھل نہ سکے۔ روایت کے مطابق جب حسینؑ ابن علیؑ میں تاب جہاد نہیں رہی تو آپ تھوڑی دیر کیلئے ٹھہر گئے۔ ناگاہ ایک ملعون نے ایک پتھر پیشانی اقدس پر مارا جس سے جبین مبارک مجروح ہوگئی۔ اسوقت حضرتؑ نے چاہا کہ عبا کے دامن سے خون پونچھیں، ناگاہ ایک تیر سہ شعبہ زہر آلود سینہ پر آ کر لگا۔ ۱۹

بعض روایات میں ہے کہ وہ تیر قلب مبارک پر لگا۔ آپ کی زبان سے بے اختیار **بسم اللہ وباللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ** نکلا۔ ابھی غش کھا کر گرنے ہی والے تھے آپ نے بجانب آسمان نگاہ حسرت سے دیکھا اور عرض کیا: خداوندا! تو جانتا ہے کہ یہ قوم جفا کار اس شخص کو قتل کر رہی ہے کہ اس وقت روئے زمین پر اسکے سوا کوئی دوسرا فرزند رسول نہیں۔

اسکے بعد تیر سہ شعبہ کو پشت کی جانب سے کھینچا تیر تو نکل آیا لیکن خون پرنالے کی طرح بہہ اٹھا۔ آپ نے زخم کے نیچے اپنا ہاتھ رکھا جب چلو بھر خون ہاتھ میں جمع ہوا تو آسمان کی طرف پھینک دیا۔ امام جلال الدین سیوطی تحریر فرماتے ہیں کہ وہ سرخی جو شفق پر اب تک باقی ہے یہ وہی سرخی ہے جو خون حسینؑ کی وجہ سے اس پر چھائی ہوئی ہے۔ ۲۰

دوسری مرتبہ چلو میں خون بھر کر اپنے ریش مبارک پر مل لیا اور فرمایا: اسی طرح اپنے جد جناب محمد رسول اللہ سے ملاقات کروں گا۔ ۲۱

سگِ ابلق

دنیا بے وفا ہے اور اسکے مکین دغا باز، کوئی بھی فرد اس دنیا میں امن وسکون سے نہیں رہا۔ کچھ تو ذہنی

پریشانیوں کے شکار رہے اور کچھ دنیاوی لوگوں کی وجہ سے زندہ درگور ہے۔ابنائے آدم کی کوئی کل ہی سیدھی نہیں ہے۔آج ایک رخ ہے تو کل دوسرا۔فریب، دھوکہ اور دغا پرستی انسان کی سرشت بن چکا ہے۔معاشرے کو چھوڑ کر اگر انفرادی جائزہ لیا جائے تب بھی بے وفائی کی بو رہ کے سامنے آتی ہے۔

چنانچہ امام حسینؑ اسی دنیا کی بے ثباتی، خودغرضی اور بے وفائی پر فرماتے ہیں:

فـان تـكـن الـدنيـا تـعـد نـفيسـه	فـدار ثـواب الـلـه اعـلـىٰ وانبـل
وان تـكـن الابـدان للموت انشئت	فـقتـل امرى فى الله بالسيف افضل
وان تـكـن الارزاق قسـمـا مـقـدر	فقلته حرص المرء فى الكسب اجمل
وان تـكـن الامـوال للترك جمعها	فـمـا بـال متـروک بـه المرء يبخل
سـامـضـى وما بالقتل عار على الفتىٰ	اذا فـى سبيـل الـلـه يـمضى و يقتل

کلامِ حسینؑ کی عالمگیر عظمت

معمولی اور غیر معمولی واقعات میں انسان کی زبانی طاقت گفتار سے جواب دیتی ہے۔اب اگر بدقت حرکت بھی کریگی تو الفاظ بے ترتیب بن کر منہ سے نکلنے لگتے ہیں۔لیکن کربلا کے خونین منظر میں پیہم جو کچھ بھی امام حسینؑ کو پیش آیا اسکے باوجود بھی امام حسینؑ کی زبان اطہر سے ایسے مربوط اور مبسوط جملے نکلے جو اپنے اندر وسیع مفہوم لیے ہوئے تھے۔بخوف طوالت میں صرف یہاں ایک قطعہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں:

قال الحسينؑ يوم قتله	وذل الحيات وذل الممات
وكلا اراه طعاماً وبيلاً	فانكان لابد احد عطما

فسيروا الى الموت سبر اجميلاً[۲۲]

موت وحیات جو بھی ذلت کے عالم میں ہو اس سے بچنے کے لیے انسان کو جوشاندار موت اسکی طرف بڑھنا چاہیے۔ذلت کی زندگی پر وہ موت کو ترجیح دیتے ہیں اور جان دینے کی منزل پر دلچسپی سے گامزن ہیں مستقل مزاجی اور عزائم کی پختگی اسی کا نام ہے۔

حوالہ جات

۱؎ ستارہ درخشان ج۵ص۱۷۳

۲؎ بلاغت الحسین ص۱۷۷؛ بحار الانوار ج۱۰ص۱۹۱

۳؎ روضۃ الشہد ا ءص ۳۴۴

۴؎ مقتل ابی مخنف ص ۷۹

۵؎ انتخاب المصائب ص ۱۱۶

۶؎ حوالہ ایضًا

۷؎ بلاغت الحسین ص ۱۸۱

۸؎ تاریخ طبری ج ۷ ص ۳۶۰

۹؎ بحارالانوار حصہ اول ص ۲۵۶۔۲۵۸

۱۰؎ تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۵۹

۱۱؎ کربلا ص ۱۷۰۔۱۷۳

۱۲؎ صواعق محرقہ، ابن حجر مکی ص ۱۱۸ ط مصر

۱۳؎ تاریخ چین دفتر دوم باب ۱۶

۱۴؎ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۴۸۲ ط مصر

۱۵؎ ارشاد الباری شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۲۹

۱۶؎ نوالابصار ص ۱۵۰

۱۷؎ تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۶

۱۸؎ تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۵۰

۱۹؎ بحارالانوار، مجلسی حصہ اول ص ۲۶۳

۲۰؎ تاریخ الخلفاء، جلال الدین سیوطی

۲۱؎ بحارالانوار حصہ اول ص ۲۶۳

۲۲؎ روض الاخبار منتخب ربیع الابرار، زمخشری

آخری امتحان

مختصر یہ کہ اب وہ وقت آ گیا جب شمع امامت گل کر دی گئی۔

حسینؑ ابن علیؑ پر ضعف اور غشی طاری ہوئی لیکن ابھی سرزمین کربلا میں ایسا کوئی نہیں تھا جو آپ کو درجہ شہادت پر فائز کر دیتا۔ کیونکہ جو بھی قتل کرنے کے لئے آگے بڑھتا گیا وہ مارے شرم کے پیچھے ہٹ جاتا تھا۔ لیکن کب تک؟ بھیڑیے صفت انسان بھی تو تھے جو ننگ انسانیت تھے، جو دین و مذہب کے ماتھے پر بھیانک داغ تھے، جن کے دل سیاہ بے رحم انسانوں میں ایک آدمی کہ جسکا نام مالک ابن بشیر تھا، نے آگے بڑھ کر نہ صرف امام حسینؑ کو ناسزا کلمات کہے بلکہ تلوار کا بھر پور ضرب سر اقدس پر مار دیا۔ آپ اس ضرب شدید سے بلبلا اُٹھے۔ آپ کا کلاہ اقدس خون سے بھر گیا اور یہ وہ وقت تھا کہ جب......لوح و قلم پر لرزہ طاری ہوا، عرش و فرش تھرا اُٹھے، قاب و قوسین کانپ اٹھے، ملک و فلک میں سراسیمگی پھیل گئی۔ تاریخ شاہد ہے کہ ملائکہ میں غم انگیز اضطراب چھا گیا۔ جبرائیل بے قابو ہو گئے۔ کلیجہ منہ کو آنے لگا، بصد ادب بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔ پالنے والے! مجھ سے حسینؑ کی بیکسی دیکھی نہیں جاتی ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ میں نے جھولا جھولایا ہے، لوریاں سنائی ہیں بہلایا ہے اور آج میرا پالا ہوا حسینؑ کسمپرسی کے عالم میں ہے۔ یار و مددگار قتل کر دیے جا چکے ہیں، اقربا اور انصار کشتہ جفا ہو چکے ہیں مجھے اجازت دیدے میں جا کر حسینؑ کی مدد کر دوں گا......!۔

خداوند لم یزل کا حکم ہو رہا ہے، دیکھو یہ میرا حسینؑ ہے، میرا مقرب بندہ ہے، مصائب جھیل کے آلام سہہ کے بھی حرف شکایت لب پہ نہیں لائیں گے۔ میں نے جنت کے دروازے اُس شخص کے لئے کھول دیے ہیں جو نام حسینؑ لے لے۔ حسینؑ کی محبت میں روئے، حسینؑ کے نام پر سبیلیں لگائے، حسینؑ کے نام پر سائل کا گھر بھرے، میں نے حسینؑ کے نام پر جنت کے دستاویز تیار کیئے ہیں......!

یہ حکم خداوندی عام ہے۔ خاص نہیں، ہر وہ شخص سن رہا تھا جو عالم وجود میں تھا، عالم ارواح میں تھا شیطان نے بھی سنا گھبرایا، تھرا اٹھا، کچھ سوچ کر کچھ سمجھ کر بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔ پالنے والے! جنت اتنی سستی۔ حسینؑ نے کیا کیا کہ جنت اسکے حق میں ہوگئی، اگر یہ معمولی مصائب اور آلام جو حسینؑ پر ٹوٹ پڑے کسی اور پر بھی پڑتے تو وہ بھی خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتا۔ اتنی سی آزمائش پر جنت دینے کا معمہ مجھ سے حل نہ ہو سکے گا......!

''کیا چاہتے ہو......؟کھل کر بات کرو'' رب دو جہاں کی غیض وغضب بھری آواز سے نہ صرف شیطان جو مخاطب تھا، تھرا اُٹھا بلکہ ہر وہ شئے لرز اٹھی جو وجود میں آ چکی تھی۔ اے میرے معبود! حسینؑ کا امتحان......! کیا تمہاری نظروں میں حسینؑ کے اسوقت کے امتحان سے اور بھی کوئی سخت امتحان ہے......؟ شیطان نے کہا ہاں......!

بتاؤ! تا کہ اس امتحان میں حسینؑ کو ڈالا جائے......!

اے رب دو جہاں! آفتاب کا رخ حسینؑ کے بدن کی طرف پھیر دو......!

اے حاملان آفتاب! آفتاب کا رخ حسینؑ کے بدن کی طرف پھیر دو......اور جتنی سوزش وتپش آفتاب کی حرارت میں ہے حسینؑ کے بدن پر پڑ جانی چاہیے......!

حکم خداوندی فوراً عمل میں لایا گیا۔ ریاض القدس ہو یا زھرۃ الریاض ہر ایک نے یہی لکھا ہے کہ اسقدر حسینؑ کے بدن اطہر پر گرمی شروع ہوئی کہ اب بجائے خون کے پانی جیسا کوئی سیال مادہ بہنا شروع ہوا......

جبرئیل جو بے تاب تھے، نیم بسمل تھے، ماہی بے آب تھے فوراً بارگاہ خداوندی میں سربسجود ہوئے پالنے والے! مجھے اجازت دیدے میں جا کے حسینؑ کی مدد کروں......!

جاؤ! آج تم بھی دیکھو گے کہ میرے مخلص بندے میرے سوا کسی اور کی مدد کے طالب نہیں رہتے ہیں......!

جبرئیل چشم زدن میں سرزمین کربلا پر اُتر آئے

تمازت آفتاب......اللہ کی پناہ......فرات کا پانی بھی گرم ہوا خود اور زرہ بکتریں افواج یزید کے جسموں پر انگارے برساتی گئیں۔ زمین شعلے اگلنے لگی۔ ہوا کی نم بھری سانسیں سوز وتپش سے اکھڑنے لگیں۔ ہر طرف ہو کا عالم طاری ہوا۔ گھوڑوں کی زبانیں باہر نکل آئیں۔ ماحول اور وقت کی نبضیں تک ڈوبنے لگیں......اور اس بھیانک آگ میں......خطرناک آزمائش میں......حوصلہ شکن ابتلا میں اور صبر شکن وقت میں ایک اولوالعزم ہستی دنیا وما فیھا سے بے نیاز صرف اور صرف بارگاہ معبود کے سامنے سربسجود ہے۔ اسکی جبین نیاز پر ایک آدھ شکن تک نہیں۔ چہرۂ اقدس ہر قسم کے جذبات سے عاری، سرتاپا بدن نازنین ایک سرمدی کیف وسرور لئے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے پرسکون ہے نہ گلہ ہے اور نہ ہی شکوہ۔ کہہ یتا......پالنے والے! اصغرؑ کی کمسنی کی شہادت سہہ گیا۔ اکبرؑ کی جوانی کا داغ برداشت کر گیا۔ عباسؑ کے بازو گئے اف تک نہ کی انصار ویاور گئے، شکوہ نہ کیا۔ لیکن یہ گرمی، یہ تپش اور یہ امتحان برداشت سے باہر ہے۔ لیکن کیا کہنا فاطمہؑ کے پالے اور علیؑ کے لعل کا، اُف تو بڑی چیز ہے آہ تک نہیں کیا۔ بلکہ ثبات قدمی اور صبر کی اعلیٰ منزل اسطرح دکھائی کہ انبیاء بھی اگر آ جائیں حسینؑ کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ آپ نے اس کٹھن مرحلہ میں جب قدم رکھا جبرئیلؑ نے اپنے پَر تمازت آفتاب اور حسینؑ کے درمیان پھیلا دیئے تا کہ تمازت آفتاب کا یہ صبر شکن امتحان میں دیدوں، لیکن واہ رے! عالم انسانیت کے راہبر اور واہ رے صابر وشاکر بندے۔ آپ نے

حرارت میں جونہی تخفیف ہوتے دیکھی تو فوراً جبرئیل سے فرمایا! اخی جبرئیل! میرے اور میرے معبود کے درمیان سے ھٹ جاو! آج عبدو معبود کے صحیح رشتہ کا خاکہ صحرائے کربلا پر نقش ہوکر رہ جائیگا۔ جبرئیل ہٹ پڑے آفتاب کی حرارت حسینؑ پر آگ اور طوفان بن بن کر گرتی رہی۔ حسینؑ نے زیرلب تبسم فرمایا اور عرض کیا:

ترکت الخلق لطرفی هواکا　　　وایتمت العیال لکی ارٰکا

فلو قطعطنی فی الحب ارباً ارباٰ　　　لما هن الفو ٔاد الا سواکا

پالنے والے! میں نے لوگوں سے رشتہ توڑ دیا ہے صرف تیرے لیئے۔ میں نے اپنے بھرے گھر کو یتیم کردیا ہے صرف تیرے لیئے۔ اگر تمہاری محبت میں میرے بدن کے بے شمار ٹکڑے کردیے جایں۔ پھر بھی تیری محبت کی بوا نگ انگ سے آتی رہے گی۔

یہ عجیب وغریب امتحان حسینؑ نے دیا اور اس امتحان میں سرخرو ہوئے۔ سرخروئی حاصل کرنے کے لئے کتنی کڑی آزمائش سے گذرنا پڑا ناظرین کرام نے اندازہ لگالیا ہوگا۔

حسینؑ اللہ والا تھا اور اللہ والے ان ہی جیسے امتحانات میں گذر کر آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا کوئی یہ سمجھے کہ مفت میں کسی پیغام کو حیات ابدی مل سکتی ہے، غلط ہے۔ حسینؑ کا طرز عمل ہی بتا رہا ہے کہ اسلام کی آبیاری کرنے کے لئے میں نے کیا کچھ کیا۔ لہٰذا...... اب اگر کوئی بھی اسلامی آواز کو باقی رکھنا چاہے تو اسکو ان جیسے امتحانات کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھنا ہوگا۔

سر نہ تھا، قبر نہ تھی، جسم کفن پوش نہ تھا　　　کہہ سکو کہہ دو حسین اب بھی سبکدوش نہ تھا

حسینؑ ابن علیؑ امتحان میں کامران ہوئے۔

قاتلان حسینؑ

۱۔ مالک بن بشیر کندی نے جو تلوار فرق اقدس پر ماری تھی اس سے کلاہ مبارک خون سے بھر گیا تھا۔ آپؑ نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کلاہ اتاری، دوسری کلاہ پہن کر اس پر عمامہ کس کے باندھا۔

۲۔ صالح بن وھب مزنی نے جو نیزہ پہلوئے مبارک پر مارا تھا۔ اس سے آپ گھوڑے پر سے داہنے رخسار کے بل زمین پر تشریف لائے تھے لیکن گرتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ کیونکہ نیزے اور تیر آپ کے ارد گرد زمین میں اسقدر پیوست ہو گئے تھے کہ جونہی آپ زمین پر تشریف لائے تو نیزے اور تیر اسقدر بدن اقدس میں زخم لگاتے چلے گئے کہ آپ تکلیف کی شدت سے فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہی وہ وقت تھا کہ جب جناب زینبؑ درّانا وار خیمے سے نکل آئی تھیں اور فرمایا: وا اخاہ! وا اسیداہ وا اقلة ناصراہ! کاش آسمان زمین پر پڑتا اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا اور میں یہ دردناک لمحہ نہ دیکھتی......!

۳۔شمر بن ذی الجوشن نے جب دیکھا کہ وقت نے بہت طول کھینچا تو اس نے غیض وغضب کے عالم میں ساہیوں کوحکم دیا۔!اب کس بات کی دیر ہے؟ کیا دیکھتے ہو؟ آگے بڑھ کے حسینؑ کا سر قلم کردو......!اپنے سردار کے غیض وغضب کو دیکھکر فوج آگے بڑھی، ہر طرف مظلوم امام حسینؑ پر یورش کردی گئی۔تاریخ کا بیان ہے کہ فوج اتنی حسینؑ ابن علیؑ کے قتل کے لئے جمع ہوگئی کہ خیام حسینؑ کی نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

ذرعہ بن شریک نے تلوار سے شانہ اقدس پر وار کیا،آپ نے نیم بسمل جان کو ایک بار سنبھالا اور ذرعہ بن شریک پر حملہ کردیا، ذرعہ خاک وخون میں گر گیا۔

۴۔ہجوم میں سے ایک شخص نے آپ پر تلوار کا وار کیا۔کہتے ہیں اس تلوار کے وار سے آپ میں ضعف کافی حد تک بڑھ گیا۔

۵۔سنان بن انس نے ایک نیزہ گردن مبارک پر مارااور دوسرا سینہ اقدس پر۔اسکے بعد اس شقی نے اور ایک بھیانک ظلم کیا۔تیر کمان میں جوڑ کر حسینؑ کے گلوئے نازنین پر مارا آپ اس تیر کی ضرب سے تڑپ اُٹھے۔آپ نے تیر اپنے گلوئے نازنین سے نکال لیا۔خون پرنالے کی طرح بہہ نکلا،آپ نے دونوں چلوں میں خون کو بھر لیااور ریش مطہر پر مل لیا اور فرمایا

هٰکذاحتیٰ القیٰ الله مخضباً مغصوباً علیٰ حقی

اس حال میں خون آلودہ اور مغصوب الحق خداوند کریم سے ملاقات کروں،گا اسی وقت عمر بن سعد نے خولی بن یزید الاصحی سے کہا،اب سر حسینؑ کو جدا کردیا جائے۔لیکن خولی جونہی قریب آیا کانپ اُٹھا۔اسکے بعد سنان ابن انس نے ایک تلوار گلوئے مبارک پر لگائی اور کہا!حسینؑ !اگر تیرا سر کسی ایک سے کاٹا نہیں جاتا تو میں تمہارا کاٹتا ہوں،حالانکہ میں جانتا ہوں کہ تم فرزند رسولؐ ہو۔اسکے بعد شقی نے آپ کا سر مبارک تن اقدس سے جدا کردیا۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جب امام حسینؑ روحی وارواح العالمین لہ الفداء میں زخموں کی کثرت سے سنبھلنے کی طاقت نہیں رہی تو شمر نے لشکر سے کہا۔اب کیا دیکھ رہے ہو؟حسینؑ کا سر تن سے جدا کردو......!یہ سن کر حصین بن نمیر نے آپ کے دہن مبارک پر تیر مارا،ابوایوب غنوی نے حلق اقدس پر تیر مارا ذرعہ بن شریک نے تلوار سے حملہ کیا،سنان ابن انس نے سینہ اقدس پر تلوار ماری۔صالح بن وھب نے پہلوئے مبارک پر زہر بھرا تیر ایسا مارا کہ آپ گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور زمین پر تشریف لائے۔اسکے بعد عمر بن سعد امام حسینؑ کے قریب آیا اور یہ وہی وقت تھا کہ جب امام حسینؑ کی مظلوم بہن جناب زینبؑ خیمہ سے نکل آئیں۔اسوقت آپ یہ فریاد کرتی جاتی تھیں

"وا اخــاہ!وا اسیـدہ! "ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صحرائے کربلا کیا تمام دنیا پر زلزلہ طاری ہوا۔جناب زینب کبریٰؑ نے عمر بن سعد کی طرف رخ کر کے فرمایا۔**یا عمر بن سعد ایقتل ابوعبدالله وانت تنظر الیه** ۔اے پسر سعد!میرا ماں جایا قتل کیا جارہا ہے اور تو کھڑا دیکھ رہا ہے۔

اسکے بعد شمر کے حکم پر شریک (ذرعہ بن شریک) نے دوش مبارک پر تلوار کا وار کیا۔ اب مظلوم کی یہ حالت بنی کہ کبھی درد کی وجہ سے اٹھتے تھے اور کبھی بیٹھتے تھے۔ سنان بن انس نے حسینؑ کی یہ حالت جب دیکھی تو لعین ابن العین نے زور سے آپ پر نیزہ مارا کہ آپ میں اٹھنے کی سکت نہیں رہی خولی نے چاہا کہ حسینؑ کا سر قلم کر دوں لیکن اسکے ہاتھ کانپ اٹھے، بدن پر لرزہ طاری ہو۔ سنان بن انس نے جب خولی کی یہ حالت دیکھی تو خولی سے کہا۔ خدا تیرے بازو توڑ دے، کیا تجھ سے حسینؑ کا سر جدا نہیں ہوسکتا ہے؟ شمر جو پاس ہی کھڑا تھا، غیض وغضب اور غصّے سے پیچ وتاب کھا کر گھوڑے سے اتر آیا اور اس مصحف ناطقؑ کو ٹھوکر ماری حسینؑ پشت کے بل گر پڑے اس بد بخت اور لعین نے آپ کی ریش مبارک پکڑی اور جھٹکے دینے شروع کئے۔ آپ نے نہایت ضعف کی حالت میں شمر کو یہ بے ادبی کرتے جب دیکھا تو فرمایا۔ اے شمر! سگِ ابلق تو ہی ہے......؟ یہ سنکر شمر غصہ میں آیا اور کہا۔ اے حسینؑ تم مجھے کُتا کہتے ہو؟ اسکے بعد آپ کو یہ کہتے ہوئے درجہ شہادت پر فائز کر دیا۔

اقتلک الیوم ونفسی تعلم　　　علمًا یقینًا لیس فیه زعم

ان اباک خیر من تکلم

میں تم کو قتل کرتا ہوں اور اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ تمہارے پدر بزرگوار خلق خدا میں نیک ترین ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ شمر بن ذی الجوش اور سنان بن انس دونوں حسینؑ کی طرف بڑھے۔ اسوقت امام حسینؑ میں ابھی ایک رمق جان باقی تھی۔ عطش کا یہ حال تھا کہ ایک تو لب ہائے نازنین مُرجھائے ہوئے تھے اور دوسرا زبان مبارک بار بار چباتے تھے۔ درد وکرب میں ڈوبے ہوئے الفاظ سے مقابل والوں کو مخاطب فرما رہے تھے کہ ایک گھونٹ پانی کا دیدو۔ شمر نے یہ جب سنا تو کہا!۔ اے حسینؑ! تیرا تو دعویٰ ہے کہ میرا باپ ساقی کوثر ہے۔ تھوڑی دیر صبر کرو، وہ خود پلائیں گے۔

اسکے بعد شمر نے سنان ابن انس سے کہا، پشت سے سر جدا کر دو......! سنان نے نہیں مانا۔ شمر بد بخت سینہ اقدس پر چڑھا اور ریش اقدس ہاتھ میں لیکر چاہا کہ سر کاٹوں حسینؑ نے فرمایا۔ اے شمر! تو نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔......؟ اس نے جواب دیا، ہاں جانتا ہوں۔ تمہاری ماں فاطمہ زہرا ہے جو بنت رسولؐ ہے اور باپ علی مرتضیٰؑ ہیں......! آپ نے فرمایا تو پھر کیوں مجھے قتل کرتے ہو......؟ اس نے جواب دیا۔ یہی سبب کیا کم ہے کہ ''تم محمد رسولؐ اللہ کے نواسے، علیؑ کے فرزند ہو......! اسکے بعد شمشیر کی بارہ ضربوں سے آپ کا سر جدا کر دیا گیا۔[۲]

قوم جن کا ورود

تاجدار شہادت سیدنا حضرت امام حسینؑ جس وقت نرغہ اعداء میں گھِر چکے تھے، ناگاہ صحرائے کربلا پر سے

آپؑ نے ایک گردوغبار اٹھتے دیکھا، جب دامن گرد چاک ہوا تو آپؑ نے ایک مہیب صورت کا ایک آدمی ایک ایسے گھوڑے پر سوار دیکھا کہ جسکا سر اور ہاتھ گھوڑے کے تھے لیکن پاؤں شیر کی طرح کے تھے۔ یہ مہیب شکل وصورت والا آدمی آپؑ کے قریب آیا اور اس طرح سلام کیا: **السلام علیک وعلیٰ جدک وعلیٰ ابیک وامک** آپ نے اسکو جواب سلام دیکر فرمایا: اے بھائی! تو کون ہے کہ جو اس وقت ہم بے کسوں، بے یاروں اور بے آسراؤں کے پاس آیا......؟ اس نے عرض کیا، اے سید وسردار! میں پریوں کا بادشاہ اور جناب رسالتمابؐ کا غلام ہوں، میرا نام زعفر ہے میرا لشکر اسی صحرا میں میرے حکم کا منتظر ہے۔ اے سید ومولا! آپ کے والد نے جب جنگ بئر العلم میں ایک ہولناک کنویں میں کود کر آنحضورؐ کے حکم سے تمام کافروں کو مسلمان بنایا تھا تو میرے باپ کو ان مسلمان دیوؤں کا سردار بنادیا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد میں ان دیوؤں کا بادشاہ بنا۔ مجھے حکم دیجئے، میں اپنا سارا لشکر لیکر ان ناہنجاروں کو نیست ونابود کردوں گا۔ یہ کہکر زعفر بصد ادب امام حسینؑ کے حکم کا منتظر رہا۔ لیکن کیا کہنا عفو وکرم کا آپ نے اس نازک وقت میں زعفر کو فرمایا، اے ہمدرد بھائی! آپ لوگ جسم لطیف رکھتے ہیں اور جن سے مقابلہ کرنا ہوگا وہ جسم کثیف، آپ لوگ ان کو دیکھ دیکھ کر قتل کروگے اور وہ بنا دیکھں آپ لوگوں کے ساتھ کس طرح جنگ کریں، گے لہٰذا یہ ظلم ہوگا۔ اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ ظلم ہو جائے۔ یہ ٹھیک ہے کہ میرے جد جناب محمد رسول اللہؐ کی خدمت میں جنگ احد کے دن ملائکہ آئے تھے۔ وہ بھی جسم لطیف رکھتے تھے چونکہ وہ خداوند کریم کے حکم سے آئے تھے لہٰذا ظلم نہیں ہے کیونکہ خداوند کریم کے ہاں ظلم ہے ہی نہیں......! زعفر نے اپنے آقائے دوجہاں کا بصیرت افروز جواب سنکر فرمایا، آقا ومولا! ہم انسانوں کی شکل میں آکر اس قوم جفاکار سے لڑیں گے، اگر انہوں نے ہمیں قتل کیا تو درجہ شہادت ملے گا۔ آپ نے فرمایا بھائی! میں تو اس ناپائیدار دنیا سے سیر ہو چکا ہوں **جزاک اللہ خیرا**

دوسری روایات میں ہے کہ آپ نے اس سے فرمایا۔ زعفر! میں تو آج ہی اپنے رب سے ملاقات کا خواہاں ہوں لہٰذا واپس جاؤ۔ زعفر مسلسل اشک بہاتے ہوئے واپس چلا گیا۔[۳]

قارئین کرام! آگے چل کر میں نے الگ باب مرثیہ وغیرہ کے متعلق قائم کیا ہے وہاں ان جنوں کے مرثیہ کے متعلق مندرج کردیا جائے گا۔

حوالہ جات

[۱] مرقاۃ الایقان ص ۱۸۴ [۲] اخبار الطّوال ص ۲۵۵؛ ارشاد ص ۲۵۷؛ طبری ج ۶ ص ۲۶۰؛ ابوا شہیدأ ص ۲۰۸ تا ۲۰۹؛ مقتل ابی مخنف ص ۸۶؛ الہوف فی قتل الطفوف ص ۴۸؛ مقتل الخوارزمی ج ۲ ص ۳۴ ص ۳۵؛ العیون العبری ص ۱۸۵۔۱۸۶؛ بحار الانوار حصہ اول ص ۲۶۶؛ مثیر الاحزان ص ۳۹؛ مناقب ابن شہر آشوب ج ۲ ص ۳۲۲؛ الاتحاف بجب الاشراف ص ۱۶؛ مقتل العوالم ص ۱۱۰؛ روضۃ الشہد ا ص ۳۵۳؛ ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۳۹۲۔

[۳] روضۃ الشہد ا ص ۳۴۶

خونین منظر

امام حسینؑ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

ا۔اس وقت آپ کے بدن اطہر پر تینتیس زخم نیزوں کے اور چونتیس زخم تلواروں کے تھے۔ ۱

۲۔آپ کے جسم اطہر پر تینتیس زخم تیروں کے اور چونتیس زخم تلواروں کے تھے۔ ۲

۳۔ایک ہزار نوسو زخم مختلف ہتھیاروں کے آپ کے بدن نازنین پر پائے گئے۔ ۳

۴۔**عن هلال بن نافع انه قال كنت واقف مع عمرو بن سعد اتحدث واذالا يقول البشر ايها الامير فقد قتل الحسين فوالله مارايت قتيلا مضمنحا بدمه وعلیٰ هذا نور وجهه وجماله يصعد الى السماء ثم حصرت مافى بدنه من جراح وسعد الرماح والبتال فوجدتهم مائة وعشرين جرحار نورالعين فى مشهد الحسينؑ.**

ہلال بن نافع کہتا ہے کہ میں عمرو بن سعد کے پاس کھڑا ہوا باتیں کر رہا تھا کہ ایک آدمی چلاتا ہوا آیا اور کہا، اے امیر! بشارت ہو، حسینؑ مارے گئے ہلال کہتا ہے، خدا کی قسم! میں نے کسی قتیل کو خون میں لتھڑا ان کی مانند نہیں دیکھا اور باوجود اسکے چہرہ کا نور و جمال آسمان کی طرف صعود کر رہا تھا۔ پھر میں نے ان کے جسم اطہر کے زخموں کا شمار کیا جو تلواروں نیزوں اور تیروں سے لگے تھے کل ایک سو بیس زخم تھے۔ ۴

ذوالجناح

امام حسینؑ جونہی مرکب سے جدا ہوئے، مرکب بھاگا نہیں، اس نے تب تک کمال وفاداری اور جانثاری کا ثبوت دیا۔ جب تک نہ نرغہ اعداء میں امامؑ گھبرا گئے، اور پھر جب امامؑ درجہ شہادت پر فائز ہوئے، عمر بن سعد نے حکم دیا کہ اس گھوڑے کو پکڑ لیا جائے۔ فوج جونہی آگے بڑھی اس نے چند سپاہیوں کو لاتوں سے مارا اور چند سپاہیوں کو بڑی بے دری سے کاٹا۔ تاریخ گواہ ہے کہ اسکے بدن پر بے شمار تیر آتے تھے، نیزوں اور تلواروں کے کئی گہرے زخم بدن پر تھے لیکن وفا کا یہ عالم تھا کہ نہ کبھی بدکا اور نہ کبھی گھبرا کے راکب کو چھوڑ بھاگا۔ بلکہ ثابت قدمی کا اعلیٰ مظاہرہ کر کے ایک منفرد مقام حاصل کیا۔

یہ گھوڑا جناب رسالتمابؐ کی سواری میں رہا کرتا تھا اسکا پہلا نام مرتجز تھا۔ یہ حبشہ کے شہنشاہ نے جناب رسالمآبؐ کو تحفتاً دیا تھا۔ یہ بھی ان تبرکات میں سے تھا کہ جن کے متعلق ابن عباس نے امیرالمومنین حضرت علیؑ سے کہا تھا کہ تبرکات نبویہؐ پر میرا حق ہے لیکن جناب کے استدال سنکر ابن عباس دست بردار ہو چکے تھے۔ اس وقت سے یہ بڑا ہی وفادار ثابت ہوتا رہا۔ جناب امیرؑ اور امام حسنؑ کے بعد یہ امانت امام حسینؑ کے پاس آئی، آپ نے بھی اسکو امانت اور تبرک سمجھ کر اپنی خاص سواری کیلئے رکھا۔

امام حسینؑ جب بھی مدینہ منورہ میں اس پر سوار ہوتے تھے تو عبداللہ بن عباس گھوڑے کی رکاب تھاما کرتے تھے۔

ذوالجناح کے چند اہم واقعات

حسینؑ جونہی زمین کربلا پر پہنچے تو آپ کا یہ گھوڑا سرمو آگے نہ بڑھا۔ ہر چند آپ نے ذوالجناح کو آگے بڑھنے کا اصرار فرمایا۔ لیکن شاید گھوڑا سمجھ گیا تھا کہ یہی وہ زمین ہے کہ جہاں پر میرے آقا اور مالک کا مزار بنے گا۔ چنانچہ آپؐ کے گھوڑے کے رکنے کو محمد طریحی نے بطور مرثیہ کے کہا ہے ملاحظہ ہو:

فلم نیبعث مهرو لم یجرمسم فقال فما هٰذی البقاء التی بها

وقفن الخیول السابقات فاعلم فقالو تسمیٰ نینو اقال اوضحوا

فقالو تسمیٰ کربلا قال خیمّوا لفم هٰذو الله اخبر جدنا

جب کسی گھوڑے نے آگے بڑھنے سے انکار کیا اور سواری رک گئی تو آپ نے پوچھا کہ اس بقعہ زمین کا کیا نام رکھا ہے؟ جس پر وہ گھوڑے رک گئے جو ہمیشہ برق رفتار تھے، لوگوں نے جواب دیا، اسکا نام نینوی ہے، فرمایا، صاف صاف کہو کچھ اور بھی نام ہے اسکا۔ لوگوں نے کہا، ہاں اسکا نام کربلا ہے، آپ نے فرمایا، یہیں اترو، یہیں خیمے نصب کرو، بخدا نانا نے اسی زمین کی مجھے خبر دی ہے۔

یہ تھا مرثیہ کے ان بندوں کا مفہوم! آپ نے دیکھ لیا کہ آج وہی گھوڑا آگے بڑھنے سے انکار کر رہا ہے کہ جو ہمیشہ صف اول میں رہا کرتا تھا۔

حسینؑ نے فرات پر قبضہ کر لیا۔ ذوالجناح کی پشت پر سور ہو کر آپ نے برق رفتاری سے فرات کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک دوڑ لگائی اور بلند آواز سے فرمایا۔ ہے کسی میں دم! جو علیؑ کے لال سے فرات کا قبضہ چھین سکے......؟ لیکن وہاں ہوتا کوئی تو جواب دیتا۔ وہ تو حسینؑ کے جاہ وجلال سے نو دو گیارہ ہو گئے تھے۔ آپ نے خراماں خراماں گھوڑے کو پیٹھ تک پانی میں اتارا اور اشارہ فرمایا، کہ لو پیو پانی......! لیکن ذوالجناح کی وفاداری کا کیا کہنا ہرگز پانی میں منہ نہیں رکھا۔ بلکہ سر اٹھائے اپنے آقا کا منتظر رہا کہ پہلے آقا پی لے اسکے بعد میری باری ہے۔ یہ وفا کا کمال ہے، حالانکہ بے زبان تھا لیکن اسی زبان بے زبانی میں آقا سے کہہ رہا تھا۔ کہ آقا! مجھے معلوم ہے کہ آپ

بھی تین دن کے پیاسے ہیں، یہ کسطرح ہوسکتا ہے کہ میں پیوں اور آپ پیاسے رہیں۔

امام حسینؑ جونہی درجہ شہادت پر فائز ہوئے تو گھوڑے نے تقریباً ۴۰ آدمیوں کو واصل نار کیا۔ اسکے بعد سر حسینؑ کی طرف نگاہ حسرت سے دیکھ کر مخدرات عصمت کے خیام کی طرف آیا۔ اس وقت قدرت خداوندی سے اسکے ھمھمہ میں واضح الفاظ کی صورت پیدا ہوگئی ذوالجناح اس وقت نہ صرف زخمی ہی تھا بلکہ انگنت تیر بھی بدن میں پیوست تھے۔ اسی حالت میں حیران و پریشان **الظلیمة الظلیمة من امة قتلت ابن بنت نبیها** فریاد اُس ظلم وستم کا کہ جس نے محمد رسول اللہؐ کی امت ہو کر اسکی لڑکی کے بیٹے کو قتل کیا۔ اسی حالت میں جب جناب زینبؑ کبریٰ کے خیمہ کے دروازے پر آیا تو جناب زینبؑ نے جناب سکینہؑ سے فرمایا۔ اٹھو بیٹی، بابا! پانی لے آئے ہیں۔ سکینہؑ دوڑی، **فرات الجواد عارياً والسرج خاليا من راكبه** ۔ ذوالجناح ننگا تھا اسکی زین راکب سے خالی تھی۔ آپ نے اپنی درد بھری آواز میں فرمایا اے میرے بابا کے مرکب! مجھے اتنا بتاؤ! میرے بابا نے مرنے کے وقت پانی پیا تھا یا اسکے بغیر ہی شہید کر دیا گیا۔ اسکے بعد گھوڑا آنسو بہاتے ہوئے فرات کی تند و تیز لہروں میں کودا اور آج تک اسکا بقیہ جسم کہاں گیا کسی کو علم نہ ہوسکا۔ ۵

انشاءاللہ ناظرین کرام کی ضیافت طبع کیلئے ذوالجناح کا شبیہ بنانے کے متعلق تاریخی اور معتبر احادیثی بیانات قلمبند کئے جائیں گے تاکہ وقت کے کم علم طبقہ کیلئے ایک سنگ میل قائم ہوسکے۔

سلب لباس

شقاوت اور درندگی کی یہ اور ایک انتہا تھی کہ جب آپؑ درجہ شہادت پر فائز ہوئے تو فوج کو کمانڈر انچیف کی طرف سے حکم ملا کہ اب حسینؑ کے بدن پر سے لباس اُتارا جائے اپنے سربراہ کا حکم سنتے ہی یزیدی بھیڑیئے آگے بڑھے۔

پیراہن مبارک کو............ اسحق بن خویہ حضرمی نے اتارا۔
عمامہ اقدس کو............ اخنس بن مرثد س علقمہ حضرمی نے اتارا۔
نعلین مبارک کو............ اسود بن خالد نے لیا۔
چادر اطہر کو............ قیس بن شعث نے لے لیا۔
تلوار کو............ جمیع بن خلق نے لیا۔
انگشتر مبارک............ کو بجدل بنی سلیم نے انگشت مبارک قطع کر کے لیا۔

حالانکہ اسوقت تک امام حسینؑ زخموں سے چور چور تھے۔ مگر اشقیاء کو اسکے ساتھ کیا تھا، آپ کی روح جب

قفص عنصری سے پرواز کر گئی تو ان لعینوں نے آپ کے جسم کو بھی عریاں کر کے رکھ دیا تاریخ شاہد ہے کہ آپ کے بدن نازنین پر کپڑے کا ایک تار بھی باقی نہ بچا تھا۔

کتُب سابقہ میں اس دردناک واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

They prated my raiments among them and from my vesture the did fast lots

انہوں نے میری پوشاک بانٹ لی اور میرے کرتے کے لئے قرعہ اندازی کی۔۶

پیاس کی شدت سے میری زبان تالو سے لگ گئی میرے لباس کو ان لوگوں نے بانٹ لیا۔۷

وہ میرے کپڑے آپس میں بانٹتے ہیں اور میرے لباس پر قرعہ ڈالتے ہیں۔۸

کلاہ اقدس جو کہ خز کی تھی مالک بن بشیر لے گیا۔

عمامہ مبارک .... اخنس بن مرثد بن علقمہ حضرمی لے گیا۔ اس نے جب عمامہ کو سر پر رکھا تو دیوانہ اور مجذوم ہو گیا۔

زیر جامہ بحر بن کعب تمیمی لے گیا۔ پہننے کے بعد اسکے مقعد سے خون اس قدر بہنے لگا کہ جہنم رسید ہوا۔

چادر (قطیفہ) خز کی تھی، یہ قیس بن اشعث کندی لے گیا اس قیس کا نام ہے قیس القطیفہ پڑ گیا تھا۔ یہ خوارزمی کی روایت کے مطابق جذام کے مرض میں گرفتار ہوا۔ جب اسکو اس بیماری میں اپنے گھر والوں کے پاس لیا گیا تو انہوں نے اسکو ایک مزبلہ میں پھینک دیا، ابھی زندہ تھا کہ کتوں نے اسکو چیر پھاڑ ڈالا۔

قمیض مبارک:۔ اسحٰق بن حیوۃ الحضرمی لے گیا۔ یہ بدبخت مبروص ہو گیا۔ یہی وہ قمیض شریف تھی کہ جس پر ایک سو دس زخم تیروں، نیزوں، تلواروں اور پتھروں کے تھے۔

کپڑا آپ کا جعونہ بن خویہ حضرمی لے گیا۔ یہ جہنمی مبروص ہو گیا۔

نعلین مبارک اسود بن خالد الازدی لے گیا۔

انگوٹھی مبارک بجدل بن سلیم کلبی انگشت مبارک جدا کر کے لے گیا۔ حضرت مختارؓ نے اس کے دو ہاتھ پاؤں کاٹ کر چھوڑ دیا۔

جناب مختار کا تذکرہ تفصیل سے آگے آئے گا

شمشیر جو بغیر ذوالفقار تھی، کو اسود بن حنظلہ جو قبیلہ بنی تیم سے تھا لے گیا۔ دوسری روایات میں ہے کہ فلافس نہشلی لے گیا۔ محمد بن ذکریا کہتے ہیں کہ اس شمشیر کو حبیب بن بدیل کے پاس دیکھا گیا۔

ابن شہر آشوب کی روایت کے مطابق آپ کی کمان رحیل بن خثیمہ الجعفی، ھانی بن ثبیث الحضرمی، جریر بن مسعود حضرمی ثعلبہ الاسود الاوسی لے گیا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کو یوم طف میں دو زرہیں تھیں۔ایک کو''درع تبراء کہتے تھے، یہ عمر بن سعد لے گیا تھا،ابوعمرو نے جب جناب مختار کے حکم سے عمرو بن سعد کو واصل نار کیا تو جناب مختار نے یہ زرہ قاتلِ عمر بن سعد کو بخشی اور دوسری زرہ کو مالک بن بشیر کندی لے گیا تھا جو بعد میں دیوانہ ہو گیا۔۹

اس ظلم وستم کے بعد فوج یزید نے جو کچھ کیا وہ علامہ ابن اثیر جزری کی زبانی سنیے۔

اسکے بعد لوگ فرشوں، لباسوں اور اونٹوں کی طرف متوجہ ہوئے اور سب کچھ لوٹ لیا۔پھر یہی نہیں کہ ان کے اسباب کو ہی لوٹا بلکہ جو کچھ عورتوں کے پاس تھا وہ بھی لیا یہاں تک کہ اگر کوئی عورت اپنی کمر کو ڈھکنے کے لئے کوئی کپڑا اوڑھتی تو وہ بھی اس سے چھین لیا جاتا تھا۔۱۰

وحشی

کربلا۔۔۔۔۔۔ہاں ہاں وہ کربلا جہاں محمدؐ کی آلؑ کی دردناک داستان بکھری پڑی ہے ریگزار کرب وبلا شہیدان راہ حق کے خون سے لالہ زار سے بنی ہوئی ہے۔اللہ اکبر! رسول اللہؐ کی آغوش میں پلنے والے علیؑ کا لعل اور فاطمہؑ کے راج دلارے کس شان مظلومی سے امت محمدیہؐ کے حذوخال ظاہر کر رہے ہیں۔کوئی جا کے ذرا زینبؑ کے دل سے پوچھے۔زینبؑ! تمہارا ماںجایا بھائی بے گوروکفن دشت نینویٰ پر بڑی بے کسی سے پڑا ہے۔اس کا کفن ودفن نہیں کر دگی۔۔۔۔۔؟ آہ! اے امت مسلمہ! زینبؑ بھائی کی قبر اپنے دل وجگر میں بناتی لیکن ظلم وستم کا طوفان ابھی تھما کہاں۔نظریں اٹھا کر ذرا دیکھ، وہ وحشیوں کا لشکر کن خطرناک ارادوں کو لیکر خیام کی طرف بڑھ رہا ہے، حالانکہ سیاہ آندھیاں آ بھی چکی تھیں۔زلزلہ آ بھی گیا تھا۔رنج وغم کی صدائیں گذر بھی چکی تھیں۔لیکن اتنے قدرتی آثار کے باوجود بھی دشمنان اسلام کے قلوب میں ذرہ برابر رحم کی ایک رمق بھی نہ آئی۔انہوں نے باغ نبیؐ کو تاراج کر ڈالا تھا۔ان کے دلوں میں خوف خدا باقی نہ رہا تھا۔وہ مزید ظلم وستم کر کے خدا کے انتقام کو بیدار کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

چنانچہ شمرلعین اپنے چند سواروں کے ساتھ لیکر حضرت امام حسینؑ کے خیموں میں پہنچا۔سیدانیاں اس ملعون اور اسکے نابکار ساتھیوں کو دیکھکر خوفزدہ ہو گئیں۔ان کا ڈرنا حق بجانب تھا۔وہ لوگ اسقدر سنگدل اور سفاک تھے کہ جنہوں نے بڑوں کے علاوہ بچوں کو بھی شہید کر دیا تھا۔ یز امام مظلومؑ کے قتل میں دریغ نہ کیا۔ وہ نہ معلوم اسوقت کیا ظلم وستم کریں۔

حضرت امام حسینؑ کی شہادت نے حرم اہلبیتؑ کی آنکھوں میں دنیا تیرہ وتار کر دی تھی انہیں اب زندگی کی پرواہ نہیں رہی تھی۔

جب شمرلعین خیموں کے قریب پہنچا تو حضرت زینبؑ نے اس بدکیش سے کہا۔''شمر! اب کیا ارادہ ہے؟''

شمر نے حضرت زینبؑ کے چہرہ کی طرف دیکھا۔ان کے چہرہ اقدس سے جلال ظاہر تھا۔ اگر چہ شمر ایسا وحشی تھا جو کہ سرکوب ہونا نہ جانتا تھا۔مگر اسوقت بھی رسول اللہؐ کی نواسی کے جوش وجلال کو دیکھکر وہ کچھ خوف زدہ ہوگیا۔نہایت ہی بے شرمی سے جواب دیا۔''میں مال واسباب لوٹنے آیا ہوں۔۔۔۔!''

حضرت زینبؑ ! افسوس ! اے شمر تجھے دولت کی محبت نے اندھا کر دیا۔تو نے آج باغ نبیؐ کو تاراج کر ڈالا۔ہم نے نہ پہلے دولت سے محبت کی ہے نہ اب کریں گے۔جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ سب لے کے شمر لعین نے خیموں میں گھس گھس کر لوٹ مار شروع کر دی۔جو کچھ دولت سامان ہاتھ لگا سب لے لیا۔ایک تنکا تک نہ چھوڑا، خواتین اہل بیتؑ سے زیور بھی لے لیا۔یہاں تک بے رحمی کی کہ حضرت سکینہؑ کے کانوں میں جو چاندی کی بالیاں تھیں، وہ بھی بڑی بے دردی سے اتار لیں۔!!

بولڈ کرس کی کہانی سپہر کاشانی کی زبانی

ابن سعد نے حکم دیا۔جو کچھ قلیل وکثیر ہاتھ میں آجائے خیام حسینیؑ میں سے لوٹ لیا جائے۔۔۔۔!''حکم سنتے ہی بنوامیہ کے وحشی نیزے، تلوار اور تیر لیکر خیام کی طرف بڑھے۔جس کسی کے کانوں میں گوشوارے تھے وہ جبراً چھین لیئے گئے۔ہر بی بی کے کانوں سے خون بہنے لگا۔چادریں، کپڑے اور دیگر سامان جو خیام میں تھا۔وہ لوٹ لیا گیا۔جناب زینبؑ فرماتی ہیں، کہ ہم خوف اور دہشت کی وجہ سے خود ہی اپنے سروں سے چادریں اتار اتار کر ان کو دیتی گئیں۔لیکن اس پر انہوں نے بس نہیں کیا۔ہر جگہ الٹ کے رکھدی گئی اور جو کچھ ہاتھ آیا لوٹ لیا۔

حمید بن مسلم کہتا ہے کہ لوٹ مار کے دستے کے سردار شمر کے ساتھ میں بھی تھا۔جب شمر امام زین العابدینؑ کے خیمہ میں پہونچا۔تو امام کو زندہ دیکھ کر چلا کے کہاں ارے یہ ابھی زندہ ہے۔اسکو کیوں نہیں قتل کر دیا گیا۔شمر نے بیمار کے قتل کا جونہی ارادہ کیا، میں نے اس سے کہا۔اے شمر! تجھے کیا ہوگیا۔بچوں تک کو بھی تو نے نہیں چھوڑا۔ارے یہ بیمار ہے۔اس نے تمہارا کیا بگاڑا۔شمر نے بات تو مان لی لیکن بیمار جس بستر ے پر تھا۔شمر نے اسکو اس زور سے کھینچ لیا کہ بیمار کربلا صحرائے کربلا پر اوندھے منہ گر پڑے۔

جب زینبؑ فرماتی ہیں، کہ میں اور رباب درخیمہ پر کھڑی تھیں کہ ایک کورچشم شخص ہماری طرف آیا اور جو کچھ خیمہ میں تھا لوٹ لیا۔اسکے بعد بیمارؑ کے پاس گیا اور جس بستر اپر آپ تھے، وہ آپ سے اسطرح کھینچ لیا کہ آپ غش کھا کر دوسری طرف گر گئے۔پھر یہ شخص ہماری طرف آیا، اور میرا ایک گوشوارہ کھینچ کر رونے لگا۔دوسرا گوشوارہ کھینچ لیا تو اور رویا۔میں نے اس سے پوچھا، تو ایک طرف لوٹ مار کر رہا ہے اور دوسری طرف رو بھی رہا ہے۔اسکی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا۔میں تو صرف اسلئے رو رہا ہوں کہ اہلبیتؑ ہو کر کس بلا میں گرفتار ہو گئے ہو۔جناب زینبؑ یہ سن کر خشم میں آئیں، آپ نے اس بد بخت سے فرمایا۔

"قطع الله یدک ورجلیکَ و احرقکَ بنارِ الدنیا قبل نار الاخرہ"

خدا تیرے دونوں ہاتھ پاؤں قلم کرے۔اوراخروی آگ سے پہلے دنیوی میں آگ میں جلا ڈالے۔

جناب زینبؑ کی دعا کی تاثیر ہی تھی کہ فوراً قبول ہوگئی ۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت مختارؓ نے اس بد بخت کو پکڑلیا تو ہاتھ پاؤں قطع کر کے اسکو آگ میں جلا دیا۔

فاطمہ صغریٰؑ سے روایت کی گئی ہے کہ اس ہولناک دن میں، میں بھی ایک خیمہ کے کونے میں کانپ رہی تھی ۔سامنے میدان کا دردناک منظر تھا۔سوچ رہی تھی کہ بابا کی شہادت کے بعد نہ جانے ہم سے کیا سلوک کیا جائے ۔ ناگاہ ایک سوار کو نیزہ لئے ہوئے دیکھا جو بیبیوں کو زخمی اور لہولہاں کرتا تھا۔ نیزے ان کی پشتوں پر مار رہا تھا۔ان کے سروں سے چادریں اتار رہا تھا۔ یہ سب سے بیاں نالہ وفریاد کررہی تھیں کہ:

واجدّاہ !واابتاہ ! واعلیّاہ! وا ملہ قلتہ ناصرہ! واحسناہ! امامن مجیر یجیرنا؟ امامن زایر یذور عنّا؟

یہ سنکر میرا کلیجہ پھٹنے کو آیا۔ میں نے اپنے یمین وشمال کی طرف نظر کی کہ آیا ہے کوئی جو مجھے کم ازکم اس آنے والی مصیبت میں پناہ دے سکے تو دیکھا کہ قریب ہی ام کلثومؑ کھڑی تھیں ۔میرے دل کو ڈھارس سی بندھ گئی۔

مگر آنے والا وحشی آ ہی گیا۔اس نے میرے شانوں کے درمیان اس وقت نیزہ مارا کہ جب میں خوف کے مارے بھاگنے لگی تھی ۔ضرب کی شدت سے میں بے حال ہوکر زمین پر گر پڑی ۔اس نے بڑھ کر میرے کانوں سے اس طرح گوشوارے چھین لئے کہ میرے دونوں کان پھٹ گئے ۔میرے پاؤں سے خلخال اتار لئے اوراسکے بعد اس بدبخت نے رونا شروع کر دیا۔ میں نے اس سے پوچھا تو روکیوں رہا ہے۔۔۔۔۔؟ اس نے جواب دیا کیوں نہ روؤں ۔حالانکہ اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ جناب رسالتمابؐ کی ذریت کو لوٹ رہا ہوں ۔ یہ سن کر میں نے اس سے کہا کہ پھر کیوں مجھے لوٹ رہا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ میں کیسے نہ لوٹوں جبکہ مجھے یقین ہے کہ دوسرا آدمی آ کر یہ چیزیں لوٹ لے گا۔

اسکے بعد اس بدبخت نے اور ایک نیزہ کا وار مجھ پر کیا۔ میں غش کھا کر گر پڑی جب ہوش آیا تو دیکھا کہ سر پر مقنعہ بھی نہیں چھوڑا تھا۔ جناب زینبؑ میرے سرہانے رورہی تھیں ۔ میں نے اپنے سر کو بے مقنعہ دیکھ کر پھوپھی اماں سے کہا:**یاعمتاہ !ھل من خرمہ استر بھا راسی علی ایمن النظار** ۔ اے عمہ جان! آیا ہے کچھ کہ جس سے میں اپنے سر کو ان دشمنوں کی آنکھوں سے چھپاؤں'' جناب زینبؑ صغریٰ کی خواہش سنکر تڑپ اٹھی ۔نہایت ہی دردانگیز لہجے میں فرمایا:**یابنتاہ! عمتکَ مثلک**۔اے بیٹی! تیری عمہ تو تجھ جیسی ہے۔[۱۲]

قارئین کرام! اہلبیت نبیؐ کے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک کہ جس میں بی بیوں کے ساتھ ماردھاڑ دہشت گردی،

لوٹ ماران کو زخمی کرنا، ان کے مقنعہ چھیننا ان کے سروں سے چادریں اتارنا۔ ان کے گوشواروں کو نہایت ہی سفا کی سے لوٹنا، انکے قلیل و کثیر مال پر ہاتھ صاف کرنا حتیٰ کہ پاؤں سے خلخال تک بڑی بے دردی سے اتارنا اور بیمار کربلا کا بستر لوٹنا تاریخ کی انگنت کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ ۱۳۱

یہ دردناک منظر کس نے دیکھا۔۔۔؟ رسولؐ اللہ نے دیکھا، انبیاءؑ نے دیکھا، اوصیاء نے دیکھا، اولیا نے دیکھا، ائمہ ھدیٰؑ نے دیکھا، اور ان وحشیوں نے دیکھا کہ جو اس کام پر مامور کردیئے گئے تھے۔ کیا انسان کا کلیجہ یہ سن کر سنکر شق نہیں ہوگا۔۔۔۔؟ کیا انسان صحرا نوردی یہ سنکر نہیں کرے گا۔۔۔؟ ابھی تو رسولؐ اللہ کا کفن بھی میلا نہیں ہوا تھا اور امت نے یہ سلوک اُن کی اہلبیتؑ کے ساتھ کیا۔

اوراق قرآن کی پائمالی

صحرائے کربلا پر حسینؑ اور آپکے اعزہ وانصار خاک وخون میں حق وصداقت کی زندہ تصویر بنے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قرآن کے اوراق ظلم وتشدد، جبر واستبداء، کذب وفریب، جعل ودغا کے مقابلے میں وضاحتاً بکھر چکے ہیں۔ سطر سطر حق وصداقت کے جلوئے لئے ہوئے ایک مکمل چیلنج ہے اور ان اظہار سے لباس تو اُتر گیا۔ لیکن مختصر شہادت پر ابھی تازہ خون کی سرخی سے نئے نئے پیغام ابھرتے جارہے ہیں۔

عمر بن سعد۔۔۔۔ فاتح قادسیہ کا بیٹا، افواج کربلا کا سپہ سالار یہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ دل ودماغ میں ایک ہلچل اور ایک طوفان مچ رہی ہے۔'' کیا حسینؑ اور اسکا خاندان مرکر بھی اسلام اور بانی اسلام کی حمایت کرے گا''۔۔۔۔؟ یہ سوال خونخوار سپہ سالار کے دماغ پر ہتھوڑے برسارہا تھا۔ نہیں کبھی نہیں۔! میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔۔۔ حسینؑ کا اسطرح رہنا ہمارے خرمن امید پر بجلیاں بن کر گرے گا، لہٰذا اس نے حکم دیا:

الا من ینتدب الی الحسین فیوطیء الخیل صدره وظهره.

(آیا ہے کوئی جو امام حسینؑ کی لاش کو گھوڑے کی سموں سے پامال کردے)

حکم کیا تھا۔؟ ایک بھیانک اور وحشیانہ حکم۔ اپنے سپہ سالار کا حکم سنتے ہی مندرجہ ذیل افراد یہ کام انجام دینے کے لئے آگے بڑھے۔

۱۔ اسحٰق بن خویہ	۲۔ اخنس بن مرثد
۳۔ حکیم بن طفیل	۴۔ عمرو بن صبیح صداوی
۵۔ رجاء بن منقذ العبدی	۶۔ سالم بن خشمہ
۷۔ صالح بن وھب جعفی	۸۔ واحظ بن ناعم
۹۔ ہانی بن ثبیت الحضرمی	۱۰۔ اسید بن مالک

یہ دس شقی ازلی اور بدبخت بڑے فخریہ انداز میں آگے بڑھے۔اس حالت میں کہ ان کے چہروں سے درندگی اور شقاوت ٹپکتی تھی۔ان کے سینے رحم سے خالی تھے۔ان میں رحم ہوتا بھی کیسے،عباس محمود العقاد مصری کی کتاب ابوالشہداء کے کہنے کے مطابق تو یہ سب کے سب کتے تھے۔کتوں سے بھی گئے گذرے تھے۔انہوں نے نہ رسالتمآبؐ کی طرف دیکھا اور نہ ہی قہر خداوندی کی طرف،تاریخ عالم اس جیسا دوسرا ظلم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اقوام عالم حیران ہے کہ اتنا کیا دھچکہ ان کو حسینؑ اور آپکے خاندان کی وجہ سے لگا تھا کہ یہ مردہ ابدان پر گھوڑے دوڑانے پر آمادہ ہوئے۔

الغرض! یہ شقی ابدان اطہار پر گھوڑے دوڑاتے گئے، ہر شہید کی لاش اس حد تک پائمال ہوئی، کہ اب یہ تشخیص کرنا مشکل تھا کہ کون کس شہید کی لاش ہے۔

جب یہ گھناؤنا فعل بجالا کے یہ افراد اپنے سپہ سالار کے پاس پہنچے تو فخریہ طور پر یہ شعر پڑھا:

نحن رضضنا الصدر بعد الظهر بكل يعبوب مشديد الاسر

ہم نے بہت قوی گھوڑوں کی ٹاپوں سے حسینؑ اور اسکے اصحاب کی پشتوں اور سینوں کو کچل کے رکھدیا اوران کے ابدان کو ریزہ ریزہ کردیا،جسم حسینؑ کو تیز گھوڑوں کی ٹاپوں سے''

ابن زیاد نے یہ سن کر کیا رول ادا کیا، وہ ملاحظہ ہو:

فائر لهم بجائزته يسيره (يسيره) ابن زیاد نے انکو انعام دیا۔

ابوعمر زاہد کہتا ہے کہ جب میں نے انکی صورت غور سے دیکھی تو مجھے ان کی صورت جانی پہچانی نظر آئی، یہ سب کے سب زنازادے تھے۔

جناب مختارؓ نے ان سب کو پکڑ کے انکے ہاتھ پاؤں میں آہنی میخیں گاڑدیں اوران کے بدنوں پر گھوڑے دوڑادیئے۔[۱۴]

اثراتِ شہادت

جب امام مظلومؑ کا سراطہر شمشیر کی بارہ ضربوں سے جدا کردیا گیا تو سنان بن انس نے آگے بڑھ کے سراطہر کونوک نیزہ پر بلند کیا۔افواج یزید میں خوشی اور مسرت کی لہریں دوڑنی شروع ہوئیں۔ان کے نعرے بلند ہونے شروع ہوئے کہ ایک بار صحرائے کربلا پر لرزہ طاری ہوا۔تاریخ کے فقرات ہیں:

وتزلزلتِ الارض واظلم الشرق والغرب واخذت الناس الرجفة والصواعق وامطرت السماء دمًا عبيطاً یعنی ارض کائنات پر زلزلہ طاری ہوا مشرق ومغرب سے ایک تندوتیز آندھی اُٹھی۔لوگ

سراسیمہ ہوگئے، بجلیاں آسمان کی وسعتوں میں کوندنی شروع ہوئیں، آسمان سے خون کی بارش ہونے لگی۔

یہ سب حالت خطۂ کائنات کے ہر حصے پر چھا گئی، لوگ سمجھنے لگے کہ نہ جانے کیا مصیبت پیش آئی، توبہ اور استغفار بے اختیار زبانوں سے نکلا، لوگ اسی کشش و پنج میں تھے کہ ناگاہ آسمان کی لامحدود وسعتوں سے ایک بلند اور دردانگیز صدا بلند ہوئی کوئی، کہہ رہا تھا:

قتل و الله الامام ابن الامام اخو الامام و ابو الائمة الحسین بن علی بن ابی طالب

بخدا مارا گیا امام ابن امام اور امام کا بھائی امام اور ائمہ کا باپ حسینؑ بن علی بن ابی طالبؑ

صدا کیا تھی......صاعقہ جو قلوب مومنین پر آندھی اور طوفان بنکر گرگئی، عرش و فرش میں محشر کا سماں بندھ گیا۔ لوگ سوچ رہے تھے کیا یہ حقیقت......؟ کیا واقعی فرزند رسول قتل کر دیا گیا......۱۵

عن ابن عباس انه قال ر أیت النبیؐ فیما یری انبائم بنصف النهار وهو قائم اشعت اغبر بیده قارو ة فیها دم فقلت بابی انت امی یارسول الله ماهذا؟ قال هٰذا دم الحسین و اصحابه لم ازل التقطه منذ الیوم فاحصنا ذالک الیوم فوجدوه قتل فی ذالک الیوم ۱۶

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن دوپہر کو میں نے حضرت رسول اکرمؐ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں۔ آپؐ کے بال پریشان ہیں۔ گردوغبار پڑا ہوا ہے اور آپ کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے کہ جس میں خون بھرا ہوا ہے۔ میں نے آنحضورؐ کو اس حالت میں دیکھکر عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپؐ کی یہ حالت کیوں بن گئی ہے؟ اور دست مبارک میں یہ خون بھری شیشی کیسی ہے......؟ آپؐ نے فرمایا یہ میرے فرزند حسینؑ کا خون ہے اور اس میں میرے فرزند کے اصحاب کا وہ خون بھی ہے جو آج (یوم عاشورا) میں مسلسل (کربلا میں) اٹھا کر جمع کر رہا تھا۔ ابن عباس کہتے ہیں میں نے اس دن کی تاریخ کو یاد رکھا۔ پھر جب امام حسینؑ کی شہادت کی خبر مدینہ پہنچی میں نے خواب کی تاریخ اور لوگوں کی بیان کردہ تاریخ ملائی تو روز عاشورا ہی کا دن نکلا۔

ایک اور روایت میں اس طرح آیا ہے: **حدثتنی سلمیٰ قالت دخلت علیٰ فی المنام وهی تبکیٰ فقلت مایکبیک قالت رایت رسول الله تعنی علیٰ راسه ولحیته التراب فقلت مالک یا رسول الله قال شهدت قتل الحسین انفاً** ۱۷

یعنی سلمیٰ کہتی ہے کہ میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس گئی تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں، میں نے پوچھا آپ کیوں رو رہی ہیں؟ انہوں نے جوب دیا کہ ابھی خواب میں میں نے جناب رسالتمآبؐ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپؐ کے سر مبارک اور ریش مبارک پر گرد چڑھی ہوئی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی یہ کیا حالت ہے......؟ آپؐ نے جواب دیا، ابھی ابھی حسینؑ کے مقتل سے آرہا ہوں

وذکروا ایضًا فی مقتل الحسینؑ ما قلب حجر یومئذٍ الا وجد تحته دم عبیط وانه کسفت الشمس واحمر الافق وسقطت حجارہ ۱۸؎

یعنی لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب امام حسینؑ شہید کر دیے گئے تو جو پتھر جہاں سے اُٹھایا جاتا تھا، اسکے نیچے سے تازہ خون جوش مارتا ہوا نکلتا تھا۔آفتاب کو آپ کی شہادت سے گہن لگ گیا اور آسمان کے کنارے سرخ ہو گئے اور پتھر ساقط ہو گئے۔

قال السدّی لما قتل الحسینؑ بکت علیه السماء وبکاؤھا حمرتھا یعنی سدی کہتا ہے کہ جب حسینؑ قتل کر دیے گئے تو آپؑ پر آسمان رویا اور آسمان کا رونا اسکے کنارے سرخ ہونے کو کہا جاتا ہے۔۱۹؎

من ابی سعید مارفع حجر من الدنیا و الا تحته دم عبیط ولقد امطرت السماء دمًا وبقی اثرہ فی الثیاب مدة حتیٰ انقطعت

ابوسعید کہتے ہیں کہ اس دن دنیا کا کوئی پتھر نہیں اٹھایا گیا کہ اسکے نیچے تازہ خون نہ ہو۔اور آسمان سے خون برسا اور اسکا اثر ایک مدت تک کپڑوں پر رہا یہاں تک کہ وہ کپڑے پھٹ گئے۔۲۰؎

ذاکر ابن سعد ان هذہ الحمرہ لم تر فی السماء قبل قتله ابن سعد کہتے ہیں کہ آسمان پر جو سرخی ہے یہ حسینؑ کے قتل سے پہلے قطعی نہیں دیکھی گئی۔۲۱؎

انس بن مالک سے روایت ہے ان کا بیان ہے کہ جب حسینؑ قتل کر دیے گئے تو سورج کو گہن لگا اور دن کو تارے نظر آنے لگے۔۲۲؎

آسمان سے خون برسا، شامی فوج کے برتن اس خون سے بھر گئے، یہ حسینؑ کی شہادت کا اثر تھا۔۲۳؎

آسمان سے خون برسا زمین سے خون ابل آیا بیت المقدس کے ہر پتھر سے خون جوش مار کے ابلتا ہوا پایا گیا۔دیواریں خون سے رنگین ہوئیں۔۲۴؎

قارئین کرام! یہاں مجملاً واقعات کو قلمبند کیا گیا ہے۔انشاءاللہ اگلے صفحات میں تفصیل سے اندراج کر دوں گا۔صرف اتنا یاد رکھیں کہ یہ غیر معمولی واقعہ تفصیل کا خواہاں ہے اور اسکی تفصیل یقیناً وقت کے کج فہم اور تنگ نظر افراد کے لئے حرف آخر کی حیثیت رکھے گی۔واضح ہے کہ مندرجہ الصدر حوالے صرف علماء کے اہلسنت والجماعت کے ہیں اسمیں صرف ابتدائی حوالہ علمائے امامیہ کی کتاب مستطاب سے نقل کر دیا گیا۔باقی کتب نہ صرف معتبر مانی جاتی ہیں بلکہ تحقیق وتدین کے معاملے میں ان کو علمائے اہلسنت نے سنگ میل قرار دیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔بحارالانوار حصہ اول ص ۲۶۷

۲۔بنی امیہ حصہ اول ص۱۶۲

۳۔العیون العبریٰ ص۱۸۱

۴۔تاریخ المطالب باب۳ص۲۹۳

۵۔نفاس الاجنار ص۴۱۸۔۴۱۹؛ ناسخ التواریخ ج۶ص۵۲۰؛ ستارہ درخشان ج۵ص۱۸۴

۶۔بحارالانوار حصہ اول ص ۲۶۷

۷۔انجیل یوحنا باب۱۹ آیت۲۴

زبور داؤد باب۲۲ درس ۱۵

۸۔زبور داؤد باب۲۲ آیت ۱۸

۹۔ناسخ التواریخ ج۳ص۸۔۷

۱۰۔خلافت بنی امیہ حصہ اول ص۱۶۲؛مقتل الخوارزمی ج۲ص۱۸؛ الہوف ص۲۷؛ مناقب ابن شہرآشوب ج۲ص۲۲۴

۱۱۔معرکہ کربلا ص۱۹۵۔۱۹۶

۱۲۔ناسخ التواریخ ج۲ص۱۰۔۱۵

۱۳۔تاریخ کامل، ابن الاثیر ج۴ص۲۳؛ تاریخ طبری ج۶ص۲۶۰؛ مثیر الاخزان ص۴۰؛ الدمعہ الساکبۃ ص۳۴۸؛ امالی الصدوق ص۹۹ مجلس ۳۱؛ ریاص المصائب ص۳۴۱؛تظلم الزہرا ص۱۳۰؛ البدایہ، ابن کثیر ج۸ص۲۶۰؛ مراتہ الجنان، یافعی ج۱ص۱۳۳

۱۴۔اس تمام واقعہ کو مندرجہ ذیل کتابوں میں تفصیل سے دیکھا جاسکتا ہے: بحارالانوار حصہ اول ص۲۶۹۔۲۷۰؛ تاریخ طبری ج۶ص۲۶۱؛ البدایہ، ابن کثیر ج۸ص۱۸۹؛ تاریخ خمیس ج۴ص۳۳۳؛ کامل ابن اثیر ج۴ص۳۳؛ مروج الذہب ج۲ص۹۱؛ اللہوف ص۷۵؛مقتل الخورزمی ج۲؛ خلافت بنوامیہ حصہ اول ص۱۶۳۔

۱۵۔ناسخ التواریخ ج۲ص۳۹۲

۱۶۔مسند احمد حنبل ج۱ص۴۸۳

۱۷۔ترمذی مناقب الحسن والحسین ص۲۴۰

۱۸۔تفسیر ابن کثیر ج۹ص۱۶۳

۱۹۔تفسیر فتح البیان ج۸ص۳۲۶

۲۰۔صواعق محرقہ ص۱۱۶

۲۱۔ارجع المطالب باب۳ص۲۹۹

۲۲۔نورالعین شہید الحسن ص۶۵۰

۲۳۔نورالابصار ص۱۲۹

۲۴۔خلافت بنی امیہ حصہ اول ص۱۷۰

فصل ۱۳

شام غریباں

اشکِ مسلسل

مشکل کشاؑ کی آمد

حسرت ویاس کا اندھیر رفتہ رفتہ پھیلتا جا رہا تھا۔ اگر ایک طرف شادیانے اور قہقہوں کی آوازیں تھیں تو دوسری طرف زخم خوردہ کلیجوں کی آہیں تھیں۔ خوف و دہشت کا یہ عالم تھا۔ کہ لٹیے ہوئے کاروان کے مصیبت زدہ ساکت تھے، خاموش تھے۔ رہ رہ کے آنے والی چیخیں سسکیوں میں تبدیل ہو ہو کر نکلتی تھیں ہر چہرہ سوالہ نشان بن چکا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے یہ اپنے آپ سے سوال کر رہے تھے کہ یہ کیا ہوا۔۔۔۔؟

کرب و بلا کا صحرا دکھ و درد اور رنج و کرب کی آغوش میں سمٹتا جا رہا تھا۔ حد نگاہ تک گھمبیر سناٹا اور ڈراؤنا سکوت سا طاری ہوا اور اس غم انگیز ماحول میں جناب زینبؑ در خیمہ پر مغموم اور دل ملول خاک پر بیٹھی تھیں۔ ناگاہ دیکھا کہ سامنے سے کوئی متحرک سا دھبہ آہستہ آہستہ بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ جب دھبہ اتنا قریب ہوا کہ اس نے ایک انسانی ہیولے کی صورت اختیار کی تو جناب زینبؑ یہ سمجھ کر تڑپ کے کھڑی ہوئیں کہ مبادا کوئی دشمن ہی نہ ہو اور خیموں کے جلنے کی روشنی میں لوٹنے کی غرض سے آ رہا ہو۔ آپؑ نے ایک جلی ہوئی لکڑی کو دست مبارک میں لیا اور اس بڑھنے والے کی منتظر رہیں۔ جب یہ انسانی ہیولا واضح طور پر انسانی خدوخال اور باوقار انداز میں قریب پہنچا تو آپؑ نے علیؑ کا جلال لیکر اس سے فرمایا۔ ''اے بڑھنے والے نقاب پوش! رک جاؤ۔۔۔۔؟ ہمارے پاس اب کچھ نہیں رہ گیا ہے کہ جواب تو لوٹنے کے لئے آیا۔۔۔! '' یہ ننھے ننھے یتیم تین دن کی بھوک و پیاس سے بے ہوش پڑے ہیں۔ خدا کے لئے ان پر رحم کھاؤ!''

الفاظ کیا ہیں۔۔۔۔؟ زخم خوردہ اور دکھی دل کی پکار ہے۔ جناب زینبؑ کے کلام کو سنکر نقاب پوش کے سر تا بدن پر ایک کپکپی سی طاری ہوئی۔ اس نے جونہی کانپتے ہوئے ہاتھوں سے نقاب کو کھینچا تو جناب زینبؑ کی چیخ نکل گئی۔ کیوں۔۔۔۔۔؟ اسلئے کہ یہ نقاب پوش علیؑ بن ابی طالبؑ تھے۔ زینبؑ کا دکھی باپ، حسینؑ کا زخم خوردہ باپ اور زمانے کا ستایا ہوا مشفق مہربان اور محسن تھا۔ آپؑ کی آنکھوں سے اشکوں کا ایک عظیم طوفان بہہ رہا تھا۔ آپ نے قریب آ کر غم خوردہ بیٹی سے درد بھرے الفاظ میں فرمایا ''بیٹی پہچانا نہیں۔ میں تمہارا باپ علیؑ ہوں۔۔!'' زینبؑ نے دھڑکتے ہوئے دل کو سنبھالتے ہوئے دردانگیز لہجے میں فرمایا'' بابا! اسوقت کہاں تھے جب آپ کے بیٹے کو دشمنوں

نے چاروں طرف گھیر لیا تھا۔ بابا! حسینؑ کے عزیز اور لاڈلے تین دن کی بھوک پیاس کے بعد ذبح کر دیئے گئے۔۔! بابا! آپ کا بیٹا مقتل میں بے گور وکفن پڑا ہے۔۔! بابا! میرے بھیا کی مدد کسی نے بھی نہیں کی۔۔! یہ ہماری حالت بنادی گئی ہے۔۔! یہ دیکھو! سکینہؑ کا کیا حال ہے۔ بابا! میرے بابا! ہمارا اس دنیا میں کوئی نہیں رہا۔''

ناظرین! جناب امیر المومنین نے جب بیٹی کا کلام سنا ہوگا تو آپؑ کے دل پر کیا گذری ہوگی؟ آپ اسکا اندازہ نہیں کر سکتے ہیں۔ اسکا اندازہ وہ علی بن ابی طالبؑ ہی کر سکتے ہیں کہ جنہوں نے صحرائے کربلا میں جناب زینبؑ کی شکستہ حالی دیکھی ہوگی، جس نے صبح عاشور سے لیکر عصر عاشور تک بھرے گھر کی بربادی دیکھی ہو، جس نے مخدرات عصمت کی بے چارگی خود ملاحظہ کی ہو۔ یہ تھا اس دردناک اور روح فرسا منظر کا ایک رخ۔

پانی لایا گیا

اور دوسرا رخ یہ ہے کہ صحرائے کربلا میں ہر طرف بلا کی تاریکی ہوتی۔ قیامت خیز اندھیرا ہوتا، حوصلہ شکن ظلمت کی تیرگیاں ہوتیں، اگر خیموں کی دم توڑتی ہوئی آگ نہ ہوتی، آگ کی روشنی تھی تو کچھ بھی نہیں تاہم لرزتے ہوئے شعلے محدود حد تک روشنی پھیلانے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آگ اس چراغ کے مانند ہے جو کسی سوگوار بیوہ نے سر مزار پر جلایا ہو اور اب قبرستان کے ہیبت ناک جھونکے اسکو لرزا اور سہار رہے ہوں۔ بار بار اسکا بجھنا اور جلنا اسکے امید وبیم کی کیفیت ظاہر کر رہا ہو۔ یہی حال اس آگ کا بھی تھا جو تھوڑی دیر قبل رسول اللہؐ کے کاروان کے خیام میں بھڑکائی گئی تھی۔

جناب زینبؑ ریگزار کربلا پر خاموش بیٹھی ہوئی ہیں۔ آس پاس حسینیؑ کاروان کے سہمے ہوئے، کانپتے ہوئے، اور گھبرائے ہوئے۔ ننھے ننھے بچے یا تو بے ہوش پڑے ہوئے ہیں یا وحشت وبربریت کا منظر دیکھتے دیکھتے تھکے ماندے پڑے ہیں۔

افواج یزید کی طرف سے گو کہ وقتی طور پر جنگ وجدل کی کاروائیاں رک گئی ہیں تاہم صبح کی سحر کا انتظار بڑی شدومد سے ہو رہا ہے۔ ان کا ہر وجود متحرک نظر آ رہا تھا۔ فخر ومباہات کی ڈھینگیں بڑے زور زور سے ماری جا رہی ہیں۔ قہقہوں کی بھیانک آوازوں سے صحرائے کربلا کا کلیجہ تک دہل جاتا تھا۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ سے ریگزار نینویٰ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

کوئی آ رہا ہے۔۔؟ یہ سوال بار بار جناب زینبؑ کے ذہن پر چھاتا جا رہا تھا۔ آپؑ کھڑی ہوئیں، غور سے افواج یزید کی طرف دیکھا۔ آپ کو فوراً اپنے سوال کا جواب ملا۔ آپ آنے والے کی منتظر رہی۔ آپؑ نے ام کلثوم کو جگایا، ربابؑ کو جگایا اور اسطرف اشارہ فرمایا کہ جہاں سے ان کی طرف کوئی آ رہا تھا۔ زینبؑ نے خیال کیا۔''اب رہ ہی کیا گیا ہے ہمارے پاس جو آنے والے کو لوٹنا ہے۔۔؟'' لیکن جب آنے والا اتنا قریب آیا کہ تینوں مخدرات

عصمت کی صاف نظر اس پر پڑی تو تینوں یہ دیکھکر حیران رہیں کہ یہ کوئی مرد نہیں تھا بلکہ عورت تھی اور اسکے ہاتھ میں پانی کا ایک گلاس (کٹورہ یا برتن) تھا۔

عورت پانی لیکر قریب آئی۔ زینبؑ سے بصد ادب عرض کیا۔ "بنت علیؑ! مجھے معلوم ہے کہ آپ لوگوں نے مسلسل تین دنوں تک پانی نہیں پیا ہے۔ میں تڑپ رہی تھی، ماہی بے آب تھی کہ کسی طرح آپ لوگوں تک پانی پہنچاوں لیکن دشمن کے تیور اور ارادے دیکھ کر میں آپ لوگوں تک پانی لانے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ میں موقع اور وقت کی تلاش میں تھی۔ آج مجھے موقع ملا ہے۔ مہربانی کر کے اس پانی کو قبول فرمائیں۔۔۔۔!"

یہ سوال تھا جو خاندان عصمت سے کیا جا رہا تھا۔ اگر رد کر دیا جاتا تو یہ کسر شان ہوتا۔ آپ نے پانی اس سے لیا اور سکینہؑ کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئیں۔ تلاش بسیار کے بعد دیکھا کہ سکینہ، حسینؑ کے سینے پر سونے والی سکینہؑ خاک کربلا پر ننگے سر و پیر بے سہارا پڑی ہوئی ہے۔ اسکا پھول سا چہرہ مرجھایا ہوا ہے۔ آپؑ قریب گئیں۔ سکینہؑ کو بیدار کیا اور فرمایا۔ بیٹی! تمہیں تین دن سے پانی کی تلاش تھی نا۔ لو اب اٹھو پانی پی لو۔۔! سکینہؑ نے پھوپھی اماں سے گلاس تو لیا لیکن معصومانہ انداز سے عرض کیا۔ پھوپھی اماں! جسطرح تین دن سے مجھے پانی نہیں ملا اسی طرح آپ کو بھی تو نہیں ملا۔۔! پہلے آپ پی لیجئے اسکے بعد جو کچھ بچے گا میں پی لوں گی۔۔!" جناب زینبؑ اس یتیمہ اور مظلومہ کا کلام سنکر تڑپ اٹھیں۔ کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ ناتوان بدن اطہر پر رعشہ طاری ہوا، آنسوؤں کی شدت میں طغیانی آئی۔ تاہم آپ نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے سکینہؑ سے فرمایا: بیٹی! پہلے چھوٹے بچے پیتے ہیں اسکے بعد بڑوں کا حق ہے۔۔!" سکینہؑ گلاس لیکر کھڑی ہوئیں۔ جناب زینبؑ یہ خیال کر کے خاموش ہوئیں کہ سکینہؑ اب پانی پی لے گی۔ لیکن! سکینہؑ نے قطعاً پانی نہیں پیا بلکہ گلاس لیکر مقتل کی طرف چلدیں۔ جناب زینبؑ نے دوڑ کے سکینہؑ کو روکا اور فرمایا: بیٹی اسطرف افواج یزید ہے، اسطرف کہاں جاؤ گی؟ سکینہ نے عرض کیا: پھوپھی اماں! آپ ہی نے تو فرمایا ہے کہ پہلے چھوٹے بچے پیتے ہیں۔ مجھ سے چھوٹے تو میرے بھائی علی اصغرؑ ہیں۔ پہلے وہ پانی تو پئیں اسکے بعد میں پیوں گی۔

تاریخ گواہ ہے ان معصومانہ فقرات سے مخدرات عصمت میں ایک کہرام مچ گیا۔ ہر طرف **واعلیاہ وامحمداہ واحسنا اور واحسینا** کی آوازیں بلند ہوئیں اور جناب زینبؑ کی یہ حالت ہوئی کہ غش کھا کر گر گیں۔ پھوپھی اماں کی یہ حالت دیکھکر سکینہؑ بھی دوڑی۔ مگر افسوس زمانے کی ستم ظریفی پر کہتے ہیں کہ پانی کا گلاس جناب سکینہؑ کے ہاتھ سے گر گیا۔

ساربان

سعید ابن مسیّب سے روایت ہے کہ جس سال حضرت امام حسینؑ کو شہید کیا گیا، اسکے دوسرے سال ایام حج

میں حضرت سید الساجدینؑ کی خدمت عالیہ میں گیا اور میں نے عرض کیا، اے میرے مولا۔ موسم حج قریب ہے میرے لیے کیا حکم ہے۔ آپ نے جواب دیا اپنی نیت کے مطابق جا کر حج کرو۔ اذن امامؑ پا کر میں حج کے مناسک بجالایا۔ ایک دن اثنائے طواف میں، میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اسکے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہیں اور اسکا منہ سیاہ ہو چکا ہے اور یہ خانہ کعبہ کے پردوں سے لٹکے ہوئے نہایت ہی دردناک آواز میں کہہ رہا تھا۔ اے خدائے کعبہ معظم اور اے پروردگار دو جہاں! امیرے گناہوں کو بخش دے اگرچہ مجھے یقین ہے کہ تو میرے گناہوں کو ہرگز بھی نہیں بخشے گا اور معاف نہیں کرے گا۔ چاہے تمام ساکنان روئے زمین اور آسمان اور تیری تمام مخلوقات مجھ گنہگار روسیاہ کی شفاعت بھی کریں، کیونکہ میرا گناہ بہت بڑا ہے۔'' راوی کہتا ہے کہ میں اور دوسرے لوگ طواف کعبہ کو چھوڑ کر اس شخص کے گرد جمع ہو گئے اور اس سے کہا۔ وائے ہو تجھ پر اگر تو شیطان بھی ہوتا تو بھی رحمت خداوندی سے مایوس ہونا سزاوار نہیں تھا۔ تو کون ہے۔۔۔؟ اور تو نے ایسا کونسا گناہ کیا ہے کہ جسکی وجہ سے تم مایوس ہو چکے ہو؟ یہ سنکر اس نے روتے ہوئے ہمیں اپنی روائد سنائی اس نے کہا۔

''میں اپنے گناہ کبیرہ کو خوب اور اچھی طرح سے سمجھتا ہوں۔ تبھی تو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کسی بھی صورت میں معاف نہیں کریگا، کیونکہ جب امام حسینؑ کربلا کی طرف چلدیے تو میں اسوقت آپکا ساربان تھا اور میرا معمول یہ تھا کہ جب امام حسینؑ وضو کیا کرتے تھے تو میں انکے ازار بند پر حرص وہوا کی نظروں سے دیکھتا تھا اور ہمہ وقت یہ خیال کرتا تھا کہ کسی وقت یہ ازار بند میرے ہاتھ ضرور لگنا چاہیے۔ لیکن دوران سفر مجھے اس ازار بند کے چرانے کا موقع نہیں ملا اور جب امام حسینؑ اپنے عزیز و اقارب اور اعوان وانصار کے ساتھ روز عاشورہ شہید کر دیئے گئے تو میں نے خیال کیا، اب مجھے ازار بند چرانے کا سنہری موقع ملا ہے۔ لہذا اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے میں نے اپنے آپ کو ریگستان میں چھپا دیا۔ جب رات کی ہولناک تاریکی پھیلتی چلی گئی، میں اٹھا، میں نے دیکھا، لاشہائے شہداء صحرائے کربلا پر بے گور و کفن پڑی ہوئی ہیں۔ میں نے امام حسینؑ کے بے سر بدن کو ڈھونڈ نکالا۔ آپ کا بدن اطہر اوندھے منہ زمین پر پڑا ہوا تھا۔ بقیہ بدن مبارک سے نور ساطع تھا۔ مجھے یقین ہوا کہ تن تنہا اور منور بدن امام حسینؑ ہی کا ہونا چاہیئے میں نے ازار بند کو پھٹے پرانے کپڑوں کو ادھر اُدھر کر کے ڈھونڈ نکالا۔ میں نے دیکھا کہ آپؑ نے ازار بند پر بہت سی گرہیں ڈال رکھی ہیں۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر ایک گرہ کو جونہی کھولنا چاہا تو امام حسینؑ کے بے سر بدن کو حرکت ہوئی اور حضرتؑ نے داہنا ہاتھ بڑھا کر ازار بند پر رکھدیا۔ میں نے ہرچند زور کیا کہ امام حسینؑ کی گرفت کو ازار بند سے اٹھاؤں لیکن میں کامیاب نہ ہوا۔ اسوقت نفس امارہ نے مجھے شدت سے اس بات پر آمادہ کیا کہ کسی نہ کسی طرح اس ازار بند کو اٹھا لیا جائے۔ میں اٹھا، میں نے لاشوں کو ادھر اُدھر کر کے ایک چھری تلاش کی، چھری تو نہیں ملی البتہ ایک ٹوٹی ہوئی تلوار ہاتھ لگی۔ میں خوش ہوا اور بہ سرعت تمام امام حسینؑ کے بدن اطہر کے قریب

آیا اور اس ٹوٹی ہوئی تلوار سے آپ کا داہنا ہاتھ تھوڑی سی کشمکش کے بعد جدا کر دیا۔ اسکے بعد تلوار کے ٹکڑے کو رکھکر گرہ کھولنے کیلئے دوبارہ ہاتھ بڑھایا، لیکن امام حسینؑ نے بائیں ہاتھ کے ذریعہ از سر نو ازار بند پر اپنی گرفت مستحکم کر دی۔ میں نے لاکھ جتن کئے کہ حسینؑ کے دست چپ کو اٹھاؤں لیکن کامیاب نہ ہوا۔ میں نے تلوار کا ٹکرا دوبارہ اٹھایا اور رگڑ دے دے کر آپؑ کا دوسرا ہاتھ بھی کلائی سے جدا کر دیا۔ اب میں خوش تھا کہ ازار بند اب میرے قبضہ میں آ گیا لیکن اچانک ایسا زلزلہ صحرائے کربلا پر طاری ہوا کہ میرے ہوش وحواس گم ہو گئے۔ نالہ وشیون اور گریہ و زاری کی جگر خراش آوازیں آنے لگیں۔ مجھے ایسا لگتا تھا کہ صحرائے محشر آ پہنچا ہے۔ مجھے بخوبی یاد ہے کہ کوئی درد وغم اور رنج وکرب میں یہ فریادیں دے رہا تھا:

وابناه وامقتولاه واذبيحا واحسينا واغريباه

میں نے یہ کلیجہ شکن فریاد سنکر خود کو لاشوں میں چھپا دیا۔ میں مزید آثار کا دھڑ کتے ہوئے دل سے منتظر رہا۔ میں نے دیکھا کہ تین مرد بزرگ اور ایک عورت گریہ وزاری اور جزع وفزع کرتے ہوئے امام حسینؑ کے بدن نازنین پر عجیب حالت میں آ گئے۔ ان کے ارد گرد بہت سے لوگ نوحہ و ماتم کر رہے تھے۔ ان میں ایک عالی قدر اور ذی وقار انداز میں کہہ رہا تھا: ''ہائے اے میرے فرزندؑ! تجھ پر نانا فداؐ ہو، تیری یہ حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ میری آنکھوں کے نور! میں نے امت کے ساتھ کیا برائی کی تھی کہ جسکا بدلہ تمہیںؑ دیا گیا۔۔!'' بین اور شکوے سنکر میں نے دیکھا کہ امام حسینؑ کے بدن اطہر پر سر اقدس بھی آ موجود ہوا۔ آپؑ نے اپنے ناناؐ کے کلمات سنکر نہایت ہی درد انگیز لہجے میں فرمایا: اے میرے نانا رسولؐ خدا! اے میرے بابا علی مرتضیٰ! اے میرے بھائی حسن مجتبیٰ! اور اے میری ماں فاطمہ زہراؑ! میری جانب سے سلام قبول فرمایئے۔۔ اے میرے نانا! ان ظالموں نے میرے خویش واقرباء کو نہایت ہی سفاکی سے قتل کیا۔ ہمارے اطفال کو تین دن کا بھوکا پیاسا ذبح کر دیا۔ ہمارا سارا مال واسباب لوٹ لیا۔ مخدرات عصمت کے سروں سے چادروں تک چھین لیں۔ اے جد بزرگوار! ہمارے حال پر رحم کھانے والا کوئی نہیں تھا۔''

ساربان کہتا ہے: حسینؑ کے کلمات سنکر سب بزرگ امام حسینؑ کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ گریہ وزاری اور نوحہ و فغان بلند ہوا۔ جناب فاطمہ زہراؑ اپنے بابا کے پاس آئیں اور گلو گیر لہجے میں فرمایا ''بابا! مجھے اجازت دیدیجئے میں اپنے فرزند کا خون چہرے پر مل لوں تا کہ بروز محشر خون بھری صورت لیکر درگاہ خداوندی سے فریاد کروں۔۔؟ جناب رسولخداؐ نے جواب دیا'' اے میری پارہ جگر! تم بھی میرے مظلوم بیٹے کا خون چہرے پر مل لو اور ہم بھی مل لیتے ہیں۔ ساربان کہتا ہے: میں نے دیکھا، جناب سیدہؑ نے امام حسینؑ کے ریش مبارک سے اپنے چلو میں خون بھر لیا اور اپنے چہرے پر مل لیا۔ اسکے بعد جناب رسالتمابؐ، علی مرتضیٰؑ اور امام حسن مجتبیٰؑ نے بھی خون حسینؑ اپنے سینہ وگردن اور کہنیوں تک ہاتھوں پر مل لیا۔ اسکے بعد جناب رسالتمابؐ نے رو کر فرمایا: اے میرے دوش اور سینہ پر پلنے والے!

تیرے نانا کیلئے اس سے سخت مصیبت اور غم اور کیا ہے کہ وہ تجھے خاک وخوں میں غلطاں دیکھے، تیرے بدن پر تیروں، نیزوں اور تلواروں کے انگنت زخم دیکھے، تیرے سر و بدن کو لہولہان دیکھے۔ تیرے سر اور ہاتھوں کو قطع دیکھے اور تجھے ریگزار کربلا پر بے گور وکفن اس حالت میں دیکھے کہ ریت اڑ کر تیرے بدن پر آ پڑے۔ میرے لال! مجھے بتادے یہ دونوں ہاتھ کس نے قطع کئے ہیں۔۔؟ امام حسینؑ نے جواب میں وہ تمام تفصیل دہرائی کہ جو مدینہ سے ہاتھ قطع ہونے تک میرے ساتھ (ساربان) پیش آئی تھی۔ اسکے بعد آپؑ نے فرمایا: میرے نانا جان! جب آپ لوگوں کا کاروان کربلا میں اترا تو وہ ساربان خوف و دہشت کی وجہ سے لاشوں میں چھپ گیا۔'' یہ سنکر آنحضرتؐ زار زار روئے۔ اسکے بعد میرے پاس تشریف لاکر مجھے فرمایا: اے ساربان! میرے بیٹے حسینؑ نے تیرے ساتھ کونسا ظلم کیا تھا کہ جسکا بدلہ تم نے اتارا۔ کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ ان ہاتھوں پر جبرئیل اور ملائکہ مقربین اکثر بوسے لیا کرتے تھے۔ اے ملعون! کیا وہ مظالم کافی نہیں تھے جو میرے بیٹے پر ڈھائے گئے۔ آہ! یہ تو نے کیا کیا۔ خداوند کریم! تجھے بھی قاتلین حسینؑ میں شامل کرے اور تیرے منہ اور بدن کو دنیا و آخرت میں سیاہ کرے۔ تیرے ہاتھوں اور پیروں کو قطع کرے'' ساربان کہتا ہے کہ ابھی آنحضرتؐ کی دعا ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ میں شل ہو گیا اور میرا منہ مانند شب تاریک سیاہ ہوا۔

ساربان کا ماجرا سنکر سعید ابن مسیّب اور باقی تمام سننے والے افراد دم بخود ہو گئے۔ راوی کہتا ہے کہ مدینہ میں ایسا کوئی بھی شخص نہیں رہا کہ جس نے اس ملعون سے یہ واقعہ نہیں سنا ہو۔ اب لوگوں کا شعار صرف یہ رہا کہ اس ملعون کے پاس جا کر اسکو لعنت کرتے تھے۔

مقتل

وقت گذرتا گیا۔۔لاشہائے شہداء مقتل میں بے گور وکفن پڑی ہوئی ہیں۔کربلا کی ریت ہواؤں کے دوش پر آ آ کرابدان شہداء پر رفتہ رفتہ کفن ودفن کے انتظام میں مشغول ہے۔عمر بن سعد نے حکم دیا کہ ''حسینؑ کا روان کو بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کیا جائے۔۔!'' اب کیا تھا، درندوں نے آگے بڑھ کر کسی کو تازیانہ مارا، کسی کو نیزہ مارا اور کسی کا گریبان پکڑ کے اس جگہ جمع کیا جہاں اونٹ اپنی لمبی لمبی گردنیں اٹھا کر دنیا کی بے ثباتی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ حمید بن بکیر الاحمری، عمر بن سعد کا حکم سنکر کوچ کا اعلان کر چکا تھا۔

صادق حسین سردھنوی فرماتے ہیں:

''ان وحشیوں نے اپنی درندگی کا یہ اور ثبوت دیا تھا کہ حضرت زین العابدینؑ جو اس قدر بیمار تھے کہ اٹھ بھی نہ سکتے تھے کو زنجیروں میں جکڑ دیا تھا، وہ سخت غمزدہ تھے، بیماری سے بے حال ہو رہے تھے۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ زنجیروں میں کس دیا۔ سوچیں وہ مسلمان جو ذرا سی بیماری سے گھبرا جاتے ہیں، جو گرمی کے موسم میں نرم بستروں پر لیٹتے ہیں، جن کی تیمارداری اور خدمت کیلئے خدام اور اقربا موجود ہوتے ہیں کہ حضرت زین العابدینؑ کی اس وقت کیا کیفیت ہوئی ہوگی۔ کوفیوں نے اس سے بھی زیادہ وحشیانہ بربریت کا مظاہرہ کیا کہ رسولؐ زادیوں اور دوسری مسلم خواتین کو برہنہ سر اونٹوں پر سوار کر لیا۔ پھر انہیں بھی آپسمیں رسیوں سے جکڑ دیا۔''

امام زمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہ فرماتے ہیں:

ایدیهم مغلوله الیٰ الاعناق یطاف بهم فی الاسواق"

ہائے افسوس ان ہاتھوں پر جو گردنوں کے ساتھ باندھے گئے تھے۔

سید ابراہیم المیانجی اپنی مایہ ناز تالیف العیون العبریٰ میں فرماتے ہیں:

عمر بن سعد نے اپنے قتل ہونے والوں کو جمع کیا۔ ان پر نماز پڑھی اور انکو دفن کر دیا۔ **وترک الحسینؑ مبنوزین بالعراء** (اور حسینؑ کے جسم اطہر کو ریگزار کربلا پر عریان چھوڑ دیا)۔ مخدرات عصمت کو ننگے سر و پیر دشمنوں کے ہجوم میں لیکر قتل گاہ کی طرف ترک و روم کے غلاموں کی طرح اسیر کر کے لیا۔[1]

جسوقت جناب زینبؑ کی نظر اپنے بھائی کے عریان جسم پر پڑی تو آپ نے آپے سے باہر ہو کر فرمایا۔

اے نورچشم وجان ودل وروح پیکرم ای نازنین برادر و باباجان برابرم
آخر من حزینه همان زینبم که تو انداختی ز سایه خود سایه برسرم
آنرو زکز مدینه سوی کوفه آمدم همراه بود قاسم و عباس و اکبرم
امروزازین زمین بسوی شام می روم خوار وغریب وبیکس وبی یار یاورم
ای همسفر زمان سواری رسیده است برخیز کفن سوار تو یکبار دیگرم
از بکه تازیانه ببازوی من دند نیلی گواه است یکسره بازوی پیکرم

ترجمہ اشعار پر غور فرمادئیں اور دیکھیں کہ جناب زینبؑ کیا فرماتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب زینبؑ گھر میں سوگئی اثنائے خواب میں دھوپ کھڑکی سے آئی اور جناب زینبؑ کے چہرے پر پڑنے لگی۔ امام حسینؑ اچانک کمرے میں داخل ہوئے، جب دیکھا کہ دھوپ جناب زینبؑ کے چہرے پر پڑ رہی ہے تو آپ سے رہا نہیں گیا۔ آپ نے کھڑے کھڑے ہی جناب زینبؑ پر سایہ کیا جب تک نہ دھوپ بھی ختم ہوئی اور جناب زینبؑ بھی بیدار نہ ہوئی۔

یہ واقعہ جناب زینبؑ کو یاد تھا۔ آہ! آج جناب زینبؑ بھیا کے لاشے کو دیکھکر اتنی بے بس تھی۔ اتنی لاچار تھی اور اتنی کسمپرس تھی کہ سایہ تک نہیں کرسکتی تھیں۔ لہذا بین کر کے فرمایا۔ بھیا! کاش تمہاری بہن کے پاس چادر ہوتی تو میں ننگے سر رہنا قبول کر لیتی لیکن تمہیں دھوپ میں بغیر سایہ کے نہ دیکھتی۔ آہ! زینبؑ کو موت کیوں نہ آئی کہ اس نے تمہیں اسطرح بے گور وکفن صحرائے کربلا پر عریاں پڑے دیکھا۔

آہ! امی جان! تمہارا لال کس بے کسی اور مظلومی سے یہاں پڑا ہے۔ کوئی نہیں ہے کہ جو اسکی خبر لے۔ امی جان! تمہاری بیٹی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ آہ! تمہاری زینبؑ مجبور ومقہور ہے۔

گیارھویں محرم کی عصر کا وقت تھا کہ جب مخدرات عصمت کو اسیر کر کے بجانب کوفہ لیا گیا۔

بیس عورتیں اور چند مرد اور بچے اسیر بنا دیے گئے۔ عورتوں کو ایک ہی قطار میں رکھ کر باندھا گیا۔ ایک ہی رسی میں باندھا گیا اور مردوں کو الگ رسی سے جکڑ لیا گیا۔

ہائے عباسؑ

اب سوال یہ تھا کہ ان بیکسوں کو کون سوار کرے۔۔؟ فوج یزید نے لاکھ چاہا کہ ہمارے آدمی سوار کریں لیکن غیرت مند باپ کی غیرت مند بیٹی زینبؑ نے فرمایا: تم لوگوں نے تو بہت ظلم کیا۔ کیا اب یہ ظلم بھی کرو گے کہ

مخدرات عصمت کو بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کرو گے۔۔؟ نہیں! نہیں!! میں ایسا نہیں ہونے دوں گی، میں خود ان کو سوار کروں گی''۔

آپ نے یکے بعد دیگرے تمام کاروان کے افراد کو سوار کیا۔ بیمار کو اونٹوں کی ننگی پیٹھ پر بیٹھا کر آپ مسلسل آنسو بہاتی جا رہی تھیں۔ آپ شکوہ اگر کرتیں تو کس سے کرتیں۔ کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ کوئی رحم کھانے والا نہیں تھا۔ آہ! جب اپنی باری آئی۔ ناتوان تھیں۔ مرگ نے کاٹ کے رکھدیا تھا۔ بھائی کے اداس اور مغموم جسم نے زینبؑ کو امیدوں سے محروم کر کے رکھ دیا تھا۔ ہاں آپ یقیناً اب بھی زینبؑ تھیں لیکن ایک چلتی پھرتی لاش کے مانند۔ آپ نے جتن کئے کہ آنکھوں کی بصارت واپس آجائے۔ ناتوان بدن کا رعشہ کم ہو جائے۔ ٹانگوں اور ہاتھوں کی کپکپی دور ہو جائے تا کہ اونٹ پر سوار ہوا جائے۔ لیکن آہ! اس دشت نوردی پر ہماری جانیں قربان، اور اس مظلومی و بیکسی پر ہماری روحیں فدا ہو جائیں۔ آپ سوار ہی نہ ہو سکیں۔ آپ نے بجانب فرات چشم حسرت سے دیکھا۔ حد نگاہ تک کربلا کا خوفناک جنگل تھا۔ آپ کی نظریں کیا ڈھونڈ رہی تھیں۔۔؟ یہ سوال ضرور تا قیامت رہتا اگر آپ کی زبان مبارک سے ''ہائے عباسؑ'' کی کلیجہ سوز صدا نہ نکلتی، آپ نے درد بھرے لہجے میں فرمایا۔

ہائے عباسؑ! آج تمہاری بہن زینبؑ آسرے کے لئے تڑپ رہی ہے۔ تم نے مدینہ میں زینبؑ کو سوار کیا تھا۔ تم نے کربلا میں زینبؑ کو سواری سے اتارا تھا۔۔ میرے بھیا! میرے معمولی اشارے پر تو تم اپنی جان قربان کرنے پر تیار رہتے تھے۔ آج کہاں کھو گئے۔ بھیا عباسؑ! یہ دیکھو زینبؑ کربلا سے نکل رہی ہے۔۔ ہمیشہ کیلئے جا رہی ہے۔ کیا اب تم سے یہ بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ مجھے آ کر سوار کرو گے۔ میرے بھیا! تمہارے کٹے بازوؤں پر زینبؑ کی جان قربان! آج ترائی میں سو کر تمہاری بہن کو شمع حیات گل دکھائی دیتی ہے۔ اٹھو میرے بہادر بھائی! زینبؑ کو الوداع کرو''۔

ہاں ناظرین کرام! یہ زینبؑ کے دکھی دل کی پکار تھی لیکن صدائے بازگشت صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ الغرض کاروان بسوئے مقتل چلا لیکن مقتل میں لاشوں کو بت گور و کفن پڑا دیکھ کر زینبؑ نے اپنے آپ کو اونٹ پر سے گرا دیا۔

ام کلثوم نے اپنے آپ کو اونٹ پر سے گرا دیا۔

سکینہؑ نے اپنے آپ کو اونٹ پر سے گرا دیا۔

اور اسکے بعد بیمار کربلا نے اپنے آپ کو اونٹ پر سے گرا دیا۔

لیکن کیوں۔۔۔؟

اسلئے کہ زینبؑ اور ام کلثومؑ نے حسینؑ کی لاش کو دیکھا۔ امام زین العابدینؑ اور سکینہؑ نے اپنے بابا کے جسم اطہر کو دیکھا۔ ان میں تاب نہ رہی۔ سبھی کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے لاش امام پر گر پڑے الگ الگ بین کرنے

شروع کئے۔

جناب زینبؑ نے بین کئے: **یـامـحـمـداہ یامحمداہ صلی اللہ علیکَ ملائکۃ السماء ھذا حسینؑ بالعراء مرمل بالدماء مقطع الاعضاء.**[۲]

اورام کلثوم نے نوحے کیئے ؎

چـون خـاك جسـم پاکی برادر ببرکشید	بـر سیـنـه اش یـنـاو رخ خود چو آفتاب
گـفـت اے گـلـو بریده سر انورت کجا ست	زچیسـت گشت پیکر پاکت چون خضاب
مـن یك تـن ضـعیـفم دیگ کـاروان اسیر	دیـں خـلـق ہی حمیت و دهری پر انقلاب
ازآفتـاب پـوششـمـان بـاز چشم خلق	انــدوه دل نشــانــمشـان بـاکــه التهـاب
گـر دل بـفـرقـت تو نهد کو شکیب وصبر	وربـی تـو روبشــام کـنـم کو توان وتـاب
دستــم ز چـاره کـوتــه وراه دراز پیشــه	عـمـر مـن تـمــا م شود نـه جهـان خراب

حوالہ جات

[۱] العیون العبریٰ، ابراہیم میانجی ص۲۰۹

[۲] اس تمام کاروان والے واقعہ کے متعلق مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ کی جاسکتی ہیں: عقد الفرید ج ۲ ص۱۳؛ بحارلانوار ج ۲ص۱۴۱؛ تاریخ طبری ج ۵ص۲۶۱؛ جلاء العیون ج ۲ص۲۱۶؛ ابن اثیر جزری ج ۴ص۱۴۴؛ ناسخ التواریخ ج ۳ص۳۰؛ مطالب السوٴل ص۷۶؛ نفائس الاجناء ص۴۶۹؛ نفس المھموم ص۲۰۴؛ روضۃ الشہداء ص۳۶۲؛ ریاضہ الاحزان ص۳۹؛ اثبات الوصیہ ص۱۴۳۔

تدفین شہداء

یہ کربلا ہے کہ جہاں وحشت ہر سو چھائی ہوئی ہے۔ المناک بربادی چشم فلک نے آج تک جو نہ دیکھی تھی آج دیکھ رہا ہے۔ خانوادہ رسالتؐ کی غم انگیز داستان کرب وبلا کے ریگزار پر بکھر کے پڑی ہے۔ اور صرف ایک کسمپرس قافلہ اپنے ان عزیزوں کا کرب انگیز انجام دیکھ رہا ہے کہ جوان کی امیدوں کے جھلملاتے چراغ تھے۔

عمرو بن سعد نے اپنی افواج کو حکم دیا کہ مقتولین کے کفن ودفن کا انتظام کر دیا جائے۔ حکم سنتے ہی گماشتے آگے بڑھے اور اپنے اپنے مقتولین کو کفن پہنا کر پورے فوجی اعزاز کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ لیکن آہ! خانوادہ رسالت کے گلہائے نازنین بے گوروکفن چھوڑ دیے گئے۔

بے خانماں قافلہ ۱۲ محرم کو اس طرح کوفہ کی طرف لیا گیا کہ کوئی بے کجاوہ اونٹ پر سوار اور کوئی پیدل تھا۔ ہر ایک قیدی کے بدن کے کپڑوں سے جبر واستبداد کے علاوہ مظلومیت برستی نظر آرہی تھی۔ بی بیاں رسن بندھے ہوئیں اور بیمار کے گلے میں آہنی طوق اور پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ ناسخ التواریخ کی روایت کے مطابق امام زین العابدینؑ اس قدر بیمار تھے کہ بیٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔ لہٰذا ان کو اونٹ کی ننگی پیٹھ پر سوار کر کے دونوں پاؤں ایک دوسرے سے باندھے گئے۔

وقت گذرتا گیا۔ ہوائیں سر پٹختی ہوئی امام حسینؑ اور آپ کے بھرے گھر کی بے کسی برداشت نہ کرتی ہوئی کرب وبلا کی ریتی کو اٹھا اٹھا کر آپ اور آپ کے گھر کے افراد پر ڈالتی جارہی ہیں۔ یہاں تک کہ یزیدی افواج کے گھوڑے کے سموں کی آخری آواز بھی بیابان کربلا پر معدوم ہوگئی۔

قبیلہ بنی اسد جو غاضریہ کے اراضی کے آس پاس رہا کرتا تھا میدان قتلگاہ میں آگیا۔ سبھی حیران کہ بکھرے ہوئے اعضاء اور کچلی ہوئی لاشوں کو کس طرح دفنایا دیا جائے۔ کیا معلوم کہ کون سا حصہ کس شہید کا ہے۔

نقاب پوش

کرب وبلا کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک قبیلہ بنی اسد کے افراد حیرانی وپریشانی کا شکار ہیں۔ خدایا! اب کیا کیا جائے؟ ان لاشہائے مطہرہ کو کیونکر دفنایا جائے؟ جہاں جاؤ تو کہیں بازو ہے اور کہیں بدن کا

دوسرا حصہ۔ ادھر سے جلتی ہوئی دھوپ کے ساتھ ساتھ پورے تین دن سے خانوادہ رسالتؐ کی لاشیں بے گوروکفن پڑی ہوئی ہیں۔ یہ دردناک منظرصحرائے کربلا پرایک سنسنی پھیلا چکا تھا کہ ناگاہ کوفہ کی جانب سے ایک سوار تیزی سے آیا۔ قبیلہ بنی اسد حیرانی اور پریشانی کے ملے جلے جذبات سے آنے والے سوار کی طرف متوجہ ہوئے۔ کوئی سمجھا کہ افواج یزید کا کوئی کارندہ آرہا ہے اور کوئی سمجھا جاسوس۔ مگر آنے والا پورے انہماک اور وثوق کے ساتھ آرہا تھا۔ جب سوار قریب آیا تو اسکے چہرے پر نقاب تھی۔ قبیلہ بنی اسد کے سامنے پہنچ کر گھوڑے سے اُترا۔

''آپ کون ہیں؟'' قبیلہ بنی اسد کے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر سوال کیا۔

آپ نے شہدائے صحرا کی بکھری ہوئی لاشوں کو دیکھکر فرمایا: پہچانا نہیں مجھے، میں وہ ہوں کہ جو خانوادہ رسالت کا اب آخری چراغ ہے۔ میں وہ ہوں کہ جسکا مظلوم باپ تین دن بے گوروکفن تم لوگوں کے سامنے عریان پڑا ہے۔ میں وہ ہوں کہ جس کے ہونٹوں سے وقت کے بے رحم ہاتھوں نے تمام مسکراہٹیں چھین لی ہیں۔ میں امام ابن شہید امام ہوں۔ میرا نام علی بن الحسین بن علی بن ابیؑ طالب ہے۔

یہ سننا تھا کہ قبیلہ بنی اسد والے چیخیں مار مار کر روئے۔ ہر طرف نوحہ وشیون بلند ہوا۔ جزع وفزع طاری ہوا۔ آپؑ نے ان سے فرمایا۔ اے قبیلے والو! آو! میرا ہاتھ بٹاؤ۔ یہ صحیح ہے کہ تم لوگ ہمارے مقتولین کی تدفین کے لیے آئے تھے۔ لیکن امامؑ کو امامؑ کے بغیر کوئی بھی دفن نہیں کرسکتا ہے۔ امامؑ کے بغیر نہ کوئی جنازہ پڑھا سکتا ہے اور نہ غسل دے سکتا ہے۔ یہ وہ آئین ہے کہ جسکو ہمارے جد جناب محمد رسول اللہؐ نے مرتب کیا ہے کیونکہ امام معصوم ہے لہٰذا معصوم کی معصوم ہی آخری رسوم ادا کرسکتا ہے۔

علی بن الحسینؑ نے اپنے بابا کی میت اٹھائی۔ بنی اسد سے فرمایا، یہ اس مظلوم کی میت ہے جو تین دن کا بھوکا اور پیاسا شہید کردیا گیا۔ اسکے بعد آپؑ نے زمین پر خط کھینچ کر فرمایا کہ اس جگہ ایک گڑھا بنی ہاشم کیلئے اور اسکے بائیں دوسرا گڑھا ان کے انصار کے لیے کھودو۔ بنی ہاشم کے سرہانے حضرت علی اکبرؑ کو دفن کردیا اور علی اکبرؑ کے سرہانے امام حسینؑ کیلیے قبر کھودی گئی۔ قبریں عموماً کھدی ہوئی نکلیں۔ آپؑ نے امامؑ کی میت کو خود اٹھا کر قبر میں ڈال دیا۔ اوپر سے مٹی ڈال دی۔ انگشت شہادت سے قبر پر یہ عبارت لکھی۔

هٰذا قبر حسين بن على ابن ابى طالب الذى قتلوه عطشانا غريبا

تاریخ کے الفاظ ہیں کہ جس وقت بیمار بیٹے نے اپنے مجروح ومظلوم بابا کی میت قبر میں رکھدی تو آپ اس وقت فرمارہے تھے:

بسـم الـلـه وبـالله وفى سبيل الله وعلىٰ ملة رسول الله هذا ما دعو الله تعالىٰ ورسوله وصدق الله ورسوله ماشاء الله ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم.

اسکے بعد آپ نے اپنے بابا کے بالمقابل بابا کے وفادار دوست حبیب بن مظاہر کو دفن کر دیا۔ پھر آپ آنسو بہاتے ہوئے خراماں خراماں فرات کے کنارے تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ شیر ترائی میں پڑا ہوا ہے۔ کہیں بازو ہیں اور کہیں کوئی اور جز، آپ قمر بنی ھاشم کو دیکھ کر اس قدر روئے کہ آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ جب قدرے افاقہ ہوا تو آپ نے اٹھ کر ان کی لاش کو بھی سپردخاک کیا۔

نگاہ حسرت سے بابا کی قبر کو دیکھا اور جناب زینبؑ سے کہا ہوا فقرہ یاد آیا کہ:

وَیَنصبُوْنَ لِهٰذَا الطَّفّ عَلَمًا بِقَبْرِ اَبِیکَ سَیّدِ الشّهَدَاءِ لا یُدْرَسَ اَثَرُهُ ولا یعضو رَسُمُهُ علیٰ کُرُوْرَ[1]

اس دشت طف پر آپؑ کی قبر پر ایک ایسا علم نصب ہوگا کہ جو امتداد زمانہ کی تند و تیز آندھیوں اور جبر و استبداد کی حوصلہ شکن طوفان سے بھی سرنگون نہیں ہوگا۔

حوالہ جات

[1] اللیالی والایام

فصل ۱۵

کاروان

کاروان شہادت

ہر مذہب وملت کی تاریخ سے یہ بات عیاں ہے کہ منزل مقصد کی طرف قدم بڑھانے سے پہلے ایک ایسے قائد یا رہبر کی ضرورت ہوتی ہے جو نہ صرف راستہ بتلانے پر ہی قادر ہو بلکہ آنے والی مشکلات کا احسن طریقے سے سدباب کرنے کی بھی صلاحیت بدرجہ اتم رکھتا ہو۔

مدینہ منورہ سے اہلبیت نبیؐ کا گھرانہ بسوئے کربلا چلا تھا تو حسینؑ اس گھرانے کے قائد تھے۔ آپؑ کے ساتھ راستے میں کیا کچھ پیش آیا اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد ہے۔ آپؑ کا قافلہ (کاروان) ازواج مطہرات اعز اور انصار واصحاب سے پُر تھا۔ آپؑ کے قافلے میں عباس بن علیؑ جیسے نڈر اور بہادر اور علی اکبرؑ جیسے جوان اور علی اصغرؑ جیسے بچے بھی تھے۔ آپؑ کو یقیناً معلوم تھا کہ جس منزل کی طرف ہمارا قدم آہستہ آہستہ بڑھ رہا ہے وہ منزل ہماری دردناک داستان لکھنے کے لئے بے قرار ہے۔

آپؑ کے ساتھ گھوڑے تھے، اونٹ اور قافلے کی ہر ضرورت کا سامان تھا۔ محملیں تھیں، قناطیں تھیں، خیمے تھے اور پانی کا وافر ذخیرہ بھی تھا اور اب۔۔ یہ قافلہ امت محمدؐ یہ کے ہاتھوں نہایت ہی بے دردی سے ارض طف پر قتل کر دیا گیا۔ بچے، جوان اور بوڑھے خاک وخون میں غلطان کرب وبلا کے شعلے اگلتے ہوئے بن میں ابدی نیند سو گئے۔ ہاں ایک مرد ہے اور وہ ہے بیمار امام زین العابدینؑ۔۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آیا یہ قافلے کی راھبری کیلئے موزون ہیں۔۔؟ تاریخ گواہ ہے کہ مرض اور انگنت چشم دید مصائب وآلام سے آپؑ اس حد تک لاغر اور کمزور ہو چکے تھے کہ بیٹھنے کی سکت بھی آپ میں نہ رہی تھی۔

خدایا! اب ان بی بیوں کا کون سہارا بن سکے۔۔؟ اے پروردگار عالم! ان ننھی ننھی جانوں کا کون محافظ قرار پائے۔۔؟ اے ارض وسما کے مالک! آل محمدؐ کے اس لٹے ہوئے کاروان کا کون امیر بن سکے۔۔؟ رب العزت! بھرے گھر کا سیضنہ تو بحر خون میں ڈوب گیا لیکن ان مخدرات عصمت کا اب کون سرپرست ہوگا۔۔؟ بارالہا! اس اُجڑی ہوئی بستی کو اب از سرِ نو مدینہ میں آباد ہونا ہے، انکا ہاتھ کون تھامے۔۔؟ اے رب دو جہاں! تیرے حبیب کی ان بیٹیوں کو کوفہ وشام کے بازاروں سے گزرنا ہے۔ ان کی نبضیں لوگوں کے اژدھام کو دیکھکر ڈوب رہی ہیں۔ کون آئے کہ جوان کی دلجوئی کر سکے؟

آہ! دیار کربلا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نظر کرنے سے مایوسی ہوتی ہے۔ ربابؑ حسینؑ کو ڈھونڈ رہی ہے۔ ام لیلیٰ کربلا میں نہیں تھیں۔ سکینہؑ حسینؑ کو ڈھوندرہی ہے۔۔ اور زینبؑ اپنے ماںجائے بھائی کو ڈھونڈ رہی ہے۔ لیکن حسینؑ بے گوروکفن صحرائے کربلا پر آج صبح سے پڑے ہیں۔ ہواؤں سے ریت اٹھ اٹھ کر بدن نازنین کو کفن پہناتی جارہی ہے۔ لیکن حسینؑ کی ابدی نیند سے اس بے کس و بے آسرا اور بے یارومددگار کاروان کا میر تو نہیں بن سکتا ہے۔ آخر کون آئے جوان کسمپرس یتیموں کو دلاسہ دے۔ تسلی دیکر آنسو پونچھ ڈالے کہ ایک بار دشمنان اسلام کی نظریں ان خیموں پر پڑیں۔ عمر بن سعد نے حکم دیا، سپاہیو! کیا دیکھتے ہو خیمے جلا دو اور اس طرح جلا دو کہ سر چھپانے کیلئے حسینؑ کے قافلے کے پاس ایک تار بھی باقی نہ رہے۔۔؟ درندگی اور شقاوت کی اور ایک مثال قائم کرتے ہی فوج یزید کے مشعل بردار آگے بڑھے اور یکے بعد دیگرے خیمے جلائے گئے۔ بی بیاں، بچے اور دکھی عورتیں ایک خیمہ میں تب تک رہتی تھیں جب تک نہ وہ پورا جلتا تھا۔ اسکے بعد دوسرے خیمہ میں جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ سب خیمے دیکھتے دیکھتے جل گئے [1]

جناب زینبؑ کہ جسکا سب کچھ لٹ چکا تھا، دیکھ رہی تھی۔ بیٹے تھے قربان کر دیے اور بھائی تھا وہ سامنے قتلگاہ میں حسرت ویاس کی زندہ تصویر بنا ہوا تھا۔ یمین و یسار خالی ہو چکا تھا۔ آہ! آفتاب بھی جس کا محرم نہ تھا، آج بے سروچادر مظلومی کی حالت میں درخیمہ پر کھڑی ہے۔ خیالات منتشر ہیں، کبھی بھائی کی یہ آخری وصیت یاد آرہی ہے کہ بہن! تمہارے بازوں پر رسی باندھی جائے گی اور کبھی یہ وصیت یاد آرہی ہے کہ بہن قافلے کی رکھوالی کرنا اور میری لاڈلی بیٹی سکینہ کی دلجوئی کرنا، اور اب وہ وقت قریب تر تھا۔ آنکھوں سے نہ تھمنے والا اشکوں کا سیلاب پھوٹ رہا تھا۔ کپڑوں کی حالت ابتر تھی۔ جو کچھ بدن اقدس پر بچا کھچا رہ گیا تھا یا تو گردوغبار سے اٹا پڑا تھا یا جا بجا جلنے کے داغ اس پر دور سے نظر آرہے تھے اور جب وہ خیمہ بھی جلنے لگا کہ جس میں جناب زینبؑ کھڑی تھیں تو آپ نے بسوئے مدینہ رخ کر کے نہایت ہی گلوگیر آواز میں صدا دی۔

وامحمد اہ! صلی علیک ملائکۃ السماء . ھذا حسینؑ مرمل بالدماء مقطع الاعضاء وبناتک سبایا. الی اللہ المشتکی والی محمد المصطفیٰ والی علی المرتضٰی والی حمزۃ سید الشھداء . وامحمداہ! ھذا حسینؑ بالعراء یسفی علیہ الصبا. قتیل اولاد البغایا. یاحزناہ! یا رکرباہ .الیوم مات جدی رسول اللہ. یا اصحاب محمداہ! ھولاء ذریتہ المصطفیٰ . یساقون مسوق السبایاٰ

یامحمداہ! بناتک السبایا و ذریتک مقتلہ. تسفی علیھم ریح الصبا وھذا حسینؑ مجزوز الراس من القفا مسلوب العمامہ والرداء بابی من عسکرہ فی یوم الا ثنین نھبا. بابی

من فسطاطه مقطع العریٰ بابی من لا هوغائب فیرتجیٰ تعبیٰ ولا جریح فیداوی. بابی من نفسی له الفداء بابی من اله المهموم حتی قضی . بابی من هو العطشان حتی مضیٰ . بابی من یسبه تقطر بالدماء بابی من جده رسول اله السماء . بابی من هوسبط نبی الهدٰی. بابی محمد ا المصطفیٰ بابی خدیجة الکبریٰ بابی علیؑ المرتضی بابی فاطمة الزهراء سیدة النساء بابی من ردت له الشمس حتیٰ صلیٰ

مفہوم: وامحمداہ! خداوندکریم آپ پر رحمت نازل کرے۔ یہ حسینؑ ہے جو اپنے اعزہ واقربا کے خون میں غلطان ہے۔ اسکا بدن پارہ پارہ ہے۔ آپکی بی بیاں اسیروں کی طرح ہیں۔ میں خداوندکریم، آپ سے علی مرتضٰی سے حمزہ سے استغاثہ کرتی ہوں۔ وامحمداہ! یہ حسینؑ ہے کہ جسکو زنازادوں نے قتل وغارت تندوتیز آندھیوں نے گرفتار کر لیا ہے۔ اے قوم نابنجار! گواہ رہنا ان مصائب وآلام پر جو تم لوگوں کی وجہ سے ہم پر پڑھی ہیں۔ واحزناہ! واکرباہ! آج ہمارے جد جناب محمد مصطفٰیؐ قتل کر دیے گئے۔

اے اصحاب محمدؐ! ذریت رسولؐ کی اسیری کو یاد رکھنا۔ یا محمداہ! یہ آپکی ذریت اسیر ہو رہی ہے۔ آپکی اولاد کو قتل کر دیا گیا ہے۔ یہ حسینؑ ہیں کہ جنکا سر از قفا جدا کر دیا گیا۔ انکا سلاح ولباس لوٹ لیا گیا۔ میرے ماں باپ اس پر فدا ہو جائیں کہ جسکا لشکر ایک ہی دن میں قتل کر دیا گیا۔ میرے ماں باپ اس پر فدا ہو جائیں کہ جسکا سر خون وخاک میں ڈبو دیا گیا۔ میرے ماں باپ اس پر فدا ہو جائیں کہ جسکی مسافری نے طول کھینچا اور اب جسکی واپسی ممکن ہی نہیں۔ جسکے زخموں کا علاج ہی نہیں ہے۔ میری جان اس پر فدا کہ جسکے لئے میں نے اپنی جان کو فدا کرنے کا تہیہ کیا تھا۔ میرے ماں باپ اس پر فدا ہو جائیں کہ جسکے غم والم نے اسقدر طول کھینچا کہ اس سے دردناک شہادت پائی۔ میرے ماں باپ اس پر فدا ہو جائیں کہ جو تشنہ لب شہید کر دیا گیا۔ میرے ماں باپ اس پر فدا ہو جائیں کہ جسکے فرق مبارک کا خون اسکی ریش مبارک کو بھی رنگین کر گیا۔ میرے ماں باپ اس پر فدا ہو جائیں کہ جسکا جد جناب مرتضٰیؑ اور اس فاطمہ زہراؑ پر قربان ہو کہ جو سیدۂ نساء العالمین تھیں۔ میرے ماں باپ اس پر فدا ہو جائیں کہ جسکے لئے آفتاب نے دوبارہ طلوع کیا تھا۔

دیکھ لیجئے کہ جناب زینبؑ کسطرح واقعہ کربلا کے مظالم کو دہرا رہی ہیں۔ آپ نے گو کہ مجملاً ان مصائب وآلام کو ذکر فرمایا جو آپ پر پڑیں پھر بھی نازک ترین وقت میں آپ کا اتنا ہی کا ذکر فرمانا دل وگردے کے مالک کا کام ہے۔

بھرا گھر اجڑا ہوا ہو، بھائی وغمخوار نظروں کے سامنے دم توڑ چکے ہوں، اجسام اطہار کی پائمالی کا دردناک منظر دیکھ لیا ہو۔ آگ اور لوٹ کی دہشت انگیزی دیکھ لی ہو اور اس کے بعد فرض کا احساس اور کاروان بے کس کی دستگیری کا جذبہ رہنا یقیناً جناب زینبؑ کا وہ کمال ہے کہ رہتی دنیا تک اجڑے لٹے اور اسیر بننے والے قافلوں کے لئے مشعل

راہ بنتا رہے گا۔

زیارت ناحیہ مقدسہ:

گذشتہ اوراق میں آپ لوگوں نے مجملاً ان افراد کا ذکر سن لیا جو ارض کربلا پر درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ میں یہاں ناظرین کرام کی ضیافت طبع کے لئے امام زمان عج اللہ تعالیٰ فرجہ کی وہ زیارت نقل کروں گا جو زیارت ناحیہ کے نام سے مشہور ہے۔اس میں امام زمان عج نے ان اسماء گرامی پر فرداً فرداً سلام بھیجا ہے جو میدان نینویٰ میں شہادت سے ہمکنار ہوئے۔آپ عج فرماتے ہیں۔

السلام علیک یا اول قتیل من نسل خیر سلیل من سلالة ابراهیم الخلیل. صلی الله علیک وعلی ابیک اذ قال فیک قتل الله قوما قتلوک یابنی ! ما جراهم علی الرحمان وعلی فتهاک مرمة الرسول علی الدنیا بعدک العفا کانی بک بین یدیه مائلا وللکافرین قاتلا قاتلاً

انا علی بن حسینؑ بن علی نحن وبیت الله اولیٰ بالنبی
اطعنکم بالرمح حتی ینثی اضربکم بالسیف احمیٰ عن ابی
ضرب غلام هاشمی عربی والله لایحکم فینا ابن الدعی

حتی قضیت نحبک ولقیت ربک . اشهد انکَ اولیٰ بالله وبرسوله وانکَ ابن رسوله وحجته ودینه وامینه حکم الله علی قاتلکَ مرة بن منقذبن النعمان العبدی لعنه الله واخزٰیه الله ومن شرکه فی قتلکَ کانوا علیکَ ظهیراً واصلاهھم الله جهنم وسائت مصیراً وجعلنا الله من ملاقیکَ ومرافقیکَ ومرافقی جدکَ وابیکَ وعمکَ واخیکَ وامکَ المظلومه وابرء الیٰ الله من قاتلیکَ واسئل الله مر فقتکَ فی دار الخلود وابرء الی الله من اعلائکَ اولی الجعود والسلام علیکَ ورحمته الله وبرکاته.

السلام علی عبدالله الحسین الطفل الرضع المرمی الصریع المتشحط دماً المصعددمه فی السماء المذبوح بالسهم فی حجر ابیه لعن الله رامیه حرمله بن کاهل الا سدی وذویه .

السلام علی عبدالله بن امیر المومنین مبلیٰ البلاء والمنادیٰ بالولا ء فی عرصه کربلا ء المضروب مقبلاو مذبراً لعن الله هانی ابن ثبیت الحضرمی

السلام علی ابی الفضل العباس بن امیر المومنین المواسی اخاه بنفسه الآخذ لغده من

امسه الفادی له الواقی الساعی الیه بمابه المقطوعة یداه لعن الله قاتله یزید بن رقاد الحیتی وحکیم بن الطفیل الطائی

السلام علی جعفر بن امیرالمومنین الصابر بنفسه محتسباوالنالی من الاوطان مغتر با المسلم للقتال المستقوم اللنزال المکثور بالرجال لعن الله قاتله هانی بن ثبیت الحضرمی

السلام علی عثمان بن امیرالمومنین سمی عثمان بن مظعون لعن الله رامیه بالسهم :. خولی بن یزید الاصبحی الایادی والا بانی الدرامی

السلام علی محمد بن امیر المومنین قتیل الایادی الدیامی لعن الله وضاعف علیه العذاب الا لیم وصلی الله علیکَ یا محمد وعلی اهل بیتکَ الصابرین.

السلام علی ابی بکربن الحسن بن علی الزکی الولی المرمی بالسهم الردی لعن الله قاتله عبدالله بن عقبة الغنوی

السلام علی عبدالله الحسن الزکی لعن الله قاتله ورامیه حرملة بن کاهل الامسدی .

السلام علی قاسم بن الحسن بن علی المضروب علی هامته المصلوب لامته حسین نادی الحسین عمه . فجلاعلیه عمه القفی وهویفحص برجلیه التراب والحسین یقول بعد القوم قتلوک ومن خصمهم بوم العامه جدک وابوک محمد قال عز . والله علی عمک ان تدعوه فلا یجیبکَ اوان یجیبکَ وانت قتیل جدیل فلاینفعکَ هذا والله یوم کثر واتره وقل ناصره جعلنی الله معکما یوم جمعکما وبوّنی مبوّلکما ولعن الله قاتلکَ عمر بن سعد بن عروة بن فضیل الازدی واصلاه جحسما واعد له عذابا الیماً

السلام علی محمد بن عبدالله بن جعفر الشاهد مکان ابیه والتالی لاخیه و واقیه ببدنه لعن الله قاتله عامر بن نهشل التمیمی

السلام علی جعفربن عقیل لعن الله قاتله ورامیه عمر بن خالدبن اسد الجهنی

السلام علی القتیل بن القتیل عبدالله بن مسلم بن عقیل لعن الله قاتله ورامیه عامر بن صعصته وقیل اسدبن مالکَ

السلام علی ابی عبدالله بن مسلم بن عقیل لعن الله قاتله ورامیه عمر ابن الصبیح الصیداوی

السلام علی محمد بن ابی سعید بن عقیل لعن الله قاتله لقیط بن ناشرالجهنی

السلام علی اصحاب جده

السـلام عـلـی سلیمان مولی الحسین بن امیرالمومنین لعن الله قاتله سلیمان بن عوف الحضرمی

السلام علی قارب مولی الحسین بن علی

السلام علی منجح مولی الحسین بن علی

السـلام عـلـی مسـلم بن عوسجه الاسدی القائل اللحسین و قداذن له فی الانضبراف انـحـن نخلی عنکَ ونعتذ رعند الله من ارادحقکَ !لاوالله حتی اکسرفی صدورهم رمحمی هـذا واضـر بهم بسیفی ماثبت قائمهُ فی یدی ولا اناذیکَ حتی اموت معکَ وکفت اول من شـری نـفسه و اول شهید من شهدا الله وقضیٰ نحبه ففزت ورب اللعبه شکرالله استقدامکَ ومـواسـاتک وامـاکَ اذمثیٰ الیکَ وانت صریح . فقال یامسلم بن عوسجة وقر ء فمنهم من قضیٰ نحبه ومنهم من ینتظر وما بدلوتبدیلاً (القران)

لـعـن الله المشرکین فی قتلکَ عبدالله الضّابیّ وعبدالله بن خشکارة البجلی ومسلم بن عبدالله الضابی.

السـلام علیٰ سعدبن عبداللّه العنفی القائل للحسینً وقد اذن له فی الاانصراف لاواللّه لانـفـلّیکَ حتـیٰ یـعلم اللّه انا قد حفظنا غیبة رسول اللّه فیکَ واللّه لواعلم انی اقتل ثمّ احییٰ خـم احـرق ثم اذریٰ ویفعل بی سبعین مرة مافارقتکَ حتی الفی حماسی دونکَ وکیف افعل ذالکَ وانـمـاهـی مـومة اوقتلة واحدة ثم هی بعد ها الکرامة التی لاانقضاء لهاابداً فقد لقیت حـمـامکَ وواسیـت امـامکَ ولـقیـت من اللّه الکر امة فی دار المقامة حشرنااللّه معکم فی المستشهدین ورزقنا مرا فقتکم فی اعلیٰ علیین.

السـلام عـلـی بشـر بن عمر و الحضرمی شکراللّه قولکَ للحسین وقداذن لکَ فی الـنـصـراف. اکـلتـنـی ازاً السبا ع حیا ان فار قتک ٔواسال عنکَ الرکبان واخذلکَ مع قلّة الاعوان لایکون هذا ابداً

السلام علیٰ یزید بن حصین الهمدانی المشرفی القاری المجدل بالمشرفی

السلام علی عمر بن کعب الانصاری

السلام علی نعیم بن عجلان الانصاری

السلام علیٰ زهیربن القین البجلی القائل للحسین وقداذن له فی الانصراف لاوالّله لایکون ذالکَ ابداً اترک ابن رسول الّله اسیرافی ید الاعداء نی وانجو؟ لااراني الّله ذالکَ الیوم .

السلام علی الحربن یزید الریاحی

السلام علی عبدالّله بن عمیر الکلبی

السلام علی نافع بن الیجلیٰ المرادیّ

السلام علی انس بن کاهل الاسدی

السلام علی قیس بن مسهر الصیداوی

السلام علی عبدالله و عبدالرحمان ابنی عروة بن حراق الغفار یین

السلام علی عون بن حوی مولی ابی ذر الغفاری

السلام علیٰ شبیب بن عبدالّله النهشلی

السلام علی الحجاج بن زید السعدی

السلام علی قاسط وکر ش ابنی ظهیر التغلبیین

السلام علیٰ کنانة بن عتیق

السلام علیٰ ضرغامة بن مالکَ

السلام علیٰ حوی بن مالکَ الضّبعی

السلام علی عمر وبن ضبیعة الضّبعی

السلام علی بزید بن ثبیت القیسی

السلام علیٰ عبدالّله و عبدالّله ابنی یزید بن ثبیت القیسی

السلام علیٰ عامر بن مسلم

السلام علیٰ قعنب بن عمر والتمری

السلام علی سالم مولی عامر بن مسلم

السلام علیٰ سیف بن مالکَ

السلام علی زهیر بن بشربن الخثعمی

السلام علیٰ زید بن معقل الجعفی

السلام علیٰ العجاج بن مسروق الجعفی

السلام علیٰ مسعود بن الحجاج و ابنه

السلام علی مجمع بن عبداللّه العائذی

السلام علی عمار بن حسان بن شریح الطائی

السلام علی حیان بن الحارث السلمانی الازدی

السلام علیٰ جند ب بن مجیر الخولانی

السلام علی عمر وبن خالد الصیداوی

السلام علی سعید مولاه

السلام علی یزید بن مظاهر الکندی

السلام علیٰ زاهدمولی عمر و الحمق الغزاعی

السلام علیٰ جبلة بن علی الشیبانی

السلام علیٰ سالم مولی بنی المدینة الکلبی

السلام علیٰ اسلم بن کثیر الازدی الاعرج

السلام علی زهیربن سیلم الازدی

السلام علی قاسم بن حبیب الازدی

السلام علی عمر بن جندب الحضرمی

السلام علی ابی ثمامة عمر وبن عبداللّه الصائدی

السلام علیٰ حنظلة بن اسعد الشیبانی

السلام علی عبدالرحمان بن عبداللّه الکدری الارجسی

السلام علی عمار بن ابی سلامة الهمدانی

السلام علی عابس بن ابی شبیب الشاکری

السلام علیٰ شوذب مولی شاکر

السلام علی شبیب بن الحارث بن سریح

السلام علی مالکٔ بن عبد بن سریح

السلام علی لجریح الماسور سوار بن ابی عمیر النهمی الهمدانی

السلام علیٰ المرتب معه عمر وبن عبداللّه العبندعی

السلام علیکم یا خیر انصار

السلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار بوء کم اللّٰہ مبوّ والابرار اشھد لقد کشف اللّٰہ لکم الغطاءَ ومھد لکم الوطاء واجزل لکم العطاء وکنتم عن الحق غیر بطاء وانتم لنا فرطاء ونحن لکم خلطاء فی دار البقاء والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ناظرین کرام! یہ وہ کاروان شہادت تھا کہ جسکے فرد فرد پر آپ نے امام زمانہ عجؑ کا سلام سنا۔ میں نے یہ زیارت ناسخ التواریخ سے نقل کی ہے۔ ان کے مختصر حالات بھی زیارت میں بیان فرمادیے گئے ہیں۔ ان حالات کا خلاصہ میں نے گذشتہ اوراق میں بیان کیا ہے۔ یہاں دوبارہ ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بانوان کاروان

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کاروان شہادت میں کون کون ایسا تھا کہ جسکی زوجہ کی حفاظت، بہن کی خاطر مداری اور بیٹی کی تسلی جناب زینبؑ کے سپرد تھی۔

۱۔ ام کلثوم بنت علیؑ
۲۔ رباب مادر حضرت علی اصغرؑ
۳۔ فضہ کنیز جناب سیدہ
۴۔ زوجہ جناب مسلمؑ
۵۔ زوجہ جناب عباسؑ
۶۔ زوجہ جناب حسن بن علیؑ
۷۔ دختر جناب مسلمؑ
۸۔ رقیہ بنت مسلمؑ
۹۔ زوجہ عثمان بن علیؑ
۱۰۔ دختر عثمان بن علیؑ
۱۱۔ زوجہ عون بن علیؑ
۱۲۔ زوجہ جعفر بن علیؑ
۱۳۔ زوجہ موسیٰ بن عقیل
۱۴۔ دختر امام حسینؑ
۱۵۔ زوجہ عبدالرحمٰن بن عقیل

۱٦۔ زوجہ سعد غلام امیر المومنین علیؑ
۱۷۔ زوجہ بریر ہمدانی
۱۹۔ زوجہ جنادہ بن کعب
۲۰۔ زوجہ عبداللہ بن عمیر
۲۱۔ زوجہ دھب
۲۲۔ مادر دھب
۲۳۔ مادر عمر ابن جنادہ
۲۴۔ مادر رقاب بن عبداللہ

حوالہ جات

۱۔ تاریخ التواریخ ج ۳ ص ۸

سالار کاروان

سالار کاروان، **سیدۃ نساء العالمین** کی پارہ جگر، مولائے دوجہاں کی نور نظر اور خاتم الانبیاءؐ کی بیٹی ام المصائب حضرت زینب ہیں۔ آپ کو اس دلفگار واقعہ کے ساتھ وہی نسبت ہے جو آپکے ماں جائے بھائی امام حسینؑ کو ہے میں نے ناظرین کرام کی ضیافت طبع کے لئے واقعہ کربلا کو دو اہم حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک حصہ تو وہ ہے کہ جس میں خون شہادت کی ہر سو رنگینیاں ہیں اور دوسرے وہ حصہ ہے کہ جس میں عزم وثبات بھری تقاریر کے دلولہ انگیز زمزمہ ہیں۔ واقعہ کربلا کہاں سے شروع ہوا۔ ایک دردناک حقیقت ہے اور ختم کہاں پر ہوا۔۔۔۔؟ یہ اہم سوال ہے جو ہر اہل فکر ونظر کے لئے حل طلب ہے۔ میں اسکا جواب کیا دے سکوں گا۔ صرف اتنا عرض ہے کہ یہ المیہ ایک سلسلہ تھا۔

میں آپؑ کی زندگی کے اہم رخ مجملاً مندرجہ ذیل عرض کروں گا تاکہ نہ صرف کتاب ھذا کی مناسبت سے چار چاند لگ جائیں بلکہ فکر ونظر رکھنے والے صاحبان کے لئے بھی ایک سنگ میل قائم ہو سکے۔

حضرت زینبؑ کی ولادت شعبان المعظم ۶ ہجری

روضۃ الاحباب کی روایت کے مطابق جناب رسالتمابؐ نے اول اوائل میں یعنی ابھی آپ نے ماں کا دودھ بھی نہیں پیا تھا، اپنی زبان مبارک دہن مبارک میں ڈال دی۔ اسطرح رسالتمابؐ کے لعاب دہن سے آپ کی زبان مبارک تر ہوئی یا اسطرح سمجھئے کہ چشمہ رسالت امنڈ کے جناب زینبؑ کے دل ودماغ میں جاگزین ہوا۔

سید نورالدین کہتے ہیں کہ جب جناب زینبؑ پیدا ہوئیں تو رسالتمابؐ حسب معمول جناب سیدہؑ کے گھر تشریف لائے۔ بچی کو گود میں لیا اور اسکی صورت دیکھ کر بہت روئے۔ آپؐ نے اپنا رخسار اقدس جناب زینبؑ کے رخسار اقدس پر رکھکر آنسوؤں کا ایک بے بہا خزانہ بہا دیا۔ جناب سیدہؑ نے جب آپؐ کو آنسو بہاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا! بابا! بچی کو دیکھکر تو آپ کو مسرور وشادمان ہونا چاہیے تھا۔ لیکن آپ آنسو بہا رہے ہیں، اسکی کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: بیٹی یہ بھی مصائب وآلام میں اسطرح مبتلا ہو جائیگی کہ عرش وفرش کانپ اٹھیں گے۔

آپ کا نام نفس نفیس جناب رسالتمابؐ نے زینبؑ رکھا اور فرمایا، یہ بچی جناب خدیجۃ الکبری کے مانند ہے۔

القاب

آپ کے انگنت القاب ہیں۔ان میں مندرجہ ذیل اکثر تاریخوں میں اس طرح ملتے ہیں:

ناموس کبریٰ. عصمت صغریٰ. امینة الله. صدیقه صغریٰ. مائبة الزهرا . قرة العین المرتضیٰ. موثقه. عارفه. کامله. عالم غیرمعلمه. فهمه غیر مفهمه. مظلومه. شجاعه. زاهده. فاضله. عالمه. عابده. فصیحه. بلیغه. ولیة الله. شریکة الحسین. محبوبة المصطفیٰ. کعبة الرزایا. شقیقة الحسن المجتبیٰ. عاملة کامله . اختر برخ غفت. گوهرعفت . آیه اسوی. جره مرتبت. مریم مکرمت. سارا سیرت. صفورا صفرت. خدیجه آیت . فاطمه دلایت. ثانی الزهرا. بطله کربلا وغیرہ وغیرہ

گھر کا ماحول

بھائی امام حسن مجتبیٰ:۔۳ ہجری میں تولد ہوئے

بھائی امام حسینؑ:۔۴ ہجری میں تولد ہوئے۔

خود جناب زینبؑ:۔۶ ہجری میں تولد ہوئیں۔

اسطرح امام حسنؑ آپ سے ۳ سال بڑے تھے اور امام حسینؑ دو سال ۔ظاہر ہے بھائیوں کے اس تقریباً ھم آھنگ سن میں آپ نے جونہی آنکھ کھولی تو بھائیوں کے ننھے ننھے ہاتھ آگے بڑھے ہوں گے اور آپ کا سہارا بنے ہونگے اور اس ماحول میں شاید ہی آپ کا چہرہ کبھی پر حزن وملال ہوا ہوگا۔

بابا۔جزیرۃ العرب کے نامور شجاع اور بڑے بڑے سورماؤں کے جبڑے چیرنے والے کی اگر ایک طرف پرورش تھی تو دوسری طرف عصمت مطلقہ جناب سیدہ طاھرہؑ کی آغوش تھی۔اس پر مستزاد یہ کہ نانا پیغمبر آخرالزمان حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کا لاڈ و پیار،اس لاثانی ماحول نے آپ کا حال و مستقبل کیسا بنا دیا ہوگا احاطہ تحریر سے باہر ہے۔

زندگی کے دن گذرنے کے ساتھ آپ نے اگر ایک طرف اپنے آپ کو جوہر شجاعت سے آراستہ کیا ہوگا تو دوسری طرف ماں کی عظیم المرتبت تربیت سے آپ ان بلندیوں پر پہنچی ہونگی کہ جہاں پر عصمت کی آخری منزل ہے۔

تعلیم وتربیت

شعور کا ہلکا سا تصور ذہن میں جب آیا ہوگا تو باپ کو قرآن پڑھتے اور بھائیوں کو قرآن سنتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ماں کے ساتھ رہنا تھا،لہذا اماں جب جھولے کو جھولایا کرتی تھی تو قرآن کی آیات لوریوں کی شکل میں سنتی تھیں گھر کے مقدس ماحول کے قدم قدم پر کلام الہیٰ کی آوازیں آرہی تھیں۔لہذا قدرتی امر ہے کہ آپ کا اوڑھنا،بچھونا،

سونا، اٹھنا، جاگنا قرآن بن چکا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ جناب زینبؑ کی زندگی کا ماحول قرآن کے سانچے میں اس قدر ڈھلا ہوا تھا کہ ایک دفعہ آپ تلاوت میں مشغول تھیں۔ مقنعہ سر سے بے خودی کے عالم میں اتر گیا۔ آپ کی امی جناب سیدہؑ نے آپ کے سر پر مقنعہ بھی ڈال دیا لیکن آپ کو مطلق طور پر خبر بھی نہ ہوئی۔

ادوارِ غم

۱۱ ہجری۔۔ رنج و کرب اور غم والم کا سال تھا کہ جب جناب زینبؑ کے گھر سے ایک ایسا جنازہ اٹھایا گیا کہ جس کی نظر تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ جنازہ رسالتمابؐ کا تھا۔ نہ صرف اہلبیت رسولؐ پر ہی غم والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے بلکہ آپؐ کی وفات سے دُنیائے سیاست میں ایک خطرناک انقلاب آیا۔ اس وقت جناب زینبؑ کی عمر شریف پانچ برس کی تھی اور یہ قطعاً ایسی عمر شریف نہیں تھی کہ جس سے اس عظیم صدمے سے آپؑ عہد برآ ہوجاتیں ۔ بھائی جو تھے وہ بھی کمسن تھے۔ لہذا دونوں دلاسہ دینے سے تو رہے اب والدینؑ ۔۔ ان کی الگ الگ مصیبتیں سامنے تھیں۔ والد دلاسہ دے دیتے لیکن حالات اس قدر تیزی سے پلٹا کھا گئے کہ لوگ ہجوم کر کے آپؑ کے والد ماجد حضرت علی مرتضیٰ کو گرفتار کر کے لے گئے۔ یہ حقیقت ایک دردناک حقیقت ہے کہ جس کو مصر کے مشہور و معروف اہلسنت مورخ علامہ ابن قتیبہ دینوری نے ان الفاظ میں لکھا ہے:

’’جب یہ سب (حضرت ابوبکرؓ کی بیعت نہ کرنے والے) مسجد میں جمع ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہ بن الجراح ان کے پاس آئے، جبکہ ابوبکرؓ کی بیعت ہو چکی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ میں تم کو یہاں کیوں جمع دیکھتا ہوں، اٹھو اور ابوبکرؓ کی بیعت کرو۔ میں نے اور انصار نے ان کی بیعت کر لی ہے۔ اس پر عثمانؓ بن عفان اور تمام بنوامیہ نے اسکی بیعت کر لی اور پھر سعد و عبدالرحمن اور ان کے ساتھی اٹھے اور انہوں نے بھی بیعت کر لی۔ لیکن حضرت علیؑ و عباسؓ اور جو بنوہاشم ان کے ساتھ تھے، وہ بغیر بیعت کئے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور ان کے ساتھ زبیرؓ بن العوام بھی چلے گئے۔ پس ان کی طرف حضرت عمرؓ مع ایک جماعت کے جن میں اسید بن خضیر اور سلمہ بن اسلمی تھے، گئے اور کہا چلو ابوبکرؓ کی بیعت کرو، انہوں نے انکار کیا۔ زبیر بن العوام تلوار لے کر نکلے۔ حضرت عمرؓ گھبرا کر لوگوں سے کہنے لگے کہ اس آدمی کو پکڑ لو۔ پس ان لوگوں نے زبیر کو پکڑ لیا۔ سلمہ بن اسلمی نے اچھل کر تلوار چھین لی اور دیوار سے دے مارا اور زبیر کو پکڑ کر لے گئے۔ اس حالت میں اس نے بیعت کر لی اور اسطرح بنوھاشم نے بھی علی بن ابی طالب کے بغیر بیعت کر لی۔ پھر حضرت علیؑ کو پکڑ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس لائے۔ حضرت علیؑ جانتے تھے کہ میں خدا کا مطیع بندہ ہوں اور رسولِ خداؐ کا بھائی ہوں۔ ان سے کہا گیا کہ ابوبکرؓ کی بیعت کرو۔ انہوں نے جواب دیا کہ بیعت لینے کا میں تم سے زیادہ مستحق ہوں میں تم سے ہرگز بیعت نہ کروں گا۔ تم کو چاہیے کہ

میری بیعت کرلو۔تم نے انصار سے یہ امر خلافت اس دلیل وحجت کے ساتھ لیا ہے کہ تم کو رسول خداؐ سے قرابت ہے جو انصار کو حاصل نہ تھی اور اب ہم اہلبیت سے یہ امر خلافت تم غصب کر کے لیتے ہو۔کیا تم نے انصار سے یہ بحث نہیں کی کہ تم اس امر خلافت کے ان کی نسبت زیادہ مستحق ہو کیونکہ محمدؐ تم میں سے ہیں۔اس دلیل کو مان کر انہوں نے یہ امر تمہارے سپرد کر دیا اور حکومت تم کو دیدی۔اب میں تم پر وہی حجت قائم کرتا ہوں جو حجت تم نے انصار پر قائم کی تھی۔ہم رسولخداؐ کے ان کی حیات وممات میں ولی ووارث ہیں۔پس اگر تم محمدؐ اور اسلام پر ایمان لاتے ہو تو ہمارے ساتھ انصاف کرو۔ورنہ تم یہ ظلم جان بوجھ کر کر رہے ہو۔عمرؓ نے کہا ہم تم کو نہیں چھوڑیں گے جب تک بیعت نہ کرلو گے۔حضرت علیؑ نے کہا وہ نفع تو حاصل کرلے جس میں تیرا بھی حصہ ہے۔آج ابوبکر کے لئے تو بیعت کرتا ہے تاکہ کل وہ اسکو تیری طرف واپس کرلے۔اے عمر!قسم بخدا میں تیرا قول قبول نہ کروں گا اور ابوبکر کی بیعت قبول نہ کروں گا۔اے گروہ مہاجرین محمدؐ کی ریاست وحکومت کو ان کے گھر سے نکال کر اپنے گھروں کی طرف نہ لے جاؤ اور آنحضرتؐ کے اہلبیتؑ کو ان کے مقام وعزت سے نہ ہٹاؤ۔قسم بخدا!اے گروہ مہاجرین ہم تم سب سے اس امر خلافت کے زیادہ مستحق اور حقدار ہیں۔کیونکہ ہم اہلبیت رسولؐ ہیں۔اگر کوئی علم قرآن جاننے والا،فقیہ دین خدا عالم سنت رسولؐ،صاحب اطلاع امور رعایا ہے،عادل ومنصف رعایا سے ان کی تکالیف دور کرنے والا ہے تو وہ ہم ہیں۔پس تم اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے اور حق سے دور ہو جاؤ گے۔بشیر ابن سعد انصاری نے کہا ،اے علی!اگر انصار تم سے یہ کلام ابوبکر کی بیعت کرنے سے پہلے ہی سن لیتے تو کبھی تمہاری مخالفت نہ کرتے۔حضرت علیؑ بغیر بیعت کے اس مجمع سے واپس آ گئے۔[1]

یہ لمبا چوڑا اقتباس یہاں درج کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ ناظرین کرام اندازہ لگائیں کہ ایک چھوٹی سی بچی گھر میں ہو جو حسن بلوغیت تک بھی نہ پہنچی ہو۔اپنے نانا کی وفات ابھی معصوم ذہن پر ہتھوڑے برسا رہی ہو۔ابھی چند گھنٹوں سے پہلے جنازہ بھی اٹھایا گیا ہو اور امت کا یہ سلوک ایک ایسا سوال جناب زینبؑ کے دل ودماغ پر ابھرا ہوگا کہ جسکا جواب ابھی ملنے والا نہیں ہے۔

اسکے بعد کے حالات نہ صرف بھیانک رخ اختیار کئے ہوئے ہیں بلکہ ان حالات کی شدت کا یہ عالم تھا۔ کہ ہمہ وقت اپنی پیاری ماں کو روتے ہوئے دیکھتی جاتی تھی۔

اور یہ حالات کیا تھے۔۔۔۔۔۔؟

۱۔فاطمہ زہراؐ کا بال کھول کر بے تابانہ گھر سے نکل کر فرمانا **خلوا ابو الحسن**

۲۔احراق باب جناب فاطمہؑ

۳۔حضرت محسنؑ کا اسقاط

۴۔قضیہّ فدک

۵۔مدینہ کے شہری ہنگاموں سے نکل کر روضہّ رسولؐ پر رونا وغیرہ وغیرہ

اوران حالات میں جناب زینبؑ برابر کی شریک رہیں آپ اس بھیانک نشیب وفراز کو دیکھتی رہیں جو رفتہ رفتہ آنے والے مصائب کا پیش خیمہ بنتے گئے۔

بیٹی کے مکھڑے پر ہنسی اگر آئی ہوتو اس سے کیا۔سوال یہ ہے کہ اس بیٹی کی موجودگی میں ماں کا کیا رویہ رہا۔ علامہ ابن شہر آشوب کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جناب فاطمہؑ ہمیشہ سر میں درد کی وجہ سے کپڑا باندھ کے رکھتی تھیں۔ ہر وقت روتی رہتی تھیں۔ وقتاً فوقتاً آپ کو غش آتا تھا۔جسم اقدس نحیف اور ضعیف ہو گیا تھا۔ آپ اکثر اپنے دونوں بچوں حسنینؑ سے فرمایا کرتی تھیں۔کہاں ہیں تمہارے نانا جو تمہاری عزت کرتے تھے۔بار بار تم دونوں کو گود میں اٹھائے پھرتے تھے۔کہاں ہیں تمہارے نانا جو سب سے زیادہ تم پر شفقت کیا کرتے تھے۔تم کو زمین پر چلنے نہیں دیتے تھے۔ہائے اب میں اپنے بابا کو اس دروازے سے اندر آتے نہ دیکھوں گی اور نہ اپنے بابا کو تمہیں کندھوں پر اٹھائے ہوئے دیکھوں۔[۲]

یہ ماں کے حالات تھے۔بچی کے ذہن پر ان حالات نے کیا اثرات ڈالے ہونگے۔ناظرین بخوبی اندازہ لگالیں گے۔

۱۱ہجری اس ننھی سی جان پر ایک اور حوصلہ شکن مصیبت پڑی اور وہ تھی، پیاری ماں کی وفات۔یعنی اپنے نانا جناب سالتمابؐ کی وفات کے تین ماہ بعد۔ یہ دو ناقابل برداشت صدمے آپ کو اپنی مختصر سی عمر میں سہنے پڑے۔

ماں دفن ہوئیں۔ پورے گھر کا ماحول سنسان پڑ گیا۔ایک طرف حسینؑ کے آہ ونالے بلند تھے اور دوسری طرف اپنے شفیق باپ کی دبی دبی سسکیاں۔لیکن کیا مجال کہ جناب زینبؑ نے حرف شکایت زبان پر لایا ہو۔گھر کا پورا بوجھ آپ پر پڑا۔

سن رشد پر سے گذرتے ہوئے جب آپؑ نے سن بلوغیت میں قدم رکھا تو آپ کا عقد اپنے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر الطیار بن ابی طالبؑ سے ہوا۔ میں نے جناب جعفرؑ کے فضائل کے متعلق لکھا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں کہ جناب جعفرؑ کس قدر ومنزلت پر فائز تھے۔

جس وقت امیر المومنینؑ مدینہ سے کوفہ آئے، جناب زینبؑ بھی اپنے شوہر کے ساتھ مدینہ سے کوفہ تشریف لائیں۔ چنانچہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جناب امیرؑ زندگی کے آخری ایام میں ایک دن کا افطار جناب زینبؑ کے گھر پر کیا کرتے تھے اور دوسرے دن کا افطار اپنی دوسری بیٹی جناب ام کلثومؑ کے ہاں۔

زندگی بھر آپ کے تعلقات اپنے شوہر کے ساتھ اس قدر قریب رہے کہ آپ کی ازدواجی زندگی مثالی بن

کے رہ گئی۔

جمل وصفین کے بعد تقریباً چھ ماہ جناب زینبؑ وارد کوفہ ہوئیں۔آپ کس طرح کوفہ میں داخل ہوئیں ایک دردناک داستان ہے۔ملاحظہ ہو۔

جنگ صفین جب ختم ہوئی تو جناب امیرؑ نے کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنا دیا۔شہزادے ہر روز یہی خواہش کرتے تھے کہ بہنوں کو بھی مدینہ منورہ سے کوفہ لایا جائے۔لیکن حالات کے پیش نظر شہزادوں کو یہ خواہش ادھوری نظر آ رہی تھی۔قدرے جب حالات سنور گئے تو شہزادوں نے اپنے بابا علی مرتضیٰؑ کے پاس جا کر اس خواہش کا اظہار کیا۔ آپؑ نے یکے بعد دیگر حسنؑ، عباسؑ اور محمد حنفیہؓ کی طرف دیکھا۔آپ کی آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب پھوٹ پڑا۔ کیونکہ آپ کو بخوبی علم تھا کہ آنے والے مصائب میں جناب زینبؑ اور ام کلثوم کے ساتھ کوفہ کے لوگ کس طرح پیش آئیں گے؟ آپؑ نے شہزادوں کی خواہش میں شدت اور اصرار دیکھکر ان سے فرمایا، اگر ان کا آنا اتنا ہی ضروری ہے کہ جیسا تم لوگ خیال کرتے ہو تو اپنے ساتھ چالیس معتمد آدمیوں کو سلاح و ساماں سے آراستہ کر کے لے جاؤ، اور جب واپسی پر کوفہ کے قریب پہنچو گے تو میری اجازت کے بغیر کوفہ میں داخل نہیں ہونا۔

شہزادے بابا کی اجازت سے چالیس معتبر اور معتمد افراد لیکر مدینہ منورہ چلے گئے اور واپسی پر اس کاروان کے سالار چاروں شہزادے تھے۔نہایت ہی تزک و احتشام کے ساتھ جب قریب کوفہ پہنچے تو امام حسینؑ نے بابا علی مرتضیٰؑ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے قافلہ کو ٹھہرایا اور خود نفس نفیس جناب امیرؑ کے پاس تشریف لائے۔

جناب امیرؑ نے جونہی بیٹیوں کے آنے کی خبر سنی، آپ نے چابک ہاتھ میں لیا اور کوفہ کی سڑکوں، گلیوں اور کوچوں میں یہ کہتے ہوئے گشت کرنے لگے کہ خبردار اے اہالیان کوفہ! آج میری بیٹیاں مدینہ سے کوفہ آ رہی ہیں۔ رات کو چراغ بجھائے رکھنا۔کوئی فرد گھر سے باہر نہ نکلے۔کوئی ہنگامہ آرائی نہ کی جائے، میں چاہتا ہوں کہ میرے ہوتے ہوئے میری بیٹیاں اطمئنان اور سکون سے وارد کوفہ ہو جائیں۔

کوفہ کے در و دیوار پر جناب امیرؑ کے اس عجیب و غریب حکم پر ایک سنسنی خیز سکوت طاری ہوا۔شام کا سرمی اندھیرا پھیلتے ہی ہر شخص باادب گھر میں دبکا رہا۔ جلے ہوئے چراغ بجھنے لگے۔تھوڑی دیر پہلے کی گہما گہمی میں پڑاؤ آ گیا۔آہستہ آہستہ بازاروں کی دکانیں بند ہوتی گئی۔اسکے ساتھ ساتھ گھروں کی کھڑکیاں اور دروازے بھی بند ہو گئے یہاں تک کہ ماحول پر ایک گھمبیر سناٹا چھا گیا۔

رات کے نصف پہر کا وقت تھا کہ جب امیر عرب حضرت شاہ ولایتؑ نے جناب زینبؑ کے گھوڑے کی لگام ہاتھوں میں لیکر سبک روی سے کوفہ کے سنسان ماحول میں قدم رکھا۔سیدھے راستے سے چل کر ایک جگہ جناب امیرؑ نے یہ راستہ چھوڑ کر بے نشان ریگزاروں پر کاروان کا رخ کر دیا۔یہ عجیب و غریب حرکت دیکھکر شہزادے سوالیہ نشان

بنکر رہ گئے۔ بار بار ہونٹوں پر یہی سوال رہ رہ کر آتا تھا کہ کیا وجہ ہے کہ ہمارے بابا نے سیدھے راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا۔۔۔؟ لیکن کیا مجال تھی کہ بڑھ کے پوچھ لیتے۔ آخر جناب زینبؑ نے ہی عرض کیا بابا! گوکہ مجھے کوفہ کے راستوں کا علم نہیں لیکن سیدھے اور ٹیڑھے راستے میں بھی فرق کر سکتی ہوں۔ آپ نے چلتے ہوئے کارواں کا رخ دوسرے راستے پر موڑ دیا۔ اسکی کیا وجہ ہے۔۔۔۔۔؟ بیٹی کا سوال سنکر جناب امیرؑ تڑپ اٹھے۔ صرف اتنا فرما کر خاموش ہوئے کہ بیٹی اس حرکت کا مطلب☆ عنقریب ہی تمہیں معلوم ہوگا۔

جناب زینبؑ کی آمد سے کوفہ علم وعرفان کی آماجگاہ بنا۔ ایک طرف اگر مسجد کوفہ افراد کوفہ کیلئے عظیم المرتب یونیورسٹی بنی ہوئی تھی تو دوسری طرف جناب امیرؑ کے مختصر سے گھر میں جناب زینبؑ کوفہ کی عورتوں کیلئے مشعل راہ بنی ہوئی تھی۔

جناب امیرؑ درجہ شہادت پر فائز کر دیے گئے۔ آنکھوں کے سامنے بابا کا زخمی سر اطہر دل وجگر میں گہرے گھاؤ لگاتا رہا۔ اپنی امی جناب فاطمہؑ کی طرح ہمہ وقت رخسار اقدس پر آنسو جاری رہا کرتے تھے۔ لیکن اس مصیبت عظمیٰ کے باوجود علم وعرفان کے اہم فریضے سے سبکدوشی کا سوال ہی ذہن میں نہ لایا۔ برابر اسی طرح شریک رہیں جسطرح اپنے ہمدرد بابا کے عہد میں رہا کرتی تھیں۔

امام حسنؑ متفقہ طور پر خلیفہ چنُ لئے گئے۔ زینبؑ نے سوچا، چلو اب حالات شاید ہمارے حق میں اچھے رہیں گے لیکن ابھی چند دن بھی نہ ہوئے کہ امیر شام کی مسلسل ایذا رسانیوں سے امام حسنؑ کی شاداب زندگی پر خزان چھاتی ہوئی نظر آئی۔ اب اگر ایک طرف اپنے مہربان بابا پر منبروں پر لعنتوں کا سلسلہ جاری نظر آیا تو دوسری طرف اپنے بھائی حسنؑ پر عرصہ حیات تنگ نظر آتا گیا۔ جناب زینبؑ کیا کچھ کرے۔۔؟ یہ ایک ایسا سوال تھا کہ جسکا جواب بذات خود جناب زینبؑ کے پاس بھی نہیں تھا۔

امام حسنؑ کوفہ چھوڑ کر مدینۃ النبیؐ جانے کی تیاری کر رہے ہیں، رخت سفر باندھا گیا۔ کاروان بسوئے مدینہ جانے پر آمادہ ہے۔ لیکن کوفہ کی عورتوں کا یہ عالم کہ ہجوم کر کے بیت علیؑ پر امنڈ کے آتی ہیں، نہیں آپ لوگ جایئے مگر جناب زینبؑ ہماری معلّمہ ہیں۔ ہماری مہربان اور مشفق ہیں، یہ نہیں جاسکتی ہیں۔ ہم ان کے قدموں پر اپنی آنکھیں نچھاور کرئیں گی۔ ان کے ذرہ سے غم کو اپنا مشترکہ غم سمجھ کر آپس میں بانٹ لیں گی۔ ان کی خوشیوں اور مسرتوں کے سامان مہیا کرئیں گی۔۔ ہم ان کے بغیر اپنی زندگی ویران محسوس کرینگی۔۔ ان کی ایک آدھ خوشی پر اپنی دھن ودولت لگائیں گی۔ یہاں پر رہ کر ان کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔

☆ تاریخ گواہ ہے کہ جناب مسلمؑ شہید کر دیے گئے تو آپکا سر مبارک اسی راستے پر لٹکایا گیا تھا اور سر اطہر کی یہ حالت تھی کہ آنکھیں کھلی تھیں اور جب جناب زینبؑ اسیر کر کے کوفہ لائی گئیں تو جس راستے سے کترا کر جناب امیرؑ نکلے تھے اسی راستے پر جناب زینبؑ نے جناب مسلمؑ کے سر اطہر سے سلام سنا تھا۔ سلام سنکر جناب زینبؑ کو اپنے بابا کی حرکت کا مطلب سمجھ میں آیا۔

جی ہاں ۔۔ یہ میرے الفاظ نہیں ہیں، کوفہ کی عورتوں کے الفاظ اور خواہشیں ہیں، تمنائیں ہیں کہ کچھ بھی ہو لیکن جناب زینبؑ کوفہ میں ہی رہیں گی۔ تاریخ گواہ ہے کہ امام حسنؑ عورتوں کا اصرار سنکر مضطرب ہوئے۔ دل میں ایک ہلچل مچ گئی۔ بے تابی کا یہ عالم تھا کہ حسینؑ کے پاس آئے اور فرمایا بھیا! کاروان مدینہ جانے کے لئے باہر کھڑا ہے۔ لیکن کوفہ کی عورتیں زینبؑ کو روک رہی ہیں۔ جا کے ذرا عورتوں کو سمجھاؤ کہ ہم بہن زینبؑ کے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتے ہیں۔ حسینؑ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے جناب زینبؑ کے پاس آئے۔ عورتوں کے جھرمٹ میں جناب زینبؑ ایسی معلوم ہوتی تھیں کہ جیسے انگنت ستاروں میں مہتاب۔ آپؑ نے عورتوں کا طائرانہ جائزہ لیکر جناب زینبؑ پر اپنی نظریں مرکوز کیں۔ بہن نے بھائی کی طرف غور سے دیکھا۔ یہ دیکھکر کلیجہ پھٹنے کو آیا کہ بھائی انتہائی ضبط کے ساتھ آنسوؤں کو بہنے سے روک رہے ہیں، کیونکہ امام حسینؑ کی آنکھوں کی پتلیاں آنسوں کے اتھاہ سمندر میں بھیگتی جا رہی تھیں۔

جناب زینبؑ اضطراری عالم میں کھڑی ہوئیں۔ بھائی کے پاس آکر عرض کیا۔ بھیا! کیا بات ہے؟۔۔ ''زینبؑ! مدینہ جانے کیلئے ابھی تک تم تیار نہیں ہوئیں۔۔؟'' حسینؑ کا جواب سنکر زینبؑ نے عرض کیا بھیا! جی نہیں چاہتا ہے کہ ان عورتوں کے اشتیاق کو ٹھکرا دیا جائے۔ ان کی عقیدت مند تمناؤں کو ٹھکرانا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ حسینؑ بہن کا کلام سنکر ضبط کے باوجود اس رکے ہوئے طوفان کو نہ روک سکے جو مچل مچل کے آنسوؤں کی شکل میں بہنا چاہتا تھا۔ آپ نے اشکوں، آہوں اور سسکیوں بھرے الفاظ میں بہن کو فرمایا: ''بہن! ان کی عقیدت، ان کی ارادت اور انکی خواہشات کا ردعمل عنقریب دیکھنے میں آئے گا۔ آہ! یہی عورتیں ہونگی لیکن تم سے انجان۔ یہی کوفہ☆ اور اسکے بازار ہونگے لیکن تمہاری جان پہچان والا کوئی نہ ہوگا۔ بہن زینبؑ! اسیروں، یتیموں اور ناداروں کا ایک کاروان اسی کوفہ سے گذرے گا۔ اس کاروان کی امیر تم ہوگی لیکن یہ لوگ نہ تمہاری کوئی مدد کرینگے نہ اس کارواں پر کوئی ترس کھائیں گے۔ آج انکی یہ بھیگی ہوئی آنکھیں کل شعلہ برسا رہی ہونگی۔ میری بہن! میرے الفاظ میں صداقت ہے، درد ہے، آنسو ہیں، سسکیاں ہیں۔ حالانکہ ان عورتوں نے بھی سن لیا لیکن سننے کے باوجود یہ وہی کچھ کریں گی کہ جسکا تذکرہ میں نے تم سے کیا''۔

جناب زینبؑ کے دل پر کیا گذری ہوگی۔۔ یہ دل والے ہی جانتے ہونگے۔ اسکے بعد جناب زینبؑ بھی امام حسنؑ کے ساتھ اُس کاروان میں شامل ہوئیں جو بہ سوئے مدینہ جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔

۲۸ صفر ۵۰ھ آپ کے بڑے بھائی امام حسنؑ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ حالات اسقدر سنگین ہو چکے تھے کہ آل علیؑ اور بذات خود جناب امیرؑ پر سب وشتم کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری کر دیا گیا۔ بنی امیہ کھلے بندوں دین نبیؐ

☆بازار کوفہ کے عنوان میں اسی کتاب میں ایک الگ باب ہے وہاں کوفہ کے لوگوں کا رویہ جناب زینبؑ کے ساتھ میں نے تفصیل سے دکھایا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

کے ساتھ کھیلتے جارہے تھے۔ جہاں جہاں شمع اسلام روشن کردی گئی تھی، ٹمٹما رہی تھی۔ امیر شام معاویہ نے فرزند رسولؐ امام حسن مجتبیٰؑ کو زہر دلوا کر شہید کردیا۔☆

اس اثناء میں جناب زینبؑ کا کیا کردار رہا۔۔؟ وہی جو ایک بہن کو بھائی کے ساتھ رہنا چاہیے۔آپ برابر بھائی کے سرہانے آنسو بہاتی رہتی تھیں۔ابھی اور تھوڑی دیر کے بعد بھائی کی جدائی کا رہ رہ کے خیال آتا تھا اور آخر کار وہ وقت بھی آیا کہ جب کاروان اہلبیتؑ میں سے آپکا بھائی بھی داغ مفاوقت دے کر چلا گیا۔

''انتقال کے وقت بھائی نے بھائی سے ایک وصیت کی تھی کہ مجھے میرے نانا کے پہلو میں دفن کردینا اور اگر کوئی مزاحم یا مانع ہوا تو اس وصیت کو عملانے کی ضرورت نہیں ہے۔

وصیت کا لفظ لفظ امت محمدیہؐ کے خدوخال ظاہر کررہا ہے۔امام حسنؑ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ لوگ اور وہ بھی مدینے کے اس قدر برگشتہ ہوچکے ہیں کہ یہ مجھے نانا کے پہلو میں دفن بھی نہ ہونے دیں گے۔

امام حسینؑ نے بھائی کے جنازے کو کندھا دیا۔قبر رسولؐ کی طرف بڑھے۔ بنوامیہ نے جونہی امام حسنؑ کا جنازہ روضہ رسولؐ کی طرف آتے دیکھا۔مزاحمت پر اتر آئے۔اس مزاحمت میں سردار جمل اور والی مدینہ پیش پیش تھے۔حالت اس قدر اندوہناک بنادی گئی کہ امام حسنؑ کے جنازے پر تیر باران کردیا گیا۔؎۳

بہن نے بھائی کے مرنے کے بعد جب بھائی کے جنازے پر تیر برستے دیکھا ہوگا، تو غش کھا کر نہ گری ہونگی۔۔؟ ہاں زینبؑ نے بھی بھائی کی لاش مقدس کے ساتھ امت محمدیہؐ کا یہ سلوک دیکھکر غش کھایا۔

اب بھرے گھر میں صرف ایک بھائی ہے۔قدرتی بات ہے کہ جناب زینبؑ کی تمام تر محبت بھائی کی طرف مبذول ہوئی ہوگی حالانکہ اپنے بچے بھی تھے، شوہر تھا، بہن تھی لیکن آپکو جتنا خیال اپنے ماں جائے بھائی حسینؑ کا تھا کسی اور کا نہیں تھا۔

حسینؑ اب کوچ کررہے ہیں اور زینبؑ کی زندگی کا نیا رخ شروع ہوگیا۔اب آپکے لئے یہ مشکل ترین گھڑی ہے۔رہیں شوہر کے ساتھ تو اکلوتے بھائی کی صبر آزما جدائی برداشت کرنی ہے۔اور اگر بھائی کے ساتھ جائے تو شوہر کی اطاعت فرمان برداری اور دیکھ بال سے دست کش ہونا پڑتا ہے۔ یہ منزل آپکی زندگی کی سخت ترین امتحانی منزل ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ شوہر کے تاثرات آپکے حق میں مفید ہیں یا مضر۔

عبداللہ بن جعفرؓ

سوال: کیا عبداللہ بن جعفرؓ بھی اس اقدام حسینیؑ کے مخالف تھے۔۔؟ اور اسی وجہ سے جناب زینبؑ کو طلاق

☆ زہر دینے کا واقعہ ان کتابوں میں تصریح سے درج ہے: الاستیعاب؛ مروج الذھب؛ تاریخ ابی الفداء؛ تذکرہ خواص الائمہ؛ حبیب السیر ؛ ربیع الابرار ، سیرۃ الاولیاء وغیرہ وغیرہ۔

دی تھی؟(محمود احمد عباسی)

یہ عقیدہ نہ صرف گمراہ کن ہے بلکہ یزید نوازی کی اعلیٰ ترین دلیل بھی ہے۔عباسی صاحب! حق کو حق سمجھ کر اگر منظر عام پر نہ لایا جائے تو نہ صرف ظلم ہے بلکہ گناہ کبیرہ بھی ہے، اور آپ کی کتاب دیکھکر انسان سر پیٹ کر رہ جاتا ہے کہ کس انداز سے آپ نے توڑ مروڑ کر تاریخ نویس حضرات کو بھی زیر زمین تڑپنے پر مجبور کر دیا۔آپ کا یہ کہنا کہ عبداللہ بن جعفر طیارؑ اقدام حسینؑ کے مخالف تھے، نہ صرف غلط ہے بلکہ تاریخ ناشناسی کی واضح ترین دلیل بھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؑ کی نظروں میں امام حسینؑ کی جو قدر و منزلت تھی وہ علامہ ابن اثیر جزری کے اس واقعہ سے ملاحظہ ہو۔

امام حسینؑ کو عبداللہ بن جعفرؑ کا خط جو ان کے دونوں فرزند عون اور محمد کے ہاتھ راستے میں مل گیا، خط میں لکھا تھا: ''میں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرا خط پڑھتے ہی واپس آ جائیے۔ کیونکہ مجھے اس بارے میں آپ کی ہلاکت اور آپکے اہل بیتؑ کے استیصال کا خوف ہے۔اگر آپ ہلاک ہو گئے تو زمین کا نور بجھ جائے گا، کیونکہ آپ مجتہدین کے سردار اور مومنین کی امید ہیں۔آپ روانگی میں جلدی نہ کیجئے۔ میں اپنے خط کے پیچھے پیچھے آ رہا ہوں۔''[۴۴]

خط کو بغور پڑھیے اور دیکھیے کہ عبداللہ بن جعفرؑ کی نظروں میں امام حسینؑ کا کیا مقام تھا۔عبداللہ جانتے تھے کہ امام حسینؑ ہی سے زمین کا نور ہے۔آپکو علم تھا کہ امام حسینؑ سردار ہیں۔مومنین کے حقیقی پیشوا ہیں۔ یہ خط میں کا ان کا اعتراف ظاہری نہیں تھا بلکہ حقیقی معنوں میں تھا ورنہ اس طرح کبھی نہ لکھتے۔ بھلا عبداللہ امام حسینؑ کو پیشوا سردار اور نور مانتے تھے تو ان کو امام حسینؑ کے اقدام سے مخالفت کیسے ہوتی۔اب رہ گئے خط میں جو خدشات بیان کئے تھے، سو ظاہر ہے کہ عبداللہ حالات حاضرہ پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے۔آپ کو علم تھا کہ وقت کے حالات میں امام حسینؑ نہ جانے کہاں پر درجہ شہادت پر فائز کر دیے جائیں گے۔لہذا عبارت میں اپنا خدشہ ظاہر کر دیا۔لیکن ان خدشات سے کہاں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عبداللہ حسینؑ کے اقدام کے مخالف تھے۔

ابن اثیر جزری تحریر فرماتے ہیں:

عبداللہ بن جعفر عمرو بن سعید (جو یزید کی طرف سے مکہ کا عامل تھا) کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ تم امام حسینؑ کے نام ایک خط لکھ دو۔جس میں ان سے امان کا وعدہ کرو ان کو حسن سلوک اور صلۂ رحم کی امید دلا کر واپس آ جانے کے لئے کہو۔عمرو نے ایسا ہی کیا۔خط کو اپنے بھائی یحییٰ ابن سعید اور عبداللہ بن جعفرؓ کے ہاتھ روانہ کر دیا۔ ان دونوں نے حضرت امام حسینؑ کو راستے میں جا لیا۔وہ خط انہیں پڑھ کر سنایا اور جد و جہد کی کہ وہ واپس آ جائیں۔مگر انہوں نے نہ مانا اور عذروں کے علاوہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایک خواب میں رسولؐ کو دیکھا ہے۔انہوں

نے مجھے حکم دیا ہے جسکو میں ضرور پورا کروں گا۔خواہ وہ میرے خلاف پڑے یا موافق۔ان دونوں صاحبوں نے پوچھا کہ وہ کیا خواب ہے؟ کہا کہ نہ میں نے اب تک وہ خواب کسی سے بیان کیا ہے اور نہ کروں گا یہاں تک کہ میں خدا سے جا ملوں'' ۵؎

یہ تھی عبارت اور یہ تھی حقیقت، اب اگر میں بھی اسکو توڑ مروڑ کر ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کروں تو مجھ جیسا ملزم کون ہوگا۔

عبداللہ بن جعفرؓ امام حسینؑ کے بہنوئی تھے۔ان دونوں میں صرف یہی رشتہ نہیں تھا بلکہ آپس میں چچیرے بھائی بھی تھے۔ برادرانہ شفقت کا گہرا لگاؤ اسقدر قریب تھا کہ عبداللہ بار بار اپنے عظیم المرتبت سردار اور بھائی کو اس منزل کی طرف بڑھنے سے روک رہے تھے کہ جو منزل امام حسینؑ کے لئے خطرناک ثابت ہوجاتی۔مگر امام حسینؑ کے فیض وکمال اور عظیم مرتبہ پر فائز ہونے کی وجہ سے عبداللہ خاموش ہوجاتے تھے اور جس خواب کا ذکر امام حسینؑ نے اپنے بہنوئی کے سامنے کیا۔وہ حسینؑ اور آنحضورؐ کے درمیان براہ راست ایک ایسا تعلق قائم کیے ہوئے تھا کہ جہاں عبداللہ بن جعفر کا تخیل پرواز پہنچ نہیں سکتا۔کیونکہ امام حسینؑ امام تھے اور عبداللہ اس نعمت عظمیٰ سے محروم۔صرف یہ ایک حدفاصل تھا جو ان دو صاحبوں کے درمیان تھا۔باقی شفقت، محبت، مودت، ایثار، انسیت اور برادرانہ تعلقات کی ہم آہنگی دونوں میں بدرجہ اتم موجود تھی۔

یہاں تک جب ناظرین کرام میرا ساتھ دیتے آئے تو آئیں یہ دیکھیں کہ کیا واقعی جناب زینبؑ کو عبداللہ بن جعفر نے طلاق دی تھی۔

مولانا محمد وارث کامل جو اہلسنت والجماعت کے ایک مقتدر عالم ہیں، اپنی مایہ ناز تالیف زینب بنت زہراؑ میں صفحہ ۸۰ سے صفحہ ۹۶ تک عبداللہ بن جعفر طیارؓ کے فضائل وکمالات لکھتے۔آپ لکھتے ہیں:

یہ عبداللہ بن جعفرؓ جنکے فضائل وکمالات کا ہم نے اوپر کے صفحات میں ذکر کیا ہے۔حضرت زینبؑ کبریٰ کے شوہر تھے۔حضرت زینبؑ کبری سے انکے تعلقات تمام عمر خوشگوار رہے۔ بلکہ ایک دفعہ تو حضرت عبداللہ بن جعفر نے یہاں تک فرمایا کہ: ''زینبؑ امور خانہ داری میں اپنی مثال آپ ہیں''

''صرف ایک موقعہ پر تعلقات میں کشیدگی کا امکان تھا اور وہ موقع یہ تھا کہ جب امام حسینؑ مدینہ سے مکہ جانے لگے تو حضرت عبداللہؓ سے ان کے ہمراہ جانے کے لئے اجازت طلب کی۔حضرت عبداللہؓ نے خلاف معمول ان کی آنکھوں میں چھلکتے ہوئے آنسو دیکھ کر پوچھا، خیر تو ہے، کیا بات ہے؟ حضرت زینبؑ نے فرمایا۔آپ جانتے ہیں کہ مجھے اپنے بھائی حسینؓ سے کتنی محبت ہے۔ان کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔اگر آپ نے اجازت نہ دی تو آپکا حکم سر آنکھوں پر مجھے جبراً وقہراً اسکی تعمیل کرنی ہوگی۔مگر اس سے مجھ پر جو گذرے گی وہ میں ہی جانتی ہوں۔ان الفاظ

سے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کافی متاثر ہوئے اورانہوں نے انجام سے بے پرواہ ہوکر سفر کی اجازت دے دی۔'' ؎۶

عبارت کو بغور پڑھیے اور فرمائیے کہ کیا کشیدگی ہوئی تھی۔۔۔؟ مولا محمد وارث کامل کا یہ لکھنا کہ ''کشیدگی کا امکان تھا'' صاف بتلا رہا ہے کہ کشیدگی قطعاً نہیں ہوئی اور جب کشیدگی ہوئی ہی نہیں تو آپ کا یہ لکھنا کہ طلاق تک نوبت پہنچی'' مضحکا نہ روش نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

متذکرہ عبارت کے آخری الفاظ یہ بھی ہیں کہ انجام سے بے پرواہو کر سفر کی اجازت دیدی صاف بتلا رہا ہے کہ جب تک جناب زینبؑ نے بھائی کے ساتھ سفر نہیں کیا تھا۔ تب تک ''امور خانہ داری میں زینبؑ اپنی مثال آپ تھی۔'' جمع کے مصداق ہیں۔

ایک باپ کے سامنے بیٹوں کی قدر ومنزلت کیا ہوتی ہے۔ آپ کو بخوبی علم ہے۔ اگر بقول آپ کے طلاق مل چکی تھی تو فرمائیے بیٹے ماں کے ساتھ رہیں یا باپ کے ساتھ۔۔۔؟ پرفکر ونظر سے سوال کیجئے یہی جواب ملے گا کہ باپ کے ساتھ اور جب یہ صورت ہے تو جناب عبداللہ بن جعفر نے اپنے بیٹوں کو پھر کیوں امام حسینؑ کے ہمرکاب کر دیا۔ ظاہر ہے امام حسینؑ پہلے جناب زینبؑ کے بھائی ہیں اوراسکے بعد عبداللہ کے رشتہ دار اوراگر لفظ طلاق کا اطلاق ہو چکا ہے تو عبداللہ نہ صرف جناب زینبؑ سے کٹ جاتے ہیں بلکہ امام حسینؑ کے ساتھ بھی حالات سازگار نہیں ہو سکتے ہیں۔ لیکن عبداللہ بن جعفرؓ کے کردار سے نہ صرف آپکے مفروضہ پر اوس پڑتی ہے بلکہ آپ کے ان بہی خواہوں کا بھی قلع قمع ہو جاتا ہے کہ جنکا سہارا لیکر آپ بے تکی باتیں ہانکنے پر مجبور ہو گئے۔

مدینہ سے روانگی

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری اپنی مایہ ناز تالیف ''سیدہؑ کی بیٹی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

بی بی زینبؓ اور انکے بھائی حضرت حسینؓ نے بیعت پر لعنت بھیجی اور سیدنا حسینؓ مدینہ سے روانگی کی تیاری کرنے لگے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ انکے تمام عزیز ان کے ساتھ مکہ چلیں تا کہ ان کی عدم موجودگی میں کسی عزیز پر آنچ نہ آئے۔ مگر بعض عزیزوں بالخصوص محمد بن حنفیہؓ اور عبداللہ بن عباسؓ نے نہ صرف انکے ساتھ جانے سے انکار کر دیا بلکہ سفر کی بھی سخت مخالفت کی (فٹ نوٹ)؎۱ اِس امر کی میں نے گذشتہ اوراق میں تصریح کی ہے۔ آیا مخالفت تھی یا مواقفت کی۔ مصطفیٰ) لیکن امام حسینؓ کا عزم غیر متزلزل تھا اور بھائیوں نے مخالفت کی تو ادھر بہن کے لئے جسنے تمام عمر شوہر کی خوشنودی حاصل کی ناممکن تھا کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر بھائی کے ساتھ روانہ ہو۔ چنانچہ بی بی زینبؓ نے حضرت عبداللہ سے اجازت طلب کی۔ محض تکالیف ومصائب کے خیال سے جب حضرت عبداللہ نے آپکو اس سفر سے منع کیا تو حضرت زینبؓ نے کہا۔ ''میرے بھائی کا دنیا میں کوئی رفیق نہ رہا۔ پاؤں تلے کی چیونٹی بھی جان کی دشمن اور خون کی پیاسی ہے۔ میں اس حالت میں اپنے بھائی کو کیسے اکیلا چھوڑ دوں۔'' حضرت زینبؓ بھائی کا

ساتھ چھوڑنے پر کسی طرح تیار نہیں تھیں۔ مگر یہ بھی نہ چاہتی تھیں کہ شوہر کو ناخوش یا مجبور کریں۔ جب حضرت عبداللہ نے انہیں آفات ومصائب سمجھائے تو انہوں نے کہا" اماں مجھے اس دن کے لئے چھوڑ کر نہ گئیں تھیں کہ جب میرا بھائی بے یارو مددگار، یکہ وتنہا ہو اور دشمنوں کے نرغہ میں پھنس جائے تو میں بیٹھی سیر دیکھ کر رووں۔ عبداللہ تمہیں معلوم ہے کہ میرا اور بھائی حسینؑ کا پچپن برس کا ساتھ ہے اور ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے۔ اب ہمارا بڑھاپا اور زندگی کا آخری دور ہے اگر اس وقت میں نے حسینؑ کا ساتھ چھوڑ دیا تو اماں کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ جنہوں نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا کہ زینبؑ میرے بعد حسینؑ کی ماں بھی تو ہے اور بہن بھی"۔ تمہاری اطاعت میرا فرض ہے۔ لیکن اگر میں حسینؑ بھائی کے ساتھ نہ گئی۔ تو میں ان کی جدائی کا صدمہ نہ سہہ سکوں گی۔

حضرت عبداللہ پر بیوی کی اس گفتگو کا بہت اثر ہوا اور انہوں نے کہا بنت مرتضٰی! تم اپنا دل بھاری نہ کرو۔ تمہاری یہی خوشی ہے تو میری طرف سے اجازت ہے۔ تم حسینؑ کے ساتھ چلی جاؤ"۔ ۷

اقتباس کو پڑھیے اور بتلا دیجئے کہ کیا جناب عبداللہ جناب زینبؑ کے سفر سے کبیدہ خاطر یا غصہ میں آ گئے۔؟ حیف اور صد حیف ہے آپ کی اس دریدہ ذہنی پر کہ کس حسن خوبی سے آپ نے عامتہ الناس کو دھوکہ دینا چاہا۔ عباسی صاحب! ڈاکٹر بنت الشاطی کی بطلۃ کربلا کے کچھ صفحات پڑھیے تو آپ کو تفصیل سے مندرجہ ذیل باتوں کا جواب ملے گا:

۱۔ جناب زینبؑ اور عبداللہ بن جعفر تادم مرگ ازدواجی معاملات میں خوش وخرم رہے۔

۲۔ اس دوران ان میں نہ کبھی ناچاقی ہوئی اور نہ ہی کسی قسم کی کشیدگی۔

۳۔ جناب جعفر نے برضا ورغبت جناب زینبؑ کو بھائی کے ساتھ جانے کی اجازت دیدی۔

۴۔ ایسی کوئی بات نہ ہوئی ہے کہ جس سے طلاق تک نوبت پہنچ جاتی۔

۵۔ جناب عبداللہ نے رضامندی سے اپنے دونوں بیٹوں کو بیوی زینبؑ کے ہمراہ حسینؑ کی مدد کے لئے بھیج دیا۔ ۸

اس کتاب کے علاوہ اور بھی متعدد کتابوں میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ مندرج ہے۔ ۹

اب سوال یہ ہے کہ عبداللہ بن جعفر بذات خود حسینؑ کے ساتھ میدان کربلا کیوں نہیں گئے تو اسکا جواب یہ ہے کہ عبداللہ اس وقت بخار کی شدت میں بستر پر پڑے تھے کہ جب امام حسینؑ نے سفر کربلا کیا۔ ۱۰

ایران کے معروف تاریخ نویس محمد جواد نجفی تحریر فرماتے ہیں کہ:

درکتاب منتخب التواریخ از کتاب انوار العلویه نقل میکند: موقعی که امام حسینؑ میخواست ازمدینه بجانب عراق حرکت کند. عبدالله جعفر هم تصمیم گرفت که با آنحضرت حرکت نماید ولی امام حسینؑ بجهت اینکه عبدالله مکفوف البصر یعنی چشمهائش نا بینا بود اجازه نداد. عبدالله گفت. آنسو که بخودم این اجازه

رانمی د هی پس تقاضا دارم به این دوفرزندم اجازه فرمائی که دررکاب شماباشند ؟ امام حسین قبول کرد۔ میرزا عباسقلی سپہر درکتاب طراز المذهب مینو سد : علت اینکه عبدالله جعفر باامام حسینؑ کر بلا نیامد، این بود که مریض بود ۔ [۱۱]

ترجمہ:۔منتخب التواریخ میں انوار العلویہ کتاب سے نقل کیا گیا ہے کہ جب امام حسینؑ نے مدینہ سے بطرف عراق سفر کرنا چاہا۔عبداللہ جعفر نے بھی آنحضرتؐ کے ہمرکاب ہوکر سفر کرنے کی استدعا کی۔لیکن امام حسینؑ نے صرف اس وجہ سے عبداللہ جعفر کو اپنے ساتھ نہ لیا کہ عبداللہ جعفر نابینا تھے۔اجازت نہ ملنے پر عبداللہ جعفر نے عرض کیا۔میں اگر اب جانے کے قابل نہیں رہا ہوں تو میرے دوفرزندوں کو اپنے ساتھ کربلا لے لیجئے۔امام حسینؑ نے قبول کیا۔میرزا عباس قلی سپہر نے طراز المذھب کتاب میں لکھا ہے کہ عبداللہ صرف اس وجہ سے امام حسینؑ کے ہمرکاب نہ جاسکے کیونکہ آپ بیمار تھے۔''

ان شواہد کے علاوہ میری طرف سے اور کیا تبصرہ ہوسکتا ہے۔

بیٹوں کی شہادت سنکر عبداللہ جعفر کا ردعمل

جسوقت جناب زینبؑ مدینہ رسولؐ پہنچی درودیوار سے نوحہ وشیون کی آوازیں بلند ہوئیں ۔ ہرفرد جناب زینبؑ کو پُرسا دینے کے لئے آیا۔ جناب زینبؑ ہمہ وقت مدینہ کی اس غمناک فضا کو دیکھ کر غش کھا کر گرتی تھیں کہ جس میں بھائیوں، بھتیجوں اور اپنوں کے غم والم کی سسکیاں ابھرتی جارہی تھیں۔

راشد الخیری تحریر فرماتے ہیں۔

ماں کے مزار پر فاتحہ پڑھ کر بی بی زینبؑ گھر آئیں۔فاطمہ صغریٰ کو گلے لگا کر جنہیں بیماری کی وجہ سے امام حسینؑ ام المومنین بی بی سلمہؓ کے پاس چھوڑ گئے تھے، دیر تک روتی رہیں۔حضرت عبداللہ بن جعفرعلیؑ کی باقی اولاد، خاندان کے تمام لوگوں سے ملیں اور خاندان کے ہرفرد نے جو کربلا میں شریک نہ ہوسکا تھا۔بی بی زینبؑ کو جواب خاندان میں بڑی تھیں اس صدمہ جانکاہ میں تسلیت دی۔

حضرت عبداللہ بن جعفر کی زبان سے کوئی لفظ ایسا نہ نکلا جس سے بی بی زینبؑ کو ملال ہوتا۔بچوں کی شہادت سے انہیں جو صدمہ ہوا اس پر انہوں نے بھی صبر کیا بلکہ ایک غلام سے جو تعزیت کیلئے آیا تھا کہا کہ:

''اگر میں انکے ساتھ ہوتا تو جب تک نہ مرجاتا علیحدٰہ نہ ہوتا، بچے خدا کی امانت تھے۔اس نے واپس لے لئے خوشی کی بات ہے کہ انہوں نے اپنے ماموں کی خدمت میں ثابت قدمی سے جنگ کرتے ہوئے جان دیدی'' [۱۲]

ڈاکٹر بنت الشاطی فرماتی ہیں:

ونسمع مولی من مواليه يقول فی حمق:

"ھذا مالقینا و دخل علینا من الحسینؑ"

فیقذفہ "عبداللہ" بنعلہ ساخطاً مغضباً وھویقول: یاابن اللخناء للحسین تقول ھذا؟ واللہ لوشھدت لاحببت الا افارقہ حتیٰ اقتل معہ واللہ انہ مما یسغی نفسی من ولدی ویھون علی المصائب فیھما انھما اصیبا مع اخی و ابن عمی موا سین لہ صابرین معہ"

عبداللہ جعفرؓ کے ایک غلام نے آکر آپؓ سے کہا۔ یہ ہمیں حسینؑ سے بدلہ ملا (یعنی آپکے فرزندوں کی شہادت سے) یہ سننا تھا کہ عبداللہ جعفر غصہ میں آئے۔ نعلین اس غلام پر زور سے دے ماری اور فرمایا۔ اوبدذات کے بچے! تو حسینؑ کے لئے یہ الفاظ بولتا ہے۔ بخدا اگر میں بھی حسینؑ کے ساتھ ہوتا تو بغیر قتل ہونے کے ان سے علیحدٰگی اختیار ہی نہ کرتا۔ بخدا اسی سے تو میرے نفس کو سکون میسر ہوتا ہے اوران دونوں بچوں کی مصیبت کا خیال اسی وجہ سے میرے لئے آسان ہوجاتا ہے کہ انہوں نے میرے بھائی، میرے چچرے بھائی کے ساتھ غم خواری کی اور اسکے ساتھ ثابت قدمی سے جنگ کرتے ہوئے جان دی۔ اگر میرے ہاتھوں نے امام حسینؑ سے غمخواری نہیں کی تو کم ازکم میرے بچوں نے تو کی۔ ۱۳؎

جناب عبداللہ بن جعفر نے جس غلام پر نعلین ماری تھی، اسکا نام ابوالسلاس تھا۔

سرھنگانہ استبداد کیلئے اورایک حکم

یہ تھا اسیر کاروان کی سپہ سالار کا مختصر حال۔ اب میں کتاب کے تسلسل میں آجاتا ہوں کہ کسطرح یہ معظّمہ حسینی کاروان کی امیر بن گئی۔

بہن بھائی پر انگنت ظلم وستم پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ بے بس تھے، کیا کرتی، ہاں آپ کا بس اگر تھا بھی کچھ تو وہ۔۔۔۔۔ وہ آنسو تھے کہ جن کو آپ بہاتی جا رہی تھیں۔ تمام دکھ بھرا منظر سامنے تھا۔ ابھی تک تو صرف بھائی کے سرتاپا زخمی جسم کو دیکھ رہی تھی۔ لیکن جب عمر بن سعد نے یہ حکم دیا کہ شہداء کے بدنوں سے سراتا دیئے جائیں۔ سیدالشہداء کا سر شمر بن ذی الجوشن نے اتارا۔ ناسخ التواریخ کی روایت کے مطابق اب سروں کی تقسیم کی گئی۔ جناب سیدالشہداء کا سراطہر خولی بن یزیدالاصبحی رحمید بن مسلم الازدی کے سپرد کر دیا گیا اورانکو حکم دیا گیا کہ شہداء کے تمام سر عبیداللہ بن زیاد کے پاس کوفہ لئیے جائیں

خولی لعین نے سر حسینؑ حاصل کرتے ہی کوفہ کی راہ لی اور گھوڑے کو مہمیز کرتے ہوئے صرف اس غرض سے تیزی سے بجانب کوفہ روانہ ہوا تا کہ اپنے امیر سے انعام واکرام حاصل کروں۔ لیکن جب دارلامارہ کے دروازے پر پہنچا تو وہاں دروازہ بند ہو چکا تھا۔ خولی نے سر حسینؑ لیکر اپنے گھر کی راہ لی اور گھر میں آکر مٹی کی طشت پر رکھا۔ خولی کی دو بیویاں تھیں ایک قبیلہ بنی اسد سے اور دوسری حضرموت قبیلہ سے۔ اس حضرموت والی بیوی کا

نام نوار تھا۔خولی رات گذارنے کے لیےنوار کے بستر پر آیا۔

فقالت له :ماالخبر ؟ نوار نے خولی سے پوچھا،کیا خبر لائے ہو۔۔۔۔؟

فقال جئتکٔ بالذهب، هذا راس الحسین معکٔ فی الدار

''خولی نے جواب دیامیں نے تمہارے لئے سونالایا ہے۔یہ سر حسینؑ ہے جواسوقت تمہارے گھر میں ہے''

نوار نے جونہی اس شقی ازلی کا کلام سناتڑپ کر کھڑی ہوئی اور کہا **ویلکٔ ! جاء الناس بالذهب والفضة وجئت برأس ابن رسول الله !! والله لا یجمع رأسی ورأسکٔ وسارته ابداً**

اے خولی! ویل ہوتمہارے لئیے ۔لوگ سیم وزر لے آتے ہیں اور تو رسولؐ اللہ کے بیٹے کا سر لے آیا۔ بخدا! آج سےلیکر قیامت تک اب میرااور تیرا سر ایک ہی تکیہ پرنہیں رہے گا۔''

اسکے بعد نوار اس کمرے میں آ گئی جہاں مٹی کی طشت پر سر حسینؑ خولی نے رکھا تھا۔کیا دیکھتی ہے کہ سر اطہر سےلیکر آسمان تک ایک نور عمود بناتے ہوئے گذر رہا ہے اور فرشتوں کی تسبیح وتہلیل رفتہ رفتہ بلند ہوتی جارہی ہے اور ایک عجیب منظر اس نوار نے یہ بھی دیکھا کہ سفید پرندے جیسے کوئی شکل لاتعداد آپ کے سر اطہر کا طواف کرتے ہیں اور حسینؑ ابن علیؑ قرآن کی تلاوت میں مشغول ہیں۔[۱۴]

اسکے بعد بقیہ شہداء کے سر مندرجہ ذیل طریقے پرتقسیم کئے گئے۔

۱۔کندہ قبیلہ کے قائد قیس بن اشعث کے ذمہ تیرہ سر رکھے گئے۔

۲۔ھوازن قبیلہ کے قائد شمر بن ذی الجوشن کے ذمہ بارہ سر رکھے گئے۔

۳۔قبیلہ تمیم کے سپرد سترہ سر رکھے گئے۔

۴۔قبیلہ بنی اسد کے سپرد سولہ سر رکھے گئے۔

۵۔قبیلہ مذحج کے سپرد سات سر رکھے گئے۔

۶۔مختلف سرداروں کے سپرد تیرہ سر رکھے گئے۔

موخرالذکر کو ملا کر کل سر ہائے اطہر اٹھتر ۷۸ بن جاتے ہیں لیکن حسینؑ اور آپ کے باقی رفقاء کی کل تعدار بہتر ۷۲ تھی اور اتنی ہی تعداد کرب وبلا میں شہید ہوئی اور یہاں تعداد میں چھ سر زیادہ ہیں۔لہذا اسکو صرف خطائے علم کہنا زیادہ موزون ہوگا۔☆

علامہ ابن شہر آشوب کی کتاب ''مناقب'' میں موخرالذکر تعداد صرف ۹ لکھی ہوئی ہے۔اگر یہ تعداد مان لیں تو سر ہائے اطہار کی کل تعدار ۷۴،اس سر اطہر کے شمار کرنے کے بغیر ہی بن جاتی ہے جو خولی بن یزید کے سپرد کر دیا

☆قارئین کرام! میں نے اسی کتاب میں ایک الگ باب قائم کیا ہے کہ جسمیں میں تاریخی شواہد سے سر حسینؑ کی تاریخ مرتب کی ہے،وہاں پر تفصیل سے تمام واقعات آئیں گے۔

گیا تھا۔ یعنی حسینؑ کا سر اطہر ملا کر کل سروں کی تعداد پچھتر ۷۵ بن جاتی ہے اور ہماری کہی ہوئی تعداد کل بہتر ۷۲ سے تین سر زیادہ ہیں۔ اب اصل حقیقت کیا ہے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ تاہم ان روایات سے اتنا علم تو ہوا کہ سروں کی تعداد ۷۰ اور ۷۶ کے درمیان ہے۔

البتہ تاریخ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ صرف ایک سر کی کمی رہ گئی تھی اور وہ تھا شیر خوار شہزادہ علی اصغرؑ کا سر۔ یہ سر اطہر کس طرح سرہنگانہ جبر واستبداد کے ہاتھ لگا، اسی کتاب میں آخری تبسم مضمون کے عنوان میں تفصیل سے ذکر کر دیا گیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ الامامہ والسیاسہ جزء اول ص ۱۱۔۱۲؛ حبیب السیر ج ۱ جزء چہارم ص ۲

۲۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۲۵

۳۔ تاریخ ابی الفداء جزء اول ص ۸۳؛ حبیب السیر ج ۲ ص ۱۸؛ وفا الوفاء، جزء اول ص ۳۲۵؛ ارجح المطالب، باب سوم ص ۲۷۷

۴۔ خلافت بنوامیہ، ابن اثیر جزری، ترجمہ محمد خلیل الرحمٰن، حصہ اول ص ۱۳۱

۵۔ خلافت بنوامیہ، ابن اثیر جزری، ترجمہ محمد خلیل الرحمٰن، حصہ اول ص ۱۳۲

۶۔ زینب بنت زہراؑ، مولانا محمد وارث کامل ص ۹۶ ۷۔ سیدہؑ کی بیٹی، علامہ راشد الخیری ص ۱۱۹

۸۔ بطلۃ کربلا، بنت الشاطی ص ۸۴۔ تا ۸۷

۹۔ مع بطلہ کربلا، محمد جواد مغنیہ ص ۵۴، ط بیروت؛ آل محمد کربلا میں، عمر ابونصر ص ۹۶؛ صفوۃ الصفوہ، ابن جوزی ج ۲ ص ۳ زینب الکبریٰ، جعفر نقدی ص ۱۲۹؛ تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۷۸؛ تاریخ بنوامیہ، ابن اثیر جزری حصہ اول ص ۱۲۳

۱۰۔ سیدہ کی بیٹی، راشد الخیری ص ۱۲۰؛ سیاست معاویہ ویزید، ص ۱۰۰

۱۱۔ ستارہ درخشاں، محمد جواد نجفی ج ۵ ص ۹۰

۱۲۔ سیدہؓ کی بیٹی، راشد الخیری ص ۱۸۹

۱۳۔ بطلہ کربلا، بنت الشاطی ص ۱۳۳ ط بیروت؛ خلافت بنوامیہ، ابن اثیر جزری، حصہ اول ص ۱۸۱؛ مع بطلہ کربلا، محمد جواد مغنیہ ص ۵۲ طبیروت

۱۴۔ ناسخ التواریخ ج ۳ ص ۲۵۔۲۶

ورود کوفہ

اقلیم رسالتؐ کے درخشندہ ستارے آنسو بہاتے ہوئے خاک اڑاتے ہوئے آہ وبکا کرتے ہوئے قریب کوفہ پہونچے۔

ابن زیاد کے حکم سے کوفہ کے در و دیوار اور بازار، مکانات کو آراستہ کیا گیا تھا۔لوگوں کو یہ تاثر دیا گیا تھا (معاذ اللہ) امیر وقت سے ایک خارجی نے بغاوت کی تھی لہٰذا اسکی سرکوبی کردی گئی ہے اور اب اسکا اور اسکے مٹھی بھر ساتھیوں کا قافلہ اسیر کر کے کوفہ لایا جا رہا ہے۔زر پرست افراد زرق و برق والے کپڑے پہن کر اس قافلہ کے منتظر تھے۔کچھ تو بازاروں میں تماشہ بین بنے بیٹھے تھے اور کچھ دیواروں اور مکان کی چھتوں پر چشم براہ تھے۔کوفہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک غلغلہ اور ایک شور تھا۔لوگوں کے دل کے دل ایک دوسرے سے دھکم دھکا کر رہے تھے۔عجیب شور محشر تھا کہ ناگاہ کوفہ میں چند گھوڑ سوار داخل ہوئے۔ان کے چہرے ایسے بھیانک لگ رہے تھے کہ لوگ خود بخود سمٹ کے رہ گئے اور اسکے بعد نیزوں کی بلند اینوں پر چند سر نمودار ہوئے۔آہستہ آہستہ جب یہ نیزہ بردار قریب آئے۔تو لوگ حیران و پریشان ہو کر رہے کہ سر ایک نہیں، دو نہیں، پورے بہتر ہیں۔سب سر ایک جیسے نہیں تھے، کوئی سر کسی باوقار اور اولوالعزم انسان کا سر تھا اور کوئی چند مہینے کے بچے کا، سروں کے بعد ایک ایسا قافلہ کوفہ میں داخل ہوا کہ جسکو دیکھکر کلیجہ منہ کو آتا تھا۔جُھلسے ہوئے چہرے اور جلے ہوئے کپڑے اور اس پر یہ ستم کہ سب آہنی زنجیروں اور آہنی طوقوں میں بندھے ہوئے تھے اور ان میں چند عورتیں اپنے سروں کو اپنے بالوں سے ڈھانپی ہوئی تھیں۔چھوٹے چھوٹے بچوں کے چہروں پر حزن و ملال طاری تھا اور انکی ننھی ننھی آنکھوں سے وحشت برس رہی تھی۔

صاحب ناسخ التواریخ نے روضہ الاحباب کی روایت سے لکھا ہے کہ جب عبید اللہ بن زیاد کو یہ خبر پہنچی کہ اہلبیت رسالت کوفہ کے نزدیک پہنچے تو اس نے اپنے گماشتوں کو حکم دیا کہ وہ کوفہ کے کوچہ و بازار میں یہ منادی کر کے گشت کریں کہ کوئی بھی آدمی جنگی سامان اپنے ساتھ نہ لائے۔اسکے بعد دس ہزار بہادر افراد کو سلاح و سامان سے آراستہ کر کے کوفہ کے تمام بازاروں میں پھیلا کے رکھدیا تا کہ اہلبیت رسولؐ کے قافلے کے ورود کے وقت کسی قسم کی کوئی مزاحمت نہ ہو سکے۔عمرو بن سعد نے پہلے ہی سرہائے شہداء کوفہ روانہ کئے تھے۔ابن زیاد یہ دیکھ کر آگ بگولا

ہوگیا کہ ابن سعد نے اسیر شدہ قافلے کے بغیر ہی سر کیسے روانہ کئے۔اس نے حکم دیا کہ سروں کو نیزوں پر سوار کر کے کوفہ میں لایا جائے۔چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔اور جب لٹا ہوا قافلہ افواج کے نرغے میں کوفہ میں داخل ہوا تو ابن زیاد کے حکم سے قافلے کو تمام کوچوں اور بازارں میں پھیرایا گیا۔لوگ ان کی بے کسی اور اندوہناک حالت دیکھکر سراسیمہ ہوگئے۔ہر طرف سنسنی خیز سکوت طاری ہوا۔پہلا سا شور وغوغا اب نالہ وفریاد میں بدل گیا۔ہر آنکھ تر ہوتی گئی۔ہر طرف دبی دبی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔یہ سن کر اور دیکھ کر امام زین العابدینؑ نے ان کی طرف نحیف ولاغر آواز میں فرمایا۔[1]

فٹ نوٹ:۔امامؑ کے اس بصیرت افروز فرمان کو دیکھ کر ان افراد کی آنکھیں کھل جانی چاہیں کہ جو یہ کہتے پھرتے رہتے ہیں کہ جو لوگ نوحہ اور گریہ کرتے ہیں وہی اہلبیتؑ رسالتؐ کے قاتل ہیں۔غور تو کیجئے! وہ بے رحم انسان کہ جن کا متاع دنیا ہی مذہب بن چکا تھا۔اہلبیتؑ رسالتؐ کی بے کسی دیکھکر بھی آنسوؤں کو روک نہ سکے۔یہاں یہ حمل نہ کریں کہ یہ آنسو از راہ ہمدردی تھے،نہیں۔انقلاب آکر تباہی وبربادی دیکھ کر اب یہ لوگ اپنے آنسوؤں سے اپنے دامن کے وہ داغ دھونا چاہتے تھے جو آل محمدؐ کے خلاف تلوار،تیر،نیزہ اٹھاتے وقت ان کے دامنوں پر لگ چکے تھے۔اگر برفرض محال یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ شیعہ تھے تو ابن سعد نے بھی تو جناب زینبؑ کے اُس ارشاد کے وقت آنسو بہائے تھے کہ جب آپؑ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا،اے ابن سعد تو دیکھتا ہے اور میرا ماںجایا کو قتل کیا جارہا ہے۔..........!''کہدو کہ ابن سعد بھی شیعہ تھا۔کسی کے آنسو اس بات کی قطعی ضمانت نہیں ہیں کہ وہ محبّ اہلبیتؑ بھی ہے۔مصطفیٰ

اَتَنُوحُونَ وَتَبْكُونَ لِاَجَلِنا؟ فَمَن قَتَلَنا..........؟

''اے مردارنِ غدار! کیا ہم پر روتے اور نوحہ کرتے ہو اب یہ تو بتادو کہ قتل کیا کس نے ہمیں۔اسیر کیا کس نے ہمیں..........!

سہل شہرزوری کہتا ہے کہ میں جب مکہ مکرمہ کے سفر کو منسوخ کر کے کوفہ آیا تو کوفہ کا عجیب عالم دیکھا۔بازاروں میں لوگوں کو یا تو شادمان دیکھا یا گریہ کرتے ہوئے۔کثرت کا یہ عالم تھا کہ تل دھرنے کی جگہ تک نہیں تھی۔میں شش وپنج میں مبتلا ہوا۔میں نے ایک پیر فرتوت کے پاس جا کر اسکے کندھے پر ہاتھ رکھا اس نے مڑ کر دیکھا،شاید میرے چہرے کا سوالیہ نشان سمجھ گیا۔اسلئے میرا ہاتھ تھاما اور الگ مقام پر لے کر کہا''اے مرد خدا! کچھ تو لشکر میں اپنوں کو دیکھکر شادمان ہو رہے ہیں اور رونے والے اپنی عزیزوں کو لشکر میں موجود پا کر رو رہے ہیں''۔میں نے اس پیر فرتوت سے پوچھا:''کون سا لشکر اور کس کا لشکر؟!''اس نے جواب دیا: کیا تمہیں علم نہیں کہ ابن زیاد نے اپنے جری بہادروں کو حسین ابن علیؑ کے ساتھ لڑنے کیلئے کربلا بھیجا تھا۔میں یہ سنکر حیران ہوا۔شاید میں اس مرد پیر سے اور

کوئی سوال کر لیتا کہ نا گاہ ایک شور سا بلند ہوا۔ ہم دونوں شور کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ نیزوں پر سر ہائے شہداء نصب کر دئے گئے ہیں۔ ان کے پیچھے پیچھے ایک اسیر قافلہ اسطرح لایا جار ہا ہے کہ زمین وزمن سے بھی گریہ وزاری بلند ہو رہا تھا۔

جب یہ قافلہ کوفے کے بازاروں سے گذرنے لگا تو ایک عورت نے چھت کے اوپر قافلہ والوں کو مخاطب ہو کر کہا۔

من اَیُّ الاساریٰ اَنْتُنَّ............!

''کس ملک اور کس قبیلہ کے اسیر ہو............؟

فَقُلْنَ ''نَحنُ اُسَاریٰ آلِ محمدؐ............!''

اس کو جواب دیا گیا ''ہم آل محمدؐ کے قافلہ کے اسیر ہیں............!''

اس زن نیک نے جب یہ سنا فوراً بام قصر سے اُتر آئی۔ چند چادریں اور چند مقنعہ اٹھا کر ان کی خدمت میں پیش کئے۔

علامہ مجلسیؒ (بحارالانوار جلد ۴۵ میں) مسلم گچکار سے روایت نقل کرتے ہیں کہ مجھے ابن زیاد نے دارالامارہ کی تعمیر پر مامور رکھا تھا۔ نا گاہ میں نے ایک شور و غوغا سنا۔ میرے سامنے میرا خادم تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ شور کیسا ہے............؟ ''اس نے جواب دیا'' کہ ایک (معاذ اللہ) مرد خارجی کا سر کوفہ لایا جار ہا ہے۔ اس مرد خارجی نے یزید پر خروج کیا تھا۔ لہٰذا شاید وہ سر کوفہ پہنچ چکا ہے۔ اس لئے لوگوں نے شور و غوغا بلند کیا ہے'' میں نے اس سے پوچھا'' یہ تو بتاؤ کہ وہ مرد خارجی کون ہے............؟'' اس نے جواب دیا'' حسین ابن علیؑ............!''!

جب یہ سنا تو دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ خاموش رہا۔ جب یہ بد بخت غلام مجھ سے دور ہوا تو میں نے اپنے چہرے پر طمانچے مارنے شروع کئے۔ ہاتھ منہ دھو کر دارالامارہ کی پچھلی طرف گلی میں نکل آیا۔ تماشہ بین افراد ایک طرف ہو کر دیکھنے لگے۔ دیکھا کہ چالیس اونٹوں پر بغیر پردہ کے محملیں ہیں اور ان میں زنجیروں سے بندھے ہوئے اہلبیتؑ ہیں۔ دوسری طرف دیکھا تو علی ابن الحسینؑ کو ایک بے کجاوہ اونٹ پر گلے میں آہنی طوق اور پاؤں میں خار دار بیڑیاں ہیں۔ آپکے گلے سے خون ٹپک ٹپک کر بہہ رہا تھا۔

لوگ بچوں کی بے کسی، بے بسی اور العطش کی صداؤں کے عوض ان پر روٹیوں کے ٹکڑے اور خرمے پھینک رہے تھے۔ بچے شاید بھوکے تھے۔ لہٰذا اسی کوشش میں روٹیوں اور خرموں کے ٹکڑوں کو پکڑ پکڑ کر کھانا چاہتے تھے۔ لیکن ام کلثومؑ ان سے چھین چھین کر دور پھینکتی جارہی تھی۔ لوگوں کے اس رویہ کو دیکھ کر حضرت ام کلثومؑ نے کوفہ کے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

یا اھل الکونۃِ انَّ الصَّدَقَۃَ عَلَیْنَا حَرَام

''اے اہالیان کوفہ! ہم پر صدقہ حرام ہے............!

لوگوں کا یہ عالم دیکھکر جناب ام کلثومؑ نے اپنی بندھی ہوئی زنجیروں میں ارتعاش پیدا کر کے فرمایا۔

یا اھل الکوفه! تفتلنا رِجَالُکُمْ وَتَبْکِینَا نسائِکم............؟

''اے کوفہ کے لوگو! تمہارے مردوں نے ہمارے بھرے گھر کو اجاڑ کے رکھ دیا اور تمہاری عورتیں ہم پر گریہ کر رہی ہیں۔............!''

اسکے بعد میں نے سروں کی طرف نظر کی ایک سر جو سب سے آگے تھا، آنسو بہا رہا تھا۔ بے کسی، بے بسی اور مظلومیت کی پوری داستان تھا۔

وَھُوَ رَاْسُ زُھَرِی قَمَرِیْ اَشْبَہُ الْخَلْقِ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ

''یعنی یہ سر تابندہ و درخشندہ سر تھا۔ جناب رسالتمآبؐ کے سر کے ساتھ اسقدر مشابہت رکھتا تھ کہ دھوکہ ہوتا تھا کہ آیا یہ سر جناب رسالتمآبؐ کا سر تھا یا کسی اور کا سر''

اور یہ حسین بن علیؑ کا سر نازنین تھا۔

حوالہ جات

۱؎ ستارہ درخشان، محمد جواد نجفی، ج ۵ ص ۱۹۷

فصل ۱۶

ملحقات

عشرۂ محرم

اگر چہ بت ہے جماعت کے آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذان لا الہ الا اللہ

سرزمین کربلا میں دسویں محرم الحرام کی شب رات کے دھندلکے بڑی تیزی کے ساتھ سپیدی سحر کی آغوش میں سمٹتے جا رہے تھے۔صبح کا ستارہ بڑا ہی کربناک دکھائی دیتا تھا۔ ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔یہی وہ فجر تھی کہ جو کربلا والوں کی آخری فجر تھی۔ اللہ اللہ اس فجر کی قدر ومنزلت کہ جسکی رب دوجہاں نے قسم کھائی۔ چنانچہ ارشاد ہورہا ہے:

بسم الرحمن الرحیم: والفجر ولیال عشر الخ

صبح کی قسم اور دس راتوں کی

یہ کونسی صبح ہے اور اس سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں یہاں ایک سوال اور ایک جائزہ پیش کیا رارہا ہے۔

مولانا ڈپٹی نذیر احمد صاحب اسکا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''دس راتوں سے مراد یا تو عید بقر کی دس راتیں، یا محرم کی دس راتیں یا عشرہ رمضان کی جس میں شب قدر واقع ہے۔''

ا۔عشرہ ذی الحجہ

دیکھئے اگر......عید قربان کی دس راتوں کو قرار دیا جائے تو اول تاریخ سے لیکر سات تاریخ تک کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔ کہ جسکو مدِ نظر رکھتے ہوئے قسم کھائی جائے۔ رہ گئی سات کے بعد والی تین راتیں کیا یہ بے معنی سی بات نہیں ہے۔ کہ ان تین مقدس راتوں کو چھوڑ کر پہلی سات راتوں کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن حکیم دس راتوں کا ذکر فرماتا ہے۔ اگر خدائے ذوالجلال آیہ مجید میں یوں فرماتا **والفجر ولیال ثلث** ۔تو اس منزل پر پہنچ کر ہماری بحث کرنے کی کوئی گنجائش نکلتی۔ اس لئے کہ دیکھنا پڑتا کہ ''ثلث'' سے یہاں کیا مراد لیا جائے۔ آیا پہلی تین راتیں یا عشرہ کی آخری تین راتیں۔ صاف ظاہر ہے کہ پھر بحث وتحمیص کا معیار احادیث نبویہؐ پر لانا تھا۔لیکن

آیت واضح ہے ارشاد ہورہا ہے۔ **والفجر ولیا ل عشر** ۔قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی ۔یعنی فجر اور اسکے ساتھ والی دس راتوں کی ۔اب اگر عید بقر والی دس راتیں مراد ہیں تو یہ سراسر جہالت ہوگی ۔اسلئے کہ ذی الحجہ کے ابتدائی عشرہ کو صرف آخری تین راتوں سے فضلیت ہے ۔کیوں کہ ان ہی راتوں میں حج کے لوازمات بجالائے جاتے ہیں ۔لہٰذا یہ عشرہ یہاں قطعی مراد نہیں ہے ۔نہیں تو آیت لغو ہوجاتی ہے ۔جو کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے ۔

۲۔عشرہ رمضان

ان دس راتوں میں بھی ایسی کوئی خاص بات نظر نہیں آتی ہے کہ جسکو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کی اہمیت کو قسم کھا کر واضح کر دیا جاتا ۔ہاں البتہ دوسرے عشرہ میں چند اہم واقعات ضرور ہیں ۔مثلاً شب قدر کہ جسکی شبوں میں اختلاف ہے ۔لیکن آیت میں ایسا نہیں ہے ۔اب اگر یہی مان لیا جائے کہ ابتدائی عشرہ ہی یہاں مراد ہے تو یہ صرف افتتاحی روزے کے دن ہوتے ہیں ۔اگر ان کو کسی قسم کی منزلت ہے تو وہ صرف روزوں سے ہے ۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس ابتدائی عشرہ کو فضیلت دیکر قسم کھائی گئی تو کیا دوسرے دوعشرے بدون منزلت اور بغیر فضیلت کے ہیں کہ جنکو نظر انداز کر دیا گیا۔سب سے بڑی بات یہ ہے ۔کہ ''والفجر'' ولیال عشر کے ساتھ ہی ذکر کر دیا گیا ہے ۔لہٰذا والفجر کا اطلاق شب قدر والے عشرہ پر نہیں کیا جاسکتا اور اسکے ساتھ یہ عرض کرنا ناگزیر ہوگا کہ فجر اور لیل دو متضاد حقیقتیں ہیں ۔ان کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانا حقائق سے کلی انکار کے مترادف ہے ۔مگر یہ واضح رہے کہ لیل کے بعد ہی فجر ہونی چاہیے اسلئے کہ ان کا تعلق بالکل قریب ہے ۔نہ فجر رات سے جدا ہے اور نہ رات فجر سے ۔یہ ایک ایسا وقت ہے کہ جو نہ رات میں ہے اور نہ ہی دن میں ۔مگر یہ قطعی ضروری ہے کہ لیل کے بعد فجر ہونی چاہئے ۔لہٰذا دوسرے عشرہ کو مراد لینا قطعی لغویت ہوگی ۔

۳۔عشرہ محرم الحرام

ہاں یہی وہ عشرہ ہے کہ جسکی اللہ نے قسم کھائی ۔اسلئے کہ یہی وہ تاریخی عشرہ ہے کہ جس میں عبد و معبود کے صحیح رشتے کا تعین ہوا۔انہیں شبوں کے اختتام پر وہ فجر واقع ہوئی کہ جسکا شدت سے حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کو انتظار تھا۔ آپ غور تو کیجئے اس عشرہ میں کیا نہیں ہوا۔اول سے لیکر آخر تک کربلا کے بے آب و گیاہ صحراہ پر وہ قافلہ اُترا کہ جس میں حسینؑ کے علاوہ خانوادہ رسالتؐ کی پردہ نشین عورتیں بھی تھیں لیکن جب سے قافلہ کربلا میں اُترا تب سے تکبیر و تہلیل کی آوازوں سے کربلا کی فضائیں گونجتی رہیں ۔خیام حسینیؑ کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک صرف ذکر اللہ اور آیات سے جہاد کی تفسیر ہورہی تھی ۔

ان دس راتوں کے بعد فجر آرہی ہے اور یہ فجر اُس دن کا پیش خیمہ ہے کہ جسکو عاشورہ کہتے ہیں ۔اب اگر

اللہ اس فجر کی قسم اور دس راتوں کی قسم کھائے تو بے جا نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ .... پرانے بزرگوں کا قول ہے کہ اس دن کا نام عاشورا اسلئے پڑا کیونکہ اس روز اللہ تعالیٰ نے دس نبیوں کو دس کرامتیں بخشیں اور انہیں انعام سے سرفراز فرمایا۔ اس دن حضرت آدمؑ کی توبہ قبول کی۔ حضرت ادریس کو بلند درجہ تک پہنچایا۔ اس دن حضرت نوحؑ کی کشتی کوہ جودی پر ٹھہری۔ حضرت ابراہیمؑ اس دن پیدا ہوئے اور اسی دن اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا دوست بنایا۔ اسی دن انہیں نمرود کی آگ سے نجات دی۔ حضرت داؤدؑ کی توبہ اسی دن قبول ہوئی۔ حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ سے نکلا ہوا ملک اسی دن انہیں دوبارہ ملا۔ اسی دن حضرت ایوبؑ نے بیماری سے شفا پائی۔ اسی دن حضرت موسیٰؑ دریائے نیل سے پار اُترے اور فرعون اپنی قوم سمیت غرق ہوا۔ اسی دن مچھلی نے حضرت یونسؑ کو پیٹ سے باہر نکالا۔ اسی دن حضرت عیسیٰؑ کو دنیا سے آسمان تک لے جایا گیا۔ آنحضرت بھی اسی دن دنیا میں تشریف لائے (واضح رہے کہ آنحضرتؐ کی ولادت ۱۷ ماہ ربیع الاول کو ہوئی ہے)۔

عقل سلیم کا یقیناً یہ فیصلہ مندرجہ الصدر عبارت کو پڑھ کر ہوگا کہ جن دس راتوں اور فجر کی قسم اللہ نے کھائی ہے وہ محرم الحرام کی دس راتیں اور فجر ہی مراد ہیں۔ اب چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

۱۔ **''انھا عشر المحرم من اولہ الیٰ آخر ہ وھو تنبیہ علیٰ شرف تلک الا یام وفیھا یوم عاشوراً''**

یعنی یہ دس راتیں محرم کے پہلے عشرہ کی ہیں۔ پہلی سے دسویں تک اور خدا نے ان دس راتوں کی قسم اس لئے کھائی ہے کہ لوگوں کو یاد رہے کہ یہ دس دن اپنے شرف و بزرگی میں ایک خاص اور امتیازی درجہ رکھتے تھے کیونکہ انہیں دنوں میں عاشورا ہے[۲]۔

۲۔ **سید الا شھر المحرم**۔ سب مہینوں کا سردار محرم ہے[۳]۔

۳۔ **افضل الشھور المحرم**۔ تمام مہینوں سے افضل محرم ہے[۴]۔

۴۔ **المحرم شھر اللہ تاب اللہ فیہ علیٰ قوم ویتوب فیہ علی قوم**

یعنی محرم خدا کا مہینہ ہے۔ پہلے بھی خدا اس مہینہ میں ایک قوم کی توبہ قبول کر چکا ہے اور آئندہ بھی ایک قوم کی توبہ قبول کریگا[۵]۔

ناظرین کرام نے اندازہ لگایا ہوگا کہ اس عشرہ اور اس فجر سے مراد صرف اور صرف عشرہ محرم ہے۔

مندرجہ الصدر روایات سے مندرجہ ذیل باتیں رونما ہوئیں۔

۱۔ اللہ نے اس میں توبہ قبول فرمائی ہے۔

۲۔ انبیاء ماسبق کو نجات صرف اسی مہینے میں دی گئی ہے۔

۳۔ اللہ آئندہ بھی اگر کسی قوم کو نجات دینا چاہتا ہو تو یہی عشرہ محرم ہوگا۔

ان حقائق کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہماری طرف سے صرف یہ عرض ہے کہ توبہ تبھی قبول ہوسکتی ہے جب توبہ کرنے والے میں انکساری، تواضع اور فروتنی آجائے۔ کیا رونا بدعت ہے؟ عجیب سا سوال ہے۔ یہ سوال صرف اس لئے ہم نے یہاں اُٹھایا ہے تا کہ توبہ کا ابتدائی مرحلہ سامنے آجائے۔ توبہ عجز، حزن وملال اور غم واندوہ کے بعد وقوع پذیر ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو محرم کے عشرہ میں عجز، حزن وملال اور غم واندوہ کو بدعت سے تعبیر کرتے ہیں، وہ یاد رکھیں کہ وہ توبہ کے عشرِ عشیر سے بھی واقفیت نہیں رکھتے ہیں۔ تماشائی کب نہیں تھے۔ مسلمان جب کفر کی منزل سے نکل کر دروازہ توبہ میں داخل ہوتے تھے تو اس وقت بھی ان توبہ کرنے والوں کو انگشت نما بن جانا پڑتا تھا۔ لیکن جتنے یہ تماشہ بین حضرات سے انگشت نُما بنتے گئے اتنی ہی ان کے توبہ اور ایمان میں جلا ہوتی گئی۔ لہٰذا اس دن جو کچھ بھی ہورہا ہے صرف محرم کی تمام تر عظمتوں اور رفعتوں کے خاطر ہورہا ہے اس لیے کہ یہی محمد رسول اللہؐ کے فرامین ہیں، جن سے سیدالشہداءؑ کے ماننے والے سرتابی نہیں کرسکتے ہیں کیونکہ یہی وہ فجر ہے کہ جب کفر کی تمام تر طغیانیوں کے باوجود بھی لا الٰہ الا اللہ کا سفینہ رواں دواں ہوا، علیؑ اکبر: فجر! کا وقت ہے، ذرا اذان تو دینا!''حسینؑ نے گلشن محمدیؐ کے چہکتے بلبل کو خطاب فرمایا حالانکہ آپؑ کے ہمراہ آپؑ کے موذن حجاج بن مسروق بعفی بھی تھے۔ لیکن فجر کربلا میں علی اکبرؑ کو اذان دینے کا حکم بتلا رہا ہے۔ کہ یقیناً جب علیؑ اکبر اذان دے گا تو سننے والے یہی خیال کریں گے کہ بنفس نفسیس محمد رسول اللہؐ اذان دے رہے ہیں۔ اس لئے کہ خَلق اور خُلق میں علی اکبرؑ آنحضرتؐ سے گہری مشابہت رکھتے تھے۔ علی اکبرؑ بابا کا حکم سنتے ہی اذان کے لئے کھڑے ہوئے۔

الله اکبر . الله اکبر .　　الله اکبر . الله اکبر

اشهد ان لا اله الا الله　　اشهد ان لا اله الا الله

اشهد ان محمد رسول الله　اشهد ان محمد رسول الله　(الخ اذان)

اب کیا تھا پانی تو تھا نہیں کہ جسے وضو کیا جاتا۔ لہٰذا قرآن کے دوسرے فرمان **فتیمموا صعیداً طیباً (ان لم تجد ماء فتیمموا صعیداً طیبا الخ)** پر عمل کرتے ہوئے ہاتھ اُٹھے اور یکبار کربلا کی سرزمین پر للّٰہیت کے پروانوں کو گرد آلود کر گئے تیمّم کیا جا چکا۔ نماز باجماعت پڑی گئی۔ بعد نماز حسینؑ نے اصحاب کے سامنے کھڑے ہوکر یہ تقریر فرمائی۔

''**حمد الله واثنیٰ علیه ثم قال ان اللّٰه سبحانه وتعالیٰ قد اذن فی قتلکم وقتلی فی هٰذا الیوم فعلیکم بالصبر والقتال** ''الخ

آپؑ نے پہلے حمد وثنائے ادا فرمائی، اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم نے آج کے دن تمہارے

اور میرے قتل ہونے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ ثابت قدمی کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کرو[۶]۔

۴۔ سرمہ لگانا۔ صوم رکھنا۔ مرغن غذائیں استعمال کرنا اور روز عاشورا مسرت منانا آنحضورؐ کی سیرت کا مذاق اُڑانے کے مترادف ہے۔

۵۔ اور جو روایات مشہور کر دی گئی ہیں۔ یہ سب وضع کی گئی ہیں اور انکے وضع کرنے والے کاذبین تھے۔

حوالہ جات

۱۔ غنیۃ الطالبین، شیخ عبدالقادر جیلانی ص ۴۶۱

۲۔ تفسیر کبیر، الامام فخرالدین رازی ج ۸ ص ۵۵۷

۳۔ منتخب کنزالعمال ج ۴ ص ۳۲۰

۴۔ منتخب کنزالعمال ج ۴ ص ۳۲۰

۵۔ منتخب کنزالعمال ج ۴ ص ۳۲۰

مسئلہ خروج

علامہ نوری جو شارح صحیح مسلم ہیں کی جلالت اور شان اہل علم حضرات سے پوشیدہ نہیں ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں:

۱۔قال القاضی اجمع العلماء علی ان الامامة لا تنعقد لکافر و علی انه لو طرأ علیه الکفر انعزل قال و کذالک ترک اقامة الصلوٰة و الدعا علیها قال و کذالک عند جمهور هم البدعة.

ترجمہ: قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اجماع ہے اس پر علماء کا کہ کافر کی امامت کا انعقاد ہو ہی نہیں سکتا ہے اور اگر امامت کے بعد اس پر کفر طاری ہو جائے تو یہ خود بخود معزول ہو جاتا ہے اور اسی طرح جب وہ اقامت نماز چھوڑ دے اور اسکی طرف بلانا ہی ترک کر دے، اور کہا کہ ایسے ہی جمہور علماء کے ہاں بدعت کا یہی حکم ہے۔

۲۔اسکے بعد قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ **فلو طرأ علیه الکفر و تغیر الشرع او بدعة خرج عن الولایة و سقطت طاعة و وجب علی المسلمین القیام علیه و خلعه و نصب امام عادل ان امکنهم ذالک فان لم یقع الا الطائفة وجب علیهم القیام الخ.**

اگر امام پر کفر طاری ہو جائے، یا وہ شرعی احکام کی ردو بدل کرنے لگے، یا بدعت کا ہر سو غلبہ ہو جائے تو امام ولایت مسلمین سے بذات خود معزول ہو جاتا ہے۔ اسکی اطاعت (لوگوں پر سے) ساقط ہو جائے گی۔ مسلمانوں کو اسکے خلاف خروج کرنا واجب ہو جائے گا اور اگر ان میں استطاعت ہو تو اسکو عزل کر کے کسی اور امام عادل کا تقرر کرنا ضروری بن جائیگا اور یہ کام اگر چھوٹی جماعت ہی کو کیوں نہ سرانجام دینا پڑے[1]۔

۳۔وآنچه از مشکوٰة شریف ثابت است که حضرتؑ از بغی و خروج بر بادشاه وقت اگر چه ظالم باشد منع فرموده اند۔ پس درآن وقت است که آن بادشاه ظالم بلا منازع و مزاحم تسلط نام پیدا کرده باشد۔ ہنوز اہل مکه و مدینه واہل کوفه به تسلط یزید پلید راضی نشده بودند مثل حضرت امام حسینؑ و عبدالله ابن عباس وعبدالله ابن عمر و عبدالله ابن زبیر رضی الله عنهم بیعت نه کرده۔ بالجمله خروج حضرت امامؑ برائے دفع تسلط او بود، نه برائے دفع تسلط وآنچه حدیث ممنوع است آن خروج که برائے دفع تسلط سلطان جائز باشد والغرق بین الدفع و الرفع ظاهر و مشهور فی

المسائل الفقیه[۲]۔

ترجمہ: مشکوٰۃ شریف میں ثابت ہے کہ جناب رسالتمابؐ نے بادشاہ وقت کے مقابلے پر کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے اگر چہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہو۔لیکن یہ تب ہی ہے کہ اس ظالم حکمران نے بغیر مزاحمت اور بغیر کسی ٹکراؤ کے غلبہ حاصل کرلیا ہو۔مگر یہاں (یعنی یزید) ابھی تک مکہ اور مدینہ کے لوگوں، حسین ابن علیؑ، عبداللہ ابن عباسؓ، عبداللہ ابن عمرؓ اور عبداللہ ابن زبیر جیسے لوگوں نے یزید کی بیعت ہی نہیں کی تھی۔مطلب یہ ہے کہ حسینؑ کا خروج صرف یزید کے تسلط اور غلبہ کو دفع☆ کرنے کے لیے تھا نہ کہ تسلط اور غلبہ کو رفع☆☆ کرنے کے لیے۔دفع اور رفع میں جو فرق ہے وہ فقہ کے مسائل میں واضح طریقے سے مندرج ہے۔جب یزید کا فسق و فجور تمام اہلِ زمانہ کے سامنے آشکار ہوگیا تو طرفداران اہلبیتؑ نے کوفہ سے حضرت امام حسینؑ کو بلاوا بھیجا اور لکھا کہ آپؑ تشریف لائیں۔ہم آپ کی حمایت کے لئے تیار ہیں۔حضرت امامؑ نے خیال فرمایا کہ یزید کی بدکاریوں کی وجہ سے یزید کے خلاف اُٹھنا تو ہے ہی خصوصاً اب کہ اس پر قدرت بھی ہے تو تاخیر کیوں کی جائے[۳]۔

۵. واما غیر الحسینؑ من الصحابة الذین کانوا با لحجاز ومع یزید بالشام و العراق و من التابعین لهم فرأو ان الخروج علی یزید و ان کان فاسقا لا یجوز لما نشأ عنه من اهرج والدماء فاقصروا عن ذالک ولم ینابعو الحسین ولا انکروا علیه ولا اثموه لا نه مجتهد وهو اُسوة المجتهدین الخ[۴]۔

لیکن امام حسینؑ کے سوا دوسرے صحابہ جو حجاز میں موجود تھے اور (وہ صحابہ) جو یزید کے ساتھ شام اور عراق میں تھے اور جو لوگ ان کی رائے کو مانے ہوئے تھے، یزید کے خلاف خروج کرنے کو جائز قرار نہیں دیتے تھے۔اگر چہ یزید (ان تمام صحابہ کے نزدیک) فاسق بھی تھا۔(شاید وہ یہ کہتے تھے کہ جو کچھ کر رہا ہے خاموشی سے دیکھے جائیں) لہٰذا خروج کرنے سے خونریزی کافی ہوجائے گی اور یہ حضرات خون ریزی کرنے سے باز رہے (یعنی خروج کرنے سے) لہٰذا امام حسینؑ کے ساتھ نہ آئے۔(اسکے باوجود) انہوں نے امام حسینؑ پر کوئی ملامت نہیں کی اور نہ ہی ان کو گنہگار ہی سمجھا۔(یہ صرف اس لیے) کیونکہ امام حسینؑ مجتہد تھے (ظاہر ہے کہ مجتہد جو بھی اقدام کرے وہ صحیح ہوگا) اور یہ (نہ اُٹھنے والے صحابہ) بھی مجتہد تھے۔

۶. ولما تجهز بالخروج منعه عن ذالک بن عباس و ابن عمرو جابر و ابو سعید الخدری وا بو واقدی اللیثی فلم یمتنع بمنعهم وقال انی سمعت ابی یقول سمعت رسول اللهؐ

☆ دَفَعه (ف) دَفْعًا و دِفاعًا و مدفعاً ۔ہٹانا۔دور کرنا۔ دفعه فی کَدا داخل کرنا۔اِلتیا شئیٌ۔ادا کرنا۔القول ۔دلیل سے باطل کرنا۔ان کفا ۔مجبور کرنا۔عنه الازیٰ ۔بچانا۔محفوظ کرنا۔ عن الموضع۔کوچ کرنا۔چھوڑنا۔(مصباح اللغات ص۲۴۳)

☆☆ رَفَعَ (ف) رَفعاً . اَشیءَ اُٹھانا۔فلاناً علی صاحبه فی المجلس آگے بڑھانا۔الکلمته ۔رفع کی علامت لگانا......(رَفْعاً و رُفعاناً) زیدٌ ا الی الحاکم صیقله کرانے کیلئے جانا۔الی باالسلطان پیش کرنا۔قریب کرنا الخ۔(مصباح اللغات ص۳۰۵)

یقول اِنَّ کَبشاً یّقتل بہٖ مکۃ فلا اکون انا ذالک الکبش الخ

جب آپؑ نے کوچ کرنے کی تیاری فرمائی تو عبداللہ ابن عباس، ابن عمر، ابوسعید خدری، اور ابو واقدی لیثی نے آپ کو اس اقدام سے روکنے کی کوشش کی۔ لیکن آپ نے یہ کہہ کر ان کی نصیحتوں کو نہ مانا کہ میں نے اپنے باپ علی مرتضیٰؑ اور انہوں نے جناب رسالتمابؐ سے سنا ہے کہ فرمایا آنحضورؐ نے کہ کعبہ میں ایک مینڈھا قتل کر دیا جائے گا کہ جس سے حرمت کعبہ برباد ہو جائے گی۔ میں نہیں چاہتا ہوں کہ وہ مینڈھا میں ہی بنوں اور میرے سبب سے حرمت کعبہ برباد ہو جائے[۵]۔

متذکرہ روایات اندراج کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ معترض بخوبی جان لے کہ حسینؑ نہ ہی ضدی تھے اور نہ ہی ہٹ دھرم۔ ہم نے سابقہ صفحات میں یزید کا کردار تاریخ وقرآن کی روشنی میں مدلل پیش کیا ہے۔ آپ نے بخوبی اندازہ لگایا ہوگا کہ یزید کس قدر کفر ومعصیت میں گرفتار ہو چکا تھا۔ **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون**۔ جو اللہ کے نازل کردہ پر نہ چلے تو وہ کافر ہے۔ یزید نے نہ صرف نماز کے حکم کی ممانعت کی بلکہ اس نے تو علی الاعلان ان تمام احکام کی پرزور خلاف ورزی کی جو رب العزت نے جناب محمد رسول اللہؐ پر نازل فرمائے تھے۔ اسکا یہ کفر کرنا بعد انعقاد Nomination ہی نہیں تھا بلکہ اس سے پہلے بھی یہ اس قسم کے جرائم کا ارتکاب کر چکا تھا۔ حیرت ہے کہ امیر معاویہ نے اسکے کفر کو دیکھ کر اسکے گلے میں کیونکر قلادہ خلافت ڈال دیا۔ قاضی عیاض کے قول کے مطابق تو یہ خود بخود اس منصب سے معزول تھا لیکن بُرا ہو زمانے کا کہ اسکی اِس معزولیت کے باوجود اسکے افعال اولی الامروں کے افعال کے ساتھ گردانے گئے......!''

اس کے فسق وفجور کے بعد تو صحابہ کبار کو چاہیے تھا کہ اسکے خلاف خروج کریں لیکن تمام تواریخ پر نظر کرنے سے صرف حسینؑ ہی عملی حیثیت سے اس واجب پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں اور باقی خاموش ہیں۔ ہم یہ نہیں کہیں گے کہ ترک واجب کے لئے کلام مجید میں کیا احکام نافذ کیے جا چکے ہیں۔ لیکن اتنا ضرور عرض کیے دیتے ہیں کہ تمام معاشرے میں صرف ایک ذات ہی ایسی نظر آتی ہے جو نہ صرف اسکے (یعنی یزید) فسق وفجور کے خلاف نعرۂ خروج بلند کرتی ہے بلکہ تن من دھن کی بازی لگا کر یزید نواز افراد کی بھی نشاندہی کئے دیتی ہے۔ رہ گیا امام عادل کا تقرر کرنا۔ تو مکہ ومدینہ، عراق اور شام میں نظر کرنے سے صرف حسینؑ ہی وہ واحد ہستی نظر آتی ہے جو وقت کا امام، وقت کا منصف اور وقت کا عادل بن سکتا تھا۔ یہ اسلئے کہ حسینؑ خاندانی اعتبار سے بھی اسکے مستحق تھے اور علم وفضل، زہد وورع اور اپنی اصابت رائے کی وجہ سے اس منصب کے احق تھے۔ لیکن تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جتنے بھی Nominated افراد اُس وقت تھے وہ اس منصب کی خاطر ایک دوسرے کا سر تن سے جدا کرنے سے بھی دریغ نہیں کر پاتے۔ جیسا کہ گذر چکا ہے۔

فتاویٰ عزیزی نے تو کھل کر بات کہی کہ ابھی یزید کی بیعت نامکمل تھی۔ لہٰذا محمود احمد عباسی کا یہ کہنا کہ ’’اس سے پہلے اتنی اہتمام کے ساتھ بیعت نہیں کی گئی تھی کہ جتنی یزید کی ہوئی۔ کتنا غلط اور بے بنیاد قصہ ہے۔ امیر معاویہ نے یزید کی بیعت کیلئے کتنے پاپڑ بیلے، ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ ہم نے اس بے بنیاد عقیدے کو بھی واضح طریقے سے لکھا ہے۔ تو بھلا جب بیعت ہوئی ہی نہیں۔ پھر حسینؑ ہی پر کیا منحصر تھا کہ وہ آڑے وقت اسلام کے کام آجاتے۔ اور صحابہ کی کمی ہو چکی تھی......؟ کیا صرف حسینؑ ہی مذہب کیلئے کام آنے والے تھے اور نہیں......؟ اوروں کا خاموشی اختیار کرنا اور حسینؑ کا کھڑا ہو جانا ثابت کیے دیتا ہے کہ جتنی مودت و محبت حسینؑ کو دین اسلام کے ساتھ تھی اور کسی کو نہیں تھی۔

ابن خلدون نے تو یہ بھی کہا کہ مکہ و مدینہ اور عراق و شام کے صحابہ کے نزدیک یزید فاسق تھا۔ یعنی وہ جانتے تھے یزید فسق و فجور میں مبتلا ہے، لیکن اسکے باوجود وہ خاموش تماشائی کی حیثیت سے اسلام کو تباہ ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اس سے زیادہ اور کیا ستم ظریفی ہو سکتی ہے، کہ نہ حسینؑ کی قیادت کو تسلیم کیا اور نہ ہی خود قائد بن کر یزید کی معاندانہ پالسیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا۔ یہ عجیب خاموشی اور پُر اسرار سکوت کیا تاثر دے سکتا ہے......؟ کیا یہ نہیں سمجھتے تھے کہ طاغی و سرکش حکمران دن کی روشنی میں عام افراد کے سامنے قندیل اسلام بجھانے پر تُلا ہوا ہے۔؟ کیا ان کے سامنے یزید کا موجودہ کردار اسلامی کردار تھا؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو قرآن کی نظروں میں انکا فیصلہ معلوم ہے......اگر جواب نفی میں ہے تو کیا انہوں نے حسینؑ سے پوچھنے کی زحمت گوارا کی کہ اے حسینؑ کیوں جا رہے ہو......؟ کس لیے جا رہے ہو......؟ ہاں ہاں پوچھا۔ حسینؑ نے واضح الفاظ میں جواب بھی دیا کہ تحفظ اسلام اور ناموس شریعت کی بقا کے لیے جا رہا ہوں مگر پھر ان کا الگ رہنا اور گوشہ نشینی اختیار کرنا چہ معنی دارد......؟
غرض حسینؑ نے تمام معترضوں کو کھل کر جواب دیا کہ میرے نہ نکلنے سے جو کچھ ہو جائے گا۔ وہ میں بخوبی جانتا ہوں۔ اللہ رے عزم حسینؑ اور خیال حسینؑ، بے کسی کی حالت میں مرنا قبول کیا۔ لیکن حرمت کعبہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوبالا کر دیا۔ اب اگر اسلام کی ڈولتی ہوئی دنیا کو فسق و فجور، قہر و غلبہ اور وحشت و بربریت کی طغیانیوں میں سے نکالنے کو ضد اور ہٹ دھرمی سے تعبیر کیا جائے اور اسلام کے بجھتے ہوئے چراغ کو ہمیشہ ہمیشہ فروزاں کرنے کو غلط اقدام سے تعبیر کیا جائے تو یہ سراسر عدم معرفتِ حق اور جہالت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱؎ صحیح مسلم مع شرح نووی ج ۲ص ۱۲۵
۲؎ فتاویٰ عزیزی ج ۱ص ۲۱
۳؎ ترجمہ مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۷
۴؎ مقدمہ ابن خلدون ص ۱۵۲
۵؎ سر الشہادتین ص ۴۲۔۴۳

جہاد......ایک سوال اور ایک جائزہ

چند دن پہلے کی بات ہے کہ ایک معزز و مکرم بزرگ نے میرے سامنے یہ سوال پیش کیا کہ حسینؑ کے جہاد کی قرآنی حیثیت کیا تھی......؟ میں نے مناسب سمجھا کہ میں اسکا جواب اسی کتاب میں پیش کروں تا کہ اسکی افادیت سے عام افراد بھی بہرہ ور ہوسکیں......!

ناظرین کرام! یہ سوال میں نے دو حصوں پر مشتمل کر دیا:

۱۔ جہاد اور قرآن

۲۔ حسینؑ اور جہاد

اب آیئے جہاد کے لغوی معنی سمجھ لیں۔

جہاد:۔ جہد سے مشتق ہے، جہد: تعب (یعنی سختی کے) معنی میں استعمال ہوا ہے اسی سے جَــــاهَـــدَ آیا ہے۔ جیسے کہ کہا گیا" **جاهدوا في الله حق جهاده**"۔ جہاد کرو اللہ کی راہ میں جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔

۱ ۔جـاهَـدَ ، مجاهدة و جهاداً بذل وسعه يقال جاهدوا في الله حق جهادہٖ و العدوَّ مَاتله محاماة عن الدين و الاصل بذل كل منها جهده في دفع صاحبه الخ۱؎

۲۔جَهَـدَ جَهدًا في الامر :بہت کوشش کرنا؛۔**بـالرجل**:امتحان کرنا؛**جَهَـدَه المرض**: لاغر کرنا؛ **جَهَدَ اللبن**: سارا مکھن نکال لینا

اجهـد عـلـيـنـا الـعدو :دشمنی میں پوری طاقت صرف کرنا۔کہا جاتا ہے:**جـاهـدوا فـي الـلـه حق جهادہٖ**۔اللہ کے راستے میں پوری کوشش کرو جیسا کہ کوشش کا حق ہے

الجہاد: دین کی حفاظت اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے جنگ۔۲؎

آپ نے یقیناً اندازہ لگایا ہوگا کہ لغات کی روشنی میں جہد یا جہاد کے کیا معنی قرار پائے۔ یقیناً لغات نے آیہ کلام مجید ہی کا سہارا لیا لیکن ہر صورت میں یہی معنی قرار پائے کہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنے ،سختیاں جھیلنے، تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کا مقصد صرف اور صرف اللہ کے کلمہ کو بلند اور دین کی حقیقت کو بلند کرنا ہو۔اسکے بعد ہی جہاد ہوگا اور بعد جہاد...... جہاد کرنے والا مجاہد جو جہاد کا اسم فاعل ہے۔ جنگ کرتے کرتے

ایک امتیازی درجہ حاصل کرے گا۔اسلئے کہ جہاد میں دو ہی صورتیں ہوتی ہیں زندگی یا موت......

زندہ رہا تو غازی کے لقب سے زندگی گذرے گی

موت ملی تو شہادت پا کر ہمیشہ زندہ جاوید رہے گا

ناظرین کرام کو یاد ہی ہوگا کہ اس سے پہلے ہی اس کتاب میں نے محمود احمد امروہی کا یہ سوال بھی دہرایا ہے کہ حسینؑ کے خروج کا اقدام غیر معقول تھا......؟

دونوں سوالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اب ذرا اوراق قرآن کو دیکھیں، تا کہ ہمیں حسینؑ کے خروج کا جواز بھی قرآن سے اچھی طرح مل سکے اور ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی حل ہو جائے کہ آیا قرآن کس حد تک حسینؑ کے جہاد کے ثبوت میں اپنے بصیرت افروز دلائل پیش کرتا ہے۔

قرآن شریف میں جہاد کے لئے ۱۰۹ آیات کا نزول ہوا ہے۔ان تمام آیات میں مسلمانوں کو اس بات پر ابھارا گیا ہے کہ جب کافروں کی ریشہ دوانیاں حد سے متجاوز ہو جائینگی تو تلوار کو اللہ کی راہ میں بے نیام کر دینا چاہیے، اور کفار کو اپنے قتل ہونے سے پہلے قتل کرنا چاہیے اور اس وقت تک جنگ جاری رکھی جائے جب تک نہ فتنہ وفساد ختم ہو جائے۔اس لئے کہ اگر کسی ایک نفس ناطقہ کو قتل کر دیا جائے تو قاتل کو بدون مہلت وامان قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ اس طرح یہ ایک تو اسلامی نظریہ اصول کے تحت قصاص بھی ہو جائے دوسرا قتل کرنے والے کو حیات بھی صحیح معنوں میں مل سکے۔**وفی القصاص حیات یا اولی الالباب** یعنی اے عقل والو قصاص لینے میں حیات کے راز مضمر ہیں۔

اب ذرا قرآن کو دیکھیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ جہاد کب کسوقت اور کن ضرورتوں کے تحت کیا جانا چاہیے اور اسکے بعد مجاہد کے کیا مراتب ہونگے اور اسلامی ریاست کی اندرونی وخارجہ پالیسی پر اسکے کیا اثرات پڑیں گے؟

قرآن مجید میں مندرجہ ذیل آیات جہاد مندرجہ الصدر سوالات کے جواب میں ملتے ہیں

سورہ بقرہ:۔آیات:۱۸۶ـ۲۱۲ـ۲۱۳ـ۲۱۴ـ۲۱۵ـ۱۴۵ـ۲۴۵ـ۲۵۰ـ۲۴۷ـ۲۴۸ـ۲۵۳ـ۲۶۳ـ

سورہ نساء:۔آیات:۷۶ـ۸۶ـ۸۷ـ۸۰

سورہ انفال:۔آیات:۲۰ـ۸۶ـ۹ـ۷ـ۴۸ـ۴۰ـتا۵۰ـ۵۷ـ۶۲ـ۵۸ـتا۶۶ـ۵۹ـ۶۷

سورہ توبہ:۔آیات:۷تا۱۹ـ۸تا۲۰ـ۱۶تا۲۱ـ۲۹ـ۱۲۲ـ۱۲۴

سورہ نمل:۔آیت:۱۱۱

سورہ حج:۔آیات:۴۷ـ۴۱ـ۵۷

سورہ عنکبوت:۔آیت:۶۷

سورہ احزاب:۔آیات:۲۱۔۲۲۔۲۵

سورہ محمد:۔آیات:۴تا۸۔۲۲۔تا۲۶۔۳۷

سورہ فتح:۔آیات:۴۔۷۔۱۸۔۲۷

سورہ حدید:۔آیات:۱۰۔۲۵

سورہ حشر:۔آیات:۲۔۵۔۱۱۔۱۴

سورہ صف:۔آیات:۴۔۴۔۱۳

انکے علاوہ مجاہدین کے مراتب میں یہ آیات واد ہوئی ہیں:

سورہ نساء:۔آیات:۹۷۔۱۰۱

سورہ توبہ:۔آیات:۱۲۳۔۱۱۲

سورہ فتح:۔آیت:۱۷

اسکے بعد جہاد کے نظم وضبط اور رسم ورواج کے متعلق بھی آیات موجود ہیں اور یہ کلمات ۱۷ آیات ہیں۔
کاھنوں کی تردید یعنی جو جنگ میں پانسہ پلٹنے کے متعلق پیشگوئی کریں، اس کیلئے ۵۷ آیات ہیں۔
جنگ کے اوقات، اسکے متعلق ۱۱۰ آیات نازل ہوئی ہیں۔

نظم وضبط رسم ورواج اور کاھنوں کی تردید والی آیات کو چھوڑ کر مابقیہ آیات میں خداوند ذوالجلال نے اہل حق کی حیثیت کو صرف اس غرض سے ابھارا ہے کہ جب کفر وظلمت کا دور دورہ ہو، وحشت و بربریت کی طغانیاں ہر سو پھیلی ہوئی ہوں، اسلام وبانی اسلام کے خلاف سازشیں رونما ہو جائیں دین کے بندھن شکستہ، ھدایت کے ستون منہدم اور عرفان کی راہیں مسدود ہونے کو آئیں تو حق گو کے لیے صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ فرامین اللہ کو مدنظر رکھتے ہوئے جہاد کرلے، تاکہ کفر وظلمت کے عفریت بھی نیست ونابود ہو جائیں اور وحشت و بربریت کا قلع قمع بھی ہو سکے۔

اب آئے چند مشاہیر اسلام کے اقوال کا جائزہ لیں تاکہ حسینؑ جہاد کے مدوجزر صحیح معنوں میں ہماری سمجھ میں آجائیں۔

روزنامہ آفاق (پاکستان) میں پاکستان کے مشہور عالم مولانا امین احسن صاحب اصلاحی محرم ایڈیشن میں تحریر فرماتے ہیں:

''حکومت کی طرف سے کفر صریح صادر ہونے کی صورت میں اسلام نے اس کے خلاف تلوار اٹھانے اور اسکی اطاعت سے دست کش ہونے کی اجازت جو دی ہے، تو اسکے یہ معنی نہیں کہ جونہی حکومت کی طرف سے کسی کفر کا

صدور ہو، ہر مسلمان اسکے خلاف تلوار سونت کر کھڑا ہو جائے اور حکومت کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دے، بلکہ اسکے معنی یہ ہیں کہ اس صورت کے پیدا ہو جانے کے بعد حکومت کی اطاعت اور وفاداری کی وہ شرعی ذمہ داری جو اسلام نے ایک اسلامی حکومت کے لئے اسکے ہر شہری پر عاید کی ہے ختم ہوگئی۔ اب اسکو شریعت کی طرف سے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ سارے حالات کا جائزہ لے کر اسلام کی بتائی ہوئی مختلف راہوں سے پہلے کسی ایک کو اختیار کر لے۔

اسلام نے ایسی صورت میں تین راہوں کی نشاندہی کی ہے:

ا۔ ایک راہ یہ ہے کہ ان ارباب اقتدار سے بزور شمشیر اقتدار چھین لیا جائے جس کی طرف سے کفر صریح کا ظہور ہوا ہے اور ملک کے نظام کو از سرنو اسلام کی بنیادوں پر قائم کر دیا جائے۔

۲۔ دوسری راہ یہ ہے کہ صالحین وہاں سے ہجرت کر جائیں۔

۳۔ اور تیسری راہ یہ ہے کہ جس جگہ ہے۔ اسی جگہ جوار ہے۔ اور جسطرح انبیاء کرام ایک دارالکفر میں اپنے مشن کی تبلیغ کرتے ہیں اسی طرح وہ دارالکفر کو دار اسلام میں ڈھالنے کی جدوجہد میں لگ جائے۔

بعض لوگوں کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ اگر اسلامی حکومت کی اطاعت یا عدم اطاعت کا معاملہ اتنا اھم ہے کہ اس سے آدمی کے کفر و اسلام کا سوال پیدا ہو جاتا ہے اور جب تک حکومت کی طرف سے کسی کفر صریح کا صدور نہ ہو۔ اسکی وفاداری واجب اور اسکی اطاعت سے انحراف حرام ہے تو آخر حضرت امام حسینؑ نے یزید کی خلافت کے خلاف کیوں تلوار اٹھائی۔ درآں حالیکہ یزید پر زیادہ سے زیادہ فسق کا الزام تھا نہ کہ کفر کا، یزید نے تو کسی کفر صریح کا اظہار نہیں کیا تھا اور نہ حضرت حسینؑ اور اسکے عہد کے دوسرے صحابہ نے اسکی حکومت کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔

یہ شبہ تاریخ کے ناقص مطالعہ کا نتیجہ ہے اصل بات یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا خروج یزید کی حکومت کے خلاف سرے سے تھا ہی نہیں۔ اس وقت یزید کی خلافت ہی نہیں منعقد ہوئی تھی کہ خروج کا سوال پیدا ہو۔ نہ حجاز کے مرکزی شہروں نے اسکی خلافت تسلیم کی تھی اور نہ عراقیوں نے اسکے ہاتھ پر بیعت کی تھی صرف شام نے اسکی خلافت کو تسلیم کیا تھا لیکن مکہ، مدینہ اور کوفہ جیسی مرکزی اسلامی آبادیوں کی منظوری کے بغیر اہل شام کو مسئلہ خلافت طے کرنے کا حق نہ تھا۔ اس وقت تک تو عام مسلمان درکنار امیر معاویہ کے مقرر کردہ امراء بھی آئندہ خلیفہ کے بارے میں ابھی یکسو نہیں ہوئے تھے۔

اہل کوفہ نے حضرت امام حسینؑ کو جو خط لکھا تھا اسمیں واضح کر دیا تھا کہ اس وقت ہمارے اوپر کوئی امیر نہیں۔ آپ تشریف لائیے شاید اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے سے ہم کو ہدایت پر مجتمع کر دے۔ قصر امارت میں نعمان ابن بشیر ضرور ہے۔ لیکن ہم نہ تو اسکے پیچھے جمعہ پڑھتے ہیں اور نہ عیدین۔ اگر ہم کو آپ کی آمادگی کا علم ہو جائے تو ہم اس کو کوفہ سے نکال باہر کریں۔

خود یہ نعمان ابن بشیر جو کوفہ کا امیر تھا، یزید کی نسبت جو رائے رکھتا تھا اسکا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب اسے معلوم ہوا کہ امام حسینؑ کوفہ تشریف لا رہے ہیں تو اس نے صاف کہدیا:

''رسول اللہ کا نواسہ مجھ کو ابن مجہول (یزید) سے زیادہ عزیز ہے۔''

چنانچہ اسی وجہ سے یزید نے اسکی جگہ عبیداللہ ابن زیاد کو وہاں کا امیر بنا کر بھیجا۔لیکن اسکے پہونچنے سے پہلے مسلم ابن عقیلؓ کے ہاتھ پر امام حسینؑ کے لئے تیس ہزار سے زائد آدمیوں نے بیعت کر لی۔کم وبیش یہی حال حجاز کی مرکزی آبادیوں کا تھا۔نہ صرف یہ کہ یزید کی بیعت کہیں منعقد نہیں ہوئی تھی بلکہ ہر جگہ اسکے خلاف مخفی اور ظاہر دونوں قسم کی نفرت موجود تھی۔ان حالات میں امام حسینؑ کا اٹھنا کسی ایسی حکومت کے خلاف اٹھنا نہیں تھا جسکو خلافت راشدہ از روے قانون اسلامی ہونے کی حیثیت حاصل ہو۔اور جسکے خلاف خروج، اسکے ارباب اقتدار کے فسق کے باوجود ناجائز ہو۔بلکہ اس وقت ملک میں ایک سیاسی خلا کی حالت تھی اور یہ خلا اپنے بھرنے کے لئے ابھی رائے عامہ کے فیصلہ کا انتظار کر رہا تھا۔

ایسے حالات میں امام حسینؑ کو شریعت کی رو سے نہ صرف اس بات کا حق حاصل تھا کہ وہ رسم ولی عہدی کی عجمی بدعت کے خلاف جہاد کے لئے اٹھیں بلکہ انکے علم وفضل اور انکے دینی مرتبہ کی وجہ سے ان پر جہاد کی ذمہ داری عاید ہوتی تھی، بالخصوص جب کہ ہر طرف سے مسلمانوں کی نگاہیں انکی طرف رہنمائی کی توقع کے ساتھ اُٹھ رہی تھیں اور ان سے ذمہ داری قبول کرنے کی درخواستیں کی جارہی تھیں۔

اسی وجہ سے یہ خیال کرنا کہ حضرت امام حسینؑ کا یہ اقدام یزید کے خلاف خروج کے حکم میں آتا ہے بالکل غلط ہے۔یزید کی خلافت تو ابھی منعقد ہی نہیں ہوئی تھی۔اس وقت زیادہ سے زیادہ اس سلسلہ میں اگر کوئی چیز لوگوں کے سامنے تھی تو وہ اسکی ولی عہدی کی بیعت تھی جو امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں لینے کی کوشش کی تھی لیکن اس میں بھی ان کی پوری کامیابی نہ ہوئی تھی۔

لہٰذا اس میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں کہ حضرت امام حسینؑ مکہ سے روانہ ہوتے وقت اپنے اقدام کے لئے شرعاً مجاز تھے۔لیکن کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی حالات نے اتنی تیزی سے پلٹا کھایا کہ معاملہ کی شرعی نوعیت بالکل بدل گئی ایک طرف اہل کوفہ نے مسلم بن عقیل سے غداری کر کے ابن زیاد سے یزید کے حق میں **طوعًا و کرھًا** بیعت کر لی تھی۔

حضرت امام حسینؑ نے تازہ صورت حال کے پیش نظر فوراً واپسی کا ارادہ کیا اور اب ابن زیاد کی فوج کے افسر کے سامنے تین متبادل تجاویز پیش کیں:

ا۔ایک یہ کہ مجھے واپس جانے دو۔

۲۔دوسری یہ کہ مجھے ترکوں کی سرحد کی طرف نکل جانے دوتا کہ بقیہ زندگی ان کے ساتھ جہاد میں بسر کردوں۔

۳۔تیسری یہ کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو، میں اپنے آپ کواسکے حوالے کردوں گا۔ یہ تجاویزابن زیاد کے پاس پہنچی تو اسنے انہیں ٹھکرادیااوراصرار کیا کہ حضرت امام حسینؓ اپنے آپکواسکے حوالے کریں اوراسکا فیصلہ قبول کریں۔

ظاہر ہے کہ اب یہاں دین وشریعت کے تقاضوں اورحکومت کی اطاعت کا کوئی سوال باقی نہیں رہا تھا، بلکہ سرتا سر چندخودغرض لوگوں کی کینہ توزی اور خباثت نفس تھی۔جسکا نہایت برے طریقے سے مظاہرہ کیا جارہا تھا۔امام حسینؓ اس بات کے لئے توپابند تھے کہ اگر شریعت کے قوانین ان سے مطالبہ کریں تو وہ یزید جسے فاسق کی اطاعت سے انکارکریں لیکن وہ اس بات کے لئے شریعت کی طرف سے ہرگز پابندنہیں تھے کہ وہ ابن ہوشب اورابن زیاد جیسے کینہ توزوں کے رحم وکرم پراپنے آپ کو چھوڑیں اور پورے کنبہ سمیت اپنے آپ کوخود ہی ذبح کئے جانے کے لئے ان کے حوالے کردیں۔

چنانچہ ان لوگوں کے اس ظلم کے آگے سر جھکانے اورانکے ہاتھوں اس ذلت کی موت پرازخودراضی ہونے سے امام حسینؓ نے انکارکردیا جسکا نتیجہ بالآخر کربلا کے حادثے کی شکل میں ظاہر ہوا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی رائے مندرج کردی جائے تا کہ حسینؓ کے اقدام کے خدوخال واضح طور پر ہمارے سامنے آجائیں۔ملاحظہ ہو:

ازانتقال (معاویه)پسرشاں یزید پائے خود ازشکم بر آورده دل بکام دوست لجام سپرد واعلان نمود ترک صلواۃدوابحکم مقدمات سابقه قال عزل گردید ایں قسم تحول احوال گفته او آمده که ممکن است محال نیست مگر دریں وقت رائے اہل تدبیر مختلف افتاء کسے راکه اندیشه فتنه وفساد غالب افساد ناچار دست به ببیعتش بکشاد واحترازعن المعصیه شرط اتباع معروف درمیان نہاد وآں را که بوعده یك جماعت کثیره مثلا امید غلبه درجای شوکت بنظر امدحسبتہً لله برخاست وتہیه کارزار ساخت پس هرچه عبدالله ابن عمرو امثال اوشاں کردند وآنچه حضرت سید الشہدا نمودند عین حق وصواب نمودند بناء ایں اختلاف براختلاف امید است نه بر اختلاف درجواز اصل فعل وعدم جواز آں مگر انجام کاربوجه نقض عہد کوفیاں تعبیر حضرت سیدا لشہداء برنشانه ونشست وروزعاشورا قیامت قبل از قیامت در میدان کربلا برخاست **انا لله و انا الیه راجعون**

(ترجمہ) امیر معاویہ کے انتقال کے بعد یزید نے ہاتھ پیر پھیلائے اور دل وجان سے برائی میں لگ گیا۔ برائی کا اعلان شروع کردیا۔ نماز چھوڑ دی پس بعض مقدمات گذشتہ کی بنا پر عزل کردینے کے لائق ہوگیا۔ حالات میں اس طرح کا الٹ پھیر جیسا کہ میں نے کہا ممکن محال نہیں۔ شاید اس وقت ارباب حل وعقد کی رائیں اور تدبیریں مختلف ہوگئیں۔ کسی پر فتنہ وفساد کا غلبہ ہوگیا۔ مجبوراً بیعت کرلی اور گناہ سے بچنے کے لئے اتباع معروف کو بطور شرط مدنظر رکھا اور جسکو ایک جماعت کثیرہ کے وعدوں پر کامیابی اور دبدبہ کی امید دکھائی دی۔ خدا کے بھروسہ پر تیار ہوگیا اور لڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ لہٰذا جو کچھ حضرت عبداللہ ابن عمر اور آپکی طرح دوسروں نے کیا۔ ٹھیک کیا اسی طرح جو کچھ سید الشہدا ءنے کیا ٹھیک کیا، اور قطعی طور پر صحیح کیا۔ اس اختلاف کی بنیاد امیدوں کے اختلاف پر ہے نہ کہ اصل فعل کے جائز وناجائز کی بنا پر اختلاف ہوا۔ مگر اہل کوفہ کی عذاری کی وجہ سے امام حسینؑ کی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور عاشورہ کے دن میدان کربلا کے اندر قیامت سے پہلے ایک قیامت قائم ہوگئی **انالله وانا اليه راجعون**۔[۳۲]

اسکے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں:

اندریں صورت درشہادت حضرت امامؑ چه تردو نه یزید درحق اوشان خلیفه بعد نه خروج بر او ممنوع واگر خلیفه بود تاهم خروج ممنوع نه بود واگر خروج ممنوع بود عزل ممنوع نه بود وبالجمله وجود ممانعت مقصود وموجبات جہاد موجود درحسن نیت کلام نیست باز اگر اوشان شہید نشوند دیگر کدام خواہد بود وازیں ہم درگذرشتیم اگر موجبات جہاد نه بودند اوشاں نیزاز قصه جہاد باز آمد ہمی خواستند که براه خود روند لشکر یان یزید پلید نه گذاشتّد ومحاصره کرده ظلماً شہید ساختند **من قتل دون عرضه وماله فهو شهيد**

باقی ماند اوشاں مخالفت اجماع کروند جوابش ایں است که اول اجماع مسلم نیست اگر باشد ایں ہمه اجماع برعدم خروج برفیاق است ومعنی آں ہرچه ہست عرض کرده باشد از اجماع برعدم جواز خروج برنفس فسق لازم تهی آید که نمی خصوصیت زائدی مراتب ایں کلی مشكك نیز موجب خروج نتوان شدبایں ہمه اجماع غیر مسلم وقتی که حضرت حسینؓ وعبدالله ابن زبیرؓ واہل مدینه کار کرده باشند مخالف آں را مجمع علیه طه گونه تواں گفت واگر بالفرض اجماع راتسلیم کنیم آں اجماع اگر منعقد گردیده بعد حضرت حسینؓ منعقد گردید مخالفت ایں اجماع حضرت امام حسینؑ چه مضر۔

ترجمہ:۔موجودہ صورت میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت میں کیا شبہ ہوسکتا ہے آپ کا خلیفہ یزید تو تھا نہیں۔لہٰذا اس پر خروج نہ کیا جاتا۔اگراب اسکو (بالفرض) خلیفہ مان بھی لیا جائے تب بھی اس پر خروج نہ کرنے کا سوال کہاں پیدا ہوسکتا ہے۔اب اگر (فرضا) یہ مان بھی لیا جائے کہ یزید پر خروج کرنا جائز نہیں تھا پھر بھی عزل ممنوع نہ تھا۔مختصر یہ کہ اسباب جہاد جب موجود ہوں اور مخالفت کے نشیب وفراز مفقود ہوں تو نیت کے حُسن میں کیا کلام کیا جاسکتا۔پھر اگر یہ حضراتؓ شہید نہیں ہیں تو (پھر ہمیں بتا دیا جائے) دوسرا کون ہوسکتا ہے......؟ ہم اس امر کو بھی نظر انداز کیئے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر جہاد کے اسباب مفقود تھے۔پھر بھی آپ نے جہاد کے ارادہ سے باز آکر چلے جانے کا راستہ مانگا مگر یزید پلید کی فوجیں آڑے آئیں۔اورآپکو گھیر کر مظلوم شہید کر دیا۔''جو شخص اپنے مال اور اپنی آبرو کی حفاظت کی خاطر قتل ہوجائے گا تو وہ شہید ہے (الحدیث)۔

باقی رہ گئی یہ بات کہ امام حسینؑ نے ! جماع کی مخالفت کی۔سنو اسکا یہ جواب ہے اول اجماع تسلیم ہی نہیں ہے۔اگراب جماع ہوا بھی تو اس بات پر کہ مخالفت ہوتی ہی نہیں۔بایں ہمہ فاسق پر نہ خروج کرنے کے عدم جواز پر اجماع ہوا۔اور اسکا مطلب جو کچھ بھی ہے پہلے تفصیلاً عرض کیا گیا ہے۔عدم جواز پر اجماع کی وجہ سے نفس فسق پر خروج کرنا لازم نہیں آتا۔کیونکہ اس کلی مشکک کے مراتب کے خصوصیات زائد بھی موجب خروج نہیں ہوسکتیں۔پس اجماع غیر مسلم جسوقت کہ حضرت حسین وعبداللہ ابن زبیر اور اھل مدینہ نے فیصلہ کرلیا تھا۔اسکو مخالف کیونکر اور کسطرح متفق علیہ کہہ سکتا ہے۔اب اگر بالفرض اجماع کو تسلیم بھی کیا جائے تو وہ اجماع حضرت امام حسینؑ کے بعد منقعد ہوا۔لہٰذا اب اگر حسینؑ نے مخالفت کی تو وہ اس اجماعی مخالفت کے زمرے میں کبھی بھی نہیں آتے ہیں اور اب نہ ہی حسینؑ کے لئے مضر ہی ثابت ہوسکتی ہے۔[۴]

قارئین کرام کے سامنے دونوں روایتوں کا اندراج ہے۔یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم اول الذکر اور مہا الذکر عبارت کے ساتھ من وعن متفق ہوں۔پہلی عبارت میں تو واضح طریقے سے حسینؑ کے اقدام پر روشنی پڑتی ہے۔دوسری عبارت شرعی نقطہ نگاہ میں حسینؑ کے اقدام کے خدوخال پیش کرتی ہے۔شیخ الاسلام کی عبارت پڑھنے سے مندرجہ ذیل باتیں یقیناً سامنے آجاتی ہیں:

۱۔عبداللہ ابن عمر کے موجودہ رویہ کو شیخ الاسلام احسن رویہ سے تعبیر کرتے ہیں۔جبکہ حدیث☆ رسول اللہؐ کی رو سے عبداللہ ابن عمر کو حسینؑ کے ہمرکاب ہونا لازمی تھا۔

۲۔شیخ صاحب نے یہ بات تو بتائی ہی نہیں دی کہ حسینؑ کی کونسی تدبیر کارگر نہیں ہوئی۔اگر تدبیر کہنے کا یہ مطلب ہے کہ حسینؑ تدبیر کی آڑ میں مملکت کے خواہاں تھے تو یہ غلط ہے اور اس کا واضح جواب گذشتہ صفحات میں

☆ حدیث ہے فمن شهد ذالک منهم فلينصره (جو بھی اس وقت ہوگا حسینؑ کی مدد کرنی ہوگی) ماثبت من السنہ ص ۱۱۔

گذر چکا ہے۔

٣۔اجماع کی مخالفت نہ کرنے کا سوال کہاں پیدا ہوا۔اگر کفر اپنے کفر میں اجماعی رنگ پیدا کر لے تو کیا اسکی مخالفت نہیں کی جائے......؟ آج کفر بڑے زور وشو سے بڑھ رہا ہے کمیونیزم اور سوشلزم کا دباو کثرت سے بڑھ رہا ہے اور یہ اجماعی صورت سے ہو رہا ہے یعنی کفر پر بھی اجماع اور کمیونیزم اور سوشلزم پر بھی اجماع ہے تو کیا اسلام کے پیروکار جو دن بدن گھٹتے جا رہے ہیں اور جن کی تعداد کفر کے مقابلے میں آٹے میں نمک کے برابر ہے۔اگر کفر کے مقابلے میں اپنا محاذ قائم کریں یہ غلط اقدام ہوگا،کیا اسکی شرعی نوعیت مفقود قرار دی جائیگی......؟

٤۔کیا اسلامی نظریہ کے تحت کہیں یہ ذکر آیا ہے کہ اجماع کی مخالفت ممنوع قرار پائی جا چکی ہے؟ جبکہ واضح الفاظ میں ذکر کر دیا جا چکا ہے کہ **کم من فئة قليلة غلبت فئةً كثيرة** کتنی ہی قلیل جماعت نے بھاری اکثریتوں پر فوقیت حاصل کی ہے۔مولانا!باطل پر ہمیشہ اجماع ہوا ہے لیکن حق نے کبھی اجماع کی مخالفت سے گریز نہیں کیا۔اس لئے کہ حق جانتا تھا کہ اجماع کی مخالفت نا ہی مُضر ہو سکتی ہے اور نہ ہی شرعی حدود کی مخالفت اور اسکے لیے تاریخ کے اوراق شاہد ہیں۔

مندرجہ الصدر باتوں کو ایک طرف رکھکر حسینؑ کے اقدام کے خدوخال سامنے آ گئے اب یہ نہ کہئے کہ اس اقدام کے بارے میں شرعی نگاہوں میں کیا قدرومنزلت ہے؟ یہ جہاد تھا اور اسکی موت شہادت تھی۔ہلاکت نہیں،ہلاکت ہوتی تو جہاد نہ تھا۔اس لئے کہ جہاد میں صرف شہادت کا درجہ ہوتا ہے قرآن پکار کے کہتا ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتِلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَاِنَّ الله عليٰ نَصْرِهِمْ لقدير ٥ان الَّذِين اُخْرِجُوْامِنْ دِيٰارِهِمْ بِغَيْرِ حقٍ الا انَ يَّقوْلُوارَبُّنَا اللهُ ولولا دَفْعُ اللهِ الناسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمت صوامعُ وَبِيَعُ وَصَلَواتٌ ومسٰجدُ يُذْكَره فيها اسم اللهِ كَثيرًا وَيَنْصُرَنَّ اللهُ مَن ينصره ان الله لقَوى عَزِيْزٌ ٥الذين ان مكنّٰهُمْ فى الارض اقاموا الصلٰوة واٰتوا الزكواه و اَمَرُوا بالمعروف ونهواعن المنكر ولِلهِ عاقبة الاُمور۔ سورہ حج آیت ٣٩ تا ٤١

ترجمہ:۔اجازت دی گئی لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں،اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔یہ وہ لوگ ہیں،جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے جا رہے ہیں صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے،ہمارا رب اللہ ہے اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا گھر اور معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے۔سب مسمار کرڈالے جائیں۔اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اسکی مدد کریں گے۔اللہ بڑا طاقت ور اور زبردست ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے

ذیل میں مولانا ابوالکلام آزاد کا بے باک تبصرہ مندرج کر دیا جاتا ہے تا کہ مندرجہ الصدر آیات کی صحیح تفسیر اور ہمارے بیان پر حرف آخر ثابت ہو سکے۔

''طرابلس کے خون آلود ریگستانوں کو اگر لوگوں نے بھلا دیا۔مشہد مقدس اور تبریز کا قصہ الم اگر ذھنوں سے محو ہو گیا۔مقدونیہ اور البانیہ کے تازہ ترین افسانہ ہائے خونین اگر فکروں سے فراموش ہو گئے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ارباب دردو غم کے لئے ایک ایسی داستان الم صدیوں سے موجود ہے جو کبھی بھلائی نہیں جا سکتی اور اگر لوگ اسے بھلا بھی دیں تو بھی ہر سال چند ایسے ماتم آلود تازگی زخم کہن کے لیے آموجود ہوتے ہیں۔از سر نو تیرہ سو برس کے ایک حادثۂ عظیمہ کی یاد پھر سے تازہ کر دیتے ہیں۔اس سے میرا اشارہ حادثہ ہائلہ کبریٰ یعنی شہادت حضرت سید الشھداء علیه وعلیٰ اجداوہٖ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ہے۔**عظم الله اجورنا بمصائبنا!**

وقت است که درپیچ وخم نوحه سرا ئی	سوزونفس نوحه گرازتلخ نوائی
وقت است که آں پرده گیاں کزره تعظیم	بردرگه شان کرده فلك ناصیه سائی
ازخیمه آتش زره عریاں بدرآئند	چوں شعله دخاں برسرشاں کرده روائی
جاں ہا ہمه فرسوده تشویش اسیری	دلہا همه خون گشته اندوه رہائی
تنہااست حسینؑ ابن علی درصف اعداء	اکبرؑ توکجا رفتی و عباسؑ تو کجائی

سچ یہ ہے کہ جن مردہ دلوں کو زندگی کے لئے سوز و تپش کی ضرورت ہو جن ارباب دردکو روح کی راحت کے لئے جسم کے ماتم کی تلاش ہو۔جن کی زبانیں آہ وفغاں کو محبوب اور جن کی آنکھیں خونابہ فشانی کو اپنا مطلب ومقصود سمجھتی ہوں۔ان کی صحبت ماتم والم کی رونق کے لئے یہی افسانہ اتنا کچھ سامانِ غم اپنے اندر رکھتا ہے کہ اگر خون کے سیلاب سمندروں کی روانی سے بہہ جائیں اور بے شمار لاشوں کی تڑپ سے زمین کے بڑے بڑے قطعات یکسر جنبش میں آ جائیں تب بھی ان کی نداء حال اس الہام سرائی سے قاصر رہے گی جو اسکے ایک ایک لفظ کے اندر سے توصیہ فرمائے عبرت وبصرت ہے لیکن آہ کتنے دل میں ہیں۔

فی الحقیقت یہ حق وصداقت،آزادی وحریت،امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ایک عظیم الشان انسانی قربانی تھی جو صرف اس لئے ہوئی تا کہ پیروان اسلام کے لئے ایک اسوۂ حسنہ پیش کرے،اوراسطرح جہاد حق وعدالت اور اس ثبات واستقامت کی ہمیشہ کے لئے کامل ترین مثال قائم کر دے۔پس جو بے خبر ہیں ان کو رونا چاہیے ان **لم تبکو فتبا کو ا!** اور جو روتے ہیں ان کو رونے ہی پر اکتفانہ کرنا چاہیے ان کے سامنے سید الشھدؑاء نے اپنی قربانی کا اسوہ حسنہ پیش کر دیا ہے اور کسی روح کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ محبت حسینؑ کی مدعی ہو جب تک اسوہ حسینؑ کی متابعت کا اپنے اعمال کے اندر سے ثبوت نہ دے۔

دنیا میں ہر چیز مرجاتی ہے کہ فانی ہے۔مگر خون شہادت کے ان قطروں کے لئے جو اپنے اندر حیات الٰہیہ کی روح رکھتے ہیں کبھی فنا نہیں۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہرزماں ازغیب جانے دیگر است

سب سے پہلا نمونہ حادثہ عظیمہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔دعوت الی الحق اور حق وحریت کی راہ میں اپنے تئیں قربان کرنا ہے۔

بنی امیہ کی حکومت ایک غیر شرعی حکومت تھی ۔کوئی حکومت جس کی بنیاد جبر وشخصیت پر ہو کبھی بھی اسلامی حکومت نہیں ہوسکتی ۔انہوں نے اسلام کی روح حریت وجمہوریت کو غارت کیا اور مشورہ واجتماع امت کی جگہ محض غلبۂ جابرانہ اور مکر وخدع پر اپنی شخصی حکومت کی بنیاد رکھی ۔انکا نظام شریعت الٰہیہ نہ تھا بلکہ محض اغراض نفسانیہ ومقاصد سیاسیہ،ایسی حالت میں ضرور تھا کہ ظلم وجبر کے مقابلے کی ایک مثال قائم کی جاتی اور حق وحریت کی راہ میں جہاد کیا جاتا۔

حضرت سیدالشہدا نے اپنی قربانی کی مثال قائم کرکے مظالم بنی امیہ کے خلاف جہاد حق کی بنیاد رکھی اور جس حکومت کی بنیاد ظلم وجبر پر تھی اسکی اطاعت ووفاداری سے انکار کردیا۔

پس یہ نمونہ تعلیم کردیتا ہے کہ ہر ظالمانہ وجابرانہ حکومت کا علانیہ مقابلہ کرو اور کسی ایسی حکومت سے اطاعت ووفاداری کی بیعت نہ کرو جو خدا کی بخشی ہوئی انسانی حریت وحقوق کی غارت گر ہو اور جسکے احکام مستبدہ وجابرہ کی بنیاد صداقت وعدالت کی جگہ جبر وظلم پر ہو۔

مقابلے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ تمہارے پاس مادی قوت وشوکت کا وہ تمام ساز وسامان بھی موجود ہو جو ظالموں کے پاس ہے، کیونکہ حسینؑ ابن علیؑ کے ساتھ چند ضعفاء مساکین کی جمعیت قلیلہ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔حق وصداقت کی راہ نتائج کی فکر سے بے پرواہے۔نتائج کا مرتب کرنا تمہارا کام نہیں۔یہ اس وقت قاہرہ عادلہ الہیہ کا کام ہے جو حق کو باوجود ضعف وفقدان انصار کے کامیاب وفتح مند کرتی اور ظلم کو باوجود جمعیت وعظمت دنیوی کے نامراد ونگوں سار کرتی ہے۔

کم من فئۃٍ قلیلۃ غلبت فئہ کثیرۃٍ باذن اللہ کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی جماعتوں پر حکم الٰہی سے غالب آ گئیں۔

ایسے موقعوں پر ہمیشہ مصلحت اندیشوں کا خیال دامنگیر ہوتا ہے جو فی نفسہ اگر چہ عقل ودانائی کا ایک فرشتہ ہے۔لیکن کبھی کبھی شیطان رجیم بھی اسکے بھیس میں آ کر کام کرنے لگتا ہے۔نفس خادع حیلہ تراشیاں کرتا ہے کہ صرف اپنے تئیں کٹوادینے اور چند انسانوں کا خون بہادینے سے کیا حاصل ہے؟ توپ وتفنگ اور تخت وسلطنت کا مقابلہ کس

نے کیا ہے کہ ہم کریں؟

آخری سوال کا جوب میں دے سکتا ہوں۔ تاریخ عالم کی صدہا مثالیں جہاد سے قطع نظر تمہارے سامنے خود مظلوم کربلا کی مثال موجود ہے۔ تم کہتے ہو کہ چند انسانوں نے حکومتوں کی قوتوں اور ساز وساماں کا مقابلہ کب کیا ہے کہ کبھی کبھی کیا جائے؟ میں کہتا ہوں کہ حسینؑ ابن علیؑ نے صرف بہتر (٧٢) یا باسٹھ (٦٢) بھوکے انسانوں کے ساتھ اس عظیم الشان حکومت قاہر وجابر کا مقابلہ کیا جسکے حدود سلطنت ملتان اور سرحد فرانس تک پھیلنے والے تھے۔

گویا سچ یہ ہے کہ اسنے (حسینؑ ابن علیؑ) اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے دل کے ٹکڑوں کو بھوک اور پیاس کی شدت سے تڑپتے دیکھا اور پھر ایک ایک کر کے ان میں سے ہر وجود مقدس خاک وخون میں تڑپتا اور جان بحق تسلیم ہوتا گیا۔

اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ دشمنوں سے نہ تو پینے کے لئے پانی چھین سکے اور نہ زندہ رہنے کے لئے اپنی غذا حاصل کر سکے، اور اس میں شک نہیں کہ بالآخر سر سے لیکر پیر تک وہ زخموں سے چُور تھے۔ اور اس خلعت شہادت لالہ گوں سے آراستہ ہو کر تیار ہوئے تا کہ اُس کرشمہ عجائب کے حریم وصال میں پہنچیں جو دوستوں کو خاک وخون میں تڑپاتا اور دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔

ارید وصلاله ویرید قتلی

(میں تو اسکی حیات کا خواہاں ہوں اور وہ میرے قتل کے درپے ہے)

تاہم فتح اسکی تھی اور فیروزمندی وکامرانی کا تاج صرف اس کے زخم خوردہ سر پر رکھا جا چکا تھا۔ وہ تڑپا اور خاک وخون میں لوٹا پر اپنے اس خون کے ایک ایک قطرہ سے جو عالم اضطراب میں اسکے زخموں سے ریگ وسنگ پر بہا تھا انقلاب وتغیرات کے وہ سیلاب ہائے آتشیں پیدا کر دیے جن کو نہ تو مسلم بن عقبہ کی خون آشامی روک سکی نہ حجاج کی بے امان خونخواری اور نہ عبدالملک کی تدبیر وسیاست۔ وہ بڑھتے اور بھڑ ھتے ہی رہے ظلم وجبر کا پانی تیل بن کران کے شعلوں کی پرورش کرتا رہا اور حکومت وتسلط کا غرور ہوا بن کران کی ایک ایک چنگاری کو آتش کدہ سوزاں بناتا رہا یہاں تک کہ آخری وقت آ گیا اور جو کچھ ٦١ ھ میں کربلا کے اندر ہوا تھا، وہ سب اس کے بدلے ١٣٢ھ میں تڑپے۔ ان کی لاشیں گھوڑوں کے سموں سے پامال کی گئیں۔ فتح مندوں نے قبریں تک اکھاڑ ڈالیں اور مردوں کی ہڈیوں تک کو ذلت وحقارت سے محفوظ نہ چھوڑا اور اس طرح ''وَسیعلم الذین ظلموا ایّ منقلب ینقلبون (یعنی بہت جلد ظالم لوگ اس بات کو جان لیں گے کہ کس جگہ وہ سب لوٹائے جائیں گے۔)'' کا پورا پورا ظہور ہوا۔

پھر کیا یہ سب کچھ جو ہوا وہ محض ابراہیم عباسی کی دعوت اور ابومسلم خراسانی کی خفیہ ریشہ دوانیوں ہی کا نتیجہ تھا۔ کیا یہ اس خون کا اعجاز نہ تھا جو فرات کے کنارے بہایا گیا تھا؟ پھر اس فتح مندی کا سبب تو ظاہر ہے جسکے نتائج کے

لئے ایک صدی کا انتظار کرنا پڑا۔ ورنہ فی الحقیقت مظلومیت کا خون جسوقت بہتا ہے اسی وقت اپنی معنوی فتح مندی حاصل کرتا ہے۔

یہ تو حق وصداقت کی قربانیوں کے نتائج ہیں جو کبھی ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے لیکن حضرت سید الشہدؑاء کا اسوۂ حسنہ بتلاتا ہے کہ تم ان نتائج کی ذرا پرواہ نہ کرو۔ اگر ظالم اور جابرانہ حکومت موجود ہے تو اسکے لئے حق کی قربانی ناگزیر ہے۔ اور ایسا ہی ہونا چاہیے۔ تعداد کی قلت وکثرت یا سامان ووسائل کا فقدان اس پر موثر نہیں ہوسکتا اور ظلم کا صاحب شوکت وعظمت ہونا اسکے لئے کوئی الٰہی سند نہیں ہے کہ اسکی اطاعت ہی کر لی جائے۔ ظلم خواہ ضعیف ہو خواہ قوی، بہر حال اسکا مقابلہ کرنا چاہیے کیونکہ ظلم ہے اور حق وصداقت بہر حال یکسان اور غیر متزلزل ہے۔

حق وعدالت کی رفاقت کی آزمائش زہرہ گداز اور شکیب رُبا ہے۔ قدم قدم پر حفظ جان وناموس کی محبت فرزند وعیال کی محبت کے کانٹے دامن کھینچتے ہیں۔ لیکن یہ اسوۂ حسنہ مومنین ومخلصین کو درس دیتا ہے کہ اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی طلب وہمت کو اچھی طرح آزمالیں۔ ایسا نہ ہو کہ چند قدموں کے بعد ہی ٹھوکر لگے۔

جُرم را ایں جا عقوبت ہست واستغفار نیست۵

مندرجہ الصدر عبارت کو پڑھ کر اب یہ نہ کہیے کہ حسینؑ کا اقدام بقول محمود احمد عباسی غلط تھا۔ یقیناً شارع مقدس کے فرامین کے تحت یزید بذات خود عزل☆ ہورہا تھا۔ اب جب یزید یا اسکے خاندان کے افراد جو یکے بعد دیگرے روح اسلام پر اپنے قصر رفیع تعمیر کرتے گئے شارع مقدس کے فرامین کو بنظر تحقیر دیکھنے لگے تو لازمی نتیجہ نکلا کہ ان کا مقابلہ کیا گیا لہٰذا حسینؑ نے مقابلہ کر کے نہ صرف یزیدی حکومت کا تختہ الٹ دیا بلکہ آنے والے جابرین کے مکروہ چہرے سے نقاب بھی اتار کے رکھدی۔ اسلام کا شاداب چمن کہ جس پر مسلسل خزان کے بے درد جھونکے موت کی سی نیند طاری کر چکے تھے، پھر سے تازہ دم ہوا اس میں حسینؑ کے خون سے بہار کی سی تر وتازگی آگئی۔ اب کتنی ہی آندھیاں آئیں لیکن حسینؑ خون سے سینچے ہوئے گلستان کی ایک کلی بھی پژمردہ نہیں ہوسکتی ہے۔ یہ تھا جہاد اور یہ تھی شہادت۔ آپ اگر چشمہ تعصب اتار کر پھینکیں گے تو کیا مندرجہ ذیل حقائق سے چشم پوشی کی جاسکتی ہے۔

☆قال القاضی فلو طراعلیه الکفر وتغیر الشرع اوبدعته خرج عن الولایه وسقطته طاعته ووجب علی المسلمین القیام علیه وخلعه ونصب امام عادل ان امکنهم ذالک فان لم یقع الا لطائفة وجب علیهم القیام بخلع الکافر ولایجب فی المبتدع الا اذاظنوا لقدرة علیه فان تحققو العجزلم یحب القیام ولیها جرالمسلم من ارضه الیٰ غیرها ویفربدینه قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اگر امام پر کفر طاری ہوجائے یا وہ احکام شرع کو تبدیل کرنے پر تل جائے یا اس امام پر بدعت کا غلبہ ہوجائے، تو یہ امام ولایت مسلمین سے خود بخود خارج ہوجاتا ہے، یعنی اب یہ ولایت مسلمین پر مامور نہ مانا جائے۔ اور اسکی اطاعت ساقط ہوگی۔ مسلمانوں کا اسکے خلاف کھڑا ہونا واجب ہوگا۔ دوسرا امام جو عادل ہو ولایت مسلمین پر لایا جائے اور یہ مسلمانوں کے لئے بہت ضروری ہوگا۔ مگر یہ تب ہوگا کہ جب مسلمانوں کو اس پر قدرت ہو اور اس امام کا عزل کرنا اگر قلیل جماعت میں سے ممکن ہوسکے تو ان کو چاہیے کہ وہ اس کام کو پھر علیحدہ کریں۔ ہاں یہ وجوب تب اتباع کرنے والوں کیلئے قرار پائے گا کہ جب انہیں امام جابر وظالم پر قدرت رکھنے کا ظن غالب نہ ہوجائے۔ اگر عجز محسوس ہو تو پھر یہ وجوب ساقط ہوجائیگا۔ مگر پھر بھی مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ زمین سے ہجرت کریں اور اپنے دین کو لیکر کسی اور طرف بھاگ نکلیں۔ (صحیح مسلم مع شرح نووی ج۲ ص۱۲۵)

قاضی عیاض کے قول کے مطابق امام عادل کا تقرر ضروری ہے۔ظاہر ہے تقرر لوگ کریں گے لیکن مدینہ اور مکہ کی ہوا ہی بگڑ چکی۔زبانی جمع خرچ کرنے والے افراد تو بکثرت موجود تھے لیکن ہر ذی اثر شخص اپنی ڈیڑھ انچ کی الگ مسجد بنانے کا خوگر تھا۔صرف حسینؑ ہی وہ واحد ہستی ہیں جو ظلم کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

١۔یزید کی نامزدگی میں امیر شام کا کردار احادیث نبویہ کی رو سے قطعی عادلانہ نہ تھا۔

٢۔یزید لعنہ کی پیچویشن کافی حد تک بھیانک بن چکی تھی۔

٣۔مروان جس تندی کے ساتھ آیا اور آنے والے حکمرانوں کے لئے جو قصر رفیع تعمیر کیا، وہ بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے کوئی بھی عملی قدام دین اسلام کی رو سے مستحسن اور جائز تھا۔

٤۔فاتحین حکمران صرف فاتح تھے اولی الامر نہیں۔

٥۔خلفاء بنوامیہ سے لیکر امرائے بنوعباسیہ نے اسلامی اسٹیٹ کے ماتھے پر جو داغ لگایا وہ مٹایا نہیں جاسکتا۔

٦۔زراندوزی، ملکوں پر ملک فتح کرنا اسلامی تعلیمات کی سراسر خلاف ورزی تھی۔

ان تمام حقائق سے تاریخ کا طالبعلم کس طرح انحراف کرسکتا ہے جبکہ اس تمام کے تمام دور کو دور ظلمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔لہٰذا اب اگر یہ کہہ دیا جائے کہ حسینؑ کا جہاد کوئی بھی قرآنی یا تاریخی نہیں تھا احمقانہ اور طفلانہ خیال کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

حوالہ جات

١المنجد ص ١٠٦

٢مصباح اللغات ص ١٢٥؛ بیان اللسان ص ١٨١؛ المختار من صحاح اللغات ص ٨٥

٣سیاست معاویہ و یزید ج ٢ ص ١٥٦۔١٥٧

٤مکتوبات شیخ الاسلام ج ١ ص ٥٦۔٢٥٣

٥شہادت حسینؑ ص ٥٣۔٥٩

صُلح حسنؑ اور جہادِ حسینؑ

سوال: حضرت امام حسینؑ نے اپنے بھائی کی طرح اسی صلح کو کیوں نہ ترجیح دی، جو دوسرے معنوں میں بیعت تھی............؟

یہ سوال دو حصوں پر مشتمل ہے کہ جس کو خواہ ایک ہی سوال بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔''اُسی صلح'' میں سوال کنندہ کی ذہنی پریشانیوں کا صاف پتہ چلتا ہے اور پھر ''صلح اور بیعت'' کے مفہوم کو یک قالب دو جان بنانے کی ترکیب نکالی ہے۔ چونکہ یہاں کے اکثر عام لوگ انگنت غلط فہمیوں کے شکار ہیں لہٰذا ہم وقتاً فوقتاً ان چند غلط فہمیوں کے ازالے کی کوشش کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔

امام حسنؑ

اُسی طرح جناب رسالتمآبؐ کے فرزند تھے جس طرح امام حسینؑ تھے۔ فضائل ومناقب میں دونوں فرزندوں میں یکسانیت تھی۔ جو آیات قرآن حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور جو احادیث آنحضورؐ نے حسینؑ کی شخصیت کو اجاگر کرنے کے لئے ارشاد فرمائے ہیں ان میں حسن مجتبیٰؑ بھی بحصہ مساوی شریک ہیں۔ البتہ ایک نمایاں فرق ان دونوں میں یہ تھا کہ ایک فرزند کی شہادت خفی مقرر ہوئی تھی اور ایک کی جلی اور یہ فرق تقاضائے الٰہیہ تھا۔

اب رہا بیعت کا سوال

ایک کی حاکمیت کو تسلیم کرنا اور تسلیم کے بعد اسکے احکام کا پابند رہنا بیعت کہلاتا ہے۔ اس میں نطق لب کیجیہ گری ہوتی ہے۔ چونکہ بیعت کے مفاہیم کا ذکر کر دیا گیا ہے اس لئے یہاں ان کا دوبارہ اندارج کرنا باعث طوالت ہوگا۔ بس اتنا سمجھ لیجئے کہ اما حسنؑ نے بیعت نہیں بلکہ صلح کی تھی۔ اسکے ثبوت کیلئے ماخذات عامہ اور خاصہ کے متعدد کا ملاحظہ کیا جا سکتا ہے[1]۔ حضرت رسول اکرمؐ نے بھی ''بنی ضمرہ'' اور ''بنی اشجع'' کے علاوہ مشرکین مکہ کے ساتھ حدیبیہ کے مقام پر صلح کا معاہدہ کیا تھا اور ان معاہدوں کا مطلب ہرگز ان کی بیعت نہ تھا۔

اس تمہید پر ایک منصفانہ جائزہ

امام حسنؑ کی خلافت کا مختصر دور انتہائی پریشانیوں سے گذر رہا تھا۔ یہ تو مسلمہ ثبوت ہے کہ نیکی وبدی اور حق

باطل کی راہیں بین بین ہیں۔ایک کیلئے مخصوص تنگ راہی اور دوسرے کی دوردھوپ کیلئے ہزار کشادہ گذرگاہیں۔

عہد امیر المومنینؑ میں سرزمین حجاز وعراق پر جو سازش کے بیج بوئے گئے تھے سونے چاندی کے پانی سے کچھ اس طرح سینچے گئے تھے کہ عہد امام حسنؑ تک وہ خاصے تناور درخت بن کر ہر طرف اپنے کانٹے پھیلانے لگے۔

حضرتؑ اپنے مقبوضہ ملک کے جس حصے پر بھی نظر ڈالتے تھے۔بغاوت کی آندھیوں کے آثار نظر آرہے تھے۔لشکریوں کی گردنوں کا کھچاؤ صاف بتلا رہا ہے کہ عراقی اور حجازی حمیت شام کی دولت کے قدموں کا بوسہ لے رہی ہے اور حریف نت نئے پینترے بدل بدل کر بڑھا چلا آرہا تھا۔

کلمہ پڑھنے والے اسلامی نقاب میں مارآستین تھے اور انکے غداری عزائم نیا انداز لئے ہوئے خرمن اسلام کی بیخ کنی کرنے پر کمر بستہ ہو چکے تھے۔کس میں تاب بلا تھی کہ جو انکے چہرے سے نقاب نوچ لیتا؟ یکے بعد دیگرے ان کو طشت از بام کرنا بھی تو بہت ہی کھٹن مرحلہ تھا۔آپ نے یکلخت ان کو حریف کے سامنے لاکھڑا کیا۔شک وریب کے بادل چھٹ گئے۔وہی ہوا کہ جسکی اتھاہ گہرایوں کا احساس امام حسن مجتبیٰؑ کو تھا۔جب انکی وفاداری کا عالم نزع شروع ہوا،موت کے پسینے سے انکے جسم شرابور ہو گئے۔ایمان کی رسم تدفین بھی ادا ہوئی۔تو کیا یہ ممکن نہ تھا کہ یہ لوگ امام حسنؑ کو گرفتار کر کے حریف کے سامنے لیجاتے؟ جب یہ حالات ہوں تو لڑنے کا کیا سوال............؟

بکے ہوئے ایمان کی آخر ہچکی سننے کے بعد امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان صلح کی بات چیت شروع ہوئی۔یہ واقع ربیع الاول ۴۰ھ کا ہے۔یعنی آنحضورؐ کی وفات کو اس وقت تیس سال گذر چکے تھے۔شرایط صلح درجہ ذیل تھے۔

ا۔معاویہ کتاب خدا پر عمل پیرا ہوگا۔

۲۔اسلامی خلافت معاویہ کے مرنے کے بعد امام حسنؑ کی طرف مستقل ہوگی اور اگر اس دوران امام حسنؑ وفات فرمائیں گے تو امام حسینؑ خلیفہ ہونگے

۳۔تمام مسلمانوں کے لئے امن وامان ہوگی۔

۴۔معاویہ اپنے کو امیر المومنینؑ نہ کہلائے گا۔

۵۔معاویہ کے سامنے گواہ گواہی نہ دیگا۔

۶۔حضرت علیؑ پر سب وشستم نہ ہو۔

۷۔تمام شیعان علیؑ کے لئے امان ہوگا۔

۸۔دارابجرد کا خراج امام حسنؑ کو ملتا رہے گا۔[2]

اس اجمائی جائزہ پر ڈاکٹر محمد ابوبکر خان کی رائے ملاحظہ کریں۔

لوگ معاویہ کو مدّ بر اسلام اور صحابی رسولؐ بھی کہہ دیتے ہیں اور اب کچھ عرصہ پاٹا نالہ (یو پی) سے خاص کر معاویہ کی مدح سرائی کے ساتھ اسکو امت مسلمہ کا دینی پیشوا منوانے کی کوششیں شروع ہوگیں ہیں۔ ایسا کرنے والے یہ خیال نہیں کرتے کہ دنیا کا کوئی عقل مند آدمی جب دیکھے گا کہ رسولؐ اللہ کا صحابی ،مدّ بر اسلام سازشوں، بغاوتوں، بدعہدیوں اور فتنہ انگیزیوں کا علم بردار ہے تو رسولؐ اللہ کی پوزیشن کس قدر کمزور ہوجائے گی۔ ایسے لوگ آنکھوں پر پٹی باندھ کر امیہ کے خاندان کو ہاشمیوں اور آل محمدؐ سے افضل اور برتر ثابت کرنے کے لئے جان دیے دیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ بنی امیہکے آمروں کی مدح سرائی سے پیغمبرؐ اسلام کی توہین ہوتی ہے۔ ایک فرد کی دیدہ ودانستہ شرارتوں کو خطائے اجتہادی کہہ کر نظر انداز کردیا جاتا ہے۔ حیف! صد حیف ہے ان لوگوں کی مسلمانی اور عقل پر جو قاتل کو بھی اچھا کہتے ہیں اور مقتول کو بھی۔ معاویہ بن ابوسفیان نے حضرت علیؑ کو شہید کرانے کے مواقع فراہم کیئے ،امام حسنؑ سے خلع خلافت کرائی اور شرایط توڑ کر سپاہی قوت کے سہارے برسر عام مسجدوں کے منبروں پر مولا علیؑ کی شان اقدس میں تبرا جاری کرایا اور حسنؑ کو جعدہ بنت اشعث سے زہر دلوا کر شہید کرادیا۔[٣] اور آخر کار معاویہ نے اس صلح کی دھجیاں اڑادی[٤]۔

اسکے باوجود معاویہ کی آنکھوں میں امام حسن مجتبیٰؑ کی حیات تنکا بنکر پریشان کررہی تھی۔ اس کے لئے اسنے امام حسنؑ کو اُس زہر سے مروان کے ذریعے شہید کروایا کہ جو اس کو خاص نصرانی طبیب کہ جسکا نام ابن آثال تھا نے دیا تھا۔ اس حقیقت کو اگر دیکھنا ہو تو سنن کبیر امام شعرانی ،سفینۃ الراغب ،مروج الذہب ،البیان والتبیین ،آغانی کبیر، حیواۃ الحیوان، قاموس اسلام، فترت اسلام، عقد الفرید، شرح نہج البلاغہ جیسی کتابیں ملاحظ کریں۔ ہم صرف یہاں ایک کتاب سے وہ عبارت نقل کریں گے کہ جو امام حسنؑ کی شہادت اور معاویہ کی خوشیوں کو بے نقاب کرتی ہے ملاحظہ فرمائیں۔ جب معاویہ کو خبر ملی (کہ امام حسن مجتبیٰ شہید ہوئے) تو خوشی اور مسرت کا اظہار کیا اور ساتھیوں سمیت سجدہ شکر بجالایا۔ جب یہ خبر ابن عباسؓ کو ملی جو اس وقت شام میں تھے تو معاویہ کے پاس آئے۔ معاویہ نے ان کو دیکھتے ہی کہا: اے ابن عباس! حسنؑ بن علیؑ ہلاک ہوئے۔ ابن عباسؓ نے کہا: ہاں وفات فرمائی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ اے معاویہ! میں نے سنا کہ تم نے خوشی اور عید منائی کہ حسنؑ وفات پاگئے۔ خدا کی قسم ان کے جسم نے نہ تمہاری قبر پائی اور نہ ان کی زندگی کے کم ہونے سے تمہاری عمر بڑھی ان کا انتقال ہوا لیکن وہ تم سے بہتر تھے اور ان کا غم بھی ہم ہی اُٹھائیں گے۔[٥]

سوال دوم کا جواب

دو بھائیوں کے دو کردار۔ ایک کی صلح اور ایک کی عدم بیعت۔ دو متضاد کیفیتیں کہ جن کے مفاہیم کا فرق نمایاں ہیں۔ ہر دور کی ماہیتوں کا موازنہ اگر سطحی ذہن سے کیا جائے تو دونوں حقائق اپنے اپنے مقام پر ٹھیک ٹھیک نظر

آجائیں گے۔ واقعات کی جو صورتیں امام حسنؑ کو پیش آئیں وہ اسی کا تقاضا کر رہی تھیں کہ جنگ نہ کی جائے۔ اگر یہی واقعات امام حسینؑ کو بھی پیش آجائے تو آپ بھی جنگ سے دست کش ہو جاتے۔ ہر ایک امام اپنے اپنے وقت کی مصلحت کو خود سمجھنے والا تھا۔

امام حسنؑ کا مخالف ان سے بیعت کا خواہاں نہ تھا۔ اسے صرف ملک گیری کی خواہش تھی۔ معاویہ کی حیثیت اسلام میں کیا تھی وہ ہمارے اندراج کردہ حقائق کی روشنی میں پڑھیے۔ ملوکیت کا یہ مجسمہ امامت کی آب وتاب کو برق طور سے متصور کرتا تھا۔ اسکو معلوم تھا کہ جلوہ امامت کا ایک آدھ پرتو بھی بھسم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی لئے اس نے اپنا مدعا و مقصد یکلخت سامنے کر دیا تاکہ ہر ایک کو احساس ہو سکے کہ امامت کجا اور ملوکیت کجا۔ ببین تفاوت راہ کجا بکجا است۔

یہ تو دور معاویہ تھا۔ پھر جب دور یزید آگیا تو اس میں یزید اور حسینؑ کے مابین ملک گیری یا دولت کا جھگڑا نہ تھا بلکہ دو نظریات، دو آئین، اور دو مسلکوں کا ٹکراو تھا۔ اسی لئے اس دور میں بیعت کا اصرار تھا در صورت انکار قتل کی دھمکی تھی۔

۱۔ ایک فاسق کی بیعت شرعاً درست نہ تھی۔ صلح ہوتی تو کیونکر۔

۲۔ جنگ کرنے سے امام حسنؑ کا وہ مقصد حاصل نہ ہوا تا جو امام حسینؑ کو حاصل ہوا۔

۳۔ بعد صلح امیر معاویہ نے صلح نامے کے پرزے اڑا دیے اور کہا یہ تو صرف حکومت حاصل کرنے کا ایک طریقہ تھا۔ ایک ایک شق کو نظر انداز کر دیا گیا۔ یہ صلح کا نتیجہ امام حسینؑ کے سامنے تھا۔ آپ کو معلوم تھا کہ بنوامیہ جب آئین الہیہ یعنی قرآن کریم کی تضحیک کرنا اپنا دھرم سمجھتے ہیں تو صلح نامے کو شراب کے مشکوں میں ڈبو دینے میں یہ کونسا عار کریں گے۔ لہذا یہ پوری کتاب آپ کی سامنے کھلی تھی۔ لہذا آپ نے وہی راستہ اختیار کیا کہ جس سے بنوامیہ کے محلات زمینبوس ہو گئے۔

۴۔ جناب سرور کائناتؐ نے پہلے ہی یہ پیشنگوئی کی تھی کہ بیٹا حسنؑ نمائندہ صلح ہوگا اور بیٹا حسینؑ نمائندہ شہادت عظمیٰ ہوگا۔ اس پیشنگوئی کو یہ دو عملی جامہ نہ پہنائیں تو پھر کون تھا جو ترجمان رسولؐ اعظم بن جاتا۔ رسولؐ اللہ نے دونوں کو یکسانیت سے پال کر دو عظیم کاموں پر مامور کر دیا تھا اور وقت آجانے پر ایک نے زہر کا پیالہ پی کر اور دوسرے نے اپنے گلے پر خنجر آبدار رکھوا کر اس کام کو بقائے دوام بخشا۔

یہ راز تھا صلح اور عدم بیعت میں، امن اور جنگ میں۔ امن اور صلح نے ہی بنوامیہ کا شیرازہ بکھیر دیا اور عدم بیعت اور جنگ نے اس بکھرے ہوئے شیرازے کو برق طور بن کر بھسم کر کے رکھ دیا۔

حوالہ جات

۱؎ تاریخ ابی القدرا جلد اول ص۱۸۲ تاریخ الخلفاء ص۱۳۰
تاریخ کامل ابن اثیر جلد ص۱۹۰ تاریخ طبری جلد۲ ص۹۴
صحیح نجاری جلد۲ ص۲۴۲ ترجمہ صحیح نجاری جلد اول ص۲۷۲
۲؎ بحارالانوار، ج۴۴، ص۱۰؛ صلح حسنؑ، شیخ راضی آل یاسین، ص۲۵۹
۳؎ اسلام اور بنی امیہ ص ۳۷
۴؎ تشریح و محاکمہ فی تاریخ آل محمد بہلول بہجت ص۱۱۷
۵؎ امامت و سیاست ص۱۲۸

عاشورا: خوشی یا غم

روز عاشورا خانوادہ رسالتؐ کی تاراجی کا دن ہے۔اس روز پیغمبرؐ لولاک کی کمائی خاک وخون میں غلطان کردی گئی۔یہی وہ دن تھا کہ جب شمرلعین امام حسینؑ کے سینہ اقدس پردرانہ وار چڑھ کرسراقدس جُدا کردیتا ہے۔یہی وہ دن ہے کہ جب باغ رسالت کا ہرگل وحشت ناک آندھیوں کے تھپیڑوں کا شکار ہوا۔مجسمہ قرآن کوبکھیرنے کا یہی دن ہے۔اسی دن بدرواحد،خندق وخیبر کا بدلہ رسولؐ اللہ کے جگر پاروں سے لیا گیا۔تین دن کے بھوکے پیاسے اسی دن امت مسلمہ کی معاندانہ اورسفا کانہ کوششوں سے پامال کئے گئے ....کون دل والا ہے کہ جو یہ سب حقائق دیکھ کرخوشی ومسرت کا اظہار کرے۔سال ہاسال سے یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ روز عاشورہ ماتم زدوں کو دیکھ کر یا تو سنگ باراں کیا جاتا ہے یا تضحیک اوراس دن زرق برق لباسوں،عطروسرمہ سےمملواورمرغن غذاؤں سے من بہلایا جاتا ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس قدر انجانے ہیں کہ جیسے انکو اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے یا اگر واسطہ ہےتو بزرگان دین کا کوئی حکم ہی ایسا ہے کہ جسکی وجہ سے یہ لوگ اظہار مسرت کرنا عین ایمان واسلام سمجھتے ہوں۔جونوحہ وکنان ہیں،ماتم زدہ ہیں ان کی نظروں میں یہ ایسا فعل بجالارہے ہیں کہ جس میں اسلام کی زرہ برابر بھی جلوہ نمائی نہیں ہے۔اس متضاد کیفیت کی نقاب کشائی کرنا میں عین ایمان سمجھتا ہوں لہٰذا میں نے اس باب کوخاص طور پر یہاں روز عاشورا کےعنوان سےشروع کیا تا کہ حق وباطل کی صحیح امتیاز سامنے آئے۔

۱۔جب امام حسینؑ کی ولادت کا ایک سال پورا ہواتو رسولؐ اللہ کے پاس بارہ ملک اس حالت میں آئے کہ ان کے چہرے سرخ اور پروبال پریشان تھے۔انہوں نے رسولؐ اللہ کو یہ خبر دی کہ عنقریب آپ کے فرزند پر وہی مصیبت نازل ہونے والی ہے ہے جو ہابیل کو قابیل کی طرف سے نازل ہوئی تھی۔حسینؑ کو ہابیل کا اجر ملے گا اور اسکے قابیل کوقابل کا۔اسکے بعد ملائکہ کا تسلسل جاری ہوا۔عرش پرکوئی بھی ملک باقی نہ رہا کہ جس نے اس واقعہ ہائلہ کی خبر آنحضورؐ کو نہ دے دی ہو۔ملائکہ نے تربت حسینؑ بھی آپ کودی۔آپؐ بار بار یہی فرماتے جاتے تھے کہ خدایا جو حسینؑ کوچھوڑ دے اسکوتو چھوڑ دےاوراسےقتل کرے اسکوتوقتل کراوراسکی مراد پوری نہ کر۔[۱]

۲۔جناب ام سلمہؓ بیان کرتی ہے کہ حسنؑ وحسینؑ رسول اکرمؐ کے سامنے کھیل رہے تھے کہ ایک دفعہ جبرئیل

امینؑ نے نازل ہوکر عرض کی یارسولؐ اللہ آپ کی امت آپ کے اس فرزند یعنی حسینؑ کو شہید کردیگی۔ یہ سن کر حضورؐ نے حسینؑ کو گلے لگالیا اور بہت روئے۔ اسکے بعد جبرئیل نے تھوڑی سی مٹیخضور ؐکو دے دی۔ آپ نے اسکو سونگھا اور فرمایا یہ تو کرب و بلا کی خشبو ہے۔ اس کے بعد وہ خاک مجھے دیکر فرمایا کہ جب یہ خون ہو جائے تو سمجھنا میرا حسینؑ قتل ہوگیا۔[۲]

یہ واقعہ کبھی ام سلمہؓ، کبھی عائشہؓ اور کبھی زینب بنت جحش کے گھر میں پیش آیا۔[۳]

۳۔ امیرالمومنینؑ علی بن ابی طالبؑ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضورؐ جناب امیرؑ کے گھر تشریف لائے۔ ہم نے آنحضورؐ کیلئے آب گوشت تیار کیا۔ ام ایمن نے ایک پیالی دودھ اور ایک پلیٹخرما لاکر رکھ دیا۔ ہم لوگوں نے حضرتؐ کے ساتھ کھانا کھایا۔ اسکے بعد حضرتؐ نے وضو فرمایا۔ خود اپنے ہاتھ سے سر پیشانی اور ہاتھوں کو مسح فرمایا۔ پھر روبقبلہ کچھ دعایں پڑھیں اور سجدہ میں چلے گئے کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ تین مرتبہ آنحضورؐ نے اسی طرح سجدے کئے ہماری ہمت نہ تھی کہ حضرت سے سبب پوچھتے۔ اتفاق سے حسینؑ حضرت کی پست پر بیٹھ کر رونے لگے۔ یہ دیکھ کر آنحضورؐ نے حسینؑ سے پوچھا میرے ماں باپ قربان! بیٹا کیوں روتے ہو؟ عرض کی نانا جان! آج تو وہ طریقہ دیکھا ہے جو آپ نے کبھی نہیں اختیار کیا۔ آپؐ نے فرمایا: بیٹا آج تم لوگوں کے بارے میں نئے قسم کی خبر جبرئیل امین لائے کہ تم سب شہید کئے جاؤ گے۔[۴]

۴۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ہشاش بشاش گھر سے باہر تشریف لائے۔ ہم نے جو پوچھا اسکا جواب دیا۔ ہم چپ ہوگئے۔ لیکن جونہی امام حسنؑ اور امام حسینؑ پر نظر پڑی تو انہیں گلے لگا کر رونے لگے۔ ہم نے عرض کی یارسولؐ اللہ یہ آپ کے چہرے پر حزن و ملال اور یہ آنسوں کی لڑیاں کیوں طاری ہوگئیں۔ فرمایا خدائے کریم نے ہم اہلبیتؑ کے لئے آخرت کو دنیا پر مقدم کیا ہے۔ میرے اہلبیتؑ میرے بعد شہید کئے جائیں گے ورغریب الوطنی میں مبتلا ہونگے۔[۵]

یہ چند واقعات درج کئے ہیں۔ ورنہ تاریخ اسلام ان جیسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ابھی شہادت کا وقوع بھی ہوا نہیں ہے اور آنحضورؐ رو رہے ہیں، غم منا رہے ہیں، حزن و ملال چہرہ اطہر پر طاری ہو رہا ہے۔ اگر یقیناً یہ مسرت تھی تو مسرت کا اظہار زیادہ موزوں تھا۔ مسرت میں یہ آنسوں پھر کیوں؟ یہ حزن و ملال آخر کیا ہے؟ کیا یہ اجتماع نقیضین تو نہیں ہو رہا ہے؟ غم اور آنسوں ایسی کیفیتیں ہیں کہ جن کے اظہار کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ اسکا دل ٹوٹ چکا ہے۔ خوشی اور مسرت میں دل ٹوٹ جانا آخر چہ معنی دارد؟ پھر یہ بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ یہ قبل وقوع ہی کا اظہار ہے۔ اور بعد وقوع کے کچھ واقعات بھی ملاحظہ کریں:

ا۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ میں نے دو پہر کے وقت آنحضورؐ کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ کے بال پریشان اور

گردا آلود تھے۔آپؐ کے ہاتھ میں ایک شیشہ تھا جس میں خون تھا۔میں نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان یہ کیا عالم ہے؟فرمایا یہ حسینؑ اوران کےاصحاب کا خون ہے جو میں صبح سے جمع کررہاہوں۔میں نے اُس دن کومحفوظ کرلیااور بعد میں معلوم ہوا کہ وہی روز شہادت حسینؑ تھا۔[٦]

٢۔حافظ ترمذی فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابوسعید الشیخ نے،ان سے ابوخالد احمر نے اوران سے زرین نے سلمہ کا قول نقل فرمایا ہے کہ میں ام سلمہؓ زوجہ رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو وہ گریہ فرمارہی تھیں۔میں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں نے رسولؐ اکرم کوخواب میں دیکھا ہے آپؐ کے ریش مبارک وسر پرخاک پڑی ہوئی تھی۔میں نے سبب دریافت کیاتو فرمایا کہ میں ابھی شہادت حسینؑ کودیکھ کرآرہاہوں۔[٧]

٣۔ابن عباسؓ کی اورایک روایت میں ہے کہ رسولؐ اللہ کے ہاتھ میں ایک خون کی شیشی تھی کہ جوامام حسینؑ اورآپ کے اصحاب کا اور آپؐ نے فرمایا اے ابن عباس تمہیں معلوم نہیں کہ میرے بعد میری امت نے کیا کیا؟میرے فرزند حسینؑ کوقتل کر دیا۔یہ حسینؑ اور ان کے اصحاب کا خون ہے کہ جسے میں اللہ کے ہاں لے جارہاہوں۔٢٤دن کے بعد جب خبرآئی تو معلوم ہوا کہ امام حسینؑ اسی دن شہید کردیے گئے تھے۔[٨]

یہ حقائق جب نانا دیکھتے ہیں،تو بتلائے کہ ان کے دل پر کیا گذرتی ہوگی۔پھر جب ماں اور باپ دیکھیں تو ان کومسرت ہوگی یا اندوہ وغم؟مسرت سے اس دن کوتعبیر کرنا کسی بھی طرح سیرت رسولؐ اللہ کی تاسی نہیں کہلائی جائیگی۔غورتو کیجئے!١٠ہجری میں رسول اللہؐ وفات فرماتے ہیں۔جبکہ ٤ھ میں امام حسینؑ کی ولادت ہورہی ہے۔یعنی ولادت امام حسینؑ ہی سے مسلسل آنحضورؐ اپنی وفات تک اس واقعہ جانوز پر مسلسل آنسوں بہارہے ہیں۔وقتاً فوقتاً ان کے اس دردناک واقعے کا سوگ مناتے ہیں۔نہ وقت کی قید نہ مہینے کی۔جب یاد آئی تو رودیئے۔جب بھی نزول فرشتہ ہوا توغم منایا۔١٠ہجری داغ مفارقت نانا دےرہے ہیں اور٦٠ہجری میں امام حسینؑ درجہ شہادت پرفائز ہوتے ہیں۔یعنی پورے پچاس سال کے بعد۔مستند روایات کےتحت حضورؐ کے غم میں افاقہ نہیں اضافہ ہوا ہے۔قبل واقعہ صرف آنسوں تھے،غم تھا اوراندوہ تھا۔اوراب بعد واقعہ چہرہ اطہر،ریش مبارک،لباس اقدس گردآلود ہے۔ننگے سروپیر،ہاتھوں میں خون حسینؑ۔کتنی کیفیت بدل گئی ہےاورغم واندوہ میں کتنا اضافہ ہوا ہے۔یہ پچاس سال لگا تار کیا حضورؐ نے یونہی کاٹے ہونگے؟نہیں نہیں!!رسولؐ آغاز سے ہی انجام کو مسلسل دیکھ رہے تھے۔ظاہری وفات سے حضورؐ حسینؑ سے جُدانہیں ہوئے۔منزل بمنزل،ماہ بہ ماہ،سال بہ سال آپ حسینؑ اور کائنات کے ساتھ تھے،ساتھ ہیں اورساتھ رہینگے۔کلام مجید میں ارشاد ہورہاہے۔**وقل اِعمَلوا فسیری الله عملکم ورسوله والمومنون وستر دون الیٰ عالم الغیب والشهادة فینبئکم بما کنتم تعلمون (سوره توبه ۵)**۔اوراے رسول تم کہہ دو کہ تم لوگ اپنے کام کئے جاؤ ابھی تو خدااوراس کا رسولؐ اور مومنین تمہارے

کاموں کو دیکھیں گے اور بہت جلد (قیامت) میں ظاہر و باطن کے جاننے والے (خدا) کی طرف لوٹائے جائیں گے تب وہ جو کچھ بھی تم کرتے تھے تمہیں بتا دیگا۔

اس آیت میں جیسا اللہ دیکھتا ہے، ویسا رسولؐ بھی ہے۔ اب جب اللہ دیکھتا ہے اور اس دیکھنے میں کسی بھی زمانے کی قید نہیں تو حرف عطف جو لفظ ''واؤ'' ہے کا مطلب ہی یہ ہے کہ رسول اللہؐ کے دیکھنے میں بھی کسی بھی زمانے کی قید نہیں۔ یہی آیت زیر نظر رکھ کر اب وہ کونسا لمحہ تھا کہ جب رسول اللہؐ امام حسینؑ کو نہیں دیکھ رہے اور جب دیکھ رہے تھے تو جو برتاو امت کے ہاتھوں آپ کے اس فرزند کے ساتھ ہو رہا تھا اس کو دیکھ کر آپ کا صبر و قرار ہی لٹ چکا ہوگا۔ عقیدت کی انتہا اور محبت کی معراج جو آپؐ کو حسینؑ کے ساتھ تھی اس کا تقاضا ہی یہ ہے کہ آپ گریہ کناں رہیں۔ یہ اہتمام تو جناب رسالمتابؐ کا ہے۔ اب اللہ کا سنئے کہ جس نے قیامت تک اس مظلومیت کے ماتم کے لئے فرشتوں کو مقرر کر دیا ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ ابوالفر نے اپنے والد سے اور انہوں نے جعفر بن محمد سے روایات کی ہے کہ جس دن حضرت امام حسینؑ نے شہادت پائی اس روز ستر ہزار فرشتے ان کی قبر پر نازل ہوئے۔ یہ فرشتے آپؑ کی مظلومی اور حالت زار پر قیامت تک نوحہ کناں رہیں گے[9]۔ اس روایت میں ایک دن یا ایک ساعت کی قید نہیں بلکہ قیامت تک کے ماتم کرنے کا ذکر ہے۔ عیدین کی استثناء نہیں، ولادت کی استثناء نہیں۔ اب بھلا عاشورہ جب آجائے تو پیغام مسرت لیکر آئے..........؟ خوشیاں منائیں..........حیف اور صد حیف۔

حقیقت کیا ہے؟

آخر سوال یہ ہے کہ تضاد پھر کیسا کہ اہل تشیعہ حضرات غم و الم میں ڈوبے رہتے ہیں، ماتم زدہ رہتے ہیں اور اہل سنت مسرت اور خوشیاں مناتے ہیں، زرق برق لباس سے آراستہ اور مرغن غذاؤں کو خصوصیت کے ساتھ ترجیح دیتے ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ کہ صوم عاشورہ کو بڑی شد و مدّ کے ساتھ اہمیت دیتے ہیں جب کہ اللہ ایک، رسول ایک، قران ایک، قبلہ ایک ہے؟

اس کا جواب بذات خود علمائے اہلسنت جانتے ہیں۔ لیکن مصلحت کے آگے مجبور ہیں۔ ہم کبھی بھی یہ نہیں چاہیں گے کہ یہ لوگ مذہب اسلام کے حقائق سے افراد عامہ کو بے خبر رکھیں۔ لہٰذا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم حقیقی خدو خال وقتاً فوقتاً ان افراد کے سامنے رکھیں گے۔

Now the practical meterialism of the opportunist Omyyad rulers of Damuscus needed apeg on which to hang their misdeeds at karbala and to secure of fruits of Amir's revot againast the possiblites of a popular rebellion

دمشق کے موقعہ پرست اور بنائے وقت حکمران بنوامیہ کو ایک ایسی کھونٹی کی ضرورت تھی جس پر وہ کربلا میں کی ہوئی اپنی سیاہ کاریوں کو لٹکا یں تا کہ امیر شام کی بغاوت حق کے ثمرات سے فائدہ مندر ہیں

روایت ہے کہ سعید نے حسن بصری سے پوچھا کہ بنوامیہ نے کربلا کے علاوہ مسلمانوں کا خون کہیں اور بھی بہایا ہے اور کیا یہ خدا نے مقدر کیا تھا؟ حسن بصری نے جواب دیا:

These enemies of God were liars (کہ یہ دشمن خدا کذاب تھے۔)

بنوامیہ نے عہد کیا تھا کہ وہ تمام آثار مٹادئے جائیں کہ جو عہد علی بن ابی طالبؑ میں رائج تھے۔[١٠]

یہ طوفان تھمانہیں بلکہ اور تندوتیز ہوکر بڑھتا رہا۔ پورے دور بنوامیہ میں اسکی تجدید کر دی گئی اور پھر بنوعباسیہ کا دور آ گیا۔ انہوں نے اتنا ہی ستم نہیں یا بلکہ انہدام قبر حسینؑ کا بھیانک تکاب بھی کیا۔ ٢٣٦ھ میں متوکل نے حکم دیا کہ قبر حسینؑ اور اسکے گرد کے مکانات منہدم کر دیئے جائیں اور وہاں کھیتی کی جائے۔ لوگوں کو اس تربت شریف کی زیارت سے منع کیا۔ پس قبر حسینؑ کو خراب کر کے میدان کر دیا۔ متوکل اہلبیت رسولؐ سے دشمنی رکھنے والا اور آپ کو سب وشتم کرنے والا مشہور ہے۔[١١] ہم نے اسی کتاب کے آخر میں انہدام قبور الشہداء کے عنوان سے ایک باب لکھا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

یہ تھی بنوامیہ اور بنوعباسیہ کی سنت کہ خطہ ارض پر اہلبیتؑ کا نام تک نہ رہے اور جب یہ سنت بڑھی تو اسی کو بڑھاوا دینے کیلئے کہا گیا ہے کہ روز عاشورہ روز غم نہیں روز مسرت ہے۔ پھر جس نے اس اہم سنت کے احیاء میں ساری عمر صرف کی نادان ماحول اور عدم معرفت کی تیرہ وتار اندھیروں میں اسی کا دامن تھام لیا گیا ہے۔ وقت کے تقاضے کے پیش نظر ہم اس کے چہرے پر سے نقاب اٹھانے کا فریضہ پھر کبھی انجام دینے کی سعادت حاصل کریں گے۔ فلحال عاشورہ کی روایات پر علمائے اہلسنت کے چند اقوال مندرج کر دیں گے:

یہ تو ہم دیکھ ہی چکے ہیں کہ شہادت امام حسنؑ پر معاویہ اور اسکے حواری خوشیاں مناتے ہیں اور ان خوشیوں کو دیکھ کر ابن عباسؓ نے روکر معاویہ سے کہا کہ بخدا! یہ روز غم ہے روز عید نہیں۔[١٢]

صاحب لولوءالمرصوع فی الاصل لہ او باصلہ موضوع نے تحریر کیا ہے: **ومنها احادیث الاکتمال التزئین والطیب یوم عاشوراء فهی من وضع الکذابین** ۔ یعنی روز عاشوراہ سرمہ لگانے اور خوشبو لگانے کی جتنی بھی حدیثین ہیں وہ سب کذابوں کی گڑھی ہوئی ہیں[١٣]۔

امام عبدالرحمان شیبانی تحریر فرماتے ہیں: (ترجمہ عبارت) یعنی یہ حدیث کہ جو روز عاشوراء سرمہ لگائے تو اسکی آنکھ کبھی بھی نہ دکھے گی حاکم کہتے ہیں کہ منکر ہے۔ ہمارے شیخ کہتے ہیں بلکہ موضوع ہے۔ ابن جوزی نے اسکو موضوعات میں لکھا ہے۔ حاکم کہتے ہیں روز عاشورا سرمہ لگانے کی کوئی حدیث نبی صلعم سے مروی نہیں ہے **فیــــه**

اثر وهی بدعة ابتداعها قتله الحسین علیه السلام ایسا کرنا بدعت ہے جو قاتلان امام حسینؑ کی نکالی ہوئی ہے۔[۱۴]

یہی امام شیبانی دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: "**من وسع علی عیاله یوم عاشوراء وسع الله علیه السنة کلها اسانیده کلها ضعیفة واورده ابن الجوزی فی الموضوعات** یعنی یہ حدیث کہ جو روز عاشوراء اپنے عیال پر فراخی کرے اللہ تعالیٰ تمام سال اس پر فراخی کریگا" اس کی تمام سندیں ضعیف ہیں اور ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں شمال کیا ہے۔[۱۵]

جتنے احادیث فضائل روز عاشورا میں مثل اسکے کہ اس روز حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی، حضرت ابراہیمؑ نے نجات پائی، حضرت نوحؑ کی کشتی کوہ جودی پر ٹھہری اور حضرت یوسفؑ نے رہائی پائی وغیرہ بیان کی جاتی ہیں، سب غلط ہیں اور ان تمام کو کذابین نے وضع کیا ہے۔[۱۶]

ان روایات کو جھٹلانا تو کم از کم ہمارا کام نہیں۔ ہاں اب اگر آپ کے علماء ان سے ذاتی اغراض ومقاصد کی وجہ سے چشم پوشی کریں تو اس میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔ پھر بھی سوال یہ ہے کہ آخر اتنا تفاوت کیونکر اور کیسے؟۔ کوئی وجہ بھی تو رہی ہوگی۔ یقیناً وجہ ضرور ہے اور وہ صرف یہ ہے کہ اہلبیتؑ مخالف عناصر نے ہمہ وقت سرتوڑ کوشش کی کہ کسی بھی طرح اگر ہم اہل بیتؑ کو مٹا نہ سکے تو کم از کم ان کی یاد اور ان کے آثار کو مٹایا جائے تا کہ آثار اور یاد مٹا کر ان کے نام لیوا زمینپر باقی نہ رہیں۔ کیونکہ ان کے رہنے سے مخالف عناصر کے چہروں سے نقاب ہمہ وقت اترنے کا شدید اندیشہ تھا۔ میں اس بیان کی تائید ایک جید عالم اہلسنت سے کراؤں گا۔ علامہ مقریزی ہے فرماتے ہیں (ترجمہ عبارت) "مصر کے خلفائے بنی فاطمہ روز عاشورا کو غم کیا کرتے تھے۔ اس دن بازار بند کر دیے جاتے تھے۔ ایک بڑا دسترخواں تیار کیا جاتا تھا۔ جس کو سماط الحزن کہتے تھے۔ اس میں سے (کھانا) بہت کچھ لوگوں کو پہونچتا تھا۔ جب دولت بنی فاطمہ کو زوال آیا اور صلاح الدین نے مصر پر قبضہ کر لیا تو اس نے اور اسکے خاندان ایوب نے یوم عاشوراء کو خوشی منانی شروع کی اور اس روز انہوں نے اپنے عیال پر فراخی اور کھانے میں کشائش کی۔ حلوے، مٹھائیاں بناتے تھے، نئے نئے برتن خریدتے تھے، سرمہ لگاتے اور حمام میں جاتے تھے جیسا کہ اہل شام کرتے تھے، اس سنت کے موافق جو اُن میں حجاج بن یوسف نے عبدالملک بن مروان کے عہد میں جاری کی تھی اور جسکی غرض یہ تھی کہ شعیان علیؑ بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو جلایا اور ذلیل کیا جاوے جو یوم عاشوراء کو یوم عزا مانتے اور غم کرتے تھے امام حسینؑ پر جو اس روز شہید ہوئے تھے[۱۷] یہ تھی حقیقت اور یہ تھا جائزہ۔

ان احادیث سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

۱۔ غم شبیرؑ منانا سنت الہیہ اور سنت رسولؐ ہے۔

٢۔ یوم عاشوراء روز عید نہیں روز غم ہے اور اس دن ہی کیا بلکہ اگر سال بھر بھی ماتم منایا جائے تو یہ عینی تاسی رسول اللہؐ ہوگی۔

٣۔ عاشوراء کو روز عید قرار دینا نہ صرف سنت بنی امیہ و بنو عباسیہ ہے بلکہ سنت بنوایوب بھی ہے جس کا حکم نہ قرآن میں ہے اور نا ہی سنت رسول اللہؐ میں۔

حوالہ جات

۱۔ مقتل الخوارزمی جلد اول ص ٢١٣

٢۔ کفایت الطالب ص ٢٧٩

٣۔ طبقات ابن سعد ٦ ص ٢٧٥، تہذیب التہذیب ج ٢ ص ٢٢٢، شذرات الذہب ج ٢ ص ٢٢٦، تاریخ بغدادی ج ٣ ص ٢٦٦

٤۔ مقتل الحسین للخوارزمی ٢ ص ١٦٧

٥۔ السنن ابن ماجہ ج ٢ ص ٥١٨، مستدرک ٤ ص ٤٦٤

٦۔ صواعق محرقہ ص ١١٦، مشکواۃ المصابیح ج ٢ ص ١٧٢، اسد الغابہ ج ٢ ص ٢٢، ذخائر العقبیٰ ص ١٤٨، مسند احمد حنبل جلد اول ص ٢٨٣، نظم الدرر ص ١٢٧، خصائص الکبریٰ ج ٢ ص ١٢٦، تاریخ الخلفاء ص ١٣٩

٧۔ تاریخ بغداد ج ١٤ ص ٢٣١، تہذیب التہذیب ج ٢ ص ٢٧٥، تاریخ الخلفاء ص ١٣٩، جامع صحیح ج ١٣ ص ١٩٣، مستدرک ج ٤ ص ١٩، تہذیب التاریخ ٤ ص ٣٤٠

٨۔ طبقات القراء ج ٢ ص ٣٤٩، النجوم الزاہرہ ج ٥ ص ٢٧٠، شذرات الذہب ٤ ص ١١٤

٩۔ غنیۃ الطالبین ص ٤٦٢

١٠۔ تفسیر کبیر، ج ١ ص ١٦٠

١١۔ تاریخ الخلفاء امام جلال الدین سیوطی ص ٢٣٧

١٢۔ امامت و سیاست ص ١٢٨

١٣۔ لولوالمرصوع مطوعہ مصر ص ١٠٨

١٤۔ تمیز الطیب من الخبیث ص ٢٠٠

١٥۔ تمیز الطیب من الخبیث ص ٢١٦

١٦۔ صواعق محرقہ ص ١١٠ اشرح سفر السعادت عبدالحق محدث دہلوی ص ٥٤٢

١٧۔ ملاحظہ ہو المواعظ والاعتبار ج ٢ ص ٣٨٥ مصر

فہرست مضامین

۷۲ پانی

☆